۲/۹۱۱۴

مِنْ جُملہ اَجِلّہ خلفاء مجازینِ بیعت

اشرف العلماء الراسخین ، امام المحققین ، قطب الارشاد والتکوین

مجدد الملت والدین ، حکیم الامت بالیقین ، شیخ المشائخ والکاملین

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

یعنی

جامع الفضائل والکمالات، خیر المشائخ والکاملین، شمس العارفین

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ

کی "سوانح حیات"

خیر السوانح

تالیف
مولانا آفتاب احمد
یکے از متوسلین صاحب السوانح

۳۹۱۱۶

جامعہ خیر المدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ •

مِنْ جُملہ اَجِلّہ خُلفاء مجازین بیعت

اشرف العلماء الراسخین، امام المحققین، قطب الارشاد والتکوین

مجدد الملت والدین، حکیم الامت بالیقین، شیخ المشائخ والکاملین

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

یعنی

جامع الفضائل والکمالات، خیر المشائخ والکاملین، شمس العارفین

اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ

کی ”سوانح حیات“

خیر السوانح

تالیف

احقر آفتاب احمد عفی عنہ (ایم۔اے، انگلش)

یکے از متوسلین صاحب السوانحؒ

سابق مدرس دار العلوم الاسلامیہ، اشرف آباد، ٹنڈو الہ یار، ضلع حیدر آباد، سندھ، حال مقیم مدینہ منورہ

۳۹۱۱۶

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	**خیر السوانح**
سوانح حیات	:	اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ
مؤلف	:	مولانا آفتاب احمد زید مجدھم
زیر نگرانی	:	مولانا محمد حنیف جالندھری، مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان
باہتمام	:	حاجی ذیشان الٰہی
طباعت اوّل	:	رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ/ اکتوبر 2006ء
کمپوزیشن	:	حافظ محمد نعمان حامد (شعبہ کمپیوٹر جامعہ خیر المدارس ملتان)
تعداد	:	1100
ناشر	:	ادارہ خیر المعارف، گلشنِ انوار، پرانا شجاع آباد روڈ ملتان
قیمت	:	

ملنے کے پتے

- ادارہ خیر المعارف ''گلشن انوار'' نزد جامعہ موسویہ، پرانا شجاع آباد روڈ ملتان
- دفتر ماہنامہ ''الخیر'' جامعہ خیر المدارس، اورنگ زیب روڈ ملتان
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
- ادارہ تالیفات اشرفیہ، نزد چوک فوارہ ملتان

فہرست

صفحہ نمبر	مضمون
۵۱	مقدمہ (از مؤلف)
۵۱	ضرورت واہمیت سوانح
۵۱	حضرت الحاج مولوی نصرت علی صدیقیؒ کی تجویز اور تاکید
۵۲	مخدومی حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ کا بار بار استفسار
۵۲	احساس ضرورت واہمیت
۵۳	تالیف وتکمیل ''خیرالسوانح'' کے لئے بزرگانِ دین کا بار بار تقاضا اور قیمتی ہدایات ومشورے
۵۳	مخدومی حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کا بار بار تقاضا
۵۳	حضرت الحاج مولوی نصرت علی صدیقیؒ کی مخلصانہ تنبیہ
۵۳	حضرت ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کی تاکید
۵۴	مخدومنا حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی انمول ہدایات اور مفید ترین مشورہ
۵۴	تقلید واجتہاد
۵۴	مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت کار آمد مشورہ
۵۴	نئے سرے سے کام کا آغاز
۵۵	تالیف ''خیرالسوانح'' کے لئے ابتدائی تحریک
۵۵	اجازت تالیف از صاحبِ سوانح
۵۵	مولانا عبدالسلام صاحبؒ کی احقر سے تالیفِ سوانح کی طلب اور تفویض تالیف سوانح
۵۶	مأخذ ''خیرالسوانح'' وتعاون علی التالیف
۵۶	مأخذ اوّل...... ''نقشِ حیات خیر محمدؒ''
۵۶	تزکیہ وتعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں متوقع فائدہ

ماٴخذ ثانی......مشاہدہ ومکاتبت	۵۶
ماٴخذ ثالث......محترمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کی تالیف	۵۶
ماٴخذ رابع	۵۷
موجودہ مہتمم مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدہم کا تعاون	۵۷
حضرت سید قمر الدین احمد دامت برکاتہم کا اہم تعاون	۵۷
حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب کا تعاون	۵۷
ماٴخذ خامس...... مشتمل برنہایت اہم ماٴخذ اور خصوصی تعاون	۵۸
مخدومی حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی تعاون	۵۸
حضرت مولانا حافظ عبدالحق جالندھری رحمہ اللہ کا خصوصی تعاون	۵۸
دیگر متعدد بزرگانِ دین کا تعاون	۵۸
اُستاذی المعظم حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کا مقالہ	۵۹
مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف رحمہ اللہ (خلیفہ مجدد تھانویؒ) کا تعاون اور ان کی کتاب سے استفادہ	۵۹
اُستاذی المحترم حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی کا تعاون	۵۹
مؤلف ''رحمت کائنات'' حضرت مولانا سید قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہٗ کا تعاون	۶۰
حضرت صوفی اقبال رحمہ اللہ (خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ) کا تعاون	۶۰
سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی انمول دُعا اور حوصلہ افزائی	۶۰
حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید شہید حرمؒ کی حوصلہ افزائی	۶۰
حضرت مولانا عبدالعزیز مدظلہٗ اور مولانا عبدالشکور زید مجدہٗ کا تعاون	۶۱
دیگر حضرات کا تعاون اور اعترافِ احسان	۶۱
مختصر تاریخ تالیف ''خیر السوانح''	۶۱
ایک اور گزارش	۶۳
خاتمہ	۶۳
سیدی حضرت والاؒ کے ارشادات بر درخواست اجازت برائے ترتیب ''سوانح حضرت والاؒ''	۶۴

نقل تمہید خودنوشت سوانح حضرت والاؒ	۶۴
ارشادات ودُعا سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہٗ	۶۵
مکتوب گرامی اُستاذی المعظم مخدومی محترم حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	۶۵
گرامی نامہ مفتی اعظم پاکستان مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ	۶۶
گرامی نامہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ندوۃ العلماء لکھنؤ)	۶۶
پیشِ لفظ (از حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ)	۶۷
سیدی ومولائی حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی اتباع سنت والی حیاتِ طیبہ کی تین نمایاں خصوصیات	۷۰
خلاصۃ السلوک اور عطر تصوف	۷۳
حاصل تصوف	۷۳
رسالہ ''الیم فی الیم'' در طریق سلوک	۷۳
رسالہ ''الظم فی الیم'' در ماہیت اصلاح	۷۴
تعارف حقیقت وضرورتِ تصوف	۷۴
عرضِ مؤلف	۷۴
تصوف	۷۵
حقیقتِ تصوف	۷۵
ضرورتِ تصوف	۷۵
تصوف اور قرآن	۷۵
اقوال صوفیاء	۷۷
شریعت وطریقت کی اصطلاحات الگ الگ بعد میں بضرورت مقرر کی گئیں	۷۷
شریعت، طریقت، حقیقت ومعرفت	۷۸
بیعت	۷۸
اسماء گرامی حضرات سلاسل اربعہ	۷۹

باب اوّل ...... اسم گرامی وتاریخی نام نامی	۸۰
باب دوم......نسب شریف اور خاندانی حالات	۸۲
''راعین'' قوم اور لفظ کی تحقیق	۸۳
''راعین'' کی آمد	۸۴
راعین میں سے بعض کا سید، بعض کا فاروقی اور دیگر شیوخ سے ہونا	۸۴
سرکاری رپورٹ	۸۵
راعین میں عربی آثار	۸۵
قوم راعین کا دینی فیضان	۸۵
تذکرہ والد محترم میاں الٰہی بخش صاحب مرحوم	۸۷
تذکرہ والدہ صاحبہ مرحومہ	۸۷
تذکرہ ماموں صاحب مرحوم	۸۸
الٰہی بخش کی اولاد	۸۹
تذکرہ برادر عزیز مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم	۹۰
برادرِ مرحوم کا نکاح	۹۱
برادرم مرحوم کا زمانہ تدریس	۹۲
برادرم مرحوم کا اخلاص	۹۲
برادرم کی وفات	۹۳
علماءِ کرام بغرض جنازہ وتعزیت	۹۳
عمر	۹۴
تذکرہ اولاد برادر عزیز	۹۴
باب سوم......ولادت باسعادت......وطن اور طفولیت	۹۵
طفولیت	۹۵
آبائی وطن سابق	۹۶

باب چہارم ..... ابتدائی تعلیم	۹۷
ابتدائی قرآن مجید ناظرہ	۹۷
مراجعت وطن	۹۷
باب پنجم ...... زمانۂ تحصیل علوم یعنی تحصیل علوم و تذکرۂ اساتذۂ کرام اور واقعات	۹۸
داخلہ مدرسہ رشیدیہ نکودر (سالِ اوّل ۲۴-۱۳۲۳ھ)	۹۹
حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب چندیانوی	۹۹
مدرسہ عربی رائے پور گوجراں (سالِ دوم تا پنجم ۲۴ھ تا ۱۳۲۸ھ)	۱۰۰
استاذی حضرت مولانا فضل احمد صاحبؒ	۱۰۰
استاذی حضرت مولانا حافظ فقیر اللہ صاحب رائے پوریؒ	۱۰۱
نقشہ تحصیل علوم مدرسہ رائے پور گوجراں	۱۰۴
شرکت جلسہ ۲۷ سالہ دارالعلوم دیوبند و زیارت بزرگان ..... حضرت حکیم الامت کی اوّل بار زیارت و سماعت وعظ	۱۰۵
تحصیل بعض علوم بمقام گنجہ ۱۳۲۸ھ	۱۰۶
استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی	۱۰۶
مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی (۱۳۲۸ھ تا ۱۳۳۱ھ)	۱۰۶
استاذی حضرت مولانا غلام نبی صاحب	۱۰۷
استاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحب	۱۰۷
استاذی حضرت مولانا محی الدین صاحب	۱۰۷
استاذی جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب بہاری	۱۰۷
استاذی مولانا حسن نواز صاحب انبالوی	۱۰۸
سفر میرٹھ اور زیارت اکابر و سماع مواعظ حضرت حکیم الامتؒ وغیرہ	۱۰۸
سفر دہلی و مشاہدہ تاج پوشی جارج پنجم	۱۰۸
زیارت مزارات مقدسہ	۱۰۸
رحلت ماموں شاہ محمد صاحب	۱۰۹

مراجعت وطن	۱۰۹
چندروزہ قیام دیوبند واستفادہ ازبعض اکابر اساتذۂ دارالعلوم	۱۰۹
تدریس بزمانۂ طالب علمی	۱۱۰
مدرسہ رائے پور گوجراں	۱۱۰
گنجہ ضلع گجرات	۱۱۰
سرگلاؤٹھی، دہلی اور میرٹھ بسلسلہ علالتِ استاذ اوراستفادۂ علمی (۱۳۳۱ھ)	۱۱۰
مدرسہ اشاعت علوم بریلی (۱۳۳۲ھ)	۱۱۱
استاذی المعظم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب	۱۱۱
استاذی جناب مولانا سلطان احمد صاحب بریلوی	۱۱۱
استاذی جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب	۱۱۲
استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری	۱۱۲
نقشہ تحصیل وتکمیل علوم مدرسہ اشاعت علوم بریلی	۱۱۲
باقاعدہ تدریس بزمانۂ طالب علمی...... مدرسہ اشاعت علوم بریلی	۱۱۲
دستار بندی اور اسناد از حضرات اساتذۂ کرام	۱۱۳
باب ششم ...... تعلیم وتدریس حضرت والاؒ کی تعلیمی وتدریسی خصوصیات	۱۱۴
طریقہ تعلیم	۱۱۴
اندازِ تدریس	۱۱۵
حسن تعلیم وتقریر	۱۱۵
حضرت والاؒ کے درس میں احقر مؤلف کی حاضری	۱۱۶
مشاہدۂ مہارت تعلیم حضرت والاؒ اور شرف تلمذ احقر مؤلف	۱۱۶
دینی کتب سے محبت اور ان کا ادب	۱۱۷
رمضان المبارک میں حضرت والاؒ کی تدریس کتب جن میں چندسال احقر مؤلف کو شرف تلمذ حاصل ہوا	۱۱۷
اصول تعلیم وتعلم اور متعلقات اصول کی بابت حضرت والاؒ کے معمولات وملفوظات اور ہدایات	۱۱۸

اساتذہ کے لئے سنہری اصول	۱۱۹
درجہ قرآن مجید کے اساتذہ کے لئے چند کارآمد ہدایات	۱۱۹
خیر الافادۃ فی المطالعۃ والتکرار والاعادۃ (طلباء کے لئے تعلیمی ہدایات)	۱۲۰
طلباء کی اصلاح اور تزکیۂ نفس مع تعلیم	۱۲۰
ناغہ سے احتراز......حب حدیث نبوی شریف اور عشق رسول ﷺ	۱۲۰
حدیث سے محبت	۱۲۰
سبق کے ناغہ کا ضرر	۱۲۱
استاد کا اُدب	۱۲۱
تعلیم میں سیاسیات سے یکسوئی	۱۲۲
ہم بھی یکہ والے ہیں	۱۲۲
دین کے قلعے	۱۲۲
درۂ جبل احد کے تیر انداز	۱۲۳
ایک نازک مرحلہ	۱۲۴
حسن انتظام سے متعلق ایک واقعہ	۱۲۵
دورانِ تعلیم دیگر مشاغلِ دینیہ سے یکسوئی	۱۲۵
نصائح حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہٗ	۱۲۷
استاد کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں	۱۲۷
اشرف التمیم فی اصول التعلم والتعلیم (مع المتعلقات)	۱۲۷
حضرت حکیم الامتؒ کے معمولات تدریس	۱۲۷
حضرت حکیم الامتؒ کا طرزِ تعلیم......ماہرین تعلیم اور اساتذہ کے لئے انمول اصول تدریس	۱۲۸
طلباء کے لئے ہفتہ وار مشق تقریر کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ کا ارشاد	۱۲۹
استعداد علمی کے لئے طلباء کو حضرت تھانویؒ کی ہدایات	۱۳۰
واقعات از ابتداء زمانہ تدریس	۱۳۰

چندوسی میں رمضان المبارک اور تراویح	۱۳۱
سائیں پھول شاہ مجذوب کے یہاں دعوت	۱۳۱
تجویز مدرسی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج	۱۳۱
مدرسی منڈی صادق گنج	۱۳۱
مدرسی مدرسہ عربیہ رائے پور گوجراں	۱۳۲
تعمیر مکان	۱۳۲
دوبارہ مدرسی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج	۱۳۲
ناسازیٔ طبع اور علاج	۱۳۳
اصلاح معالج .... احسان کا بدلہ احسان	۱۳۳
نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی جالندھر شہر	۱۳۳
رائے پوری حضرات کا حضرت والاؒ کو نظامت تعلیم کے لئے مجبور کرنا	۱۳۳
خیر الختام بالاسناد عن السادات البررۃ الکرام (اجازت سند حدیث وتعلیم تفسیر وحدیث وفقہ)	۱۳۴
باب ہفتم ...... تاسیس مدرسہ عربیہ خیر المدارس	۱۳۶
افتتاح مدرسہ خیر المدارس	۱۳۶
مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر	۱۳۶
حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کا استعفاء از خدمات مدرسہ بوجہ شمولیت سیاسیات	۱۳۷
حضرت والاؒ کا حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد پر تازیست عمل	۱۳۷
مدرسہ کی سرپرستی	۱۳۸
حضرت والاؒ کا کمالِ تعلیم وتدریس اور شانِ انتظام	۱۳۸
مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں بزرگانِ دین کا ورودِ مسعود	۱۳۹
مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تشریف آوری	۱۴۱
تاثرات حضرت مجذوب صاحبؒ بابت خیر المدارس	۱۴۲

باب ہشتم رکنیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند	۱۴۶
نقل گرامی نامہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند)	۱۴۶
دارالعلوم دیوبند میں دارالافتاء یا تدریسی خدمت کے لئے تشریف آوری کی پیشکش	۱۴۶
پیشکش رکنیت دارالعلوم دیوبند	۱۴۷
استعفیٰ از رکنیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند	۱۴۸
باب نہم ... ہجرت پاکستان اور خیرالمدارس ملتان	۱۴۹
فسادات مشرقی پنجاب	۱۴۹
اقامت نکودر کیمپ	۱۵۰
تولد پوتی	۱۵۰
لاہور	۱۵۰
ملتان	۱۵۱
اجراء مدرسہ خیرالمدارس ملتان	۱۵۱
تتمۂ ہجرت	۱۵۱
بستی نو	۱۵۱
گیان تھلہ وبادلی	۱۵۱
نشأۃ ثانیہ خیرالمدارس ملتان	۱۵۲
تاریخ نشأۃ ثانیہ	۱۵۲
نظم (۱)	۱۵۳
نظم (۲) تعارف خیرالمدارس، ملتان	۱۵۴
بحیثیت ماہر تعلیم اور جامع منقول ومعقول	۱۵۵
حضرت والاؒ کی رائے گرامی بابت درسِ نظامی	۱۵۵
خداتعالیٰ کا فضل وانعام .... حضرت والاؒ کا حسن تدبر، حسن انتظام اور حسن اہتمام بزبان علماء کرام	۱۵۵
باکمال منتظم	۱۵۵

انتظامی شان	۱۵۶
مدرسہ کا مہتمم بننا	۱۵۶
حضرت والاؒ کا تعلیم میں درجہ اخلاص اور طلباء و مدارسِ دینیہ کی خیر خواہی	۱۵۷
تعلیم میں اخلاص اور طلباء کے فائدہ کی مقصودیت	۱۵۷
دینی مدارس کی خیر خواہی	۱۵۷
اہلِ مدارس کی سیاست سے یکسوئی	۱۵۸
عمارت خیر المدارس ملتان	۱۵۹
جامع مسجد خیر المدارس، ملتان (خیر المساجد)	۱۵۹
دارالحدیث اشرفیہ	۱۶۰
دارالحدیث بابرکات	۱۶۱
خیر المدارس ملتان کے بارے میں بزرگانِ ملت کی آراء	۱۶۱
شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	۱۶۱
مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ	۱۶۱
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۱۶۲
شیخ شریعت و طریقت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ	۱۶۲
مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ	۱۶۲
ماہر علوم جدیدہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندویؒ	۱۶۲
شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ	۱۶۳
فاضل ادیب حضرت مولانا محمد ناظم ندوی، سابق شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور	۱۶۳
فاضل یگانہ حضرت العلامہ مولانا سعید مبارک الصوری (مسقط)	۱۶۳
حضرت العلامۃ الجلیل الشیخ امجد الزہادی (از مشاہیر علماء عراق)	۱۶۳
خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ	۱۶۳
شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ	۱۶۴

جناب ڈاکٹر محمد فحام صاحب (معتمد شعبۂ عربی جامعہ ازہر مصر)	۱۶۴
ممتاز مصری عالم فضیلۃ الشیخ حسن حبشی حفظہ اللہ تعالیٰ	۱۶۴
عالم عرب کے ممتاز (حنفی) عالم فضیلۃ الشیخ العلامۃ عبدالفتاح ابوغدہ تلمیذ امام کوثریؒ	۱۶۴
زُبدۃ المحققین حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مہتمم مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک	۱۶۴
مجاہد ملت حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ	۱۶۵
حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ سابق ناظم امور مذہبیہ بہاولپور	۱۶۵
صوفی کامل حضرت محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری وحضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ	۱۶۵
کفر کا سیلاب اور دین اسلام کے مضبوط قلعے	۱۶۵
مدارسِ دینیہ	۱۶۵
تعلیم النساء	۱۶۸
سنگِ بنیاد مدرسہ تعلیم النساء	۱۷۰
مدرسہ تعلیم النساء	۱۷۱
مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ تبلیغی اجتماعات	۱۷۲
مزید بابت سالانہ جلسات خیر المدارس	۱۷۴
حضرت مولانا سید سلیمان کے بیان اور جلسہ خیر المدارس کے دوران بارانِ رحمت	۱۷۵
حضرت مولانا مدنیؒ کو جلسہ کے لئے دعوت بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، نہ کہ بحیثیت صدر جمعیۃ العلماء ہند	۱۷۵
شرکت جلسہ سے حضرت مولانا مدنیؒ کا عذر اور اس کا ازالہ بجواب حضرت والاؒ	۱۷۵
دو ملفوظات حضرت والاؒ بر موقع جلسہ	۱۷۶
ملفوظ (۶) انتخاب صدر جلسہ میں ترکِ تکلف اور رسمِ مغرب سے اجتناب	۱۷۶
ملفوظ (۷) ہمارا مدرسہ پرانے طریق پر چل رہا ہے......حضرت والاؒ کا ارشاد	۱۷۶
اصلاحِ اُمت کے لئے فریضہ اصلاح وتزکیہ اور تعلیم وتبلیغ یا صرف حکومت کی اصلاح....زیادہ اہم اور ضروری کیا ہے؟ ایک غلط فہمی کا ازالہ اور اس کی اصلاح	۱۷۷
مدرسہ عربی خیر المدارس کے سرپرست حضرات	۱۷۸

مدرسہ خیرالمدارس کے مہتمم حضرات	۱۷۸
حضرت مولانا حافظ قاری محمد حنیف صاحب جالندھری زادمجدہٗ	۱۷۹
خطابت اور تدریس	۱۷۹
انتخاب مہتمم	۱۷۹
شوریٰ کا اجلاس	۱۸۰
اسماء گرامی ارکان وعہدہ داران مجلس شوریٰ مدرسہ خیرالمدارس، ملتان شہر (سابقہ در ۱۹۵۶ء)	۱۸۱
مدرسہ کا نظم ونسق کی سپردگی	۱۸۲
خیرالمدارس کی موجودہ مجلس شوریٰ	۱۸۲
خیرالمدارس کے صدر المدرسین حضرات	۱۸۳
دارالافتاء خیرالمدارس	۱۸۴
خیرالمدارس کے سابق خیرالاساتذہ	۱۸۴
خیرالمدارس کے موجودہ اساتذ کرام	۱۸۷
مراسلت حضرت والاؒ مع شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۸۷
(۱) (مکتوب ۴۷ ص ۲۲۸) مکتوب علامہ عثمانیؒ بنام حضرت والاؒ (بابت سفارش داخلہ طالب علم)	۱۸۸
(۲) (ص ۲۴۶) مکتوب حضرت والاؒ بنام علامہ عثمانیؒ (بابت تجویز مجلس شوریٰ برائے سرپرستی خیرالمدارس)	۱۸۸
(۳) (مکتوب ۱۸ ص ۲۴۷) مکتوب علامہ عثمانیؒ بنام حضرت والاؒ (بابت قبولیت سرپرستی خیرالمدارس)	۱۸۸
(۴) (مکتوب ۵۷ ص ۲۲۹) مکتوب بہدایت علامہ عثمانیؒ (بقلم مولانا محمد یحییٰ صاحب)	۱۸۸
(۵) (ص ۲۵۷) مکتوب مولانا محمد یحییٰ صاحب بنام حضرت والاؒ (بابت وفات علامہ عثمانیؒ)	۱۸۹
بعض مکتوبات حضرت والاؒ بنام بعض اکابر علماء کرام	۱۸۹
وفاق المدارس العربیہ پاکستان	۱۹۳
بانیٔ وفاق المدارس	۱۹۳
وفاق المدارس سے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا تعلق	۱۹۴
اوّل صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان	۱۹۵

ماضی کے خیر الطلبہ (چند پند در شعر و بند)	۱۹۵
آج کا خیر المدارس اور احقر مؤلف کی اپنے برادرانِ خیر المدارس کی خدمت میں گزارش	۱۹۶
ملفوظات و مواعظ حکیم الامتؒ کے بارے میں خود حضرت والاؒ اور بعض دیگر صاحب سلسلہ اکابر کے ارشادات	۱۹۸
مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ خلیفہ مجاز بیعت حضرت تھانویؒ کا ارشاد	۱۹۹
حضرت والاؒ کے مکاتیب اصلاحیہ میں مطالعہ مواعظ و ملفوظات کی تاکید	۱۹۹
مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتی اعظم پاکستان) کی تائید و تاکید	۱۹۹
مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی کتاب سے اقتباس بابت ملفوظات	۲۰۰
مدرسہ مثالیہ عربیہ خیر المدارس	۲۰۰
سالانہ روئیداد (مدرسہ خیر المدارس)	۲۰۱
ارشادِ گرامی قطب الاولیاء حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۰۲
مدرسہ خیر المدارس کی تاریخ	۲۰۳
خیر المدارس کی مرکزیت	۲۰۳
مدرسہ کا مسلک و مشرب	۲۰۳
نصب العین یعنی اغراض و مقاصد	۲۰۳
نظم و نسق	۲۰۴
آئین متعلقہ رخصت ملازمین	۲۰۴
ملازمین کی علیحدگی	۲۰۴
آئین متعلقہ طلباء	۲۰۵
داخلہ طلباء	۲۰۵
اوقات مدرسہ ہٰذا	۲۰۶
امتحانات	۲۰۶
نتیجہ امتحان سالانہ شعبان ۱۳۷۶ھ	۲۰۷
مولانا محمد امین صاحب ممتحن درجہ عربی	۲۰۷

مولانا عبدالقدیر صاحب ممتحن درجہ عربی	۲۰۷
مولانا عبداللہ صاحب ممتحن درجہ قرآن	۲۰۷
مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی ممتحن درجہ تجوید وقرأت	۲۰۸
مدرسہ کا چندہ	۲۰۸
مدرسہ کو خود کفیل بنایئے	۲۰۸
ہماری تجویز	۲۰۹
خیرالمدارس (نظم)	۲۰۹
سال رواں کا سانحہ عظیم	۲۱۰
حرف آخر	۲۱۰
المعهد العلمي (اعنى) خير المدارس	۲۱۱
حضرت خیر محمدؒ سے ملا تجھ کو کمال	۲۱۲
باب دہم ... تلامذہ کرام	۲۱۳
نعت خاتم الانبیاء خیر الانام علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام (ازمولانا عظامی تلمیذ مولانا گرامی مرحوم)	۲۱۳
تلامذۂ کرام	۲۱۴
طلباء	۲۱۴
عہد طالب علمی	۲۱۴
عہد مدرّسی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج	۲۱۴
جن علماء نے دورہ حدیث پڑھا اور سند لی	۲۱۵
مدرسہ رائے پور و مدرسہ فیض محمدی جالندھر	۲۱۵
جن علماء نے دورۂ حدیث پڑھا اور سند لی	۲۱۶
مدرسہ خیرالمدارس جالندھر . جن علماء نے دورۂ حدیث پڑھا اور سند لی	۲۱۶
مدرسہ خیرالمدارس ملتان شہر	۲۱۷
شاگرد دو ہی بنے	۲۱۷

فہرست بعض خاص تلامذۂ کرام	۲۱۷
باب یازدہم .... مواعظ حسنہ اور مناظرات	۲۲۱
مناظرات	۲۲۱
استاذ محترم کا ایک پادری سے مناظرہ (۱۳۳۵ھ۔۱۹۱۷ء)	۲۲۱
مدرسی بریلی کے زمانہ ۳۶۔۱۳۳۵ھ میں مرزائیوں سے ایک پنپارہ کا مناظرہ	۲۲۱
ابتداء مناظرات	۲۲۱
غیر مقلدین سے مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور	۲۲۲
جالندھر کے زمانہ میں اہل بدع سے مناظرہ	۲۲۲
اہل حدیث سے مناظرے اور تصنیفِ رسائل	۲۲۲
مناظروں میں کامیابی	۲۲۳
زمانہ مدرسی منڈی صادق گنج مناظروں اور جلسوں میں شرکت	۲۲۳
اہل حدیث سے مشہور مناظرہ اور نمایاں فتح	۲۲۳
اہل حدیث سے ضلع ملتان میں مزید دو مناظرے اور نمایاں فتح	۲۲۳
ضلع امرتسر میں کامیاب مناظرہ اور حضرت حکیم الامتؒ کی عجیب دُعا	۲۲۴
تاندلیانوالہ ضلع لائل پور میں معرکۃ الآراء مناظرہ	۲۲۴
ضلع کرنال میں آخری مناظرہ	۲۲۴
مناظرہ کا ایک گُر	۲۲۴
مناظرہ کا اصل مقصد اور اس کے فوائد	۲۲۵
زمانہ حال اور خیر القرون میں مناظرہ کا فرق	۲۲۵
حضرت حکیم الامتؒ کا مناظرہ میں ملکہ اور ابتداء میں مناظرہ کا شوق اور بعد میں مناظرہ سے نفرت اور ترک	۲۲۶
مواعظ حسنہ	۲۲۶
زمانہ طالب علمی میں طلب پر وعظ	۲۲۶
وعظ بر موقع نکاح برادرِ عزیز	۲۲۷

ردِ بدعات	۲۲۷
سفر علاج اور وعظ	۲۲۷
اعجوبہ ... جنات میں حضرت والاؒ کا وعظ	۲۲۷
جلسہ اہلِ سنت والجماعت میں مواعظ اصلاح عقائد	۲۲۸
مواعظِ حسنہ بعد ہجرت پاکستان	۲۲۸
طرز بیان	۲۲۹
جوشیلی تقریریں اور سادہ پُر اثر وعظ	۲۲۹
حضرت والاؒ کے وعظ	۲۳۰
ملتان جیل میں حضرت والاؒ کا وعظ	۲۳۱
وعظ اور چندہ	۲۳۲
حضرت والاؒ کے حکیمانہ مواعظ	۲۳۲
حکیمانہ وعظ کی دو مثالیں	۲۳۲
حضرت والاؒ کے ایک وعظ کا خلاصہ	۲۳۳
حضرت والاؒ کے وعظ کی تاثیر	۲۳۳
مواعظ حسنہ کا انداز وطریق	۲۳۴
حضرت والاؒ کے تین وعظ	۲۳۵
خیر الشہور ھو شھر القیام والسحور الملقب بشھر الغفران ونزول الفرقان (مرتبہ حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب زادمجدھم)	۲۳۶
دنیا دارِ مجاہدہ اور آخرت دارِ مشاہدہ	۲۳۹
شریعت پر چلنے کا نام مجاہدہ ہے	۲۴۰
لوگ دس صورتوں میں محشور ہوں گے	۲۴۱
پُل صراط پر سات پولیسیں ہوں گی	۲۴۲
خلاصہ مجاہدہ کا نفع	۲۴۲
اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ	۲۴۳

مقصود اعظم تعلق مع اللہ	۲۴۴
عالم کی چار قسمیں	۲۴۴
تعلق مع اللہ اتباع سنت کے طفیل حاصل ہوگا	۲۴۷
باب دوازدہم ......اسفار	۲۴۸
اسفار بزمانہ قیام مشرقی پنجاب	۲۴۸
اسفار بعد ہجرت پاکستان	۲۴۸
بحکم حضرت مہتمم صاحبؒ زمانہ طالب علمی میں سفر برائے چندہ مدرسہ	۲۴۹
مؤائمہ ضلع اعظم گڑھ اور دہلی کے جلسوں میں شرکت	۲۴۹
دعوت نامہ سرائے میر	۲۴۹
اسفار بزمانہ طفولیت	۲۴۹
بعض اسفار میں حضرت والاؒ کی معیت	۲۵۰
سفر ٹنڈو الہ یار	۲۵۱
سفر ٹنڈو اللہ یار بر موقع جلسہ تقسیم اسناد دار العلوم الاسلامیہ	۲۵۱
حضرت والاؒ سے بسم اللہ کرانا	۲۵۲
سفر حج اوّل	۲۵۲
دوسرا حج	۲۵۳
سفر بالاکوٹ	۲۵۴
سفر کراچی اور پہلی بار حضرت والاؒ کی زیارت	۲۵۵
حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سے حضرت والاؒ کی ملاقات	۲۵۶
چلتے ہوئے تربیت اخلاق	۲۵۶
بعض واقعات سفر کراچی اور احقر کے بعض مشاہدات	۲۵۶
حضرت والاؒ کا خادم کے ہاں قیام اور اکابر علماء کا اجتماع	۲۵۸
مخدومی حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی ملاقات	۲۵۸

سفر کراچی بسلسلہ منظور تعمیر مسجد رجب ۷۷ھ مطابق فروری ۵۷ء	۲۵۸
شاہ ظاہر کی ڈگری یا شاہ باطن کی زیارت	۲۵۹
سفر کراچی ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۵۸ء	۲۶۰
کراچی کا آخری سفر رجب ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء	۲۶۰
حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ سے ان کے مدرسہ میں حضرت والاؒ کی ملاقات	۲۶۰
حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ سے حضرت والاؒ کی ملاقات	۲۶۱
دیگر اکابر سے حضرت والاؒ کی ملاقات کا پروگرام	۲۶۱
خادم کے غریب خانہ پر حضرت والاؒ کی تشریف آوری	۲۶۱
خادم کی بیٹی کو تعلیم عربی و ترجمہ قرآن شریف کے لئے حضرت والاؒ کی ہدایات	۲۶۱
حضرت والاؒ کی خدام پر انتہائی شفقت	۲۶۱
حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے حضرت والاؒ کی آخری ملاقات	۲۶۲
حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کے یہاں حضرت والاؒ کی تشریف آوری	۲۶۲
حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئیؒ صاحب سے حضرت والاؒ کی ملاقات	۲۶۲
خادم کو حضرت والاؒ کی آخری بار زیارت	۲۶۲
اسفار کراچی کے بعض واقعات	۲۶۳
بعض العبر من هذا السفر	۲۶۴
باب سیزدہم ...... استفاضۂ باطنی یعنی تحصیل سلوک و تصوف	۲۶۵
حضرت حافظ محمد صالحؒ سے بیعت کی کچھ تفصیل	۲۶۷
(۱) حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ سفر دیوبند	۲۶۷
(۲) حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ کھرپیر و بتقریب نکاح برادرِ عزیز حضرت والاؒ	۲۶۷
انتقال حضرت حافظ صاحبؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع	۲۶۸
اشرف المجادلات وخير المناظرات عن حكم الجمعة فى القرىٰ	۲۶۸
حضرت حکیم الامتؒ سے اجازت بیعت وتلقین اور اس سے قبل تجدید بیعت	۲۷۰

تھانہ بھون حاضری اور اعتکاف	۲۷۱
حضور علیہ کے جلال آباد والے جبہ شریف کی زیارت اور مکرر بیعت	۲۷۱
دماغ چرالینے کا عجیب دعویٰ	۲۷۱
قطب الارشاد والتکوین حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز سے استفادہ	۲۷۲
حاضری تھانہ بھون شریف	۲۷۲
تجدید بیعت طریقت	۲۷۳
حضرت حکیم الامت سے شرف بیعت	۲۷۴
سفرِ "غیب"	۲۷۵
حضرت حکیم الامتؒ نے ساری زندگی اصلاحِ امت میں بسر کی	۲۷۵
حضرت حکیم الامت کے مواعظ حسنہ کی تاثیر	۲۷۵
رسوم جہالت وبدعت مٹانے میں حضرت حکیم الامتؒ کی کامیابی	۲۷۵
حضرت حکیم الامتؒ نے دین کی حقیقی تمثال کو پیش کیا	۲۷۶
حضرت حکیم الامتؒ کی خانقاہی خدمات کا اجمالی خاکہ	۲۷۶
حضرت حکیم الامتؒ کی دینی خدمات	۲۷۶
حضرت حکیم الامتؒ کے چند اوصاف حمیدہ	۲۷۶
حضرت تھانویؒ کا عشقِ رسول	۲۷۶
اتباعِ سنت واصلاحِ امت	۲۷۶
حضرتؒ کی زندگی کا نصب العین	۲۷۷
کمالِ فراست	۲۷۷
حضرتؒ کی تحریر میں اثر اور برکت	۲۷۷
استغناء اور توکل	۲۷۷
کامل اتباعِ سنت	۲۷۷
صحابی کا نمونہ	۲۷۷

حضرتؒ حقیقی مؤمن تھے	۲۷۷
حاضر جوابی اور بذلہ سنجی	۲۷۷
کمالِ تحقیق	۲۷۷
فیض یافتہ امدادؒ محبوب تلمیذ رشیدؒ، یعقوبؒ	۲۷۸
صدقاتِ جاریہ	۲۷۸
ذخیرہ ملفوظات ومواعظ	۲۷۸
فوائد مطالعہ ملفوظات	۲۷۸
تصنیفی خدمات	۲۷۸
تبلیغی خدمات	۲۷۸
آپؒ کے اوصاف کا بیان ناممکن ہے	۲۷۹
اہل اللہ کے آثار مٹ نہیں سکتے	۲۷۹
عود الی موضوع البیعة	۲۷۹
حصولِ اجازت بیعت وتلقین	۲۷۹
غایت تواضع کے سبب حضرت والاؒ کا اجازت بیعت وتلقین سے مؤدبانہ اظہار عذر	۲۸۰
اس کا محققانہ جواب	۲۸۰
خطبہ وطریق بیعت	۲۸۱
طریق اصلاحِ باطن	۲۸۱
حضرت حکیم الامت کی امرتسر، لاہور اور جالندھر تشریف آوری	۲۸۲
وصال حضرت مرشدنا حکیم الامت تھانویؒ	۲۸۴
مرثیے اور تاریخیں	۲۸۵
مرثیہ قطب عالم مجدد عصر حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز بقلم مولانا عطائیؒ	۲۸۵
مرثیہ وتاریخ از حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ	۲۸۷
تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ	۲۸۸

تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحبؒ (لاہور)	۲۸۸
مادہ ہائے تاریخی	۲۹۰
حضرت والاؒ کے احوال استفاضہ باطنی	۲۹۰
بعض اکابر کا حضرت والاؒ کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ	۲۹۱
خاتمۃ الباب	۲۹۱
باب چہارم دہم ...... لقائے بزرگاں	۲۹۳
تمہید	۲۹۳
حضرت سائیں طورشاہ صاحبؒ	۲۹۳
ادب واحترام باوجود اختلافِ مسلک	۲۹۴
حضور ﷺ کی امام غزالیؒ کو خواب میں تنبیہ	۲۹۴
سیاسی عقائد کے جزئی اختلاف کے باوجود حسنِ ظن اور ادب واحترام	۲۹۴
ذکر رسول اکرم ﷺ ...... رسمی محفل میلاد اور حضرات فقہاء حنفیہ کی دوررس وعمیق نظر	۲۹۵
لقائے بزرگان	۲۹۶
خاتمہ	۲۹۸
باب پانزدہم ...... ارشاد وافاضہ باطنی	۲۹۹
اوّل بار زیارت	۲۹۹
اوّل بار حاضری ملتان	۳۰۰
طرزِ تربیت	۳۰۰
اسماء حضرات مجازین از بندہ خیر محمد	۳۰۲
مرہم اور آپریشن	۳۰۳
استغناء اور شفقت	۳۰۳
حسن تربیت کا سنہری اصول	۳۰۴
ابتداء جمعہ مسجد بدررخ شاہ	۳۰۴

خیر المساجد کا لکڑی کا منبر	۳۰۵
تزکیہ نفس اور مطالعہ مواعظ وملفوظات حضرت مجدد تھانویؒ اور بعض دیگر اہم مؤلفات	۳۰۵
ہمت کے حصول کا طریقہ	۳۰۸
مکاتیب اصلاحیہ	۳۰۹
اقتباسات از بعض مکتوبات مشتمل بر استرشادات وارشادات	۳۰۹
اصلاحِ نفس کی فرضیت اور مطالعہ ''تبلیغ دین''	۳۰۹
ایک مرید کی اہلیہ کے لئے مطالعہ کتب اور خود احقر کیلئے مطالعہ ''ترجمان السنہ''	۳۰۹
مواعظ وملفوظات	۳۰۹
مطالعہ کتب کو ترجیح	۳۱۰
استعمال ہمت اور مطالعہ مواعظ	۳۱۰
ہمت اور کثرت استغفار	۳۱۰
ملفوظات کا مطالعہ اور استحضار	۳۱۰
معاصی سے طبعی اور عقلی نفرت	۳۱۰
مطالعہ کا قلب پر اثر مطلوب ہے عدم استحضار کا مضائقہ نہیں	۳۱۰
قرأت اور نماز کی طرف ابتداء میں ہی توجہ کافی ہے	۳۱۱
تبلیغ دین دیکھ کر اپنے امراض باطنی معلوم کرنا	۳۱۱
مطالعہ ملفوظات ومواعظ	۳۱۱
مطالعہ تبلیغ دین اور عوارف المعارف	۳۱۱
معمولات اور مطالعہ	۳۱۱
آخری ارشادات۔۔۔بعض اہم کتب برائے مطالعہ	۳۱۲
بعض اکابر کا اپنے مریدوں کو حضرت والاؒ سے استفاضہ کے لئے ارشاد	۳۱۲
حضرت والاؒ کا اندازِ تربیت	۳۱۳
دو لطائف	۳۱۴

درود شریف	۳۱۴
حضرات مجازین	۳۱۴
میرے شیخ کامل ...... حصہ اوّل (از حضرت مولانا الحافظ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم)	۳۱۵
حضرت سے ابتدائی تعلق ہی کلید سعادت معلوم ہوا	۳۱۵
حضرتؒ میں شیخ کامل کی جملہ علامات موجود تھیں	۳۱۶
حضرتؒ کی توجہ سے دنیا سے دل سرد ہو گیا	۳۱۶
حفظ قرآن پاک کا شوق	۳۱۷
حضرت والاؒ کے وعظ کی تاثیر	۳۱۷
حضرت والاؒ بلاشبہ خیر مجسم تھے	۳۱۷
حضرت حکیم الامت کے محبوب خلیفہ	۳۱۷
حضرت مرجع الخلائق تھے	۳۱۸
حضرت کو فن تصوف میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا	۳۱۸
اجازت بیعت	۳۱۸
میرے شیخ کامل (حصہ دوم)	۳۱۹
مجلس شیخ میں بیٹھنے کے آداب	۳۱۹
نماز میں وساوس کا علاج	۳۱۹
تفویض وتوکل اور رضا بالقضاء کے ساتھ دعاء کا اہتمام رکھنے کی تعلیم	۳۲۰
روزانہ اپنے عیوب کا مطالعہ بڑا مفید ہے	۳۲۰
امر بالمعروف ونہی عن المنکر غیبت ممنوع میں داخل نہیں	۳۲۰
مجاہدہ کے ثمرہ میں مشاہدہ حق موعود ہے	۳۲۰
دورِ حاضر میں حسن کی طرف قصداً میلان قلبی درست نہیں	۳۲۰
خطرات کا آنا ایمان کا مقتضیٰ ہے نگران کی طرف سے بے التفاتی مفید ہے	۳۲۱
امور غیر مشروعہ کے ملاحظہ کے وقت عجیب اعتدال کی تعلیم	۳۲۱

حب جاہ کا علاج	۳۲۱
ریا کی تعریف اور اس کا علاج	۳۲۱
تقاضا غیر اختیاری کچھ مضر نہیں	۳۲۲
دعا رضاء بالقضا کے منافی نہیں	۳۲۲
زہد اسباب دنیویہ کے منافی نہیں	۳۲۲
کسی فعل غیر مشروع سے بغض رکھنا علامت ایمان ہے	۳۲۲
علامت رقتِ قلب	۳۲۳
بغض فی اللہ کے سبب سلام نہ چھوڑنا چاہئے	۳۲۳
عجیب تسلی آمیز تعزیت نامہ	۳۲۳
حضرت والاؒ کی شفقت والطاف کی بعض یادیں	۳۲۳
ضمیمہ میرے شیخ کامل (از ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زیدہ مجدہٗ)	۳۲۴
حضرت والاؒ سے استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کی اصلاحی مکاتبت	۳۲۶
شیخ کامل باپ کے خطوط......سالک راہ بیٹے کے نام	۳۲۶
نماز میں حصولِ اطمینان کا طریقہ	۳۲۶
پریشانیوں کی فکر کی بجائے ان کے اسباب کا ازالہ کیا جائے	۳۲۶
اصلاحِ احوال کا طریقہ	۳۲۶
ازالہ کبر کا آسان طریقہ	۳۲۶
کبر کا علاج	۳۲۷
غیبت کا علاج	۳۲۷
حسد کا علاج	۳۲۷
معرفت الٰہیہ کا مطالعہ	۳۲۷
غصہ برا نہیں مگر......	۳۲۷
حضرت والاؒ سے حضرت حاجی ماسٹر محمد شریف صاحبؒ کی اصلاحی مکاتبت	۳۲۸

جس چیز کے مشتبہ ہونے کا ظن غالب ہو، اس سے بچا جائے	۳۲۸
دینی مقتداء کو مقامِ تہمت اور مواقع شک وتردّد سے اجتناب ضروری ہے	۳۲۸
اصلاح کے چند اُصول ... اطلاع واتباع اور انقیاد وحبِ شیخ (حضرت والاؒ کے چند ملفوظات)	۳۲۹
اصلاح کا ایک اور اصول یک را گیر ومحکم گیر اور اپنے سلسلہ والوں سے ملنے کی اجازت	۳۳۰
معنی الحدیث ومحل الوعید المذکور فی الحدیث ایک اہم استرشاد وارشاد	۳۳۱
خیر الکلام (ما قلّ ودلّ) لحاج بیت اللہ الحرام (ایک عازم حج کو مخلصانہ، جامع اور مختصر نصیحت)	۳۳۱
حضرت والاؒ کی ایک پسند فرمودہ کتاب	۳۳۱
طلباء کی اصلاح اور تزکیہ نفس مع تعلیم	۳۳۲
حضرت والاؒ کے اصلاحی اثرات	۳۳۲
تصحیح عقیدہ	۳۳۳
حضرت والاؒ کا مثال دے کر ایک صاحب کے عقیدہ کی اصلاح فرمانا	۳۳۳
شجرۂ طیبہ (چشتیہ، امدادیہ، اشرفیہ، خیریہ ..... منظومہ)	۳۳۴
باب شانزدہم ... معمولات	۳۳۸
احقر کا مشاہدہ	۳۳۸
تقسیم اوقات	۳۳۸
ابتداء یوم	۳۳۹
نماز مغرب	۳۳۹
بعد مغرب	۳۳۹
بعد نماز عشاء	۳۳۹
بوقت تہجد	۳۳۹
چائے اور ناشتہ	۳۴۰
تلاوت ومناجات	۳۴۰
اوقاتِ مدرسہ	۳۴۰

تالیف شرح بخاری شریف	۳۴۰
ملفوظات	۳۴۰
تدریس بخاری شریف (جلد ثانی)	۳۴۱
کام کا اہتمام	۳۴۱
مقاصد اور وسائل	۳۴۱
حضرت والاؒ کا ایک نہایت اہم اور خاص قابلِ اتباع معمول...... مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامتؒ	۳۴۱
ملفوظات کی اہمیت	۳۴۲
اتباع وعدم اتباع معمولاتِ شیخ	۳۴۴
لیل ونہار (حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے دن اور رات کے معمولات) از مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہم	۳۴۵
قبل فجر	۳۴۵
بعد نماز فجر	۳۴۵
ناشتہ	۳۴۶
مہمان	۳۴۶
اسباق	۳۴۶
سبق کی پابندی	۳۴۶
دوپہر	۳۴۷
خوراک	۳۴۷
ظہر	۳۴۷
ظہر کے بعد	۳۴۷
فتاویٰ	۳۴۷
انتظامی امور	۳۴۸
جمعہ کا دن	۳۴۸

بعدعصر (مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانویؒ)	۳۴۸
بعدمغرب	۳۴۹
بعدعشاء	۳۴۹
باب ہفت دہم ...... تصنیف وتالیف	۳۵۱
خیرالاصول فی حدیث الرسول	۳۵۱
خیرالتقید فی سیرالتقلید	۳۵۱
خیرالمصابیح فی عددالتراویح	۳۵۲
خیرالجواب فی ایصال الثواب	۳۵۳
خیرالوسیلہ	۳۵۳
تیسیرالابواب	۳۵۴
تسہیل المبتدی (فارسی کے قواعد)	۳۵۴
نمازحنفی	۳۵۴
تبویب تربیت السالک	۳۵۵
خیرالافادات	۳۵۶
آثارخیر	۳۵۷
خیرالاختبارفی خبرالاختیار	۳۵۸
ایقاظ المسلمین	۳۵۸
نصاب وطریقۂ تعلیم خیرالمدارس	۳۵۸
آئینۂ آئین وقواعدمدرسہ خیرالمدارس	۳۵۹
نقشِ حیات خیرمحمد	۳۵۹
خیرالملفوظات	۳۵۹
شرح بخاری شریف (عربی)	۳۵۹

خیرالباری علی تقریرالبخاری	۳۶۰
خیرالتذ کار فی تحریم الغناء بالمزامار	۳۶۰
خیرالخطاب	۳۶۱
خیرالکلام فی تحقیق القرأۃ خلف الامام	۳۶۱
خیرالبراہین فی ردّ غیرالمقلدین	۳۶۲
خیرالفتاویٰ (جلداوّل تا پنجم)	۳۶۴
خیرالارشاد فی اثبات التقلید والاجتہاد	۳۶۴
رضاخانی افتراءات پرایک نظر	۳۶۵
مسئلہ توسل کی حقیقت	۳۶۵
ثبوت بیعت طریقت	۳۶۵
کشف الغطاء عن استدلال الثناء	۳۶۵
خیرالکلام فی عدم وجوب القراءۃ خلف الامام	۳۶۶
مسافرکی نماز	۳۶۶
فرقہ اہلِ حدیث کی متعصبانہ تیرہویں ذی الحجہ کی قربانی	۳۶۶
تالیف مذکورہ درخیرالسوانح جو''آثارخیر''میں آنے سے رہ گئی ہیں	۳۶۶
حضرت والاؒ کی جن تالیفات کاذکراس باب میں نہیں آیاتھااوراب''آثارخیر''سے اضافہ کیاجارہاہے	۳۶۷
تالیف نمبر۳۱......تفسیری نکات	۳۶۷
تالیف نمبر۳۲......درس قرآن مجید	۳۶۷
تالیف نمبر۳۶......خیرالافادات والحسنات	۳۶۸
تالیف نمبر۳۷......ارشادات	۳۶۸
تالیف نمبر۳۸...... جمعہ فی القریٰ	۳۶۸
تالیف نمبر۴۶ ...الخیردائمی جنتری	۳۶۹
خاتمۃ الباب	۳۶۹

باب ہیژدہم کرامت واستقامت	۳۷۰
بچپن میں تماشے سے حفاظت	۳۷۲
جنات میں وعظ	۳۷۲
حضرت والاؒ کی معنوی کرامات (حضرت سید قمر الدین احمد شاہ صاحب مدظلہٗ کا تجربہ)	۳۷۲
معنوی کرامت (حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کے ذہنی انقلاب کا سنگِ بنیاد)	۳۷۳
جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب مرحوم کا مشاہدہ	۳۷۳
احقر کی بھانجی کے لئے دُعائے صحت وخیریت	۳۷۳
رحلت سے قبل بعض عجیب واقعات	۳۷۴
بیداری میں حکیم سید ابراہیم صاحبؒ کا مشاہدہ	۳۷۵
ڈاکٹر محسن رضا صاحب زادمجدہٗ کی روایت	۳۷۶
حکیم امیر علی قریشی صاحب کی روایت	۳۷۶
کرامت	۳۷۶
بڑی معنوی کرامت مدرسہ خیرالمدارس کا قیام	۳۷۷
باب نوزدہم ... اہل وعیال (خیرالعیال)	۳۷۸
ازواجِ محترمات	۳۷۸
نکاحِ اوّل اور محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ سے حضرت والاؒ کی اولاد	۳۷۸
وفات زوجہ اولیٰ	۳۷۸
عقد ثانی	۳۷۹
حضرت والاؒ کی اولاد از محترمہ زوجہ ثانیہ مرحومہ	۳۷۹
وفات زوجہ ثانیہ	۳۷۹
نکاح ثالث	۳۸۰
اولاد اخیار	۳۸۰
حضرت والاؒ کی اولاد از محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ	۳۸۰

حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب جالندھریؒ	۳۸۱
ولادت	۳۸۱
ختم قرآن شریف	۳۸۱
نکاح	۳۸۱
تعلیم	۳۸۱
مدرسہ کی خدمت اور سادہ زندگی	۳۸۱
بیعت اور اصلاحی تعلق	۳۸۲
وفات	۳۸۲
مخدومی المکرم استاذی المحترم حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ (مہتمم ثانی جامعہ خیرالمدارس ملتان)	۳۸۳
حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ	۳۸۶
جائے ولادت	۳۸۶
تاریخ ولادت	۳۸۶
ابتدائی تعلیم اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے تبرکاً تلمذ کا شرف عظیم	۳۸۶
نکاحِ اوّل	۳۸۶
وفات اہلیہ اولیٰ	۳۸۶
عقد ثانی	۳۸۷
تحصیل علم اور سند حدیث	۳۸۷
تدریسی زندگی کے آغاز سے نیابت اہتمام تک	۳۸۷
شباہت، طبیعت اور بیعت	۳۸۷
بعض تلامذہ	۳۸۸
لقائے بزرگانِ دین	۳۸۸
سفر آخرت	۳۸۸
فرزند چہارم ۔ انوارالحق مرحوم	۳۸۹

پہلی صاحبزادی مرحومہ	۳۸۹
باب بستم ...... اخلاق وعادات (خیر الشمائل والخصال)	۳۹۰
تواضع اور فنائیت وعبدیت	۳۹۱
کمال تواضع	۳۹۲
تواضع	۳۹۳
بے نفسی	۳۹۴
تواضع ،ایثار اور شفقت	۳۹۴
کمال انکسار اور تواضع	۳۹۴
غیرت دینی اور حاضر جوابی (دندان شکن جواب)	۳۹۵
فہم سلیم ،فراست صادقہ	۳۹۵
حفظ حدود	۳۹۶
دل شکنی سے احتراز	۳۹۶
سفر میں نماز باجماعت	۳۹۶
استغناء ،سیر چشمی ،تقویٰ ،طہارت	۳۹۶
نسبت تھانہ بھون کا احترام	۳۹۷
اکرام ضیف	۳۹۷
رعایت حقوق	۳۹۸
فراست مومنانہ	۳۹۸
جامعیت	۳۹۸
دینی غیرت دحمیت	۳۹۹
بعض اکابر کے خاندان میں صلح اور اصلاح	۳۹۹
استغناء اور غیرت	۳۹۹
نماز تراویح کی پابندی	۳۹۹

مالی تصرفات میں احتیاط	۴۰۰
بلاخوف لومۃ لائم صاف گوئی، پابندیٔ اصول اور نظم وضبط	۴۰۰
جزئی امور میں اصلاح کا اہتمام	۴۰۰
جود وکرم اور ایثار	۴۰۰
مہمان نوازی	۴۰۱
حسنِ انتظام واہتمام	۴۰۱
ورع وتقویٰ، حفظ لسان وقلب	۴۰۱
حضرت والاؒ کے اخلاق وصفات کے بارے میں بعض علماء وصلحاء کے اقوال وروایات	۴۰۲
حضرت والاؒ کا مقام اور اخلاق حسنہ بزرگانِ دین کی نظر میں	۴۰۴
عالم ربانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کی نظر میں	۴۰۴
سید المفسرین حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی نظر میں	۴۰۴
حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کی نظر میں	۴۰۴
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی نظر میں	۴۰۵
شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ کی نظر میں	۴۰۵
خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی نظر میں	۴۰۵
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کی نظر میں	۴۰۵
حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی صاحبؒ کی نظر میں	۴۰۵
حضرت والاؒ کے چند خاص فضائل	۴۰۶
اتباعِ سنت	۴۰۶
عشقِ رسول ﷺ	۴۰۶
تبحر فی العلم	۴۰۶
سراپا شفقت ومحبت	۴۰۷
حضرت والاؒ کے بعض اخلاق وعادات (بقلم حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زادمجدہ)	۴۰۸

تقویٰ	۴۰۸
اتباعِ سنت	۴۰۸
خورد ونوش	۴۰۸
لباس اور دُھلائی	۴۰۸
نماز	۴۰۸
لین دین	۴۰۹
انتظام	۴۰۹
حضرت والاؒ کے خدوخال اور صفات وکردار کا مختصر خاکہ	۴۱۰
اندازِ گفتگو	۴۱۰
اندازِ تحریر	۴۱۱
لباس اور چال ڈھال	۴۱۱
رافت ورحمت اور شفقت ومحبت	۴۱۱
باب بست ویکم ...... علالت وسفرِ آخرت	۴۱۴
دردِ گردہ کے دورے	۴۱۴
فالج کا اثر	۴۱۸
حضرت والاؒ کا شفقت نامہ برائے اطلاعِ افاقہ	۴۱۸
مکاتبت متعلق حال صحت حضرت والاؒ	۴۱۹
دوبارہ فالج کا حملہ	۴۲۲
ضعف	۴۲۳
ایبٹ آباد میں آپریشن	۴۲۳
آخری دو عریضے اور حضرت والاؒ کے جوابات	۴۲۴
آخری حالات اور سفرِ آخرت	۴۲۵
طویل علالت	۴۲۸

حضرت والاؒ کا ایک اور والا نامہ	۴۳۲
دیگر کوائف	۴۳۲
وفات	۴۳۲
پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا	۴۳۳
مرض وفات میں حقوق العباد کا اہتمام	۴۳۳
وفات حسرت آیات پر اکابر علماء کے تأثرات (مسافرانِ آخرت)	۴۳۴
حضرت مولانا خیر محمد صاحب بانی خیر المدارس ملتان کی وفات. علم و عمل کے حلقوں میں صفِ ماتم تحریر: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، صدر دار العلوم کراچی	۴۳۴
تعزیت از مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ	۴۳۵
عرضِ خادم	۴۳۵
جواب سیدی حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحبؒ	۴۳۵
جامع الکمالات شخصیت (تحریر فرمودہ: حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ)	۴۳۶
چند تعزیتی اداریے اور قراردادیں	۴۳۷
نقش آغاز ''ماہنامہ الحق'' اکوڑہ خٹک شعبان ۱۳۹۰ھ	۴۳۷
حضرت والاؒ قومی اخبارات کی نظر میں	۴۳۷
اداریہ روزنامہ ''کوہستان'' ملتان مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۰ء	۴۳۷
چند تعزیتی قراردادیں	۴۳۸
بشاراتِ منامیہ	۴۳۹
بیداری کے بعض عجیب واقعات	۴۴۰
ڈاکٹر محسن رضا صاحب کا واقعہ	۴۴۰
حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحبؒ کا مشاہدہ	۴۴۰
حضرت والاؒ کے چند محاسن تعزیتی خطوط کی روشنی میں	۴۴۱
یادگار سلف صالحین حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت فیوضہم (مہتمم اعلیٰ دار العلوم دیوبند)	۴۴۱

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر گڑھ	۴۴۲
مؤرخ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی	۴۴۲
حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ (مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی)	۴۴۳
حضرت مولانا محمد میاں صاحب (صدر جمعیت العلماء ہند، دہلی)	۴۴۳
حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھوی (خلیفہ مجاز شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری)	۴۴۳
مولوی سعید احمد صاحب (صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھوی)	۴۴۳
حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہم (شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور)	۴۴۴
حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہم (ناظم) و مولانا مظفر حسین صاحب (نائب ناظم) مظاہر علوم سہارن پور	۴۴۴
حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ (نائب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند)	۴۴۴
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ)	۴۴۴
شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار)	۴۴۴
حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ (جامعہ اشرفیہ لاہور)	۴۴۵
مخدوم العلماء والفضلاء حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)	۴۴۵
حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ (چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی)	۴۴۵
محترم نصرت علی صدیقی صاحب (مکۃ المکرمہ)	۴۴۵
گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل ایم عتیق الرحمٰن صاحب	۴۴۶
دیگر بزرگانِ دین اور حضرت والاؒ سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات کے تعزیتی خطوط یا اقتباسات وغیرہ	۴۴۷
مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (بانی و صدر دارالعلوم کراچی) کے تعزیت نامہ سے اقتباسات	۴۴۷
ترجمہ تار تعزیت منجانب مخدومی حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ	۴۴۷
ترجمہ تار تعزیت از مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)	۴۴۸
تعزیت نامہ از حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانویؒ)	۴۴۸
حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)	۴۴۸
تعزیت نامہ حضرت علامہ سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی	۴۴۸

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی (ساہیوال ضلع سرگودھا)	۴۴۹
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا جمال الدین صاحب مدظلہ العالی (سابق استاذ الحدیث خیرالمدارس مردان)	۴۵۰
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا عزیزالرحمٰن صاحب مدظلہ العالی (مدرسہ عربیہ امداد العلوم، لوئر ملک پورہ ایبٹ آباد)	۴۵۰
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہٗ (صاحبزادہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ)	۴۵۰
تعزیت نامہ از حضرت مولانا حافظ قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ نجم المدارس ڈیرہ اسمٰعیل خان)	۴۵۱
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہٗ العالی (مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیروالی)	۴۵۱
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا محمد متین صاحب (خطیب دارالعلوم کراچی)	۴۵۲
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا اصغر علی صاحبؒ (سابق مدرس و ناظم جامعہ خیرالمدارس ملتان)	۴۵۲
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب (پرنسپل جامعہ عربیہ چنیوٹ)	۴۵۲
اقتباس از تعزیت نامہ محترم و معظم جناب غلام یٰسین صاحب (انجینئر) مرید حضرت مجدد حکیم الامت تھانویؒ	۴۵۲
اقتباس از تعزیت نامہ محترمی حضرت صوفی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زادمجدہٗ	۴۵۲
اقتباس از تعزیت نامہ محترم مولانا اکرام الحق الخیری صاحب زادمجدہٗ	۴۵۳
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا شمس الدین صاحب صدر مدرس	۴۵۳
اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب (مدرسہ عربیہ قادریہ ڈھڈیاں شریف ضلع سرگودھا)	۴۵۳
اقتباس از تعزیت نامہ مولانا فضل اللہ صاحب (مہتمم مدرسہ عربیہ دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت)	۴۵۳
اقتباس از تعزیت نامہ جناب الحاج مولانا محمد سلیمان طارق صاحب جالندھری (مہتمم مدرسہ عربیہ شمس العلوم گوجرہ لائل پور)	۴۵۳
اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمد یٰسین صاحب کشمیری پونچھ آزاد کشمیر	۴۵۴
اقتباس از تعزیت نامہ محترم جلال الدین صاحب میواتی	۴۵۴
اقتباس از تعزیت نامہ جناب ظہور احمد قریشی صاحب اچھرہ لاہور	۴۵۴
اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمود احمد ثاقب صاحب (یو، ڈی، سی، پی، ایم، جی آفس پشاور)	۴۵۴
اقتباس از تعزیت نامہ جناب رحمت علی صاحب، لاہور	۴۵۴
اقتباس از تعزیت نامہ حکیم ارشاد صاحب، احمد پور شرقیہ	۴۵۴
اقتباس از تعزیت نامہ جناب ڈاکٹر مرزا علی اختر صاحب، جہلم	۴۵۵

اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم، راولپنڈی	۴۵۵
اقتباس از تعزیت نامہ محمد زکریا غزنوی صاحب (خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث صادق گنج، بہاولنگر)	۴۵۵
اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا فضل الحق صاحب (ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہلِ حدیث مغربی پاکستان، لاہور)	۴۵۵
اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمد عبدالرشید صدیقی صاحب (ناظم جمعیۃ اہلِ حدیث، ملتان)	۴۵۵
حرمین شریفین سے حضرت والاؒ کی خدمت میں مرسلہ دو مکتوب	۴۵۶
اقتباس از مکتوب گرامی حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مدظلہٗ العالی (مسجد نور مدینہ منورہ)	۴۵۶
اقتباس از مکتوب گرامی المعلم المکرم عبداللہ امین مؤذن المحترم (مکۃ المکرمہ)	۴۵۶
قطعات تاریخ وفات وغیرہ	۴۵۷
حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے انتقال پر اشعار (از پروفیسر حافظ نثار احمد، ملتان)	۴۵۸
باب بست و دوم ...... خیر المقالات	۴۵۹
ذکرِ خیر (از شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)	۴۶۰
میرے مشفق و محسن (تحریر: یادگار سلف صالحین حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب، ملتان خلیفہ حضرت تھانویؒ)	۴۶۲
حضرت والاؒ کے چند کمالات (از شمس العلماء والفضلاء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ)	۴۶۳
حضرت والاؒ سے متعلق چند یادیں (از حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ)	۴۶۴
حضرت والاؒ کا ایک ہی جملہ ذہنی انقلاب کا سبب بن گیا	۴۶۴
نمونہ اخلاق محمدی (از محترم منشی عبدالرحمٰن صاحب، ملتان)	۴۶۶
حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ صاحب جمال بزرگ تھے	۴۶۶
حضرت مولانا موصوف اخلاق محمدی کا کامل نمونہ تھے	۴۶۶
پیکر شفقت و اُلفت	۴۶۷
ایک اجنبی کے ساتھ حضرت والاؒ کا خصوصی برتاؤ	۴۶۷
حضرت مولانا ان خاصان خاص اہل اللہ میں سے تھے جن کی معرفت مشکل ہوتی ہے	۴۶۷
حضرت مولاناؒ میں شہرت پسندی کا مادہ بالکل نہ تھا	۴۶۸
حضرت مولانا کے اخلاق حسنہ کی ایک جھلک	۴۶۹

حضرت مولانا کے چند اوصاف حمیدہ	۴۶۹
باب بست وسوم ...... متفرقات	۴۷۰
تحفہ عقیدۂ حیات النبی ﷺ	۴۷۱
عقیدۂ حیات النبی ﷺ اور عظمت ومحبت رسول اکرم ﷺ	۴۷۱
توحید ورسالت اور حق اللہ تعالیٰ وحق الرسول ﷺ	۴۷۱
صراط مستقیم	۴۷۲
انکار عقیدۂ حیات النبی ﷺ پر حضرت والاؒ کا رد اور علماء دیوبند کے مسلک وموقف کی وضاحت	۴۷۲
حضرت والاؒ کی اہم دینی خدمت	۴۷۲
حضرت علامہ سید قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دام فیضہم سے احقر مؤلف کی مکاتبت	۴۷۲
حضرت والاؒ کے مکتوب گرامی نمبر ا کی نقل	۴۷۳
حضرت والاؒ کے مکتوب گرامی نمبر ۲ کی نقل	۴۷۳
وارث علوم قاسمیہ واقف رموز طریقت حضرت قاری محمد طیب صاحب مدظلہم (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا ارشادِ سامی	۴۷۵
نقل فتویٰ اعلیٰ حضرت مفتی دارالعلوم دیوبند	۴۷۵
مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر علماء دیوبند کا مسلک	۴۷۶
علماء دیوبند کا متفقہ اعلان	۴۷۶
حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہٗ کی رائے اور روایت ملفوظ حضرت والاؒ	۴۷۶
دیوبندی کون ہے؟ حضرت والاؒ کا ایک ملفوظ	۴۷۷
عقیدہ حیات النبی ﷺ پر بعض تالیفات	۴۷۷
عقیدہ حیات پر ایک مفصل فتویٰ	۴۷۷
تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ میں حضرت والاؒ کی صلابت وپختگی مع اعتدال	۴۷۷
تتمہ ''عقیدۂ حیات النبی ﷺ پر بعض تالیفات''	۴۷۹
ضمیمہ موضوع تحفظ عقیدۂ حیات النبی ﷺ	۴۸۰
علمی تبحر اور فقہی ژرف نگاہی	۴۸۰

المزید من الخیر للاجتناب من الغیر	۴۸۲
تصدیق مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ (مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان)	۴۸۲
بعض افادات علمیہ	۴۸۳
مردہ جانور کی کھال اُتارنا جائز ہے	۴۸۴
ایک طالب علم کے چند سوالات اور حضرت والاؒ کے افادات	۴۸۵
حضرت والاؒ اپنے بعض اکابر اور معاصرین کی نظر میں	۴۸۵
حضرت والاؒ اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی نظر میں	۴۸۵
حضرت والاؒ کی بزرگی کی ایک عظیم دلیل	۴۸۶
حضرت والاؒ کی حضرت حکیم الامتؒ سے ازحد عشق و محبت	۴۸۷
حضرت والاؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی نظر میں	۴۸۷
حضرت والاؒ مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی نظر میں	۴۸۸
حضرت والاؒ کی بعض وقیع آراء گرامی	۴۸۸
اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بارے میں	۴۸۸
عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کے بارے میں	۴۸۹
شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کے بارے میں	۴۸۹
مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کے بارے میں	۴۸۹
حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ کے بارے میں	۴۸۹
حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے بارے میں	۴۸۹
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں	۴۸۹
تبلیغی جماعت کے بارے میں	۴۸۹
مجلس صیانۃ المسلمین	۴۹۰
ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بارے میں	۴۹۰
مودودی جماعت سے کلی احتراز کی تلقین	۴۹۱

شذرات (تتمہ باب۲، خاندانی حالات، وباب۳، وطن طفولیت)	۴۹۲
حضرت والاؒ کے عم نور محمد صاحب کا چین وولایت کا سفر	۴۹۲
عموی صاحب نور محمد	۴۹۲
عموی صاحب کرم الدین	۴۹۲
شذرات نمبر۲ (متفرق واقعات)	۴۹۳
حوادثات	۴۹۳
زمانہ جالندھر کے حوادث	۴۹۴
زمانہ جالندھر کا ایک واقعہ	۴۹۴
رکنیت ڈسٹرکٹ کونسل	۴۹۵
شذرات نمبر۳ (خیرالزیارۃ لمدرسہ عربیہ رحیمیہ انوارالھدایہ)	۴۹۵
شذرات نمبر۴ (تتمہ باب۱۱، باب۲۰)	۴۹۷
میانی انغاناں کی جامع مسجد میں حضرت والاؒ کا بیان اور آپ کے بعض اخلاق	۴۹۷
خدمات سیاست اسلامیہ تابع شریعت مقدسہ	۴۹۹
اسلام میں سیاست	۴۹۹
افادات حضرت والاؒ	۴۹۹
سیاست اسلام	۴۹۹
افادات حضرت مسیح الامتؒ	۵۰۰
امیر المؤمنین حضرت علیؓ کا واقعہ	۵۰۰
اصلاحِ اُمت یا صرف اصلاحِ حکومت؟	۵۰۱
عبادات اور سیاسی خدمات	۵۰۱
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ہند) میں مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا ورودِ مسعود	۵۰۲
مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیان اور مودودی کی غلطی کا واضح ہونا	۵۰۳

آمدم برسرِ مطلب	۵۰۴
پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو سے حضرت الاستاذ مولانا خیر محمدؒ کا تعلق	۵۰۵
وحدت جمعیت علماء اسلام اور قیام نظامِ اسلام کے لئے مساعی (از "نقش حیات"... حضرت والاؒ کی خودنوشت سرگزشت)	۵۰۶
وحدت جمعیت علماء اسلام	۵۰۶
حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کا عظیم کارنامہ	۵۰۷
اسلامی مملکت کے بنیادی اصول	۵۰۷
اسماء گرامی شرکاء مجلس بنیادی اصول	۵۰۹
بنیادی اصول کے لئے دوبارہ سفر کراچی	۵۱۰
سرکاری دعوت پر سفر کراچی	۵۱۱
اسماء مدعوین	۵۱۱
اسماء کابینہ	۵۱۱
حضرت والاؒ کی بعض خدمات سیاست دینیہ اسلامیہ	۵۱۲
تحریک قیام پاکستان کی حمایت	۵۱۲
ایک اہم واقعہ	۵۱۲
مسائل متعلقہ دستور اسلامی	۵۱۳
آئین کمیشن کے سوال نامہ کا جواب	۵۱۳
سیاست میں کمالِ اعتدال	۵۱۴
التحذير المروى عن النذير من المحظورات الشرعيه فى السياسة الدينيه	۵۱۶
حضرت حکیم الامتؒ کی دعوت پر اکابر علماء کرام کا اجتماع اور تحریکات کے متعلق مشورہ	۵۱۶
حضرت والاؒ کی رائے گرامی بسلسلہ جدوجہد آزادی برصغیر ہندو پاکستان	۵۱۶
مفتی کفایت اللہ صاحب سے گفتگو	۵۱۹
اجتناب اهل المدارس عن السياسيات	۵۲۲

ضمیمہ خدمات سیاست اسلامیہ	۵۲۳
امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی حضرت والاؒ کی معیت میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانویؒ کی زیارت	۵۲۳
ضمیمہ باب ۹ خیر المدارس و باب ۱۵/ افاضہ باطنی	۵۲۵
ہمارے بعض بزرگانِ دین کے بعض مجازین کے مختصر حالات	۵۲۵
فاضل اجل حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ (رئیس مفتی جامعہ خیر المدارس، ملتان)	۵۲۵
استاذ مکرم حضرت مولانا غلام فرید صاحبؒ	۵۲۸
خصوصی حالات و امتیازی صفات	۵۳۷
اصلاح و سلسلہ بیعت و سلوک	۵۳۷
تین مشائخ سے اجازت و خلافت در ۱۴۰۶ھ	۵۳۸
حضرت والاؒ کی طرف سے مسائل کے بارے میں اعتماد	۵۳۸
حضرت والاؒ کی کمالِ تواضع	۵۳۸
حضرت والاؒ کی شرح بخاری پر نظر ثانی	۵۳۹
اولاد کا دینی فیض	۵۳۹
حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث و صدر مدرس جامعہ خیر المدارس، ملتان)	۵۴۰
جامعہ خیر المدارس جالندھر میں داخلہ	۵۴۰
خیر المدارس ملتان	۵۴۱
بیعت کا تعلق	۵۴۱
زیرِ نگرانی تدریس	۵۴۲
متفرق خدمات	۵۴۲
سلوک	۵۴۳
حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ العالی	۵۴۴
حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحب ریواڑی والے رحمۃ اللہ علیہ	۵۴۸
تھانہ بھون کی پہلی حاضری	۵۴۹

ڈاکٹر کا لقب	۵۴۹
خط جو والد صاحب نے تحریر فرمایا	۵۴۹
جواب حضرت پھرایونی"	۵۵۰
حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا جواب	۵۵۰
وفات	۵۵۱
ایک خواب	۵۵۳
حضرت ڈاکٹر صاحب کی ایک روایت	۵۵۳
بروفات حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحب" (ریواڑی والے)...تحریر تعزیت بقلم حضرت مولانا نجم الحسن صاحب تھانوی"	۵۵۴
حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ	۵۵۶
بشارتِ نعمتِ عظمٰی، شرف قبولیت، اسوہ رسول اکرم ﷺ	۵۶۲
اجازت بیعت وتلقین	۵۶۴
نقل اجازت نامہ بیعت وتلقین از مخدومنا حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ	۵۶۴
نقل اجازت مانہ بیعت وتلقین از مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سرحدی"	۵۶۴
تصنیف وتالیف	۵۶۵
حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب ہارون آبادی زادمجدہٗ	۵۶۶
صوفیانہ مسلک	۵۶۶
تصنیفی خدمات	۵۶۷
نقل اجازت نامہ از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (بانی دارالعلوم کراچی نمبر۱۴)	۵۶۸
نقل اجازت نامہ از حضرت حاجی محمد شریف صاحب"	۵۶۹
مختصر سوانح حضرات مجازین از حضرت والاؒ	۵۷۰
حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیارپوری رحمۃ اللہ علیہ	۵۷۰
حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم (مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم منڈی چشتیاں)	۵۷۱
اصلاح باطن	۵۷۱

حفظ قرآن پاک	۵۷۲
حج بیت اللہ شریف	۵۷۲
امامت وخطابت	۵۷۲
اجازت حضرت مولانا افغانی نوراللہ مرقدہٗ	۵۷۲
علمی مشاغل	۵۷۲
حضرت مولوی حاجی فتح محمد صاحب جالندھری آباد پوری رحمۃ اللہ علیہ	۵۷۳
حضرت سید قمرالدین احمد صاحب دامت برکاتہم	۵۷۵
شیخ کی تلاش	۵۷۶
صحیح سلسلہ کی برکات	۵۷۷
پہلی زیارت	۵۷۸
پہلی مجلس	۵۷۸
پہلا ملفوظ	۵۷۸
گناہوں کا علاج	۵۷۹
زُہد	۵۷۸
اجازت بیعت قبل از بیعت	۵۸۰
اجازت بیعت وتلقین	۵۸۲
پہلے عریضہ کا جواب	۵۸۲
ایک اور عریضہ مع ارشادات	۵۸۳
حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہید حرم مکی رحمۃ اللہ علیہ	۵۸۴
حضرت مولوی عبداللہ صاحب مرحوم	۵۹۰
حضرت صوفی بشیر احمد ہوشیار پوری مدظلہ العالی	۵۹۰
گرامی نامہ حضرت صوفی صاحب مدظلہٗ بجواب گرامی نامہ جناب پروفیسر احمد سعید صاحب مدظلہٗ	۵۹۱
خودنوشت سوانح حضرت صوفی صاحب مدظلہٗ	۵۹۱

حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ العالی	۵۹۷
حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)	۵۹۸
حضرت مولانا شیر محمد صاحب وحضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب	۵۹۸
احقر آفتاب احمد عفی عنہٗ	۵۹۹
خاندانی حالات	۵۹۹
طفولیت اور ابتدائی تعلیم	۶۰۲
نصاب تعلیم	۶۰۲
مغلوشاہ	۶۰۳
تیلیوں والی مسجد	۶۰۳
بچپن میں دینی مطالعہ	۶۰۳
بچپن میں ایک خواب	۶۰۳
حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کا مزار اور مسجد	۶۰۴
بورڈنگ ہاؤس میں داخلہ	۶۰۴
لڑکپن میں شاعری کا شوق	۶۰۵
لڑکپن کا ایک شعر	۶۰۵
فقہ کی اہمیت	۶۰۵
مزید	۶۰۶
اصلاح معاشرت سے متعلق ایک بات	۶۰۶
میٹرک	۶۰۷
دہلی میں مسلم لیگ کا شاندار جلسہ	۶۰۷
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی	۶۰۷
حکام جامعہ	۶۰۸

دینی سرگرمیاں	۶۰۸
انٹر میں اساتذہ	۶۰۹
بی اے میں اساتذہ	۶۰۹
طلباء کی یونین اور ہوسٹل	۶۰۹
یونین کی ایک قرارداد	۶۰۹
نکاح	۶۰۹
یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران دینی مطالعہ اور ذہنی تبدیلی	۶۱۰
پاکستان بن گیا	۶۱۰
ہجرت پاکستان	۶۱۰
ملازمت تاج آفس بک ڈپو	۶۱۱
کراچی پورٹ ٹرسٹ	۶۱۱
محمدی اسٹیم شپ کمپنی	۶۱۱
محمد انجینئرنگ ورکس	۶۱۱
رہائش	۶۱۱
داخلہ ایم اے	۶۱۲
سندھ مدرسۃ الاسلام	۶۱۲
تولد دختر	۶۱۲
اردو کالج میں بطور لیکچرار	۶۱۲
دارالعلوم کورنگی	۶۱۲
حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ	۶۱۲
دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار	۶۱۳
منتقلی مع اہل وعیال	۶۱۳

سندھ مسلم آرٹس کالج	۶۱۳
کراچی میں اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں تحصیل علم	۶۱۳
دارالعلوم الاسلامیہ میں تدریس، ایسٹ افریقی و دیگر طلباء	۶۱۵
سندھ مسلم آرٹس کالج ٹنڈوالہ یار	۶۱۵
رہائش	۶۱۶
مسجد طوبیٰ . ڈیفنس سوسائٹی کی جامع مسجد میں امام، خطیب اور منتظم	۶۱۶
مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن	۶۱۶
دارالتصنیف لمیٹڈ کراچی اور پندرہ روزہ "یقین" انٹرنیشنل	۶۱۶
پاکستان سے حج	۶۱۷
شادی عزیزہ حافظہ رشیدہ سلمہا	۶۱۷
انجمن اشاعت قرآن عظیم	۶۱۷
سفارت خانہ پاکستان، جدہ	۶۱۷
سعودی عرب کا ویزا	۶۱۷
جدہ	۶۱۷
رہائش	۶۱۸
عزیزہ حافظہ رشیدہ و عزیزہ ذیشان سلمہما اور ہمشیرگان کے ساتھ حج	۶۱۸
دو ماہ کی رخصت میں سفر پاکستان، نکاح اور اہلیہ ثانیہ	۶۱۸
ختم ملازمت سفارت خانہ	۶۱۸
تحلیۃ السیاہ میں ملازمت	۶۱۸
ریاض کو تبادلہ	۶۱۹
حافظ طیب صاحب کا مشورہ اور نوٹس کی منسوخی	۶۱۹
سفر ریاض	۶۱۹

ریاض کا باقی سفر	۶۲۰
کیلو۶۔طریق مکہ کے بعد جدہ میں رہائش	۶۲۰
ریاض میں آمد	۶۲۰
تحلیۃ المیاہ الریاض	۶۲۰
ام الحمام غربیہ	۶۲۱
رہائش مدینہ منورہ	۶۲۱
عزیزہ حافظہ رشیدہ بیگم سلمہا اور عزیز حاجی ذیشان الٰہی سلمہ کا حج اور عمرہ و زیارت مع اولاد	۶۲۱
سلوک وتصوف	۶۲۲
لقائے بزرگان	۶۲۳
حضرت والاؒ کے طرز تربیت کی ایک خصوصیت	۶۲۵
حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوریؒ کے والا نامہ سے اقتباس	۶۲۵
بعض خواب	۶۲۵
مرید مجاز	۶۲۶
خاتمہ بالخیر	۶۲۸
معذرت،تمنا،درخواست ووصیت اور دُعا	۶۲۸
معافی نامہ	۶۲۸
تاریخ تکمیل خیرالسوانح	۶۲۹
فہرست مآخذ خیرالسوانح	۶۳۰

جامعہ خیر المدارس ملتان
۳۹۱۱۶

مقدّمہ

عرضِ مؤلف خیر السوانح

ضرورت واہمیت سوانح:

جہاں تک بزرگوں کے سوانح ضبط کرنے کی ضرورت و اہمیت کا تعلق ہے "اشرف السوانح" میں حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سلف وخلف کا ہمیشہ سے مقتداؤں کے سوانح ضبط کرنے کا معمول چلا آیا ہے۔ اور اس میں ظاہری وباطنی فوائد بیان کئے گئے ہیں....الخ۔"

چنانچہ حضرت والاؒ کے بعض ہم عصر اور ہمارے اکابر و بزرگوں میں سے بعض حضرات جن سے تالیف خیر السوانح کا ارادہ ظاہر کیا، اُنہوں نے دُعائیں دیں۔ بعض نے خود تحریر فرمانے کا شوق ظاہر کیا، لیکن بوجہ ضعف ومشغولیت عذر ظاہر فرمایا۔ متعدد اکابر نے خود بھی مقالات تحریر فرمائے اور بعض حضرات احقر مؤلف سے ترتیب سوانح کے بارے میں شوق سے دریافت فرماتے رہے۔ (چنانچہ ان میں سے بعض بزرگوں کے مکاتیب جن میں مذکورہ بالا مضامین ہیں، نیز بعض حضرات کے مقالات اس سوانح کی زینت بن رہے ہیں)

جیسا کہ آگے آرہا ہے، حضرت والاؒ کی حیات میں سوانح تحریر کئے جانے کی تجویز وتحریک ہو چکی تھی۔ لیکن حضرت والاؒ کے وصال کے بعد حضرت والاؒ کے ایک مرید اور ہمارے بزرگ محترمی مولوی نصرت علی صدیقی رحمہ اللہ[1] نے غالباً سب سے پہلے سوانح کے لئے تجویز وتاکید فرمائی۔

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صدیقیؒ کی تجویز اور تاکید:

بظاہر محترمی مولوی نصرت علی صاحبؒ کو یہ معلوم نہ تھا کہ صاحب سوانح سے ان کی حیات میں تالیف سوانح کی اجازت لی جا چکی ہے۔ اور خیر السوانح تحریر کرنے کا عزم کیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے حضرت والاؒ کے وصال پر مخدومی حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے نام اپنے تعزیت نامہ مورخہ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ (۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء) کے اخیر میں تحریر سوانح کی تجویز اور اس کی اہمیت وضرورت کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی:

"احقر کو بار بار یہ خیال آتا ہے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کی سوانح تفصیل سے جلد شائع ہو جائے۔ حضرت جیسے بے

---

[1] افسوس ۲۳ جولائی ۱۹۹۴ء کو الحاج مولوی نصرت علی کراچی میں رحلت فرما گئے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اللّٰھم اغفر لہ مغفرۃ ظاھرۃ و باطنۃ وارحمہ واسعۃ وادخلہ جنۃ النعیم آمین یا رب العلمین (آ آ)

مثل اللہ والے کی سوانح نہ صرف حضرت سے قرابت رکھنے والوں کے لئے، مدرسہ کے طلباء کے لئے، حضرت کے خدام کے لئے مشعلِ راہ ہوگی، بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی راہِ ہدایت ہوگی۔ اور ان کو معلوم ہوگا کہ ہمارے بزرگ کیسے تھے۔ جامع المجد دین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز سے تعلق رکھنے والوں کے لئے بھی حضرت والاؒ کی سوانح رہبری کا کام کرے گی۔ آپ ضرور اس کام کو مدرسہ کے دوسرے علماء کی مدد سے شروع فرمادیں۔ (احقر العباد نصرت علی)''

مخدومی حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ کا بار بار استفسار:

عارف باللہ مخدومنا حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صدیقی رحمۃ اللہ علیہ احقر سے تالیف ''خیر السوانح'' کے بارے میں بار بار استفسار فرماتے رہے۔ (افسوس ہے کہ احقر کو اس وقت یہ خیال نہ آیا کہ حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے چند دُعائیہ کلمات تحریر فرمانے کی درخواست کرتا اور بعض دوسرے اکابر کی طرح ان کلمات طیبات سے بھی ''خیر السوانح'' کو مزین کرتا۔

احساس ضرورت واہمیت:

دراصل ابتداء میں اپنی مصروفیتوں کی وجہ سے سوانح کی اہمیت کی طرف پورا التفات ہی نہ ہوا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ بار بار متعدد بزرگانِ دین کے تقاضوں کی وجہ سے اس کی ضرورت واہمیت کا احساس شدید سے شدید تر ہوتا گیا۔ اور اس کی تکمیل کے لئے شدت سے قلبی داعیہ پیدا ہوگیا۔ لیکن تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے، نیز اپنی طبعی سستی اور صحت وفراغ کے میسر ہونے کے انتظار میں بے حد وحساب تاخیر ہوتی چلی گئی۔ پھر یہ بھی خیال آتا کہ سوانح کی کتب بار بار کہاں طبع ہوتی ہیں (خصوصاً اس ناکارہ جیسے کی تالیف) اس لئے ایک ہی بار خوب خوب سعی ہو کہ اغلاط کم سے کم ہوں۔ اور زیادہ سے زیادہ معلومات اور اپنے احساسات وخیالات اس میں شامل کردیئے جائیں۔ لیکن اس میں زیادہ مبالغہ کرنے سے باز رہنے کا رجحان اس وقت زائد ہوگیا جب حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب زید مجدہم (امام القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ کے تلمیذ رشید کے تلمیذ رشید) نے ایک جملہ نقل فرمایا کہ ''الاستقصاء شوم'' (انتہاء کی طلب محروی کا سبب ہوتی ہے) تو سمجھ میں آیا کہ واقعی اس طرح مکمل کرنے کا خیال تو کبھی بار آور نہیں ہوسکتا۔ اور اب ''استقصاء'' کے بجائے زیادہ سے زیادہ ''اختصار'' اور جلدی کا تقاضا بڑھ گیا۔ پھر کبھی اچانک کسی بیماری کا حملہ ہوا تو آخرت کے فکر کے علاوہ یہ بھی خیال آیا کہ اگر ''خیر السوانح'' کو ادھورا چھوڑ کر دنیا سے سفر ہوگیا تو خود اپنے بزرگوں اور احباب کے طبقہ کو بھی رنج ہوگا کہ افسوس یہ شخص زندگی بھر یہ کام بھی پورا نہ کرسکا۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب مدظلہٗ نے چند احادیث کی تحقیق کے سلسلہ میں ایک تحقیقی تحریر بھی عطا فرمائی اور وقتاً فوقتاً مفید مشورے دیئے، فجزاہ اللہ تعالٰی خیر الجزاء.

۳۹۱۱۶

تالیف وتکمیل ''خیرالسوانح'' کے لئے بزرگانِ دین کا بار بار تقاضا اور قیمتی ہدایات ومشورے

مخدومی حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کا بار بار تقاضا:

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحبؒ کے بذریعہ مکتوب تعزیت، حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کی توجہ سوانح کی طرف مبذول کرانے کے بعد احقر کو اس کی ضرورت کا سب سے زیادہ احساس حضرت والاؒ کے خلف رشید استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے دلایا۔ ان کے کئی مکاتیب گرامی موجود ہیں جن میں انہوں نے تالیف خیرالسوانح اور اس کی جلد از جلد تکمیل کا تقاضا فرمایا ہے۔ بلکہ بعض اوقات حد سے زیادہ تاخیر کی وجہ سے بجا طور پر ان کا یہ تقاضا ناراضگی کی حد تک بھی پہنچ جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔ اب ان کے فرزند رشید جناب مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری، حال مہتمم جامعہ خیرالمدارس ملتان بھی بار بار یاد دہانی فرماتے رہتے ہیں۔ **فجزاہ اللّٰہ تعالٰی خیر الجزاء.**

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صدیقیؒ کی مخلصانہ تنبیہ:

حرم مکی شریف میں ایک جمعہ کو محترمی مولوی نصرت علیؒ اور مکرمی ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کی خدمت میں حاضر تھا کہ تالیف ''خیرالسوانح'' کا ذکر آیا۔ احقر نے بعض مصروفیتوں کا عذر کیا کہ بعض اہم وضروری کام ہیں، جن کو پورا کرنا مقدم ہے (اس لئے تاخیر پر تاخیر ہوتی جارہی ہے) مولوی نصرت علی صاحبؒ نے فرمایا: ''بس تو آپ یہ کام کرنا ہی نہیں چاہتے۔'' (یا یہ فرمایا کہ سوانح لکھنا ہی نہیں چاہتے)

اس مخلصانہ تنبیہ اور انجکشن نے بہت کام کیا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ ضروری کام تو ہمیشہ لگے رہیں گے، خواہ دینی ہی ہوں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جیسے اور ضروری کام بھی ہوتے رہتے ہیں، سوانح کا کام بھی ضروری ہے۔ یہ بھی ضرور کچھ نہ کچھ تو جاری رہ سکتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم کی تاکید:

مکرمی ڈاکٹر صاحب نے تاکیداً فرمایا کہ خواہ مقدار کتنی ہی کم ہو، لیکن ناغہ نہ ہو، نہ جمعہ کی چھٹی ہو۔ اس پر عمل کرنے کی کوشش سے بے حد فائدہ ہوا۔

قیمتی مشورے اور ہدایات

مخدومنا حضرت مفتی محمد شفیعؒ کی انمول ہدایات اور مفید ترین مشورہ:

مفتیٔ اعظم پاکستان مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ (سابق مفتی دار العلوم دیوبند) کی خدمت میں سوانح کے لئے کچھ تحریر فرمانے کی درخواست کی، جس کا جواب شروع میں نقل کیا جا چکا ہے۔ اور پھر انہوں نے تعزیت نامہ میں بہت کچھ خراجِ تحسین پیش فرمایا ہے۔

نہ صرف یہ بلکہ حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حسبِ معمول شفقت وعنایت فرمائی اور بہت ہی مفید اور کارآمد مشورہ سے نوازا، جو کہ احقر جیسے تصنیف وتالیف سے ناآشنا کے لئے چراغ راہ بلکہ خضر راہ ثابت ہوا۔ (حضرت مفتی صاحبؒ کے ارشادات کا حاصل احقر کے الفاظ میں یہ ہے کہ "اشرف السوانح" کے ابواب وعناوین کو سامنے رکھ کر دیانت داری کے ساتھ ان کے تحت جو حضرتؒ کے حالات ہوں وہ لکھتے جاؤ) علاوہ ازیں حضرت مفتی صاحبؒ نے دُعائیں بھی دیں (جیسا کہ ان کے گرامی نامہ کی نقل میں گزرا) جو تکمیل سوانح کی توفیق کا سبب بنیں۔

واقعی حضرت مفتی صاحبؒ کے ارشادات سے پورا خاکہ بنا بنایا مل گیا۔ اس کو سامنے رکھ کر شروع میں تو صرف "نقش حیات" ہی سے نقل کیا اور پھر راستہ کھلتا گیا۔ اور ابواب وعناوین میں بھی حسب ضرورت تغیر وتبدل ہوتا رہا۔

تقلید واجتہاد:

بالکل صحیح بات ہے کہ شروع میں تقلید واتباع ہی سے راستہ کھلتا ہے۔ اور قابلِ اجتہاد معاملات میں اجتہاد کا دروازہ بھی اسی تقلید واتباع کی برکت سے کھل جاتا ہے۔ (یہی بات اصلاح کے باب میں بھی منطبق ہوتی ہے کہ شیخ ومصلح اصلاح کے معاملہ میں اکابر کا متبع ہونے کے ساتھ امور اصلاح میں مجتہد ہوتا ہے۔ لیکن اس سے کہیں یہ غلط فہمی نہ ہونے پائے کہ فقہی اجتہاد بھی اس میں داخل ہے۔ حاشا وکلا۔ لیکن یہاں اس موضوع کی تفصیل کا موقع نہیں، نہ فقہی اجتہاد کی تفصیل وشروط بیان کرنے کی احقر میں اہلیت وصلاحیت ہے نہ اس کے لئے کافی علم ہے)

مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت کارآمد مشورہ:

مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ) سے ایک بار احقر نے عرض کیا کہ گھر پر ہمیشہ ہنگامی ضروریات رہتی ہیں۔ کوئی نہ کوئی ضروری ہنگامی کام نکلتا رہتا ہے۔ سوانح لکھنے کی پابندی کیسے ہو؟ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ رات کو یہ کام کرو۔

نئے سرے سے کام کا آغاز:

چنانچہ جو کام کئی سال سے بند تھا، ان سب حضرات کے مخلصانہ وخیر خواہانہ للّٰہیت سے بھرپور مشوروں کی برکت

سے باذن اللہ تعالیٰ وہ کام شروع ہوگیا، اور پابندی کے ساتھ شروع ہوا، والحمد للہ۔ یہاں تک کہ ۱۴۰۴ھ میں پاکستان جاتے ہوئے مطار الریاض پر جہاز ٹھہرا تو طیارہ میں بیٹھے ہوئے چند سطریں تحریر کرنے کی توفیق ہوئی، تا کہ ناغہ نہ ہو، یا رات کو کسی وجہ سے بہت تاخیر ہوگئی نصف شب سے زائد گزر گئی، تب بھی یہ سعی کی کہ ناغہ نہ ہو، خواہ پانچ منٹ ہی کام ہو جائے۔

تالیف ''خیرالسوانح'' کے لئے ابتدائی تحریک:

حضرت والاؒ کے ایک خلیفہ مجاز بیعت حضرت حاجی فتح محمد جالندھری آبادپوری رحمۃ اللہ علیہ جو مدرسہ خیر المدارس کے سفیر بھی تھے، اُنہوں نے سب سے اوّل حضرت والاؒ کے سوانح کی تالیف کے لئے احقر سے ذکر فرمایا۔ اور بتایا کہ اُنہوں نے حضرت والاؒ سے سوانح لکھنے کی اجازت چاہی تھی۔ لیکن حضرت والاؒ نے غالباً ازراہ عبدیت وفنائیت اجازت نہ دی۔ بلکہ یہ فرمایا کہ ''میں نے کام ہی کیا کیا ہے۔''

اجازت تالیف از صاحب سوانح:

بہر حال اس کے کافی عرصہ بعد احقر مؤلف نے ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو حضرت والاؒ کی خدمت میں عریضہ تحریر کر کے اجازت تحریر سوانح کی درخواست کی، جس کو منظور فرما کر یہ جواب تحریر فرمایا:

''پہلے مجھے کچھ مضمون جمع کر لینے دو، پھر اسی کو پھیلا دینا۔''

چنانچہ آئندہ سال ۸ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو پھر تحریری درخواست کی کہ اگر کچھ حصہ تحریر فرمایا ہو تو براہِ کرم خادم کو چند روز کے لئے دیدیجئے تا کہ اس کو اپنے پاس فی الحال نقل کرے۔ چنانچہ ''نقش حیات خیر محمد'' قلمی جو تحریر فرمائی تھی عطا فرمائی، جس کو بین المغرب والعشاء شب دوشنبہ ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ (مطابق یکم دسمبر ۱۹۶۸ء) کو نقل کرنا شروع کیا۔ اور جامع مسجد خیر المدارس ملتان میں اذان عصر کے وقت ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو فارغ ہوا۔ اور اس کے بعد مولانا عبدالسلام ہوشیارپوریؒ نے اس میں سن ہجری کے ساتھ اس کے مطابق سن عیسوی کا اضافہ کیا۔ اس مطابقت کے اعتبار سے ۲۶ شعبان ۹۰ھ کو اس پر نظر ثانی بھی کر لی۔ یہ کام اس وقت ہوا جبکہ حضرت والاؒ کے وصال پر خیر المدارس حاضر ہوا اور تین روز قیام رہا۔

مولانا عبدالسلام صاحبؒ کی احقر سے تالیفِ سوانح کی طلب اور تفویض تالیف سوانح:

حضرت والاؒ نے اپنے ایک پرانے خلیفہ مجاز بیعت مولوی عبدالسلام ہوشیارپوریؒ کو بھی غالباً اپنے سوانح تحریر فرمانے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ جیسا کہ ان کے احقر مؤلف کے نام گرامی نامہ سے سمجھ میں آیا۔ شاید اس لئے کہ حضرت والاؒ کو اندازہ ہوگا کہ یہ (احقر) اس کام کو جلدی انجام نہ دے سکے گا۔ (جیسا کہ واقعۃً بے حد تاخیر ہوئی) اور مولوی عبدالسلام صاحبؒ ماشاء اللہ تعالیٰ بہت چست اور فعال تھے۔ لیکن اُنہوں نے بالآخر احقر ہی کو ترتیب سوانح کو فرمایا۔ اور یہ کام احقر ہی کو تفویض فرما دیا (جیسا کہ ان کے گرامی نامہ سے ظاہر ہے، جو احقر کے پاس موجود ہے)

ع قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

مآخذ ''خیرالسوانح'' و تعاون علی التالیف

مأخذ اوّل...... ''نقش حیات خیر محمدؒ'':

''خیرالسوانح'' کا مأخذ اوّل بلکہ اس کا متن متین دراصل حضرت والاؒ کی خودنوشت قلمی سوانح ''نقش حیات خیر محمد'' ہی ہے۔ چنانچہ واقعات کو بیان کرنے میں جہاں تک ہو سکا ہے اوّلاً حضرت والاؒ کی خودنوشت سوانح ہی سے نقل کیا گیا ہے۔ تا کہ واقعات کی روایت صحیح و معتمد ہو، سوائے اس کے کہ کوئی لفظ سہواً لکھنے سے رہ گیا ہو۔ یا مطلب سمجھنے کے لئے تغیر یسیر ناگزیر ہو، حتی الوسع وہی الفاظ باقی رکھے گئے ہیں۔

تزکیہ و تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں متوقع فائدہ:

صحت روایت کے علاوہ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سوانح اوّلاً حضرت والاؒ کے متوسلین و محبین کے لئے لکھی گئی ہے۔ لیکن اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو حضرت والاؒ سے محبت و اعتقاد رکھنے والوں میں سے طالبین اصلاح اور طلبہ علم وغیرہم کو بھی اِن شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔ کیونکہ اس سوانح میں حضرت والاؒ کے سوانح حیات کے علاوہ مناسب موقعوں پر اصول اصلاح اور اصول و فروع تعلیم حضرت والاؒ اور آپ کے شیخ مجدد تھانویؒ کے ملفوظات، معمولات اور تالیفات وغیرہا برائے افادۂ عام و خاص نقل کر دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا ہے: ع نقل ارشادات مرشدی کنم......الخ

اِن شاء اللہ تعالیٰ ان سے پورا پورا فائدہ ہونے کی اُمید ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ وجہ یہ کہ بزرگوں کے کلام میں نور ہدایت ہوتا ہے۔ ان کے ارشادات کو نقل کرنے سے بہت فائدہ متوقع ہے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (درمیان میں یہ بات استطراداً آ گئی تھی۔ اب اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جاتا ہے)

مأخذ ثانی...... مشاہدہ و مکاتبت:

''خیرالسوانح'' کا دوسرا مأخذ احقر مؤلف کا مشاہدہ اور حضرت والاؒ کے مکاتیب ہیں۔ سفر و حضر میں جو وقت حضرت والاؒ کی خدمت میں گزرا، اس میں جو کچھ دیکھا سنا اور سمجھ میں آیا، پھر جو اس میں سے یاد رہا اور قابلِ ذکر سمجھ میں آیا وہ لکھ دیا۔ یا بزرگوں اور دوستوں نے جو حالات و واقعات تحریر فرمائے یا ان کا ذکر فرمایا، ابواب کی مناسبت سے مناسب موقعوں پر ان کو شامل کر دیا۔

مأخذ ثالث...... محترمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کی تالیف:

تیسرا بڑا مأخذ ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہم کی خیرالسوانح کا مسودہ ہے۔ جو حصہ ''نقش حیات'' میں سے

لیا جا چکا تھا، اس کو چھوڑ کر اس کے باقی حصہ میں سے اکثر اس میں شامل کیا جا رہا ہے۔ محترمی اقبال قریشی صاحب نے بہت بڑا کام کیا ہے اور بڑی محنت سے یہ مواد جمع کیا ہے۔ ان کا کام خود ایک مستقل کتاب کی تالیف تھی (جس کا ''پیش لفظ'' بھی انہوں نے استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ (سابق مہتمم خیرالمدارس) سے لکھوالیا تھا، اور اس ''مقدمہ'' میں شامل ہے) ان کی اس تالیف کو شامل کرنے سے یہ موجودہ ''خیرالسوانح'' مرتب ہو سکی۔ گو ان کے مسودہ کو شامل کرنے میں اس کی ترتیب وتہذیب اور تحقیق وتصحیح پر جتنا وقت خرچ ہوا اور محنت ہوئی وہ بس اللہ تعالیٰ کو اور احقر ہی کو معلوم ہے۔

مأخذ رابع:

یہ مأخذ دراصل حسب ذیل کئی ماخذ پر مشتمل ہے:

موجودہ مہتمم مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدھم کا تعاون:

حال مہتمم خیرالمدارس عزیز القدر حضرت مولانا مولوی قاری محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدھم نے اس تالیف کے لئے مواد فراہم کرنے کے سلسلہ میں یہ مخلصانہ تعاون فرمایا کہ ''الخیر'' کے چند نمبر خصوصاً ۵۸ ویں سالانہ جلسہ کے موقع پر خصوصی اشاعت (بابت شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ) اور ''ذکر خیر دیادشریف'' وغیرہ مطبوعات کے نسخے عطا فرمائے، جن سے ''خیرالسوانح'' کی تالیف کے لئے بہت وافر مقدار میں مواد حاصل ہوا اور اس سے کتاب میں بہت مفید اضافہ ہوا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت سید قمرالدین احمد دامت برکاتہم کا اہم تعاون:

حضرت سید قمرالدین احمد صاحب قریشی دامت برکاتہم جو حضرت والاؒ کے قدیم ترین خلفاء میں سے ہیں، اُنہوں نے بھی ایک نہایت مفید اور مبسوط تحریر سوانح کے لئے عطا فرمائی۔ ان واقعات اور مضامین کو ''خیرالسوانح'' کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے امور کی تحقیق اور معلومات کے لئے بار بار بذریعہ مراسلت ان کو تکلیف دیتا رہا۔ اس سلسلہ میں ان کا تعاون سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کے بغیر یہ سوانح بالکل ناقص رہتی، یا بہت سی غلط باتیں اس میں شامل ہو سکتی تھیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہو کر کئی عبارتوں پر نظر ثانی اور اصلاح کی۔ اس کام میں ان کی تواضع بھی حائل ہوتی رہی۔ لیکن بار بار درخواست کرنے پر انہوں نے بہت سے نہایت مفید اصلاحی مشورے عطا فرمائے۔ یہ سب ہمارے حضرت والاؒ کا فیض ہے جو ان کے واسطہ سے حاصل ہوا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب کا تعاون:

علاوہ ازیں جامع الخلافات[1] حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب زید مجدہم (استاذ الحدیث جامعہ خیرالمدارس)

---

[1] آپ نہ صرف مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ کے مجاز بیعت ہیں بلکہ حضرت صوفی اقبال صاحب مدظلہ (مجاز بیعت حضرت شیخ الحدیث) اور حضرت مولانا علی مرتضیٰ صاحب ڈیروی مدظلہ العالی سے بھی مجاز بیعت ہیں (آ)

نے اسی طرح ایک تحریر سے تعاون فرمایا، جس سے مختلف موضوعات کے تحت استفادہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عبداللہ بہلویؒ کی تالیف "القول النقی فی حیات النبی ﷺ" کی ضرورت تھی اور اس کے لئے شجاع آباد کے سفر کا ارادہ تھا۔ مولانا منظور احمد صاحب کے ذریعہ اس کا ایک نسخہ ہدیۃً مل گیا۔ فجزاہ اللّٰہ تعالٰی خیر الجزاء.

مأخذ خامس...... مشتمل بر نہایت اہم مأخذ اور خصوصی تعاون:

آخر میں نہایت اہم مأخذ اور خصوصی تعاون کا ذکر آ رہا ہے۔ یہ تعاون حضرت والاؒ کی اولاد اشراف واخیار کا تعاون ہے۔

مخدومی حضرت مولانا حافظ محمد شریف جالندھریؒ[1] کا خصوصی تعاون:

ایک تعاون تو خود ان کا تقاضا تھا جس کی برکت سے احقر جیسے نااہل و ناکارہ سے یہ کام تو ہو گیا، گو ان کے اس عالم سے رحلت فرمانے کے بعد ہوا۔ دوسرے ان کا تعاون برادرم ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کی خیرالسوانح کے لئے پیش لفظ تحریر فرمانا تھا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور یہ ان کا سوانح کے لئے بالواسطہ تعاون ہوا۔ تیسرے ان کا خصوصی تعاون یہ ہوا کہ "نقش حیات" کی قلمی بیاض دیکھنے کی دوبارہ ضرورت اس میں سن ہجری کے مطابق سن عیسوی کو نقل کرنے کے لئے ہوئی (جس کا اضافہ بعد میں مولوی عبدالسلام مرحوم نے کیا تھا) اور اس کے لئے انہوں نے یہ بیاض احقر کو عاریۃً عطا فرمائی۔ (چنانچہ نقل کر کے واپس کر دی گئی)۔ علاوہ ازیں حضرت والاؒ کی بعض دوسری بیاضیں بھی ضروری باتیں نقل کرنے کے لئے عطا فرمائیں۔ نیز اکابر اُمت علماء عظام اور صوفیاء کرام اور دوسرے خاص حضرات کے مکاتیب تعزیت وغیرہ بھی نقل کرنے کے لئے عطا فرمائے۔ (چنانچہ ان سب کو نقل کر کے واپس کر دیا گیا)۔ غرضیکہ بہت سا اہم مواد ان سے ملا جو اور کسی طرح حاصل نہ ہوسکتا تھا۔ ان سب سے بعض ابواب کی ترتیب میں بہت مدد ملی۔ فجزاہ اللّٰہ تعالٰی خیر الجزاء ورحمہ اللّٰہ تعالٰی رحمۃ واسعۃ.

حضرت مولانا حافظ عبدالحقؒ جالندھریؒ کا خصوصی تعاون:

ماضی قریب میں بعض قدیم حالات و واقعات یا بعض خاندانی تفاصیل معلوم کرنے کی ضرورت ہوئی یا مشورہ کی حاجت ہوئی تو حضرت سید قمرالدین احمد شاہ صاحب قریشی مدظلہ العالی کے ذریعے حضرت مولانا سے دریافت کراتا رہا۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے نہ صرف زبانی جوابات دیئے بلکہ بڑی شفقت و محبت سے واضح اور صحیح حالات تحریر فرمائے۔ یہ ان کا خصوصی تعاون تھا۔ فجزاہ اللّٰہ تعالٰی خیر الجزاء.

دیگر متعدد بزرگانِ دین کا تعاون:

مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب کے تعاون کے سلسلہ میں "ذکر خیر و یاد شریف" کا ذکر آیا ہے۔ اس کتاب کے

---

[1] افسوس حضرت والاؒ کے سب سے چھوٹے آخری خلف الرشید ۷ شعبان ۱۴۱۴ھ بروز جمعرات مطابق ۲۰ جنوری ۱۹۹۴ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ الخ. اللھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ وادخلہ جنۃ النعیم (آمین ثم آمین) (تفصیل کے لئے باب ۱۹ اہل وعیال ملاحظہ فرمائیے۔ آ ا)

باب بستم ''شمائل و خصائل'' میں حضرت والاؒ کے بارے میں بزرگانِ دین کے مقالات میں سے اقتباسات دیئے گئے ہیں، جو ''ذکرِ خیر و یادِ شریف'' سے لئے گئے ہیں۔ ان اکابر کا یہ تعاون جو ''ذکرِ خیر'' کی تکمیل کے لئے تھا، اب خیرالسوانح کی تکمیل میں کام آیا۔ فجزاهم الله تعالى خير الجزاء ورحمهم الله تعالى رحمةً واسعةً (آمین)

البتہ ایک مختصر مقالہ احقر مؤلف کی درخواست پر تحریر فرمایا گیا تھا، جس کا تذکرہ درج ذیل ہے:

استاذی المعظم حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کا مقالہ:

احقر مؤلف کی درخواست پر حضرت استاذیؒ نے ایک مستقل مقالہ ''ذکرِ خیر'' تحریر فرما کر بذریعہ ڈاک ارسال فرمایا، جو اس سوانح کی زینت ہے (باب ۲۲، خیر المقالات) (اس مقالہ اور کتاب ''ذکرِ خیر'' کے نام میں قدرۃً توارد ہو گیا ہے) فجزاه الله تعالى خير الجزاء وجعل الجنة مثواه. ورحمه الله تعالى رحمةً واسعةً (آمین)

مخدومنا حضرت حاجی محمد شریفؒ (خلیفہ مجدد تھانویؒ) کا تعاون اور ان کی کتاب سے استفادہ:

مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ تحریر فرمانے کو عرض کیا تھا۔ پھر یاددہانی نہ کرائی جا سکی۔ اور ان سے کوئی تحریر حاصل نہ کر سکا۔ لیکن ان کی کتاب ''مکتوباتِ اشرفیہ'' میں حضرت والاؒ کے متعلق مواد سے خوب استفادہ ہو سکا، کہ جو وہ احقر کو تحریر فرما کر دیتے اس سے بھی زائد ہو گیا۔ والحمد لله وجزاه الله تعالى خير الجزاء ورحمه الله تعالى رحمةً واسعةً وجعل الجنة متقلبهٗ ومثواه (آمین)

اُستاذی المحترم حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی کا تعاون:

حضرت الاستاذ (سابق شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈواللہ یار و حال مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم مظاہر العلوم حیدرآباد (سندھ) کا اہم تعاون یہ ہے کہ جب کسی حدیث شریف کے صحیح متن اور سند یا حوالہ کی ضرورت پڑی، آپ کی خدمت میں عریضہ لکھا گیا اور وہاں سے تحقیقی جواب ملتا رہا۔ چنانچہ کئی احادیث اس طرح ''خیرالسوانح'' میں شامل کی گئیں۔ نیز مقدمہ میں تصوف کی حقیقت اور اہمیت و ضرورت کے لئے کتب سے استفادہ کے سلسلہ میں ان سے استشار کیا گیا تو حضرت مسیح الامتؒ کی تالیف ''شریعت و تصوف'' سے بھی استفادہ کا مشورہ اُنہوں نے ہی دیا تھا۔ چنانچہ اسی کتاب سے استفادہ کرنا کافی ہو گیا۔ کیونکہ اس میں حضرت مسیح الامتؒ نے حضرت مجدد تھانویؒ کی تالیفات و ملفوظات وغیرہ سے تصوف کا خلاصہ بیان فرما دیا ہے۔ فجزاهم الله خير الجزاء. اللہ تعالیٰ ان کی صحت و عمر میں برکت عطا فرمائے اور سایہ عاطفت قائم و دائم رکھے، آمین ثم آمین۔ اور حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت مسیح الامتؒ کے درجات بلند فرمائے، آمین ثم آمین۔

مؤلف ''رحمت کائنات'' حضرت مولانا سید قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہٗ کا تعاون:

حضرت والاؒ کے تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ کی خدمات کے سلسلہ میں حضرت موصوف مدظلہٗ نے احقر مؤلف کے ساتھ یہ تعاون فرمایا کہ حضرت والاؒ کے ساتھ ان کی جو خاصی طویل مراسلت ہوئی اس کی نقول انہوں نے بذات خود احقر کو ارسال فرمائیں۔ فجزاه الله تعالى خير الجزاء في الدنيا والآخرة (آمین)

حضرت صوفی اقبال رحمہ اللہ (خلیفہ حضرت شیخ الحدیثؒ) کا تعاون:

آپ نے ایک واقعہ حضرت والاؒ کے فتنہ مودودیت سے بالکل اجتناب کی تلقین کا بیان فرمایا اور پھر وہ مطبوعہ روایت بھی نقل کے لئے عاریۃً بھجوائی، جو ''خیر السوانح'' میں شامل کی گئی ہے۔ یہی نہیں بلکہ حرم مدنی شریف میں کھڑے کھڑے کتاب کی تکمیل سے پہلے ہی کتابت شروع کرانے اور کتابت قلمی ہو یا کمپیوٹر سے، اس سلسلہ میں اپنے تجربات کی بناء پر نہایت قیمتی مشورے عطا فرمائے۔ وجزاه الله تعالى خير الجزاء.

سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہٗ کی انمول دُعا اور حوصلہ افزائی:

کوئی کسی کو سب سے بڑھ کر جو کچھ دے سکتا ہے وہ دعا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے، جو سب سے بڑھ کر عطا فرمانے والا ہے۔ اس لئے سیدی حضرت والا محمد مسیح اللہؒ کا تعاون سب سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ انہوں نے خادم کے عریضہ کے جواب میں حوصلہ افزائی اور دعا فرمائی (جس کی نقل پہلے گزر چکی ہے) اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ان کی دُعائیں قبول ہو کر احقر جیسے شخص سے یہ کام بالآخر اختتام پذیر ہوا۔ فجزاه الله تعالى خير الجزاء ورحمه الله تعالى رحمةً واسعةً وجعل الجنة متقلبه ومثواه. اللہ تعالیٰ آپ کو مرافقت انبیاء علیہم السلام اور حضور ﷺ کا قرب خاص عطا فرمائے اور اپنے دیدار سے نوازے (آمین ثم آمین)

حضرت مولانا حافظ محمد عبد الوحید شہید حرمؒ کی حوصلہ افزائی:

مولانا حافظ عبد الوحید رحمۃ اللہ علیہ سے تالیف ''خیر السوانح'' کا تذکرہ ہوتا تھا۔ حضرت والاؒ کی حیات ہی میں، بلکہ حضرت والاؒ سے تالیف سوانح کی اجازت لینے سے بھی قبل انہوں نے رینالہ خورد سے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ میں اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا:[1] ''بے شک سوانح ضروری ہے۔ ان شاء اللہ ہم دونوں اکٹھے تالیف کریں گے۔ آپ حالات جمع کرتے جاویں۔ پھر مل کر ترتیب دے دیں گے۔ ان شاء اللہ آپ کی رائے بہت ہی صائب و واجب العمل ہے۔''

بہر حال یہ ان کی حوصلہ افزائی تھی۔ جزاه الله تعالى خير الجزاء. اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت و رحمت سے مالا مال کرے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا مستقل تذکرہ حضرت والاؒ کے خلفاء کی مختصر سوانح میں آئے گا۔

---

[1] بعد میں غالباً ضعف بصر کے سبب خطوط اپنے دوستوں سے لکھوایا کرتے تھے۔ (آ ا)

حضرت مولانا عبدالعزیز مدظلہ اور مولانا عبدالشکور زید مجدہٗ کا تعاون:

ان دونوں حضرات کے مفید مقالات جو نہایت اہم مضامین پر مشتمل ہیں، محترم ماسٹر اقبال قریشی صاحب کی ''خیر السوانح'' میں موجود تھے۔ اس طرح ان دونوں حضرات کا بالواسطہ تعاون اس خیر السوانح کے لئے حاصل ہوا۔ فجزاھم اللّٰہ تعالٰی خیر الجزاء۔

دیگر حضرات کا تعاون اور اعترافِ احسان:

ان کے علاوہ بھی ممکن ہے اور بھی مآخذ بعد میں یاد آ جائیں، یا تلاش کرنے سے مل جائیں، اور قابلِ ذکر اہم تعاون بھی کئی حضرات کا ہوگا۔ لیکن یہاں بھی استقصاء کے بجائے اختصار ہی سے کام لیتے ہوئے باقی سب حضرات کے احسان کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے لئے جذبات تشکر و امتنان اور جزائے خیر کی دُعا کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ نیز اتنی تطویل پر بھی معذرت خواہ ہوں۔ البتہ احقر کے اہلِ خانہ اور اعزہ و اقارب کے تعاون کا تذکرہ ان شاء اللہ تعالٰی ترجمۃ المؤلف کے تحت آئے گا۔ (مآخذ کی فہرست کتاب کے اخیر میں آ رہی ہے)

مختصر تاریخ تالیف ﴿خیر السوانح﴾

مفصل تاریخ تالیف قارئین کی دلچسپی کا باعث نہ ہوگی بلکہ باعث ملال ہوگی۔ اس لئے تطویل کے بجائے ریکارڈ محفوظ رکھنے کے لئے چند سطروں میں مختصر تاریخ تحریر کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

''خیر السوانح'' کی ابتداء کرنے کے لئے جن اوراق پر تبرکاً ''بسم اللہ'' لکھوائی گئی تھی وہ محفوظ ہیں۔ اس کے صفحہ اوّل کے حاشیہ پر آغاز تالیف خیر السوانح کا تذکرہ یہ ملا:

''جمعہ ۱۸ رجب ۱۳۹۱ھ بعد نماز جمعہ جامع مسجد جیکب لائن کے ایک کمرے میں جہاں حضرت حاجی ماسٹر محمد شریف دامت برکاتہم (خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور رُکن شوریٰ مدرسہ خیر المدارس) اور حضرت مولانا حافظ محمد شریف مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان و صاحبزادہ حضرت والاؒ) قیام فرما تھے، حضرت مولانا[1] محمد شریف صاحب موصوف سے بسم اللہ تبرکاً لکھوائی، تاکہ آج ترتیب سوانح کا کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ بحمد اللہ شروع ہوگیا۔ اور جو حصہ

---

[1] بہر حال یہ شبہ باقی رہا کہ بسم اللہ مخدومی المکرم حضرت محمد شریف صاحبؒ سے لکھوائی یا استاذی المکرم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری سے۔ البتہ (حضرت والا) کے الفاظ سے خود بخود مخدومین شریفین کے خط اور تحریر دیکھنے سے راجح یہی سمجھ میں آتا ہے۔ کہ استاذی المکرم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری سے تبرکاً بسم اللہ لکھوائی گئی ہوگی واللہ تعالٰی اعلم۔ (آ)

حضور ﷺ کے مواجہہ شریفہ حرم نبوی شریف میں تبرکاً یوم الاثنین ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ کو تحریر کیا تھا، اس کی نقل اس مسودہ میں کی اور دو تین سطریں آگے بھی تحریر کیں۔"

اس میں ابتداءً تالیف کے تذکرے کا خلاصہ آ گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تبرکاً شروع کی گئی چند سطریں جو حضور ﷺ کے مواجہہ شریف میں تحریر کرنے کی سعادت نصیب ہوئی وہ حضرت والاؒ کی حیاتِ طیبہ ہی کے زمانہ کی بات ہے۔ پھر حضرت والاؒ کے وصال کے بعد بسم اللہ لکھوائی گئی اور اس طرح کام کا آغاز ہوا۔ لیکن تالیف کے کام کا نہ طریقہ معلوم تھا نہ سلیقہ تھا۔ حضرت والاؒ کی خودنوشت سوانح کی ترتیب کو بدلنا گوارا نہ ہوتا تھا۔ اور ہمارے حضرت والاؒ نے شروع کے تقریباً بیس صفحات تک خاندانی حالات تحریر فرمائے تھے۔ اس کے بعد اپنا تذکرہ شروع فرمایا تھا۔ بالآخر اس ترتیب میں تغیر کرنے کی جسارت کرنا ہی پڑی۔

اکثر واقعات "نقشِ حیات" سے نقل کئے ہیں۔ اس میں نہ صرف اس کا حوالہ دیا ہے، بلکہ حتی الوسع حضرت والاؒ کے کلماتِ طیبات کو باقی رکھا ہے اور بطور اقتباسات کے نقل کیا ہے۔

ابتدائی کام یعنی تیس چالیس صفحات جو کراچی ہی میں تحریر ہو گئے تھے، حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کے فرمانے پر ان کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ اس پر انہوں نے ان الفاظ میں اظہارِ مسرت فرمایا:

"سوانح کے مسودہ کی فائل مل کر بہت مسرت ہوئی۔ جس قدر حصہ معرضِ تحریر میں آ چکا ہے وہ غنیمت ہے........"

(گرامی نامہ مورخہ ۸ ربیع الاوّل ۹۴ھ)

اس کے بعد کراچی قیام ہی کے دوران کوئی بارہ صفحات اور لکھے، جن میں چند ابواب پر کچھ کام کیا گیا تھا۔ کراچی میں یا تو ملازمت کی مصروفیت رہی، یا مناسب کام کی تلاش اور سعودی عرب آنے کے لئے سعی۔ آخر ملازمت ملنے پر شب ۱۵ شعبان ۱۳۹۵ھ (۲۴ جولائی ۱۹۷۵ء) کو جدہ منتقل ہوا۔ لیکن نئی ملازمت اور نئی جگہ کی مصروفیات رہیں۔ آخر ٹلتے ٹلتے ۱۴۰۴ھ میں تفصیلی مسودہ لکھنا شروع کیا اور بار بار کام شروع ہو کر بند ہوتا رہا۔ ۱۴۰۵ھ تا ۱۴۰۸ھ الریاض میں قیام کے دوران کام نہ ہو سکا۔ اگرچہ ایک دو بار زیارت مدینہ منورہ کے موقع پر نئے سرے سے کام شروع کرنے کی سعی کی۔ بہرحال ۲۳ شعبان ۱۴۰۸ھ کو مدینہ منورہ میں قیام کے لئے داخلہ ہوا۔ اور ۱۵ شوال ۱۴۰۸ھ کو پابندی سے کام شروع ہوا۔ لیکن ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ میں پاکستان اور پھر انڈیا کا سفر ہوا۔ پھر ۱۴۱۳ھ میں پاکستان کا سفر ہوا۔ پاکستان میں عموماً صحت خراب رہنے کی وجہ سے کام کا ناغہ ہوا۔ ورنہ عموماً پابندی سے کام ہوتا رہا، گو مقدار بہت کم رہی۔ مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کا مسودہ "خیر السوانح" بھی مل چکا تھا جس کو شامل کرنے کا کام تھا۔ اس میں بہت زیادہ وقت لگا۔ اب فی الحال اس "عرضِ مؤلف" کے ساتھ مقدمہ مکمل ہو رہا ہے۔ اور باب اوّل تا باب ۱۹ مکمل ہو گئے ہیں۔ ان میں صرف کہیں کہیں آخری بار مراجعت کرتے

ہوئے کچھ تغییر یسیر اور کمی بیشی ہوگی۔ اس کے بعد باب ۲۰ تا ۲۳ جن کا مواد تقریباً مکمل ہے ترتیب دینا باقی رہے گا۔

(شب ۲۹ محرم ۱۴۱۴ھ مدینہ منورہ)

ایک اور گزارش:

مثنوی میں تاخیر کے بارے میں مولانا رومیؒ نے فرمایا تھا: ع

مدتے درمثنوی تاخیر شد : مہلتے بایست تاخوں شیر شد

لیکن یہاں تو ''مدتے'' ہی نہیں، تکمیل سوانح ''مدتوں'' یعنی سالہا سال مؤخر ہوگئی۔ بہرحال اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جو بعض مفید مضامین تحریر کرنے یا نقل کرنے کی توفیق اس وقت ہوگئی، اب اس سے چند سال قبل ایسے مضامین تحریر یا نقل کرنے کی توفیق متوقع نہ تھی۔ بہرحال اگر اس کے بعض مضامین سے کسی کو کچھ دینی فائدہ پہنچ جائے تو حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا ذرہ بھر قطعاً کوئی کمال نہیں۔ بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اسی کے فضل سے حرم پاک مدینہ منورہ اور اس کے مکین امین نبی اُمی رحمۃ للعالمین ﷺ کے جوار کی برکت ہے۔ اور اسی کے فضل سے میرے شیخ صاحب سوانح نور اللہ مرقدہٗ کا فیض ہے۔ **والحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک.**

خاتمہ:

بہرحال اخیر میں تالیف سوانح میں بے حد تاخیر پر تمام منتظر حضرات کی خدمت میں معذرت پیش کرتے ہوئے گزارشات ختم کرتا ہوں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز سعی کو مقبول و مفید بنائے۔ اور احقر مؤلف کے ساتھ عفو و مغفرت کا معاملہ فرمائے (آمین)۔ اور صاحب سوانح سیدی و مولائی حضرت مولانا خیر محمد نور اللہ مرقدہٗ کو سب کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ **رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً.** مغفرت و رحمت سے مالا مال فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے، اپنے قرب و رضا کے سہ درجات میں لحہ بہ لحہ بے حد و بے حساب ترقی عطا فرمائے۔ مرافقت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضور ﷺ کا قربِ خاص عطا فرمائے، اور اپنے دیدار سے نوازے (آمین ثم آمین) **وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین. وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا ومولانا وحبیبنا وشفیعنا محمد رحمۃ للعالمین وآلہ واصحابہٖ اجمعین. برحمتک یا ارحم الراحمین (آمین)**

یوم السبت ۲۰۵ ۱۴۱۴ھ (الموافق ب ۲۴/ ۷ ۱۹۹۳ء)

سیدی حضرت والاؒ کے ارشادات

بر درخواست اجازت برائے ترتیب سوانح حضرت والاؒ

اور اقتباسات از عریضہ ناچیز آفتاب احمد، در ملتان بتاریخ ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

اقتباس از عریضہ: ''یہ ضرور ہے کہ اس میں خدام کی عین تمنا پوری ہوتی ہے۔ اس لئے اُمید قوی ہے کہ براہِ شفقت و کرم حضرت والاؒ اپنے سوانح مرتب کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں گے۔''

ارشاد حضرت والاؒ: کون مرتب کرے گا؟

اقتباس از عریضہ: ''اگر کوئی خادم اس کام کو جلد شروع کرنے والے نہ ہوں تو باوجود نااہلیت و کم لیاقتی، خادم کی درخواست ہے کہ اس خادم ہی کو اس کی اجازت عطا فرمائی جائے۔''

ارشاد حضرت والاؒ: پہلے مجھے کچھ مضمون جمع کر لینے دو۔ پھر اسی کو پھیلا لینا۔

چنانچہ آئندہ سال حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ۸ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کے عریضہ میں درخواست کی کہ کچھ تحریر فرما لیا ہو تو نقل کے لئے عطا فرمایا جائے۔ چنانچہ شب دوشنبہ ۱۱/ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ (مطابق یکم دسمبر ۱۹۶۸ء) حضرت والاؒ کی خود نوشتہ سوانح کو نقل کرنا شروع کیا۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو اس کی نقل سے فارغ ہوا۔ اس خود نوشتہ سوانح ''نقش حیات خیر محمد'' کی تمہید کی نقل صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو۔ اجازت تحریر سوانح کے اختصار اور تمہید کے ایک ایک جملہ سے حضرت والاؒ کی اپنے سوانح کے بارے میں جو انفعال طبعی، خجالت، حیا اور فنا و عبدیت عیاں ہے، وہ اہلِ ذوق سے مخفی نہ ہوگا۔

نقل تمہید خود نوشت سوانح حضرت والاؒ

۷۸۶

نقش حیات

خیر محمد

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم و علٰی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ اما بعد: اپنی زندگی کے بعض واقعات خود قلم بند کرنے کا خیال اس لئے ہوا کہ بعض مخلصین اپنے جذبہ اخلاص سے یا کسی کے کہنے سننے سے کچھ حالات جمع کرنا چاہتے ہیں۔ مگر بقول شنیدہ کے بود مانند دیدہ بہت سی باتوں میں فروگذاشت کر جاتے ہیں۔ اس لئے ارادہ ہوا کہ کچھ کچھ ضروری باتیں اپنے علم وحفظ کے اعتبار سے جمع کر دی جائیں، تا کہ بعد میں کسی کو دھوکہ نہ رہے۔

ارشادات ودُعا سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہٗ

بجواب عریضۂ احقر مؤلف

اقتباس از عریضہ: سیدی الکریم مخدومی المکرم حضرت محترم دام ظلکم العالی دامت برکاتکم۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ارشاد: مکرم بندہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اقتباس از عریضہ: بعد آداب نیازمندانہ عرض خدمت ہے کہ حضرت اقدس مرشدی مولانا خیر محمد صاحبؒ کی سوانح عمری زیر ترتیب ہے۔

ارشاد: بہت ہی خوب ہے۔اللہ تعالیٰ بطریق احسن تکمیل کو پہنچائیں۔

اقتباس: (اس کے بعد حضرت والاؒ کے متعلق کوئی واقعہ یاد ہوتو اس کو قلم بند فرمانے یا مکاتیب اگر محفوظ ہوں تو ان کی نقل کے لئے عرض کیا گیا)

ارشاد: بندہ کو کچھ محفوظ نہیں ہے۔دُعا گو تکمیل سوانح ہے۔

اقتباس: اُمید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

ارشاد: الحمدللہ تعالیٰ بعافیت ہے۔

کمترین خدام: آفتاب احمد عفی عنہ،شب ۹ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ،اے ۴/۴ پاک کالونی،منگھوپیر روڈ کراچی ۱۶

نوٹ: کم وبیش اسی مضمون کے عریضے دیگر اکابر کی خدمت میں تحریر کیے گئے۔ان میں سے بعض کے جوابی ارشادات آگے آرہے ہیں۔

مکتوب گرامی اُستاذی المعظم مخدومی محترم حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط تو میرے پاس محفوظ نہیں اور اکثر خطوط میں دریافت خیریت ہوتی تھی۔خاص مضامین نہیں ہوتے تھے،الا نادراً۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے بہت دیکھا ہے،اور مجھ سے ان کو خاص محبت تھی۔اور مجھے بھی بہت محبت وعقیدت تھی۔اس وقت طبیعت ناساز ہے۔اس ہفتہ میں بخار رہا۔اب بخار تو نہیں مگر اس کا اثر باقی ہے۔اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ یہاں کسی سے فرمادیجئے کہ وہ وقتاً فوقتاً مجھ سے مولانا کے حالات دریافت کرتے رہیں۔میں جو کہوں اس کو قلم بند کر کے آپ کو بھیج دیں۔خود لکھنا آجکل دشوار ہے۔گھر میں اور رشیدہ کو سلام ودُعاء۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ (۷ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ)

نوٹ: لیکن افاقہ ہونے پر ۲۲ ذی الحجہ کو ''ذکرِ خیر'' کے عنوان سے ایک مضمون ارسال فرمایا،جو اس کتاب کی زینت ہے۔

اس کے وصول ہونے کی اطلاع اور شکریہ کے عریضہ کے جواب میں گرامی نامہ تحریر فرمایا، جس کی نقل حسب ذیل ہے:

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں تو آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مضمون ''ذکر خیر'' پہنچا یا نہیں۔ کیونکہ غلطی سے رجسٹری نہیں کیا تھا۔ ورنہ میں ایسے مضامین کو رجسٹری کر کے بھیجتا ہوں۔ آپ کے کارڈ سے اطمینان ہوا اور خوشی ہوئی کہ آپ کو میرا مضمون پسند ہوا۔ اللہ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائیں اور ہم لوگوں کو بھی کامیاب فرمائیں۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز**۔ آپ کے لئے دعائے برکت کرتا ہوں۔ والسلام ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ، محرم ۱۳۹۱ھ

گرامی نامہ مفتی اعظم پاکستان مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

(بانی و مہتمم دار العلوم کراچی)

بجواب عریضۂ احقر مؤلف

عزیز محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ معلوم ہو کر بڑی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آسان فرماویں اور نافع ومفید بنادیں۔ اس میں حصہ لینے کو تو خود ہی دل چاہتا ہے۔ مگر مشکل اپنے ضعف وامراض اور اس پر مشاغل کی ہے۔ تاہم کوشش کروں گا کہ کچھ لکھ کر پیش کردوں۔ والسلام محمد شفیع عفی عنہ

دار العلوم کراچی نمبر ۱۴ (۲۰/۱۰/۹۰ھ)

گرامی نامہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ندوۃ العلماء لکھنؤ)

بجواب عریضۂ احقر مؤلف

لکھنؤ (۲۰/۲/۱۹۷۱ء) مکرمی زید لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ ملا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کے کارِ خیر میں ہر طرح کی شرکت باعث سعادت ہے۔ لیکن میری حضرت مرحوم سے چند ہی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ ایک شب میں نے ۱۹۴۷ء کی ابتداء میں خیر المدارس میں مولانا کے پاس گزاری۔ صبح درس قرآن میں مجھے لے گئے اور اس دن مجھ ہی سے درس دِلوایا۔ دو تین ملاقاتیں لاہور میں حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں، وہ بھی بہت مختصر اور محض سلام و مزاج پُرسی اور خیر المدارس آنے کی دعوت تک محدود۔ ....اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقصد میں کامیاب فرمائے، والسلام

ابوالحسن علی (بقلم: اسم غیر مفہوم)

پیش لفظ

از حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمۃ اللہ علیہ
سابق مہتمم جامعہ خیرالمدارس ملتان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم.

اس عالمِ فانی میں جو آیا جانے کے لئے آیا۔ خلاقِ عالم نے ہر متنفس کے لئے وقت مقرر پر دنیا سے جانا مقدر فرما دیا۔ ہر ایک کو امر خداوندی کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ اور کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے۔ بجز ذات باری تعالیٰ کسی کے لئے بقاء ودوام نہیں۔ لیکن انسانوں میں بھی فرق مراتب ضرور ہے۔ کسی انسان کی وفات پر صرف ایک قریہ کے مکین افسوس کرتے ہیں اور کسی کی رحلت پر پورا ملک صدمہ پاتا ہے۔ لیکن کچھ باکمال شخصیتیں، علمائے کرام و اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے ہوتے ہیں جن کے وجود سے پورے عالم کے منافع دینیہ و دُنیویہ وابستہ ہوتے ہیں۔ ان حضرات کے رُخصت ہونے سے پوری دنیا یتیم ہو جاتی ہے۔ جن کی مفارقت سے ہر قلب حزیں اور ہر آنکھ اشکبار ہوتی ہے اور جن کی جدائی سے دینی و علمی مجالس بے رونق ہو جاتی ہیں۔ جن کا وجود دُنیا والوں کے لئے باعث نور اور ان کی رحلت موجب ظلمت ہوتی ہے۔

گزشتہ قریب زمانہ میں جو اکابر حضرات علماء کرام اور اولیاء عظام گزرے ہیں وہ انہی اوصافِ حمیدہ سے متصف تھے۔ یہ حضرات اظہار حق میں اللہ تعالیٰ کی حجت تھے۔ اور لا یخافون لومۃ لائم کا مصداق۔ وہ پوری زندگی گزار کر اس دار الفناء سے دار البقاء کی طرف وعدۂ لقاء کے لئے منتقل ہوئے۔ وہ انہی اوصاف حمیدہ سے متصف تھے، اور ان کی خدماتِ دینیہ ہر شعبہ میں اظہر من الشمس ہیں۔ انہی مقتدر ہستیوں میں ایک فرد فرید محقق العصر، محدث جلیل، فقیہ نبیل، ولی کامل، جامع المعقول والمنقول اُستاذ العلماء، میرے والد ماجد حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ میں ایسے علمی وعملی کمال اور ایسی متنوع صفات ودیعت فرمائی تھیں جن کی نظیر آج ملنا دُشوار ہے۔ ایسی جامع کمالات شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اور اس جہانِ فانی میں ان کا خلا پُر نہیں ہوتا۔

ان حضرات کے سوانح مختلف طور پر صفحۂ عالم پر منقش پائے جاتے ہیں۔ حقیقی سوانح تو ان حضرات کے تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف وغیرہ خدمات کے وہ آثار و نتائج محسوسہ ہوتے ہیں جو مختلف گوشوں میں ضیاء پاشیاں کرتے دِکھائی

دیتے ہیں۔مختلف علوم وفنون میں ان کے تلامذہ انہی کے نہج پر اپنے انوارِ تعلیم سے مختلف خطوں کو منور کر رہے ہیں۔ان کے روحانی فیض یافتہ جگہ جگہ انہی کے انداز پر اپنے ارشادات سے لوگوں کی ظاہر و باطن کی تعمیر کرتے نظر آتے ہیں۔ان کی تصنیفات کا فیض عام بندگان خدا میں پھیلتا جا رہا ہے۔ان سے اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کرانے والے اعمال واخلاق کے مجسّمے رونقِ ارض بنے ہوئے ہیں۔ان سے اذکار واشغال سیکھنے والے آنَاءَ اللَّیۡلِ وَالنَّھَارِ میں اپنے نغمات اذکار سے سراسر بہار کی فیض پیدا کئے ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

سوانح کا دوسرا نہج یہ ہے کہ ان کی خدمات وحالات وحیات کے خدوخال کی مجمل یا مفصل فہرست کا مجموعہ تیار کر کے لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے جو تذکرہ یادگار کا کام دیتا ہے۔قرآن حکیم نے جہاں امم سابقہ کے مغضوبین و معذبین کے حالات عبرت کے لئے پیش فرمائے ہیں وہیں مقربین و منعمین کے حالات وسوانح بھی تذکر کے لئے بتائے ہیں۔علمائے اُمت نے اس حصہ کو قرآن پاک کے علوم کا ایک مستقل حصہ قرار دیا ہے۔اور اس کو تذکیر بایام اللہ سے معنون کیا ہے۔سوانح نگاری کا یہ نہج بھی یقیناً مفید وصحیح انداز ہے اور کتاب اللہ کی اتباع ہے۔

حضرت اقدسؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد قسم اوّل کے سوانح تو گوشہائے مُلک میں ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی بکثرت نصب وثبت ہیں۔ان کی تعلیم وتربیت وارشاد ونظم کے آثار وثمرات سے کون ساخطہ محروم ہے۔تعلیم وتربیت،افتاء، تصنیف،خطبات،وعظ،تبلیغ،نظم تعلیم وصحافت وغیرہا کے مختلف شعبہ جات خدمت دین میں فیض یافتگان سرگرمِ عمل ہیں۔یہ سب تلامذہ،مسترشدین،متوسلین وخدام حقیقی خیرالسوانح ہیں۔تاہم دوسری قسم کے سوانح کا خاکہ پیش کرنا بھی بہت ضروری اور سودمند ہے،جس کے متعلق ہم غیر مبہم الفاظ میں قصور وجرم تاخیر کے معترف ہیں۔اس تاخیر کے اسباب ومناشی کچھ بھی ہوں،بہرحال اتنی تاخیر ہونی نہ چاہئے تھی۔

حق تعالیٰ نے یہ سعادت عزیز محترم برادر مکرم صوفی محمد اقبال قریشی صاحب کو عطا فرمائی۔آپ صاحب سوانح حضرت اقدسؒ کے مسترشدین میں سے ہیں۔حضرتؒ کے بعد آپ نے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہٗ سے تعلق رکھا اور ان سے بیعت وتلقین کی اجازت بھی پائی۔اُنہوں نے ماشاء اللہ بہت اچھے سلیقے سے ضروری باتوں کا خاکہ آسان وسلیس اُردو عبارت میں جمع فرما دیا ہے۔اس خدمت پر آپ تمام متوسلین کی جانب سے تشکر و دُعاء کے مستحق ہیں۔حق تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور نافعیت عامہ کا سبب بنائے،آمین.

جو لکھا ہے وہ صحیح لکھا ہے،لیکن یہ کہنے کی جرأت نہیں کی جاسکتی کہ اس میں صاحبِ سوانح کے مقام عالی کی پوری ترجمانی وعکاسی ہوگئی ہے۔حضرت موصوف کو حق تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی تھی۔علومِ عالیہ وآلیہ کے صرف کامل ترین اُستاذ الکل ہی نہ تھے بلکہ تعلیم کے معیار وطریق میں ان کی روش اور دستورِ عمل حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔تربیت وارشاد و روحانیت میں اس صدی کے مجدد الملت،حکیم الامت،مجمع محاسن امدادیہ حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس

سرہٗ کے فیض یافتہ اوران کے جلیل القدر خلیفہٗ مجاز تھے۔ نظم واہتمام میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کے بعد علماء میں ان کی نظیر ہی نہیں ملتی، بلکہ پاکستان کے بڑے مدارس کے منتظمین و مہتممین و حضرات علماء کرام اپنے پیچیدہ مسائلِ انتظامیہ میں ان سے مشورہ لیتے تھے اور تسکین خاطر پاتے تھے۔[1] مناظر بھی بے نظیر تھے۔اس سلسلہ میں آپ کے استدلال وجواب کی متانت، سنجیدگی و بے باکی، حاضر جوابی، مخالف پر رُعب وشوکت اور عالی ظرفی بے مثل خوبیاں ہیں۔طریقۂ ارشاد نہایت سہل، جامع، دِلنشین ومؤثر ہوتا۔تصنیف نہایت آسان، مفید اور سراپا مغز ہی مغز ہوتی۔مقام شناسی اور ہرایک کے مرتبہ کے مطابق اس سے حسن سلوک اور جاذب برتاؤ آپ کے خصوصی محاسن تھے۔

حضرتؒ حق گوئی کی وجہ سے بھی مقبول خلائق تھے۔حق بات کے کہنے میں اس قدر بے باک اور جری تھے کہ اس دور میں ان کی نظیر کم ملے گی۔صحابہ کرامؓ کی صفت **لا یخافون لومة لائم** کا صحیح عکس تھے۔جب کبھی خلاف حق کوئی بات دیکھتے یا سنتے تو اس وقت صفت فاروقی اَشَدُّهُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَر کا مکمل نمونہ ہوتے۔انہی کمالات واوصافِ حمیدہ سے حضرتؒ خواص وعوام میں ہر دلعزیز تھے۔

حضرتؒ کے وصال کے تقریباً ایک سال بعد ابھی خاندان اندوہناک ہی تھا کہ حضرتؒ کے وصال کے تقریباً ایک سال بعد میرے برادرِ اکبر مولانا حافظ رشید احمد صاحب مرحوم کے اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال پُر ملال سے پورا خاندان دوبارہ اندوہناک ہوا۔

حق تعالیٰ حضرتؒ کی یادگار خیرالمدارس اور (آپ کی) باقیات وصالحات کو قائم ودائم رکھے۔

در جہاں خیر محمد زندہ باد : نجم دینش تا اَبد تابندہ باد

احقر محمد شریف جالندھری
مہتمم جامعہ خیرالمدارس ملتان

---

[1] اوراسی مسلمہ مہارت کی بناء پر ۶۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی رکنیت مجلس شوریٰ کا اعزاز بھی حضرت والا کو عطا فرمایا گیا۔(یا دوسرے الفاظ میں رکنیت مجلس شوریٰ قبول کرنے کی درخواست کی گئی جس کو حضرت والا نے قبول فرمایا۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو باب ہشتم۔آ ا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خیرالعلماء الراسخین، تاج المشائخ الکاملین

سیدی ومولائی حضرت مولانا خیرمحمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ

کی اتباعِ سنت والی حیاتِ طیبہ کے تین نمایاں خصائص

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلانا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی عِبادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ خُلاصَۃُ الْعَرَبِ الْعَرْبَاءِ وَخَیْرُالْخَلائِقِ بَعْدَالاَنْبِیَاءِ وَعَلٰی اَوْلِیَائِہِ الَّذِیْنَ اجْتَبٰی مِنْ عُلَمَاءِ خیرالامۃ من اھتدی وَتَزَکّٰی.

اَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی سُبْحَانَہ. اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم. لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ آیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ. وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلالٍ مُّبِیْنٍ. (آل عمران، آیۃ۱۶۴)

(ترجمہ) حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا۔ جب کہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں۔ اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔ (بیان القرآن)

وقال النبی ﷺ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا. وقال اِنَّمَا بُعِثْتُ لاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (او کما قال ﷺ)

(ترجمہ) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تو بس معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں'' اور فرمایا: ''میں تو بس اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے تین اہم کام ذکر فرمائے: (۱) اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنانا، یعنی دعوت وتبلیغ دین۔ (۲) تزکیۂ نفوس، اور (۳) تعلیم کتاب وحکمت۔ اور اسی کی شرح مندرجہ بالا دو احادیث میں بھی ملتی ہے کہ آپ کی غرض بعثت ہی تعلیم اور مکارم اخلاق کی تکمیل وتتمیم تھی۔

اس زمانہ میں ایک نائب رسول ہمارے حضرت والاؒ یعنی تاج العلماء، خیرالمشائخ، سیدی ومولائی حضرت مولانا خیرمحمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا عمل بھی اسی جامع اور اہم سنت نبوی پر تھا۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کا بیشتر حصہ بھی ان ہی تین کاموں میں گزرا:

(۱) مواعظ و دروس قرآن مجید کے ذریعہ عوام و خواص کو تبلیغ و دعوت دین بخطاب عام

(۲) طالبین اصلاح کا تزکیہ نفس اور (۳) طلبہ علم کے لئے تعلیم کتاب و حکمت

ان میں سے مواعظ و دروس قرآن مجید کے ذریعہ دعوت و تبلیغ اور ترغیب و ترہیب سے جو دینی فائدہ عوام و خواص کو پہنچتا رہا ہے، خصوصاً جبکہ واعظ اور درسِ قرآن دینے والے عالم، جامع ظاہر و باطن اور جامع شریعت و طریقت ہوں تو اس کا فائدہ اور دینی نفع ظاہر و باہر اور معلوم و معروف ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔ چنانچہ اہلِ حق جامع شریعت و طریقت علماء اسلام جو نائبین رسولِ اکرم ﷺ ہیں، آپؐ کی سنت کے مطابق بذریعہ وعظ اور وقتاً فوقتاً قائماً وقعوداً ہر حال میں دعوت و تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں۔ اور دینی تعلیم کے عربی مدارس میں جو خاموشی سے حفاظت و اشاعت دین متین کا سامان ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے، وہ بھی دین سے تعلق رکھنے والے خوب جانتے ہیں۔ ان مدارس میں باقاعدہ دینی علوم کی ابتدائی تعلیم (جو ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے) سے لے کر علوم نقلیہ و عقلیہ اور علوم آلیہ کی مہارت کے درجہ میں (جو اُمت مسلمہ کے ذمہ فرض کفایہ ہے) ان کی تعلیم دیتے رہتے ہیں۔ کہیں دینی مدارس میں صرف تعلیم و تربیت ہے، تزکیۂ نفوس کا کام اہلِ حق صوفیاء کرام کی خانقاہوں میں (نہ کہ محض رسمی پیروں کی دُکانوں پر) اور کہیں مدارس ہی میں تزکیۂ نفوس کا کام بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہا ہے، جو کہ جامع شریعت و طریقت محقق علماء کاملین کرتے رہے ہیں۔ جیسے ماضی قریب میں امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا خاندان (جن کو حضرت مجدد تھانویؒ بجا طور پر ''شاہانِ دہلی'' کے نام سے یاد فرماتے ہیں اور پھر مثلاً امام ربانی فقیہ الامت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔ آخر الذکر یعنی مجدد تھانویؒ ہی کے اجلہ خلفاء میں سے ایک ہمارے حضرت والاؒ تھے۔ جنہوں نے مدرسہ خیر المدارس میں دعوت و تبلیغ دین اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس کا کام بھی کیا۔

کتاب و حکمت کی تعلیم یعنی کتاب اللہ اور سنت نبویہ (**علٰی صاحبها آلاف الوف صلوٰة وسلام وتحية لا متناهية**) کی تعریف و تشریح تو تحصیل حاصل ہے، اور علم دین سیکھنے سکھانے کے فضائل بہشتی زیور اور حیات المسلمین جیسی مشہور و معروف کتب میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ البتہ حکمت یعنی سنت یا حدیث نبوی کے بارے میں الحاد و زندقہ اور انکار حدیث کی مسموم ہوائیں چلنے کے اِس دور میں حجیت حدیث اور علوم دینیہ میں حدیث شریف کا مقام اور عظمت رسول اکرم ﷺ کو بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن الحمدللہ اس موضوع پر محققانہ کتب و رسائل موجود ہیں۔ اور یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ یہ مختصر کتاب جس کا موضوع سوانح ہے، اس تحقیق اور تفصیل کی متحمل نہیں۔ البتہ تصوف و طریقت کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں اور اس کے متعلق اعتقاد میں بہت غلو اور افراط و تفریط پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ بعض خام اہلِ علم میں بھی غلط فہمی اور مقاصد و مسائل کے امتیاز میں غفلت یا تغافل پایا جاتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ غالی اور جاہل نام نہاد صوفیاء کے امانی اور

منکرین تصوف کے ادعاءات کے درمیان جو معتدل اور وَسَط کتاب وسنت سے ثابت تصوف ہے، اس کی حقیقت وضرورت کو بیان کردیا جائے، تا کہ پوری شریعت اسلامیہ کے اس اہم جزء کا علم صحیح اور اس کے مطابق عمل ہوسکے۔

نیز تصوف وسلوک میں وجوب واستحباب اور مقصود وغیر مقصود کے درجات کو جاننے کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ تصوف میں جہلاء متصوفین نے جب غیر شرعی اشیاء داخل کردیں تو بعض خام اور سطحی علم رکھنے والے اہلِ ظاہر نے تصوف ہی کا انکار کردیا۔ حالانکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مجموعہ احادیث میں موضوع روایات بھی خلط ہوگئی ہیں۔ تو کیا اس کی وجہ سے حدیث سے اعتماد ختم کر کے منکرِ حدیث بن جانا کوئی عقل کی بات ہے۔ نہیں، بلکہ حضرات محدثین (جزاھم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء) نے موضوعات کو علیحدہ جمع کر کے بتادیا ہے، تا کہ ان کو حدیث نہ سمجھ لیا جائے۔ اسی طرح محققین اہلِ علم ائمہ تصوف نے کیا کہ جو باتیں تصوف میں خارج از تصوف اور غیر شرعی جہلاء متصوفین نے داخل کردی تھیں، یا عموماً متاخرین میں سے غیر اہلِ علم صوفیاء نے تصوف میں غیر مقصود باتوں کو مقصود سمجھ لیا، یا وسائل وذرائع کو مقاصد میں داخل سمجھ کر تصوف کا جزء سمجھ لیا اور اس سے بدعات کا دروازہ کھل گیا، تو جس طرح موضوع روایات کے داخل ہونے سے حدیث کو ترک نہیں کیا گیا، بلکہ محدثین نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کردیا۔ اسی طرح محقق اہلِ علم صوفیاء نے اور خصوصاً قرن سابق کے مجدد حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تصوف کے مقاصد کو ذرائع ووسائل اور زوائد سے بالکل علیحدہ کر کے وہ تصوف پیش فرمایا جس کو تصوف کے منکرین بھی سلوک واحسان کے نام سے مانتے ہیں۔ اور اس کو کتاب وسنت سے ثابت بھی کردیا۔ قارئین کرام تالیف ہٰذا کی خدمت میں التماس ہے کہ اس غرض کے حصول کے لئے (یعنی تصوف میں وجوب واستحباب اور مقصود وغیر مقصود کے درجات کو جاننے کے لئے) "شریعت وتصوف" میں "شجرۃ المراد" مطالعہ فرمالیا جائے تو اجمالی نقشہ سامنے آجائے گا۔ اور مندرجہ ذیل تالیفات کا مطالعہ اِن شاء اللہ تعالیٰ کافی وافی اور شافی ہوگا، اور بہت کچھ بصیرت تزکیۂ نفس اور اصلاح کے بارے میں پیدا ہوکر فن تصوف ہی سے مناسبت ہوجائے گی۔ وھی ھٰذہٖ: تعلیم الدین، قصد السبیل، تربیت السالک (مبوب)۔ مواعظ وملفوظات حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت تھانویؒ ہی کی تالیفات سے مرتبہ کتاب "شریعت وطریقت" مؤلفہ حضرت مولانا محمد دین صاحب (ادارہ اشرفیہ راولپنڈی) اور مسیح الامت سیدی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحبؒ کی تالیف لطیف "شریعت وتصوف"۔

صحیح تصوف کی حقیقت اور ضرورت واہمیت کو بیان کرنے سے پوری شریعت اسلامیہ کے اس اہم ترین جزء کا علم صحیح ہونے کے علاوہ یہ بھی مقصود ہے کہ اس صحیح تصوف کے علم ہونے پر اس کی روشنی میں حضرت والاؒ کی سوانح کو علوم دینیہ (نقلیہ وعقلیہ) کے ایک محقق استاذ الاساتذہ کے علاوہ صحیح تصوف کے محقق وکامل خیر المشائخ کی حیثیت سے سمجھا جاسکے۔

ماضی قریب میں ختم ہونے والی صدی کے مجدد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتب ورسائل اور مواعظ وملفوظات علاوہ دیگر علوم وفنون کے تصوف وسلوک اور طریقت کے جواہر علوم سے بھرے ہوئے ہیں۔

حضرت مجدد تھانویؒ کے اجلہ خلفاء میں سے حال ہی میں رحلت فرمانے والے[1] ایک یعنی مسیح الامت سیدی حضرت مولانا

---

[1] مثلاً حضرت مولانا سید بدر عالمؒ کی ترجمان السنہ کا مقدمہ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی حجیت حدیث پر بعض تالیفات وغیرہ (۱۲)

شاہ محمد مسیح اللہ نور اللہ مرقدہٗ نے اپنی تصنیف لطیف ''شریعت وتصوف'' میں جواہر کے ان بھرپور خزائن میں سے بقدرِ ضرورت جمع فرمائے ہیں۔ بغرض تعارف حقیقت وضرورت اور اہمیت تصوف وطریقت اس کتاب کے شروع کا حصہ آئندہ صفحات میں نقل کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ اِن شاءاللہ تعالیٰ اس سے تصوف وطریقت جو تابع شریعت بلکہ شریعت کا اہم جزء ہے، اس سے بقدرِ ضرورت آگاہی بھی ہو جائے گی اور حضرت والاؒ کی حیاتِ طیبہ میں ان ''تزکیۂ نفوس'' کا کام بھی سمجھ میں آسکے گا۔ واللہ الموفق۔

چنانچہ حضرت مسیح الامتؒ کی کتاب ''شریعت وتصوف'' کا ابتدائی حصہ مع ''عرضِ مؤلف'' صفحات ذیل میں نقل کیا جارہا ہے۔ اور اس کے شروع میں ایک عنوان بھی تجویز کر کے تحریر کر دیا گیا ہے۔ وھوھٰذا:

خلاصۃ السلوک اور عطر تصوف

اب بطور ختام المسک کے اس موضوع کے اختتام پر حضرت والاؒ کے مرشد کامل، اکمل المشائخ المحققین، امام تصوف وسلوک حضرت مجدد تھانویؒ کے بعض جامع اور مختصر ارشادات جو تصوف وسلوک کی تعلیمات کا عطر اور مختصر ترین خلاصہ ہیں وہ دیئے جارہے ہیں۔ اُمید ہے کہ ان سے اِن شاءاللہ تعالیٰ تصوف وسلوک اور اصلاح نفس کے بارے میں نہ صرف بقدر ضرورت بصیرت اجمالاً پیدا ہو جائے گی، بلکہ باب اصلاح وتزکیۂ نفس مفتوح نظر آنے لگے گا۔ اور اس راہ پر چلنا آسان ہو جائے گا۔ وھی ھٰذہٖ:

حاصل تصوف (از حضرت حکیم الامت تھانویؒ)

''وہ ذرا سی بات جو حاصل ہے تصوف کا، یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو، سستی کا مقابلہ کر کے اس طاعت کو کرے۔ اور جس گناہ کا تقاضا ہو، تقاضے کا مقابلہ کر کے اس گناہ سے بچے۔ جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اس کو پھر کچھ بھی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے۔ اور یہی اس کی محافظ ہے، اور یہی اس کو بڑھانے والی ہے۔
(ص ۶۸۰، بصائر حکیم الامتؒ، سعید کمپنی ایڈیشن کراچی، اشاعت چہارم)

رسالہ ''الیمّ فی السّم'' (بالفتح) درطریق سلوک

یہ ایک خط کا جواب ہے، جس میں ایسا وظیفہ پوچھا گیا تھا جس سے طاعات میں ترقی اور معاصی اجتناب میسر ہو۔ اس کا جواب حسب ذیل دیا گیا: ''طاعت اور معصیت دونوں امر اختیاری ہیں، جن میں وظیفہ کو کچھ دخل نہیں۔ رہا طریقہ، سو طریقہ امور اختیاریہ کا بجز استعمال اختیار کے اور کچھ بھی نہیں۔ ہاں سہولت اختیار کے لئے ضرورت ہے مجاہدہ کی۔ جس کی حقیقت ہے مخالفت (بمعنی مقاومت نفس) اس کو ہمیشہ عمل میں لانے سے بتدریج سہولت حاصل ہو جاتی ہے۔[1] میں نے تمام فن لکھ دیا۔

[1] افسوس احقر کے یہ محبوب شیخ بھی شب جمعہ یعنی جمعرات کی درمیانی شب ۱۶-۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ (مطابق ۱۲-۱۳ نومبر ۱۹۹۲ء) کو داغ مفارقت دے گئے۔ انا للہ الخ۔ اللھم اغفر وارحمہ رحمۃ واسعۃ (آمین) (آ آ)

نوٹ: آگے شیخ کے دو کام رہ جاتے ہیں۔ایک بعض امراض نفسانیہ کی تشخیص، دوسرے بعض طرق مجاہدہ کی تجویز جو کہ ان امراض کا علاج ہے۔(بوادر النوادر، جلد دوم، ص ۳۹۶، تیئیسواں نادرہ)

رسالہ "الطّم فی السِّم" (بالکسر) در ماہیت اصلاح

(جو ایک صاحب کو بطور خط لکھا گیا تھا) غیر اختیاری کے درپے نہ ہونا، اختیاری میں ہمت کرنا۔اس میں جو کوتاہی ہو جاوے اس پر استغفار اور اس کا تدارک اور توفیق کی دُعاء کرنا، یہی اصلاح ہے۔فقط۔

(بوادر النوادر، جلد دوم، ص ۳۹۷، چوبیسواں نادرہ)

(تمّت المقدمة)

تعارفِ حقیقت وضرورتِ تصوف

عرض مؤلف:

کتاب کے بیشتر مضامین حضرت حکیم الامت مجدد الملت، جامع الشریعت والطریقت مرشدی ومولائی حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی مختلف کتابوں مثلاً التکشف، بوادر النوادر، تعلیم الدین، قصد السبیل، حیات المسلمین، نیز دیگر کتب آداب الشیخ والمرید، تبلیغ دین، شریعت وطریقت وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔یا وہ باتیں لکھی گئی ہیں جو حضرت حکیم الامت کی مجلسوں میں مَیں نے سنی ہیں۔

یہ سب کچھ فی الحقیقت حضرت اقدس ہی کا فیض وبرکت ہے۔بقول حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ جن کی تعلیم و تربیت، تصنیف وتالیف، وعظ وتبلیغ کی بدولت عقائد حقہ کی تبلیغ ہوئی، مسائل صحیحہ کی اشاعت ہوئی، دینی تعلیم کا بندوبست ہوا، رسوم وبدعات کا قلع قمع ہوا، سننِ نبوی ﷺ کا احیاء ہوا۔غافل چونکے، سوتے جاگے، بھولوں کو یاد آئی، بے تعلقوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہوا۔رسول اللہ ﷺ کی محبت سے سینے گرمائے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل روشن ہوئے اور وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا، پھر سے حضرت شبلیؒ وجنیدؒ وبسطامیؒ وجیلانیؒ، سہروردیؒ وسرہندیؒ بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى رَحْمَةً وَّاسِعَةً. اور یہ شان تجدید تھی جو اسی صدی میں مجدد وقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخصوص فرمائی۔اللہ تعالیٰ ہم سب مستفیضین کی جانب سے تا اَبدا اپنے لازوال ولامتناہی خزانوں سے ان کی روح پر فتوح پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا رہے اور اپنے مراتب قرب سے ہمیشہ نوازتا رہے، آمین ثم آمین۔

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

تصوف

حقیقتِ تصوف:

شریعت کا وہ جزء جو اعمالِ باطنی سے متعلق ہے تصوف وسلوک، اور وہ جزء جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے، اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔

گویا کہ تصوف دین کی روح ومعنی یا کیف وکمال کا نام ہے۔ جس کا کام باطن کو رذائل اخلاق ذمیمہ، شہوت، آفات لسانی، غضب، حقد، حسد، حبِ دنیا، حب جاہ، بخل، حرص، ریاء، عجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجاء، زہد، توحید وتوکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ وتفکر سے آراستہ کرنا ہے۔ تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہوجائے جو مقصود حیات ہے۔ اس لئے تصوف وطریقت، دین وشریعت کے قطعاً منافی نہیں، بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا۔

ضرورتِ تصوف:

جب یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ تصوف وطریقت، دین وشریعت کے منافی نہیں ہے، بلکہ شریعت ہی کے ایک جزء کا نام ہے تو اسی سے تصوف کی ضرورت بھی ثابت ہوگئی۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ ''حقیقت الطریقہ'' کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں:

''بعد حمد وصلوٰۃ، مدّعائے ضروری یہ ہے کہ ہر مسلمان پر بعد تصحیح عقائد واصلاح ظاہری فرض ہے کہ اپنے اعمال باطنی کی اصلاح کرے۔ قرآن مجید میں بے شمار آیات واحادیث میں بے انتہا روایات اس کی فرضیت پر صراحۃً دال ہیں۔ گو اکثر اہلِ ظاہر بسبب پابندی ہوا وہوس اس دلالت سے غافل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ قرآن وحدیث میں زُہد وقناعت و تواضع واخلاص وصبر وشکر وحب الٰہی ورضا بالقضا وتوکل وتسلیم وغیر ذالک کی فضیلت اور ان کی تحصیل کی تاکید اور ان کے اضداد حُبّ دنیا وحرص وتکبر وریا وشہوت وغضب وحسد ونحوہا کی مذمت اور وعید وارد ومذکور ہے۔ پھر ان کے مامور بہ اور ان کے منہی عنہ ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اور یہی معنی ہیں اصلاح اعمال باطنی کے اور یہی مقصود اصلی ہے طریقت میں، جس کا فرض ہونا بلااشتباہ ثابت ہے۔''

نیز طریق القلندر میں فرماتے ہیں: ''تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں، اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ یعنی غالی صوفیہ کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی کہ

تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں، مگر دونوں غلط سمجھے۔ خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واہیات ہے۔ بس نماز، روزہ، قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اسی کو کرنا چاہئے۔ یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے۔ تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوف سے خالی ہیں۔ اور غالی صوفی یہ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے۔ ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں، غرض دونوں فرقے قرآن وحدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں۔ پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن وحدیث کو۔"

تصوف اور قرآن:

جس طرح قرآن میں وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ موجود ہے، اسی طرح یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا. یعنی اے ایمان والو! صبر کرو۔ اور وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ، اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاؤ موجود ہے۔ اگر ایک مقام پر كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ اور لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ پاؤ گے تو دوسرے مقام پر یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ اور وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ بھی دیکھو گے۔

جہاں اِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ہے۔ اس کے ساتھ ہی یُرَآءُوْنَ النَّاسَ بھی موجود ہے۔ اگر ایک مقام میں تارک نماز و تارک زکوٰۃ کی مذمت ہے تو دوسرے مقام میں تکبر و عجب کی برائی موجود ہے۔

اسی طرح احادیث کو دیکھو۔ جس طرح ابواب نماز و روزہ، بیع و شراء نکاح و طلاق پاؤ گے ابواب ریاء و کبر وغیرہ بھی دیکھو گے۔ اس بات سے کون مسلمان انکار کرسکتا ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ حکم خداوندی ہیں، اسی طرح اعمال باطنہ بھی حکمِ الٰہی ہیں۔ کیا اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ امر کا صیغہ ہے اور اصبروا واشکروا امر کا صیغہ نہیں، کیا کتب علیکم الصیام سے روزہ کی مشروعیت اور مامور بہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور والذین اٰمنوا اَشد حبًا لِلّٰہ سے محبت کا مامور بہ ہونا ثابت نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ظاہری اعمال سب ہی باطن کی اصلاح کے لئے ہیں۔ اور باطن کی صفائی مقصود و موجب نجات ہے اور اس کی کدورت موجب ہلاکت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: قد افلح من زَكّٰهَا. وقد خاب من دَسّٰهَا. یعنی بے شک جس نے نفس کو صاف کیا کامیاب رہا اور جس نے اس کو میلا کیا ناکام رہا۔ یوم لا ینفع مال و لا بنون. الا من اتی اللّٰہ بقلب سلیم. یعنی اس دن مال اور اولاد کام نہ آویں گے۔ مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کے پاس سلامت قلب لے کر آیا۔

دیکھو پہلی آیت میں تزکیۂ باطن کو موجب فلاح اور دوسری میں سلامتیٔ قلب کے بغیر مال و اولاد سب کو غیر نافع فرمایا ہے۔ ایمان و عقائد جن پر سارے اعمال کی مقبولیت منحصر ہے قلب ہی کا فعل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جتنے اعمال ہیں سب ایمان کی تکمیل کے لئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اصل مقصود دل کی اصلاح ہے، جس سے انسان مقبول بارگاہ اور صاحب

مدارج ومقام ہوتا ہے،اور اسی کا نام اصطلاح وعرف میں تصوف ہے۔

اقوال صوفیاء:

اسی سلسلہ میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اگر تم کسی کو کرامات والا دیکھو کہ ہوا میں اُڑتا ہو تو دھوکے میں نہ آجانا، جب تک یہ نہ دیکھو کہ امر ونہی، حفظ حدود اور پابندیٔ شریعت میں کیسا ہے؟''

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''مخلوق پر سب راہیں بند ہیں، سوائے اس کے جو رسول اللہ ﷺ کے قدم بقدم چلے۔''

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس کو دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی ایسی حالت کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو حد شرعی سے باہر کر دیتی ہے تو اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔''

حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلویؒ نے فرمایا: ''متابعت، پیغمبر ﷺ کی ضروری ہے قولاً وفعلاً وارادۃً۔ اس لئے کہ محبتِ خدا تعالیٰ بے متابعت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نصیب نہیں ہوتی۔''

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جو آدمی شریعت پر قائم ہوا اور جو کچھ احکام شرع کے ہیں ان کو بجالایا اور سر مو تجاوز نہ کیا تو اس کا مرتبہ آگے بڑھتا ہے، یعنی تمام ترقیاں اس پر موقوف ہیں کہ شریعت پر ثابت قدم رہے۔''

حضرت حکیم الامتؒ ''تعلیم الدین'' میں فرماتے ہیں: ''جس کو دولتِ وصول میسر ہوتی ہے، علمِ شریعت اور اتباع سنت سے ہوتی ہے۔''

شریعت وطریقت کی اصطلاحات الگ الگ بعد میں بضرورت مقرر کی گئیں:

اسلام کی تمام تعلیمات کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے، جس کی ابتدائی تعلیم مجلس نبوی میں دی جاتی تھی۔ اور چونکہ ابتدائی دور تھا حلقہ بگوشان اسلام اپنے اصلی مرکز میں موجود تھے، جن کی تعداد بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی جتنی بعد میں ہوگئی۔ اس لئے نبوی درس گاہ میں تمام علوم اسلام یعنی علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور علم تصوف کی تعلیم یک جا دی جاتی تھی۔ کوئی الگ الگ شعبے قائم نہ تھے۔ البتہ اسی نبوی درس گاہ میں ایک اقامتی شعبہ ایسا بھی موجود تھا جس میں محبانِ خدا وعاشقانِ رسول اللہ ﷺ تزکیۂ نفس واصلاحِ باطن کی عملی تعلیم وتربیت کے لئے ہر وقت موجود رہتے تھے اور وہ اصحابِ صفہ کہلاتے تھے۔

بعد ازاں جب اسلام عالم گیر حیثیت اختیار کر گیا تو اس کی تعلیمات کو علمائے دین نے الگ شعبوں میں منضبط کر دیا۔ جنہوں نے علم حدیث کی خدمت کی وہ محدث کہلائے اور جنہوں نے علم تفسیر کا کام سنبھالا وہ مفسر کہلائے۔

جو فقہ کا کام کرنے میں منہمک ہوگئے وہ فقیہ بن گئے اور جنہوں نے تزکیۂ نفس واصلاحِ باطن کا شعبہ سنبھالا وہ مشائخ صوفیاء مشہور ہوئے۔ اسی لئے اکابر سلف میں سے کسی نے شریعت کو طریقت سے الگ نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ طریقت کو

شریعت کے تابع رکھا۔

شریعت، طریقت، حقیقت ومعرفت:

شریعت احکامِ تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں اعمالِ ظاہری اور باطنی سب آ گئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو شریعت کا مرادف (ہم معنی) سمجھا جاتا ہے۔ جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ کی تعریف **معرفۃ النفس ما لها وما عليها** منقول ہے۔ یعنی نفس کے نفع اور نقصان کی چیزوں کو پہچاننا۔ پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت کے اس جز کا نام جو اعمال ظاہرہ سے متعلق ہے، فقہ ہوگیا اور وہ چیز جو اعمال باطنہ سے متعلق ہے اس کا نام تصوف ہوگیا۔ اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ متعلقہ اعیان واعراض (حقائق ولوازمات) بالخصوص اعمالِ حسنہ وسیئہ وحقائق الٰہیہ صفاتیہ و فعلیہ یا بالخصوص معاملات بین اللہ وبین العبد، یعنی جو معاملات اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہیں وہ منکشف ہوتے ہیں۔ ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں۔ اور اس صاحب انکشاف کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔

پس یہ سب اُمور متعلق شریعت کے ہی ہیں۔ اور عوام میں جو یہ شائع ہوگیا ہے کہ طریقت اور چیز ہے اور شریعت اور چیز ہے، محض غلط اور بے بنیاد ہے۔ جب حقیقت سلوک معلوم ہوگئی تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس میں نہ کشف و کرامات ضروری ہیں نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے، نہ دنیا میں کاربرآری کا وعدہ ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کام بن جاویں، یا مقدمات دُعا سے فتح ہو جائیں، یا روزگار میں ترقی ہو، یا جھاڑ پھونک تعویذات سے بیماری جاتی رہے، یا ہونے والی بات بتلادی جایا کرے، نہ تصرفات لازم ہیں کہ پیر کی توجہ سے مرید کی ازخود اصلاح ہو جائے۔ اس کو گناہ کا خیال بھی نہ آوے، خود بخود عبادت کے کام ہوتے رہیں۔ مرید کو ارادہ کرنا نہ پڑے یا ذہن وحافظہ بڑھ جائے۔ نہ ایسی باطنی کیفیات پیدا ہونے کی میعاد کہ ہروقت یا عبادت کے وقت لذت سے سرشار رہے، عبادت میں کوئی خطرہ ہی نہ آوے، یا یہ کہ خوب رونا آوے۔ ایسی محویت ہو جائے کہ اپنی پرائی خبر نہ رہے، اور نہ ذکر وشغل میں انوار وغیرہ کا نظر آنا نہ کسی آواز کا سنائی دینا ضروری ہے، نہ اچھے خوابوں کا نظر آنا، یا الہامات کا ہونا لازمی ہے۔ بس اصل مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہے، اسی کو پیشِ نظر رکھے۔

بیعت:

بیعت، جس کا حاصل معاہدہ ہے، اعمالِ ظاہری وباطنی کے اہتمام اور التزامِ احکام کا، اس کو بیعتِ طریقت کہا جاتا ہے جواز سلف تا خلف بتواتر رائج ہے۔

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو مخاطب فرما کر علاوہ بیعت جہاد و بیعت اسلام التزام واحکام واہتمام اعمال کے لئے بیعت فرمایا ہے جو متعدد احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ عوف بن مالکؓ کی یہ حدیث ہے: **عن عوف ابن مالک**

الاشجعیؓ قال کنا عندالنبی ﷺ تسعة او ثمانية او سبعة فقال الا تبايعون رسول الله ﷺ فبسطنا ايدينا وقلنا علٰى ما نبايعک يا رسول الله قال ان تعبدوا الله ولا تشركوا بهٖ شيئًا وتُصَلُّوْا صلوات الخمس وتسمعوا وتطيعوا (الحدیث اخرجہ مسلم وابوداؤدوالنسائی)

یعنی حضرت عوف ابن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات۔ ارشادفرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ کی بیعت کریں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپؐ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ کی عبادت کرواور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرواور پانچوں نمازیں پڑھواور احکام سنواور مانو۔ اس کو مسلم، ابوداؤ دونسائی نے روایت کیا۔

اس بیعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم کو خطاب کیا۔ یہ نہ بیعت اسلامی تھی نہ بیعت جہادی۔ لہٰذا اس حدیث میں بیعت مروجہ فی المشائخ کا صریح ثبوت ہے۔ جس طرح فقہ میں چار سلسلے ہیں: حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی۔ اسی طرح تصوف میں بھی چار سلسلے ہیں: چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ۔ اور جس طرح اس طرف سلسلہ حنفی غالب ہے، اسی طرح سلسلہ چشتیہ غالب ہے۔ ہمارے یہاں اکابرین چاروں سلسلوں میں بیعت فرماتے ہیں، تاکہ ہر سلسلہ کا ادب ملحوظ رہے، مگر غلبہ چشتیت کا ہے۔

اسمائے گرامی حضرات سلاسل اربعہ

سلسلہ چشتیہ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

سلسلہ قادریہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت شیخ بہاؤالدین نقشبندیؒ

سلسلہ سہروردیہ میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

(حضرت مسیح الامتؒ کی کتاب سے اقتباس ختم ہوا)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

باب اوّل

اسم گرامی وتاریخی نام نامی

اسم گرامی: خیر محمد ہے۔

تاریخی نام نامی: ولادت باسعادت ۱۳۱۲ھ (مطابق ۱۸۹۵ء) کے اواخر میں ہوئی، یا ۱۳۱۳ھ میں۔ ۱۳۱۲ھ کے اعتبار سے تاریخی نام محمد مظفر (۱۳۱۲)، چراغ حق (۱۳۱۲) نکلتا ہے۔ اور ۱۳۱۳ھ کے اعتبار سے تاریخی نام راغب علی (۱۳۱۳) بنتا ہے۔

سیدی ومولائی حضرت والا دامت برکاتہم کے محترم بزرگ[1] حضرت مولانا قمرالدین مرحوم سکنہ بھنڈراں ضلع فیروز پور نے دو تاریخی نام حضرت والا کی طالب علمی کے زمانہ میں دیوبند سے نظم کرکے بھیجے تھے:

محمّد مظفر چراغ   بحق فی علومک فی الدیار[2]

حضرت والاؒ کے ایک مرید خاص اور مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے اور حضرت حاجی محمد شریف رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز بیعت محترمی جناب ماسٹر محمد اقبال صاحب قریشی[4] زید مجدھم تحریر فرماتے ہیں:

---

۱ یہ حضرت والا کی خودنوشت سوانح ''نقش حیات خیر محمد[2]'' سے نقل کیا تھا۔ جس میں ''محترم بزرگ'' کے الفاظ ہیں۔ یہ دراصل حضرت والاؒ کی بے نفسی اور فناء وعبدیت کا تقاضا تھا کہ اپنے ہمعصروں بلکہ خوردوں کو بھی اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔ ورنے پروفیسر احمد سعید صاحب کے مضمون میں یہ جملہ درج ہے۔ ''میرے ایک دوست مولانا قمرالدین صاحب نے جو اس وقت پڑھتے تھے ایک شعر کہا تھا۔ (''حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ اور ان کی خودنوشت سوانح''۔ البلاغ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ)۔ حضرت والاؒ نے اپنی سوانح کا یہ خلاصہ پروفیسر صاحب موصوف کی فرمائش پر ان کو ارسال فرمایا تھا۔ (آ)

۲ آئندہ جہاں حوالہ کے لئے لفظ ''نقش'' کا لکھا ہوگا اس سے مراد ''نقش حیات خیر محمد'' ہی ہے۔ (آ)

۳ بسملہ سے یہاں تک تبرکاً مواجہ شریف (سید الکائنات ﷺ میں یوم الاثنین ۳۰ ذوقعدہ ۱۳۸۸ھ (مطابق ۱۷ فروری ۱۹۶۶ء) کو بعد صلوٰۃ الظہر تقریباً ساڑھے سات بجے (بوقت غروبی) تحریر کرنے کی ابتداء کی تھی۔ اس وقت حضرت والا بقیہ حیات تھے۔ کیونکہ اس عبارت کو مواجہ شریف میں ہونے کی برکت اور شرف حاصل ہے؛ اس لئے اس میں تغیر کرنا گوارا نہ ہوا۔ اور دامت برکاتہم کے الفاظ باقی رکھے گئے۔ امید ہے کہ بالجملہ دیگر خدماتِ دینیہ کے عقیدہ حیات النبی ﷺ کے حامی اور داعی ہونے اور عقیدہ کا تحفظ فرمانے کی برکت سے بھی ان شاء اللہ قوی حیات جاوداں ہوئی ہوگی۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق   ثبت ست بر جریدۂ عالم دوام ما

۴ آئندہ ان کے اسم شریف کے لئے عموماً حاشیہ میں (ا،ق) کا مختصر اشارہ دیا گیا ہے۔

والدین نے اسم مبارک ''خیر محمد'' تجویز فرمایا۔ پھر ماشاء اللہ حضرت والا اسم بامسمٰی بنے (جیسا کہ حدیث پاک میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جب بھی کسی کا نام رکھو تو اچھا رکھو[1]۔ جیسا کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ نے ۲ مئی ۱۹۷۸ء کو خیر المدارس ملتان میں حضرت والا قدس سرہٗ کی تعزیتی تقریر میں ارشاد فرمایا: ''مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ جیسے ان کے نام میں خیر ہے، ان کے مسمّٰی میں بھی اللہ تعالیٰ نے خیریت ہی رکھی تھی۔ اور واقعۃً خیر ہی خیر تھے۔ حدیث کا پڑھنا پڑھانا، قرآن پاک کا مواعظ سے تبلیغ و تلقین کرنا، اپنے پروردوں کی تربیت کرنا، غرض ذکر اللہ ہی ان کا مشغلہ تھا۔ کسی بھی انداز سے ہو۔'' (ماہنامہ الرشید، ساہیوال، شعبان ۱۳۹۸ھ)

نیز مفتیٔ اعظم پاکستان سیدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم کراچی نے تحریر فرمایا تھا: ''جامع الخیرات حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی ہی خیر ہے۔ اور مضاف الیہ کی برکت سے وہ جامع الخیرات ہوگیا۔ ان کو حق تعالیٰ نے بہت سے امور خیر سے موفق فرمایا تھا۔ (تربیت السالک، جلد ۲، ص ۴)

علامہ طالوتؒ نے بھی اس سلسلہ میں خوب کہا ہے:

علم ہے فیض مجدد آپ کا — علم ہی سے گھر ہے اسعد آپ کا
قاسم خیر محمد جو ہیں آپ — نام ہے خیر محمد آپ کا

نیز کسی نے خوب لکھا تھا:

اعجاز تھی دنیا میں ہر سیر محمد (ﷺ) کی — خوبی یہ سمجھتے ہیں، سب غیر، محمد (ﷺ) کی
اور علم کی یہ وسعت سب فیض ہے اقراء کا — کونین کو ملتی ہے کیا ''خیر'' محمد (ﷺ) کی

جناب عبدالمجید صاحب نے بھی خوب لکھا:

حکیمے کزرہ فیضان حکمت — ربودہ از دلاں غیر محمد (ﷺ)
کریما بر من مسکین نگاہے — کہ می جویم ز تو خیر محمد (ﷺ)

اور حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ سابق مہتمم خیر المدارس نے تو اس شعر کو پسند فرما کر دارالاہتمام میں لگا رکھا تھا:

در جہاں خیر محمد زندہ باد — نجم دینش تا ابد تابندہ باد

سجع: حضرت والاؒ کے اسم گرامی کا سجع جس کی مہر اہم کاغذات پر لگائی جاتی تھی، یہ تھا:

''خَیْرُ الْمَطْلُوْبِ خَیْرُ مُحَمَّد''

اس کا ذومعنیین ہونا ظاہر ہے۔

---

[1] حدیث شریف یہ ہے عن ابی الدرداءؓ قال قال رسول اللہ ﷺ تدعون یوم القیامۃ باسمائکم واسماء آبائکم فاحسنوا اسمائکم رواہ ابوداود مشکوۃ ص ۴۰۹ (رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں قیامت کے روز تمہارے ناموں اور تمہارے آباء کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ پس اپنے نام اچھے رکھو) (آ آ)

باب دوم

نسب شریف اور خاندانی حالات

نسب شریف

ددھیال: سیدی حضرت مولانا خیر محمدؒ بن الٰہی بخش بن خدا بخش غفرلہم۔

ننھیال: سیدی حضرت مولانا خیر محمدؒ بن جیواں بن شیر محمد غفرلہم۔

خاندانی حالات

سیدی حضرت والاؒ نے اپنے مختصر خود نوشت حالاتِ زندگی جو پروفیسر احمد سعید صاحب کو تحریر فرمائے، ان میں خاندانی حالات کا خلاصہ اس طرح ارقام تھا:

ددھیال: ہمارا خاندان ددھیال اَن پڑھ اور زمیندار پیشہ تھا۔ قوم ارائیں تھی، مرنجاں مرنج تھا۔ والد کا الٰہی بخش ولد خدا بخش تھا۔

ننھیال: یہ خاندان لکھا پڑھا تھا۔ اُردو، فارسی، حکمت وطب کا علم رکھتا تھا۔ چنانچہ میرے حقیقی ماموں میاں شاہ محمد ولد میاں شیر محمد بڑے عزت والے سمجھے جاتے تھے۔ ماموں صاحب میاں شاہ محمد تمام برادری کی رسومات کو چھوڑ کر قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور ذکر و شغل کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ذکر جہر میں مشغول ہوئے اور آخر وقت تک دینیات و قرآن مجید کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی اثناء میں ہم پانچ بھائی تھے اور ایک بہن تھی۔ تین بڑے بھائی کھیتی باڑی میں مشغول تھے۔ یکے بعد دیگرے فوت ہو گئے۔ والدہ مرحومہ رحمۃ اللہ علیہا نے مجھے اور چھوٹے بھائی مولوی حافظ غلام محمد مرحوم کے ہاتھ پکڑ کے ماموں مرحوم کے سپرد کئے کہ ان دونوں کو پڑھاؤ۔ انہوں نے خود حساب کتاب، تاریخ، جغرافیہ، قرآن شریف ہم لوگوں کو پڑھا کر اپنی نگرانی میں دوسرے مدارس میں بھیجا۔

(البلاغ، ربیع الاوّل، ۱۳۹۱ھ)

قوم: استقراء اور تتبع سے عادۃ اللہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندہ سے اصلاح وارشاد کا کام لینا ہوتا ہے تو اس کو شریف خاندان میں پیدا فرماتا ہے اور شرافت نسبی سے بھی نوازتا ہے۔ تاکہ طبعاً بھی کسی کو اس کے اتباع سے عار کا عذر باقی نہ رہے۔ سید الخلائق ﷺ کا نسب مبارک تو افضل واشرف واطہر واز کی واعلیٰ تھا ہی، اُمتیوں میں بھی ایسے بزرگانِ

دین جن کے سپرد ارشاد و اصلاح کا کام ہوتا ہے ان کو شرافت نسبی عطا ہوتی رہی ہے۔ اور وہ شریف قوم سے ہوتے ہیں۔ گو مدار بزرگی وتقویٰ ہے۔ لقوله تعالىٰ: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. البتہ نسبی شرافت بھی نعمت ہے۔

چنانچہ ہمارے حضرت والاؒ ایک شریف قوم وخاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جو نہایت قدیم الاسلام تھا۔ جس کی اصل عربی ہونا ظن غالب کے درجہ میں جس سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے معلوم ہو چکا ہے۔ ’ارائیں‘ جس کی اصل ’الراعین‘ ہے۔ عربی الاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا احتمال رکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں۔ بلکہ ان میں سے بعض سید ہوں، بعض قرشی شیوخ کی اولاد ہوں۔ گو سید یا شیخ ہونے کی تعیین کا ثبوت تو یقینی نہیں۔ البتہ عربی الاصل ہونا ظن غالب کے درجہ میں قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ تذکرۃ الراعین مؤلفہ مولانا محمد خلیل احمد لدھیانوی مرحوم سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں اس کتاب سے چند مختصر اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

راعین قوم اور لفظ کی تحقیق:

جس ”راعین، رعات، رعاء“ یہ تینوں لفظ راعی کی جمع ہیں۔ منتہی الارب وغیرہ کتب لغت میں راعی بمعنی حفاظت کرنے والا، مویشیوں کو چرانے والا، سردار اور امیر لکھا ہے۔ عربوں میں جاہلیت اولیٰ سے لے کر اب تک یہ لفظ ہر معنی کے لحاظ سے مستعمل ہے۔ (ص ۲۲)

مؤرخین قدیم نیز مکتشفین حال کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو ہزار برس قبل مسیح ایک بدوی قوم نے جو چرواہوں اور گلہ بانوں کے نام سے مشہور تھی، مصر پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ یہ قوم عرب کی رہنے والی تھی۔ خود اس قوم نے اپنی مفتوحہ سلطنت کا نام دولۃ الرعاۃ رکھا، یعنی چرواہوں کی سلطنت۔ بادشاہوں کو ملوک الرعاۃ کہتے ہیں۔ (ص ۲۲)

”مصر سے شام کو جانے والے راعین کے علاوہ عرب میں اور بہت سے لوگ راعی لقب کے پائے جانے والے معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہ لفظ عرب میں کثیر الاستعمال ہے۔ مثلاً اسد الغابہ میں ایک صحابی اسلم الراعیؓ مذکور ہے۔ اور کہا جاتا ہے حضرت اویس قرنی الراعیؒ اور حضرت زید الراعیؒ...... حدیث میں ہے: ”اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَّعِيَّتِه.“ یعنی ”خبردار! ہر شخص تم میں سے (ایسے لوگوں پر جن کی اصلاح قدرت میں ہو) نگاہ بان اور امیر ہے۔ اور ہر امیر سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔“

اس حدیث میں اُمت کے ہر ایک فرد کو راعی فرمایا گیا ہے۔

خواجہ الطاف حسین حالیؒ اپنی مسدس میں فرماتے ہیں:

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا — یہ راعی نے للکار کر جب پکارا
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق (تفریح وسلیم)

تنبیہ: لفظ 'الراعی' کی جمع (مذکر سالم بحالت نصب وجر) الراعین ہے۔ شروع کا لام چونکہ تلفظ میں ادا نہیں ہوتا، لہٰذا عوام ناواقفی کی بناء پر کتابت میں بھی حذف کر دیتے ہیں، اور 'الراعین' کے بجائے 'اراعین' لکھ دیتے ہیں۔

اور دوسری غلطی اس لفظ میں یہ کی جاتی ہے کہ سندھ و پنجاب کے عام تلفظ کے موافق کبھی عین کے بجائے ہمزہ سے 'رائیں' لکھ دیا جاتا ہے۔ 'رائیں' ہمزہ کے ساتھ کسی زبان میں بھی معنی دار لفظ نہیں بن سکتا۔ (ص ۲۴ تا ۲۶)

'راعین' کی آمد:

'تذکرۃ الراعین' صفحہ ۲۶ پر ہے: ''خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں محمد بن قاسم کے ساتھ چھ ہزار شامی فوج سندھ میں آئی تو اس وقت اور اس کے بعد بہت سے راعین حضرات کا سندھ کے علاقہ اُچ و ملتان میں آنا بشہادت ذیل ثابت ہے۔'' (اس کے بعد سات شہادتیں پیش کی ہیں)

راعین میں سے بعض کا سید، بعض کا فاروقی اور دیگر شیوخ سے ہونا:

اسی کے صفحہ ۲۸ پر ہے: ''قوم راعین کا ایک بزرگ شیخ سلیم الراعی مثل دیگر عربوں کے یزیدی مظالم میں مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے شام کی طرف چلا آیا تھا۔ اور دریائے فرات پر گلہ بانی کا کام شروع کیا۔ اس وجہ سے ان کی اولاد کا لقب الراعی مشہور ہوا۔ شیخ سلیم کا بیٹا حبیب الراعی تابعی تھا۔ اور حبیب الراعی کا بیٹا شیخ حلیم الراعی تھا جو محمد بن قاسم کی فوج میں مع اپنے قرابتی نوجوانوں کے سندھ کی مہم میں شریک رہا۔ (سلیم و تاریخ راعیان بحوالہ کشف المحجوب، مصنفہ داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ)''

... حلیم الراعی کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ''حلیم الراعی بن حبیب الراعی بن سلیم الراعی بن حارث بن عبدالدار بن مغیرہ بن قیس بن لوئی القرشی المکی (سلیم ص ۷۹۶)۔''

... ''بیان کیا کہ مجھ کو حافظ محمد یوسف صاحب خلیفۂ اجل مولوی غوث علی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ تم صحابہؓ کی اولاد ہو۔'' (ص ۲۹)

اس اَمر پر بحث کرنے کے بعد کہ یہ قوم عرب کے کسی خاص قبیلہ سے نہیں ہے، بلکہ مختلف قبائل کے مجموعہ کو راعین کہا گیا ہے۔ اور اس کی تائید کے لئے قوم کے ایک حصہ کے فاروقی ہونے پر چند زبانی و تحریری شہادتیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس قوم کے بعض حصہ کا حضرت عمر فاروقؓ کی نسل سے ہونا درجۂ شہرت کے قریب پہنچتا ہے۔ بعض خاندان فاروقی ہوں گے۔ علاقہ سرسہ کے بعضے راعین کا گوت قریشی ہے۔ شاید وہ قریشی ہی ہوں گے۔ بعض جگہ راعین کا سید ہونا بھی سنا گیا ہے۔ انتہیٰ۔'' (ص ۲۹، ۳۰)

اس کے بعد اس کے دلائل اور قرائن و شواہد پیش کئے گئے ہیں کہ راعین ہندوستانی قوم نہیں۔ اور اس سلسلہ میں

بعض شبہات کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔(ملاحظہ ہو تذکرۃ الراعین ص ۳۷ تا ص ۴۳، مطبوعہ ۱۳۶۵ھ، ۱۹۴۶ء)

سرکاری رپورٹ:

گزیٹر لدھیانہ ۸۹-۱۸۸۸ء میں ہے: ''کل راعین مسلمان ہیں۔ عموماً قد کے چھوٹے اور جسم کے مضبوط ہوتے ہیں۔ اور بہت محنت برداشت کر سکتے ہیں۔ بڑے اَمن پسند اور صلح کار ہوتے ہیں۔'' (ص ۴۳، ایضاً)

راعین میں عربی آثار:

'تذکرۃ الراعین' میں صفحہ ۴۷ تا ص ۵۱، راعین کے عرب ہونے کے سات آثار کا ذکر کیا ہے، جن کی فہرست یہ ہے: (۱) کنیت اور عربی وضع کے ناموں کا استعمال (جو راعین بزرگوں میں رائج تھا)، (۲) القاب جیسے شیخ، ملا، ملک، چودھری۔ ان میں آخر الذکر ہندی لفظ ہے۔ مگر ملتان میں آنے والے عربوں پر یہ لفظ مستعمل ہوا۔ خصوصاً راعین میں زیادہ استعمال ہوا ہے۔ (۳) بعض گوتوں (قبیلوں) کے نام عربی ہیں۔ مثلاً قریش، رامح، رحیل، قطب، ملّانے (منسوب الی الملا)، رامے بمعنی تیرانداز وغیرہ۔ (۴) غیر اقوام میں تزویج سے بچنا اور اپنے نسب وقوم کی حفاظت۔ (۵) نکاح بیوہ و طلاق بوقت ضرورت کا عام رواج بخلاف ہندی اقوام کے۔ (۶) اس قوم کے مردانہ و زنانہ لباس میں عربوں کی طرح نیل (رنگ) کا بہت زیادہ رواج رہا ہے۔ سیاہ رنگ کی مخطط چادر بوڑھی عورتیں پہنتی آئی ہیں۔ عرب میں اسی قسم کی چادر کو برد کہتے ہیں۔ (۷) قدیم الاسلام اور عربی النسل ہونے کا ایک اثر بنسبت ہندی اقوام کے یہ بھی ہے کہ اس قوم کے اخلاق واطوار و عادات اور چال چلن اکثر نیک ہیں۔ نماز، روزہ، صدقہ، خیرات، ایثار، تواضع وانکساری وغیرہ واحکامِ الٰہیہ کے پابند ہیں۔ ان کے طبائع نرم اور سریع الانفعال وعظ ونصیحت کو جلد قبول کرتے ہیں۔ قلیل کثیر خداداد روزی پر قانع ہیں۔

قوم راعین کا دینی فیضان:

اس قوم میں فیض رساں علماء و مشائخ بھی بنسبت ہندی الاصل اقوام کے زیادہ ہوتے چلے آئے ہیں۔ بعض بزرگوں کے اسماء مع مختصر تعارف ذکر کئے جاتے ہیں: (تذکرۃ الراعین، ص ۵۴ تا ص ۶۳ ملخص بتغییر)

(۱) شاہ سید اسرمست رائی سہروردی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) بعہد اکبر و جہانگیر وطن خان پور علاقہ ملتان مدفن سیالکوٹ۔

(۲) ابوالمعارف شاہ عنایت اللہ قصوری ثم لاہوری متوفی ۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ء) حفظ قرآن مجید بعمر ۵ سال۔ تمام علوم درسیہ سے فراغت اور دستار فضیلت بعمر ۱۲ سال۔ صاحب تصانیف۔

(۳) حضرت مولانا الحاج فتح محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں۔ حضرتؒ کی کتابوں میں تفصیلی تذکرہ ہے۔

(۴) حضرت مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۷۶ھ۔ آپ کا سلسلۂ بیعت بواسطہ ایک بزرگ مسمی عبداللہ کے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔

(۵) مولانا محمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۳۱۹ھ۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پوتے تھے۔

(۶) مولانا عبداللہ صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۳۱۱ھ۔ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانویؒ آپ کے بیٹے تھے۔

(۷) مولانا عبدالعزیز صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی ۱۳۱۹ھ۔ بہت محقق عالم تھے۔ اصلاحی فیض بہت ہوا۔

(۸) مولانا نور محمد صاحب حقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ نورانی قاعدہ آپ ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

(۹) مرشدی ومولائی حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ صاحب سوانح ہٰذا۔

(۱۰) مولانا فتح الدین صاحبؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے فیض یافتہ عالم۔ صاحب تذکرۃ الراعین نے تالیف کتاب کے وقت بقید حیات لکھا ہے۔

'تذکرۃ الراعین' کے مؤلف مولانا خلیل احمد صاحب لدھیانوی مرحوم بھی راعین میں ہے۔ اور آپ کے بھائی حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی دارالافتاء والارشاد (سابقاً اشرف المدارس) ناظم آباد کراچی کے مہتمم اور حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ افتاء کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت و اصلاح باطن کا کام بھی ماشاءاللہ کر رہے ہیں۔ آپ کے والد ماجد مولانا مولوی الحاج محمد سلیم صاحبؒ بھی حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت تھے۔

علاوہ ازیں اس وقت بھی اس قوم میں اہلِ علم وفضل اور اہلِ صلاح اور اصلاح وارشاد موجود ہیں۔ جن کی تحقیق اور تفصیلی ذکر، تاخیر وتعویق نیز تطویل کا باعث ہوگا۔ خود حضرت والاؒ کی اولادِ نرینہ کا تذکرہ البتہ اپنی جگہ اِن شاءاللہ تعالیٰ آئے گا۔

جہاں قوم کے تذکرہ میں بغرض تعارف کسی قدر تطویل کو گوارا کیا ہے، ضروری ہے کہ حضرت والاؒ کے محترم والدین، عم محترم اور خال محترم (ماموں صاحب) کا کچھ تذکرہ زیادہ تر حضرت والاؒ کے کلماتِ مبارکہ میں کر دیا جائے، تاکہ مختصر طور پر معلوم ہو جائے کہ حضرت والاؒ کی تربیت کس ماحول میں ہوئی۔ اور تعلیم حضرت والاؒ کی والدہ محترمہ مرحومہ کے کس جذبۂ اخلاص کا نتیجہ تھی۔

تذکرہ والدمحترم میاں الٰہی بخش صاحب مرحوم

''میاں الٰہی بخش صاحب نے تخمیناً ۱۳۱۸ھ میں مع اہل وعیال مدھو رچک نمبر ۲۵۵ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور[1] کے قریب میاں کوٹ چک نمبر ۲۵۱ میں جا کر تین سال کاشت کا کام کیا۔ اسی اثناء میں بندہ نے مدھو رکلاں چک نمبر ۲۵۵ میں تخمیناً نصف پارہ اوّل حافظ پیر ونا بینا سے پڑھا۔ ۱۳۲۱ھ میں مراجعت بوطن کرنے کے بعد عمروال بلہ میں ماموں صاحب شاہ محمد مرحوم کی زمین کاشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنی زمین خرید کر کنواں لگوایا۔ پھر ۱۹۲۸ء مطابق ۱۳۴۷ھ سے چک نمبر ۴۰ فتح نہر میں آبادکاری پر سرکاری مربع لے کر اقامت اختیار کی۔ چنانچہ وہاں ہی انتقال فرمایا اور وہاں ہی مدفون ہوئے۔ تمام عمر نہ کسی سے قرض لیا اور نہ کسی سے دھوکہ فریب کیا۔ اور نہ کسی سے لڑائی اور مقدمہ کیا۔ غرض کہ اپنے کام سے کام تھا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ مَغفِرةً ظاهرةً و باطنةً. ان کی وفات کے بعد مربع میرے نام اور بھائی جان محمد کے نام منتقل ہوا۔ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا اور مربع کا مالک بھائی مرحوم رہا۔ ان کے بعد ان کی اولاد بچے بشیر احمد، نذیر احمد وارث ہوئے۔''

تذکرہ والدہ صاحبہ مرحومہ

''والدہ صاحبہ مرحومہ کے والد ماجد حکیم شیر محمد صاحب مرحوم سکنہ عمروال بلہ ضلع جالندھر تھے۔ ان کا خاندان پڑھا لکھا، بہت باعزت تھا۔ آبائی شرافت کا اثر اولاد میں بھی نمایاں تھا۔ والدہ صاحبہ مرحومہ مسماۃ جیواں سب بھائی بہنوں سے بڑی تھیں۔ نہایت حلیم، امانت دار، ہردلعزیز، ہمہ اوصاف موصوف تھیں۔ تمام عمر سب رشتہ داروں کے تعلقات کو پورے طور پر نبھایا اور حتی المقدور کسی کی دل آزاری نہیں ہونے دی۔ سرشت میں مہمان نوازی اور جفاکشی طبیعت ثانیہ ہوگئی تھی۔ جس وقت جتنے مہمان آجاتے، فوراً اُٹھ کر حق مہمانی ادا فرماتی تھیں۔ بڑھاپے کی حالت میں اقامت اختیار کی۔ کئی ماہ استسقاء کی مریض رہیں۔ آخر اسی حالت میں علاج کی غرض سے بمعیت ہمشیرہ ام زینب جالندھر کا طویل سفر اختیار کیا۔ اور احقر و برادرم مرحوم مولوی حافظ غلام محمد صاحب کی نگرانی میں ہسپتال جالندھر میں علاج ہوتا رہا۔ مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر طبیعت میں چک نمبر ۴۰ فتح میں جانے کا شدید تقاضا پیدا ہوا۔ باوجود سب کے روکنے کے برادرم جان محمد اور ہمشیرہ ام زینب کے ہمراہ چک نمبر ۴۰ فتح میں آگئیں۔ ایک ہفتہ بعد اتفاق سے ۲۶ ذی القعدہ ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۶/اپریل ۱۹۳۰ء بروز شنبہ صبح کو احقر خیر محمد عفی عنہ کا چک نمبر ۴۰ فتح میں عیادت کے لئے آنا ہوا۔ اسی روز ۳ بجے سہ پہر کو عازم سفر آخرت ہوئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن. ہمشیرہ صاحبہ نے غسل دیا۔ اور احقر نے کفن سیا۔ تقریباً ۹ بجے شب خود جنازہ پڑھا کر جدید قبرستان میں جو ٹوبہ رحمان چھوا چک نمبر ۴۰ فتح کے قریب شمال ومشرق میں واقع ہے مدفون ہوئیں۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهَا مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً.

والدہ صاحبہ مرحومہ غفراللہ لہا کی عمر تخمیناً ۷۰ سال تھی، یا اس سے کچھ کم وبیش۔ ہم دونوں یعنی میں اور حافظ غلام محمد

---

[1] فیصل آباد کا سابقہ نام لائل پور تھا۔

مرحوم کو پڑھائی کے لئے ماموں شاہ محمد مرحوم کے سپرد ایسا کیا کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ والد صاحب مرحوم نے بھی کبھی ہم دونوں بیٹوں سے کوئی کام نہیں لیا۔ اور خود بذاتہٖ کام کاشت کاری کا کرتے، اور مجھے معلوم نہیں کہ ان سے کسی کا دل رنج ہو۔ نہایت حلیم الطبع سادہ تھے۔"

تذکرہ ماموں صاحب مرحوم

"بندہ کے ماموں صاحب میاں شاہ محمد صاحب مرحوم حکیم شیر محمد صاحب مرحوم کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کی صرف دو بہنیں تھیں۔ والدہ صاحبہ جیواں مرحومہ، مساۃ اللہ دی والدہ رحمت اللہ و ماسٹر عصمت اللہ۔ ماموں صاحب مرحوم نہایت فہیم، نیک، عابد و زاہد تھے۔ تعلیم اُردو، پرائمری اور ابتدائی فارسی تھی۔ مگر علماء و صلحاء کی صحبت اور دینیات کے مطالعہ سے مسائلِ دینیہ میں کافی استعداد اور مناسبت پیدا ہوگئی تھی۔ قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم گھر کی عورتوں اور بچوں کو اور باہر کے مردوں کو دینے کا بہت شوق تھا۔ اور حق تعالیٰ نے زبان میں تاثیر بھی رکھی تھی۔ چنانچہ بہت سے مردوں اور رشتہ دار عورتوں کو قرآن مجید اور دینیات کی تعلیم دی۔ بہت سے لوگ ان کی مجلس اور نصیحت سے فسق و فجور چھوڑ کر نمازی اور نیک متقی بنے۔

ممانی صاحبہ مرحومہ اور بندہ کی پہلی اہلیہ نے انہیں سے قرآن مجید پڑھا۔ احقر خیر محمد عفی عنہ اور برادرم مولوی غلام محمد مرحوم نے بھی ابتدائی تعلیم ان ہی سے حاصل کی تھی۔ (اس کا مفصل تذکرہ آگے آئے گا)

رائے پوری حضرات، حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بدولت آخر زمانہ میں حضرات دیوبند کے خدام سے تعلق اور اُنس بہت بڑھ گیا تھا۔ اور تحصیل سلوک کا شوق بہت غالب آ گیا تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں قصبہ گنگوہ ضلع سہارن پور جا کر قطب العالم، امام ربانی، منبع شریعت و طریقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے مبارک ہاتھوں پر بیعت طریقت اختیار کی۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کی بیعت کی برکت کا بہت جلد نمایاں اُثر یہ ہوا کہ واپس وطن آ کر شب و روز ذکر جہر اور اوراد و وظائف میں ایسے مشغول ہوئے کہ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔ اور گاؤں میں جمعہ پڑھنا ترک کر دیا (جو پہلے سے پڑھنا اور پڑھانا چلا آتا تھا) اور شادی غمی کی رسوم پر ہمیشہ نکیر کرتے اور شرکت سے احتراز کرتے۔ چنانچہ احقر کی شادی پر عملاً تمام رسوم مروجہ کو ترک کیا اور اتباعِ سنت کا اس طرح ثبوت دیا کہ جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب چندیانوی مدرس مدرسہ رشیدیہ نکودر اور مولانا غلام رسول صاحب مقیم ہردو سنگھ کو بلا کر وعظ کرایا۔ احقر اور بھائی مرحوم مولوی غلام محمد صاحب کے تعلیمی رجحان کے بھی ماموں صاحب موصوف ہی موجب ہیں۔ والدہ مرحومہ سے ایک مرتبہ کہا کہ یہ دونوں چھوٹے بیٹے میرے سپرد کر دیجئے، میں ان کو تعلیم دِلاؤں گا۔ والدہ صاحبہ مرحومہ نے ہمارے ہاتھ پکڑ کر ان کے حوالے کر دیئے۔ اس روز سے ان کی توجہ خاص ہوئی۔ پہلے خود تعلیم دیتے رہے۔ اُردو، تاریخ، حساب، تحریر پر عبور کرانے کے بعد مجھے مدرسہ رشیدیہ نکودر میں داخل کرایا، جس

کے صدر مدرس مولانا عبداللہ صاحب چندیانوی تھے اور مہتمم حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اور محصل چندہ میاں سکندر علی صاحب مرحوم تھے۔ وہاں ایک سال رہ کر گلستان تک فارسی اور میزان الصرف پڑھی۔ پھر دوسرے سال مدرسہ صابریہ رائے پور گوجراں میں داخل کرایا۔ اور برادرم مرحوم مولوی غلام محمد صاحب کو قرآن مجید حفظ کرنے پر لگایا۔ جب وہ حفظ قرآن سے فارغ ہو کر ایک دو محراب تراویح سنانے لگے۔ ادھر میں بھی ہندوستان سے تعطیلات میں گھر آیا تو مجھ سے مسجد میں وعظ کہلوایا۔ اور بڑے فخر سے بارہا کہا کرتے تھے کہ اب ہمارے گھر کے مولوی اور حافظ ہو گئے، ہمیں باہر سے کسی مولوی کی ضرورت نہ رہی۔ ہماری تعلیمی حالت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ آخر حسب وعدۂ خداوندی کل نفس ذائقة الموت ۱۳۳۰ھ (مطابق ۱۹۱۲ء) میں سفرِ آخرت فرمایا۔ اور تمام اقرباء کو داغ مفارقت دے کر دارالبقاء میں قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں مقام قرب و رضاء عطا فرماوے، آمین۔ اِنَّا لِلّٰه ..... الخ. یہ وہ وقت تھا جب بندہ احقر متوسطات کی تعلیم مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں حاصل کر رہا تھا۔ مجھے وفات کے بعد اطلاع دی گئی۔ میرے ساتھ ان کو بہت قلبی محبت تھی۔ مگر میری تعلیم کو بہت اہم سمجھتے تھے۔ اس لئے مرض الوفات میں اقرباء کو یہ وصیت فرمائی کہ خیر محمد کو میرے مرض کی اطلاع نہ دینا، بلکہ میری وفات کے بعد اطلاع دینا، اور یہ بھی لکھ دینا کہ سالانہ امتحان سے پہلے گھر نہ آئے۔ تاکہ اس کی تعلیم کا حرج نہ ہو......عمر تخمیناً ۵۰ سال سے کم تھی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ مغفرة ظاهرة وباطنة.''

حضرت والاؒ کے ابتدائی حالات کا تذکرہ کرنے سے قبل خاندانی حالات اور اس سلسلہ میں والدین، مرحومین اور ماموں صاحب مرحوم کا تذکرہ ناگزیر تھا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ حضرت والاؒ کی ابتدائی تربیت کس ماحول میں ہوئی۔

بہرحال اب اس باب کی مناسبت سے اس کے بعد دیگر خاندانی حالات کا ذکر کیا جاتا ہے، جن میں سے ذیل میں حضرت والاؒ کے والد ماجد الٰہی بخش صاحب مرحوم کی اولاد کا تذکرہ حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

''الٰہی بخش کی اولاد:

حسب ذیل تھی: (۱) مسماۃ زینب، (۲) مسمی فتح محمد، (۳) علی محمد اول، (۴) علی محمد ثانی، (۵) جان محمد، (۶) خیر محمد عفا اللہ عنہ، (۷) مولوی حافظ غلام محمد صاحب، (۸) علی محمد ثالث۔

علی محمد اوّل و ثالث طفولیت میں فوت ہو گئے تھے۔ علی محمد ثانی ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) میں عموی صاحب نور محمد کے ہمراہ ملک چین میں چلے گئے تھے۔ وہاں ہی ۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ (جمعرات ۲۰ دسمبر ۱۹۰۶ء) میں فوت ہو گئے۔ فتح محمد عمر وال بلہ میں ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ (اتوار ۱۰ مارچ ۱۹۰۷ء) بعارضہ طاعونِ عظیم فوت ہو گئے۔ زینب ۶ محرم ۱۳۷۱ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو ملتان میں فوت ہو گئی تھی۔ بڑی صالحہ تھی، مولوی غلام محمد صاحب ۱۲/ اگست ۱۹۳۰ء کو جالندھر میں فوت ہو گئے۔ جان محمد ۲۸ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۵۱ء چک نمبر ۴۰ فتح میں دیوار کے نیچے دب کر فوت ہو گئے۔ انا للّٰه و انا اليه راجعون. اللهم اغفرلهم مغفرة ظاهرة وباطنة.''

اس کے بعد حضرت والاؒ کے نانا صاحب حکیم شیر محمد صاحب مرحوم کی اولاد کا تذکرہ بھی حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

"شیر محمد کی اولاد: حسب ذیل تھی: (۱) شاہ محمد، (۲) جیواں، (۳) اللہ دی۔

شاہ محمد کی اولاد: حسب ذیل تھی: (۱) دین محمد، (۲) رحمتے۔

دین محمد: (متوفی ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء بروز جمعہ) کی اولاد حسب ذیل ہے: (۱) حمیدہ بی بی، (۲) عبدالحمید، (۳) عبدالمجید، (۴) عبداللطیف، (۵) محمد حنیف۔ عبدالمجید نکودر کیمپ میں ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں اور محمد حنیف ۲۰ صفر ۱۳۶۷ھ مطابق ۳ جنوری ۱۹۴۸ء بروز شنبہ فوت ہوگئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

جیواں: احقر کی والدہ محترمہ ہیں۔ ۲۶/ اپریل ۱۹۳۰ء مطابق ۲۶ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ میں فوت ہوئیں۔

اللہ دی: اس کے دو بیٹے رحمت اللہ، ماسٹر عصمت اللہ۔ رحمت اللہ پاکستان میں محمد پور تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان میں آباد ہیں۔ اور ماسٹر عصمت اللہ چک نمبر ۱۹ علاقہ میاں چنوں میں رہے۔ پھر ملتان میں ماسٹر مدرسہ پرائمری کے رہے۔ آخر سخت مریض ہوکر ۱۹ محرم الحرام ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۱ مئی ۱۹۶۶ء، ۱۱ بجے شب کے فوت ہوگئے۔ نشتر کالج سے اڑھائی بجے مدرسہ خیرالمدارس میں لایا گیا اور جنازہ پڑھ کر سائیں طور شاہ کے برابر قبرستان میں دفن کئے گئے۔ انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون. اور اللہ دی خالہ ام مورخہ ۲۲ شعبان ۱۳۸۰ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۶۱ء محمد پور ضلع رحیم یار خان میں فوت ہوگئیں۔ انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون. **اللھم اغفرلھما مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ.**"

حضرت والاؒ کے والد ماجد کی اولاد یعنی آپ کے بھائی بہنوں کا اجمالی تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔ اب ان میں سے ایک عالم اور حافظ برادر عزیز حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن سے حضرت والاؒ کو بہت قلبی تعلق تھا، ان کا قدرے مفصل تذکرہ حضرت والاؒ کی نقشِ حیات ہی سے نقل کیا جاتا ہے:

تذکرہ برادرِ عزیز مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم

بمقام عمروال بلہ بر مکان ماموں صاحب برادرم مولوی حافظ غلام محمد صاحب غالباً ۱۳۱۵ھ (۹۸-۱۸۹۷ء) میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام شاہ عبدالقایض (۱۳۱۵) نکالا گیا۔ بچپن سے ہی صورت پیاری اور طبیعت سادہ اور خاموش تھی۔ مگر سلامت فطرت کی وجہ سے خداداد ذکاوت اور تعلیم وتحریر کا شوق بہت تھا۔ ۱۰ برس کی عمر تک ماموں صاحب مرحوم کے پاس ناظرہ قرآن شریف اور کچھ اُردو وغیرہ پڑھ کر ۱۱ سال کی عمر میں مدرسہ عربیہ صابریہ رائے پور گوجراں میں داخل ہوکر قاری رحیم بخش صاحب (نابینا) پانی پتی مدرّس کے پاس قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ تین سال میں حفظ سے فارغ ہوگئے۔ اس اثناء میں اُردو نویسی کی خوب مشق کرلی تھی۔ اس واسطے اُردو خط بہت عمدہ تھا۔ ۱۴ سال کی عمر میں ۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) سے حضرت

مولانا فضل احمد صاحب مدظلہم العالی اور حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مدظلہ العالی اساتذہ کرام سے فارسی، عربی، صرف ونحو کی ابتدائی تعلیم ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) تک حاصل کی۔ فارسی درسیات پڑھ کر اور زائد بھی پڑھی تھی۔ خصوصاً قواعد فارسی کی تعلیم عام نصاب سے بہت زیادہ تھی۔ عربی صرف ونحو کے قواعد میں بھی کافی مناسبت اور استعداد تھی۔ پھر ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں اپنے رفیق خاص مولوی سلطان احمد صاحب مرحوم سکنہ باہمنیاں کے ہمراہ مدرسہ اشاعت العلوم سرائے خام بریلی میں پہنچ کر حضرات اساتذہ کرام حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب محدث وصدر مدرّس ومہتمم حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سلطان پوری سے ٦ سال کے عرصہ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱ء) تک باستثناء دورہ حدیث تمام فنون اور علوم عربیہ عقلیہ ونقلیہ کی نہایت تسلی ومحنت اور متانت واطمینان سے تکمیل کی۔ اساتذہ کی نظر میں محبوب اور امتحانات میں ہمیشہ اعلیٰ نمبر حاصل کرتے رہے۔ اس اثناء میں احقر خیر محمد عفی عنہ سے بھی کتب ذیل پڑھیں:

(۱) میر ایساغوجی، (۲) بدیع المیزان، (۳) دیوان علی، (۴) سراجی، (۵) نورالانوار، (٦) مقامات حریری، (۷) خلاصۃ الحساب، (۸) تحریر اقلیدس۔ پھر شوال ۱۳۳۹ھ (جون ۱۹۲۱ء) میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ اور مقدام العلماء والفضلاء، سند العرفاء والاتقیاء، عماد المحققین، خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ العزیز شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور دیگر اکابر علماء واساتذہ دارالعلوم سے دورۂ حدیث پڑھا۔ اور تقریر ترمذی نہایت خوشخط اور مبسوط لکھی۔ جو مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں محفوظ تھی۔ مگر افسوس ۱۹۴۷ء (۱۳٦٦ھ) کے انقلاب کے وقت وہ جالندھر ہی رہ گئی۔ فراغت کے بعد دو سندیں حاصل کیں۔ ایک سند دورہ حدیث کی دارالعلوم دیوبند سے، دوسری سند جملہ علوم وفنون آلیہ وعالیہ کی مدرسہ اشاعت علوم بریلی سے۔ نیز چھپی ہوئی دستار فراغ کی بھی بریلی سے حاصل کی۔ جواب تک بندہ کے پاس تبرکاً محفوظ[1] ہے۔ بریلی والی سند میں بہت تعریفی الفاظ مذکور تھے۔ مگر افسوس وہ بھی انقلاب کی نذر ہو گئی۔

برادرِ مرحوم کا نکاح:

سیدی ومرشدی حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز حضرت گنگوہیؒ) کی نظر عاطفت سے حضرت والا کے مرید خاص میاں محمد الدین صاحب مرحوم سکنہ کھرپڑ چک نمبر ۱۰ تحصیل چونیاں ضلع لاہور (جو نہایت خوش عقیدہ، خوش مزاج، اچھے واعظ تھے) کی لڑکی فاطمہ سے ۱۳۳۴ھ میں عقد کے متعلق بات چیت ہوئی۔ چنانچہ شوال ۱۳۳۴ھ (اگست ۱۹۱٦ء) میں احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ بمعہ ہمشیرہ صاحبہ زینب مرحومہ باغبان پورہ گئے۔ جبکہ میاں محمد الدین صاحبؒ وہاں عارضی مقیم تھے۔ خطبہ کے پارچات وغیرہ پہنا آئے۔ اور پھر اگلے سال برادرم مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ میں ہی ۸-۹ شوال ۱۳۳۵ھ کو تاریخ نکاح مقرر ہوگئی۔ تاریخ مقررہ پر برات میں احقر اور عموی کرم الدین صاحب

[1] غالباً اسی دستار کو حضرت والاؒ کو عید الفطر پر استعمال کرتے دیکھا ہے۔ غالباً عیدین پر استعمال فرماتے ہونگے۔ (آ)

اور مرشدی وسیدی حضرت حافظ صاحب موصوفؒ بمعہ برادرعزیز کھر پڑ چک نمبر ۱۰، براستہ اسٹیشن ریلوے پتوکی پہنچے۔ دو روز قیام رہا۔ احقر کا وعظ[1] ہوا۔ حضرت موصوف نے نکاح پڑھایا۔ بخیر وخوبی واپسی ہوئی۔ نکاح سادہ اور سنت کے موافق تھا۔

برادرم مرحوم کا زمانہ تدریس:

تحصیل علوم سے بالکل فراغت اور تکمیل کے بعد مدرسہ عربی دھرم کوٹ ضلع فیروز پور میں شعبان ۱۳۳۹ھ (جون ۱۹۲۱ء) میں مدرّس عربی ہوئے۔ کتابیں بہت عمدہ یاد تھیں۔ اور طرزِ تعلیم بھی نہایت اچھا تھا۔ اس لئے طلباء خوش رہا کرتے تھے۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب سلیم پوری سجادہ نشین کندیاں متوفی ۲۷ شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۷ جون ۱۹۵۶ء بھی اس وقت وہاں کے طلباء میں سے تھے۔ مہتمم صاحب کی بعض بے اعتدالیوں کی وجہ سے ۲۴ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۷/ اکتوبر ۱۹۲۱ء بروز پنجشنبہ استعفاء دے کر گھر آ گئے۔ پھر اسی سال ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ (نومبر ۱۹۲۱ء) میں بوساطت استاذنا المعظم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب مہتمم مدرسہ اشاعت علوم بریلی کے مدرسہ عربیہ شاہ جہان پور میں مدرّس دوئم ہوکر بمعہ اہلیہٗ خود چلے گئے۔ وہاں کتب عالیہ ومتوسطہ حمد اللہ وغیرہ کی تعلیم دیتے رہے۔ وسط ۱۳۴۱ھ (۲۳-۱۹۲۲ء) میں مدرسہ عربی رائے پور گوجراں میں مدرّس ہوگئے۔ شوال ۱۳۴۲ھ (مئی ۱۹۲۴ء) میں مہتمم صاحب نے بوجہ ضرورت شدیدہ کے مدرسہ رائے پور گوجراں سے مدرسہ عربی فیض محمدی جالندھر شہر میں بھیج دیا۔ وہاں تقریباً تمام درسیات کا احسن طریقہ سے درس دیتے رہے۔ اور طلباء ان کی تعلیم پر تمام مدرّسین سے زیادہ خوش رہے۔ اسی اثناء میں منشی فاضل کے امتحان کے لئے صرف ۱۱/ یوم کی مدرسہ سے رخصت حاصل کی۔ اس اقل قلیل عرصہ میں امتحان کی تیاری کر کے ۱۹۲۹ء (۱۳۴۷ھ) میں منشی فاضل کا پرائیویٹ امتحان دیا۔ اور لاہور یونیورسٹی سے اعلیٰ نمبر اور سند حاصل کی۔

برادرم مرحوم کا اخلاص:

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے قرآن مجید خوب یاد اور حفظ تھا۔ اور ہر سال تراویح میں سنانے کی عادت تھی۔ عام حفاظ کی طرح باہر سنانے کی رغبت نہ تھی۔ اور سنا کر پیسے لینے کی عادت بھی نہ تھی۔ بلکہ محض خالصاً لوجہ اللہ سنانے کے عادی تھے۔ حتیٰ کہ یہ طبیعت ثانیہ بن چکا تھا۔ اسی لئے اپنے ہی قریہ عمروال بلہ میں قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ کبھی کہنے سے مجبوراً دوسری جگہ سنانے گئے۔ چنانچہ بزمانہ طالب علمی ایک دفعہ مولانا مولوی غلام رسول صاحب مرحوم کی طلبی پر مسجد اخونصاحب جالندھر میں اور دوسری مرتبہ بزمانہ مدرّسی مسجد عالمگیر جالندھر شہر میں قرآن مجید سنایا۔ اور آخری دو مرتبہ چک نمبر ۴۰ فتح نہر علاقہ چشتیاں میں سنایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دنیوی مال وجاہ سے بے رغبتی ایک امتیازی نشان تھا۔

---

[1] حضرت والاؒ کے وعظ کی مناسبت سے اس نکاح کا تذکرہ باب ۱۱ مواعظ حسنہ میں آ رہا ہے۔ اور "نقش حیات" میں اس کے بعد ایک نوٹ میں حضرت حافظ صاحبؒ کے بعض اخلاق فاضلہ کا تذکرہ ہے۔ جو اس سفر میں ظاہر ہوئے۔ اس واقعہ کا ذکر چونکہ باب ۱۳ استفاضۂ باطنی میں حضرت حافظ صاحبؒ کے تذکرہ میں آ رہا ہے۔ اس لئے اسکو یہاں سے حذف کر دیا ہے۔ (آ)

برادرم کی وفات:

علوم میں ترقی اور تکمیل ومطالعہ کی دھن تو شب و روز طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی۔ مگر اس آخری سال میں رجوع الی اللہ کا فکر بھی غالب آ رہا تھا۔ اسی واسطے اواخر محرم الحرام ۱۳۴۹ھ (جون ۱۹۳۰ء) میں بمعیت احقر وحضرت الاستاذ مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مدظلہ و دیگر احباب مرشدنا وھادینا قطب الارشاد والتکوین حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز کی زیارت وفیض صحبت کے قصد سے تھانہ بھون گئے۔ اور شعبان میں مکرر جانے کا قصد تھا۔ مگر تقدیر الٰہی غالب آئی۔ ۱۷/ ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۳/ اگست ۱۹۳۰ء بروز چہار شنبہ صبح کے وقت اچانک ہیضہ میں مبتلا ہو گئے۔ چونکہ رات کو اسباق پڑھانے کا خیال تھا۔ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ علی الصباح اچانک مرض کے پیش آنے پر مدرسہ میں اطلاع بھیجی گئی کہ اسباق پڑھانے نہیں آ سکیں گے۔ یونانی اور ڈاکٹری علاج کا فوری سلسلہ شرع کرایا گیا۔ دن کے ایک بجے تک ادراک وحواس بالکل سلامت تھے۔ تقریباً ساڑھے بارہ بجے پردہ کرا کر کچھ تھوڑی دیر اپنی بیوی سے باتیں کیں۔ پھر احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ کو بلا کر آخری چار باتیں بطور وصیت کے کہیں:

(۱) اپنے قرض اور باقی حقوق العباد کی اطلاع دے کر ادائیگی کی وصیت کی۔

(۲) اپنی اہلیہ کے متعلق وصیت کی کہ اس کی رعایت اور نگہبانی رکھنا۔ اور اگر یہ خود چاہے تو والد صاحب کے پاس اس کو چک نمبر ۴۰ فتح کوٹھا جدا بنا دینا۔

(۳) لڑکیوں کے متعلق یہ وصیت کی کہ خدیجہ کا خطبہ تو محمد شریف سلمہٗ سے ہو چکا ہے۔ زبیدہ کا عقد عبدالحق سلمہٗ سے کر دینا اور عائشہ کا نکاح کسی دوسری مناسب جگہ کرنا۔

(۴) فرمایا کہ افسوس میرا سفر آخرت آ گیا۔ میرے پاس زادراہ آخرت نہیں۔ آپ دعاء مغفرت کرنا۔ اور دوستوں سے مل نہیں سکا ہوں۔ سب سے سلام کہہ دینا اور دعاء کرانا۔

اس کے بعد کلمہ شہادت پڑھا اور کچھ قرآن مجید پڑھنے کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر غنودگی سی ہو گئی۔ تقریباً ساڑھے چار بجے شام اسی روز داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اور تمام اقرباء کو داغ مفارقت دے کر رخصت ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہ اھ۔

دوسرے روز ۱۸/ ربیع الاوّل ۱۳۴۱ھ کو ۸ بجے صبح محلہ پرانی کچہری جالندھر شہر کے قبرستان ارائیاں میں کپتان حاجی غلام محی الدین صاحب مرحوم کی قبر کے قریب مدفون ہوئے۔ جنازہ میں مدرسہ فیض محمدی کے طلباء کے علاوہ عوام اور علماء کرام کافی تعداد میں تھے۔ جنازہ احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ نے پڑھایا۔

علماء کرام بغرض جنازہ وتعزیت:

برادرم مرحوم کے جنازہ میں حسب ذیل علماء کرام کی شمولیت یاد ہے: (۱) مولانا محمد عماد الدین صاحب شیرکوٹی انصاری، (۲) مولانا احد بخش صاحب، مدرّس مدرسہ فیض محمدی جالندھر، (۳) مولانا محمد علی صاحب جالندھری، مدرّس

مدرسہ موصوفہ، (۴) مولانا نیاز احمد صاحب، مدرّس مدرسہ مذکورہ، (۵) مولانا حافظ محمد امین صاحب لدھیانوی، (۶) مولانا محمد صاحب اوگوی، (۷) مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری۔

دفن سے فراغت کے بعد حضرت مولانا فقیراللہ صاحب رائے پوری اور حضرت مولانا عبدالجبار صاحب ڈربوی مرحوم بھی پہنچ گئے تھے۔ منشی نور بخش صاحب بھی بمعہ اہلیہ جدیدہ حسن اتفاق سے سندھ سے آ گئے تھے۔ پھر کئی روز تک تعزیت کے لئے اقرباء واحباب آتے رہے۔

عمر[1]:

کل عمر تخمیناً ۳۴ سال ہوئی۔ جس میں سے ہوش سنبھالنے کے زمانہ سے ۱۱ سے ۲۴ سال تک طالب علمی میں گزرے۔ اور تقریباً دس سال مدرّسی دھرم کوٹ، شاہ جہاں پور، جالندھر میں صرف ہوئے۔ اور جہاں تک مجھے یاد ہے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا۔ اور نہ کسی کی شکایت وغیبت کی۔ بڑوں کا ہمیشہ ادب کرتے رہے۔ خصوصاً اخیر وقت تک میرے ساتھ ہمیشہ ادب کا معاملہ رکھا۔ ان کی جدائی سے مجھے بہت صدمہ ہوا۔ اور اب تک اس کا اثر باقی ہے۔

اِنا للّٰہ و انا الیہ راجعون. اللھم اغفرلہ مغفرۃ ظاھرۃ و باطنۃ.

تذکرہ اولاد برادر عزیز:

حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے برادرم مرحوم کے پے در پے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا حسب ترتیب ذیل پیدا ہوئے:

(۱) عائشہ بی بی، بتاریخ ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۲/ فروری ۱۹۲۲ء بروز یک شنبہ پیدا ہوئی۔

(۲) خدیجہ بی بی، بتاریخ ۳۰ رجب ۱۳۴۲ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۲۴ء بروز جمعہ پیدا ہوئی۔

(۳) زبیدہ بی بی بتاریخ ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۴۴ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۲۵ء بروز جمعہ پیدا ہوئی۔

(۴) محمد عبداللہ بتاریخ ۲۶ صفر ۱۳۴۸ھ مطابق ۳/ اگست ۱۹۲۹ء بروز شنبہ ۱۲ بجے دن پیدا ہوا۔

عزیز القدر محمد عبداللہ، برادرم مرحوم کی حیات ہی میں بمرض بخار وپیچش بیمار رہ کر بعمر ۹ ماہ ۲۵ روز زندہ رہ کر بتاریخ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء بروز سہ شنبہ ۵ بجے شام فوت ہوگیا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہ ا ھ۔ بعدہٗ پاکستان میں آ کر خدیجہ وزبیدہ بھی فوت ہوگئیں۔ اِنَّا لِلّٰہ ا ھ۔

اب ولادت باسعادت وطن اور طفولیت سے حضرت والاؒ کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔

والله الموفق والمعين.

---

[1] ایک یادداشت میں حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا ہے۔ ''برادر عزیز مولوی غلام محمد مرحوم تخمیناً مجھ سے ڈھائی سال چھوٹے تھے'' (آ)

باب سوم

ولادت باسعادت......وطن اور طفولیت

حضرت والاؒ کی ولادت باسعادت آپ کے ماموں جناب شاہ محمد صاحب مرحوم کے مکان پر بمقام عمروال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۵ء کے اواخر میں ہے، یا ۱۳۱۳ھ کے اندر، جیسا کہ ابتداء میں تاریخی ناموں کے سلسلہ میں مذکور ہو چکا ہے۔ چنانچہ عمروال بلہ ہی حضرت والاؒ کا وطن تھا۔

طفولیت:

حضرت والاؒ نے اپنی خودنوشت سوانح ''نقش حیات خیر محمد'' میں تحریر فرمایا ہے: ''بچپن کا زمانہ عمروال بلہ میں ایسا بے ہوشی کا کھیل کود میں گزرا کہ اب کوئی خاص بات یاد نہیں۔ تخمیناً سات سال کی عمر میں والدین کے ہمراہ بمعہ برادر خورد مولوی غلام محمد صاحب مرحوم میاں کوٹ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور میں جانا ہوا۔ راستہ میں عجیب واقعہ پیش آیا کہ ٹھٹھہ سے ہو کر براستہ فیروز پور چیچہ وطنی کے ٹکٹ لے کر سوار ہوئے۔ (اس زمانہ میں پرانی چیچہ وطنی کے نام سے اسٹیشن جنگل میں تھا) یہاں گاڑی رات کو پہنچتی تھی۔ والدہ صاحبہ مرحومہ چھوٹے بھائی مولوی غلام محمد کو گودی میں لے کر چیچہ وطنی اُتر گئیں۔ والد صاحب مرحوم بمعہ احقر کے اپنے ڈبے سے نہ اُتر سکے۔ اگلے اسٹیشن پر آ کر اُترے۔ پھر وہاں سے پیادہ چلتے چلتے دوپہر کو چیچہ وطنی اسٹیشن پر پہنچے تو اسٹیشن کی دیوار کے پیچھے والدہ صاحبہ کو بیٹھے پایا۔ اور برادر خورد کے ہاتھ میں کسی بابو صاحب نے روٹی کا ٹکڑا دیا ہوا تھا۔ پھر وہاں سے پیادہ روانہ ہوئے۔ پہلی رات دریائے راوی کے کنارہ پر گزاری۔ وہاں جنگلی لوگوں کا ڈیرہ تھا۔ وہ تمام رات تماشا کرتے رہے۔ مجھے ایسی سخت نیند آئی کہ صبح کو اُٹھ کر چلے تو کمر میں ازار بھی نہیں تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوتے میں کھل گیا تو کسی جنگلی نے اُٹھا لیا ہوگا۔ یہ ابھی بے سمجھی اور بے ہوشی کا زمانہ تھا۔''

لہو و لعب اور کھیل تماشے سے بچپن ہی میں سخت نیند آ کر محفوظ رہنا من جانب اللہ حفاظت کا سامان تھا۔ اس پر بے اختیار حضور اکرم ﷺ کی طفولیت مبارکہ کا ایسا ہی واقعہ یاد آتا ہے، جو کہ مشہور ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ سے بچپن میں اتنی نسبت و مشابہت بھی نعمت عظمیٰ ہے۔ اور حضرت والاؒ کی طفولیت ہی سے سعادت کی طرف مشیر ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

اس کے بعد بقایا سفر کا حال رقم فرماتے ہیں:

''پھر وہاں سے چلتے چلتے براستہ کمالیہ پہلے مدحو ر چک نمبر ۲۵۵ گ ب میں پہنچے۔ پھر میاں کوٹ پہنچے، جہاں پہلے سے ہمشیرہ صاحبہ زینب مرحومہ اور بھائی فتح محمد اور بھائی علی محمد بسلسلہ کاشت موجود تھے۔ ان کے پاس وطنی کچھ اور بھی موجود تھے۔''

آبائی وطن سابق:

حضرت والاؒ نے اس بارے میں ''نقش'' میں یہ تحریر فرمایا ہے:

''مہت پور:

والد صاحب میاں الٰہی بخش بن خدا بخش بن میلا نے اپنے دادا صاحب کی حیات میں بندہ کے ماموں صاحب شاہ محمد مرحوم کے پاس عمر وال بلہ میں قیام اختیار کر لیا تھا۔ ورنہ ہماری اصل سکونت قصبہ مہت پور تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں تھی۔ سنا ہے کہ ہمارے پردادا صاحب میلا نے اپنی اولاد سے ناراض ہو کر پٹھانوں سے بعض مقدمات کی بناء پر کل جائیداد غیر منقولہ کو ہنود کے پاس بیع و رہن کر دیا تھا۔ چنانچہ سنگووال کی سڑک کے قریب جہاں آجکل سرکاری ہسپتال تعمیر ہوا ہے، اس محلہ میں دو مکان مرہون میں نے بچشم خود دیکھے ہیں۔ جائیداد ضائع ہونے کے بعد دادا صاحب پر غربت کا زمانہ آیا۔''

موضع ٹھٹھہ تحصیل زیرہ ضلع فیروز پور:

''مہت پور کی سکونت ترک کرنے کے بعد دادا صاحب خدا بخش کے ہمراہ کرم الدین اور نور محمد بمقام ٹھٹھہ ضلع فیروز پور آ کر کچھ عرصہ مزارعت کرتے رہے۔ اس عرصہ میں اور اس کے بعد والد محترم میاں الٰہی بخش مرحوم عمر وال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر میں ماموں صاحب شاہ محمد مرحوم کے مکان پر مقیم رہے۔ میرے بچپن کے زمانہ میں دادا صاحب خدا بخش دو مرتبہ عمر وال بلہ میں تشریف لائے اور مجھے بھی زیارت ہونا یاد ہے۔ البتہ دادی صاحبہ کی زیارت کرنا یاد نہیں۔''

خَیۡرُکُمۡ مَنۡ تَعَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (حدیث شریف)

باب چہارم

ابتدائی تعلیم

ابتدائی قرآن مجید ناظرہ:

حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ''اس اثناء[1] میں میاں کوٹ چک نمبر ۲۵۵ گ ب میں روزانہ جا کر حافظ پیرو صاحب (نابینا) سے قرآن مجید ناظرہ شروع کیا۔ تخمیناً ایک پارہ الٓمٓ پورا یا کم پڑھا۔''

مراجعت وطن:

اس کے بعد فرماتے ہیں: ''تین سال قیام کے بعد وہاں سے تمام کنبہ کہ[2] واپس ہوئے۔ چونکہ سامان اور بیل ساتھ تھے، اس لئے بیل گاڑیوں پر پیادہ بھیکھی فیروز پور کے راستہ کئی دن کا سفر کر کے وطن پہنچے۔ عمروال بلہ اطلاع ملنے پر ماموں صاحب مرحوم گڈوں کے لئے بیلوں کی دو جوڑیاں لے کر ہت پور استقبال کے لئے پہنچ گئے تھے۔ غرض بخیر و عافیت عمروال بلہ پہنچے۔ تمام کنبہ صحیح سلامت آیا۔ اس سفر میں بوٹا نکوریہ اور دوست محمد، شاہ محمد پسران نبی بخش نکوریہ بھی ہمراہ تھے۔ اس وقت میری عمر تخمیناً ۱۰ سال کی ہوگی۔ مسجد عمروال بلہ کے امام میاں جی امام الدین صاحب سے ۱۸ پارہ قرآن مجید ناظرہ پڑھا۔ بعد ازاں ۱۲ سال کی عمر تک جناب ماموں صاحب مرحوم کے پاس قرآن مجید پورا کیا۔ اور اُردو کی سرکاری کتابیں اور تاریخ کی پڑھیں۔ ساتھ ہی لکھائی اور حساب تقسیم مرکب تک بھی سیکھے۔ دن میں پڑھتے اور رات میں لڑکوں کے ساتھ کھیل کرتے۔''

---

[1] یعنی تخمیناً ۱۳۱۸ھ میں جیسا کہ حضرت والاؒ کے محترم والد صاحب مرحوم کے تذکرہ میں گذرا۔ اور عمر تقریباً سات سال جیسا کہ چند سطور کے بعد آرہا ہے۔ کہ تین سال قیام کے بعد واپسی ہوئی اور اس وقت عمر چھ سال تھی اور بوقت واپسی تقریباً ۹ سال)(آا)

[2] چھوٹے بڑے۔ (محمود احمد غفرلہ)

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (حدیث شریف)

باب پنجم

زمانۂ تحصیل علوم

یعنی تحصیل علوم وتذکرۂ اساتذۂ کرام اور واقعات متعلقہ

حضرت والاؒ کے تذکرۂ تحصیل علوم کے ساتھ ساتھ ان مدارس کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے جہاں حضرت والاؒ نے تعلیم حاصل فرمائی اور آپ کے اساتذۂ کرام کا مختصر تعارف بھی پیش کیا جاتا ہے[1] ۔" تا کہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ حضرت والاؒ نے جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا وہ کس درجہ کے متقی، پارسا اور نیک سیرت تھے۔ جن کے اخلاق حسنہ کا اثر حضرت والاؒ پر پڑا۔ اور یہ لازمی اَمر ہے کہ اساتذۂ کرام کے اخلاق کا اَثر طلباء پر پڑتا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اپنے بچوں کو ایسے اساتذۂ کرام کی خدمت میں پڑھنے کے لئے بھیجنا چاہئے جو عالم باسنۃ اور شریعت کے پابند ہوں۔ اور اگر اساتذہ خود شریعت کے پابند اور عامل نہ ہوں تو طلباء کو علم دین تو ضرور حاصل ہو جائے گا، لیکن عمل کی توفیق شاید و باید ہی نصیب ہوگی۔ جناب اکبرالٰہ آبادی مرحوم نے بالکل سچ کہا ؎

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں   آدمی آدمی بناتے ہیں

دور حاضر میں تو متقی اور صالح علماء کا قحط ہو گیا ہے۔ اس لئے بطور خاص اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ حتی المقدور اپنی اولاد کو صالح اور نیک علماء کے پاس تعلیم کے لئے بھیجیں۔ اللھم وفقنا لما تحب وترضی[2] ۔"

بلکہ اُستاد صالح نہ ہو تو علم دین بھی نہیں آئے گا (اِلّا یہ کہ شاگرد ہی فطرۃً صالح ہو اور حقیقی طلب علم رکھتا ہو، ورنہ زائد از زائد الفاظ اور اصطلاحات آجائیں گی، یا یوں کہیے کہ زبان پر علمی الفاظ ہوں گے دِل میں علم نہ ہوگا۔ اور علم نافع وہی ہے جس کا اثر دل میں ہو، ورنہ ؎

علم چوں بر دل زنی یارے بود   علم چوں برتن زنی مارے بود

حدیث شریف میں ہے: عن الحسنؒ العلم علمان فعلم فی القلب فذاک العلم النافع وعلم علی

---

[1] آ: (آفتاب احمد)

[2] ایضاً

اللسان فذاک حجة اللّٰہ عز وجل علی ابن آدم (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ شریف ص ۳۷)

(یعنی علم کی دو قسمیں ہیں۔ پس ایک علم جو دل میں ہے وہ مفید علم ہے اور ایک وہ علم ہے جو محض زبان پر ہے۔ وہ ابن آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے) کیونکہ علم دراصل کثرت معلومات کا نام نہیں بلکہ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی   فارشدنی الی ترک المعاصی

واخبرنی بان العلم نور   ونوراللّٰہ لا یُعْطٰی لعاصی

دیوان الامام الشافعیؒ قافیۃ الصاد ص ۵۴[1])

ترجمہ: میں نے حضرت وکیعؒ (اپنے استاذ) سے اپنے حافظہ کے خراب ہونے کی شکایت کی۔ تو انہوں نے مجھے گناہوں کے ترک کرنے کی ہدایت فرمائی اور یہ بتایا کہ بے شک علم ایک نور ہے اور اللہ تعالیٰ کا نور نافرمان کو عطا نہیں کیا جاتا۔

اب اس تمہید کے بعد حضرت والاؒ کی تعلیم کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔

داخلہ مدرسہ رشیدیہ نکودر (سالِ اوّل ۲۴-۱۳۲۳ھ):

قرآن مجید پڑھنے اور ابتدائی تعلیم اپنے ماموں صاحب سے حاصل کرنے کا تذکرہ تو پہلے گزر چکا ہے۔ اب اس کے بعد فارسی و عربی میں تحصیل علوم کا تذکرہ حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:[2]

''پھر ماموں صاحب مرحوم نے شروع شوال ۱۳۲۳ھ (دسمبر ۱۹۰۵ء) میں مدرسہ رشیدیہ نکودر ضلع جالندھر میں داخل کرایا۔ اور اس مدرسہ میں شعبان ۱۳۲۴ھ (ستمبر ۱۹۰۶ء) تک رہا۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب چندیانوی مدرّس:

یہ مولانا عبداللہ صاحب مولانا فضل احمد صاحب رائے پوری کے دوست اور ہم جماعت تھے۔ حضرت گنگوہیؒ کے حکم سے نکودر مدرسہ میں آئے تھے۔ چندیانہ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ اس وقت میرے ساتھ تھے اور بہت بااخلاق تھے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم لدھیانوی[3] بھی ہم سبق تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب سے ۲۴ھ میں رسائل ذیل پڑھے:

(۱) کریما، (۲) حمد باری، (۳) گفتگو نامہ فارسی، (۴) مصدر فیوض، (۵) شیخ عطار، (۶) میزان الصرف۔

نوٹ:

(الف) اسی[4] سال ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں حضرت والاؒ کا نکاح شریعت کے مطابق تمام برادری کی رسومات سے خالی ہوا۔

---

[1] آ [2] یہ تذکرہ تو حضرت والا ہی کے الفاظ میں ہے۔ البتہ کہیں کہیں عنوانات بندہ نے قائم کیے ہیں۔ (آ)

[3] ''ولادت اتوار ۱۱-۱۲-۱۳۱۰ھ مطابق ۳-۷-۱۸۹۲ء''

[4] (الف) ا۔ق وتلخیص از نقش (اسکی کچھ تفصیل باب نوزدھم میں ''ازواج محترمات'' کے زیرعنوان آئیگی)

(ب)[1] ''اسی سال ۱۳۲۴ھ میں حضرت والاؒ کے برادر محترم علی محمد صاحب مرحوم چچا نور محمد صاحب کے ہمراہ ملک چین چلے گئے۔''

(ج) حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ''اسی سال برخوردار دین محمد بن شاہ محمد، ماموں صاحب مرحوم کے گھر ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوا۔''

(د) ''اسی سال زلزلہ عظیمہ آیا، جس سے پنجاب کی بڑی بڑی پختہ عمارتیں منہدم ہوگئیں۔''

(ہ) ''اسی سال قطب العالم امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔''

(و)[2] اور اسی سال مرض طاعون پھیلا، جس میں حضرت والاؒ کے دو بڑے بھائی فوت ہوئے۔

مدرسہ عربی رائے پور گوجراں (سال دوم تا پنجم ۱۳۲۴ھ تا ۱۳۲۸ھ):

''مدرسہ عربیہ رشیدیہ نکودر بند ہوجانے کے بعد مدرسہ عربی رائے پور گوجراں حضرت مولانا فضل احمد صاحب مہتم کے زیر اہتمام جاری ہوا۔ وہاں دو مدرّس عربی تھے۔ مولانا فضل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا حافظ فقیر اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور مؤخر الذکر ایک سال بعد دیوبند سے تشریف لائے تھے۔''

مکری اقبال قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''یہ مدرسہ حضرت والاؒ کے گاؤں[3] سے ایک میل دور تھا۔ اس لئے صبح حضرت والاؒ پڑھنے تشریف لے جاتے اور شام کو واپس گھر تشریف لے آتے۔''

اس کے بعد حضرت والاؒ نے ان دونوں اساتذۂ کرام کا تذکرہ پہلے فرمایا ہے اور پھر نقشہ کی صورت میں ان حضرات سے تعلیم حاصل کرنے کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ پہلے تذکرہ پھر نقشہ تحصیل علوم حسب ذیل ہے:

استاذی حضرت مولانا فضل احمد صاحبؒ:

آپ کے والد صاحب کا نام میاں فتح الدین صاحب تھا۔ بہت نیک و صالح اور ملنسار تھے۔ ان کی دوستی اور عقیدت جناب مولانا مولوی چراغ محمد شاہ صاحب مہت پوری سے زیادہ تھی۔ ان کے برادر زادہ کا نام فضل محمد[4] تھا۔ جب میاں فتح الدین صاحب کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو ان کا نام فضل احمد رکھا گیا۔ حضرت مولانا مرحوم ابتداء شباب میں حضرت مولانا کریم بخش صاحب لدھیانوی اور حضرت مولانا محمد الدین صاحب کیمل پوری اور اپنے بڑے بھائی جناب مولانا مولوی مولا بخش صاحب مرحوم کے ساتھ تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ اور آخر میں دورہ حدیث مدرسہ عبدالرب دہلی میں

---

[1] (ب) تا (ہ) از نقش [2] ا۔ق [3] عمروالا بلہ (آ ا)

[4] مولوی حکیم فضل محمد صاحب۔ مولانا محمد شریف صاحب اور عبدالعزیز مشرقی صاحب کے والد تھے۔ (یہ مولانا عبدالسلام صاحب خلیفہ حضرت والاؒ کے بیان اسے نقل کیا۔ جو انہوں نے حضرت والاؒ کے خودنوشت سوانح کی بیاض میں درج فرمایا تھا۔ اسی طرح تاریخ ہجری کے ساتھ تاریخ عیسوی کی مطابقت بھی انہی کے ماخذ سے نقل کی ہے۔) (آ ا)

حضرت مولانا عبدالعلی صاحب شیخ الحدیث سے پڑھ کر سند حاصل کی۔ پھر اساتذہ کے حکم سے مدرسہ عربیہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ میں مدرّس ہوئے۔ اور دو سال تک ابتدائی اور متوسط درجہ کی کتابیں بہت عمدہ طریق سے پڑھاتے رہے۔ مولانا بہت حلیم و بردبار اور خوش تقریر تھے۔ حضرت مولانا فخرالدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو کافیہ وغیرہ میں تلمذ کا مولانا مرحوم سے شرف حاصل ہے۔ پھر قدوۃ العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہٗ العزیز کی محبت اور عقیدت نے ان میں توکل علی اللہ کی لہر دوڑائی۔ ملازمت کا خیال ترک کر کے گھر پر مدرسہ عربیہ صابریہ رشیدیہ کی بنیاد رکھی۔ اور لوجہ اللہ تعلیم شروع کی۔ اور فارسی، عربی کی خوش اسلوبی سے تعلیم دیتے رہے۔ اور ساتھ ہی طلبہ کے طعام ولباس وغیرہ کا بہت عمدہ انتظام کیا۔ چنانچہ سینکڑوں طلباء عالم دین اور مرجع خلائق ہوئے۔ اور بحمداللہ خلق خدا کی دینی خدمت میں مشغول ہیں۔ اور بہت سے مدارس دینیہ جاری کئے۔ بمصداق حدیث من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها اھ۔ مولانا کی روح مبارک کو اس صدقہ جاریہ کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ برابر پہنچتا رہے گا۔

مولانا اپنی زندگی میں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے بہت دلدادہ تھے۔ اکثر وہاں آتے اور جاتے رہتے۔ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب رائے پوری نے مدرسہ صابریہ رشیدیہ گوجراں کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف وافتخار بخشا۔ اور دوبارہ درخواست پر پھر تشریف لائے تھے۔ مگر راستہ میں بیمار ہونے کی وجہ سے جالندھر واپس ہو گئے تھے۔ اور اپنی جگہ مولانا مغیث الدین صاحب کو مدرسہ صابریہ رشیدیہ میں بھیجا تھا۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے رحلت فرمانے کے بعد مولانا مرحوم ان کے خلفاء عظام سے مستفید ہوتے رہے اور سفر و حضر میں اکثر ساتھ رہتے۔

مولانا فضل احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ۵ رجب ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۶۴ء میں بعمر ۹۵ سال بوقت اخیر شب تہجد کے لئے اُٹھے اور بے ہوش ہو گئے اور داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. ورثاء میں ایک پوتا حاجی حافظ رشید احمد سلمہٗ چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دادا کے قدم بقدم چلنے کی توفیق شاملِ حال رکھے، آمین ثم آمین۔''

ان کی نماز جنازہ چک نمبر ۱۱ چیچہ وطنی میں حضرت والاؒ نے ہی پڑھائی اور فرمایا کہ میرے آخری استاذ تھے۔

استاذی حضرت مولانا حافظ فقیر اللہ صاحب رائے پوریؒ:

''آپ کے والد ماجد کا نام عمرالدین سکنہ باہمیاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر تھا۔ ان کا ابتدائی زمانہ تعلیم کا پورا معلوم نہیں۔ قدرے اتنا علم ہے کہ کچھ قرآن مجید ایک حافظ صاحب نابینا سکنہ سنگووال تحصیل نکودر سے یاد کیا۔ اور باقی حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے مکمل کیا، جو قطب الارشاد، قدوۃ العارفین، زبدۃ الصالحین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ العزیز کے خلفاء مجازین میں سے تھے۔ اور ابتدائی کتابیں فارسی و عربی کی جناب مولانا علیم اللہ صاحب آدامانی مرحوم

ل ا۔ق (اضافہ بروایت حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ)

اور حضرت مولانا محمد صاحب سکنہ کوٹ بادل خان ضلع جالندھر سے پڑھیں۔ بعدہٗ ان کی وفات کے بعد امرتسر میں کچھ اسباق حضرت مولانا نور احمد صاحب سے پڑھ کر مدرسہ عربیہ نعمانیہ میں حضرت مولانا غلام احمد صاحب مدرّس اوّل کے پاس ایک سال ٹھہر کر متوسطات کتب کا درس حاصل کیا۔ پھر ہندوستان کا سفر کیا۔ پہلے سہارن پور میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی سے کچھ حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند میں جا کر داخلہ لیا۔ موقوف علیہ دورۂ حدیث اکثر حضرت مولانا غلام رسول صاحب و دیگر مدرّسین سے پڑھیں۔ پھر تیسرے یا چوتھے سال شیخ المشائخ اُستاذ العلماء حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حدیث حاصل کی۔ اور انہی سے راہ سلوک و طریقت میں بیعت کی۔ پھر ۲۴-۱۳۲۵ھ کے شروع میں مدرسہ صابریہ رشیدیہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر میں مدرّس ہو کر حضرت مولانا فضل احمد صاحب کے معین و معاون ہوئے۔ فارسی اور عربی متوسطات تک بار بار اچھی طرح تعلیم دیتے رہے۔ اور مجھ سے خاص تعلق خصوصیت اور شفقت کا رکھا۔ حتیٰ کہ جب ۱۳۲۸ھ میں جلسہ ۲۷ سالہ دستار بندی کا منعقد ہوا اور جانے کے لئے ایک وفد تیار ہوا۔ جس کے پیشرو قدوۃ الصالحین حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے تو مجھے بھی اس وفد کے ساتھ جانے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ ہم سب ایک رات مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور رہے۔ دوسرے روز دیوبند پہنچ کر عالی شان جلسہ دیکھا۔ اور بڑے بڑے علماء مثل قدوۃ المحدثین حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز دیوبندی، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو مجھے حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی کے ہاں بھیجنے کے لئے تجویز کیا۔ ان سے معاملہ طے کرنے کے بعد مجھے خود جالندھر تک چھوڑنے کے لئے گئے۔ اس وقت تک جالندھر نکودر کے درمیان ریل گاڑی نہ تھی۔ جالندھر میں ہم دونوں مسجد اخوند صاحب میں مولانا غلام رسول صاحب کے پاس رات رہے۔ صبح کو اُٹھ کر خط لکھا کہ رات مولانا محمد عالم صاحب مدرّس مدرسہ نعمانیہ لاہور کے پاس رہنا۔ چنانچہ صبح کے وقت گاڑی پر سوار کیا۔ لاہور پہنچ کر میں مولوی محمد عالم صاحب کے پاس مدرسہ نعمانیہ میں گیا اور رات وہاں ٹھہرا۔ اس وقت مدرسہ نعمانیہ شاہی مسجد لاہور میں تھا۔ صبح کے وقت اُٹھ کر بادامی باغ اسٹیشن سے لالہ موسیٰ کا ٹکٹ لے کر سوار ہوا۔ جب گاڑی لالہ موسیٰ کے اسٹیشن پر پہنچی تو تین گاؤں راستہ کے طے کر کے چوتھے گاؤں گنجہ، ڈاک خانہ برنالی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پہنچا۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (مئی ۱۹۱۰ء) سے ۱۵ رمضان المبارک (۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء) تک حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی سے شرح وقایہ جلد ثالث و رابع قطبی مع میر قطبی، شرح جامی نصف پڑھی۔ ۱۵ رمضان کو گھر آیا۔ پھر شوال ۱۳۲۸ھ (اکتوبر ۱۹۱۰ء) کے شروع میں

مجھ کو گلاؤٹھی [1] بھیجا۔ تین سال وہاں رہ کر ایک فساد کی وجہ سے ربیع الاوّل ۱۳۳۱ھ (فروری ۱۹۱۳ء) میں گھر آیا۔ ایک ماہ گھر رہا۔ اس اثناء میں اساتذہ کے حکم سے مدرسہ رائے پور گوجراں میں قلیوبی، شرح جامی بحث فعل و ایساغوجی پڑھاتا رہا۔ پھر مجھ کو دوبارہ گنجہ بھیجا۔ اوائل جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (اپریل ۱۹۱۳ء) سے ۱۵ رمضان ۱۳۳۱ھ (۱۸/ اگست ۱۹۱۳ء) تک وہاں رہا۔ پھر دوبارہ ہندوستان کا سفر کیا۔ شروع شوال ۱۳۳۱ھ (ستمبر ۱۹۱۳ء) میں گلاؤٹھی، میرٹھ، دہلی ہوتا ہوا بانس بریلی پہنچا۔ اور وہاں مدرسہ اشاعت علوم میں داخلہ لیا۔ شعبان ۱۳۳۵ھ (مئی، جون ۱۹۱۷ء) تک چار سال قیام رہا۔ تکمیل بھی کی اور تعلیم بھی دی۔ پھر ہمشیرہ صاحبہ کو سندھ ملنے کے لئے سفر کیا۔ جب شوال میں وہاں سے واپس ہونے لگا تو حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب کا خط پہنچا کہ آتے وقت راستہ میں منڈی صادق گنج اُترو۔ اور مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی سے مل کر آنا۔ کیونکہ تمہاری ملازمت کے متعلق ان سے بات چیت ہو رہی ہے۔ میں حسب الحکم صادق گنج اُترا۔ اور مولانا عبدالرحیم صاحب سے ملا۔ بات چیت کے بعد پچیس روپے تنخواہ طے ہوئی۔ اور طے ہو گیا کہ میں ۱۵ شوال ۱۳۳۵ھ (۴/ اگست ۱۹۱۷ء) کو واپس گاؤں آؤں گا۔ ۳۹-۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں وہاں سے بلا کر غیر مقلدین سے مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور کرایا۔ اور خود ہی چھپوا کر اپنے نام سے شائع کیا۔ پھر ۱۳۴۱ھ شوال (مئی ۱۹۲۳ء) میں مجھے مدرسہ صابریہ رشیدیہ میں رائے پور بلایا۔ اور سال بھر میں ہدایہ اوّلین وغیرہ صاحبزادہ مولوی محمود الحسن صاحب و مولوی عبدالرشید صاحب مرحومین کو پڑھایا۔ پھر جالندھر کے زمانہ میں اہل بدع سے مناظرہ علم غیب میں منعقد ہوا تو احقر ہی کو حضرت مولانا مرحوم نے تجویز کیا۔ خود بھی مناظرہ میں تشریف لے گئے۔ الغرض حضرت مولانا مرحوم کو احقر سے خصوصی تعلق تھا۔ مولانا مرحوم اپنے عہد کے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔ **تصلب فی الدین** اس قدر تھا کہ **لا یخافون لومة لائم** کا پورا مصداق تھا۔ فقہ اسلامی اور افتاء میں خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ اتباع سنت اور تقویٰ اور خلوص کے مجسمہ تھے۔ تقریباً پچاس سال تک تعلیمی دینی خدمات کر کے ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۱/ فروری ۱۹۶۳ء کو خدا تعالیٰ کے پیارے ہوئے۔ اور ملک جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ **اِنَّا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون**۔ اور اپنے پیچھے تین صاحبزادے [2] اور کچھ لڑکیاں اور اہلیہ صاحبہ وارث چھوڑے اور ورثہ میں کچھ جائیداد اور مال نہیں چھوڑا۔ تین بچے حافظ قرآن اور عالم باعمل تیار کئے۔ چھوٹے مولانا مولوی حافظ لطف اللہ صاحب ۲۷ صفر ۱۳۷۶ھ مطابق ۳/ اکتوبر بروز چہار شنبہ متصل وہاڑی ضلع ملتان میں لاری کے جلنے سے شہید ہو گئے تھے۔

---

[1] گلاؤٹھی یو۔ پی (انڈیا) کے ضلع بلند شہر میں میرٹھ سے بلند شہر جانے والی ریلوے لائن پر ہاپوڑ سے آگے ریلوے اسٹیشن ہے۔ (یہ لائن دہلی مراد آباد والی لائن کو ہاپوڑ کے اسٹیشن پر قطع کرتی ہے۔ احقر جب مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں پڑھتا تھا۔ چاند پور سے علیگڑھ کبھی ہاپوڑ بلند شہر کے راستہ سے جاتا تھا۔ اور کبھی مراد آباد چندوسی کے راستہ سے)

[2] یعنی حضرت مولاناؒ کے تین صاحبزادے تھے۔ جن میں سے ایک حضرت مولانا کی زندگی میں رحلت فرما گئے تھے۔ بعد میں دو صاحبزادے رہے۔ جیسا کہ آگے کے مضمون سے معلوم ہوا۔

مولانا مرحوم کی زندگی میں بہت خوش الحاق اور خوش بیان تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب بڑے اور مولانا حبیب اللہ صاحب منجھلے، دونوں بفضل خدا عالم باعمل ہیں۔ اور شب و روز دین اسلام کی خدمت میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی اولاد کو اپنے پدر و جد بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے رہنے کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین۔

فقیہ و عالم حق مفتی فقیراللہ　　جو ہر خلاف شریعت پہ کرتے تھے توبیخ
خدا کے خاص مقرب تھے حضرت والا　　کہ "خاصِ خاص" سے نکلی وفات کی تاریخ"
۱۳۸۲ھ

خاص: احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ کو بھی اپنے اساتذہ کرام میں سے حضرت مولانا فقیراللہ صاحبؒ سے خصوصی تعلق تھا۔ اور جن اساتذہ کرام کے تذکرہ میں ان کے والد ماجد کا نام ذکر کیا ہے ان میں سے ہیں۔ اور تذکرہ بھی قدرے مفصل ہے۔ والد صاحب کے نام کا ذکر کرنے پر یاد آیا کہ حدیث شریف میں ہے: **قال صلی اللہ علیہ وسلم اذا اخی الرجل فلیسالہ عن اسمہ و اسم ابیہ و ممن ھو فانہ اوصل للمودۃ** (رواہ الترمذی، از اشرف السوانح جلد اول) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب کوئی شخص کسی سے بھائی چارہ کرے تو وہ اس سے اس کا نام اور اس کے والد کا نام اور یہ کہ وہ کن لوگوں میں سے ہے دریافت کرلے، کیونکہ یہ بات علاقہ محبت کو زیادہ کرنے والی ہے۔" (ترمذی) چنانچہ حضرت والاؒ نے اپنے بعض خاص خاص اساتذہ کرام کے والد صاحب کا نام ذکر فرمایا ہے۔

جب حضرت مولانا فقیراللہ صاحبؒ نے رحلت فرمائی تو حضرت والاؒ جامع مسجد خیرالمدارس ملتان میں اعتکاف کی حالت میں تھے۔ اور یہ ناچیز بھی حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اطلاع ملنے کے بعد (غالباً تراویح سے فارغ ہونے کے بعد کی بات ہے) حضرت والاؒ منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے استاذ مرحوم کا تذکرہ فرمایا۔ اور یہ فرماتے ہوئے رقت طاری ہوگئی کہ اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اعتکاف نہ کرتا اور ان کے جنازہ میں شریک ہوتا، یا یہ فرمایا کہ ان کی نماز جنازہ پڑھاتا۔ غالباً استاذ مرحوم کی وصیت ہوگی کہ حضرت والاؒ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ایک بار حضرت والاؒ نے سفر فرما کر حضرت مولانا فقیراللہ صاحبؒ کی زیارت کی۔ یہ خادم ناچیز بھی ہمراہ تھا۔ اور حضرت مولاناؒ کی زیارت کی تھی۔ غالباً حضرت والاؒ ان کے چھوٹے صاحبزادے مولانا مولوی لطف اللہ صاحبؒ کے لاری کے حادثہ میں شہید ہونے پر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ بلکہ حضرت والاؒ کے ساتھ اس خادم کو جامعہ رشیدیہ کی زیارت کئی بار کرنا یاد ہے۔ لیکن حضرت والاؒ کے استاذ محترم کی زیارت ایک یا دو بار یاد پڑتی ہے۔

نقشہ تحصیل علوم مدرسہ رائے پور گوجراں:

شوال ۱۳۲۴ھ (اکتوبر ۱۹۰۶ء) سے تقریباً ماہ ربیع الاوّل ۱۳۲۸ھ (مارچ ۱۹۱۰ء) تک مدرسہ رائے پور گوجراں میں قیام رہا۔ حسب ذیل اساتذہ کرام سے کتب پڑھیں:

سنہ	استاذی حضرت مولانا فضل احمد صاحب	استاذی حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب
(۱)	۲۵-۱۳۲۴ھ منشعب، صرف میر، پنج گنج، دستور المبتدی نحو میر، گلستاں، مالابدمنہ	
۲۶-۱۳۲۵ھ	شرح مائۃ عامل، ہدایۃ النحو، مراح الارواح، مفید الطالبین، کافیہ، نفحۃ الیمین باب اوّل، ایساغوجی، قال اقول، مرقات، تہذیب، بوستان	منیۃ المصلی، قدوری، زلیخا
۲۷-۱۳۲۶ھ	شرح جامی، بحث فعل وحرف، شرح تہذیب، فصول اکبری، قطبی تصدیقات، اصول الشاشی	کنز الدقائق، سبعہ معلقہ، شافیہ، عبدالرسول، نفحۃ الیمن باب ثانی وثالث، سکندر نامہ
۲۸-۱۳۲۷ھ	شرح جامی، بحث اسم تا مرفوعات، قطبی تصورات، معہ میر تا ص ۱۹، ہدیہ سعیدیہ تا بحث کائنات الجو	شرح وقایہ اولین، نورالانوار، قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد، دیوان علی، تشریح الحروف، نیرنگ، عشق، انشاء خلیفہ

شرکت جلسہ ۲۷ سالہ دارالعلوم دیوبند وزیارت بزرگان

حضرت حکیم الامت کی اوّل بار زیارت وسماعت وعظ

(الف) اسی سال یعنی ۱۳۲۸ھ میں دارالعلوم دیوبند ضلع سہارن پور میں بڑا جلسہ ۲۷ سالہ دستار بندی کا ہوا۔ رائے پوری حضرات کے ساتھ جلسہ دیکھنے کے لئے دیوبند جانا ہوا۔ راستہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ایک شب ٹھہرے۔ دوسرے روز دیوبند پہنچ کر بہت سے بزرگوں کی زیارت سے شرف حاصل کیا۔ مندرجہ ذیل حضرات کے نام بھی یاد ہیں:

حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری، حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب۔

مولانا محمد انور شاہ صاحب اور مولانا حسین احمد صاحب نے وعظ عربی میں کہا تھا۔ اور مرشدنا حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے دو گھنٹہ الدنیا جیفة وطالبها کلاب اھ اُردو میں کہا تھا۔

(ب) جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری اسی سال فارغ التحصیل ہوکر دستار بندی میں شریک ہوئے۔

تحصیل بعض علوم بمقام گنجہ ۱۳۲۸ھ (ساڑھے تین ماہ):

''اسی سال جلسہ دارالعلوم دیوبند سے واپس ہونے کے بعد جب وطن آنا ہوا تو مخدومی المکرم استاذی حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ کے فرمان سے بمقام گنجہ ڈاک خانہ برنالی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات جانا ہوا۔ وہاں جا کر مخدومی المحترم حضرت مولانا سلطان احمد صاحب کی خدمت میں ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۸ھ (۲۵ مئی ۱۹۱۰ء) سے ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ (۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء) تک ساڑھے تین ماہ قیام کر کے کتب ذیل پڑھیں:

شرح جامی بحث اسم تا بحث تمیز، قطبی تصورات، میر قطبی تمام، سلم العلوم چند صفحات، شرح وقایہ آخرین۔''

''استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتی:

آپ حضرت مولانا محمود احمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے تھے۔ جو سید الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز کے دورۂ حدیث میں تلمیذ عزیز تھے۔ مدت تک ڈیرہ غازی خان میں اعلیٰ فنون کی تعلیم دیتے رہے تھے۔ اور جید عالم اور شیعہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے مناظر تھے۔ مولانا سلطان احمد صاحب بھی بڑے عالم اور جامع معقول و منقول تھے۔ اکثر درس نظامی کی کتابیں مدرسہ عربیہ نعمانیہ میں حضرت مولانا غلام احمد صاحب سے پڑھی تھیں۔ یونیورسٹی میں امتحان بھی پاس کیا تھا۔ عربی لکھنے کی بہت مشق تھی۔ حتیٰ کہ خطوط بھی تمام عربی میں لکھا کرتے تھے۔ پھر دارالعلوم دیوبند میں پہنچ کر استاذ المحدثین حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند لی۔ یہ گاؤں گنجہ ڈاک خانہ برنالی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات کے باشندے تھے۔''

مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی (۱۳۲۸ھ تا ۱۳۳۱ھ):

''پھر شوال ۱۳۲۸ھ (اکتوبر ۱۹۱۰ء) میں گلاؤٹھی ضلع بلند شہر جا کر مدرسہ منبع العلوم میں داخل ہوا۔ اور تقریباً پونے تین سال وہاں قیام رہا۔ کتب ذیل اساتذہ کرام سے پڑھیں:

سنہ	حضرت مولانا کریم بخش صاحب (مدرس)	حضرت مولانا غلام نبی صاحب (مدرس)	حضرت مولانا محی الدین صاحب (مہتمم)
۲۹-۱۳۲۸ھ	ملا حسن، مختصر المعانی مع تلخیص المفتاح، سراجی،	میبذی	حسامی، ترجمہ قرآن مجید پارہ نمبر ۱۶ تا آخر ختم سورۃ بقرہ
۳۰-۱۳۲۹ھ	میر زاہد رسالہ، حاشیہ غلام یحییٰ، حاشیہ بحر العلوم		

تصریح (خارج میں مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری سے)

سنہ	شرح چغمینی، باب تشریح الافلاک، سبع شداد، بست باب، اکرثاؤذوسیوس، تحریر اوقلیدس، مقالہ اولیٰ، خلاصۃ الحساب	بدیع المیزان، میر ایساغوجی، شرح جامی بحث اسم تمام	
۳۱-۱۳۳۰ھ	شرح عقائد نسفی		تفسیر جلالین شریف ۷ پارہ، مشکوٰۃ شریف تا کتاب الحج، ہدایہ اولین ربع اول

استاذی حضرت مولانا غلام نبی صاحب:

آپ رہنے والے علاقہ ضلع ہزارہ کے تھے۔ معقول ومنقول میں یکتا تھے۔ دورہ حدیث قدوۃ المحدثین حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز کے پاس پڑھ کر دارالعلوم دیوبند سے سند حدیث حاصل کی۔ پھر مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں دو تین سال مدرّس اوّل رہے۔ ایک مہینہ میں ان سے میبذی پڑھی ہے۔ پھر فتح پوری دہلی چلے گئے تھے۔ پھر تقریباً ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں یا اس سے پس وپیش اپنے وطن میں انتقال فرمایا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔"

"استاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحب:

آپ ایک قریہ ضلع لدھیانہ کے باشندے تھے۔ بہت حلیم اور طلبہ کے نہایت ہی خیر خواہ تھے۔ فارسی اور ابتدائی عربی وطن میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے۔ وہاں موقوف علیہ دورہ حدیث مولانا غلام رسول صاحب سرحدی وغیرہ اساتذہ سے پڑھ کر خاتمۃ المحدثین حضرت مولانا محمود الحسن صاحب سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حدیث لی، اور حضرت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ العزیز کے حکم سے مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرّس ہوئے۔ اور ہر قسم کی چھوٹی بڑی کتابیں ۲۸ برس پڑھائیں۔ اس اثناء میں ان کو بڑی بڑی تنخواہیں باہر سے آئیں۔ باوجودیکہ تنخواہ بہت قلیل تھی، مگر باہر نہیں گئے۔ اور اسی پر قانع رہے۔ اور اسی میں بروز جمعہ مورخہ یکم صفر ۱۳۳۹ھ مطابق جمعہ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۰ء گلاؤٹھی ضلع بلند شہر میں رحلت فرمائی اور خدا کو پیارے ہوئے، اللھم اغفر لہ۔"

"استاذی حضرت مولانا محی الدین احمد صاحب:

آپ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کے باشندے تھے۔ آپ سادات خاندان سے تھے۔ مہتمم مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی تھے اور چند گھنٹے پڑھاتے تھے اور جامع مسجد کی امامت بھی کرتے اور بزازی کی دکان تھی۔ اس پر بیٹھ کر کپڑا بھی بیچتے۔ اور سجدہ سہو کرنے کی کبھی ضرورت نہیں ہوئی۔ مورخہ ۲۴ رجب ۱۳۴۶ھ (۱۷/ جنوری ۱۹۲۸ء) کو فوت ہو گئے۔ عمر ۶۳ سال کی ہوئی۔ اللھم اغفر لہ۔"

"اُستاذی جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب بہاری:

آپ تھوڑی مدت مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی میں مدرّس رہے۔ ان سے میبذی صورت نوعیہ تک اور حسامی کے چند

اسباق پڑھے تھے۔"

"اُستاذی مولانا حسن نواز صاحب انبالوی:

حضرت مہتمم صاحب مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی ایک ماہ کے لئے چندہ کی غرض سے بھوپال گئے تھے۔ اور اپنے قائم مقام عارضی مولوی حسن نواز صاحب کو کر گئے تھے۔ مگر ان سے اسباق ہدایہ اوّلین، مشکوٰۃ وجلالین میں تسلی نہ ہوتی تھی۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد مہتمم صاحب تشریف لائے۔ لیکن اسباق یوں کے توں ہی رہے۔ اس لئے طلباء نے اسباق پڑھنے چھوڑ دیئے۔ اراکین مدرسہ نے مدرّس کی توہین محسوس کی۔ اس لئے فیصلہ کیا کہ جو طالب علم رہے ان سے ہی پڑھے یا اور کتابوں میں شریک ہو جائے۔"

"نوٹ: میبذی اور حسامی کے کچھ اسباق مولانا مولوی محمد یحییٰ صاحب بہاری مدرّس جدید سے اور جلالین، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ ربع اوّل کے اسباق ایک ماہ عارضی مدرّس مولوی حسن نواز صاحب کے سپرد بھی رہے۔ مگر طلبہ ان سے خوش نہ تھے۔"

سفر میرٹھ اور زیارت اکابر وسماع مواعظ حضرت حکیم الامتؒ وغیرہ:

"۱۳۲۹ھ (۱۹۱۱ء) میں شہر میرٹھ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مؤتمر الانصار کا جلسہ زیرِ نظامت حضرت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی ہوا۔ احقر گلاؤٹھی سے بمع دیگر طلباء مؤتمر الانصار میں میرٹھ حاضر ہوا۔ اکابر علماء کی زیارت کی اور علماء فحول کے مواعظ سنے۔ یہاں حضرت خاتم المحدثین مولانا محمود الحسن صاحب، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی زیارت سے مکرر شرف حاصل کیا۔"

"اور حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب دہلویؒ کے وعظ سنے۔"

سفر دہلی ومشاہدہ تاج پوشی جارج پنجم:

"۱۳۳۰ھ (۱۲-۱۹۱۱ء) میں شاہ انگلستان جارج پنجم کی شہر دہلی میں تاج پوشی ہوئی۔ احقر ایک ہفتہ رُخصت پر بمع مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری، دہلی گیا۔ اور شاہی جلوس کے عجائبات کا مشاہدہ کیا۔"

زیارت مزارات مقدسہ:

"اور مقدس مزارات کی زیارت کا بھی شرف حاصل کیا۔ خواجہ سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ، قطب العالم حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، استاذ الہند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ، ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب دہلویؒ، ان کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ ودیگر مقدس حضرات

کے مزارات کی زیارت سے بھی مشرف ہوا۔"

رحلت ماموں شاہ محمد صاحب:

"۱۳۳۰ھ میں ماموں شاہ محمد صاحب نے دارالفناء سے دارالبقاء کی طرف رحلت فرمائی اور مجھے ایک ہفتہ بعد گلاوٹھی اطلاع ملی۔"

مراجعت وطن:

"مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں عوضی مدرّس مولوی حسن نواز صاحب سے طلباء خوش نہ تھے۔ طلبہ نے اسباق بند کردیئے۔ ادارۂ اہتمام بعض مصالح کی بناء پر طلبہ کے اسباق کا حسب دلخواہ انتظام نہ کرسکا۔ اس لئے کچھ دنوں کے لئے مطول میرزاہد اُمور عامہ میں شریک ہوا۔ مگر دل نہ لگا۔ اس لئے بعض طلباء مدرسہ کے ترک پر آمادہ ہوگئے۔ احقر بھی انہی میں سے تھا۔ اس لئے ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۲ء یا ۱۹۱۳ء) میں مدرسہ ترک کرکے وطن کو واپسی اختیار کی۔"

چندروزہ قیام دیوبند و استفادہ از بعض اکابر اساتذۂ دارالعلوم:

"راستہ میں دیوبند اُترا۔ وہاں دارالعلوم پہنچ کر مولوی علی محمد صاحب بلوی کے پاس شیخ الحدیث حضرت مولانا محمودالحسن صاحبؒ کی مسجد کے حجرہ میں تین چار روز قیام کیا۔ اس اثناء میں دارالعلوم میں حاضر ہوتا اور بعض اسباق بھی سنتا اور بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوتا۔ چنانچہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب سرحدی کی زیارت سے بہرہ ور ہوا۔ اور حضرت مولانا شبیراحمد صاحب عثمانیؒ کے حمداللہ کے درس میں شریک ہوا۔ مشروطہ عامہ وخاصہ کا بیان ہورہا تھا۔"

"حضرت مولانا سید محمد انورشاہ صاحب کے درس مشکوٰۃ شریف سے بھی استفادہ کیا۔ مولانا غلام رسول صاحب سے اس زمانہ میں مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی، مولانا عبداللہ صاحب بلیانوالوی بھی جماعت طلبہ میں شمس بازغہ پڑھ رہے تھے۔ اس وقت "فلک" کا کہیں لفظ آیا۔ مولانا مرحوم نے ساری تقریر تعداد افلاک پر کی۔ اسی پر وقت ختم ہوگیا تو ملا خالد بصری نے کہا کہ استاذ ہمارا وقت ضائع کیا۔ عبارت کہاں سے پڑھی اور تقریر کہاں سے کی۔ مولانا مرحوم نے کہا: "ارے خرتوس! یہ ملا جالندھری آیا ہوا تھا۔ اس نے علم ہیئت پڑھا ہے مولانا کریم بخش صاحب سے، اور وہ مشہور ہیں۔ اس کو یہ معلوم ہوجائے کہ ان کا استاذ ہمارا شاگرد ہے اور ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں۔"

"علی ہٰذا مختصر معانی جو مولانا ابراہیم صاحب کے پاس ہورہی تھی وہ بھی سنی۔ ایک دن آیت وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا ہورہی تھی۔ میں نے اعتراض کیا۔ مولانا نے جواب دیا۔ میں نے پھر اعتراض کیا۔ غرض کہ دیر تک اعتراض وجواب ہوتے رہے۔ مجھے اب یاد نہیں کہ کیا اعتراض وجواب تھا۔"

تدریس بزمانۂ طالب علمی

''مدرسہ رائے پور گوجراں:

ماہ ربیع الاوّل ۱۳۳۱ھ (فروری ۱۹۱۳ء) میں جب وطن واپس آیا تو حضرات اساتذہ کے حکم کی تعمیل میں مدرسہ رائے پور گوجراں میں ایک ماہ کچھ اسباق پڑھائے۔ شرح جامی بحث فعل اور قلیوبی کے اسباق بھی تھے۔ مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب ملسوی اور مولانا مولوی عبدالجبار صاحب ڈربوی بھی زیر درس طلبہ میں تھے۔ اتنا یاد ہے۔ واللہ اعلم۔''

گنجہ ضلع گجرات:

اوائل جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ (اپریل ۱۹۱۳ء) میں بمشورہ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب دوبارہ گنجہ ضلع گجرات جانا ہوا۔ وہاں جا کر حضرت مولانا سلطان احمد صاحبؒ سے نصف رمضان المبارک تک کتب ذیل پڑھیں:

مقامات بدیع الزمان ہمدانی، مشکوٰۃ شریف تا کتاب الطلاق، تفسیر جلالین تا پارہ ۱۲۔

اس زمانہ میں مولوی محمد چراغ صاحب مقیم گوجرانوالہ بھی وہاں ابتدائی کتب شروع کئے ہوئے تھے۔ استاذ مرحوم نے ان کی ایساغوجی اور منیۃ المصلی میرے سپرد کر کے میرے لئے اسباق کی جگہ نکالی تھی۔

سفر گلاوٹھی، دہلی اور میرٹھ بسلسلۂ علالتِ استاذ اور استفادۂ علمی (۱۳۳۱ھ):

شوال ۱۳۳۱ھ (ستمبر ۱۹۱۳ء) میں پھر گلاوٹھی کا سفر کیا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت مولانا غلام نبی صاحب مدرسہ فتح پوری دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ اور مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری بیمار ہیں۔ اس لئے علاج کی غرض سے مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری کے ہمراہ شہر دہلی گیا۔ ایک ہفتہ حضرت مولانا غلام نبی صاحب کے پاس مدرسہ فتح پوری دہلی میں قیام رہا۔ علاج سے کچھ نفع محسوس نہ ہوا۔ تجربہ کار لوگوں کے مشورہ سے شہر میرٹھ کا ارادہ کیا۔ وہاں مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ میرٹھ میں قیام کیا۔ حضرت مولانا حاجی احمد علی صاحب سہارن پوری مرحوم اس وقت وہاں صدر مدرس تھے۔ ان کے درس میں بھی گاہے گاہے شرکت ہوتی رہی۔ غالباً 'توضیح تلویح' کے سبق میں ان کا مقولہ سنا گیا کہ صاحب قوت قدسیہ کی تعریف بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''تم نے تو صاحب قوت قدسیہ سنا، ہم نے آنکھوں سے دیکھا۔'' وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

ایک روز صدر میرٹھ جانا ہوا۔ وہاں کے عربی مدرسہ میں حضرت مولانا رسول خان صاحب پڑھا رہے تھے۔ شرح جامی اور میر زاہد امور عامہ کے درس میں تھوڑی دیر بیٹھنا ہوا۔ میرٹھ میں ۱۵ یا ۲۰ روز تک یونانی و ڈاکٹری علاج کرایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرمائی۔ نقاہت ہی کی حالت میں مولانا سلطان احمد صاحب نے مدرسہ عربیہ اشاعت علوم سرائے خام بریلی

کی مدرسی قبول کرلی تھی۔ بندہ کو بھی ہمراہ جانے کا کہا۔ بندہ نے بھی ہمراہ جانا منظور کرلیا۔

مدرسہ اشاعت علوم بریلی (۱۳۳۲ھ):

الغرض احقر مولانا موصوف کی معیت میں اوائل محرم الحرام ۱۳۳۲ھ (دسمبر ۱۹۱۳ء) میں مدرسہ اشاعت علوم سرائے خام بریلی پہنچے اور مدرسہ میں داخلہ لیا۔

استاذی المعظم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب:

آپ مدرسہ اشاعت علوم بریلی کے بانی اور مہتمم و شیخ الحدیث تھے۔ ہمیشہ دورہ حدیث اور بڑی بڑی ہر فن کی کتابیں پڑھاتے۔ بریلی میں تین مدرسے دیوبندیوں کے تھے۔

(۱) مصباح العلوم: اس کی بنیاد آیۃ من آیات اللہ قاسم الخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے زمانہ سے ہے اور اب تک چل رہا ہے۔

(۲) دوسرا مدرسہ اشاعت علوم، واقع سرائے خام، تقریباً پون صدی سے چل رہا ہے۔

(۳) تیسرا مدرسہ اشرفیہ، چوتھا مدرسہ منظر الاسلام بریلویوں کا۔ مگر مدرسہ اشاعت علوم اپنی ترقی کی وجہ سے سب سے بڑھا ہوا تھا۔ (حضرت مولانا) بڑی طبیعت کے جری اور اہل بدع پر بھاری اور بارعب تھے۔ اخیر عمر تک پڑھاتے رہے۔ دیوبند کے دار العلوم میں اکثر کتابیں مولانا غلام رسول صاحب سرحدی اور مقدام المحدثین حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دورہ حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ اور ۷ صفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۳ فروری ۱۹۴۴ء بروز پنجشنبہ میں ملک جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ اللھم اغفرلہ۔

مولانا عظامی نے تاریخ وفات تحریر فرمائی ؎

گزشتی آہ مولانائے یٰسین	زمرگ تو بسر کوہ غم افتاد
برآمد جاں زسرشد سال فوتت	مقام تو بہشت جاوداں باد
۳	۱۳۶۶ - ۳ = ۱۳۶۳ھ

استاذی جناب مولانا سلطان احمد صاحب بریلوی:

آپ بریلی کے رہنے والے تھے۔ بہت طبیعت کے تیز تھے۔ ایک سال سے کم مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں رہے۔ میں نے ان سے میر زاہد ملا جلال پڑھا تھا۔ پاکستان میں مدرسہ خیر المدارس ملتان میں بھی دو تین روز[1] ٹھہر کر کراچی چلے گئے تھے۔ پھر وہیں فوت ہوگئے۔ اللھم اغفرلہ۔

---

[1] اصل بیاض میں لفظ (روز) نہیں ہے۔ اندازاً لکھا ہے۔ سہواً رہ گیا ہوگا۔

استاذی جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب:

آپ ضلع سلطان پور کے رہنے والے تھے۔ آپ سے ہدایہ کا ربع ثانی پڑھا تھا۔ آپ حضرت مولانا محمد یسین صاحب مرحوم کے داماد تھے۔ اور قطب الارشاد حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ العزیز کے خلیفہ مجاز تھے۔ فوت ہوگئے ہیں۔ اللھم اغفر لہ۔

استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری:

بڑے ذہین اور فہیم ذی استعداد تھے۔ مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی میں رہے۔ میں نے اوقلیدس، خلاصۃ الحساب ان کے ساتھ پڑھی۔ جب کل درسیات معقول ومنقول سے فارغ ہوئے تو بریلی کے مدرسہ اشاعت علوم میں مدرس دوئم ہوئے اور بڑی بڑی کتابیں ہرفن کی پڑھائیں۔ چھ سات سال مدرسہ میں رہے۔ پھر وہاں سے بہاولپور آگئے۔ دو سال کے بعد اپنے وطن اصلی طورو ضلع پشاور (حال مردان) میں عرصہ تک درس دیا۔ ایک دفعہ ہمارے گاؤں عمروال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر بھی آئے تھے۔ اور ایک دفعہ میں بھی قصبہ طورو ضلع پشاور گیا تھا۔

نقشہ تحصیل وتکمیل علوم مدرسہ اشاعت علوم بریلی

	حضرت مولانا محمد یسین صاحب (شیخ الحدیث ومہتمم)	حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری	مولانا عبدالرحمٰن صاحب	مولانا سلطان احمد صاحب بریلوی
۱۳۳۲ھ				
	مطول، مقامات، حریری، نخبۃ الفکر، توضیح تلویح، دیوان حماسہ، دیوان متنبی	حمداللہ، ہدایہ ربع ثانی از کتاب الایمان تا آخر، صدرا، خیالی، ہدایہ اخیرین، قاضی مبارک، مسلم الثبوت	ہدایہ ربع ثانی تا کتاب الایمان	میرزاہد ملا جلال
۱۳۳۴ھ	موطا امام مالکؒ، شمس بازغہ	تفسیر بیضاوی، موطا امام محمدؒ، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، درمختار، میرزاہد امور عامہ		
۱۳۳۵ھ	بخاری شریف (کامل)	مسلم شریف، ابوداؤد شریف		

باقاعدہ تدریس بزمانہ طالب علمی ...... مدرسہ اشاعت علوم بریلی:

۱۳۳۲ھ (مطابق ۱۹۱۴ء) سے مدرسہ کی طرف سے میرے سپرد کچھ اسباق کر کے وظیفہ بھی مقرر کیا گیا، جو دو روپے ماہوار سے شروع ہو کر آٹھ روپے ماہوار تک پہنچا تھا۔ ان سالوں میں ابتدائی اور متوسطات درسیات اکثر پڑھائی گئی تھیں۔ شرح ملا جامی، نورالانوار، شرح وقایہ، مقامات حریری، ملا حسن وغیرہا مکرر سہ کرر زیر درس آ چکی تھیں۔

اخیر ۱۳۳۵ھ (مطابق ۱۹۱۷ء) میں صبح کے وقت تعلیم ذاتی اور شام کے وقت تدریس کے لئے وقت مقرر کر دیا گیا تھا۔''

دستار بندی اور اسناد از حضرات اساتذۂ کرام:

یہ بھی حضرت والاؒ ہی کے الفاظ مبارک میں ملاحظہ ہو:

''شعبان ۱۳۳۵ھ (مطابق مئی یا جون ۱۹۱۷ء) میں مدرسہ کا جلسہ سالانہ ہوا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب قاسمیؒ مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے مبارک ہاتھوں سے دستار بندی ہوئی اور دو سندیں عطا کی گئیں۔ ایک سند فراغ، دوسری سند تکمیل، جس میں بہت تعریف کے الفاظ لکھے گئے تھے۔

اسی سال منبع العلوم گلاؤٹھی ضلع بلند شہر سے حضرت مولانا کریم بخش صاحب صدر مدرّس اور حضرت مولانا محی الدین احمد صاحب مہتمم نے بصیغہ ڈاک ایک سند بھیجی۔ اس میں تعریفی الفاظ لکھ کر میری بہت حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔ حق تعالیٰ ان تمام اساتذہ کرام کو جزاء خیر عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام قرب و رضا عطا فرمائے اور درجات بلند فرمائے، آمین ثم آمین۔

نوٹ: یہ تینوں سندیں انقلاب ملکی کے عہد میں فسادات پنجاب کی نظر ہوئیں[1]''

علاوہ ازیں اکابرِ اُمت سے اجازت تعلیم و سند حدیث کا تذکرہ باب ششم کے اختتام پر آ رہا ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی باب پنجم کو ختم کیا جاتا ہے۔

---

[1] گو رائج اردو زبان میں یہ لفظ (نذر) استعمال ہوتا ہے۔ لیکن (نظر) ذوقاً اس شرح کے ساتھ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گویا فسادات کی نظر لگ کر ضائع ہو گئیں۔ ورنہ اہل علم و تقویٰ کو (نذر) کا لفظ بھی غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا غیرت توحید کے خلاف ہونے کی وجہ سے گراں گذرتا ہے۔ (آ ا)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ (بخاری شریف)

باب ششم

تعلیم وتدریس

حضرت والاؒ کی تعلیمی وتدریسی خصوصیات

طریقۂ تعلیم:

حضرت والاؒ کی زندگی کا ایک طویل حصہ درس وتدریس میں گزرا۔ شوال ۱۳۳۵ھ سال فراغت کے بعد سے لے کر شعبان ۱۳۹۰ھ سال وفات تک (یعنی ۵۵ سال کی مدت دراز تک) آپ تعلیم وتدریس میں مشغول رہے۔ اس ۵۵ سال کی مدت میں آپ نے ہر ایک علم وفن کی کتاب کو بار بار پڑھایا۔ اوران میں سے تقریباً چالیس سال آپ نے صحیح بخاری شریف کا درس دیا۔ آپ کو حدیث رسول ﷺ کے پڑھانے میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ جہاں کوئی اختلافی مقام آتا تو آپ اس کی خوب اچھی طرح وضاحت فرماتے اور دیگر ائمہ کے دلائل بیان فرما کر فقہ حنفی کی ترجیح کی مفصل مگر آسان الفاظ میں توضیح فرماتے۔ غیر مقلد حضرات کے اعتراضات کے جواب بالتفصیل بیان فرماتے۔ اور ساتھ ہی کبھی اپنے مناظروں کے حالات بیان فرماتے۔ مشکل سے مشکل مقام کو بہت آسان الفاظ میں مختصر جواب دے کر ہر طالب علم کے ذہن نشین فرمادیتے۔

سبق کے دوران طلباء کی حاضر دماغی کا خاص خیال رکھتے۔ جب کبھی کسی کو ذرا سست وغافل دیکھتے تو فوراً اس سے فرماتے کہ آگے تم پڑھو، یا پوچھتے کہ ابھی کیا مسئلہ بیان ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے ہر طالب ہوشیار رہتا۔ اسی طرح سبق میں حاضری کا خیال رکھتے۔ غیر حاضری پر گرفت فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے سبق سے بہت کم کوئی غیر حاضر ہوتا۔ سبق کے دوران تھکاوٹ واُکتاہٹ کو ختم کرنے کے لئے مزاح بھی فرماتے۔ سبق کے دوران اگر کوئی طالب علم کوئی سوال کرتا تو آپ تسلی سے اس کے سوال کا جواب دیتے اور سائل کی ذہنیت کو پڑھ کر جواب دیتے۔

انہی خصوصیات کی بناء پر دوسرے مدارس کے اکثر طلباء دورۂ حدیث شریف کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے علم وکمال سے مستفید ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج پورے عالم اسلام میں آپ کے تلامذہ اور متوسلین کی کوئی

---

۱ روایت اقی از مولانا عبدالشکور صاحب جنفیر پیسر۔

کی نہیں۔ کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کے استاد، خطیب، مدرّس، مہتمم آپ سے کسی نہ کسی طرح سے مستفید نہ ہوئے ہوں۔ بلکہ آپ کو آج بھی آپ کے متعدد شاگرد مقدس سرزمین حجاز مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ میں درس و تدریس یا کسی نہ کسی دینی کام میں مشغول و مصروف نظر آئیں گے۔ یہ ایک ایسا شجرۂ طیبہ ہے جس کی شاخیں پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اور جو یقیناً آپ کے علو درجات کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

اس لئے آپ کی ذات بابرکات کو افضل العلماء اور استاذ العلماء لکھا اور کہا جاتا ہے۔ صحیح معنوں میں آپ ہی اس کے مستحق ہیں کہ آپ کو استاذ العلماء اور فخر العلماء لکھا اور کہا جائے۔

بلکہ[۱] آپؒ ''استاذ الاساتذہ'' بھی تھے، کیونکہ اس وقت بہت سے اساتذۂ حدیث و شیوخ الحدیث بلکہ ان کے بعض اکابر کو بھی حضرت والاؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے۔ جیسا کہ اکابر تلامذۂ کرام کی فہرست سے معلوم ہوگا۔

آپؒ کے حدیث شریف سے شغف کا یہ حال تھا کہ ''اواخر[۲] عمر میں بھی پیرانہ سالی، ضعیفی اور سخت علالت کے باوجود بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ یہاں تک کہ تین آپریشنوں سے صحت یابی کے بعد بھی یہ کارِ خیر اخیر وقت تک جاری رہا۔ چنانچہ سال وفات میں آپ نے طلباء کو آخری بار بخاری شریف پڑھائی۔

اندازِ تدریس[۳]:

حضرت والاؒ کے انداز تدریس کے بارے میں حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیروالی اپنے تعزیت نامہ میں فرماتے ہیں:

''احقر کو حضرت نوراللہ مرقدہٗ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ احقر نے ابتدائی درسی کتب حضرت سے پڑھی تھیں۔ پڑھانے کا انداز ایسا پیارا اور دلکش تھا کہ درس کا ایک ایک لفظ لوح قلب پر مرتسم ہو جاتا تھا۔ کلام میں ایجاز و اختصار تھا۔ طویل اور لمبے مباحث کو چند جچے تلے الفاظ میں سمو دینا حضرت کا امتیازی وصف تھا۔''

''الخیر[۴]'' (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ) میں حضرت والاؒ کے طرز تعلیم پر یہ تبصرہ ہے:

''حسن تعلیم و تقریر:

آپؒ انتہائی شفیق استاذ اور مربی تھے۔ سبق کی تقریر دریا بکوزہ کی مثال ہوتی۔ اسلوب بیان سلیس اور دل نشین ہوتا تھا۔ لمبی لمبی تقاریر و مباحث کو نہایت اختصار کے ساتھ طلباء کو ذہن نشین کرا دینا حضرت والاؒ کا خصوصی کمال تھا۔ بسا اوقات منطق و فلسفہ کی بعض ادق مباحث پڑھانے سے ایک دن قبل طلباء سے فرماتے کہ ''کل کا سبق کچھ مشکل ہے، اس کا اچھی طرح مطالعہ کر کے آئیں۔'' لیکن دوسرے دن ایسی ترتیب (تسہیل سے بیان فرماتے کہ طلباء اسے نہایت سہل پاتے اور

[۱] (آ) [۲] (اق) [۳] (آ) [۴] (آ)

ایک دن قبل کی تنبیہ پر متعجب ہوتے۔ حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ تفہیم و تعلیم کے سلسلہ میں استاد خود مشقت برداشت کرے، طلباء پر بوجھ نہ ڈالے، حدیث پاک کی تدریس میں حضرت والاؒ، ائمہ مجتہدینؒ کے مستدلات کا ایسا محمل بیان فرماتے یا ایسا معنی خیز ترجمہ بیان فرماتے کہ وہ حدیث حنفیہ کی دلیل معلوم ہوتی۔

مشہور حدیث ''البیعان بالخیار ما لم یتفرقا'' معرکۃ الآراء حدیث ہے، اسی حدیث کی بناء پر حضرت امام شافعیؒ احناف سے ''خیار مجلس'' کے مسئلہ پر اختلاف فرماتے ہیں۔ اساتذۂ حدیث احناف کی طرف سے اس حدیث کی متعدد توجیہات بیان فرماتے ہیں۔ ''تفرق بالابدان'' اور ''تفرق بالاقوال'' کی تقسیم اور ''تفرق بالاقوال'' کے نظائر اور قرائن وغیرہ وغیرہ۔

حضرت والاؒ اتنی تطویل کی بجائے ایسا جچا تلا ترجمہ فرماتے کہ توجیہات کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ آپؒ فرماتے:

''البیعان بالخیار ما لم یتفرقا'' کا مطلب ہے کہ سودا کرنے والوں کو اختیار ہے جب تک سودا چکا کر الگ الگ نہیں ہوجاتے، ظاہر ہے کہ اس ترجمہ کے بعد یہ حدیث ''خیار مجلس'' کی دلیل نہیں بن سکتی اور غور کیا جائے تو یہ اسی ''تفرق بالاقوال'' کی موجز و حسین تعبیر ہے۔ فللہ درہ۔''

حضرت والاؒ کے درس میں احقر[1] مؤلف کی حاضری:

جب احقر کا تعلق دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار سے تھا، اس زمانہ میں تو تعطیلات رمضان المبارک میں حاضر خدمت ہوتا تھا۔ اس سے قبل سکول و کالج کی ملازمت کے زمانہ میں جب وہاں تعطیلات ہوتیں تو حاضر ہوتا۔ اور ان دنوں حضرت والاؒ کے بخاری شریف جلد ثانی کے درس میں (جو بعد نماز عشاء ہوتا تھا) حاضری بطور مرید کے ہوتی تھی۔ (طالب علمانہ نہیں[2])

مشاہدۂ مہارتِ تعلیم حضرت والاؒ اور شرف تلمذ احقر مؤلف:

الحمدللہ احقر مؤلف سوانح کو بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والاؒ سے کئی سال رمضان المبارک کی تعطیلات میں تلمذ کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والاؒ کو ہر درسی کتاب کے مشکل مقامات خوب مستحضر تھے، جن میں مدرسین کی رہبری فرمادیتے تھے۔ حتیٰ کہ شروع میں ایک سال احقر نے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار میں کریما پڑھائی تھی۔ اسی سال تعطیلات میں حضرت والاؒ نے اس میں ایک مشکل لفظ کا مطلب بیان فرمایا۔ وہ ''چرخ نیلی رواق'' میں ''رواق'' ہے جو ایک کثیر المعانی لفظ ہے۔ اسی طرح جس سال 'ہدایۃ النحو' پڑھائی، اس کے آخری باب یا خاتمہ وغیرہ کی کسی فصل میں شاید توابع میں سے بدل کی اقسام کا بیان تھا۔ اس میں ایک مقام کچھ مشکل تھا۔ تعطیلات رمضان میں حاضر خدمت ہوا۔ تو اس

---

[1] (آآ)

[2] درس میں طالب علمانہ حاضری سے مراد جس میں طالب علم استاد سے چوں و چرا یعنی سوال و جواب اور قیل و قال و تحقیق کرے کہ یہی مطلوب ہے اور مریدانہ جس میں مرید اپنے شیخ سے چوں چرا نہ کرے کیونکہ یہاں یہی مناسب ہے۔ اس کی تفصیل کتب تصوف اور حضرت حکیم الامۃؒ کے مواعظ میں سے لی گئی۔ (آآ)

سال احقر کے زیر درس کتب کا ذکر آنے پر اسی مقام کو حضرت والاؒ نے ذکر فرمایا۔ یہ کشف نہیں۔ بلکہ یہ ایسی نادر تعلیمی مہارت ہے جس کی نظیر مشکل ہی سے ملے گی۔ اس لئے کہ جس شخصیت نے تقریباً چالیس سال بخاری شریف کا درس دیا، اس کو کریما جیسی ابتدائی فارسی کی کتاب اور هدایۃ النحو جیسی ابتدائی نحو کی کتاب کے مشکل مقامات بھی محفوظ اور مستحضر ہونا معمولی بات نہیں ہے۔ اسی سے کتب متوسطہ کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ وہ تو اور زیادہ مستحضر ہوں گی۔ گویا زندگی کے اخیر دور میں جن کو ابتدائی کتب درسیہ کے مشکل مقامات کا بھی ایسا استحضار ہو ان کی تعلیمی مہارت کا کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ یاد آیا کہ احقر کے ایک معمر استاذ (جو حضرت والاؒ کے پیر بھائی اور حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز بیعت بھی تھے) انہوں نے سراجی کی شرح لکھی۔ احقر نے اس کا ایک نسخہ حضرت والاؒ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضرت والاؒ نے چند منٹ اس کو ملاحظہ فرما کر اس کے اخیری حصہ میں کوئی مشکل مقام نکالا۔ اور دیکھ کر کچھ ایسا فرمایا کہ اس اشکال کا جواب نہیں دیا، اس کو حل نہیں فرمایا۔ احقر کو وہ اشکال وغیرہ یاد نہیں۔

دینی کتب سے محبت اور ان کا اَدب:

جس طرح قرآن مجید کی تلاوت کے وقت عموماً ادب کے ساتھ ورق پلٹے جاتے ہیں، یوں سمجھئے کہ درسی کتب کے اوراق بھی حضرت والاؒ کچھ اسی طرح نہایت درجہ عظمت و محبت کے ساتھ پلٹتے تھے۔ حقیقتاً اکابر میں ادب بہت ہوتا تھا۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ جن کے علوم کی توصیف بھی اکابر ہی کر سکتے ہیں۔ بزرگوں نے بھی فرمایا ہے کہ ان کے علوم کی وجہ ان کا نہایت درجہ اَدب تھا۔ حضرت والاؒ کو درس دیتے ہوئے دیکھ کر کچھ ایسا محسوس ہوتا کہ کسی نہایت لطیف ولذیذ کیف سے سرشار ہیں۔ درحقیقت علوم میں روحانی لذت بھی عجیب ہوتی ہے۔

رمضان المبارک میں حضرت والاؒ کی تدریس کتب جن میں چند سال احقر مؤلف کو شرف تلمذ حاصل ہوا:

احقر مؤلف کو چند سال رمضان المبارک میں جو حضرت والاؒ سے بعض کتب پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، ان کی تاریخ وار یادداشتیں مع بعض اشارات درس احقر مؤلف کے پاس ایک فائل میں محفوظ ہیں۔ اس فائل سے اور کچھ اپنی یادداشت سے یہ تحریر لکھی جاتی ہے:

۱۳۷۸ھ میں حضرتؒ والاؒ نے علامہ سیوطیؒ کی الاتقان فی علوم القرآن کا درس دیا۔ یادداشت میں ۴ رمضان المبارک تا ۶ شوال ۱۳۷۸ھ تحریر ہے۔ یہ بھی تحریر ہے کہ مولانا محمد صدیق صاحب مدرّس خیرالمدارس کا عبارت پڑھنا یاد ہے، نیز یہ کہ ”یہ یاد نہیں کتنا حصہ ہوا تھا۔“

رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ میں حضرت والاؒ نے مثنوی معنوی کا درس دیا تھا۔ اس میں حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ بھی شریک تھے۔ بلکہ روزانہ بعد عصر ملفوظات بھی اکثر انہی کا پڑھنا یاد ہے۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ کو بعض اہلِ باطل خصوصاً مبتدعین کے افتراءات کے مدلل جوابات وغیرہ بیان فرمائے تھے۔

یکم رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ (بروز سہ شنبہ ۵ جنوری ۶۵ء) کو عقود رسم المفتی کا متن شروع کرایا اور ۱۲ رمضان المبارک کو ختم ہوا۔ اور یکم رمضان ہی کو طریقۂ تعلیم شروع کرایا اور متعدد علوم وفنون کی ابتدائی کتب کا طریقۂ تعلیم بتایا اور مختلف دینی علوم وفنون آلیہ وغیرہ کی تدریس کا طریقہ اور خصوصیات وغیرہ پر کم از کم وقت میں عبور کرادیا تھا، جس میں سے بعض یادداشتیں محفوظ ہیں۔

۷ رمضان المبارک سے ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ تک فن تصوف کی تعلیم دی اور اصول الوصول میں سے اخلاق حسنہ تک سبق ہوا۔ اس درس کی بعض یادداشتیں بہت زیادہ مفید ہیں۔

۳ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو حضرت والاؒ نے الدرالمختار شروع کرائی۔ اس کے بعد غالباً ۴ ہی کو حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب مدظلہٗ نے پڑھانا شروع کیا۔ مقدمہ ختم ہوا اور کتاب الطہارۃ ص ۳۲ (غسل واجب کے ختم تک) درس دیا۔ مولانا منظور صاحب اس میں شریک درس تھے۔

۳ رمضان ۱۳۸۷ھ ہی کو حضرت والاؒ نے التصریح فی شرح التشریح کا درس دینا شروع فرمایا۔ اور ۲۴ رمضان تک درس ہوا۔ الفصل الثالث ختم ہوئی۔ تاختم ص ۵۰ نسخہ مطبع علیمی، لاہور، اور تا ص ۵۴ نسخہ مجتبائی) اس میں بھی مولانا منظور صاحب نیز دیگر بعض علماء و مدرّسین شریک درس تھے۔ یہ کتاب احقر کی سمجھ میں بہت کم آئی، کیونکہ اس سے قبل اس فن کی کوئی اور کتاب نہیں پڑھی تھی۔ (سوائے سکول میں جغرافیہ پڑھنے کے جس میں کچھ بیان کسوف وخسوف عرض وطول بلد اور گردش ارض وغیرہ کا تھا۔ اس کے بعد بی۔اے میں جغرافیہ لیا تھا۔ لیکن اس میں دوسرے موضوعات تھے)

فن سلوک اور اصول الوصول کا سبق نیز عقود رسم المفتی کا درس حضرت والاؒ کے کمرہ (دارالاہتمام) کے سامنے چارپائیوں پر اور التصریح کا درس سابق دارالحدیث کی دیوار کے متصل تخت اور چارپائیوں پر بیٹھ کر نائب مہتمم حضرت مولانا شریف صاحب جالندھریؒ کی درس گاہ کے سامنے ہونا یاد ہے۔

اصول تعلیم وتعلم اور متعلقات اصول کی بابت حضرت والاؒ کے معمولات وملفوظات اور ہدایات

یہ اصول اساتذہ وطلباء سب ہی کے لئے نہایت مفید ہیں۔ اُمید ہے کہ نہ صرف اساتذہ وطلباء، بلکہ مدارس چلانے والے ذمہ دار حضرات سب ہی ان کی قدر فرمائیں گے اور ان پر عمل کرکے دنیا وآخرت کا بھرپور فائدہ اُٹھائیں گے۔ کیونکہ جوہری سے بڑھ کر جواہرات کی قدر کون جان سکتا ہے۔ لیکن پوری قدر تو ان پر عمل کرنے والے حضرات ہی سمجھ سکیں گے، ان شاءاللہ تعالیٰ۔ (آ ا)

اساتذہ کے لئے سنہری اصول

(۱) دینی تعلیم مع اپنے مبادی کے طاعت ہے، اس کا ثمرہ آخرت میں ثواب کثیر ہے۔ تمام اساتذہ ثواب ہی کی نیت سے دینی تعلیم کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں اور ضروریات معاشیہ تنخواہ وغیرہ کو اس کا وسیلہ وذریعہ سمجھیں۔

(۲) اساتذہ تعلیمی شغل کے علاوہ طلباء کے دین اور اخلاق کی بھی حتی الوسع نگرانی کریں اور بوقت ضرورت امر ونہی سے بھی کام لیا کریں اور طلباء کو بھی پابند بنائیں۔

(۳) اساتذہ مطالعہ کے وقت ذہن میں ہر سبق کی ایسی ترتیب دے لیا کریں جسے طلباء کے اذہان بآسانی ضبط کرسکیں۔ تقریر میں توضیح اور سہولت کا لحاظ رکھیں۔

(۴) اگر طالب علم کوئی معقول بات کہے اس کو مان لیا کریں، خواہ اپنی تقریر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، خواہ مخواہ اپنی بات کی پچ نہ کیا کریں۔

(۵) کم محنت اور بدمحنت طلباء سے محنت لینے اور یاد کرانے کا بھی مناسب طریق اختیار کریں۔

(۶) ہر کتاب کے شروع میں اس فن کے مبادیٔ ثلاثہ (حد، موضوع، غایت) اور ترجمۂ مصنف اور کتاب کی خصوصیات اور طرزِ تعلیم بھی طلباء کے ذہن نشین کرادیا کریں۔

درجہ قرآن مجید کے استاذ کے لئے چند کارآمد ہدایات:

(۱) تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس زمانہ میں بچوں پر زیادہ سختی نقصان دہ رہتی ہے، بلکہ بعض دفعہ بددلی کا باعث ہوکر قرآن مجید کے حفظ کی دولت سے محروم کردیتی ہے۔ اس لئے حسن تدبیر سے بچہ کے قلب میں تعلیم وحفظ کا شوق پیدا کرنے کی صورت اختیار کی جائے اور اس کی شرارت وبے ادبی پر صبر وتحمل سے کام لے کر شفقت سے سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

(۲) اپنے شاگردوں یا ان کے ورثاء سے کسی ادنیٰ نفع کی بھی ہرگز ہرگز توقع نہ رکھی جائے۔ غریب وامیر کے بچہ کی تعلیم میں کوئی امتیاز نہ کیا جائے۔

(۳) تمام بچوں کو شرعی آداب وعمدہ باتیں بتلائی جائیں اور ان پر عامل بنانے کی عادت ڈلوائی جائے۔

(۴) طریقۂ تعلیم مجوزہ کے مطابق تعلیم دی جائے اور نصاب کو پورا کیا جاوے۔ (آئینہ نصاب تعلیم)

خیرالافادۃ فی المطالعۃ والتکرار والاعادۃ

(طلباء کے لئے تعلیمی ہدایات)

ایک دفعہ فرمایا: ''طالب علم کے لئے اس کے سبق کا تکرار اور آئندہ پڑھنے والے سبق کا مطالعہ از حد ضروری ہے۔ اس سے پہلا سبق ذہن نشین ہوتا ہے اور مطالعہ سے پڑھنے والے سبق کو سمجھنا آسان ہوتا ہے۔''

(ملفوظ منجملہ ملفوظات بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زید مجدہم، بواسطہ ا ق)

طلباء کی اصلاح اور تزکیۂ نفس مع تعلیم:

حضرت والاؒ علوم قرآن و حدیث ہی کے امام وقت نہ تھے، بلکہ خانقاہ اشرفیہ سے تصوف اور تزکیہ کے سند یافتہ زبردست محقق عالم بھی تھے۔ (بلکہ آپ کا شمار حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے زمانہ علالت میں گیارہ مخصوص خلفاء کے نام شائع فرمائے تھے، جس میں تحریر تھا کہ ''اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں، جن کے طرزِ تعلیم پر مجھے اعتماد ہے۔'' ان گیارہ مخصوصین میں آپؒ کا اسم مبارک بھی شامل تھا، جو بہت بڑی سعادت ہے) آپؒ کے سامنے یہ حقیقت تھی کہ تزکیہ نفس کی بنیاد پر ہی تعلیم و عبادت، اخلاق و احسان اور معاملات قائم ہیں۔ اس کے بغیر یہ تمام اجساد بے روح اور تمام تصاویر بے رنگ ہیں۔ انسان کی انفرادی، اجتماعی، ظاہری، باطنی، خانگی، بیرونی، اخلاقی، معاشرتی، تجارتی، معاہداتی، تمام خرابیوں کی اصلاح اور خرابیوں کے عوامل اور محرکات کو پہچان کر دل کو ان سے پاک کرنا، اور ان کے خلاف خدا پرستی، صداقت، ہمدردی، اخلاص اور ان کے جذبات کو دلوں کے نہاں خانوں میں جلوہ گر کرنا تزکیہ کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ آپؒ تعلیم کے ساتھ طلباء کی اخلاقی و روحانی تربیت اور رذائل نفس کی اصلاح پر پوری توجہ فرماتے۔ خود بھی تمام معاملات میں اتباع سنت کا اہتمام فرماتے اور طلباء کے اخلاق و عادات کو بھی سنوارنے کی سعی فرماتے۔ طلباء کی ظاہری شکل و صورت، وضع قطع اور لباس میں خلاف شریعت بات گوارا نہ فرماتے تھے۔'' (الخیر شعبان ، رمضان، ۱۴۰۷ھ، ص ۱۶)

ناغہ سے احتراز...... حب حدیث نبوی شریف اور عشق رسول ﷺ:

حضرت مولانا فضل محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی اپنے تعزیت نامہ میں فرماتے ہیں:

''ضعف و نقاہت اور بڑھاپے و علالت کے باوجود جب تک طاقت گفتار رہی، بخاری شریف کے درس کا ناغہ نہیں کیا۔ اس سے حضرت اقدسؒ کے عشق رسول ﷺ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔''

حدیث سے محبت:

ایک دفعہ بخاری شریف کے سبق کے دوران فرمایا کہ جن لوگوں کو حضور ﷺ کی احادیث سے محبت نہ ہو ان کو بخار

آتا ہے، بخاری نہیں آتی۔ (ملفوظ نمبر ۵، بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زید مجدہم، بواسطہ اق)

ناغہ سے احتراز:

ایک دفعہ کوئی صاحب جلسہ کے لئے دعوت دینے آئے تو آپؒ نے فرمایا کہ میں حدیث رسول کا سبق چھوڑ کر کیوں جاؤں۔ ایک دن کے ناغہ سے طلباء کا کتنا نقصان ہوگا۔ (ملفوظ بروایت مذکورہ بالا)

سبق کے ناغہ کا ضرر:

ایک دفعہ کچھ طالب علم ناغہ کر کے آئے تو آپ نے فرمایا کہ طالب علم کے لئے سبق کا ناغہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ بیمار شخص کے لئے بد پرہیزی۔ (یعنی جس طرح بیمار آدمی بد پرہیزی کی وجہ سے شفایاب ہونے کی بجائے زیادہ بیمار ہوتا ہے، اسی طرح ناغہ کرنے سے طالب علم کو اپنے سبق سے انس نہ ہونے کی وجہ سے شوق ختم ہو جاتا ہے[1])

اسباق کی پابندی اور ناغہ کے ضرر سے متعلق حضرت والاؒ کے مندرجہ ذیل دو ملفوظات حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب (استاذ الحدیث خیر المدارس) نے احقر مؤلف کو تحریر فرمائے:

۱- پابندیٔ اسباق: فرمایا کہ جب میں پڑھتا تھا، شوال سے آ کر شعبان کی تعطیلات پر گھر جاتا تھا۔ حضرت کے بڑے صاحبزادے حافظ رشید احمد مرحوم کی ولادت کا خط پہنچا تو پھر بھی گھر نہ آئے، بلکہ تعطیلات پر ہی آئے۔

۲- ناغہ کا ضرر: اور فرمایا کہ مسلم شریف کا ایک سبق دورے والے سال میں مجھ سے رہ گیا۔ اس سبق والی جگہ آج تک ایسی از بر نہیں جیسی بقیہ مسلم شریف۔ یہ صرف اس ناغہ کی بے برکتی تھی۔

اُستاد کا اَدب

علوم کا فیضان اور القاء بڑی حد تک استاد کے ادب و احترام پر موقوف ہے۔ بطور نمونہ اس سلسلہ میں حضرت والاؒ کے یہ چار ملفوظات محترمی مولانا عبدالشکور صاحب کے مرتبہ جو مکرمی ماسٹر اقبال قریشی سے حاصل ہوئے، یہاں درج کئے جاتے ہیں:

ملفوظ نمبر ۲۱: ایک موقع پر فرمایا کہ ہر طالب علم کو اپنے اساتذہ کا اپنے والدین سے بھی زیادہ ادب و احترام کرنا چاہئے۔ اس سے استاد کے دل میں طالب علم کی تعلیم کا اہتمام پیدا ہوتا ہے۔

ملفوظ نمبر ۳۴: ایک مجلس میں فرمایا: ”جس کام میں شیخ یا استاد راضی نہ ہو وہ کام خواہ کتنا ہی اچھا ہو اس میں برکت نہیں ہوتی۔“

ملفوظ نمبر ۳۵: ایک دفعہ فرمایا: ”جس کام کا شیخ یا استاد حکم دے اس کے لئے تیار نہ ہو تو بھی اس کو شروع کر دینا چاہئے۔“

ملفوظ نمبر ۳۶: ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاگرد کو اپنے استاد سے اور مرید کو اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانی نہیں چاہئے، تاکہ اس کی بہتر اصلاح ہو۔

---

[1] مابین القوسین عبارت کا اضافہ حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ العالی کا افادہ و اضافہ ہے۔ (آ)

تعلیم میں سیاسیات سے یکسوئی

ہم بھی[۱] یکہ والے ہیں:

کسی یکہ والے کے سامنے انتخابات کا ذکر ہوا۔ اس نے کہا: "خواہ کوئی جیتے کوئی ہارے، ہمیں تو اپنا یکہ چلانا ہے۔"
اس پر حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ ہم بھی یکہ والے ہیں۔ کوئی بھی کامیاب ہو، ہمیں تو اپنا کام کرنا ہے (یعنی مدرسہ کا اہتمام و تعلیم اور دعوت و تبلیغ اور تزکیۂ نفوس) یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ذکر میں مشغول رہنا ہے جو کہ مقصدِ حیات انسانی ہے۔ کیونکہ کُلُّ مطیعٍ ذاکرٌ. اور اس سے بڑھ کر سنت کے مطابق کونسی عبادت ہوگی جو کہ خود نیابت رسولؐ ہے۔ یعنی ہنگامی کاموں میں حصہ لینے کے بجائے یکسوئی کے ساتھ ٹھوس بنیادی اور دین کا ٹھوک کا کام (یعنی اہتمام مدرسہ اور تعلیمی، تبلیغی اور تزکیۂ نفوس کا کام) کرنا ہے۔ اسی بات سے حضرت والاؒ کے سیاسیات سے یکسوئی کے درجہ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

دین کے قلعے:

دینی مدارس دراصل دین کے قلعے ہیں۔ ان کی حفاظت دینی خدمات میں سے فرض اوّلین ہے۔ کیونکہ ایمان کا مدار ہی علم دین پر ہے۔ علم کے بغیر نہ ایمان محفوظ رہ سکتا ہے نہ عقائد صحیحہ۔ نہ ہی ارکانِ اسلام میں سے کسی کا پتہ چل سکتا ہے نہ ان پر عمل ہو سکتا ہے۔ علم شریعت کے بغیر تصوف زندقہ کا دوسرا نام ہے۔ تصحیح نیت، تزکیہ اخلاق اور احسان کا تو ذکر ہی کیا۔ نہ ہی علم دین چھوڑ کر جہاد صحیح ہو سکتا ہے، نہ تبلیغ و دعوت کا کام ہو سکتا ہے۔ دین کے قلعوں کی حفاظت چھوڑ[۲] کر میدانوں میں نکل جانا دین کے قلعوں کو دشمن کے حوالے کرنے اور دین سے محروم ہو جانے کے مترادف ہے۔

درۂ جبل احد کے تیر انداز:

جبل احد کے درہ پر نوجوان صحابہ کرامؓ میں سے پچاس تیر اندازوں کو مقرر فرمایا گیا تھا، اور حکم ثانی تک وہیں ٹھہرنے کا حکم تھا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو رہی ہے تو یہ خیال ہوا کہ اب تو یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ مالِ غنیمت لوٹا جائے تا کہ سب مسلمانوں کے کام آئے۔ خیال فرمائیے، یہ مال غنیمت خاص ان پچاس حضرات کو ملنے والا نہیں تھا۔ وہ تو سب جمع ہو کر پھر حضور ﷺ کے امر مبارک سے قانون شرعی کے مطابق تقسیم ہوتا تھا۔ ان کی یہ حب دنیا بھی دین کے لئے تھی کہ تمام مسلمانوں کو مالی تقویت پہنچنے سے اسلام کو شوکت حاصل ہوگی۔ آج کل تو اس کے برعکس

---

۱ اس کی اصل حضرت والاؒ کا ایک ملفوظ ہے (جس کو (اق) نے روایت کیا ہے) اس وقت اس کا ماخذ ملا نہ تھا۔ اس لئے اپنی یادداشت سے لکھ دیا تھا۔ اب اصل ملفوظ ملنے کے بعد اس کو خیر الملفوظات کے ساتھ محفوظ کر دیا تھا۔ (آ ا)

۲ اس سے یہ مراد نہیں کہ دین کا اور کوئی کام ہی نہ کیا جائے۔ نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ اہل مدارس اپنے مدارس کا کام پورے اخلاص اور یکسوئی سے کرتے رہیں۔ اور دین کے دوسرے کام اور حضرات کرتے رہیں۔ (آ ا)

معاملہ ہے۔ان کو دنیا سے بھی دین مقصود ہوتا تھا۔اور ہماری غرض دین سے بھی دنیا ہوتی ہے۔ بقول شاعر ؎

ہم[1] نے پھولوں کو لگایا ہاتھ کانٹے ہوگئے
تم نے کانٹوں پر قدم رکھا گلستاں کردیا

لیکن اس کے باوجود غزوۂ احد کا پانسہ پلٹ گیا۔اور فتح صورۃً شکست سے بدلنے کے قریب ہوگئی۔ حقیقۃً شکست تو سپہ سالار کی شکست ہوتی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو برابر یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے: انا النبی لا کذب. انا ابن عبدالمطلب. اس لئے یہ عرض کیا کہ فتح صورۃً شکست سے بدلنے کے قریب ہوگئی، نہ کہ حقیقۃً۔

یا اہلِ مدارس! آپ بھی اس وقت درۂ احد کے ان تیراندازوں کی طرح ہیں۔دیکھئے دشمن کہیں پیچھے سے حملہ نہ کردے۔نہیں! بلکہ اب تو دین اسلام پر پیچھے سے حملے پر حملے ہورہے ہیں۔خبردار جو میدان کی طرف رُخ کیا۔ یہاں جمے رہئے۔للہ صبر سے کام لیجئے اور جم کر کام کیجئے۔ پیچھے سے دین پر حملے کرنے والوں کو روکے رکھنا ہے۔

اور اے دین کے قلعوں کے پاسبانو! اگر آپ نے قلعوں کو چھوڑ کر میدان کا رُخ کرلیا تو قلعے اور میدان خدانخواستہ سب دشمن کے ہاتھ آجائیں گے۔لہٰذا خبردار! ہوشیار! بیدار! کبھی دشمن اپنے دوستوں ہی کے کان بھر دیتا ہے اور دوست ہی حجرہ نشینی کا طعنہ دینے لگتے ہیں۔خبردار! جو اپنے بھولے بھالے دوستوں کے کہنے میں آئے یا دشمن کے طعنہ سے متاثر ہوئے (سلاح المومن الوضوء. وضو مومن کا ہتھیار ہے۔اسی طرح مدارس میں یکسوئی سے کام کرنا بڑا جہاد ہے)

اب اس کے بعد حضرت والاؒ کا ایک ملفوظ بغور ملاحظہ فرمائیے:

ایک موقع پر جبکہ خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ ڈیرہ اسماعیل خان وغیرہ کا دورہ کرکے واپس آئے تو حضرتؒ نے فرمایا کہ دینی مدارس کے طلباء اور اساتذہ کو عملی طور پر سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔اس سے تعلیمی ماحول ختم ہوجاتا ہے۔(اس کے بعد بعض مدارس کی مثال بھی دی)

(ملفوظ ۲۰، بروایت مولانا عبدالشکور صاحب)

اس موضوع پر ذیل میں ''الخیر'' سے لیا ہوا مفصل اقتباس پیشِ خدمت ہے:

''تعلیم وتدریس کے نظم میں حضرتؒ کا ایک خاص مزاج تھا اور آپؒ نہایت استقامت سے اس کی پابندی فرماتے تھے۔ حضرت سیاسیات[2] کے خلاف نہ تھے، بلکہ اس باب میں آپ کی مستقل خدمات ہیں۔قیام پاکستان سے قبل حضرت حکیم الامتؒ

[1] ''شعر بحوالہ الخیر''۔امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے یہ شعر پڑھ کر فرمایا تھا کہ ہم اخلاف اور ہمارے اسلاف میں یہ فرق ہے۔(آ)

[2] یعنی جو سیاست دین کی خادم اور شریعت اسلامیہ کی کاملاً تابع ہو۔آج کل ایسی سیاست مفقود یا کالمفقود ہونے کی وجہ سے اب اس لفظ ''سیاست'' کو اس معنی میں بغیر شرح سمجھنا ہی مشکل ہوگیا ہے۔جس سیاست میں حضرت والاؒ کی خدمات ہیں وہ سنت کی حدود کے اندر اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین والی سیاست ہے۔آج کل کی سیاست میں حصہ لینا یوں تو حدود وقیود شریعت کی پابندی اور اتباع سنت کرتے اس شعر کا مصداق ہے ؎ درمیان قعر دریا تختہ بندم کردئی بازی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش
لیکن مجدد تھانویؒ نے کہیں فرمایا ہے کہ محققین ایسی حالت میں کھڑے ہوکر تیرتے ہیں اور دامن تر نہیں ہونے پاتا۔حضرت والاؒ کا سیاست میں حصہ لینا حضرت حکیم الامتؒ کے اسی ارشاد کا مصداق تھا۔آپ کی جو دینی سیاست والی مساعی ہیں ان کا تذکرہ دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے۔کہ وہ کس قسم کی سیاست میں کس حد تک حصہ لیتا تھا۔وہ تو دراصل اصلاحات میں سے ایک باب تھا یعنی اصلاح سیاست۔کیونکہ آج کل کی سیاست میں اولین شے ''حب جاہ'' ہے۔جس سے دور ونفور رہنا حضرت والاؒ کے حالات سے روز روشن کی طرح واضح ہے۔(آ)

کے موقف کی حمایت اور تحریک پاکستان کی عملی جدوجہد میں حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد علماء حق کے باہمی اتحاد واتفاق کے لئے کوشاں اور اسلامی دستور کی تمام کوششوں میں شریک رہے۔ مگر مدرسہ میں ذہنی تشتت، پراگندہ خیالی، آزادروی اور سیاسی ذہن کے قائل نہ تھے۔ آپ فرماتے تھے:

''ہم تقسیم کار کے قائل ہیں۔ اہلِ باطل کے حملوں سے دفاع اور ان کے خلاف عملی اقدام کے لئے سیاسی میدان کی بھی ضرورت ہے۔ سیاست کا ایک مستقل میدان ہے اور تعلیم دین اس سے مختلف الگ شعبہ ہے۔ اختلاط سے دونوں شعبے کمزور ہوتے ہیں اور کوئی کام بھی صحیح نہیں ہو پاتا۔ اپنے اپنے مزاج کے مطابق سیاست میں حصہ لیا جائے مگر تعلیم سے فراغت کے بعد، دورانِ تعلیم غیر تعلیمی مشاغل، بالخصوص عصر حاضر کی سیاسیات میں آلودگی طلباء کے لئے سم قاتل ہے۔''

حضرتؒ کے اسی تصلب واستقامت کا نتیجہ تھا کہ بحرِ سیاست میں بلاخیز طوفان آئے، مدوجزر کی تند وتیز لہروں نے بیسیوں کے نظامِ تعلیم کو تہہ وبالا یا کم ازکم متاثر ضرور کیا، لیکن خیر المدارس کے سکون واطمینان اور تعلیمی اُمور میں ان خارجی مسموم ہواؤں کا کوئی اَثر محسوس نہ ہوا۔ یہاں کے اساتذہ اور طلباء جو بقول حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، خیرالاساتذہ اور خیرالطلبہ کا مصداق ہیں، بدستور اپنی تعلیمی وتدریسی مصروفیات میں منہمک رہے۔ حضرتؒ کی زندگی کے آخری ایام میں سیاست نے ایک وبائی مرض کی حیثیت اختیار کرکے تقریباً تمام مدارس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور خالص دینی، تعلیمی وتدریسی کام ناممکن کے قریب تھا۔ ان حالات میں بھی آپؒ نے اپنی فطری سلامت طبع، میانہ روی، اعتدال مزاجی، حسن انتظام، تحمل وبرداشت اور تدبر وفراست کے ساتھ خیرالمدارس کے تعلیمی سفینہ کو منزل تک پہنچایا۔ اس دور میں اساتذہ اور طلباء کو سیاست میں آلودہ ہونے سے بچانا اور مدرسہ کے ماحول کو خارجی اثرات سے متاثر نہ ہونے دینا یقیناً حضرتؒ ہی کی کرامت تھی۔

ایک نازک مرحلہ:

اس سلسلہ میں ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ایک ایسا مرحلہ پیش آیا جس سے عہدہ برآ ہونا آپؒ ہی کی خصوصیت تھی۔ ایک طرف ختم نبوت جیسے اساسی اور مدار کفر وایمان مسئلہ کی حتی الامکان علمی، عملی، اخلاقی، تبلیغی تائید وحمایت کا تقاضا تھا، دوسری طرف مدرسہ میں تعلیمی نظم ونسق کو برقرار رکھنا اور باہر کے ہنگاموں سے یکسو رہ کر تعلیم وتعلم میں مشغولیت کا مسئلہ تھا.... اساتذہ وطلبہ کا ایک ہنگامی اجتماع طلب فرمایا۔ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضرتؒ نے فرمایا کہ:

''تحریک میں حصہ لینا دین کا کام ہے۔ ہم اس سے ہرگز منع نہیں کرتے، مگر ہر کام نظم وضبط اور اصول کے تحت کیا جانا مفید ہوتا ہے۔ آپ میں سے جو طلباء تحریک میں عملی حصہ لینا چاہتے ہیں وہ اپنا نام پیش کردیں۔''

حضرتؒ کے ان جملوں سے طلباء سمجھے کہ بس حضرت والاؒ نے ان کے جوش وخروش کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے

ہیں۔ دھڑا دھڑ اپنے نام پیش کیے۔ حضرتؒ نے لکھنے والے کو حکم فرما کر سب نام لکھوا دیئے۔

اس کے بعد حضرتؒ نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ''جن طلباء نے نام پیش کئے ہیں، ہم انہیں بخوشی رخصت دیتے ہیں۔ وہ تحریک میں شرکت کریں۔ تحریک ختم ہونے پر اگر وہ سالانہ امتحان سے قبل واپس آ گئے تو انہیں امتحان میں بھی بیٹھنے کی اجازت ہوگی، کامیابی پر سند بھی دیں گے۔۔

اگر امتحان میں شرکت نہ کر سکے تو آئندہ سال سابق درجہ میں داخل بھی کرلیں گے۔ ہم تحریک میں حصہ لینے والوں پر ناراض نہیں، خوش ہیں۔ مگر اس کے لئے خیر المدارس کو استعمال نہ کیا جائے۔ آپ مدرسہ سے چھٹی لے کر اس میں شرکت کریں۔ بحیثیت طالب علم حصہ نہیں لے سکتے۔ حضرتؒ کے ان جملوں کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے جذبات پر یکلخت سرد پانی آ پڑا ہو۔

جلسہ برخاست ہوا، تو نام لکھوانے والوں نے ایک ایک کر کے نام واپس لینے شروع کیے۔ یہاں تک کہ دوسرے دن سب طلباء نے نام واپس لے لئے اور مدرسہ میں حسب معمول تعلیم کا سلسلہ کسی تعطل کے بغیر جاری رہا۔

جذبات کی رعایت کے ساتھ عقل و دانش کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا اور وقتی و عارضی ہنگاموں سے متاثر نہ ہونا اور بعض پیچیدہ مسائل کو ناخن تدبیر سے حل کرنا حضرت والاؒ کا خصوصی امتیاز تھا۔''

(مجلہ ''الخیر'' شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ، ملخصاً وبتغییر یسیر)

حسن انتظام سے متعلق ایک واقعہ

دورانِ تعلیم دیگر مشاغلِ دینیہ[۱] سے یکسوئی:

''تعلیم میں سیاسیات سے یکسوئی'' کے موضوع پر قدرے تفصیلی باتیں صفحات سابقہ میں گزر چکی ہیں۔ یہاں پر دورانِ تعلیم دیگر دینی مشاغل، جیسے تبلیغی جماعت کے ساتھ تبلیغ میں شامل ہونے سے یکسوئی کے موضوع پر ایک دلچسپ اور مفید واقعہ درج کیا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعہ کے تذکرہ سے قبل تمہیداً عرض ہے کہ حضرت والاؒ خدانخواستہ تبلیغی جماعت کے خلاف نہ تھے۔ بلکہ حضرت والاؒ نے تو بعض اوقات اپنے بیان اور وعظ میں عام خطاب سے تعلیمی جماعت کے ساتھ شرکت کرنے اور باہر نکلنے کی ترغیب بھی دی ہے۔ غالباً جامعہ رشیدیہ کے سالانہ جلسہ پر ساہیوال کی کسی جامع مسجد میں یہ بیان فرمانا احقر مولف کو یاد ہے۔ لیکن یہ دوسری بات ہے کہ ہر کام کا ایک موقع ہے۔ مدرسہ کے طلباء کو تعلیم کے دوران تبلیغ کے لئے باہر نکلنا ان کی تعلیم کے قطعاً منافی ہے۔ ایک وقت میں دو کام کئے جائیں تو ایک کام بھی درست نہیں ہوتا۔ حضرت والاؒ تبلیغی جماعت کے ہرگز خلاف نہ تھے۔ البتہ ملفوظات کی مجلس کے دوران کسی سلسلہ گفتگو میں کچھ ایسا فرمانا یاد ہے کہ ''ہمارے بزرگوں نے تبلیغ کے کام میں غلو کو پسند نہیں فرمایا۔'' اور یہ حقیقت ہے کہ غلو ہی سے ہر اچھے کام میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ

---

[۱] یعنی جو ہر مسلمان پر ہر حال میں واجب علی العین نہ ہوں اور تعلیم میں حارج ہوں۔ (آ)

کسی کام میں غلو سے منع کرنا اس کام سے روکنے یا اس پر اعتراض کرنے میں ہرگز داخل نہیں۔ بلکہ یہ تو اس کام کی اصلاح اور اس کی صحیح ترقی اور ترویج ہے۔

اب وہ واقعہ جس کو جناب حکیم امیر علی صاحب قریشی مدظلہٗ (عرف استغفر اللہ) نے بیان فرمایا تھا۔ احقر مؤلف اس کو اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہے، اور وہ یہ ہے:

امیر جماعت تبلیغ نظام الدین دہلی والے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ (ابن حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ملتان تشریف لا رہے تھے۔ ہمارے حضرت والاؒ ایک اور صاحب کے ساتھ حضرت مولاناؒ کو لینے ملتان ریلوے اسٹیشن تشریف لے گئے۔ حضرت مولاناؒ خیر المدارس تشریف لائے۔ مدرسہ کے طلباء اور اساتذہ وغیرہ مع حضرت والاؒ کے جمع ہوئے۔ اور حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے تبلیغ و دعوت پر خوب زوردار تقریر فرمائی۔ ظاہر ہے باہر نکلنے پر بھی خوب زور دیا ہوگا۔ ان کی تقریر کے بعد حضرت والاؒ نے بھی ایسے ہی زوردار لہجہ میں اس کے خلاف تقریر فرمائی اور صاف فرمادیا کہ تبلیغ و دعوت کی ضرورت و اہمیت اور افادیت سب کو تسلیم کرنے کے باوجود طالب علم کا کام صرف کتاب پڑھنا، سبق کی حاضری اور مطالعہ و تکرار ہے۔ ہم دورانِ تعلیم طالب علم کو ہرگز اس کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ دورانِ تعلیم اس میں حصہ لے اور باہر نکلے۔ البتہ مدرسہ کی تعطیلات کے زمانہ میں ادھر ادھر پھرنے کے بجائے تبلیغ میں حصہ لے اور باہر نکلے۔ لیکن تعلیم کے دوران طالب علم کے لئے دوسرے کام میں لگنا طالب علمی اور مدرسہ کے نظم و ضبط کے قطعاً خلاف ہے۔ ہم اس کی اجازت یا ترغیب طالب علم کو ہرگز نہیں دے سکتے۔

چنانچہ حضرت والاؒ کے اس واضح بیان سے اس سارے جوش کا رُخ تعلیم و تعلم کی طرف پھر گیا اور طلباء ذہنی تشویش سے بچ گئے۔

(تبلیغی جماعت کے بعض حضرات کی بعض باتوں کے بارے میں، نیز بعض حالات میں تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت کے بارے میں حضرت والاؒ کے ارشادات ان شاء اللہ تعالیٰ باب متفرقات میں آئیں گے)

اب تتمیماً للافادۃ سیدی و مولائی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی نصائح برائے مدرسین و مہتمم مدرسہ آپ کی تالیف نفیس ولطیف ''شریعت و تصوف'' (ناشر: مکتبۃ النور، کراچی) کے آخری صفحہ (۱۹۲) سے نقل کی جاتی ہیں۔ یہ نصائح زیادہ تر اخلاقی، اصلاحی اور انتظامی اُمور کو حاوی ہیں۔

''نصائح حضرت مسیح الامت نور اللہ مرقدہٗ

ایک فارغ التحصیل عالم نے جو کہ بیعت بھی ہیں، عریضہ لکھا تھا۔ اس میں لکھا: بندہ کے لئے کچھ وصیت فرمائیں، اور بندہ کے علاوہ دو مدرّس اور ہیں، ان کے متعلق بھی کچھ نصیحت ارشاد فرمائیں۔

جواب میں حضرت والا دامت برکاتہم نے یہ تحریر فرمایا: ''آپ دونوں کو ایک ہی بات ہے: (۱) اخلاص، (۲) اتحاد، (۳) وقت کی پابندی، (۴) شفقت، (۵) قناعت، (٦) نظر کی حفاظت، (۷) خلوت کا موقع طالب علم کو نہ دیا جانا، (۸) ذاتی خدمت طالب علم سے نہ لیا جانا، (۹) اس کے ذاتی ہدیہ تحفہ سے بحکمت عذر کرنا، (۱۰) طالب علم کو تحقیری کلمات سے اجتناب کرنا۔

آپ مہتمم ہیں، ذمہ دار ہیں۔ اس لئے عرض ہے کہ حساب کتاب صاف اور صحیح رکھنا، اُستادوں کا احترام، نرم کلام، کسی کی شکایت پر فریقین سے بلا تحقیق عمل درآمد نہ ہو۔

استاد کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں:

(۱) اوّل اوّل اظہار استعداد، (۲) تقویٰ، (۳) وقار، (۴) تراحم، (۵) حل کتاب، (٦) نظام و انتظام جو اپنے ذمہ نہ ہو، اس میں دخل نہ دینا۔ (۷) طلباء سے ذاتی خدمت نہ لینا، (۸) طالب علم خصوصاً امرد کو تنہائی کا موقع نہ دینا۔ اگر اتفاق ہو جائے (کسی ضرورت سے آ جاوے) تو دروازہ کا کھلا ہوا ہونا، (۹) قناعت۔'' (تمت النصائح)

تمہید اشرف التتمیم:

اب اس کے بعد اصول تعلیم و تعلم اور متعلقات کے سلسلہ میں بطور مسک الختام حضرت حکیم الامت مجدد الملت قدس سرہٗ و نور اللہ مرقدہٗ کے معمولاتِ تدریس، طریقۂ تعلیم اور دیگر انمول اصول و ہدایات ملاحظہ فرمایئے، جس کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ مزید کسی ہدایت کی حاجت ہی باقی نہ رہے گی۔ اس کے بعد تو ان پر عمل درآمد کرنا ہی باقی ہے، جس سے عملاً استفادۂ کاملہ حاصل ہو۔ (آ)

اشرف التتمیم فی اصول التعلم والتعلیم (مع المتعلقات)

حضرت حکیم الامتؒ کے معمولات تدریس:

حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ باب معمولات اشرف السوانح (معمول ۲۷) میں حضرت حکیم الامتؒ کے معمولات تدریس کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جب حضرت والاؒ درس و تدریس میں مشغول تھے تو اس میں یہ معمول تھا کہ طالب علموں کا وقت غیر متعلق مباحث کی تقریروں میں ضائع نہ فرماتے تھے۔ جیسا کہ اکثر مدرّسین کی آجکل عام عادت ہے۔ بلکہ کتاب کے نفس مطلب کے حل کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ البتہ شاذ ونادر کسی خاص تحقیق کی تقریر فرمادینا اور بات ہے۔ اگر کوئی شاگرد حضرت والاؒ کی کسی تقریر پر کوئی معقول اشکال کرتا تو بخلاف عام عادتِ مدرسین اپنی بات نہ بناتے، بلکہ فوراً تسلیم فرمالیتے۔ اسی طرح اگر کوئی شاگرد مصنف کی کسی عبارت پر کوئی معقول اعتراض کرتا تب بھی بجائے مصنف کی خواہ مخواہ حمایت کرنے کے جیسا کہ مدرّسین کا دستور ہے، فوراً فرمادیتے کہ یہاں مصنف سے غلطی ہوگئی ہے۔''

''اس طرزِ عمل سے طلباء کا وقت بھی ضائع نہ جاتا اور بہت جلد کتابیں ختم ہوتیں۔ اور اس اعتراف سے یہ بھی مقصود ہوتا تھا کہ طلباء کو بھی یہی عادت ہو جائے۔ حضرت والاؒ نے اپنے اس معمول کو بیان فرما کر فرمایا کہ یہ معمول مدرّسین کے بہت کام کا ہے۔ ان کو چاہئے کہ اس کو اپنا دستور العمل بنالیں۔''

''اسی طرح حضرت والاؒ کا معمول تھا کہ سبق شروع کرانے سے قبل اس کی ایک سہل اور جامع تقریر فرمادیتے۔ اور ضرورت کے مواقع پر مثالیں دے دے کر اس کے مضامین کو پہلے ہی سے اچھی طرح ذہن نشین کرادیتے۔ پھر عبارت کتاب کو اس پر منطبق فرمادیتے۔''

حضرت حکیم الامتؒ کا طرزِ تعلیم.....ماہرین تعلیم اور اساتذہ کے لئے انمول اصول تدریس:

حضرت خواجہ صاحبؒ اشرف السوانح ہی کے باب ہشتم (درس وتدریس[1]) میں حضرت حکیم الامتؒ کے طرزِ تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں: ''حضرت والاؒ کا طرزِ تعلیم اس درجہ سلیس اور نفیس تھا کہ جو طالب علم دو چار سبق حضرت والاؒ سے پڑھ لیتا، پھر کسی اور استاذ سے اس کی تسلی نہ ہوتی۔ چنانچہ حضرت والاؒ فرمایا کرتے ہیں کہ میں جب پڑھاتا تھا تو اپنے اوپر بہت تعب برداشت کر کے پہلے سے سبق کی تقریر کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا تھا۔ پھر پڑھاتا تھا۔ اس لئے میری ساری تقریر نہایت سلیس اور سہل اور باترتیب ہوتی تھی۔ جس کی وجہ سے مشکل مضامین بھی طالب علموں کے لئے بالکل پانی ہو جاتے تھے۔ اور آسانی سے ذہن نشین ہو جاتے تھے۔ گو مجھ کو تو سہل کر کے تقریر کرنے میں بہت تعب ہوتا تھا، لیکن طلباء کو کسی مقام کے سمجھنے میں ذرا اُلجھن نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ صدرا میں ایک مشہور مقام ہے مثناة بالتكرير جو بہت ہی مشکل سمجھا جاتا ہے۔ جب کتاب میں وہ مقام آیا تو میں نے قبل اس کے کہ طالب علم کو اس مقام کی اطلاع دوں اس کے مضمون کی ایک سلیس تقریر کردی۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہونے دیا کہ یہ تقریر کس مشکل مقام کے متعلق ہے۔ بلکہ یوں ہی سرسری طور پر اس مضمون کی تقریر کردی۔ چونکہ میں نے بہت ہی سہل کر کے تقریر کی تھی، طالب علم کی سمجھ میں خوب اچھی طرح آ گئی۔ اس

[1] از (ص ۳۶ تا ص ۴۸ (ناشر کتب خانہ اشرفیہ دہلی)

طالب علم کا نام مولوی فضل حق تھا۔ وہی مدرسہ جامع العلوم سے سب سے پہلے فارغ التحصیل ہوئے اور بعد فراغ عرصہ تک قنوج میں مدرّس بھی رہے۔ جب انہوں نے اقرار کرلیا کہ میں خوب سمجھ گیا، تب میں نے کہا کہ یہ وہی تو مقام تھا جس کو مثناۃ بالتکریر کہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ چونکنے ہوگئے۔ تو میں نے کہا بس بس اب نہ ڈرو، اب تو پار ہوگئے۔ پھر میں نے پوچھا کہ اب بتاؤ یہ بھی کوئی مشکل مقام تھا۔ انہوں نے کہا اجی! ہم کو تو طلباء نے اس سے بہت ڈرا رکھا تھا۔ لیکن یہ تو کچھ بھی مشکل نہ نکلا۔ اس پر میں نے یہ شعر پڑھا ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا جو چیرا تو اِک قطرۂ خون نکلا

مقام تو واقعی مشکل تھا، لیکن میں نے اس کی تقریر ایسی بے فکری اور سلاست سے کی کہ نہایت سہولت کیساتھ ان کو سمجھ میں آ گئی۔ البتہ خود مجھ کو سہل کر کے بیان کرنے میں بہت تعب اُٹھانا پڑا۔ دوسرے کا بوجھ میں نے اپنے اوپر لے لیا۔ اور میں پڑھانے میں ہمیشہ یہی کرتا تھا۔ اور آجکل اساتذہ اپنے اوپر ذرا مشقت نہیں ڈالنا چاہتے۔ بات یہ ہے کہ شفقت نہیں رہی۔ محض ضابطہ پُری رہ گئی ہے۔''

''حضرت والاؒ یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ میں نے پڑھاتے وقت ضرورت سے زائد کبھی تقریر نہیں کی، صرف حل کتاب پر اکتفاء کیا۔ زوائد سے طالب علموں کا کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ اور میں اسی کی تاکید اپنے ماتحت مدرّسین پر رکھتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی جا کر ان کے پڑھانے کی جانچ بھی کیا کرتا تھا۔ اساتذہ زیادہ تر اپنی قابلیت کے اظہار کے لئے نکات و دقائق کی تقریریں کیا کرتے ہیں، جن سے کتاب کے اصل مطلب میں بھی خلط ہوجاتا ہے۔ بعض یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جب تک اس قسم کی تقریریں نہ کی جائیں استاد کی مہارت کے متعلق طلباء کی تسلی نہیں ہوتی۔ لیکن طلباء کی یہ تسلی دیکھنی چاہئے یا ان کا نفع۔ ان کا نفع تو اسی میں ہے کہ اصل کتاب کو اچھی طرح حل کردیا جائے، کیونکہ استعداد اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جب استعداد پیدا ہوجائے گی تو پھر نکات ودقائق خود ہی سمجھ میں آنے لگیں گے۔ للہذا اُستاد کا اصل مطمح نظر یہی ہونا چاہئے۔''

طلباء کے لئے ہفتہ وار مشق تقریر کے بارے میں حضرت حکیم الامتؒ کا ارشاد:

''اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ جو نئے نئے طریقے ہفتہ وار مشق تقریر و مناظرہ کے لئے نکلے ہیں ان کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ مضر ہیں۔ اس لئے کہ ہفتہ بھر تک بجائے اسباق کی طرف متوجہ رہنے کے اسی کی تیاری میں رہتے ہیں۔ اوّل تو اس قسم کی مشق کرانے کی ضرورت ہی نہیں، کیونکہ جب کتابیں خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں گی تو تقریر، تحریر، مناظرہ، سب کی استعداد خود بخود ہی پیدا ہوجائے گی۔ اور ایسا ہی شوق ہے تو جو طالب علم جو کتاب پڑھ رہا ہو اسی کے متعلق اس سے تقریر کرالی جایا کرے۔ اس سے تقریر کی بھی مشق ہوجائے گی اور حرج بھی نہ ہوگا۔ بلکہ کتابیں اور پختہ ہوجائیں گی۔''

استعداد علمی کے لئے طلباء کو حضرت تھانویؒ کی ہدایات:

''حضرت والاؒ اپنے تجربہ کی بناء پر طالب علموں کو بھی یہ ہدایت فرمایا کرتے ہیں کہ بس تم تین باتوں کا التزام کرلو۔ پھر میں ٹھیکہ لیتا ہوں اور ذمہ دار ہوتا ہوں کہ تمہیں استعداد علمی حاصل ہوجائے گی۔ اوّل یہ کہ جو سبق پڑھنا ہو اس کا مطالعہ ضرور کرلیا جائے۔ اور مطالعہ کوئی مشکل کام نہیں۔ کیونکہ مطالعہ کا مقصود صرف یہ ہے کہ معلومات اور مجہولات متمیّز ہوجائیں۔ بس اس سے زیادہ کاوش نہ کرے۔ پھر سبق کو استاد سے اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لے۔ بلا سمجھے آگے نہ چلے۔ اگر اس وقت استاد کی طبیعت حاضر نہ ہو تو کسی دوسرے وقت سمجھ لے۔ اس کے بعد ایک بار خود بھی مطلب کی تقریر کرے۔ بس ان تینوں التزامات کے بعد پھر بے فکر رہے۔ چاہے یاد رہے یا نہ رہے، إن شاء اللہ تعالیٰ استعداد ضرور پیدا ہوجائے گی۔ یہ تینوں باتیں تو درجہ وجوب میں ہیں۔ اور ایک بات درجہ استحباب میں ہے، وہ یہ کہ کچھ آموختہ بھی روزانہ دُہرالیا کرے۔''

(تم موضوع اصول التعلم والتعلیم مع المتعلقات)

اس کے بعد حضرت والاؒ کے زمانۂ تدریس کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔

واقعات از ابتداء زمانۂ تدریس:

ابتداء زمانۂ تدریس سے مفصل واقعات کا تذکرہ بھی حضرت والاؒ ہی کے مبارک الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:[1]

''اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ابتداء تعلیم سے اساتذہ کرام کی نظر عنایت ہمیشہ محبت بھری رہی۔ اور ابتداء فارسی سے ہی تعلم کے ساتھ ساتھ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اسی لئے فراغت کے وقت قریب قریب تمام کتابیں بلکہ بعض بار بار بھی پڑھائی جاچکی تھیں۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ کتابیں خوب مستحضر تھیں۔ اور طرزِ تعلیم بھی بہت اچھا رہا۔ اس لئے طلباء بہت خوش رہتے تھے۔ مگر مستقل مدرّسی جب سے شروع ہوئی، ذیل میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

فراغت تامہ کے بعد حضرت مہتمم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵ روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کرکے مدرسہ اشاعت علوم بریلی ہی میں مستقل عربی مدرّس رکھ لیا۔ یعنی شوال ۱۳۳۵ھ (آخر جولائی ۱۹۱۷ء) میں وہاں مستقل مدرّس ہوا۔ اور کتب ذیل: شرح جامی، کافیہ، ملاحسن، نورالانوار وغیرہا زیر درس رہیں۔''

(بریلی میں مدرّسی کا سلسلہ شعبان ۱۳۳۶ھ تک یعنی صرف ایک تعلیمی سال جاری رہا[2])

---

[1] یہ واقعات تو حضرت والاؒ ہی کے تحریر فرمودہ ہیں البتہ بعض ذیلی عنوانات اور قمری تاریخ کے مطابق شمسی تاریخ کا اضافہ اور کہیں بضرورت کسی کلمہ میں تغیر و تبدل کیا ہے۔ (آ۔ ا) ا۔ق (بتغییر یسیر) (جیسا کہ آگے کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے)

[2] ا۔ق (بتغییر یسیر) (جیسا کہ آگے کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے)

چندوسی میں رمضان المبارک اور تراویح:

''اسی سال سالانہ امتحان اور جلسہ دستار بندی کے بعد وطن آنا نہیں ہوا۔ بلکہ رمضان المبارک میں قصبہ چندوسی ضلع مراد آباد جا کر جناب مولانا حکیم محمد اقبال صاحب کا قرآن مجید سنا۔''

سائیں پھول شاہ مجذوب کے یہاں دعوت:

اسی اثناء میں وہاں سائیں پھول شاہ مجذوب کی دعوت ہوئی۔ وہاں جا کر دیکھا تو ہر قسم کے آدمی اور عورتیں موجود تھے۔ مولانا سلطان احمد صاحب بھی وہاں تھے۔ ہم نے جانے کا ارادہ کیا تو سائیں صاحب آئے اور کہا کہ آپ خدا کے گھر میں تھے اور میں شیطان کے پاس تھا۔ آپ جائیں نہیں، میں سب کو نکال دیتا ہوں۔''

تجویز مدرّسی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج (میکلوڈ گنج روڈ):

''اور پھر ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ یکم جولائی ۱۹۱۸ء کو براستہ دہلی بھٹنڈہ، سمہ سٹہ، حیدرآباد سندھ، ڈگری اسٹیشن اُتر کر ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ (۴ جولائی ۱۹۱۸ء) چک نمبر ۱۷۰/۱ پہنچ کر ہمشیرہ صاحبہ زینب کا مہمان ہوا۔ دس روز قیام کے بعد واپسی ہوئی۔ اسٹیشن ڈگری پر واپسی میں بوساطت برادرم منشی نور بخش صاحب مرحوم ایک رجسٹری ملی، جو استاذی المحترم حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کی طرف سے بھیجی گئی تھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ میں نے تمہارے لئے جناب مولانا سید عبدالرحیم صاحب غزنوی سے فیصلہ کر لیا ہے۔ تم واپسی میں راستہ پر منڈی صادق گنج (میکلوڈ گنج روڈ) سابق ریاست بہاولپور اُتر کر جناب مولانا سید عبدالرحیم صاحب غزنوی مہتمم مدرسہ احیاء الاسلام سے ملاقات کرتے آؤ۔ چنانچہ احقر ۶ شوال ۱۳۳۶ھ (۱۵ جولائی ۱۹۱۸ء) کو منڈی صادق گنج اُترا اور مولانا موصوف سے ملا۔ پوری بات چیت ہو کر معاملہ طے ہوگیا۔ اور یہ وعدہ ہوگیا کہ گھر ہو کر واپس یہاں مدرّسی کے فرائض ادا کروں گا۔ اس وعدہ کے بعد مدرسہ اشاعت علوم سرائے خام بریلی میں حضرت مہتمم صاحب کی خدمت اقدس میں استعفاء بھیج دیا کہ وطن کے قرب کی وجہ سے یہاں رہنے کا پختہ ارادہ ہوگیا ہے، آپ استعفاء قبول فرمالیں۔''

مدرّسی منڈی صادق گنج:

''شوال ۱۳۳۶ھ (جولائی ۱۹۱۸ء) سے مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج (میکلوڈ گنج روڈ) میں مدرّس عربی ہوا۔ اور تقریباً ۸-۹ سال وہاں قیام رہا۔[1] بجز تفسیر بیضاوی کل درسیات علوم عقلیہ ونقلیہ کو بار بار پڑھانے کی نوبت آئی۔ بلکہ بعض کتب عالیہ غیر درسیہ بھی پڑھائیں۔ جیسے تفسیر اتقان، شرح مطالع تصورات اشارت بوعلی سینا، کامل مبرد، مطول تمام،

[1] میکلوڈ گنج غیر مقلدین کے مدرسہ میں مدرس ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ 'میں نماز تمہاری مسجد میں نہیں پڑھونگا' (ا۔ق) (وجہ ظاہر ہے کہ ہندو پاکستان کے غیر مقلدین (باستثناء بعض) ائمہ مجتہدین کے بارے میں بدگمانی اور بدزبانی میں مبتلا ہوتے ہیں اور طہارت میں احتیاط نہیں کرتے (آا)

رسالہ حمیدیہ وغیرہا۔

مشاہرہ ۲۵ روپیہ ماہوار سے مبلغ ۴۵ روپیہ ماہوار تک ترقی ہوا۔''

نوٹ: (الف) یہ مدرسہ احیاء الاسلام کو اہلِ حدیث کا تھا، مگر جناب مولانا سید عبدالرحیم صاحب غزنوی اور ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے جناب مولانا محمد یحییٰ صاحب غزنوی کے حسن سلوک کی وجہ سے کبھی مناقشہ کی نوبت نہیں آئی۔ اور حنفی طلبہ ہمیشہ آرام میں رہے۔ بلکہ ایک سال کے بعد حنفی المذہب طلباء کی اکثریت تھی۔ اور اچھے اچھے منتہی طلباء تھے۔

(ب) پہلے سال ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۸ء یا ۱۹۱۹ء) میں مولانا سید عبدالرحیم صاحب غزنوی مہتمم کا انتقال ہوا۔ ان کی جگہ مرحوم کے بڑے صاحبزادہ مولانا محمد یحییٰ صاحب مہتمم ہوئے۔ میری تعلیم سے دونوں خوش رہے۔ حتیٰ کہ آخری سالوں میں بہت سے بیرونی غیر مقلدین کے اعتراضات مولانا محمد یحییٰ صاحب پر شروع ہوگئے کہ تم نے ہمارے مذہب کے دشمن کو رکھا ہوا ہے۔ مہتمم صاحب وہ خطوط مجھے دیتے اور فرماتے کہ جب خرچ ہم اپنا کرتے ہیں تو ان کو دخل دینے کا حق کیا ہے۔ اور کبھی جواب دیتے کہ اس مدرّس سے بہتر یا ان کے مساوی کوئی اہلِ حدیث میں سے تم مدرّس لا دو۔ پھر ہم تمہاری بات پر غور کریں گے۔ تقریباً ڈیڑھ سال مدرّسی کے بعد دورۂ حدیث کی کتابیں بھی میرے ہی پاس شروع ہوگئی تھیں۔''

مدرّسی مدرسہ عربیہ رائے پور گوجراں:

حضرات اکابر رائے پور گوجراں کے جوش طلب سے مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج سے ایک سال کی رُخصت لے کر شوال ۱۳۴۱ھ (مئی ۱۹۲۳ء) تک مدرسہ رائے پور میں بسلسلۂ تعلیمات خدمات انجام دیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ بسلسلۂ تعلیم مولوی محمود الحسن صاحب بن حضرت منشی رحمت العلی صاحب مرحوم اور مولوی عبدالرشید صاحب بن حضرت مولانا فضل احمد مدظلہم العالی ہدایہ اولین پڑھ رہے تھے۔ اور مولوی محمد علی صاحب دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد رائے پور کے مدرسہ میں آئے اور حمد اللہ وغیرہ تکمیل کی کتابیں شروع کی تھیں۔ سال پورا ہونے کے بعد پھر منڈی صادق گنج کی طرف بدستور رجوع کیا۔ مدرسہ رائے پور گوجراں میں مشاہرہ ۳۲ روپیہ ماہوار تھا۔''

تعمیر مکان:

''اس سال میں نے عمروال بلّہ میں اپنا پختہ مکان اور اس پر بالا خانہ بنوایا۔''

دوبارہ مدرّسی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج:

''شوال ۱۳۴۲ھ (مئی ۱۹۲۴ء) سے مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج میں بدستور سابق تدریس کا کام شروع کیا۔ تعلیمی کام کے ساتھ مناظروں اور جلسوں میں بھی شرکت ہوتی رہی۔ غالباً ربیع الاوّل ۱۳۴۵ھ (ستمبر ۱۹۲۶ء) تک یہ سلسلہ خوب چلا۔''

ناسازیٔ طبع اور علاج:

''پھر طبیعت خراب ہوگئی اور علاج کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس لئے مدرسہ سے چھٹی لے کر پہلے مالیرکوٹلہ کا سفر کیا۔ وہاں حکیم مولانا خلیل احمد صاحب سے علاج کرایا۔ پھر لکھو ضلع فیروز پور میں جناب حکیم سید شاہ نواز صاحب کا علاج شروع کیا۔ وہاں ۲۲ یوم تک قیام رہا۔ علاج سے نفع ہوا۔''

اصلاح معالج......احسان کا بدلہ احسان:

''حکیم صاحب میں غیر مقلدوں کے ماحول کی وجہ سے اثرات آ چکے تھے۔ میرے قیام اور بیانات سے ان کو یہ نفع پہنچا کہ ان کے شکوک وشبہات دور ہوگئے اور اصل حنفیت پر پختہ ہوگئے۔ مجھے ان کے مشفقانہ علاج سے کافی نفع ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور کرے اور ان کو دارین میں جزاء خیر دے۔''

نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی جالندھر شہر

رائے پوری حضرات کا حضرت والاؒ کو نظامت تعلیم کے لئے مجبور کرنا:

''اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جب صحت محسوس ہوئی تو احقر اپنے مکان عمروال بلہ میں آیا۔ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ (اکتوبر ۱۹۲۶ء) میں حضرات رائے پور نے تاکیدی طور پر مدرسہ فیض محمدی جالندھر میں ناظم تعلیمات مقرر کرنے پر مجبور کیا۔ قبل ازیں اسی سلسلہ میں سرپرست مدرسہ مذکورہ جناب حاجی غلام محی الدین صاحب کپتان پنشنر سکنہ پرانی کچہری جالندھر کا مفصل ملفوف بھی طلبی کا آ چکا تھا۔ جس پر منشی محمد علی صاحب کلرک ڈسٹرکٹ بورڈ اور عبداللہ صاحب نائب مہتمم کے دستخط بھی تھے۔ گویا حضرات رائے پوری کا اصرار اس کی تائید تھا۔ اس لئے احقر نے قبول کرکے پہلے تھانہ بھون کی حاضری پسند کی۔ پھر ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ (۲۵ نومبر ۱۹۲۶ء) کو تھانہ بھون سے براہ راست گھر پہنچا۔ اس وقت ایک مناظرہ تھا شیعہ سے۔ مولانا احد بخش صاحب جالندھر سے آئے تھے۔ شیعہ کی تردید میں جلسہ ہوا اور مناظرہ نہیں ہوا۔ پھر وہاں سے بندہ مدرسہ عربی فیض محمدی میں پہنچا۔ اس وقت وہاں جناب مولانا احد بخش صاحب صدر مدرّس تھے۔ اور مولوی غلام محمد صاحب میرے چھوٹے بھائی اور مولوی نیاز احمد صاحب مدرّس تھے۔ نظامِ تعلیم کے سلسلہ میں تعلیم کی اصلاح کی اور ایک دو سبق بھی اپنے ذمہ لئے۔ مگر بعض احباب کی مزاحمت اور مخالفت سے کام میں کچھ دِقتیں سامنے آتی رہیں۔ تاہم ہمت سے کام لیا گیا۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ (فروری ۱۹۳۰ء) تک نہایت خیر وخوبی سے محلہ پرانی کچہری جالندھر میں مدرسہ نے ترقی کی۔ اس اثناء میں کپتان صاحب کا انتقال ہوگیا۔ ان کی جگہ ان کا بڑا بیٹا میاں عبدالسلام قائم مقام صدر کمیٹی بنا۔ اس کا مزاج چونکہ دینی نہ تھا، اس لئے

علماء اس سے خوش نہ تھے۔ اس نے اسی رمضان المبارک میں بعض موافق ممبروں کو بلا کر ایک غیر آئینی کمیٹی کی اور مجھے اور مولوی محمد علی صاحب کو علیحدہ کر کے نوٹس دیدیئے کہ آپ کو مدرسہ کی خدمات سے سبکدوش کیا جاتا ہے۔ چونکہ ان کا یہ کار غیر آئینی تھا، اس لئے ہم نے زبردستی آئندہ سال شوال ۱۳۴۸ھ (مارچ ۱۹۳۰ء) سے آ کر بدستور کام تعلیم کا شروع کرایا۔ ایک سال اسی طرح گزرا۔ اسی اثناء میں برادرِ عزیز مولوی حافظ غلام محمد صاحب مدرّس بھی ۱۷/ربیع الاوّل ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۳/اگست ۱۹۳۰ء کو فوت ہو گئے۔ بندہ کی ہمت بھی شکستہ ہوگئی۔ ادھر عبدالسلام رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (آخر دسمبر ۱۹۳۰ء) کی تعطیلات میں مدرسہ کی تمام کتابیں اور سامان اُٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ اور اکثر عملہ و مدرّسین کو نوٹس دیدیئے کہ مکان مدرسہ ہماری مِلک ہے۔ آپ لوگوں کو اس میں داخلہ کی اجازت نہیں۔ اس لئے ہم قطع تعلق کر کے خاموش ہو رہے۔ مشاہرات طلب کئے تو ان کے دینے سے بھی انکار کیا۔ آخر مشاہرات کی رقم کا ان پر دعویٰ عدالت میں دائر کر دیا گیا۔''

نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی سے فراغت ہوئی تو حضرت حکیم الامتؒ سے مشورہ لیا گیا۔ چنانچہ اس کا ذکر آگے باب ہفتم میں آ رہا ہے۔ اب اس باب کو ایک مبارک تذکرہ یعنی حضرت حکیم الامتؒ اور حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ سے سند اجازت کے تذکرہ پر ختم کیا جاتا ہے۔

خیرالختام بالاسناد عن السادات البررة الکرام

(اجازت سند حدیث و تعلیم تفسیر و حدیث و فقہ)

بعد تذکرہ ''نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی جالندھر شہر'' ایک نوٹ میں تحریر فرمایا ہے:

''اسی اثناء میں حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز اور خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سابق صدر مدرّس دارالعلوم دیوبند سے سند حدیث شریف کی اجازت حاصل ہوئی۔'' (بتغیر یسیر)

چنانچہ تذکرہ درس و تدریس اور نظامت تعلیم مدرسہ فیض محمدی کو تبرکاً انہی دونوں خالص الخاص اکابر کی سندوں کے تذکرہ پر ختم کیا جاتا ہے، جو حضرت والاؒ ہی کے کلماتِ طیبات میں درج ذیل ہے:

''مدرسہ گلاؤٹھی اور مدرسہ اشاعت علوم بریلی سے تین سندوں کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ ان کے علاوہ دو سندیں اجازت[1] کی ملیں، ان کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے۔

(۱) سند اجازت از سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مورخہ ۱۷/رجب ۱۳۴۷ھ (۲۰ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں مؤدبانہ اس طرح عرض کیا گیا:

---

[1] یہ تذکرہ باب پنجم کے اخیر میں دستار بندی کے ذکر کے ساتھ آیا ہے۔ (آ)

عرض ہے کہ عرصہ سے میرا دل شہادت دیتا ہے کہ اگر حضرت والاؒ حسب دستور مشائخ کرام تفسیر، حدیث، فقہ پڑھانے کی اور مطالعہ دیکھنے کی اجازت فرمادیں گے توان شاء اللہ تعالیٰ خادم کے دینی علوم میں برکت پیدا ہو جائے گی۔

جواب سامی میں تحریر فرمایا: ''میں کیا اور میری اجازت کیا، لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے تو میں آپ کے خیال کا اتباع کر کے آپ کو اجازت دیتا ہوں اور دعا بھی کرتا ہوں۔

(۲) سند اجازت از استاذ الاساتذہ محدث کامل حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

مورخہ ۲ شوال المکرّم ۱۳۴۸ھ (۳ مارچ ۱۹۳۰ء) کو زیارت کے خیال سے دیوبند جانا ہوا۔ اتفاق سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی زیارت ان کے مسکونہ مکان پر ہوئی۔ عرض کیا گیا کہ کتب احادیث کے اوائل و اواخر سے کچھ الفاظ سن کر تعلیم حدیث کی اجازت مرحمت فرمادی جائے تو مہربانی ہوگی۔ ارشاد فرمایا کہ ''آپ سے سننے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو بغیر سنے حدیث پڑھانے کی اجازت دیتا ہوں۔ اگر موقع ملا تو ڈھابیل سے سند مطبوع بھی ارسال کر دوں گا۔''

علاوہ ازیں جیسا کہ پہلے گزرا، حضرت والاؒ نے مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں اپنے استاذ معظم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (بانی اور مہتمم و شیخ الحدیث مدرسہ مذکورہ) سے بخاری شریف اور دیگر بعض اہم کتب حدیث و دیگر فنون پڑھیں اور ''ان[۱] سے سند حدیث اور جملہ علوم کی سند حاصل کی۔''

ان[۲] تین سندوں کا ذکر حضرت والاؒ کی مطبوعہ سند حدیث میں موجود ہے جو حضرت والاؒ اپنے تلامذہ کو حدیث پڑھنے کے بعد عطا فرمایا کرتے تھے۔

﴿تم الباب﴾

---

[۱] بروایت حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ (اق) (بتغییر یسیر)

[۲] ایضاً (بروایتہ وبلفظہ) (ا۔ق)

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاسَ (حدیث شریف)

بابِ ہفتم

تاسیس مدرسہ عربیہ خیرالمدارس

افتتاح مدرسہ خیرالمدارس:

بالفاظ حضرت والاؒ: ''ہم نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے توکلاً علی اللہ تعالیٰ ۱۹/شوال المکرم ۱۳۴۹ھ مطابق ۹/ مارچ ۱۹۳۱ء کو مسجد عالمگیری بازار اناری میں مدرسہ خیرالمدارس کا افتتاح کیا۔''

احقر مؤلف[1] نے چند بار حضرت والاؒ کو فرماتے سنا کہ آپؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں مدرسہ کا نام اشرف المدارس رکھنے کی تجویز فرمائی تو حضرتؒ نے یہ جواب دیا کہ کیوں نہ اس کا نام 'خیرالمدارس' رکھا جائے۔

غرض[2] حضرت والاؒ نے خود مدرسہ کا نام خیرالمدارس تجویز نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ یہ نام حضرت حکیم الامتؒ کا تجویز فرمودہ ہے۔''

مدرسہ عربی خیرالمدارس جالندھر:

شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق جنوری ۱۹۳۱ء تک مدرسہ فیض محمدی جالندھر میں تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ رمضان المبارک ۱۳۴۹ھ (جنوری ۱۹۳۱ء) میں میاں عبدالسلام کے کتب خانہ اُٹھا کر نوٹس دے دینے سے درجہ عربی کے تمام مدرسین علیحدہ ہوگئے۔ طلباء آچکے تھے۔ وہ بھی فارغ تھے۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ لیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ دیہات سے شہر میں رہنا زیادہ مفید ہوگا۔ اس لئے شہر ہی میں رہنے کی کوشش کی جائے۔ اور مدرسہ کا نام ''خیرالمدارس'' رکھا جائے۔ اور تین وصیتیں فرمائیں:

(۱) مدرسہ کی بنیاد کسی غنی یا افسر کے بھروسہ پر نہ رکھی جائے، بلکہ محض توکلاً علی اللہ خدا ہی کے بھروسہ پر رکھی جائے۔

(۲) عملہ کی کوئی خاص مقدار خود تجویز نہ کی جائے، بلکہ یہ اندازہ رکھا جائے کہ حق تعالیٰ جتنی توفیق دیں گے اتنا ہی رکھیں گے۔ اگر گنجائش زیادہ ہوا کرے گی تو عملہ بڑھا لیا جائے گا۔ اور اگر گنجائش کم ہوگی تو عملہ گھٹا دیا جایا کرے گا۔

(۳) غرباء کے چندہ کو امراء کے چندہ پر ترجیح دی جائے گی۔ اس لئے کہ امراء دے کر منتظر ہوتے ہیں کہ ہماری تعریف

---

[1] آ آ (آفتاب احمد)   [2] ا۔ق (اقبال قریشی)

کی جائے، اور شکریہ ادا کیا جائے۔ اس میں بے برکتی ہوتی ہے۔ غرباء دے کر خود شکر گزار ہوتے ہیں کہ نیک مصرف میں ہمارا روپیہ قبول کرلیا گیا۔ اس میں عند اللہ برکت ہوتی ہے۔

چنانچہ احقر اور جناب حضرت مولانا احمد بخش صاحب مرحوم، مولانا مولوی محمد علی صاحب نے باہمی مشورہ سے مسجد عالمگیر جالندھر شہر بازار اٹاری میں مدرسہ خیر المدارس کا ۱۹/شوال ۱۳۴۹ھ (۹ مارچ ۱۹۳۱ء) کو افتتاح کیا اور تینوں نے توکلا علی اللہ کام شروع کیا۔ طلباء نے بھی بہت ایثار اور جفاکشی سے کام لیا۔ پہلے سال ہی دورۂ حدیث بھی بخیر و عافیت بآسانی ختم ہوا۔

اس کے بعد مورخہ ۲۳ شعبان ۱۳۵۰ھ (۳ جنوری ۱۹۳۲ء) میں بقضائے الٰہی مولانا احمد بخش صاحب کی وفات ہوگئی۔ مدرسہ کے مخلص رکن اور بڑے درجہ کے مدرّس کی کمی ہوئی۔ **اللھم اغفرلہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ.** میں اس وقت چک نمبر ۴۰ فتح ریاست بہاولپور میں تھا۔ جب اطلاع ملی تو بہت غم زدہ ہوا اور جالندھر کا سفر کیا۔ مولانا کی تعزیت کی اور تسلی دی اور کچھ انتظام کیا۔ پھر واپس چک نمبر ۴۰ فتح میں چلا گیا۔

حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کا استعفاء از خدمات مدرسہ بوجہ شمولیت سیاسیات:

اور مولانا مولوی محمد علی صاحب نے سیاسیات میں شمولیت کے سبب مدرسہ ہٰذا کی رُکنیت اور تمام خدمات سے استعفاء دے دیا۔ یہ استعفاء ۷ ذی القعدہ ۱۳۵۸ھ میں دیا گیا تھا۔ اب تنہا مدرسہ کے اہتمام اور انتظام اور تعلیم کا بار خود احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ پر پڑا۔ اس لئے مدرسہ کے مناسب حال دوسرے حضرات مدرّسین کو بلا کر مدرسہ کو سنبھالا گیا۔ اور بحمد اللہ اب تک چل رہا ہے۔ سینکڑوں طلباء فارغ التحصیل ہوئے۔ بجز ایک سال کے ہر سال دورۂ حدیث ہوتا رہا۔[1] احقر کے پاس صحیح بخاری اور ترمذی شریف زیر درس رہیں۔ ہر سال اکابر علماء دار العلوم دیوبند سے تشریف لاتے رہے۔ نیز ہر سال سالانہ جلسہ پر علماء دیوبند ہندوستان و پاکستان سے تشریف لا کر مدرسہ و جلسہ کو رونق دیتے رہے۔"

حضرت[2] والاؒ کا حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد پر تازیست عمل:

"بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نصائح پر تازیست پورا پورا عمل کیا۔ اور مدرسہ کی مالی ضروریات پورا کرنے کا دارومدار کسی سرمایہ دار فرد یا جماعت پر نہیں رکھا۔ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور اسی کی طرف نظر رکھی۔ اور بحمد اللہ ہمدردانِ اسلام اور خیر خواہ حضرات تعلیم دینی، ثواب آخرت اور حق تعالیٰ کی رضاء کے لئے بطیب خاطر مدرسہ کی مالی امداد فرماتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی مدرسہ کا کام باحسن وجوہ چلتا رہا۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ اب بھی اسی طرح جاری ہے۔ اور حضرت والاؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ مہتمم مدرسہ انہی اصول و قواعد پر پورا

[1] باب (۹) میں حسب تحریر (اق) معلوم ہوا کہ سال انقلاب ۱۹۴۷ء میں بھی دورۂ حدیث شریف ہوا۔ اس لئے معلوم نہ ہو سکا کہ نانہ کس سال ہوا شاید کسی ابتدائی سال میں ہوا ہو۔ (آ آ)

[2] اق بتغییر یسیر۔

پورا عمل فرماتے رہے۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک کثیراً کثیراً۔"

"حضرت والاؒ کو حضرت حکیم الامتؒ کے نصائح پر عمل کا اتنا اہتمام تھا کہ مدرسہ کے آئین وقواعد کی دفعہ نمبر۸ پر مالیات مدرسہ کے ضمن میں تحریر فرمایا:

(الف) مدرسہ خیرالمدارس کی مالی ضروریات کے تکفل کا مدار عامۃ المسلمین کی توجہ اور اعانت پر ہوگا۔

(ب) اس ذیل میں ایسی امداد سے اجتناب کیا جائے گا جس سے مدرسہ خیرالمدارس کے مقصد و مسلک کو ضعف پہنچنے کا احتمال ہو۔

(ج) مدرسہ خیرالمدارس، مذکورہ اغراض کی تکمیل کے لئے صرف وہی ذرائع اختیار کرے گا جو از روئے شریعت اسلامی مستحسن یا مباح ہوں اور ایک دینی درسگاہ کے شایانِ شان ہوں۔ (آئینہ آئین وقواعد، ص۱۶)

آپ نے دفعہ نمبر۸ کی شق مذکور (ب) اور (ج) کو ملاحظہ فرمایا۔ اندازہ کیجئے کہ حضرت والاؒ نے اپنے شیخ کی نصیحتوں پر کس سختی اور پابندی سے عمل فرمایا۔"

مدرسہ کی سرپرستی:

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مدرسہ خیرالمدارس جالندھر کی سرپرستی بھی قبول فرمائی اور آپ مدرسہ خیرالمدارس کے پہلے سرپرست تھے۔

حضرت والاؒ کا کمالِ تعلیم وتدریس اور شانِ انتظام:

حضرت والاؒ نے حسن تعلیم وتدریس اور خوبی اہتمام وانتظام مدرسہ کے لئے جس کمالِ جانفشانی اور تندہی سے خدماتِ دین انجام دیں، اس کی شہادت حضرت حکیم الامتؒ کی اس رائے سے ہوتی ہے کہ عارف باللہ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ نے بحیثیت رکن مجلس شوریٰ خیرالمدارس دورانِ قیام خانقاہ حضرت حکیم الامتؒ کو خط لکھا، جس میں کل مجلس شوریٰ خیرالمدارس کی خواہش ظاہر کی کہ حضرت والاؒ (مولانا خیر محمد صاحبؒ) کے مشاہرہ میں دس روپے کا اضافہ ضرور ہونا چاہئے، تو آپؒ نے تحریر فرمایا:

"بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی نے اس معاملہ پر غور کیا۔ بے تکلف دل نے یہی شہادت دی کہ ترقی تنخواہ بمقدار مذکور مولانا کی توجہ و کارگزاری اور خدمت مدرسہ کے بہت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ ان کی اعانت تطییب قلب کی برکت سے مدرسہ کے ہر شعبہ میں ترقی ہوگی۔ والسلام۔ از تھانہ بھون رمضان ۶۱ھ۔"

نیز حضرت حکیم الامتؒ نے دس روپے حضرت والاؒ کی ترقی منظور فرما کر پانچ روپے کا نوٹ عطا فرمایا کہ پہلے دس روپے کے اضافہ میں نصف میں پیش کرتا ہوں۔ اور فرمایا کہ یہ میری مسرت عملی کی دلیل ہے کہ میں جیسے رائے مسرت سے

دے رہا ہوں، اس پر عمل بھی کر رہا ہوں۔ پھر فرمایا کہ مولانا خیر محمد صاحب کے کمال کے سامنے یہ ترقی کچھ نہیں۔

مدرسہ[1] خیر المدارس جالندھر میں بزرگانِ دین کا ورودِ مسعود:

مدرسہ خیر المدارس کو ہمیشہ سے یہ خصوصی سعادت حاصل رہی ہے کہ بزرگان دین اور مشاہیر علماء ربانی اس میں تشریف لاتے رہے۔ بلکہ بعض حضرات نے اہلِ مدارس کی حوصلہ افزائی کی خاطر مدرسہ کی کتاب الرائے میں چند کلمات طیبات تحریر فرمائے تھے۔ مگر مشرقی پنجاب کے فسادات کی وجہ سے وہ محفوظ نہ رہ سکے۔ اس لئے صرف ان اکابر ملت کے اسماء گرامی تحریر کئے جاتے ہیں۔ جنہوں نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدرسہ خیر المدارس جالندھر کو اعزاز بخشا:

(۱) مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز

(۲) عارف باللہ فانی فی اللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ

(۳) عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

(۴) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

(۵) محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ

(۶) ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ

(۷) صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

(۸) حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ، مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور

(۹) حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ، مہتمم مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد

(۱۰) حضرت مولانا ابوالسعد محمد احمد صاحبؒ، سجادہ نشین کندیاں (آئینۂ آئین وقواعد)

مذکورہ بالا اکابر ملت نیز دوسرے بزرگانِ دین بھی مدرسہ خیر المدارس ملتان میں تشریف لائے۔ خیر المدارس جالندھر و ملتان میں تشریف لانے والے ۶۳ حضرات کی خاصی طویل فہرست ماہنامہ ''الخیر'' (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ) میں شائع ہوئی ہے۔ ان میں سے چند اکابر کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سید محمد سلیمان صاحب ندویؒ

(۲) حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب لکھنویؒ

(۳) حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ (بانی جامعہ اشرفیہ لاہور)

---

[1] ایں منقول از آئینۂ آئین وقواعد۔ بظاہر یہ عبارت حضرت والاؒ کی سمجھ میں آتی ہے۔ جیسا کہ اسکے متواضعانہ اور مؤدبانہ لہجہ سے مترشح ہے۔ (آ)

(۵) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار)

(۶) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتیٔ اعظم پاکستان، بانی دار العلوم کراچی)

(۷) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور)

(۸) حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوریؒ

(۹) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ (مہتمم دار العلوم دیو بند)

(۱۰) حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ

(۱۱) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوریؒ (میاں چنوں)

(۱۲) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ

(۱۳) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، شیخ التفسیر

(۱۴) تاج القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ

(۱۵) فضیلۃ الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ حلبی رحمہ اللہ تلمیذ علامہ کوثریؒ (ریاض، سعودیہ)

(۱۶) حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ

(۱۷) حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ

(۱۸) حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، استاذ دار العلوم دیو بند

(۱۹) حضرت مولانا سید ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم، خلیفہ مجاز بیعت از حضرت حکیم الامتؒ (ہردوئی، انڈیا)

(۲۰) حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز بیعت از حضرت حکیم الامتؒ (پشاور)

(۲۱) حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ (خطیب پاکستان)

(۲۲) حضرت مولانا مفتی خلیل احمد صاحبؒ (گوجرانوالہ) مجاز بیعت مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ

(۲۳) حضرت[۱] مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی (مہتمم دار الافتاء والارشاد، کراچی)

(۲۴) حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ (ڈیرہ اسماعیل خان)

(۲۵) حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ (اکوڑہ خٹک)

(۲۶) حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب بہلویؒ (شجاع آباد)

(۲۷) حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم (نزیل مدینہ منورہ) خلیفہ مجاز بیعت مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحب ومخدومی حضرت ڈاکٹر محمد عبد الحیٔ صاحبؒ وسیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحبؒ

---

[۱] "الخیر" میں آپ کا ذکر (۲۹ ستمبر ۱۹۶۴ء) کو نہیں آیا۔

(۲۸) حضرت مولانا غلام حبیب صاحب چکوال

(۲۹) حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی (خان پور)

تاہم یہ فہرست تو مختصر ہے ہی، لیکن ان حضرات کے علاوہ دوسرے متعدد اکابر کا ذکر ''الخیر'' میں بھی آنے سے رہ گیا ہوگا۔ جیسا کہ اس زمانہ کی ایک نادر الوجود ہستی کا ذکر ''الخیر'' میں آنے سے تو رہ گیا، لیکن جامع الخیرات یعنی خود صاحب سوانح ہمارے حضرت والاؒ نے ان کی تشریف آوری کا تذکرہ خادم کے عریضہ مورخہ ۱۱/۵/۱۳۸۴ھ کے جواب میں جو والا نامہ ۲۲/۵/۱۳۸۴ھ (۲۹ ستمبر ۱۹۶۴ء) کو وارد ہوا، اس میں تحریر فرمایا تھا۔ خادم کا عرض حال اور حضرت والاؒ کا ارشاد ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

عرض حال: ''چند روز ہوئے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب مدظلہ العالی تشریف لائے ہوئے تھے۔''

ارشاد: ''کل یہاں بھی آئے اور مجھ سے بھی ملے تھے۔''

چنانچہ خیر المدارس ملتان میں تشریف لانے والے چند اکابر کی فہرست کے ختم پر مسک الختام کے طور پر آپ کا اسم گرامی درج کیا جاتا ہے:

(۳۰) سیدی و مولائی مسیح الامت جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب
(من اجلہ خلفاء حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ)

مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تشریف[1] آوری:

۱۹۳۸ء میں جب حضرت حکیم الامت تھانویؒ دانت بنوانے کے لئے لاہور تشریف لائے تو لاہور پہنچنے کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ، بانی جامعہ اشرفیہ لاہور، نے حضرت حکیم الامتؒ سے دریافت فرمایا کہ اگر اجازت ہو تو مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع دے دوں۔

(عرض ہے کہ یہ سفر چونکہ حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے علاج کے لئے اختیار فرمایا تھا اس لئے اپنے خدام کو اس کے اخفاء کی زیادہ سے زیادہ تاکید فرمائی تھی۔ تاکہ لوگوں کے ہجوم سے حضرت حکیم الامتؒ کو زحمت نہ ہو، اور اگر حضرت حکیم الامتؒ ملاقات کی اجازت نہ فرمائیں تو اس سے عوام کو زحمت ہوگی۔ سفر کے اخفاء میں یہ مصلحت تھی)

حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ کے استفسار پر حضرت حکیم الامتؒ نے ہنس کر فرمایا: ''میں کیوں مناع للخیر بنوں۔ آپ چاہیں تو اطلاع دے دیں۔'' چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ موصوف نے بذریعہ کارڈ حضرت والاؒ کو مطلع فرمایا کہ

---

[1] بروایت اق (جنفیر لیسر) یہ روایت خیر المدارس سے تعلق رکھتی ہے اس لئے اس باب میں لائی جارہی ہے۔ دوسری روایت حضرت والاؒ کی ''نقش حیات'' سے لیکر دونوں میں اصل واقعہ ایک ہونے کے باوجود کئی تفاصیل ایک دوسرے سے زائد ہیں۔ جو مفید ہونے کے ساتھ دلچسپ بھی ہیں اس لئے ان شاء اللہ تعالیٰ قند مکرر کا لطف آئیگا۔ (آ)

حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی ڈاکٹر[۱] جلال الدین صاحب کی کوٹھی پر مقیم ہیں۔ آپ کو ملنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ نہ تو کسی کو ساتھ لائیں اور نہ ہی کسی کو اطلاع دیں۔

حضرت والاؒ کو جب حضرت مفتی صاحبؒ موصوف کا کارڈ موصول ہوا، اس وقت حضرت والاؒ مدرسہ سے ایک ضروری کام کے لئے جانے والے تھے۔ کارڈ دیکھتے ہی حضرت والاؒ کو کچھ ایسی حیرت ہوئی جیسے سکتہ ہوگیا ہو۔ خود فرماتے ہیں: ''سوچتا تھا کہ یا اللہ مدت سے تو حضرت والاؒ نے سفر ترک فرمادیا ہے اور آجکل گرمی بھی شدت کی پڑ رہی ہے۔ یہ خبر میں کیا پڑھ رہا ہوں۔ مولوی محمد حسن صاحب کے خط کو پہچانتا تھا، اس کی بھی تکذیب نہیں ہوسکتی۔ آخرالامر جب تشریف آوری کا یقین ہوگیا تو اتنے دنوں کی محرومی پر بے حد افسوس ہوا۔ پھر دل کو تسلی دی کہ اب جو اطلاع آئی ہے یہ تیرا کونسا استحقاق تھا۔ یہ سب ان کا انعام ہے۔ یہ سوچا کہ لاہور جانے والی گاڑی میں صرف آدھ گھنٹہ باقی ہے۔ اگر مکان جانے کا ارادہ ترک کرکے فوراً لاہور چلا گیا تو اس میں قباحتیں ہیں۔ ایک تو دل میں کام کا خیال لگا رہے گا، دوسرے مدرسہ اور گھر والوں کو تردد ہوگا کہ کیوں اس قدر عجلت میں لاہور چلا گیا۔ اس سے کہیں حضرتؒ کے قیام کا افشاء نہ ہوجائے۔ اس لئے اس وقت مکان پر چلا گیا اور دوسرے روز جانے کا ارادہ کیا۔''

اگلے روز جب حضرت والاؒ لاہور پہنچے اس وقت حضرت حکیم الامتؒ نماز مغرب اور اوابین سے فارغ ہوکر بڑے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ حضرت والاؒ نے کمرے میں داخل ہوکر بڑے اَدب سے سلام کیا۔ حضرت حکیم الامتؒ نے انتہائی شفقت سے گلے لگالیا اور معانقہ فرمایا۔ اور پھر مصافحہ سے فارغ ہوتے ہی ہنس کر فرمایا کہ میں نے کہا تھا ''میں کیوں مَنَّاعٍ لِلْخَیر بنوں۔'' حضرت حکیم الامتؒ کے ان الفاظ سے حضرت والاؒ کے قلب مبارک میں عجیب کیفیت پیدا ہوگئی۔

حضرت والاؒ نے عرض کیا کہ میں نے ابھی مغرب کی نماز ادا نہیں کی۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا با ہر صفہ پر پڑھ لیجئے۔ نماز سے فارغ ہوکر جب حضرت والاؒ کمرے کے اندر تشریف لائے تو حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ یہ دودھ برف آپ کے لئے رکھا ہے، آپ بھی کھائیے۔

امرتسر جانے سے ایک روز قبل حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامتؒ سے عرض کیا کہ جس سال حضور والا نے سفر بند فرمایا اس سال سفر بند کرنے سے قبل مدرسہ کے جلسہ کے وقت جالندھر تشریف لانے کے بارے میں فرمایا تھا کہ اگر میں پنجاب کا سفر کرسکتا تو سب سے پہلے جالندھر آتا۔ اب حسن اتفاق سے حضور والا لاہور تشریف لے آئے ہیں، اس لئے مؤدبانہ درخواست ہے کہ جالندھر تشریف لے چلیں اور وہاں کی سرزمین کو بھی سرفرازی کا شرف عطا فرمائیں۔ اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: کَلَامُ اللَّیْلِ یَمْحُوْهُ النَّهَارُ (یعنی رات کی بات کو دن مٹا دیتا ہے۔ آ) جی میرا بھی چاہتا ہے۔ مولوی شبیر علی (صاحب تھانوی) سے دریافت کرلیں جس میں سفر کا حرج نہ ہوتا ہو۔

---

[۱] ڈاکٹر عزیز احمد جلال الدین صاحب (سیرت اشرف ص ۱۵۳)

چنانچہ یہ طے پایا کہ حضرت حکیم الامتؒ ۱۵/ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ پانچ بجے لاہور سے سوار ہو کر ساڑھے آٹھ بجے شب جالندھر میں رونق افروز ہوں گے اور شب میں قیام فرما کر اگلے روز صبح سہارن پور روانہ ہو جائیں گے۔

جب حضرت حکیم الامتؒ جالندھر پہنچے تو حضرت والاؒ نے آپ کے لئے محکمہ زراعت کے ایک افسر کی کار کا بندوبست کیا تھا۔ استقبال کرنے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں پہلے سے مجمع موجود تھا۔ اور آپ کی تشریف آوری پر ملک کے مشہور فارسی شاعر مولانا عزیز الدین عظامی نے ایک خیر مقدم بھی تیار کیا تھا، جس کے چند اشعار بطور تبرک یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

چہا خیرالمدارس برسر بخت خودش نازد — کہ مے دارد حکیم الامت آں اشرف علی مہماں

رسد گر مے خورم سوگند خاک پاک جالندھر — کہ گشتہ سرزمینش مطلع نور مہ عرفاں

چہ مے پرسی عظامی نسبت ایں شہر وایں مکتب — ہمانا شہر جسم آمد دراں جسم است مکتب جاں

حضرت حکیم الامتؒ جب خیرالمدارس پہنچے تو مدرسہ اور مسجد تمام زائرین سے پُر تھی۔ عشاء کی اذان ہو چکی تھی۔ حضرت حکیم الامتؒ نے وضو فرمایا اور نماز پڑھ کر مسجد کے سامنے مکان کی چھت پر تشریف لے گئے۔ وہاں سولہ سترہ علماء و صلحاء کے ساتھ جو حضرت والاؒ کی طرف سے مدعو تھے، کھانا تناول فرمایا۔ اس کے بعد اسی صحن میں استراحت فرمائی۔ حضرت والاؒ نے اپنی چارپائی حضرت حکیم الامتؒ کی چارپائی کے قریب بچھائی، تاکہ حضرت حکیم الامتؒ کو آرام پہنچا سکیں۔ (اور کوئی ضرورت ہو تو اس کا انتظام کر سکیں)

صبح نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے حضرت والاؒ سے فرمایا کہ پہلے اوپر چلنا چاہئے، کیونکہ چھت پر بہت سی مستورات تھیں اور سب بیعت کی متمنی تھیں۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ صرف وہی مستورات بیعت ہو سکتی ہیں جنہوں نے اپنے شوہروں سے اجازت لی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری مستورات بیعت نہیں ہو سکتیں۔ پھر مستورات کو پسِ پردہ بیعت فرمالیا۔

اس کے بعد مسجد میں تشریف لے گئے جہاں زائرین کا مجمع تھا۔ مجمع کی کثرت کی وجہ سے ہر شخص اُٹھ کر حضرت حکیم الامتؒ کی زیارت کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے عرض کیا گیا کہ ''اگر حضور والا کرسی پر تشریف رکھنا منظور فرمائیں تو سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے آسانی سے زیارت سے مشرف ہو سکیں گے۔''

اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: ''یہ میری عادت نہیں اور منقول بھی نہیں۔ البتہ بیان کی حالت میں تو منقول ہے۔''

تھوڑی دیر بعد مجمع کی کثرت دیکھ کر دوبارہ عرض کیا گیا کہ اگر چارپائی کی اجازت ہو تو منگوالی جائے۔ فرمایا: ''ہاں! اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ دیہاتی وضع ہے۔ نیز اس پر میں اکیلا نہ بیٹھوں گا، دو چار اور بھی ہوں گے۔'' چنانچہ

چارپائی آنے کے بعد حضرت والاؒ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ سے فرمایا کہ آپ بھی اسی چارپائی پر بیٹھ جائیں، کیونکہ مجھے تنہا مجمع میں اونچا بیٹھنے سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ حسب الحکم یہ دونوں حضرات چارپائی کی دوسری جانب بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹے تک حضرت حکیم الامتؒ حاضرین کو اپنے ملفوظات طیبات سے مستفید فرماتے رہے۔ آخر میں سب حاضرین مجلس کے مقاصد حسنہ میں کامیابی کے لئے دُعاء فرمائی۔ اس طرح یہ مبارک مجلس برخاست ہوئی۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ بالا خانے پر تشریف لے گئے اور حضرت والاؒ کی درخواست پر صاحبزادہ مولانا عبدالحقؒ (سابق نائب مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ملتان) کو پندنامہ عطار کی بسم اللہ کرائی گئی۔ پھر مدرسہ سے چل کر ریلوے روڈ پر تشریف لے گئے۔

حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس مکان میں حضرت حکیم الامتؒ نے قیام فرمایا تھا بلا مبالغہ تقریباً ایک ماہ تک اس کے درودیوار سے انوار محسوس ہوتے رہے۔ واقعی صحیح ہے کہ ؎

درمنزلیکہ جاناں روزے رسیدہ باشد : بہ خاک آستانش داریم مرحبائی

تأثرات حضرت مجذوب صاحبؒ بابت خیرالمدارس[1]

عارف باللہ حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک بار خیرالمدارس میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔ دوسری بار حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے وصال کے بعد امرتسر سے جالندھر تشریف لانے والے تھے کہ اچانک سخت بیمار پڑ جانے کے بعد امرتسر ہی سے واپس وطن تشریف لے گئے اور پھر اسی مرض میں انتقال فرما گئے۔ غالباً یہی سبب تھا کہ ایک بار خیرالمدارس ملتان کے سالانہ جلسہ میں حضرت خواجہ صاحبؒ کے یہی تأثرات پڑھے جا رہے تھے۔ جب پڑھنے والا اس مقطع پر پہنچا کہ ؎

یہ احوال سن کر ہے مجذوب خواہاں
کہ دیکھے وہ اِک بار خیرالمدارس

تو احقر ناچیز و ناکارہ نے حضرت والاؒ کو بصد غور دیکھا کہ حضرت والاؒ مذکورہ شعر سنتے ہی بے اختیار اشک بار ہو گئے۔ اور کافی دیر حضرت والاؒ کے چہرہ انور پر اس کا اثر نمایاں رہا۔ غالباً یہ واقعہ یاد آ گیا ہوگا۔ اب حضرت خواجہ صاحبؒ کے تأثرات پر مشتمل نظم پیش کرتا ہوں۔ حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو کچھ دیکھتے من وعن وہی بیان فرماتے تھے۔ مبالغہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ خود فرمایا تھا ع

مجذوب ہرچہ گوید دیدہ گوید

---

[1] ا۔ق (بتغییر یسیر)

بفضلہٖ تعالیٰ اب قارئین کرام کو اندازہ ہوگا کہ یہ محض شاعری نہیں، بلکہ بحمداللہ خیرالمدارس جالندھران اوصافِ حسنہ سے متصف تھا اور خیرالمدارس ملتان میں اب بھی محاسن واوصاف موجود ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک کثیراً کثیراً۔

اب حضرت خواجہ صاحب کے اشعار پڑھیے اور سر دھنیے:

عجب ہے پُر انوار خیرالمدارس — خدا کا ہے گلزار خیرالمدارس
یہاں پڑھنے والے ہیں سب اہلِ سنت — نبی ﷺ کا ہے بازار خیرالمدارس
طریق سلف پر ہے یہ چلنے والا — ہے بدعت سے بیزار خیرالمدارس
پڑھاتا ہے علم اور سکھاتا ہے تقویٰ — بناتا ہے دیندار خیرالمدارس
یہاں مجمع اہلِ علم و عمل ہے — یہ ہے بزم اخیار خیرالمدارس
پئے نصرت و حفظ دیں ہے یہ گویا — سپر اور تلوار خیرالمدارس
یہ ہے خیر جاری کہ علم و عمل کے — بہاتا ہے انہار خیرالمدارس
چلو اہلِ خیر اَجر کی ہے یہ منڈی — جزا کا ہے بازار خیرالمدارس
نہیں لیتا چندہ بلا طیب خاطر — کسی پر نہیں بار خیرالمدارس
کرے مندفع کارساز حقیقی — ترے سارے افکار خیرالمدارس
رہے حق پہ تو تا قیامت سلامت — بایں نیک اطوار خیرالمدارس
مگر سر پہ ہے ظل اشرف جو تجھ پر — برستے ہیں انوار خیرالمدارس
جو بانی ہیں خیرمحمد تو پھر کیوں — نہ ہو نیک آثار خیرالمدارس

یہ احوال سن کر ہے مجذوبؔ خواہاں
کہ دیکھے وہ اک بار خیرالمدارس

تم الباب

باب ہشتم

رُکنیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

اس سلسلہ میں حضرت والاؒ تحریر فرماتے ہیں:

''جالندھر کے قیام کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند سے، پہلے مدرّسی کے لئے ۶/رجب ۱۳۶۲ھ (مطابق ۹/جولائی ۱۹۴۳ء) میں دعوت نامہ آیا جو منظور نہ کیا گیا۔ پھر مجلس شوریٰ کی رُکنیت پیش کی گئی، جو ۲۰/جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ (مطابق ۳ مئی ۱۹۴۴ء) میں منظور کرلی گئی۔ چنانچہ بہت مرتبہ دارالعلوم دیوبند مجلس شوریٰ میں جانا ہوا۔ یہ سلسلہ انتقال مکانی تک برابر جاری رہا۔ چنانچہ تقسیم ملک کے بعد جب ملتان آئے تو یہاں سے استعفیٰ بھیج کر اپنے آپ کو رُکنیت سے فارغ کرلیا گیا''[1]

ذیل میں مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے گرامی نامہ کی نقل درج کی جاتی ہے، جو اوّلاً حضرت والاؒ کو دارالعلوم میں تدریس یا افتاء کی خدمت قبول فرمانے کے لئے ارسال کیا گیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں حضرت والاؒ کی کیا وقعت وعظمت رہی ہے۔ اور کیسے داعیۂ قلب کے ساتھ دعوت دے رہے ہیں۔

نقل گرامی نامہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند)

دارالعلوم دیوبند میں دارالافتاء یا تدریسی خدمت کے لئے تشریف آوری کی پیشکش

''اس وقت جلسہ کی حاضری کا بے حد شوق کچھ اپنی ضرورتوں سے بھی زیادہ تھا۔ اور خیال تھا کہ زبانی تفصیل سے عرض کروں گا۔ گو اجمالاً ایک دفعہ عرض بھی کرچکا ہوں، مگر اب بجز تحریر کے چارہ کار نہیں۔ میری سابقہ عرض داشت کا حاصل یہ تھا کہ دارالعلوم میں ہر فن کے منتخب فضلاء جمع کرنے کی آرزو میری بہت قدیمی ہے۔ لیکن درمیانی مدت کشاکشی اور دو عملیوں میں بسر ہوئی ہے۔ جس سے دل کے جذبات دل ہی میں رہ گئے۔ اب دارالعلوم کی ضروریات مجبور کررہی ہیں کہ ایسے فضلاء کی طرف ہاتھ بڑھایا جائے جو اپنے علم وعمل اور صلاح وتقویٰ کے لحاظ سے دارالعلوم کی مرکزی شان کے مناسب ہوں۔ گر نگاہ قلبی داعیہ کے ماتحت جناب کی ذات گرامی پر عرصہ سے ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ آپ کے فیوض وبرکات دارالعلوم میں پہنچ کر زیادہ سے زیادہ دنیائے اسلام میں منتشر ہوں۔ اس بناء پر میں درخواست کرتا ہوں کہ اب کے شوال (۶۲ھ) سے

---

[1] ترتیب آں ''نقش حیات''

جناب دارالعلوم کے قیام کا تہیہ فرمالیں۔ یہاں دو ہی خدمتیں ہو سکتی ہیں جو آپ کے متعلق ہوں۔ یا خدمت افتاء یا تدریس۔ چونکہ اس وقت نجی طور پر محض منشاء معلوم کرنے کے لئے عریضہ لکھ رہا ہوں، اس لئے اُمید ہے کہ آپ نجی ہی طور پر اس سے بھی مطلع فرمائیں گے کہ ان میں سے کونسی خدمت آپ کی طبیعت کے موافق ہوگی، جسے آپ انشراح کے ساتھ انجام دے سکیں گے، اور یہ کہ وہاں سے آنے میں کوئی خاص دُشواری ایسی تو نہیں ہے کہ جناب کو اس سے مضرت پہنچے۔ اُمید ہے کہ جواب باصواب سے جلد مطلع فرمائیں گے، اھ۔

(محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیو بند) ۶/۷/۶۲ھ''

حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں:

''میں نے مقامی ضرورتوں کی وجہ سے عذر لکھا جو منظور کر لیا گیا۔ پھر اس کی بجائے رُکنیت قبول کر لی گئی۔''

پیشکش رُکنیت دارالعلوم دیو بند:

''نقل خط حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیو بند

حضرت المحترم زید مجدکم السامی

بعد سلام مسنون عرض ہے۔ دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ نے جناب کا اسم گرامی رُکنیت مجلس شوریٰ کے لئے منتخب کر کے پاس کیا ہے۔ اس لئے ملتمس ہوں کہ مجلس کے اس انتخاب کو قبول فرما کر منظوری سے اطلاع فرمائی جائے۔ اور مجلس کے جلسوں میں جو سال بھر میں دو دفعہ منعقد ہوتے ہیں، شرکت فرما کر مفید مشوروں سے خدام دارالعلوم کو ممنون فرمایا جاوے۔ جناب کی ذات گرامی کا سفر خرچ آمد و رفت ہر جلسہ کے موقع پر دارالعلوم کے ذمہ ہوگا۔ جبکہ جناب پرچہ مصارف دے کر طلب فرمائیں گے۔ میری مکرر درخواست ہے کہ جلسوں کی شرکت سے گریز نہ فرمایا جائے۔ کیونکہ ممبری کا مقصد محض نام اور نامزدگی نہیں بلکہ کام ہے اور وہ یہ ہے کہ دارالعلوم کے معاملات سے باخبر رہ کر کارکنوں کو مشورہ اور رائے سے امداد دیا جانا، ان کے تفکرات میں ہاتھ بٹانا اور جو عمل میں مبتلا ہیں ان سے معاملات کا صحیح علم حاصل کر کے اس پر رائے قائم اور ان کی اعانت فرمانا ہے۔ یہ بغیر جلسوں میں آئے بلکہ موقع بموقع یوں بھی دارالعلوم میں تشریف لا کر یہاں کے حالات و ضروریات سے مطلع ہونے کے ممکن نہیں۔ اس لئے میری سہ کرر درخواست ہے کہ کم از کم جلسوں کے مواقع پر تو شرکت اشد ضروری ہے۔

والسلام

محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیو بند۔ ۲۰/۵/۶۳ھ

نوٹ: حضرت والاؒ کی بیاض (قلمی نقش حیات) میں مندرجہ ذیل دو یادداشتیں ملیں:

(۱) ''رکنیت بندہ مجلس شورائی دارالعلوم دیوبند مورخہ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۳ھ، منظوری ۲۸ جمادی الاولیٰ ۶۳ھ''

(۲) ''اجلاس مجلس شورائی دیوبند ۲۹-۳۰/ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۶-۲۷/ اکتوبر ۱۹۴۶ء''

استعفیٰ از رُکنیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند:

مجلسِ شوریٰ کے رکن منتخب ہونے سے تقریباً ساڑھے چھ سال بعد یعنی جب حضرت والاؒ پاکستان کو ہجرت فرما چکے تھے اور اسی تاریخ کو جس کو مدرسہ خیرالمدارس کا ملتان میں اجراء ہوا، یعنی ۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ مطابق ۸/ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو آپ دارالعلوم دیوبند کی رُکنیت سے استعفاء دیوبند ارسال فرما کر مستعفی ہو گئے۔ کیونکہ تقسیم ملک کے بعد دیوبند کا سفر اختیار کرنے میں موانع اور دُشواریاں تھیں، اور مدرسہ خیرالمدارس ملتان میں نشاۃِ ثانیہ کی ذمہ داریاں تھیں۔

باب نہم

ہجرت پاکستان اور خیر المدارس ملتان

فسادات مشرقی پنجاب:

ہجرت کا پورا واقعہ بھی مختصراً حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء (مطابق ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ) کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ جالندھر اور نواح میں ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۷/ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ بروز جمعۃ الوداع فسادات کا آغاز ہوا۔ عید الفطر کے بعد ایک ڈاکٹر کے ہمراہ برخوردار حافظ رشید احمد سلمہ[۱] اور مولوی نور محمد صاحب غزنوی کو جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس بھیجا گیا، تا کہ وہاں سے نقدی اور کچھ ضروری سامان لایا جائے۔ وہ دونوں جب مدرسہ پہنچ کر ہمارے مکان کے بالا خانہ پر جانے لگے تو کسی سکھ نے بندوق چھوڑی۔ قدرۃً یہ بچ گئے۔ پھر نیچے مدرسہ میں آ کر انہوں نے جلدی سے پٹی کھول کر نقدی ساڑھے پانچ ہزار روپیہ اور کچھ زیورات نکال کر ڈرتے ڈرتے حوض والی مسجد میں بند رہے۔ پھر شام کو بستی غذاں سے ہوتے ہوئے دیہاتی راستوں سے عمر وال بلہ پہنچے۔ اور ہماری چوبی صندوقچی اُٹھا کر بستی غذاں میں رکھ آئے تھے۔ وہ چڑہ والوں کے ساتھ مال روڈ لاہور ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی کوٹھی پر پہنچ چکی تھی۔

مورخہ ۱۹/ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۵/ ستمبر ۱۹۴۷ء بروز جمعہ عمر وال بلہ سے بوقت شام ہجرت کی۔ پہلی رات بیٹ[۲] کے اکثر دیہاتوں میں سنگوال کے کھیتوں میں گزاری۔ صبح کو وہاں سے تمام روانہ ہو کر مہت پور سے گزرتے ہوئے نکودر کیمپ میں پہنچے جو ہائی سکول اسٹیشن کے قریب قائم ہوا تھا۔ وہاں کافی دن ٹھہرنا ہوا۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری کی تحریک سے ایک ٹرک غلام رسول ہزاروی کا کنوائی کے ساتھ نکودر کیمپ گیا۔ راستہ میں.....صاحب نے اس سے کچھ سودا کر لیا تھا۔ وہ پہلے مہت پور کیمپ گیا اور سانده والوں کو لے کر رات کے بارہ ایک بجے واپس نکودر کیمپ آیا۔ احقر اور مستورات اس پر بمشکل سوار ہو سکے۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب مدظلہ[۳] اور ان کی مستورات سوار ہوئیں۔ میرے تینوں لڑکے رشید احمد، محمد شریف[۴]، عبد الحق سلمہم اللہ ہمارے ٹرک کے پیچھے لٹک گئے۔ ظہر کی نماز جالندھر کے اڈہ پر پڑھی۔ عصر

---

[۱] افسوس ہے۔ حضرت والاؒ کے وصال سے کچھ عرصہ بعد ہی آپ بھی رحلت فرما گئے۔ باب ۱۹ (اہل عیال) میں تفصیل آ رہی ہے (آ)

[۲] بیٹ غالباً علاقہ کا نام ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ عبارت میں کچھ سہو اور تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ شاید عبارت یوں ہو گی ''پہلی رات علاقہ بیٹ میں سنگوال کے دیہات کے کھیتوں میں گذاری۔ واللہ اعلم (آ)

[۳] اسوقت حضرت مولاناؒ بقید حیات تھے۔ (آ)

[۴] حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ مکہ مکرمہ میں رحلت فرما گئے اور حال میں حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ بھی رحلت فرما گئے۔ فالله الحمد اللهم اغفر لهما (آ)

مغرب کی نماز ایک جگہ راستہ پر پڑھی۔ رات کے دس بجے امرتسر سے دس میل پہلے ایک جوہڑ پر تمام کنوائی اور قافلہ نے رات گزاری۔ علی الصبح نماز اور دعاء کے بعد وہاں سے چلے۔ ٹرک والوں نے یہ کہا کہ امرتسر کا گزرنا خطرناک ہے، اس لئے ٹرک تیز چلیں گے۔ کوئی اوپر سر مت اُٹھائے۔ چنانچہ ٹرک بہت تیزی کے ساتھ امرتسر سے گزرے۔ سڑک کے دونوں طرف سکھوں کی قطاریں قائم تھیں، مگر بحمد اللہ ہم لوگ سلامتی سے گزر گئے۔ کسی نے حملہ نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ۲۱/ستمبر ۱۹۴۷ء بروز یکشنبہ مطابق ۵/ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ ہمارے ٹرک لاہور پاکستان کی سرحد میں داخل ہوئے۔

اقامت نکودر کیمپ:

مورخہ ۲۰ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۶ ستمبر ۱۹۴۷ء بروز یکشنبہ کیمپ میں داخلہ ہوا۔ ۳/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹/ستمبر ۱۹۴۷ء بروز جمعہ شام کیمپ سے روانگی کا ارادہ ہوا۔ ۴/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۰/ستمبر ۱۹۴۷ء بروز شنبہ علی الصباح کیمپ سے روانگی ہوئی۔ اور ۲۱/ستمبر ۱۹۴۷ء بروز یکشنبہ شام پہنچنا ہوا۔ اس حساب سے ہمارا قیام کیمپ میں ۱۴/ دن ہوا۔ باقی ہمارے رفقاءِ کیمپ تقریباً دو ماہ یا پونے تین ماہ کیمپ نکودر میں رہ کر بڑی تکالیف برداشت کر کے لاہور پہنچے۔

تولد پوتی:

بندہ کی پوتی اور چھوٹے بھائی مولوی حافظ غلام محمد صاحب مرحوم کی نواسی برخوردار عبدالحق سلمہ اور عزیزہ مرحومہ..... کی بیٹی بریرہ، ہائی سکول نکودر کیمپ میں بتاریخ ۲۲ شوال ۱۳۶۶ھ مطابق ۸/ستمبر ۱۹۴۷ء بروز دوشنبہ پیدا ہوئی.

لاہور:

مورخہ ۵/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۱/ستمبر ۱۹۴۷ء بروز یکشنبہ شام کے وقت لاہور پہنچنا ہوا۔ چودھری محمد علی صاحب ایکسین محکمہ نہر کی معرفت ریس کورس روڈ لاہور کی کوٹھی نمبر ۱۵/ میں بندہ بمعہ اہل وعیال کے ٹھہرا۔ اور حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب بمعہ اپنے بچوں کے دوسری جگہ مقیم ہوئے۔ جس کوٹھی میں مجھے ٹھہرایا گیا تھا اس کے ایک حصہ میں چودھری ولی محمد صاحب گوھیر سکنہ پر جیاں کلاں مجھ سے پہلے ٹھہرے ہوئے تھے۔ تقریباً ۱۰/ یوم اس کوٹھی میں ٹھہرنا ہوا۔

برخورداری..... بنت برخوردار محمد شریف سلمہ اسی کوٹھی میں خدیجہ سلمہا[1] سے مورخہ ۶/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء بروز دوشنبہ پیدا ہوئی۔ انہی ایام میں حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری اور حضرت مولانا احمد علی صاحب بھی ملے۔ جامعہ اشرفیہ کی عمارت ان دِنوں الاٹ ہو رہی تھی۔ مولانا امرتسری کا ارادہ تھا کہ امرتسر و جالندھر کے ہر دو مدرسوں کو یکجا کر کے جامعہ اشرفیہ شروع کیا جائے۔ چنانچہ زمیندار اخبار میں اشتہار دیا گیا۔ اور ایک دو روز داخلہ بھی شروع کیا۔ مگر یکے بعد دیگرے مولانا محمد علی صاحب جالندھری ملتان سے اور مولانا حکیم حافظ عبدالمجید صاحب لائل پور سے لاہور پہنچے۔ اور ہر ایک

[1] مرحومہ اس وقت بقید حیات تھیں۔ غفر اللہ لھا۔ (آ۔ت)

نے اپنے شہر میں لے جانے کا تقاضا کیا۔ آخر فیصلہ حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب مدظلہٗ کی رائے پر رکھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ لائل پور میں نئی روشنی زیادہ ہے۔ ملتان میں پرانا مذاق ہے۔ لہٰذا ملتان کو ترجیح دی گئی اور اس طرح ملتان کی تیاری شروع ہوئی۔

ملتان:

لہٰذا شام کے وقت ریل گاڑی میں سوار ہو کر مورخہ ۱۵/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء بروز چہار شنبہ ملتان پہنچنا ہوا۔ ایک رات مسجد سراجاں حسین آگاہی ملتان میں بہت تنگی سے قیام رہا۔ دوسرے روز ایک پاس والے مکان میں، تیسرے روز جنرل ہسپتال حسین آگاہی کی ہر دو عمارتیں الاٹ ہوئیں۔ ایک میں ہم اور دوسری میں حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب کا کنبہ۔ زمین الاٹ کرانے کے لئے مولانا محمد علی صاحب اور خان محمد مظہر خان صاحب کی معیت میں تلاش کر کے بستی نو کو اختیار کیا گیا۔ اور چاہ سمندری والے کی اراضی الاٹ ہوئی اور کچھ مویشی بھی ملے اور کچھ کھڑی فصل بھی ملی۔

اجراء مدرسہ خیر المدارس ملتان[1]

''مورخہ ۲۲/ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۸/ اکتوبر ۱۹۴۷ء بروز چہار شنبہ جنرل ہسپتال حسین آگاہی ملتان کی عمارت میں مدرسہ کا نشاۃِ ثانیہ ہوا۔''

مدرسہ خیر المدارس کے بارے میں اِن شاء اللہ کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔

تتمۂ ہجرت:

اس کے بارے میں حضرت والا رقم فرماتے ہیں:

''بستی نو:

بستی نو میں مکان الاٹ ہونے کے بعد ہم نے بچوں کو بستی نو پہنچا دیا۔

گیان تھلہ و باولی:

مورخہ ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ نومبر ۱۹۴۷ء بروز اتوار گیان تھلہ اور باولی کی عمارت پر قبضہ ہوا۔ مگر موقع پر قبضہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے کچھ حصہ باولی کا عبد الرحیم جالندھر والے کے قبضہ میں آگیا۔ اور اسی کے پاس رہا۔''

---

[1] مسجد نبوی شریف میں بروز دوشنبہ ۱۵ محرم ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۷۸ء کو بعد نماز عصر مواجہ شریفہ میں سلام پیش کر کے روضۃ الجنۃ میں بیٹھ کر لفظ ''ملتان'' کا اضافہ ہوا۔ اور یہ حاشیہ بھی لکھا۔ اور کئی سال کے ناغہ کے بعد سوانح لکھنے کا سلسلہ شروع کرنے کی ابتداء ہوئی۔ والحمد للہ علی ذلک۔ (لیکن اتنا ہی لکھ کر یہ سلسلہ پھر بند رہا۔ حتیٰ کہ اول ربیع الاول ۱۴۰۴ھ سے باقاعدہ شروع ہوا) (آ)

نشأۃِ[1] ثانیہ خیرالمدارس ملتان:

تقسیم برصغیر کے بعد اکثر مشاہیر دینی مدارس مثلاً دارالعلوم دیو بند، مظاہر العلوم سہارن پور، جامع العلوم کان پور، بھارت ہی میں رہ گئے۔ قیامِ پاکستان کے بعد صرف خیرالمدارس، جالندھر سے ہجرت کر کے ملتان جنت نشان میں آیا۔ اس لئے اس کو ''مہاجر خیرالمدارس'' کہنا بھی بجا ہے۔

بقول حضرت مولانا عبداللہ صاحب رائے پوری مدظلہم (شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال) قیامِ پاکستان کے بعد ہر ایک کو اپنی جائیداد، زمین اور مال واسباب کی فکر تھی اور ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق ان کے حصول میں کوشاں تھا۔ لیکن حضرت والاؒ کو اگر فکر تھی تو خیرالمدارس کی اور طلباء حدیث کی۔ چنانچہ سال انقلاب یعنی ۱۹۴۷ء میں بھی خیرالمدارس میں دورہ حدیث ہوا۔ پاکستان کے دیگر دینی مدارس میں شاید ہی اس سال دورہ حدیث ہوا ہو۔ بلکہ اکثر دینی مدارس کا قیام ہی کئی سال بعد عمل میں آیا۔ اس طرح الحمدللہ خیرالمدارس دیگر دینی مدارس سے سابق بالخیرات رہا۔ اسی کی طرف حضرت مفتی اعظم پاکستان سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی قدس سرہٗ نے ۱۵/شعبان ۱۳۶۷ھ کو بحیثیت مفتی دیو بند تشریف لا کر اپنی مبارک تقریظ میں یوں اشارہ فرمایا ہے: ''اس کا اقرار واعتراف نہ کرنا حق پوشی ہوگی کہ خیرالمدارس کے ارکان بالخصوص حضرت مولانا خیر محمد صاحب دامت برکاتہم کا عزم واستقلال اور خداداد ہمت عمل قابلِ رشک ہے کہ جس طوفان حوادث سے ان کو دوچار ہونا پڑا، اس کا نہایت جوانمردی سے مقابلہ کیا اور حالات میں کچھ سکون پیدا ہوتے ہی مدرسہ کی ازسرِنو ملتان میں بنیاد ڈالی۔ اور نہ صرف بنیاد بلکہ ختم سال پر وہ ایک آب وتاب کے ساتھ اچھا خاصہ مدرسہ نظر آنے لگا، جس میں ماہر مدرسین اور مستعد بچے (طلباء) کا اجتماع نظر آتا ہے۔ کتب خانہ بھی جواز سرِنو جمع کیا گیا، اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اہلِ علم کی پیاس کو بجھا سکتا ہے۔ (آئینۂ آئین وقواعد، ص ۴۴)

تاریخ نشأۃِ ثانیہ:

غرض قیامِ پاکستان کے بعد جالندھر سے ملتان ہجرت فرما کر ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۸/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان شہر میں خیرالمدارس کی نشأۃِ ثانیہ کا آغاز فرمایا۔ بقول جناب ابوالبشیر صاحب دہلوی ؎

ہے خدا کا شکر تو ملتان میں قائم ہوا گویا بر آئی تمنائے دلِ امیدوار

مطلع میں موصوف نے فرمایا:

اے میرے خیرِ المدارس مکتب عالی وقار
ہے ترا ملتان میں کھلنا باعث صد افتخار

[1] بقلم اق۔ بعد مجمل تذکرہ اجراء مدرسہ خیرالمدارس ملتان۔ اب اس کی کچھ تفصیل آ رہی ہے۔ (آ آ)

افتتاح فرمانے کے بعد حضرت والاؒ نے مظاہر العلوم سہارن پور کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ (مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ) کو بلا کر کام شروع کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ مدرسہ اپنے دینی مقاصد میں ہر سال ترقی کرتا رہا۔

جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر خیر المدارس ملتان کے تعارف کے سلسلہ میں شاعر موصوف جناب اسد ملتانی مرحوم کی دونوں نظمیں پیش کروں۔ پہلی نظم میں خیر المدارس ملتان کے تعارف کے علاوہ عام دینی مدارس کی اہمیت اور ضرورت کا بھی دلنشین انداز میں ذکر ہے، اور دوسری نظم تو خالص خیر المدارس ملتان کے تعارف میں ہے۔ پڑھئے اور سر دھنئے اور شاعر موصوف کی مغفرت کے لئے دعا فرمائیے:

نظم نمبرا:

شہر و صحرا مدرسہ ہے کوہ و دریا مدرسہ اہلِ دانش کے لئے ہے ساری دنیا مدرسہ
حضرت آدم کو واں تعلیم اسماء کی ملی باغ جنت بھی تھا گویا اک طرح کا مدرسہ
جس میں آدمؑ اور فرشتوں کا ہوا تھا امتحاں عالم انسانیت کا تھا وہ پہلا مدرسہ
سلسلہ وحی و رسالت کا بھی جاری کر دیا حق نے یوں تعلیم انسانی کا کھولا مدرسہ
تھا "بتانے" سے زیادہ "بنانا" ان کا کام بڑھ کے ہے سب مدرسوں سے انبیاء کا مدرسہ
نوع انساں کی ہدایت داخل فطرت نہیں یہ ضرورت ہے جسے کرتا ہے پورا مدرسہ
جس قدر تعلیم انسان کی ہے باہر ہی سے ہے کائنات اس کے لئے ہو خواہ گھر یا مدرسہ
نیک ماؤں سے ہوئی ہے ابتداء تعلیم کی کیونکہ ہے آغوش مادر سب سے پہلا مدرسہ
گھر میں بچوں کے لئے جب تربیت اچھی نہ ہو فائدہ پہنچا نہیں سکتا ہے تنہا مدرسہ
علم و حکمت سے دماغ و دل کو دے کر روشنی دور کرتا ہے جہالت کا اندھیرا مدرسہ
مدرسہ میں جبکہ سامان کشاد دل نہ ہو پھر تو بچوں کے لئے ہے حبس بے جا مدرسہ
آدمی انسان بنے انساں مسلماں بن سکے اوج پر لے آئے یوں درجہ بدرجہ مدرسہ
لاکھ درس علم و حکمت سے کہیں بڑھ کر ہے یہ دل میں کچھ خوف خدا کر دے جو پیدا مدرسہ
مدرسہ ایسا ہو جس میں پڑھنے والے عمر بھر فخر سے یہ کہہ سکیں یہ ہے ہمارا مدرسہ
ہے فقط مقصد پر مبنی مدرسہ کی حیثیت مقصد ادنیٰ ہو تو کب ممکن ہے اعلیٰ مدرسہ
جس میں ہو جسم و دماغ و دل کی یکساں تربیت ہو ہمارے شہر میں کوئی تو ایسا مدرسہ

اے اسد وہ شہر ملتاں ہے جہاں قائم ہوا
ہند میں تعلیم دیں کا سب سے پہلا مدرسہ
شیخ قطب الدین کاشانی کی خاطر اس جگہ
ناصرالدین قباچہ نے بنایا مدرسہ
جس میں پڑھتے بہاؤالدین زکریا کبھی
اللہ اللہ مدرسہ ہوگا وہ کیسا مدرسہ
عصر پاکستان میں ہے خیرالمدارس بھی یہیں
عہد ماضی کی طرح تعلیم دیں کا مدرسہ
جبکہ حکمت کو خدا نے خود کہا خیرکثیر
خیر کا سامان کرتا ہے مہیا مدرسہ
گر کریں خیرالمدارس کی مدد ارباب خیر
خیر و خوبی سے چلائے کام اپنا مدرسہ
مولوی خیرمحمد نے کیا جاری اسے
کیوں نہ ہو خیرالمدارس سب سے اچھا مدرسہ

نظم نمبر۲﴿تعارف خیرالمدارس﴾:

ہے ملت باغ اور تعلیم مانند بہار اس میں
اسی سے پھول آتے ہیں اسی سے برگ و بار اس میں
بیاں تعلیم کی برکات کا ہو ہی نہیں سکتا
فضائل بے حساب اس کے فوائد بے شمار اس میں
فضاء اس مدرسہ کی کم نہیں کچھ صحن مسجد سے
ہیں مصروف عبادت علم کے خدمت گزار اس میں
پڑھاتے ہیں انہیں استاد محنت اور محبت سے
جبھی ہیں طالبان علم اکثر ہوشیار اس میں
خدا رکھے سلامت مولوی خیرمحمد کو
جناب تھانویؒ کی ہے یہ زندہ یادگار اس میں
اسد ملتان میں علم دین کا چرچا بڑھ گیا ان سے
نزول خیر و برکت کیوں نہ ہو خیرالمدارس میں

بحیثیت ماہر[1] تعلیم اور جامع منقول و معقول

حضرت والاؒ کی رائے گرامی بابت درسِ[2] نظامی:

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا: ''درسِ نظامی عصری تقاضوں کو پورا کرتا ہے، سوائے اس کے کہ دنیاوی نہیں ہے۔ دین اور دنیا دو مختلف شعبے ہیں۔ مسلمان کا اصل مقصود آخرت کا سامان بہم کرنا ہے۔ ہم لوگ بچوں کو دینی تعلیم دیتے ہیں جو آخرت تک ساتھ رہتی ہے۔ دنیاوی تعلیم یہیں ختم ہو جائے گی۔ ہمارے فارغ التحصیل دینی مدارس میں ملازم ہو سکتے ہیں۔ ہم انگریزی زبان اور دینی تعلیم کو خلط نہیں کرنا چاہتے۔ ہم نے اوقاف والوں سے بھی کہا تھا کہ وہ چاہیں تو ہمارے طلباء کے لئے انگریزی تعلیم کا بندوبست کریں۔ یہ طلباء تین سال انگریزی میں تعلیم حاصل کریں۔ اسی طرح کالجوں کے طلباء ہماری طرف آ کر تین سال لگائیں۔ خلط سے نقصان ہوتا ہے اور کوئی چیز کامل نہیں رہتی۔ ہمارے طالب علموں کو معاش بہم پہنچانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ انہیں مناسب روزگار ملتا ہے یا نہیں۔ ہم صرف دینی تعلیم کے ذمہ دار ہیں۔ (ص ۳۲، اُردو ڈائجسٹ لاہور، جنوری ۱۹۶۷ء)

خدا تعالیٰ کا فضل و انعام[3]

حضرت والاؒ کا حسن تدبر، حسن انتظام اور حسنِ اہتمام بزبان علماء کرام

مجلہ ''الخیر'' (شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ) میں حضرت والاؒ کے انتظامی کمالات کا اس طرح اعتراف کیا گیا ہے:

باکمال منتظم:

اللہ جل شانہٗ نے حضرت اقدسؒ کو بے مثال اور قابلِ رشک علم و عمل کے ساتھ انتظامی صلاحیتوں سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ مردم شناسی اور کمال فراست کے مالک تھے۔ ایک نظر میں آدمی کی حقیقت و حیثیت کا جائزہ اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ فرما لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد "اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله" کے مصداق کامل تھے۔

مختصر سوانح ''ذکر خیر و یادِ شریف'' میں اکابر کے اقوال اس طرح نقل کئے گئے ہیں:

امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر کسی کو مدرسہ چلانے اور اس کے انتظام و اہتمام کا ڈھنگ سیکھنا ہو تو وہ میرا مشورہ مانے تو وہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے اس کا ڈھنگ سیکھے۔''

---

[1] صرف عنوان آ۔ [2] اق۔ [3] آ۔

ایک بار یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ''حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدرسہ چلانے کے بڑے ماہر ہیں اور ان کا حسن تدبر اور حسن انتظام بے مثال ہے۔''

اسی طرح امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے فرمایا کہ ''خیرالمدارس خدا تعالیٰ کا ایک انعام ہے۔ اور یہ خاص اللہ کا فضل اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے حسنِ تدبر اور حسنِ اہتمام کا ثمرہ ہے۔''

(ذکر خیر و یادِ شریف، ص۸۰-۸۱)

حسبِ ذیل تحریر حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب اُستاذ الحدیث خیرالمدارس کی ہے۔ اس میں زیادہ تر حضرت والاؒ کے انتظامی معاملات کا ذکر ہے۔ ضمناً اساتذہ پر اعتماد اور ان سے حسنِ سلوک وغیرہ کا تذکرہ بھی آ گیا ہے۔ کیونکہ حسنِ اخلاق اور حسنِ سلوک سے تو قلوب پر حکومت ہوتی ہے، جو ظاہری انتظام سے بھی بڑھ کر ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

انتظامی شان:

بندہ کے دورہ والے سال یعنی ۱۳۷۵ھ کو کچھ طلباء بغیر پوچھے مدرسہ سے باہر تقریر سننے کے لئے چلے گئے۔ صبح کو فرمایا کہ جی تو چاہتا ہے کہ تم سب کو نکال دوں، لیکن تمہارے درمیان سال میں جانے سے تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ اس لئے قدرے تنبیہ کے بعد معاف فرما دیا۔

مدرسہ کا مہتمم بننا:

بہت دُشوار کام ہے۔ فرمایا کہ آج کل جو دورہ حدیث پڑھ لیتا ہے مہتمم بننے کی فکر میں لگ جاتا ہے اور مدرسہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ اہتمام باب افتعال کا مصدر ہے۔ ''ہمزہ'' اور ''تا'' اس میں زائد ہیں۔ حروف اصلیہ ''ہم'' ہیں۔ تو جس کے مادے میں ''ھم'' ہو، وہ کیسے آسان ہو سکتا ہے۔

جامعہ خیرالمدارس میں مدرّس رکھتے وقت خوب تسلی فرماتے، لیکن جب رکھ لیتے تو پھر اس پر اعتماد فرماتے۔ کسی کے کہنے سے جلد متاثر نہ ہوتے تھے۔ یہی اصول خیرالمدارس کے سالانہ جلسہ پر علماء مدعوین کے بارے میں بھی تھا۔

جو اساتذہ عید مدرسہ میں کرتے ان کو انعام عطا فرماتے، اپنے نسبی بیٹوں سے بھی زیادہ۔

عمر شریف کے آخری سال میں کچھ طلباء کے رویہ سے نالاں تھے۔ مگر آخر سال میں سب کو معاف فرما کر جملہ کتب حدیث کی آخری حدیث تلاوت فرما کر سب کو سند حدیث کی اجازت عنایت فرمائی۔

سب علماء سے تعلق محبت کا رہا۔ مگر سیاسی تقریر خیرالمدارس میں کرنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔

اہتمام و انتظام میں اس قدر مہارت تھی کہ مولانا محمد علی جالندھریؒ فرمایا کرتے تھے کہ سو سال کے عرصہ میں دو مہتمم دیکھے ہیں جو کہ اہتمام کا حق ادا کر گئے۔ ایک حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، اور

دوسرے ہمارے حضرت مولانا خیر محمدؒ۔

دیوبندی مسلک کے مدارس کی مایہ ناز تنظیم یعنی ''وفاق المدارس'' کے بانی ہمارے حضرت ہی تھے۔

اب اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان چند اقوال پر اکتفاء کرتے ہوئے خود حضرت والاؒ کے ایک ملفوظ پر اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے۔

کسی کے اس سوال پر کہ خیرالمدارس میں طلباء پر سختی اور پابندی بہت کی جاتی ہے، یہ فرمایا کہ ''طالب علم کے لئے آزادی بہت زیادہ نقصان دہ ہے۔ آزادی سے طالب علم ذہنی طور پر پریشان ہو جاتا ہے اور خیالات منتشر ہو جاتے ہیں، جس سے یکسوئی ختم ہو جاتی ہے۔ (ملفوظ (۱۰)، بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب[1] بواسطہ اق)

نوٹ: البتہ اس موضوع پر مزید ''خیرالمدارس ملتان کے بارے میں بزرگانِ ملت کی آراء'' کے ضمن میں اسی باب میں، نیز دیگر ابواب میں اکابر کے مقالات واقتباسات اور تعزیتی خطوط وغیرہ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے[2]۔ (آ ا)

حضرت والاؒ کا تعلیم میں درجہ اخلاص اور طلباء ومدارسِ دینیہ کی خیر خواہی

حضرت مولانا منظور احمد صاحب، اُستاذ الحدیث خیرالمدارس نے اس موضوع پر حسب ذیل دو واقعات تحریر فرمائے ہیں:

تعلیم میں اخلاص اور طلباء کے فائدہ کی مقصودیت:

مدرسہ کی تعلیم اور تدریس میں اس قدر مخلص تھے کہ مدرسہ کے شعبہ تجوید وقراءت کے صدر حضرت الاستاذ قاری رحیم بخش صاحبؒ ۵۳ء کی تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں جیل گئے۔ حضرت کو کسی نے کہا کہ اب حضرت قاری صاحب جیل سے واپس آنے پر خیرالمدارس سے الگ ہو کر اپنا مدرسہ بنا کر اس میں یہ شعبہ جاری کریں گے۔ حضرت موصوف کے آنے پر حضرت والاؒ نے دریافت فرمایا کہ قاری صاحب! ہم نے یوں سنا ہے۔ حضرت الاستاذ قاری صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نہیں، ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ بالفرض آپ کا ارادہ ہو تو ہم اپنے مدرسہ سے اس شعبہ کو ختم کر دیں گے۔ کیونکہ مقصود تو طلباء کا فائدہ ہے۔ جب وہ آپ کے پاس کسی دوسرے مدرسہ میں طلباء کے رہنے سے ہوگا تو خیرالمدارس میں اس کا ہونا ضروری نہیں۔ یہ ہے اخلاص۔

دینی مدارس کی خیر خواہی:

حضرت اقدس مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری، سابق صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارن پور ومن جملہ اجلہ خلفاء حضرت تھانوی قدس سرہٗ تقسیم ملک کے بعد خیرالمدارس میں رہے۔ پھر خود ہی جواب دے کر ٹنڈوالہ یار تشریف لے

[1] اب حضرت مولانا حافظ عبدالشکور صاحبؒ بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ (محمود احمد غفرلہٗ)

[2] ان کو بتغییر یسیر وباضافہ عنوانات نقل کیا جا رہا ہے۔ (آ ا)

گئے۔ دو سال وہاں رہنے کے بعد پھر حضرت والاؒ کو خط لکھا کہ میں پھر خیرالمدارس میں آنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے جواباً تحریر فرمایا کہ ''بڑی خوشی سے تشریف لائیے، خیرالمدارس آپ کا ہے، مگر ہوسکتا ہے کہ آپ کے تشریف لانے سے ٹنڈوالہ یار کے مدرسہ کا نقصان ہو۔ حالانکہ وہ بھی اپنا ہی مدرسہ ہے۔''

یہ ہے جذبہ سب مدرسوں کی کامیابی کا۔ آج کل اہلِ مدرسہ دوسرے مدرسہ کے اساتذہ کو زیادہ تنخواہ کے ذریعے کھینچتے ہیں۔

اہلِ مدارس کی سیاست سے یکسوئی

اس سے قبل باب ششم ''تعلیم وتدریس'' میں ''تعلیم اور سیاسیات سے یکسوئی'' کے موضوع پر کچھ مضامین گزر چکے ہیں۔ یہاں باب خیرالمدارس کی مناسبت سے ''اہلِ مدارس کی سیاسیات سے یکسوئی'' کے موضوع پر ایک واقعہ درج ذیل ہے، جس سے اس بارے میں حضرت والاؒ کا مسلک جو پہلے سے ظاہر ہے، اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔

تقریباً چالیس پچنالیس سال قبل (یعنی تقریباً ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۷ء کے دوران) کی بات ہے کہ مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ خیرالمدارس میں تشریف لائے ہوئے تھے، اور قدیم دارالحدیث میں حضرت والاؒ، حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ تشریف رکھتے تھے۔ جمعیت علماء اسلام وغیرہ کے بارے میں کچھ گفتگو تھی۔ کچھ اور سیاسیات سے متعلق بات چیت ہو رہی تھی۔ احقر مؤلف اپنے آپ کو اکابر علماء کے سامنے طفلِ مکتب بھی نہیں سمجھتا تھا، نہ اپنے آپ کو اکابر کی گفتگو سمجھنے کے لائق سمجھتا تھا۔ لیکن ایک دو موقع پر حضرت والاؒ نے اس خادم کو بعض ایسے اجتماعات میں طلب فرمایا۔ اب اس کی مصلحت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خادم حضرت والاؒ کے مسلک کو بخوبی سمجھ لے۔ چنانچہ اس اجتماع میں بھی یہی یاد پڑتا ہے کہ غالباً بلایا تھا۔ اب جو یاد ہے وہ روایت بالمعنی کے طور پر عرض ہے کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ نے ایک موقع پر یہ فرمایا کہ سیاست میں ایسے موقع پر جائز ناجائز کا خیال کرنے سے کام نہیں چل سکتا۔ دوسرے سیاست میں سرگرم حصہ لینے (اور شاید گرفتاری وغیرہ) کا کچھ ذکر تھا۔ اسی سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے مولانا محمد علی جالندھریؒ سے فرمایا کہ پھر ہم بھی آپ والا کام کریں گے۔ (شاید یہ مراد ہو کہ اگر گرفتار ہونے کی نوبت آئے اور ضرورت ہو تو اس کے لئے بھی تیار رہیں گے)

اس ساری گفتگو کے بعد حسبِ عادت شریفہ حضرت والاؒ نے آخر میں فیصلہ کن انداز میں جو فرمایا اس کا مفہوم احقر مؤلف کو یہ یاد ہے کہ اہلِ مدرسہ (مدرسہ چلانے والے اور اس میں کام کرنے والے حضرات اساتذہ وطلباء) کو سیاسی سرگرمیوں سے علیحدہ رہنا ہی ضروری ہے۔ (اس سلسلہ میں مزید باب ۲۳ متفرقات کے ایک موضوع ''خدمات سیاست اسلامیہ'' کے ذیلی عنوان ''اجتناب اہل المدارس عن السیاسیات'' کے تحت بھی آ رہا ہے۔)

عمارت[1] خیرالمدارس ملتان

اے خدا ایں مدرسہ قائم بدار
فیض او جاری بود لیل و نہار

نوٹ: یہ شعر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ نے خیرالمدارس کی ''کتاب الآراء'' میں تحریر فرمایا تھا۔ اور مدرسہ کی کسی عمارت پر سامنے لکھا گیا تھا، جس کا نشان اب مرورِ زمان یا عمارات میں ردّ و بدل اور تغییر و تعمیر مکان کی وجہ سے غالباً مٹ چکا ہے[2]۔

حضرت والاؒ کے زمانہ کی تعمیر شدہ عمارتوں میں سے دو اہم ترین عمارات جن کی سنہ تعمیر کے اشعار بھی ملے، یہاں صرف ان کے تذکرہ پر اکتفاء کیا جارہا ہے۔

(۱) جامع مسجد خیرالمدارس ملتان (خیرالمساجد):

ابتداء میں متروکہ عمارت کے ہال کو بطور دارالحدیث استعمال کیا جاتا رہا اور اسی میں نماز باجماعت ہوتی تھی۔ آخرکار ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی جو تقریباً سات سال میں یعنی ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں مکمل ہوئی۔

جامع مسجد خیرالمدارس کی تاریخ تعمیر سے متعلق اشعار جن سے ابتداء و تکمیل تعمیر کا سال نکلتا ہے، ان میں سے بعض یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالمجید انورؔ صاحب زادمجدہٗ جو اس وقت ساہیوال میں مدرّس تھے، انہوں نے یہ اشعار کہے تھے:

تعالیٰ اللہ زہے مسجد بنا شد — شعار دین ختم الانبیاء شد
بہ فیض حضرت خیر محمد — ظہور رحمت رب عُلیٰ شد
بہ تکمیلش چہ آمد لفظ ''خوش ساخت'' — بدایۃ ''فکرت خانہ خدا'' شد
۱۹۶۷ء — ۱۹۶۱ء

نیز مندرجہ ذیل اشعار[3] سے بھی ابتداء تعمیر کا ہجری اور عیسوی سال نکلتا ہے:

جو خیرالمدارس میں بنتی ہے مسجد — تو رکھتا ہے بنیاد ہر دیں کا اُستاد
یہ آغاز تعمیر کا سال لکھیے — کہ ''خیرالمدارس کی مسجد کی بنیاد''
۱۳۸۰ھ

---

[1] ان عنوانات سے (اق) کے مسودہ میں اشعار اور مختصر تحریر ملی۔ ان کو سامنے رکھ کر نیز حضرت والاؒ کی بیاض ''موالید و وفیات الخ'' جس میں ''خیرالمساجد'' کے تاریخی اشعار بھی ہے۔ اور دارالحدیث کے کتبہ سے اس کی عبارت اور اشعار کو خود بھی نقل کیا ہے۔ ان سب سے احقر مؤلف نے نئے سرے سے اس تحریر کو مرتب کیا ہے۔ (آ)

[2] روایت بالمعنیٰ عن اق۔

[3] شاعر معلوم نہیں (آ)

شہر ملتان میں بعون اللہ — خوب مسجد بنی ہے کیا کہئے
سال آغاز اگر کوئی پوچھے — ''فکرت خانہ خدا'' کہئے
۱۹۶۱ء

اور حضرت مولانا مفتی محمد جمیل صاحب تھانوی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

(ابتداء تعمیر ۱۹۶۱ء)

خیرالمدارس مدرسہ خیر مجسم جب ہوا — کچھ اہلِ علم وفضل نے مسجد کی کردی ابتداء
مسجد بنی، اچھی بنی، خیرالمساجد ہوگئی — تاریخ یوں کہئے کہ ''ہے خیرالمساجد خوشنما''
۱۹۶۱ء

(تکمیل تعمیر ۱۳۸۷ھ)

خیر محمد اس میں خیر خدا ہے اس میں — خیرالمدارس ایسا کیا مدرسہ کہیں ہے
کیا خوب مدرسہ کی مسجد ہوئی مکمل — سال بنائے مسجد ''تعمیر بہتریں'' ہے
۱۹۶۱ء

علاوہ ازیں کسی غیر معلوم شاعر صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار میں سے اوّل دو اشعار سے تکمیل تعمیر کا سنہ ہجری اور اس کے بعد والے دو اشعار سے تکمیل کا سنہ عیسوی نکلتا ہے۔

مکمل ہوگئی فضل خدا سے — یہ یکتا مسجد خیرالمدارس
کہو تکمیل کی تاریخ ہجری — ''ہے عمدہ مسجد خیرالمدارس''
۱۹۶۱ء

خیر اہلِ طریق و اہلِ علوم — چوں بتعمیر مسجدے پرداخت
للہ الحمد یافتہ تکمیل — پئے تاریخ گفتہ ام ''خوش ساخت''
۱۹۶۱ء

(۲) دارالحدیث[۱] اشرفیہ:

مدرسہ خیرالمدارس ملتان کے ناظم دفتر حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۷/۴/۱۹۵۶ء میں احقر مؤلف کو تحریر فرمایا تھا:

''دارالحدیث کا سنگِ بنیاد بھی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے رکھوادیا گیا ہے۔''

اس کے چند سال بعد یعنی ''۱۳۸۴ھ میں بفضلہٖ تعالیٰ خیرالمدارس میں دارالحدیث اشرفیہ نہایت خوبصورت جدید

[۱] آ۔

ڈیزائن میں صوفی عطا محمد صاحب خاکوانی کے ایثار سے مکمل ہوا۔" (ا۔ق)

دارالحدیث کی سمت قبلہ والی دیوار پر صدر دروازہ کے پاس سنگ مرمر کے کتبہ پر مندرجہ ذیل عبارت اور اشعار متضمن بسنہ تعمیر جلی قلم سے کندہ ہیں:

دارالحدیث بابرکات

۱۳۸۴ھ

از یادگار جناب صوفی عطا محمد صاحب خاکوانی است

بسعی صوفی عطا محمد سے — آگئی باغ علم و دیں میں بہار

ہے "یہ دارالحدیث اشرفیہ" — جس پہ ان کی عطا ہوئی ہے نثار
۱۳۸۴ھ

اور پوچھے اگر کوئی تاریخ — کہئے "دارالحدیث ہے تیار"
۱۳۸۴ھ

سال بنائے درس گہ علم و دیں بگو — "دارالحدیث کلی خیرالمدارس است"
۱۳۸۴ھ

خیرالمدارس ملتان[1] کے بارے میں بزرگانِ ملت کی آراء

مدرسہ خیرالمدارس ملتان میں بزرگانِ دین، مشائخ عظام اور علماء ربانی کا ہمیشہ ورود مسعود ہوتا رہتا ہے۔ ان میں سے چند اکابر اُمت کی آراء نقل کی جاتی ہیں، جن سے اندازہ ہوگا کہ خیرالمدارس ہمیشہ سے مشائخ ربانی اور علماء حضرات کی معتمد علیہ درسگاہ ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ:

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مدرسہ خیرالمدارس جو تقسیم ہند سے پہلے شہر جالندھر میں اپنی تعلیمی مقبولیت میں ایک خاص امتیاز رکھتا تھا اور اس کا تمام اثاثہ، کتب خانہ وغیرہ وہیں ضائع ہو چکا تھا، بعونہٖ تعالیٰ اس کے بانی اور علماء مدرسین نے پاکستان کے مرکزی شہر ملتان میں دوبارہ اس مدرسہ کو قائم کر دیا اور بفضلہٖ تعالیٰ دو سال کے عرصہ میں اس نے پھر وہی اپنی علمی ساکھ قائم کر لی۔"

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ:

"میں اس میں کوئی مبالغہ نہیں سمجھتا کہ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارن پور کے بعد جن مدارس پر دینی و علمی معاملات پر اعتماد کیا جاسکتا تھا ان میں مدرسہ خیرالمدارس جالندھر کو خاص امتیاز اور فوقیت حاصل تھی۔ اس کے بانی حضرت

[1] ا۔ق۔

مولانا خیر محمد صاحب اور دوسرے ارکان کا نصب العین ہمیشہ کتاب و سنت کی صحیح تعلیم و تبلیغ تھی اور طریق یہ تھا کہ ہنگامی، سیاسی اُمور سے مدرسہ اور مدرسہ والوں کو علیحدہ رکھا جائے۔''

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ:

''مدرسہ خیر المدارس کوئی نیا مدرسہ نہیں، بلکہ وہی قدیم مدرسہ ہے جس نے قبل از بناء پاکستان اپنی حسن تعلیم اور حسن انتظام سے جالندھر میں مرکزیت پیدا کی اور اس خطہ کو علومِ نبوت سے سیراب کیا۔ وہی قدیم شہرت و مقبولیت تھی کہ جونہی حضرت مولانا خیر محمد صاحب دام ظلہٗ نے جالندھر سے ہجرت کر کے پاکستان اور ملتان میں مدرسہ مذکور کی تجدید کی تو یہ مدرسہ ایک دم اسی طرح مقبول و معروف ہوگیا جتنا کہ اس وقت تھا۔ حقیقتاً یہ مقبولیت افراد کی مقبولیت اور بالخصوص رأس الافراد، فرد فرید حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدفیوضہم کی مقبولیت کا ثمرہ ہے۔ حضرت ممدوح کا حسن اخلاق، عمق علم اور اس پر حسن نیت اخلاص اصل میں اس مدرسہ کی اساس ہے۔ اس اساس پر جدید عمارت قائم ہوئی اور اس قدیم مقبولیت سے یہ نئی مقبولیت ظہور پذیر ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جدید نہضۃ پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوگیا۔''

شیخ شریعت و طریقت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ:

''مجھے مدرسہ عربیہ خیر المدارس کے ساتھ دیرینہ تعلق ہے۔ اس مدرسہ کی خدماتِ دینیہ کا میں ہمیشہ سے معترف رہا ہوں۔ پاکستان قائم ہونے کے بعد اس کی خدمات میں بفضلہٖ تعالیٰ کمی نہیں ہوئی بلکہ اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ برکت ہے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے حسن عمل اور مخلصانہ مساعی کی۔''

مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ:

''مدرسہ خیر المدارس کا ذکر جب وہ جالندھر میں تھا، اکثر بزرگوں کے حلقہ سے سُنا کرتا تھا، مگر زیارت کا اتفاق نہیں ہوا۔ پاکستان میں اس کی منتقلی اور اپنی حاضری کے بعد دو دفعہ اس کی زیارت کا موقع ملا۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہ[1] مدرسہ بزرگوں کے طریق پر نہایت اخلاص اور خوبی کے ساتھ چلایا جا رہا ہے۔ اور مخلص حضرات کی مساعی جمیلہ سے ترقی کر رہا ہے۔'' (آئینہ آئین و قواعد خیر المدارس)

ماہر علوم جدیدہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ:

''خیر المدارس ظاہری اور کمی اعتبار سے الحمدللہ دیوبند اور مظاہر علوم کی خیرات و برکات کا پاکستان میں مرکز و منبع مانا جاتا ہے، لیکن باطنی اور کیفی لحاظ سے بعض گوشوں سے اس درسگاہ کے تھانہ بھون کی بو آتی ہے۔ دل سے دُعا اور تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] یہاں سے عبارت ''ذکر خیر'' کے مطابق کردی گئی ہے۔ جہاں حوالہ کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ (آ)

اس کی مہک کو اتنا پھیلائیں کہ پاکستان کا گوشہ گوشہ معطر ہو جائے۔ حضرات اساتذہ اور طلباء میں تعلیم کی طرف توجہ کے ساتھ تربیت و معاشرت کا اہتمام بھی نظر آیا۔ اور سادگی و بے تکلفی تو سب میں بڑی دلکش و دِلنشین پائی، اور ان چار دنوں میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب (مدظلہم العالی) کا جو رنگ دیکھا تو ہر طرف اسی ذات بابرکات کو پَرتو نظر آیا۔ احقر کہا کرتا ہے کہ "آدمی آدمی ہی سے بنتا ہے۔" خیر المدارس اس کی بڑی شہادت ہے۔"

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ:

"پاکستان آنے کے بعد نظریں ڈھونڈتی تھیں کہ کوئی دیوبند اور سہارن پور کا نمونہ نظر آئے۔ تو الحمد للہ یہاں خیر المدارس میں آنے کے بعد وہ نمونہ نظر آیا اور دل کو تسلی ہوئی۔ میرے علم میں اب تک پاکستان میں اس شان کی کوئی درسگاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خیر کثیر کے چشمہ فیض کو قیامت تک جاری رکھے۔ اور وہم و گمان سے زیادہ اس میں خیر و برکت عطاء فرمائے اور نظر بد سے محفوظ رکھے۔"

فاضل[1] ادیب حضرت مولانا محمد ناظم ندوی، سابق شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور:

"میں مدرسہ دینیہ خیر المدارس کے متعلق بار بار سنتا رہا جس کے بانی شیخ جلیل بہت بڑے عالم ربانی حضرت مولانا خیر محمد صاحب ہیں۔ مجھے ان کی زیارت کا عرصہ سے اشتیاق تھا۔ چند سالوں کے بعد اس مہینے ان کی زیارت کا موقع ملا۔ مدرسہ کے نظم و نسق اور اس میں دین کے وقار و جلال کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔"

فاضل یگانہ حضرت العلامہ مولانا سعید مبارک الصوری (مسقط):

"میں نے اس مدرسہ کو صحیح مسلک اور عجیب و غریب نظام پر گامزن پایا۔ علمی و عملی اور اَدبی حیثیت سے اس مدرسہ کو اعلیٰ معیار پر پورا پایا۔ اس میں ایسی جلیل القدر کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن کی نظیر دوسرے مدارس میں شاذ و نادر ملتی ہے۔"

حضرت العلامۃ الجلیل الشیخ امجد الزہادی (از مشاہیر علماء عراق):

"میں اس عظیم الشان مدرسہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور اس میں اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر علوم شرعیہ حاصل کرنے میں ماہر اساتذہ اور بہت سے عظیم الہمت طلباء اور کتابیں دیکھیں۔"

خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ:[2]

"یہ عربی مدرسہ علوم دینیہ کی صرف ایک مرکزی درسگاہ نہیں، بلکہ مغربی پاکستان میں ایک دینی و مذہبی علوم کی بڑی یونیورسٹی ہے۔ جس کے تحت ابتدائی تعلیم سے لے کر درجہ تکمیل تک کے تمام علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ اور بہت سی

[1] یہاں سے تین آراء بشمول اس کے عربی میں ہیں ان کے صرف اردو ترجمہ پر اکتفاء کیا گیا جو ضرورۃً کافی ہے۔ احقر قریشی غفرلہ

[2] یہ رائے اور اس کے بعد والی اردو میں ہیں (آ۔ بروایت اق)

درسگاہیں اس کی نگرانی میں مصروف کار ہیں۔"

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ :

"ماشاء اللہ مولانا خیر محمد صاحب کی ذاتِ گرامی مدرسہ کے اہتمام اور خوبیٔ انتظام کی بہترین ضامن ہے۔ مدرسہ کا مکان بہت وسیع ہے۔ طلباء کی تعداد کافی ہے۔ طلباء اور مدرّسین میں علم وعمل کے انوار نمایاں ہیں۔"

جناب[1] ڈاکٹر محمد فحام صاحب (معتمد شعبۂ عربی جامعہ از ہر مصر):

"واقعی اسم بامسمّٰی (خیرالمدارس) ہے۔ حسن انتظام اور علومِ اسلامیہ کی تدریس میں جس درجہ کمال توجہ میں نے یہاں دیکھی دوسرے مدارس میں اس کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ مدرسہ ہٰذا کی زیارت کے بعد مجھے اس عظیم الشان مملکت پاکستان سے بے حد خیر کی اُمیدیں بندھ گئیں۔ میں مدارسِ اسلامیہ سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ بھی تدریس علوم شرعیہ میں پوری توجہ اور حسن انتظام کے سلسلہ میں مدرسہ خیرالمدارس کی تقلید کریں گے۔"

ممتاز مصری عالم فضیلۃ الشیخ حسن حبشی حفظہ اللہ تعالیٰ:

"خیرالمدارس کا علومِ شرعیہ، اسلامیہ اور علومِ عربیہ کی درس وتدریس میں یہ اہتمام وانصرام وہ آخری منزل ہے جس تک پہنچنے سے بہت سی قومیں قاصر ہیں۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے فاضل اجل مولانا خیر محمد صاحب کو مخصوص قوت لدنیہ عطا فرمائی ہے، تاکہ وہ اس بارگراں کو اُٹھا سکیں اور اس کے نتیجہ میں وہ دین متین کی حمایت اور ما انزل اللّٰہ علٰی رسولہ کے صحیح مفہوم اور حقیقی مصداق کو مسلمانوں کے قلوب میں راسخ کر سکیں۔"

عالم عرب کے ممتاز (حنفی) عالم فضیلۃ الشیخ العلامۃ عبدالفتاح ابوغدہ تلمیذ امام کوثریؒ:

"مدرسہ خیرالمدارس جیسے دینی خیر کے چشموں اور علم کے گہواروں کو دیکھ کر دِلی مسرت اور قلبی انشراح کیوں نہ ہو، خصوصاً جبکہ یہ مدرسہ اسم بامسمّٰی ثابت ہوا ہے اور اپنے معنی کے ساتھ ٹھیک مطابقت رکھتے ہوئے دوسرے مدارس سے علم وفضل میں بازی لے گیا۔ یہ سب کچھ حضرت شیخنا سیدی مولانا خیر محمد صاحب کی مساعیٔ جمیلہ اور دین کی نصرت میں ان کے انتہائی انہماک کا نتیجہ ہے۔"

زُبدۃ المحققین،[2] حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ، مہتمم مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک!

"دارالعلوم کے اکثر شعبوں، وسیع تعمیرات، بے مثال ضبط ونظم اور عظیم الشان علمی وتبلیغی کارکردگی کا مشاہدہ ہوا۔ یہ مدرسہ کسی تعارف، کسی رائے کا محتاج نہیں جس کے بانی مبانی صاحب العقل والتدبیر حضرت العلامہ مولانا خیر محمد صاحب (جو

---

[1] یہاں سے بشمول اس کے تین آراء پھر عربی میں ہیں۔ صرف اردو ترجمہ پر اکتفا کیا گیا۔
[2] یہاں سے باقی آراء حسب معمول اردو میں ہیں۔ (آ۔ بروایت اق)

نہ صرف تفسیر، حدیث، فقہ کے شیخ ہیں، بلکہ تصوف وسلوک کے بھی رہنما ہیں) جیسے مخلص، پاکباز، اور اہلِ دل بزرگ ہوں، اور جسے سیدنا المحترم جامع المجددین حکیم الامت مجدد الملت مرشد تھانوی قدس سرہٗ کی توجہات ودعوات کا بیش بہا قیمتی سرمایہ حاصل ہو چکا ہے، اور جس کے خدام ومتعلقین میں علماء ومخلصین کا مایہ ناز طبقہ شامل ہو۔"

مجاہد ملّت حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ:

"ویسے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے حسنِ تدبّر اور اخلاص اور حسنِ سلیقہ اور تقویٰ وعلم وعمل کی جامعیت سے یہ اندازہ تھا کہ خیرالمدارس میں جو علم واخلاق کی تربیت ہوگی وہ ممتاز ہوگی، لیکن "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" جب تفصیلی معائنہ کا موقع ملا۔ درجہ ابتدائی عربی کے چند طلباء سے استفسارات کئے۔ الحمدللہ توقع سے بہت زیادہ پایا اور حضرت مولانا محترم بانی مدرسہ کے خلوص وعلو ہمت وحسن تدبّر اور کمالِ تربیت کے جو آثار دیکھے، بے ساختہ دِل سے دُعائیں نکلیں۔"

حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ، سابق ناظم امور مذہبیہ بہاولپور:

"اثناء قیام میں کوائف مدرسہ اور انتظام وعمدگی تعلیم کا اجمالی مشاہدہ ہوتا رہا۔ الحمدللہ العظیم یہ مدرسہ اسم بامسمّٰی ہے اور خیر وفلاح کا چشمہ آبِ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس گلستانِ نبویؐ کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے اور ہمیشہ سموم خزاں سے محفوظ رکھے۔"

صوفی کامل حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری وحضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ:

"مملکتِ پاکستان میں مدرسہ خیرالمدارس نظیر نہیں رکھتا اور پاکستان میں دینی تعلیم اور سلف صالحین کے نقشِ قدم پر عمل پیرا ہونے کی حیثیت سے اس کو مرکزیت حاصل ہے۔"

کفر[1] کا سیلاب اور دین اسلام کے مضبوط قلعے

مدارسِ دینیہ:

تعلیم دین کا سب سے پہلا مدرسہ تو مکہ مکرمہ میں دارارقم اور اس کے بعد مدینہ منورہ میں اصحابِ صفہ کا مدرسہ تھا، جن کے معلّم خود بنفس نفیس حضور اکرم ﷺ اور تلامذہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔

علومِ اسلامیہ کی حفاظت اور ان پر عمل کی تربیت اس وقت سے اب تک زیادہ تر علماءِ حق مدارسِ دینیہ میں اور متبع سنت صوفیاء محققین خانقاہوں میں کرتے آرہے ہیں۔ اور بسا اوقات مدارسِ دینیہ میں یہ دونوں ہی کام ہوتے رہے ہیں۔

[1] احقر مؤلف کی ایک عزیزہ (سلمھا اللہ و ھداھا اللہ تعالیٰ) نے تعلیم النساء کا ایک دینی مدرسہ دیکھ کر اپنے ایک خط میں اس کا مقابلہ لڑکیوں کے ایک اسکول سے کیا تھا۔ اس کا خط آئندہ موضوع "تعلیم النساء" کے لئے یہ تمہیدی سطور لکھنے کا باعث بنا۔ (آ آ)

یہاں تک کہ انگریزوں کے تسلّط سے قبل متحدہ ہندوستان میں لاتعداد مدارسِ عربیہ موجود تھے، لیکن انگریزوں کے تسلّط کے بعد مسلمانانِ ہند کی دینی تعلیم وتربیت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور دین کا درد رکھنے والے جامع شریعت وطریقت علماءِ حق تعلیم دین کے خاطر خواہ انتظام اور تحفظِ دین کے لئے دردمند اور فکر مند ہوئے۔ خصوصاً جب[1] متحدہ ہندوستان میں تعلیمی کمیٹی کے صدر لارڈ میکالے نے ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کو اپنے خطبہ صدارت میں یہ کہا کہ:

''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان مترجم ہو۔ یہ ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو، مگر مذاق ورائے اور الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔''

تو دیدہ ودل روشن اصحاب بصیرت نے ان الفاظ میں پنہاں اسلام دشمنی اور استیصال دین کے ناپاک عزم کو محسوس کرلیا کہ انگریز سلطنت چھیننے کے بعد اب سب سے بڑا کاری حملہ اسلامی نظام تعلیم پر کرنا چاہتا ہے، تاکہ قرآن وسنت اور علومِ اسلامیہ پر مشتمل نصابِ تعلیم سے جو اخلاق فاضلہ، اولوالعزمی، بلند کرداری اور اخلاقی تعمیر ہوتی ہے اور اس سے حسنِ سیرت، ذہانت وعمل، ایثار وخدمت، دینی اخوت، مذہبی لگاؤ، جذبہ واستقامت، حبِ دین اور علمی ترقی کے جو چشمے پھوٹے ہیں انہیں خشک کیا جائے، ورنہ ایک وقت میں یہی چشمے سیلاب کی شکل اختیار کر کے سلطنت برطانیہ کو غرقاب کردیں گے۔

اس کے بعد جو نصابِ تعلیم سامنے آیا، اس میں بلی کتے کی کہانیاں اور تصویریں تو تھیں، لیکن خالد بن ولیدؓ، طارق بن زیاد، صلاح الدین ایوبیؒ، سلطان التمش، سلطان فیروز تغلقؒ، سلطان سکندر لودھیؒ اور سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ جیسے قابلِ فخر فرزندانِ اسلام کے تصور اور خاکے معصوم ذہنوں سے مٹادیئے گئے۔''

اس نظامِ تعلیم کے اثرات پر اکبر الہ آبادی مرحوم نے کیا خوب طنز فرمایا ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا	افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

لیکن باوجودیکہ مسلمان بچوں کو انگریزوں کے رائج کردہ نظامِ تعلیم کے ذریعہ نہ صرف اسلامی تعلیمات سے جاہل وبے خبر رکھنے کی سعی کی گئی، بلکہ علومِ اسلامیہ کے ماہرین اور دین اسلام کا عملی نمونہ یعنی اہلِ حق اور باعمل علماءِ اسلام اور مخلص ومحقق صوفیاءِ کرام جو تعلق باللہ اور اتباعِ سنت میں اُمت کے لئے نمونہ تھے، ان سے دور بلکہ متنفر کرنے کی سعی میں بھی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی گئی۔

اس[2] سب کے باوجود بھی مسلمان بچے جو اپنی مسلمہ ومومنہ ماں کی گود سے جو دینی تربیت لے کر نکلتے تھے وہ اس سب سعی نامشکور پر بسا اوقات پانی پھیر دینے کے لئے کافی ہوتی تھی۔

۱؎ الخیر شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ ص ۱۱، ۱۲

۲؎ من افادات استاذی المعظم حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ خلال وعظہ بلدۃ ٹنڈوالٰہ یار (آ ا)

لارڈ میکالے کا مشن لے کر اُٹھنے والوں نے محسوس کیا کہ انگریزی تعلیم کے ذریعہ تعلیم اسلام سے بیگانہ بلکہ متنفر کرنے کی سعی کے باوجود مسلمان و مومن عورت کی گود سے جو بچہ تربیت حاصل کرتا ہے، بالآخر اس کا رنگ ایسا گہرا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس تمام تر انگریزی تعلیم و تربیت کے باوجود اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اور بسا اوقات ماں کی گود سے اسلامی تربیت حاصل کرنے والا بچہ بڑا ہو کر انگریزی تعلیم و تربیت اور ماحول میں مسلسل دین سے غافل و بےخبر بلکہ مغربی تہذیب کا بظاہر دلدادہ بنے رہنے کے باوجود جب کفر و اسلام کے مقابلہ میں سامنے آتا ہے تو مومن ماں کی تربیت سے ایمان کی وہ چنگاری جو ماحول کی راکھ میں دبی ہوئی تھی، سلگنے لگتی ہے۔ اور تمام تر کافرانہ اور دنیا پرستانہ مصلحتوں کو پھونک دیتی ہے۔ اور وہ مسلمان وقت پڑنے پر ایسا پکا مومن ثابت ہوتا ہے کہ لارڈ میکالے کا مشن لے کر اُٹھنے والے اعداء الاسلام والمسلمین بھی انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

اب اعداءِ اسلام نے مسلمان اور مومن ماں کی گود چھیننے اور گہوارہ میں مسلمان بچہ کی دینی تربیت پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے منصوبہ بنایا۔ مسلمانوں کی بچیوں کو دینِ اسلام کی تعلیم سے غافل و محروم رکھنے بلکہ دینِ اسلام کا رفتہ رفتہ مخالف اور باغی بنانے کے لئے لڑکیوں کے لئے انگریزی تعلیم کے سکول کھولے گئے اور مسلمان عورتوں میں آزادیٔ نسواں اور تعلیم نسواں کے نام پر ان کو اسلامی تعلیمات سے بےخبر و غافل بلکہ مخالف و باغی بنانے کی مہم شروع کر دی گئی۔

جس زمانہ میں یہ کام شروع ہوا بصدارت ابلیس لعین شیاطین کی مجلس میں چراغاں کرنے، عید منانے اور شیاطین کو شاباش و آفرین کہنے اور مبارک باد دینے کے مواقع اس کے مثل بہت کم آئے ہوں گے۔

چنانچہ مسلمان بچیاں انگریزی تعلیم کے سکولوں میں جانے لگیں جن میں بعض امریکن مشن سکول بھی تھے۔[1] مسلمان بچہ سے تو ماں کی گود چھین لی گئی۔ اب مسلمان بچہ کو ایسی عورت کی گود ملی جو نہ صرف دینی اسلامی تعلیم سے بےبہرہ تھی بلکہ مغربی تہذیب کو نجات کا ذریعہ سمجھتی اور اسلام کو شک و شبہ بلکہ اسلامی تعلیمات کو انکار کی نظر سے دیکھتی تھی۔

علماء اس صورتِ حال پر العیاذ باللہ خاموش تماشائی نہ تھے نہ محض مفکر و فلسفی تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ کے نائبین کی حیثیت سے انہوں[2] نے خود شریعت مقدسہ پر عمل کر کے اتباع سنت کے ذریعہ دین اسلام کا اس زمانہ میں صحیح نمونہ پیش فرمایا اور اُمت اسلامیہ کی صحیح تعلیم و تربیت کے لئے دیوبند میں دارالعلوم، سہارن پور میں مظاہر العلوم، شاہی مسجد مراد آباد میں اور

---

[1] ایک مثال عرض ہے۔ مسلم ہائی سکول انبالہ شہر جہاں احقر مؤلف نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اس اسکول کی سلور جوبلی کے موقع پر اس کے ہیڈ ماسٹر غلام محی الدین صاحب مرحوم نے اسکول کی تاریخ بیان کی کہ ہم لوگ مشن اسکول میں پڑھتے تھے۔ جمعہ کے روز نماز جمعہ کے لئے بھی مسلمان طلبہ کو چھٹی نہ ملتی تھی۔ آخر تنگ آ کر ایک روز طلبہ قطار بنا کر مشن اسکول کو چھوڑ کر باہر نکل آئے اور مسلم ہائی سکول کی بنیاد ڈالی گئی۔ یہ ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب نے بیان فرمایا (احقر مؤلف کو معلوم ہوا کہ پھر اس امریکن مشن اسکول کو گرلز اسکول بنا دیا گیا۔ احقر نے اسکو بچپن سے گرلز مشن اسکول ہی دیکھا۔) اسی لئے احقر انبالہ مسلم ہائی سکول کو جو پاکستان بننے کے بعد سرگودھا میں قائم ہوا۔ پاکستان کا نمونہ کہا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد بھی پاکستان کی طرح اسلام کیوجہ سے اور اسلام کے نام پر پڑی۔ (آ)

[2] ان اکابرین میں حضرت اقدس حاجی محمد امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے تین اکابر خلفاء امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ خصوصاً قابل ذکر ہیں۔ (آ)

بکثرت دوسرے مقامات پر مدارسِ علوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ اس طرح کفر کے سیلاب کا مقابلہ کرنے اور دین حنیف کے تحفظ کے لئے اسلام کے مضبوط قلعے بنائے۔ یہی نہیں بلکہ مسیحی پادریوں اور آریہ پنڈتوں سے مناظرے کئے، مواعظ کے ذریعہ دین اسلام کی تبلیغ کی، جس کے ذریعہ ارتداد کے سیلاب کو روکا، اسلام کا صحیح نقشہ قوم کے سامنے پیش کیا، غیر مسلموں کو اسلام کے محاسن دکھا کر دعوت اسلام دی، حقانیت اسلام کی دلائل و براہین سے حجت قائم کی، مسلمانوں کو محض نسلی مسلمان سے اصلی مسلمان بنایا، اللہ تعالیٰ سے تعلق رسمی کو حقیقی اور قوی بنایا، حُبِ رسول علیہ سے سینے گرمائے، درسِ قرآن مجید کے ذریعہ دین کی دعوت دی، ترغیب و ترہیب سے کام لیا، طالبینِ اصلاح کا تزکیہ نفوس کیا، اصلاحی، علمی، تبلیغی کتابیں تالیف کیں، عورتوں بچوں کے لئے آسان جامع دینی تعلیم کی کتابیں لکھیں، قرآن مجید کے بامحاورہ اور لفظی ترجمے کئے، مختصر اور مفصل تفاسیر لکھیں، کتب احادیث شریف کی شروح تالیف کیں، غرضیکہ ہر علم وفن اور ہر شعبہ میں دینی ضرورت کو محسوس کیا اور ہر شعبہ میں کام کیا۔ مسلمان عورت کی تعلیم و تربیت سے بھی غفلت نہیں برتی، بلکہ ضروریات دین کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا، حتیٰ کہ بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے حضرت والاؒ نے خیرالمدارس ملتان میں تعلیم النساء کا شعبہ جاری فرمایا۔ اس تمہید کے بعد تعلیم النساء کی اہمیت وضرورت اور مدرسہ تعلیم النساء پر مستقل تحریر آگے آرہی ہے۔

تعلیم النساء

خیرالمدارس کے مدرسہ تعلیم النساء کے تعارف سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مستورات کی دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت کا مختصر تعارف کرادیا جائے۔ اس سلسلہ میں ''الخیر'' شعبان و رمضان ۱۴۱۷ھ میں ایک مفید مقالہ ہمارے حضرت والاؒ کی ایک خاص تلمیذہ اور مریدہ کا ملا۔ یہ مقالہ اختصار کے باوجود دینی تعلیم النساء کی اہمیت وضرورت کے علاوہ مدرسہ تعلیم النساء کے تعارف کو بھی شامل ہے۔

دینِ اسلام نے حصولِ علم دین وترغیب عمل صالح میں مرد وزن دونوں کو یکساں طور پر دعوت دی ہے۔ علم و عمل کے دائرہ میں جنس انسانی کے دونوں فریق مساوی اہلیت کے حامل ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً.

''جس مرد وعورت نے ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے، ہم انہیں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔''

مسلمان کی اُخروی و دُنیوی زندگی کی فلاح وکامرانی کا دارومدار ایمان و عمل کی پختگی پر ہے۔ اور ایمان وعملِ صالح ہی اُخروی سعادت مندی کی بنیاد ہیں۔ اس لئے ایمان کی تشریحات عملِ صالح کی تفصیلات سے آگاہی ہر مسلمان مرد عورت کے لئے لازم ہے۔ اس حقیقت سے کوئی ذی شعور فرد یا قوم انکار نہیں کر سکتی کہ اولادِ آدم کی تربیت میں عورت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ جہاں قدرت نے نومولود بچے کے لئے جسمانی غذا کا ذخیرہ ماں کے جسم میں رکھا ہے۔ وہاں اس کی

روحانی تعلیم وتربیت کا ذمہ دار بھی ماں کو ٹھہرایا ہے۔ دراصل آغوشِ مادر ہی اولین درس گاہ ہے۔ ماں کے عقائد واعمال کے اثرات بچے پر پڑتے ہیں۔ اسی بناء پر حبیبِ کبریا ﷺ نے فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ.

تعلیم دین کی فرضیت صرف مردوں ہی کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی ضروری ہے۔ افسوس کہ اب اس طرف سے انتہائی غفلت ہے، اسلام دشمن عناصر جو کہ مسلمانانِ عالم کی تنزلی وپستی کے درپے ہیں سب سے پہلے مسلمان عورت ہی کو جو کہ علمِ دین سے ناآشنا تھی آزادیٔ نسواں کے پُرفریب نعرہ سے صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی بھرپور کوشش کررہے ہیں، کیونکہ اقوام کی پستی وبلندی کا مدار عورت ہی کی سیرت سازی یا کردار کشی سے ہے۔ عورت کا صالح ہونا پوری قوم کے صالح ہونے کی علامت ہے۔ اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ خَيْرُ الْمَتَاعِ اِمْرَاَةٌ صَالِحَةٌ.

یہ خطۂ ارض جس کے حصول کا مقصد صرف اور صرف نفاذ احکام شرعیہ ہی بتلایا گیا تھا اس میں اس مقصد کی پامالی تاہنوز جاری ہے۔ مسلمان عورت کا اپنے فرضِ منصبی سے ہٹ کر مغرب کی کورانہ تقلید کی زد میں آجانا اسلامی تشخص کے لئے نہایت مضر ہے، تاہم غنیمت ہے کہ اس وقت ہمارے ملک میں فکری اقدار اور اسلامی روایات کے تحفظ وبقاء کے لئے کام کرنے والے افراد اور ادارے موجود ہیں۔ اس سلسلہ میں سرِ فہرست استاذی ومرشدی اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد نوراللہ مرقدہٗ کا نام نامی واسم گرامی ہے۔ حضرت کی ذات بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں، بلکہ ان کا زرّیں تعارف سرزمین ملتان کی دینی درس گاہ جامعہ خیر المدارس کے تابناک نام سے اظہر من الشمس ہے۔ حضرت مرحوم نے جہاں مسلمانوں کے لئے درسِ نظامی کے باضابطہ نصاب کا اجراء فرمایا وہاں مسلمان بچیوں کے لئے بھی جامعہ خیر المدارس تعلیم النساء کا اجراء فرمایا۔ تعلیم النساء کے اجراء سے مقصود حضرت والاؒ کا صرف اور صرف یہی تھا کہ مسلمان بچیوں کو صحیح اسلامی عقائد وافکار کی قرآن وحدیث کی روشنی میں تعلیم دی جائے اور خالص دینی ماحول میں ان کے اخلاقِ سلیمہ کی تربیت کی جائے، تاکہ مغرب زدہ ماحول اور جدیدیت کے زہر سے معصوم ذہنوں کو مصفا رکھا جائے اور آئندہ نسل صحیح معنوں میں مسلمان بن سکے۔ اس غرض سے مدرسہ تعلیم النساء کے طریقۂ تعلیم کو تین شعبوں میں منقسم فرمایا:

(۱) شعبہ پرائمری، یعنی ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں اُردو پڑھنا لکھنا، حکومت کا منظور شدہ نصاب، اور ساتھ ہی مدرسہ کے نصاب کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا کہ پانچویں جماعت تک طالبہ صحت الفاظ اور تجوید کے قواعد کے مطابق قرآن کریم مکمل کرلے اور ساتھ ہی اسلامی عقائد واحکام سے واقفیت کے لئے تعلیم الاسلام کے چاروں حصے داخلِ نصاب فرمائے۔

(۲) دوسرا شعبہ ان خواندہ طالبات کے لئے مقرر فرمایا جس میں ابتدائی فارسی وعربی گرامر وادب یعنی صرف ونحو، ترجمہ قرآن مجید، زاد الطالبین، ریاض الصالحین، مشکوٰۃ شریف، تفسیر بیان القرآن اور فقہی مسائل کے لئے نورالایضاح وقدوری کا

چہار سالہ نصاب مقرر فرمایا۔ اضافی نصاب یعنی پانچویں سال میں بخاری شریف، شمائل ترمذی اور مؤطا امام محمد جیسی مستند کتابیں مقرر کی گئیں۔

(۳) تیسرا شعبہ طالبات کے لئے حفظ قرآن مجید کا ہے۔ بحمد اللہ مدرسہ تعلیم النساء تینوں شعبوں میں باحسن طریق کامیاب ہے۔ تعلیم النساء سے طالبات ہر سال کافی تعداد میں درسِ نظامی وحفظ قرآن مجید سے فراغت کی سند حاصل کرتی ہیں، جس کے نتیجہ میں بفضلہٖ تعالیٰ ملک بھر میں جامعہ کی فاضلات دینی تعلیم کے اہم ترین فریضہ کی ادائیگی میں مصروف عمل ہیں۔ اب تک مدرسہ تعلیم النساء سے اڑھائی سو طالبات سند فراغت حاصل کر چکی ہیں۔ اس وقت تقریباً ساڑھے نو صد طالبات، شعبہ تعلیم النساء میں زیر تعلیم ہیں۔ ۱۳ معلمات، شعبہ پرائمری اور شعبہ حفظ وکتب میں مصروف کار ہیں۔ مدرسہ تعلیم النساء جامعہ سے علیحدہ مستقل عمارت میں قائم ہے، جس میں طالبات کے شرعی پردہ کا مکمل لحاظ رکھا گیا ہے۔ ادارہ کے اس شعبہ سے اہلِ ملتان کو خصوصیت سے فائدہ پہنچتا ہے۔ ہر سال اتنی کثرت سے طالبات کے والدین اور سرپرست اپنی بچیوں کے داخلہ کے لئے آتے ہیں کہ عمارت کی کمی کی وجہ سے بہت سے حضرات سے معذرت کرنی پڑتی ہے۔ یہ سب حضرت بانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص وحسن نیت کا ثمر ہے۔ لسانِ نبوت کا ارشاد ہے: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ...... حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا تعلیم نسواں کے بارے میں فرمان تھا کہ مرد تو جتنا بھی دین دار ہو کسبِ معاش کے سلسلے میں بچوں سے دور ہی رہتا ہے۔ اس لئے باپ کا کردار اولاد پر اتنا اثر انداز نہیں ہوتا جتنا ماں کا ہوتا ہے۔ اگر ماں عقائد صحیحہ اور ایمان کی نعمت سے مالا مال ہو، اخلاق واطوار میں شریعت مصطفویؐ کی جھلک ظاہر ہو تو واضح ہے کہ بچہ ماں ہی کے اعمال وعقائد کا نقش لے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا دیندار ہونا مسلمان قوم کی حیات وبلندی کے لئے اشد ضروری ہے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

سنگِ بنیاد مدرسہ تعلیم النساء:

حضرت حافظ رشید احمد صاحب جالندھریؒ، سابق ناظم دفتر جامعہ خیر المدارس احقر مؤلف کے نام ایک گرامی نامہ مورخہ ۷/ اپریل ۵۶ء میں فرماتے ہیں: ''ایک دینی زنانہ مدرسہ کی سنگ بنیاد رکھی گئی ہے۔''

گرامی نامہ کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مارچ یا اپریل ۵۶ء میں مدرسہ تعلیم النساء کی بنیاد رکھی گئی ہوگی۔

اس کے بعد محترمی ماسٹر اقبال قریشی کا مفید مقالہ بھی ملاحظہ فرمائیے جو ضرورت واہمیت تعلیم النساء اور تعارف مدرسہ تعلیم النساء پر مشتمل ہے۔

مدرسہ تعلیم النساء

مدرسہ خیرالمدارس کو پاکستان کے دیگر دینی مدارس میں یہ امتیازی اور خصوصی انفرادی حیثیت حاصل ہے کہ اس میں مدرسہ دینیہ تعلیم النساء بھی قائم ہے، جس میں بچیوں کو قرآن پاک کی تعلیم کے ساتھ عربی، فارسی اور حدیث و دینیات کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، اور اس کے لئے نصابِ تعلیم حضرت بانی'' مدرسہ نے خود تجویز فرمایا تھا، بلکہ اختیاری طور پر بچیاں چاہیں تو دورہ حدیث اور درجہ تکمیل بھی پورا کرسکتی ہیں، جس میں پردہ کا انتظام ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ خیرالمدارس میں بیسیوں خوش قسمت بچیاں دورہ حدیث شریف کرچکی ہیں۔

دورِ حاضر میں عورتوں کے لئے دینی تعلیم کی جس قدر شدید ضرورت ہے اہلِ بصیرت حضرات اس کا انکار نہیں کرسکتے۔ خود مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نوراللہ مرقدہٗ نے اس ناچیز کے سامنے اس ضرورت کا بارہا اظہار فرمایا، بلکہ فرمایا ان کی تعلیم میں جس قدر محنت اور مشقت زیادہ ہوگی اس کا اُجر و ثواب اس محنت سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ ہمارے ماحول میں لادینیت کے اَثرات جس تیزی سے پھیل رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ بچیوں کو دینی تعلیم کی بجائے انگریزی مضامین پڑھائے جاتے ہیں جن کا اسلامی عملی زندگی سے کوئی مثبت تعلق نہیں ہوتا، بلکہ شدید منفی اَثرات ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے معاشرے میں فحاشی، بے پردگی اور عریانی کا سیلاب تیزی سے پھیل رہا ہے۔ جناب اکبرالہ آبادی نے بالکل صحیح فرمایا تھا ؎

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عورتوں کی تعلیم وتذکیر کے لئے ایک دن مخصوص فرمایا کرتے تھے جس میں عورتیں جمع ہوکر آنحضرت ﷺ سے دینی احکام سیکھتی تھیں۔ خیرالمدارس میں مدرسہ تعلیم النساء کا اجراء اسی عمل نبویؐ سے مطابقت رکھتا ہے۔

ضرورت اس اَمر کی ہے کہ دیگر دینی مدارس بھی خیرالمدارس کے اس مبارک سلسلہ کی تقلید کریں اور اپنے ہاں شعبہ تعلیم النساء کا ضرور اجراء کریں۔ ابتداء میں ضرور مشکلات ہوں گی مگر اس کے نتائج بھی اِن شاء اللہ بہت مؤثر، دیرپا اور نمایاں ثابت ہوں گے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، آمین۔

دورِ حاضر کے مشاہیر اساتذہ میں حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی[1] رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث جامعہ

---

[1] افسوس استاذی المحترم اوائل ربیع الاول ۱۴۰۹ھ میں (مطابق ۲۱-۲۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء) کی درمیانی شب جمعہ کو حسب روایت ''الخیر'' جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ کو رحلت فرماگئے۔ انا للہ الخ اللھم اغفر لہ مغفرۃ ظاھرۃ و باطنۃ (آ آ)

اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم کراچی نے اپنی آراء میں خیر المدارس کے اس خصوصی شعبہ تعلیم النساء کی بڑی تعریف فرمائی ہے۔ اُمید ہے کہ وہ اپنی درس گاہوں میں بھی اس سلسلۂ خیر کے اجراء کی سعی فرمائیں گے۔[1]

مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ تبلیغی اجتماعات

مدرسہ خیر المدارس نے ہمیشہ تبلیغی جدوجہد کے سلسلہ میں سہ روزہ سالانہ اجتماع کا اہتمام رکھا ہے۔ اس کے سالانہ جلسہ سے بے شمار عوام الناس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ قرب وجوار کے علاوہ دور دراز کے شہروں سے لوگ سالانہ اجتماع میں شرکت کے لئے حاضر ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت بانی مدرسہؒ نے اس چیز کا خاص اہتمام فرمایا تھا کہ حضرات مبلغین ومقررین کے علاوہ مشائخ عظام کو بھی شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ چنانچہ مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں شیخ الاسلام حضرت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی جانشین شیخ الہند حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، اُستاذ العلماء حضرت علامہ مولانا رسول خان صاحب رحمہم اللہ جیسے مشائخ شرکت فرماتے رہے ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ اجتماعات میں بڑی معرکتہ الآراء تقریریں ہوئی ہیں۔ برادر محترم حضرت حافظ رشید احمد صاحب مرحوم نے تو خیر المدارس جالندھر میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب کی دو تقریریں[2] فلسفہ نماز اور شانِ رسالت کو طبع بھی کرایا تھا اور قیامِ پاکستان کے بعد حضرت مرحوم نے ہی ملتان سے دونوں تقریروں کو دوبارہ مزید طبع کرایا۔ فلسفہ نماز کے دوسرے ایڈیشن میں حضرت والاؒ نے حضرت قاری صاحب مدظلہم کے متعلق تعریفی کلمات تحریر فرمائے تھے۔

وعظ شانِ رسالت کو سُن کر ایک عیسائی نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔

خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسہ کا ایک واقعہ فرمودات امیر شریعت حصہ اوّل، مرتبہ حکیم مختار احمد الحسینی صاحب، میں یوں منقول ہے کہ حضرت امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے اور کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بھنگی جھاڑو دیتا ہوا گزرا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کو ساتھ کھانے کی دعوت دی۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو سیّد ہیں اور میں چوڑھا ہوں۔ آپ نے فرمایا "کیا چوڑھا انسان نہیں ہوتا۔" اور قسم کھائی کہ جب تک تو میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھائے گا اس وقت تک میں بھی کھانا نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ آپ نے ہاتھ دُھلا کر پہلے اسے پانی پلایا، پھر اس کا جھوٹا پانی خود پیا اور اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا۔ اس نے

---

[1] اب الحمدللہ ان دونوں جگہوں میں بھی اور اکثر مدارس دینیہ میں بھی علیحدہ باپردہ بچیوں کے مدارس قائم کیے جا چکے ہیں اور مزید قائم کیے جا رہے ہیں۔ محمود احمد عفی عنہ

[2] بفضلہٖ تعالیٰ اس ناچیز کو دونوں وعظوں کی تلخیص کا شرف حاصل ہوا جو "شان رسالت، شان خلافت اور نماز پورے اسلام کی میزان الکل ہے"۔ کے عنوانات سے متعدد مشاہیر دینی رسائل میں طبع ہو چکے ہیں۔ احقر قریشی

جا کر یہ واقعہ اپنی بیوی سے بیان کیا۔ اس کی بیوی اسلام کی یہ تعلیمات دیکھ کر بہت متاثر ہوئی اور شام کو دونوں نے ساتھ آخر اسلام قبول کرلیا۔ بلاشبہ ان کے قبولِ اسلام کا سبب حضرت شاہ صاحبؒ کے وسعت اخلاق حسنہ ہی تھا، مگر واقعہ تو احاطہ خیر المدارس ہی میں پیش آیا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تشریف آوری کا سبب بھی اسی کا سالانہ جلسہ تھا۔

اسی طرح ایک اور واقعہ احقر نے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مسجد زراعتی فارم ساہیوال سے خود سنا ہے کہ ایک بار انہوں نے خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں مرزا قتیل کا یہ مشہور واقعہ سنایا کہ ایک بار انہوں نے ایک نعت لکھی جسے پڑھ کر ہندوستان کا ایک شخص از حد متاثر ہوا اور وہ مرزا قتیل بیگ کی زیارت کے لئے ہندوستان سے پیادہ چل کر ایران پہنچا۔ اتفاق سے اس وقت مرزا قتیل کے پاس پہنچا جب وہ اپنی ڈاڑھی منڈا رہے تھے۔ اس نے ملتے ہی فوراً کہا ''آغا ریش مے تراشی؟'' یعنی آغا کیا تم داڑھی کتروا رہے ہو۔ مرزا قتیل نے فوراً جواب دیا ''بلے ریش مے تراشم و لے دل کسے نمے خراشم'' یعنی میں داڑھی کتروا رہا ہوں لیکن کسی کے دل[1] کو تکلیف نہیں پہنچا رہا۔

اس شخص نے فی البدیہہ جواب دیا ''آرے آرے دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مے خراشی'' یعنی ہاں ہاں تم جناب رسول اللہ ﷺ کا دل دُکھا رہے ہو، یعنی تمہارے ان حالات کی جناب رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوگی تو اس سے آپؐ کا دل دکھے گا، جیسا کہ احادیث میں ہے کہ ہر سوموار اور جمعرات کو اُمت کے اعمال کی اطلاع جناب رسول اللہ ﷺ کو دی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ اُمت کے خلاف شریعت اعمال کی اطلاع پا کر رحمۃ اللعالمینؐ کا دل دُکھتا ہے۔

تو مرزا قتیل اس شخص کی بات سنتے ہی بے ہوش ہوگئے اور زبانِ حال سے کہا:

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی   مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے کہ تم نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے محبوب سے ملا دیا اور فوراً آئندہ داڑھی منڈانے سے توبہ کرلی۔

تو مولانا موصوف نے فرمایا کہ جب میں نے خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر یہ واقعہ بیان کیا تو ایک شخص بہت رویا اور اس نے آئندہ داڑھی منڈانے سے توبہ کرلی اور انگریزی بال تو اسی وقت منڈا ڈالے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں کہ خیر المدارس کے آئندہ سالانہ جلسہ میں وہ شخص مجھ سے ملا تو اس شخص نے حسب وعدہ داڑھی رکھ لی تھی۔

یہ ناچیز عرض کرتا ہے کہ مرزا قتیل کا واقعہ مذکورہ حضرت مولانا دوسرے مقامات پر بھی اپنے وعظوں میں بیان فرمایا کرتے ہیں، لیکن خیر المدارس کے جلسہ سالانہ میں اس شخص کو توبہ کی توفیق ملنا حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی خاص نظرِ رحمت کا سبب معلوم ہوتا ہے، اور کیا بعید کہ حضرت والاؒ کی موجودگی ہی اس کا سبب ہو۔

---

[1] اس بارے میں کسی کا شعر ہے ۔ مباش در پے آزار و ہر چہ خواہی کن یعنی کسی کے دل کو نہ دکھاؤ ہماری شریعت میں اس کے سوا اور کوئی گناہ نہیں ہے۔

یہ دو تین واقعات تو احقر نے بطور مثال کے عرض کئے ہیں، ورنہ خیر المدارس کے سالانہ تبلیغی اجتماع سے عوام الناس اور علماء کو اتنا نفع پہنچتا رہا ہے کہ اس کا احاطہ بیان مجھ ناچیز سے دشوار ہے۔ بڑے بڑے مشائخ کی زیارت خیرالمدارس کے سالانہ اجتماع میں نصیب ہو جاتی تھی (کیونکہ ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ سفر کر کے پہنچنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی) جو اس کا مصداق تھی ؎

میر! جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لو   پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

الحمدللہ! اس ناچیز کو حضرت والاؒ کی حیاتِ طیبہ کے بالکل آخری دور میں خیرالمدارس کے سالانہ جلسوں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شمس العلماء مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ علم کے وہ موتی بکھیرتے جن کی مثال اب کہیں نظر نہیں آتی۔ مولانا عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری صاحبزادہ حضرت امیر شریعتؒ تو فرمایا کرتے تھے کہ خیر المدارس کے ان تین روزہ سالانہ جلسہ میں علمی باتیں نوٹ کیا کرتا ہوں اور سچ ہے کہ یہ باتیں پھر میں سال بھر تک اپنی تقریروں میں بیان کرتا رہتا ہوں۔ غرض میں سال بھر کا علمی ذخیرہ اسی سہ روزہ اجتماع میں جمع کر لیتا ہوں۔

خود یہ ناچیز بھی اس مبارک اجتماع کے نوٹس قلم بند کر لیتا تھا، جن میں سے بعض افادہ عامہ کی خاطر ماہنامہ صدائے اسلام پشاور میں طبع بھی کرا دیئے تھے۔ اب بھی بعض مرتبہ جو تقریر یا بیان کی نوبت آتی ہے تو اس مواد سے بھی بڑی مدد ملتی ہے۔ غرض یہ بڑا روحانی اجتماع ہوتا ہے۔

حضرت والاؒ کے وصال کے بعد ملک میں کچھ ایسے سیاسی حالات رونما ہوئے کہ مہتمم ثانی حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ باقاعدگی کے ساتھ اس مبارک سلسلہ کو نباہ نہ سکے۔ لیکن پھر بھی کئی اجتماعات اسی شان کے ان کے دور اہتمام میں بھی ہوئے ہیں اور نہ ہونے کا سبب بھی ان کی طرف سے کوئی کمی نہیں، جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے، بلکہ خیرالمدارس کیا، اکثر دینی مدارس کے سالانہ اجتماعات مُلکی حالات کے سبب باقاعدگی قائم نہ رکھ سکے۔

مزید[1] بابت سالانہ جلسات خیرالمدارس:

حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب، اُستاذ الحدیث خیر المدارس نے اس سلسلہ میں دو دلچسپ واقعات تحریر فرمائے ہیں، جو پیشِ خدمت ہیں:

---

[1] آ۔

(۱) حضرت مولانا سید سلیمان کے بیان اور جلسہ خیر المدارس کے دوران بارانِ رحمت:

حضرت والاؒ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر زیادہ تر کوشش صاحب نسبت علماء کے بلانے کی فرماتے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر علماء دین کے اجتماع پر اکثر بارش بھی ہو جاتی تھی اور ملتان کے لوگوں میں مشہور تھا کہ اگر بارش کی ضرورت ہو تو خیر المدارس والوں کو کہا جائے کہ مدرسہ کا جلسہ کرائیں، الحمد للہ۔ اسی لئے ایک دفعہ دورانِ تقریر حضرت مولانا سید سلیمان ندوی قدس سرہٗ نے فرمایا تھا کہ یہ خیر المدارس کا جلسہ ہے یا صلوٰۃ استسقاء۔ کیونکہ ان کی تقریر کے دوران بارش شروع ہو گئی تھی۔

(۲) حضرت مولانا مدنیؒ کو جلسہ کے لئے دعوت بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، نہ کہ بحیثیت صدر جمعیۃ العلماء ہند:

حضرت اپنی جماعت کے ہر عالمِ دین سے محبت رکھتے۔ ایک دفعہ ملک کی تقسیم سے پہلے خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے لئے حضرت مدنی قدس سرہٗ کو دعوت دی تو جمعیت علماء ہند کے ناظم صاحب نے لکھ بھیجا کہ چونکہ حضرت مدنی جمعیت کے امیر ہیں اور امیر جب بھی کسی جلسہ میں جاتے ہیں تو صاحب جلسہ کو پانچ سو روپیہ پہلے دفتر جمعیت میں جمع کرانے پڑتے ہیں۔ اس لئے یہ پانچ صد (۵۰۰) آپ بھیجیں، تب حضرت کو بھیجا جائے گا۔ مگر یہ ساری بات حضرت مدنیؒ کے علم سے بالاتر تھی۔ ہمارے حضرت نے جواب لکھا کہ میں نے جمعیت العلماء ہند کے صدر اور امیر کو نہیں بلوایا، بلکہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث کو بلایا ہے اور اس پر حضرت مدنی قدس سرہٗ بطیب خاطر تشریف لائے اور جلسہ پر بیان فرمایا۔

خیر المدارس جالندھر کے جلسہ میں حضرت مولانا مدنیؒ کو دعوت دینے کے متعلق ایک واقعہ احقر مؤلف کو بھی یاد آیا۔

شرکت جلسہ سے حضرت مولانا مدنیؒ کا عذر اور اس کا ازالہ بجواب حضرت والاؒ:

احقر[1] مؤلف نے حضرت والاؒ سے ایک بار سے زائد سنا ہے کہ حضرت والاؒ نے حضرت مولانا مدنیؒ کو خیر المدارس جالندھر کے جلسہ پر بیان فرمانے کی دعوت دی تو انہوں نے یہ عذر فرمایا کہ میری زبان سے بے اختیار انگریزوں کے خلاف نکلے گا اور یہ آپ کے مدرسہ کے لئے مضر ہوگا (کیونکہ یہ تقسیمِ ہند سے قبل انگریزی حکومت کے عہد کا واقعہ ہے) حضرت والاؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ آپ اپنے اختیار و ارادہ سے ایسا بیان نہ فرمائیں، بے اختیار نکل جائے تو مضائقہ نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا مدنیؒ نے جلسہ پر تشریف لا کر بیان فرمایا اور اس بیان میں انگریزوں کے خلاف کوئی بات نہیں فرمائی۔

---

[1] یہ روایت بالمعنی ہے۔ (آ)

دوملفوظات حضرت والاؒ برموقع جلسہ:

اس کے بعد حضرت والاؒ کے دوملفوظ مرتبہ مکرمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زیدمجدھم پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں دستار بندی طلباء خیرالمدارس کے دوسالانہ جلسوں کے موقع پر صدر مقرر فرماتے ہوئے حضرت والاؒ نے ارشاد فرمائے:

ملفوظ نمبر (۶) انتخاب صدر جلسہ میں ترکِ تکلّف اور رسمِ مغرب سے اجتناب:

بوقت دستار بندی طلباء خیرالمدارس ۱۲ مارچ ۱۹۶۷ء... اتوار استاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ کو صدر منتخب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میں اس کا قائل نہیں کہ ایک کھڑے ہوکر کہے میں (فلاں کو) صدر منتخب کرتا ہوں اور دوسرا اس کی تائید کرے۔ حالانکہ صدر سب کی طرف سے ہوتا ہے۔ جب ایک بانی اور مہتمم نے کہہ دیا تو گویا سب نے کہہ دیا۔ کیونکہ بانی اور مہتمم سب کی طرف سے ہوتا ہے۔'' پھر فرمایا مولانا (موصوف) صدارت کریں گے۔ بعد میں دستار بندی ہوئی، جس میں صاحب صدر موصوفؒ حضرت والاؒ، شمس العلماء حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ اور مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے دستار بندی کی۔ دستار بندی کے بعد حضرت افغانیؒ نے ''روٹی کا مسئلہ'' (یعنی انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا حل) پر تقریر فرمائی۔

ملفوظ نمبر (۷) ہمارا مدرسہ پرانے طریق پر چل رہا ہے... حضرت والاؒ کا ارشاد:

جلسہ دستار بندی ۱۹۶۸ء..... بوقت دستار بندی حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میاں چنوں کو صدر منتخب کرتے ہوئے فرمایا: ''دراصل ہمارا مدرسہ پرانے طریق پر چل رہا ہے، جیسے دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور وغیرہ۔ وہاں صدر اس کو منتخب کرتے تھے جو سب سے افضل ہو، مولانا محمد ابراہیم صاحب چونکہ جامع شریعت وطریقت ہیں، استاذ العلماء حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے شاگردوں میں سے ہیں، اس لئے میں ان کو صدر منتخب کرتا ہوں۔''

اور اسی پر اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے۔

اصلاحِ اُمت کے لئے فریضہ اصلاح وتزکیہ اور تعلیم وتبلیغ یا صرف حکومت کی اصلاح زیادہ اہم اور ضروری کیا ہے؟

ایک غلط فہمی کا ازالہ اور اس کی اصلاح

مدرسہ خیر المدارس ملتان کا سالانہ جلسہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق ۳۰، ۳۱ و یکم اپریل ۱۹۵۶ء بروز جمعہ ہفتہ اتوار منعقد ہوا۔ اس کا مطبوعہ اعلان جو حضرت والاؒ کی طرف سے شائع ہوا تھا وہ احقر مؤلف کی فائل میں ملا۔ چونکہ اس میں مسلمانوں کی صلاح وفلاح دارین اور اصلاح کے نہایت اہم اصول مذکور ہیں، نیز اس میں ایک عام غلط فہمی کا ازالہ اور اصلاح بھی ہے، اس لئے اس کا اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے اپنی اور سب مسلمانوں کی اصلاح اور فلاحِ دارین کے متمنی حضرات اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔ بہت سے حضرات کو بے حد نفع ہوا ہے...... وھو ھذا.

الحمد للہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی. اما بعد: وطن عزیز جمہوریہ اسلامیہ پاکستان میں نظام اسلامی کی جدوجہد کے لئے جہاں بالائی اور دستوری کوششوں کی ضرورت ہے، وہاں اس سے بیسیوں گنا زائد عامۂ مسلمین میں دینی شعور کے پیدا کرنے اور اس کے بقاء وتحفظ کی بے انتہا اور لامحدود سعی کی ضرورت ہے۔

آج تعلیم یافتہ حضرات کے ایک طبقہ میں یہ خیال جاگزیں ہو چکا ہے کہ تعلیم وتبلیغ کی چنداں ضرورت نہیں۔ صرف حکومت کی مشینری کے ٹھیک اور اصلاح یافتہ ہو جانے سے دینی نظام خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ اس غلط فہمی میں بہت سے سمجھ دار اور دین دار لوگ مبتلا ہو کر اپنے فرائضِ تعلیم وتبلیغ سے بالکل غافل ہو رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے اصول وفروع کی صحیح تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کے احکام واوامر کی کما حقہ تبلیغ اور آپ کا جاری کردہ طریق اصلاح وتزکیہ ہی مسلمانوں کے لئے تاقیامت ترقی وفلاح کا ضامن ہے۔

علماء ربانیین نے ہر زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کا حتی الامکان اتباع کرتے ہوئے مدارس عربیہ اور خانقاہوں کے ذریعہ تعلیم وتزکیہ اور تبلیغی جلسوں اور وفود کے ذریعہ فریضہ تبلیغ سرانجام دیا ہے۔

اور ۷، ۸، ۹ مارچ ۵۸ء کے سالانہ جلسہ کے لئے مطبوعہ دعوت نامہ میں پہلے پیراگراف کی عبارت مندرجہ ذیل ہے (بعض دیگر سالانہ جلسوں کے دعوت نامہ کی عبارت بھی تقریباً اسی مضمون کی ہے): ''دینی علوم کی تعلیم وتبلیغ اور اسلامی عقائد ومسائل کی اشاعت وترویج یوں تو ہر دور میں ضروری ہے، لیکن اس غفلت شعاری اور الحاد وزندقہ کے پُرفتن زمانہ میں اس کی

ل آل۔

اہمیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔'' یہ دعوت نامہ حضرت والاؒ ہی کی طرف سے ہوتا تھا۔

مدرسہ عربی خیر المدارس کے سرپرست حضرات

جالندھر میں مدرسہ خیر المدارس کی تاسیس اور پھر ملتان میں نشاۃِ ثانیہ سے بالترتیب سرپرست حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:[1]

- ☆ حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ
- ☆ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ
- ☆ محدث وقت حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ
- ☆ عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ
- ☆ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی قدس سرہٗ
- ☆ مخدوم العلماء حضرت حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہٗ[2]

مدرسہ خیر المدارس کے مہتمم حضرات:

بانی و مہتمم اوّل: جامع المعقول والمنقول خیر الفقہاء والمحدثین حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہٗ
مہتمم ثانی: حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (مدفون جنت المعلّٰی، مکہ مکرمہ)
مہتمم ثالث: حضرت مولانا قاری حافظ محمد حنیف صاحب جالندھری زادمجدہٗ سلمہ اللہ تعالیٰ (موجودہ مہتمم)

نوٹ: مہتمم حضرات میں سے مہتمم اوّل اور بانی مدرسہ کی تو یہ سوانح حیات ہی ہے۔ اور مہتمم ثانی حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات باب ۱۹، اہل و عیال میں آ رہے ہیں۔ نیز ''ذکر خیر و یاد شریف'' میں بھی قدرے تفصیل سے آ چکے ہیں۔ اس لئے اب یہاں موجودہ مہتمم مولانا حافظ قاری محمد حنیف صاحب زادمجدہٗ کے مختصر حالات ماہنامہ ''الخیر'' (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ، ص ۳۶ تا ۳۹) سے بتغیر یسیر قدرے ملخصاً نقل کئے جاتے ہیں۔

---

[1] الخیر شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ

[2] اب آخری سرپرست حضرت حاجی صاحبؒ کی وفات کے بعد سے سرپرست کی جگہ خالی ہے۔ یہ ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ حضرت والاؒ اور حضرت والاؒ کے اختیار کئے ہوئے سرپرست اوّل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مسلک و مشرب اور مذاق سے اقرب شخصیت سے سرپرستی قبول فرمانے کی درخواست کی جائے۔ (ا ع)

حضرت مولانا حافظ قاری محمد حنیف صاحب جالندھری زادمجدہٗ

ولادت:
۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۶۱ء بروز چہار شنبہ بوقت صبح

تاریخی نام:

قاسم ظفر ،	عاصم ظفر ،	خورشید اکرم
۱۳۸۱ھ	۱۳۸۱ھ	۱۳۸۱ھ

تمہید:
حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ کی وفات کے بعد خیر المدارس کے اہتمام کی گرانقدر ذمہ داری صاحبزادہ مولانا محمد حنیف کے کندھوں پر آ پڑی۔ آپ بلند حوصلہ، جواں فکر، نئے عزائم اور اُبھرتی صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ جامعہ کے تعلیمی، تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں کو نہایت پامردی اور استقامت کے ساتھ آگے بڑھا رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ خیر المدارس جیسے ادارہ کا انتظام و انصرام جس کے لئے ایک کہنہ مشق، تجربہ کار، جہاندیدہ اور زیرک شخص کی ضرورت تھی، مولانا محمد حنیف صاحب کی نگرانی میں بخیر و خوبی چل رہا ہے۔ جس میں ان کی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اکابر کی دُعاؤں، بانی جامعہ کے اخلاص و توجہات اور مخلص اساتذہ کے تعاون کو بھی دخل ہے۔ بحمد اللہ جامعہ ترقی پذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو حضرت بانی جامعہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک و مشرب کے مطابق دین کی بیش از بیش خدمات کی توفیق عنایت فرمائیں۔

خطابت اور تدریس:
جس سال آپ کے والد محترم دوسرے حج کے لئے تشریف لے گئے، اسی سال آپ دورۂ حدیث شریف کے امتحان میں امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوئے۔ حج کے سفر پر روانگی سے قبل جامع مسجد خیر المدارس میں خطابت کے فرائض مولانا محمد حنیف صاحب کے سپرد فرمائے۔ دو ماہ قبل شعبان میں درس نظامی کی تعلیم سے فراغت کے بعد امسال آپ کا تکمیل کا قصد تھا کہ اچانک ۸ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ کو حضرت مولانا مرحوم کی قابلِ رشک وفات کی اطلاع موصول ہوئی تو جامعہ میں مولانا کا تقرر بطور مدرس کر دیا گیا۔

انتخاب مہتمم:
آپ کے عم محترم قائم مقام مہتمم کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ مجلس شوریٰ کا اجلاس ''انتخاب مہتمم'' کے سلسلہ میں منعقد ہونا طے پا چکا تھا۔ اس منصب کے لئے اندرون و بیرون جامعہ سے مختلف حضرات کے نام لئے جا رہے

تھے۔ حضرت علامہ کشمیریؒ، حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ، حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ مولانا حنیف صاحب کے اہتمام کا فیصلہ کر چکے تھے۔ حضرت علامہ کشمیری صاحبؒ شروع دن ہی سے مولانا کے اہتمام کے بارے میں مصر تھے۔ حتیٰ کہ مولانا کی وفات کے بعد پہلی ملاقات میں ہی مولانا سے یہ فرمادیا کہ ہم تمہیں مہتمم بنائیں گے۔ مولانا نے عرض کیا حضرت یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں تو قطعاً اس کا اہل نہیں ہوں۔ حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر حنیف کے علاوہ کسی اور کو مہتمم بنایا گیا تو میں استعفیٰ دے دوں گا۔ شوریٰ کے اجلاس سے ایک روز پہلے بعض ممبران شوریٰ تشریف لا چکے تھے اور اس اہم مسئلہ پر گفت وشنید کر رہے تھے۔

شوریٰ کا اجلاس:

۲۳ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۸۱ء نو بجے صبح اجلاس کا آغاز ہوا۔ اجلاس میں حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحبؒ، حضرت مولانا کشمیری صاحبؒ، حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوریؒ سمیت سولہ ممبران نے شرکت فرمائی۔ حضرت افغانیؒ وحضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ شریک اجلاس نہیں ہوسکے۔ لیکن ہر دو حضرات نے بذریعہ خط اپنی رائے سے مجلس کو آگاہ فرمادیا تھا۔ تلاوت کے بعد منشی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم نے اہتمام کے لئے مولانا حنیف صاحب کا نام پیش کیا، جسے باتفاق رائے منظور کرلیا گیا۔ واضح ہو کہ حضرت افغانیؒ وحضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ نے بھی یہی رائے تحریر فرمائی تھی۔ مولانا دفتر میں بیٹھے تھے کہ پیغام شرکت موصول ہوا۔ آپ اجلاس میں حاضر ہوئے تو جملہ ممبران کھڑے ہوگئے اور مبارک باد دی۔ بعدازاں اجلاس کی بقیہ کارروائی نمٹائی گئی۔ اسی اجلاس میں حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ کو جامعہ کا سرپرست مقرر کیا گیا، جو آپ وجامعہ کے لئے انتہائی خوش آئند بات تھی۔ شوریٰ کا فیصلہ سننے کے لئے کثیر تعداد میں آئے ہوئے لوگ، اساتذہ اور طلباء سب ہی منتظر تھے۔ دارالحدیث میں تمام حضرات کو جمع کر کے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کا پروگرام تھا۔ اساتذہ، طلباء، ارکینِ شوریٰ کے علاوہ خیر خواہان خیر المدارس کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اور دارالحدیث لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ اس موقع پر شرعی عدالت کے جسٹس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے فیصلہ کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ مولانا محمد حنیف صاحب کے اہتمام کا فیصلہ کثرت رائے اور اتفاق رائے کی بجائے توارد سے ہوا ہے اور یہ عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس بچہ کو اتنے بڑے ادارہ کا اہتمام کیوں سپرد کیا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ خدائی فیصلے عمر پر موقوف نہیں ہوتے۔ اور آپ نے اس پر دلائل وامثال بھی ذکر کئے۔ بعدازاں حضرت مولانا علامہ کشمیری صاحبؒ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ میں نے اس کے زمانہ طالب علمی سے ہی (جبکہ اس نے ملاحسن، میبذی جیسی کتابیں

زبانی یاد کر کے سنائی تھیں) اس کے اہتمام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس اجتماع سے حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نے بھی خطاب کیا اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ مولانا عبدالحق صاحب نے اپنا دست شفقت آپ کے سر پر رکھ کر اپنی سرپرستی کا اعلان فرمایا۔

یوں یہ بابرکت تقریب اختتام کو پہنچی تو ہر ایک کی طرف سے مبارک باد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے اس فیصلہ کو اپنے دل کی آواز سمجھا۔ حضرت قاری صاحبؒ نے گلے لگ کر اپنے عزائم کی تکمیل پر خوشی کا اظہار فرمایا۔

الحمد للہ بفضلہٖ تعالیٰ خیر المدارس روز بروز ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔ طلباء کی تعداد پہلے کی بہ نسبت کئی گنا ہو چکی ہے۔ غیر ملکی طلبہ کثرت سے داخل ہو کر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ماہنامہ "الخیر" کا اجراء عمل میں آچکا ہے۔ "خیر الفتاویٰ" کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ "خیر الباری" شرح صحیح بخاری (عربی) زیر طبع ہے۔ سالانہ بجٹ دو کروڑ تک پہنچ چکا ہے۔ شاخ ہائے جامعہ ملک بھر میں قائم ہو رہی ہیں۔ متروکہ وقف قطعہ اراضی جو تقریباً پونے دو لاکھ مربع فٹ ہے خیر المدارس کو الاٹ ہو چکا ہے۔ تعمیر کے سلسلہ میں دو منزلہ دار القرآن کی تکمیل ہو چکی ہے۔ دو منزلہ "دار الاقامہ" کا وسیع منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ مدرسہ تعلیم النساء کی تعمیر ہو چکی ہے۔ عالمی سطح پر خیر المدارس کی خدمات کا تعارف ہو رہا ہے۔ حضرات اکابر کی توجہ کا مرکز بن چکا ہے۔ یہ سب بفضل اللہ تعالیٰ سبحانہٗ بانی مدرسہ کے اخلاص اور اساتذہ کے تعاون کا نتیجہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو نظر بد سے محفوظ فرمائیں اور اس کے تمام کارکنان کو اخلاص نیت، حسن عمل اور نیک انجام کی دولت نصیب فرمائیں، آمین ثم آمین۔

اسماء[1] گرامی ارکان وعہدہ داران مجلس شوریٰ مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر (سابقہ در ۱۹۵۶ء)

۱۔	حضرت مولانا خیر محمد صاحب	بانی ومتولی مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر
۲۔	حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب	مدرس حدیث ومفتی مدرسہ خیر المدارس ملتان
۳۔	حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب	مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
۴۔	حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی	شیخ التفسیر والحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
۵۔	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	مہتمم دار العلوم کراچی
۶۔	حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی	مہتمم دار العلوم اسلامیہ، ٹنڈو الہ یار، سندھ
۷۔	حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی	شیخ الحدیث دار العلوم اسلامیہ، ٹنڈو الہ یار، سندھ

[1] یہ معلومات حضرت سید قمر الدین شاہ صاحب۔ دام فیضہم کی عطا فرمودہ ہیں۔ (آ)

۸۔	حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی	سابق وزیر معارف قلات، ترنگ زئی ضلع پشاور
۹۔	حضرت مولانا ابراہیم صاحب	مہتمم مدرسہ عربیہ میاں چنوں، ضلع ملتان
۱۰۔	حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری	چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی، ضلع منٹگمری
۱۱۔	حضرت[ا] مولانا عبداللہ صاحب	سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں
۱۲۔	جناب حاجی سرفراز خان صاحب	رئیس ٹھل نجیب ضلع ملتان
۱۳۔	جناب حضرت حاجی محمد شریف صاحب	محلّہ نواں شہر، ملتان
۱۴۔	جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب	محلّہ چہلیک ملتان
۱۵۔	جناب شیخ عبدالمجید صاحب	دولت گیٹ ملتان
۱۶۔	حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری	مدرسہ خیرالمدارس ملتان
۱۷۔	حضرت صدر مدرّس صاحب	مدرسہ خیرالمدارس ملتان

مدرسہ کا نظم ونسق مندرجہ ذیل حضرات اراکین مجلس منتظمہ کے سپرد ہوگا:

نام اراکین مجلس منتظمہ	پتہ جات
۱۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب، مہتمم (صدر)	بانی ومتولی مدرسہ خیرالمدارس بیرون دہلی گیٹ ملتان
۲۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب (مدرس حدیث، ناظم)	محلّہ قدیرآباد ملتان
۳۔ حضرت مولانا مولوی محمد شریف صاحب جالندھری (خازن)	مدرسہ خیرالمدارس، بیرون دہلی گیٹ ملتان
۴۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب (رکن)	مہتمم مدرسہ عربیہ میاں چنوں، ضلع ملتان
۵۔ جناب شیخ عبدالمجید صاحب	دولت گیٹ ملتان

خیرالمدارس کی موجودہ مجلسِ شوریٰ

۱۔	حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری	مہتمم جامعہ خیرالمدارس ملتان
۲۔	حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب	مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور
۳۔	حضرت سید انور حسین صاحب نفیس رقم	لاہور
۴۔	حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی	کراچی

[ا] افسوس کہ ۲۰ شوال ۱۳۹۷ھ فوت ہوگئے۔ انا للہ۔ اللهم اغفر له

۵۔	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب	کراچی
۶۔	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	شیخ الحدیث ونائب صدر دار العلوم کراچی
۷۔	حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق صاحب اسکندر	صدر جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، کراچی
۸۔	حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور صاحب ترمذی	مہتمم جامعہ حقانیہ، ساہیوال، ضلع سرگودھا
۹۔	حضرت مولانا مشرف علی صاحب تھانوی	مہتمم دار العلوم الاسلامیہ، لاہور
۱۰۔	حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب	مہتمم مدرسہ عربیہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی (بہاولپور)
۱۱۔	جناب حاجی شمشاد علی صاحب	ملتان
۱۲۔	جناب ڈاکٹر محسن رضا خان صاحب	ملتان
۱۳۔	حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب انوری	فیصل آباد
۱۴۔	جناب حاجی ذیشان الٰہی صاحب	ملتان
۱۵۔	حضرت مولانا مفتی عبد القادر صاحب	مہتمم دار العلوم کبیر والا ؎
۱۶۔	جناب حاجی عبد الوحید صاحب	ملتان

خیر المدارس کے صدر المدرسین حضرات

بالترتیب خیر المدارس کے صدر مدرّس حضرات:

۱۔ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ (آپؒ بانی مدرسہ، اوّل شیخ الحدیث اور اوّل [1] صدر مدرّس تھے)

۲۔ حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوریؒ	(صدر مدرّس)
۳۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحبؒ	(صدر مدرّس)
۴۔ حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ	(صدر مدرّس)
۵۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ	(موجودہ صدر مدرّس)

؎ افسوس کہ اب ان حضرات میں سے تین بزرگ نمبر ۲ نمبر ۸ نمبر ۱۵ وفات پاچکے ہیں اور ان کی جگہ حضرت مولانا مفتی سید عبد القدوس صاحب ترمذی مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم جامعہ حنفیہ وریوالہ کا تقرر عمل میں لایا جاچکا ہے۔ ۱۲۔ محمود احمد غفرلہٗ

[1] یہ ترتیب اور یہ معلومات ''شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ'' سے لی گئی ہیں۔ (۱۲)

دارالافتاء خیرالمدارس

حضرت والاؒ نے خیرالمدارس کی نشاۃِ ثانیہ کے بعد ہی دارالافتاء قائم فرمایا۔ لیکن اس کے لئے کوئی مستقل عمارت، کمرہ نہ تھا۔ بلکہ آپ خود ہی بغیر کسی نائب یا معین مفتی کی مدد کے اور بغیر ناقل کے خود ہی سب کام انجام دیتے تھے۔ یعنی استفتاء کا جواب لکھنا، رجسٹر میں نقل کرنا اور مہر لگا کر ڈاک کے حوالہ کرنا۔

اب خیرالمدارس کے مفتی حضرات کی بالترتیب فہرست دی جاتی ہے[1]:

(۱) فقیہ الامت حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ
(۲) حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(۳) حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی (موجودہ صدر مفتی)[2]
(۴) حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق صاحب مدظلہ العالی (مفتی)[3]
(۵) حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب زید مجدہٗ (مفتی)
(۶) حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب زید مجدہٗ (مفتی)

حضرت والاؒ کے عہد میں مندرجہ ذیل حضرات نے دارالافتاء میں بطور نائب مفتی کئی کئی سال کام کیا ہے[4]:

(۱) حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ
(۲) حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق صاحب مدظلہٗ
(۳) حضرت مولانا اصغر علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

خیرالمدارس کے سابق خیرالاساتذہ[5]

(۱) استاذ الاساتذہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہٗ وقدس سرہٗ
(۲) حضرت مولانا احمد بخش صاحب جالندھریؒ
(۳) حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ

---

[1] یہ ترتیب اور یہ معلومات ''شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ سے لی گئی ہیں۔ (آ)

[2] افسوس کہ مورخہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ مطابق ۸ جولائی ۲۰۰۶ء کو حضرت مفتی صاحبؒ داغ مفارقت دے گئے، اللھم اغفر لہٗ و ادخلہ فی جنۃ الفردوس ۱۲ محمود احمد عفی عنہ

[3] موجودہ مفتی حضرات کے صحیح مناصب کی تحقیق اور حالیہ مفتی و نائب مفتی صاحب کے نام کا اضافہ حضرت مہتمم صاحب سے تحقیق کے بعد کیا گیا ہے۔ (آ)

[4] یہ ترتیب اور یہ معلومات ''شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ سے لی گئی ہیں۔ (آ)

[5] یہ فہرست اسی ترتیب کے ساتھ مجلہ ''الخیر'' شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ سے لی گئی ہے۔ البتہ حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ اسم شریف موجود اساتذہ کی فہرست سے منتقل کر کے سابقہ کی فہرست میں اضافہ ان کی وفات کی وجہ سے کرنا پڑا۔ (آ)

(۴) مخدومنا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ
(۵) حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوریؒ
(۶) حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانیؒ
(۷) حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیمل پوریؒ
(۸) حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب سرحدیؒ
(۹) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فیصل آبادیؒ
(۱۰) حضرت مولانا انیس الرحمٰن صاحب لدھیانویؒ
(۱۱) حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب ہوشیار پوری
(۱۲) حضرت مولانا صوفی غلام محمد صاحب فیصل آبادی
(۱۳) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب جالندھری
(۱۴) حضرت مولانا لطافت الرحمٰن صاحب سرحدی
(۱۵) حضرت مولانا محمد رمضان صاحب بہاولپوری
(۱۶) حضرت مولانا محمد نور صاحب میانوالی
(۱۷) حضرت مولانا جمال الدین صاحب افغانی
(۱۸) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی
(۱۹) حضرت مولانا غلام رسول صاحب
(۲۰) حضرت مولانا غلام احمد صاحب ملتانی
(۲۱) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب ملتانیؒ
(۲۲) حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب
(۲۳) حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر شاہ صاحب بخاریؒ
(۲۴) حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ
(۲۵) حضرت مولانا عبدالحق صاحب جالندھریؒ
(۲۶) حضرت مولانا فیض احمد صاحب ملتانی
(۲۷) حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحبؒ
(۲۸) حضرت مولانا غلام حسین صاحب، میانوالی

(۲۹) حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب پشاوری

(۳۰) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب ڈیروی

(۳۱) حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق صاحب سرحدی

(۳۲) حضرت مولانا قاری عبدالمنان صاحب حصاروی

(۳۳) حضرت مولانا قاری سید عبدالحنان صاحب

(۳۴) حضرت مولانا اصغر علی صاحبؒ

(۳۵) حضرت حافظ احمد علی صاحب

(۳۶) حضرت مولانا نذیر احمد صاحب

(۳۷) حضرت مولانا غلام قادر صاحب

(۳۸) حضرت مولانا اللہ یار صاحبؒ

(۳۹) حضرت مولانا عبدالماجد صاحب

(۴۰) حضرت مولانا محمد مسعود صاحب کشمیری شہیدؒ

(۴۱) حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب

(۴۲) حضرت مولانا عبدالمجید انور صاحب

(۴۳) حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحبؒ

(۴۴) حضرت مولانا محمد اکرم صاحب

(۴۵) حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب جلالپوری

(۴۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ

(۴۷) حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ

(۴۸) حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب صابر

(۴۹) حضرت مفتی عبدالستار صاحبؒ۔ (صدر مفتی واستاد)

خیرالمدارس کے موجودہ اساتذہ کرام[1]

۱۔	حضرت مولانا محمد حنیف صاحب زید مجدہم	مہتمم جامعہ خیرالمدارس ملتان
۲۔	حضرت مولانا محمد صدیق صاحب	صدر مدرّس وشیخ الحدیث
۳۔	حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق صاحب	مفتی واستاذ
۴۔	حضرت مولانا منظور احمد صاحب	استاذ الحدیث
۵۔	حضرت مولانا محمد مفتی محمد انور اوکاڑوی	رئیس شعبہ تخصص فی الدعوۃ والارشاد
۶۔	حضرت مولانا شیر محمد صاحب زید مجدہم	
۷۔	حضرت مولانا محمد ازہر صاحب	مدرّس ومدیر ماہنامہ ''الخیر''
۸۔	حضرت مولانا شبیر الحق صاحب زید مجدہم	
۹۔	حضرت مولانا محمد عابد صاحب زید مجدہم	
۱۰۔	حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب زید مجدہم	۱۲۔ حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب زید مجدہم
۱۳۔	حضرت مولانا نجم الحق صاحب زید مجدہم	(مدرّس وناظم)
۱۴۔	حضرت مولانا شمشاد احمد صاحب زید مجدہم	۱۵۔ حضرت مولانا نعیم احمد صاحب زید مجدہم

اساتذہ درجہ قرآن کریم:

۱۔ قاری محمد اسحاق صاحب زید مجدہم	۲۔ قاری محمد اقبال صاحب زید مجدہم
۳۔ حضرت حافظ عبدالرحیم صاحب مدظلہ	۴۔ حافظ محبوب احمد صاحب زید مجدہم
۵۔ قاری امیر الدین صاحب زید مجدہم	۶۔ حافظ محمد ضیاء اللہ صاحب زید مجدھم

مراسلت حضرت والاؒ مع شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ:

پروفیسر محمد انوار الحسن صاحب انور شیرکوٹی کی تالیف ''انوارِ عثمانی'' میں علامہ عثمانیؒ کی حضرت والاؒ کے ساتھ بیش قیمت مراسلت ملی، جو پیشِ خدمت ہے۔ تین مراسلات خیرالمدارس سے متعلق ہیں۔ ان کے علاوہ دو اور ہیں۔ ایک میں علامہ عثمانیؒ کی علالت، دوسری میں وفات کا سال ہے۔ اوّل الذکر مکتوبات اس باب سے متعلق ہیں، لیکن باقی دو کو بھی اسی باب میں یکجا دیا جا رہا ہے۔ مراسلت کے یکجا ہونے کی وجہ سے اس کی مراجعت آسان ہوگی۔

---

[1] ابتداءً یہ فہرست بھی ''شمارہ شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ سے لی گئی تھی۔ لیکن حضرت مولانا کشمیری صاحبؒ کی وفات کیوجہ سے ان کا اسم گرامی سابقہ اساتذہ کی فہرست میں منتقل کر دیا گیا۔ نیز اساتذہ نمبر ۴، ۶، ۷ ۔ اور ۱۲ تا ۱۶ کا اضافہ بافادہ حضرت مہتمم صاحب کیا گیا۔ (ع)

(۱) مکتوب ۷۴-ص ۲۲۸) مکتوب علامہ عثمانیؒ بنام حضرت والاؒ (بابت سفارش داخلہ طالب علم)

برادر محترم جناب مولانا خیر محمد صاحب دامت مکارمہم

بعد سلام مسنون آنکہ۔ حامل ہٰذا مولوی محبوب حسن دہلوی نے مجھ سے مشورہ لیا۔ میں نے ان کو رائے دی ہے کہ وہ خیر المدارس میں داخل ہو جائیں۔ دورہ پڑھنے کا ارادہ ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ان کو داخل فرمائیں گے اور امکانی رعایت کریں گے۔ والسلام شبیر احمد عثمانی، کراچی (۶ شوال ۱۳۶۸ھ/ مطابق ۱۹۴۹ء)

(۲) (ص ۲۴۶) مکتوب حضرت والاؒ بنام علامہ عثمانیؒ (بابت تجویز مجلس شوریٰ برائے سرپرستی خیر المدارس)

بگرامی خدمت سیدنا و مولانا حضرت سرپرست صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! حسب تجویز سابق مجلس شوریٰ (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری، مولانا محمد عبدالجبار صاحب ابوہری، مولانا محمد ابراہیم صاحب سلیم پوری، مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری) خدمت عالیہ میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ سرپرستی مدرسہ خیر المدارس ملتان کو قبول فرما کر امور بالا کی تصدیق اور مستقبل کے متعلق ہدایات مفیدہ سے سرفراز فرمایا جاوے، فقط۔

احقر خیر محمد، مہتمم مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان شہر (مورخہ ۲۶ محرم ۱۳۶۹ھ)

(۳) مکتوب ۸۱-ص ۲۴۷) مکتوب علامہ عثمانیؒ بنام حضرت والاؒ (بابت قبولیت سرپرستی خیر المدارس)

جناب محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چونکہ پاکستان میں اس قسم کے مدارس دینیہ کی ضرورت و اہمیت کو میں پوری طرح محسوس کرتا ہوں اور امکانی خدمت کے لئے تیار ہوں۔ اس لئے مجلس شوریٰ کی تجویز مسترد کرنے کی جرأت نہیں ہوسکتی۔ لیکن آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میرے مشاغل بہت مختلف و متنوع ہیں۔ اور صحت بھی زیادہ اچھی نہیں۔ اس لئے عملی خدمت حسب دلخواہ نہیں کرسکوں گا۔ بہر حال آپ حضرات کے ارشاد کی تعمیل کو موجب برکت تصور کرتا ہوں۔

شبیر احمد عثمانی، کراچی، ۲۸ محرم ۱۳۶۹ھ

(۴) (مکتوب ۷۵-ص ۲۲۹) مکتوب بہدایت علامہ عثمانیؒ (بقلم مولانا محمد یحییٰ صاحب)

بنام حضرت والاؒ (بابت علالت علامہ عثمانیؒ و درخواست دُعاء)

محترم المقام حضرت مولانا صاحب دام مجدہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ وصول ہوا۔ حضرت قبلہ مولانا مدظلہٗ پر اگست کو فالج کا حملہ ہوا تھا۔ بایاں ہاتھ اور بائیں جانب زبان کی متاثر ہے۔ علاج ہو رہا ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ افاقہ ہے۔ عوارض میں بتدریج تخفیف ہو رہی ہے۔ دُعاء

فرمائیں اور مدرسہ میں دُعاء کرائیں، حق تعالیٰ جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔

آپ کو سلام مسنون فرماتے ہیں۔ والسلام بقلم محمد یحییٰ، کراچی (۱۹ شوال ۱۳۶۸ھ، ۱۹۴۹ء)

(۵) (ص ۲۵۷) مکتوب مولانا محمد یحییٰ صاحب بنام حضرت والاؒ (بابت وفات علامہ عثمانیؒ)

مکرم محترم حضرت مولانا خیر محمد صاحب دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون آنکہ گرامی نامہ صادر ہوا۔ اس حادثہ جانکاہ سے دل و دماغ متاثر ہیں۔ آپ کے تسلی آمیز کلمات سے سکون ہوا۔

حضرت (مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی) رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ویسی ہی حالت تھی جیسی کہ چند روز قبل آپ نے یہاں دار العلوم کے جلسے کے موقع پر دیکھی تھی۔ یعنی عام صحت پہلے سے بہتر ہی تھی۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور کی تعمیر جدید کا سنگ بنیاد رکھنے اور نصاب وغیرہ کے سلسلہ میں مشورہ کے لئے ۸ دسمبر کو بہاول پور کے لئے روانہ ہوئے۔ ۱۲ کو رات بالکل اچھے تھے۔ ۱۳ کی شب میں بخار ہوا اور سینہ میں کچھ تکلیف رہی۔ صبح کو طبیعت ٹھیک ہوگئی تھی۔ ۹ بجے پھر سینہ میں تکلیف ہوئی۔ سانس میں رُکاوٹ اور گھٹن محسوس ہوئی۔ علاج اور تدبیر بے سود رہی، اور گیارہ بج کر چالیس منٹ پر واصل بحق ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حق تعالیٰ ان کے مدارج بلند فرمائے اور ہم کو جنت الفردوس میں ان کے ساتھ جمع کرے۔ آپ حضرات کی محبت اور ہمدردی کے لئے ہم سب وابستگان خاندان بدل شکر گزار ہیں۔ والسلام

محمد یحییٰ، کراچی (۲۰ دسمبر ۱۹۴۹ء)

بعض مکتوبات حضرت والاؒ بنام بعض اکابر علماء کرام

مولوی حافظ محمد اشرف صاحب زید مجدہٗ (میر پور خاص) نے چند اوراق مجلّہ ''الحق'' بابت محرم ۱۳۹۳ھ ارسال کئے تھے۔ ان میں ''تبرکات ونوادر'' کے عنوان سے حضرت والاؒ کے بعض مکاتیب نقل کئے گئے ہیں۔ یہ مکاتیب زیادہ تر وفاق المدارس، نصاب تعلیم، جلسہ مدرسہ خیر المدارس کے لئے دعوت، خود کسی مدرسہ کے جلسہ میں دعوت شرکت کی قبولیت اور مدرسہ کے لئے امتحانی سوالات وغیرہ کے متعلق ہیں۔ ایک آخری مکتوب علماء اہلِ حق کے درمیان اتحاد و موافقت کی سعی سے متعلق ہے۔ بعض مکاتیب میں مرسل الیہ کے نام (حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کی تصریح ہے۔ بعض میں نہیں۔ لیکن بظاہر وہ بھی ان ہی کے نام سمجھ میں آتے ہیں، واللہ اعلم) اکثر حاشیہ پر نوٹ کے ختم پر جو اشارہ (س) لکھا ہوا ہے اس سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مراد ہیں، جو اس وقت ''الحق'' کے مدیر تھے۔ چونکہ اکثر مکاتیب کا تعلق اُمورِ مدرسہ سے ہے، اس لئے سب کو اسی باب کے تحت یکجا نقل کیا جاتا ہے۔ (آ)

(۱) مخدومی المکرم حضرت مولانا صاحب زیدت مساعیکم ومعالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! دعوت نامہ[۱] سے سرفراز فرمایا گیا۔ یادآوری کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ میں مقرر و واعظ نہیں ہوں۔ احباب کے تقاضا پر تکثیر سواد کے لئے استفادہ وزیارت کی غرض سے کہیں کہیں حاضر ہوجایا کرتا ہوں۔ اگر اس درجہ میں قبول ہوتو حاضری کی سعی کروں گا، اِن شاء اللہ۔ تاریخ نوٹ کرلی ہے۔ اُمید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام ۹ جمادی الآخر ۱۳۷۲ھ

(۲) محترم المقام حضرت مولانا صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مکلّف ہوں کہ ایک کاپی نصاب[۲] کی ارسال کرتا ہوں (جو ہنوز قابلِ اطمینانِ قلبی نہیں) اولین فرصت میں اس کی اصلاح فرمادی جاوے، یا مستقل نصاب مرتب فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔ اس لئے کہ خیر المدارس اور اس جیسے دیگر مدارس عربیہ میں دورِ حاضر کے مناسب ایک جامع نصاب تعلیم عربی معہ ہدایات طریقہ تعلیم اور امتحانات کی جلد تجویز ہونے کی اشد ضرورت ہے، جس میں اُمورِ ذیل کی خاص رعایت رکھی گئی ہو:

(۱) مدت تعلیم عربی آٹھ نو سال سے متجاوز نہ ہو۔ (۲) ابتدائی درجات میں خصوصاً، باقی میں عموماً کتب ایسی تجویز ہوں جو فن سے مناسبت پیدا کرنے اور استعداد بڑھانے اور اصلاح اخلاق میں خصوصی درجہ رکھتی ہوں۔ (۳) فن ادب میں ایسی ترتیب ملحوظ رکھی جائے کہ ابتدائی درجات میں عربی لکھنے، بولنے کی آسانی سے رعایت ہوسکے۔ (۴) قدیم منطق، فلسفہ، کلام کی غیر ضروری کتب کو حذف کرکے اس کی جگہ کتب ضروریہ کو جگہ دی جاوے۔ (۵) ترجمہ قرآن مجید کی تعلیم کو ایسی طرح داخل درس کیا جاوے کہ اس کے مقاصد سے ایک گونہ مناسبت اور اس کی تبلیغ سے مہارت پیدا ہوجائے۔ (۶) دورِ حاضر کے مسائل پیش آمدہ معاشیات، نظام حکومت، سیاسیات وغیرہ کی متعلقہ کتب کو بھی داخل درس کیا جاوے۔ فقط۔ ۱۸-۵-۶۹ھ

(۳) مخدوم العلماء والفضلاء سیدی حضرت مولانا صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مکلّف ہوں کہ مدرسہ ہٰذا کے امتحان سالانہ کے لئے تین سوالات سنن ابوداؤد شریف سے مرتب فرما کر جوابی لفافہ میں ارسال فرمادیے جائیں، ممنون ہوں گا۔ اُمید ہے مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ دُعاء کا طالب ہوں۔ ۲۸/۶/۷۷ھ

(۴) مخدوم العلماء والفضلاء سیدی حضرت مولانا صاحب دامت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! طلب خیریت کے بعد عارض ہوں کہ مدرسہ خیر المدارس کا سالانہ جلسہ بتاریخ ۱۸، ۱۹، ۲۰ شعبان ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۷، ۲۸ فروری یکم مارچ ۱۹۵۹ء جمعہ ہفتہ اتوار ہونا قرار پایا ہے۔ جناب کی خدمت عالیہ میں مؤدبانہ

---

[۱] بسلسلۂ شمولیت جلسۂ دستار بندی۔

[۲] وفاق المدارس کے مجوزہ نصاب میں ان امور کی کچھ رعایت رکھی گئی، تاہم اب بھی ان نکات کی اہمیت اور ضرورت اپنی جگہ برقرار ہے اور علمی حلقوں کو دعوت فکر دے رہی ہے۔

گزارش ہے کہ تاریخ نوٹ فرما کر جلسہ میں تشریف آوری کا وعدہ فرمالیں۔ شکرگزار رہوں گا۔ اُمید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام ۷۸ھ-۶-۴

(۵) مخدومنا المکرم حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مدارس عربیہ[۱] کی تنظیمی کمیٹی کا مرتب کردہ دستوری اساسی معہ فارم الحاق مدارس بھیجا گیا ہے۔ ملاحظہ فرما کر رائے گرامی سے مطلع فرمایا جائے۔ آئندہ ۱۶، ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۴، ۲۵ جون ۱۹۵۹ء بدھ، جمعرات کو تنظیم کمیٹی کے اراکین کا دوسرا اجتماع ہونے والا ہے، جس میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب نصاب تعلیم کا مسودہ پیش فرمادیں گے۔ اگر کوئی مانع قوی نہ ہو تو خصوصی دعوت قبول فرما کر تشریف لے آئیں، ممنون ہوں گا۔ اور تشریف آوری کی ٹرین سے مطلع فرمادیں۔ والسلام ۶ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ

(۶) محترم المقام مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! نصاب کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کرنے والے بعض حضرات سفر حجاز کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ اس لئے ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ کو منعقد ہونے والے اجلاس نصاب کمیٹی کو بحکم صدر صاحب مدظلہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔ تاریخ کے تعین سے جناب والا کو دوبارہ دفتر سے اطلاع دی جائے گی۔ والسلام۔ ۱۸/۱۱/۸۲ھ

(۷) بگرامی خدمت جناب حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم، رکن عاملہ وفاق

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! جناب والا! مورخہ ۱۹، ۲۰ شوال ۱۳۸۳ھ مطابق ۴، ۵ مارچ ۱۹۶۴ء بروز بدھ، جمعرات مدرسہ خیرالمدارس ملتان میں مجلس عاملہ وفاق کا ایک نہایت ضروری اور اہم اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔ تاکہ جملہ اراکین عاملہ اس پر غور فرمائیں کہ ملحقہ مدارس اب تک اپنی پرانی رفتار پر چل رہے ہیں۔ اراکین عاملہ کا فرض ہے کہ اس کے اسباب وعلل پر غور کریں۔ اور اسباب مدارس کی راہ میں اگر کچھ مشکلات ہیں تو ان کا حل دریافت کریں۔ اور متفقہ طور پر ایسی کوشش کریں کہ شروع ہونے والے سال میں نمایاں اور مؤثر کامیابی حاصل ہو سکے۔ اس لئے آغاز سال میں ہی عاملہ کا یہ اجلاس طلب کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ جملہ اراکین مجلس عاملہ اپنے مشاغل دو چار دن چھوڑ کر اس اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں گے۔ ایجنڈا مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ گزشتہ اجلاس کی کارروائی کی توثیق، ۲۔ نصاب درجات تخصص اور اس سے متعلق قواعد وضوابط کی منظوری، ۳۔ اصلاح مدارس عربیہ کے سلسلہ میں ایسی مؤثر تدابیر تجویز کرنا جن پر عمل کرنے سے شروع ہونے والے سال میں نمایاں کامیابی حاصل ہو سکے۔ ۴۔ دیگر امور بہ اجازت صدر۔ والسلام ۲۵ رمضان ۱۳۸۳ھ

---

[۱] وفاق المدارس کے قیام کا ابتدائی دور کی خط وکتابت ہے۔ یہ رپورٹ اور مجوزہ اصلاحات بعد میں وفاق نے شائع کیں۔

(۸) منبع العلم والعمل مخدومی مکرمی حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اجلاس عاملہ وفاق المدارس العربیہ ملتان ۹/ اکتوبر ۱۹۶۵ء بروز ہفتہ، بعد نماز ظہر ہونا قرار پایا ہے۔ اور متصل بعد دودن مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوگا۔ یہ اجلاس کئی وجوہ سے اہم ہے۔ اس لئے آپ کی تشریف آوری ضروری کاموں سے بھی ضروری ہے۔ اس لئے ضرور تشریف لاکر ممنون فرماویں۔ والسلام

۷ جمادی الآخر، ۱۳۸۵ھ مطابق ۳/ اکتوبر ۱۹۶۵ء

(۹) حضرت مخدومنا زادت فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں عرصہ پانچ ماہ سے درد کمر وغیرہ کی وجہ سے بیمار تھا۔ اس وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ معاف فرمانا۔ اب بھی کچھ تکلیف ہے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

(۱۰) بگرامی خدمت محترم ومکرم حضرت مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج اقدس۔ آپ کا گرامی نامہ مورخہ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ موصول ہوکر کاشف احوال ہوا۔ جواب ارسال بحضور ہے، کہ وفاق المدارس العربیہ کے سالانہ اجلاس شوریٰ کے التواء کی اطلاع کے ساتھ دوبارہ انعقاد کی اطلاع بھی اسی عریضہ مطبوعہ کارڈ پر تحریر کردی گئی تھی۔ شاید وہ عریضہ بہ نظر غائر ملاحظہ نہیں فرمایا گیا۔ اب یہ اجلاس عاملہ مورخہ ۳۰ رجب ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء بروز پیر اور اجلاس شوریٰ مورخہ یکم شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۶۶ء بروز منگل مدرسہ خیرالمدارس ملتان میں منعقد ہوگا۔ جدید تاریخیں نوٹ فرمالیں۔ جناب ناظم اعلیٰ[۱] صاحب چونکہ فی الحال قاہرہ تشریف لے جاچکے ہیں، اس لئے ان کی غالباً غرہ رجب تک واپسی پر سالانہ امتحان کے بارہ میں جناب والا کو اطلاع کردی جائے گی۔ اور آپ کے لئے ہرقسم کی دل سے دُعاء کرتا ہوں۔ والسلام۔ ۸/ اکتوبر ۱۹۶۶ء

(۱۱) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!...... کل مفتی محمود صاحب یہاں تشریف لائے تھے۔[۲] مختصر گفتگو کے بعد یہ قرار پایا کہ چار ارکان ذیل (مولانا افغانی صاحب، مولانا بنوری صاحب، مولانا عبدالحق صاحب، مولانا نافع گل صاحب) کی موجودگی میں دونوں فریق کے تین تین افراد یا کم وبیش ملتان میں جمع ہوں، اور ہر فریق اپنی بات بالمشافہ سنائے۔ پھر چاروں ارکان جو متفقہ فیصلہ دیں، ہم دونوں فریق کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اس لئے ماہ مئی کے کسی حصہ میں تاریخ مقرر کرکے دونوں فریق کو بلایا جائے گا۔ آنجناب اطلاع ثانی پر تشریف لانا منظور فرماویں۔ ضرور منظور فرماویں۔ ۱۱/۲/ ۹۰ھ

---

۱ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب۔ (س)

۲ علماء کرام کے درمیان الیکشن سے قبل دو جمعیتوں کے قیام کی شکل میں جو خلفشار پیدا ہوا تھا۔ اس کی اصلاح اور باہمی صلح کے لئے کوششیں ہورہی تھیں۔ (س)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وفاق المدارس کی ضرورت کا مختصر تذکرہ اور اجمالی تاریخ ذیل میں ''الخیر'' (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ) سے دی جا رہی ہے:

بانیٔ وفاق المدارس:

''قیام پاکستان کے بعد عامۃ المسلمین کی رُشد و اصلاح اور دینی رہنمائی کے لئے بلاد و قصبات میں متعدد دینی جامعات اور مکاتب و مدارس وجود میں آئے۔ لیکن یہ سینکڑوں ادارے بکھرے ہوئے موتیوں کی مانند تھے، جو اپنی اپنی جگہ آبدار و تابناک تو ضرور تھے، لیکن مجموعی حیثیت سے انہیں قابلِ ذکر حیثیت و مقام حاصل نہ تھا۔ عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ نے اس کمزوری کو محسوس فرمایا اور خیر المدارس کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۰ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۹۵۷ء میں یہ تجویز پیش فرمائی کہ تمام مدارس عربیہ میں انضباط و ارتباط اور معیار تعلیم اور امتحانات میں یکسانیت کے لئے عملی قدم اُٹھایا جائے۔ اس تجویز کی افادیت و اہمیت اور تقاضائے وقت کے پیشِ نظر اکابر علماء نے اس کی توثیق فرمائی۔ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ پر مشتمل ایک مجلس (کمیٹی) تشکیل دی گئی، جس کے ذمہ ابتدائی مراحل کی تیاری اور اسے عملی جامہ پہنانے کا کام تھا۔ آج ''وفاق المدارس العربیہ'' کی لڑی میں چھ ہزار سے زائد مدارس منسلک ہیں، جن کا نصاب، طریق امتحان، سندات وغیرہا یکساں ہیں۔ حکومت پاکستان نے ''وفاق'' کی تیس سالہ دقیع علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر شہادۃ العالیہ کو ایم۔اے عربی و اسلامیات کے برابر تسلیم کیا ہے''[1]

(نوٹ از احقر مؤلف: دونوں طرف کی تعلیم کا حال خوب اچھی طرح دیکھنے اور شہادات کا حامل ہونے، بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ کراچی یونیورسٹی سے ۱۹۵۴ء میں ایم۔اے عربی میں اوّل پوزیشن حاصل ہونے کے بعد احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کے برعکس ایم اے عربی و ایم اے اسلامیات دونوں ڈگریاں حاصل کرنے والا مدرسہ کے فارغ التحصیل یعنی دورہ حدیث تک پڑھ کر سند لینے والے کے برابر تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ نہ عربی و اسلامیات میں ایم۔اے کرنے والا بلکہ علوم دینیہ کے کسی شعبہ میں دکتورہ (ڈاکٹریٹ) کرنے والا سند الفراغ یا وفاق المدارس کی سند دیئے جانے کا اہل ہوسکتا ہے۔ جب تک کہ وہ کسی شیخ الحدیث اور اساتذہ حدیث سے دورہ حدیث (اس کی موقوف علیہ کتب پڑھنے کے بعد) نہ پڑھ لے۔ معیاری دینی مدارس یا وفاق المدارس کی سند الفراغ کو ایم۔اے عربی و ایم۔اے اسلامیات دونوں ڈگریوں کے برابر تسلیم کرنا حقیقتاً تو سند کی بے ادبی اور توہین ہے، لیکن بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ حکومت پاکستان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کم از کم اتنا تو سمجھے کہ عربی مدارس میں بھی کچھ پڑھایا جاتا ہے۔ ورنہ ان حضرات کی معلومات کا عموماً یہ حال ہے کہ احقر کو کراچی کی ایک جامع مسجد کے

[1] ''اگرچہ بانیانِ ''وفاق'' کا اخلاص و مقام اس قسم کے رسمی اعزازات سے کوسوں بلند ہے۔ اور ایسے پیمانوں سے ان کے علم و فضل کو ناپنا بے قدری اور ناشناسی میں داخل ہے (از ہر)''

امام وخطیب صاحب نے بتایا کہ ایک[1] صاحب فرماتے تھے کہ فلاں مسجد کا امام بہت بڑا عالم ہے۔ ہر روز نماز میں نئی سورت پڑھتا ہے۔ سبحان اللہ!)

اس کے بعد "الخیر" کی بقیہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"یہاں اس بات کا تذکرہ ناگزیر ہے کہ بعدازاں مختلف مذہبی طبقات کی طرف سے اپنے اپنے حلقۂ اثر کے مدارس کی شیرازہ بندی میں وفاق ہی کی پیروی میں تنظیمیں بنائی گئیں، جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ اور علمائے دیوبند کی اصابت رائے، ندرت فکر اور حقیقت شناسی کا عملی اعتراف ہے۔ **والفضل للمتقدم**."

(نوٹ: حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہ العالی (مہتمم نجم المدارس کلاچی) نے وفاق المدارس سے حضرت والاؒ کے تعلق کے بارے میں ایک تحریر ارسال فرمائی ہے۔ اب وہ ملاحظہ فرمائیے:)

"وفاق المدارس سے حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا تعلق

یہ تو بہرحال آپ کے علم میں ہوگا کہ وفاق المدارس کی بنیاد حضرت خیر الاساتذہؒ ہی کے دست مبارک سے خیر المدارس میں رکھی گئی ہے۔ اور آپ اس کے پہلے صدر[2] مقرر ہوئے۔ اور یہ بنیاد غالباً ۵۶/ ۵۷ء کو رکھی گئی۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء میں جب جمعیت علماء اسلام نے نظام العلماء کے نام سے کام کو جاری رکھا تو اس کے لاہور میں پہلے اجلاس میں مدارس دینیہ کی تنظیم کا مسئلہ بھی ایجنڈے میں آیا۔ اس کے ایک دن بعد ملتان میں وفاق المدارس کا اجلاس ہو رہا تھا۔ حضرت الاستاذؒ کی جانب سے مجھے وفاق المدارس میں نجم المدارس کو شامل کرنے کے لئے دعوت نامہ پہنچا۔ جمعیت علماء اسلام کے عاملہ کا میں رکن تھا۔ وہاں پہنچا تو تمام اکابرین کو حتیٰ کہ حضرت الامیر قدس سرہٗ کو بھی وفاق میں شامل ہونے کا سخت مخالف پایا۔ بہت تکلیف پہنچی۔ خود حضرت الاستاذؒ کو بھی یہی اطلاعات ملی تھیں، جن سے آپ کو پریشانی تھی۔ اور جمعیت کے اس اجلاس میں اپنے صاحبزادہ مولانا محمد شریف صاحب نائب مہتمم خیر المدارس کو بھیجا۔ چونکہ آپ بہت کم گو تھے، اس لئے ترجمانی کے لئے سلطان خطابت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ کو ساتھ بھیج دیا تھا۔

جمعیت کے عام اجلاس سے پہلے اس کا خاص عاملہ کا اجلاس ہوا۔ اس میں اکابر کی شدید مخالفت سے میں سخت گھبرایا۔ صرف حضرت مولانا عبدالواحد صاحب گوجرانوالہ وفاق کے حق میں تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے راستہ کھول دیا۔ میں نے وجہ مخالفت پوچھی تو دو باتیں بتلائی گئیں۔ اس پر احقر نے حضرت الاستاذؒ کا وہ دعوت نامہ سنا دیا جو میرے پاس تھا۔ اس میں ان دونوں شبہات کا جواب تھا۔ تو سب سے پہلے حضرت الامیرؒ نے فرمایا: اس سے تو مسئلہ کی صورتِ حال ہی بدل گئی۔

---

[1] یہاں حکومت کے ایک بڑے عہدہ دار کے عہدہ کا نام تھا جس کو احتراماً حذف کر دیا گیا۔ (آ)

[2] اس کی تفصیل آرہی ہے۔ (آ)

اس لئے اب تو اس مسئلہ پر از سرِ نو غور ہونا چاہئے۔ چنانچہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی بات چیت سے طے پایا کہ اس سلسلہ میں شکوک و شبہات سے بالاتر ہو کر مدارس دینیہ ''وفاق المدارس'' میں شامل ہو جاویں۔ حضرت الاستاذؒ کو جب واقعہ کی اطلاع پہنچی تو احقر سے بہت خوش ہوئے، والحمدللہ۔

بظاہر یہ شدید اختلاف معمولی بات چیت سے کیسے ختم ہو گیا تھا۔ بات یہ تھی کہ: ''اذا الناس ناس والزمان زمان.''

ناکارہ عبدالکریم غفرلہ ولوالدیہ (۱۰ شعبان ۱۴۱۵ھ ۱۲/۱/۹۵)

اوّل صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان:

احقر مؤلف نے حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں عریضہ لکھ کر استفسار کیا کہ وفاق کے پہلے صدر حضرت والاؒ تھے یا حضرت مولانا افغانیؒ؟ انہوں نے یہ پرچہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مدظلہ مہتمم جامعہ خیر المدارس کی خدمت میں پیش کر دیا، جس پر انہوں نے یہ جواب تحریر فرمایا:

''عارضی طور پر ابتداء میں حضرت جدامجدؒ صدرِ وفاق تھے۔ بعد میں جب باضابطہ اجلاس میں انتخاب ہوا تو حضرت افغانیؒ صدر ہوئے۔ بعد ازاں پھر حضرت جدامجدؒ تاحیات صدر رہے۔ احقر کو ایسے ہی معلوم ہے..... کتابچہ ارسالِ خدمت ہے۔''

یہ کتابچہ تعارف و تاریخ وفاق المدارس العربیہ پاکستان (مرتبہ: حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب) تھا۔ چنانچہ اس کتابچہ میں سے تلخیص کر کے قدرے مزید تفصیل درج ذیل ہے:

ابتداء میں بغرض تنظیم مدارس کنوینگ کمیٹی بنی۔ اس کے فیصلہ پر ایک تنظیمی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں ایک تنظیمی کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کے صدر حضرت والاؒ منتخب کئے گئے۔ اس کمیٹی کے اجلاس منعقدہ ۱۶، ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ (۲۴، ۲۵ جون ۱۹۵۹ء) میں طے شدہ پروگرام کے تحت ۱۴، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ (۱۸، ۱۹/ اکتوبر ۱۹۵۹ء) کو مجوزہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا پہلا اجلاس حضرت والاؒ کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس کی نشستوں میں وفاق کا دستور منظور کیا گیا۔ اور آئندہ تین سال کے لئے عہدہ داران کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ صدر منتخب ہوئے۔ دوسری مجلس عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۱۳۸۲ھ میں حضرت والاؒ صدر منتخب ہوئے (اور تاحیات صدر رہے)۔

ماضی کے خیر الطلبہ (چند پند در شعر و بند)

تقریباً پینتیس چالیس سال قبل حضرت والاؒ کے زمانہ کی بات ہے کہ خیر الطلبہ میں سے بعض کی رہائش خیر المدارس کے مغربی سمت والے دارالاقامہ کے کسی کمرہ میں تھی، جو حضرت سائیں طور شاہ صاحبؒ کے حجرہ کے قریب تھا، اور دارالاقامہ کے کمرے جلسہ کے موقع پر مہمانوں کے لئے بھی استعمال ہوتے تھے۔ چنانچہ احقر مؤلف بھی جلسہ کے موقع پر ایک کمرہ میں

ٹھہرا ہوا تھا۔ احقر نے اس موقع پر چند اُردو اور عربی کے اشعار اس کمرہ کی دیوار پر دیکھے، جن میں سے اب ایک یاد ہے۔ ان اشعار سے اندازہ ہوگا کہ اس وقت طلباء کی ذہنیت کیا تھی۔ اور وہ کس یکسوئی کے ساتھ دنیا کی بے ثباتی کو پیش نظر رکھتے ہوئے تحصیل علوم دینیہ میں منہمک رہتے تھے۔ افادۂ عامہ کے لئے وہ اشعار (عربی واُردو) یہاں لکھے جاتے ہیں

نزلنا ھٰھنا ثم ارتحلنا : کذا الدنیا نزول وارتحالٗ

یہ سرائے دہر مسافرو بخدا کسی کا مکان نہیں
جو مقیم اس میں تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشان نہیں

آج کا خیرالمدارس

اور احقر مؤلف کی اپنے برادرانِ خیرالمدارس کی خدمت میں گزارش

''کل کے خیرالمدارس'' کو بجا طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس میں حضرت والاؒ اور دوسرے اکابر موجود تھے، او بزرگانِ دین کا اجتماع ہوتا رہتا تھا۔ لیکن تاہم آج کا خیرالمدارس بھی پاکستان کے مدارس میں ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ اور اس میں بحمداللہ تعالیٰ وبفضلہٖ تعلیم وتدریس کا بقاء واستمرار، طلبہ کی تعداد، اساتذہ کرام کی محنت اور اخلاص، تعمیرات میں ترقی، غرضیکہ ہر شعبہ میں ترقی کے آثار نمایاں ہیں۔

یہی نہیں بلکہ ۱۰-۱۴۰۹ھ (۱۹۸۹ء) کا موسم گرما تھا۔ ایک شب جامع خیرالمساجد میں نماز عشاء کے بعد احقر مؤلف نے موجودہ مہتمم صاحب جناب مولانا مولوی حافظ قاری محمد حنیف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، طال عمرہ وزاد مجدہٗ کا طلبہ سے خطاب سنا (جو غالباً تعلیمی سال کی ابتداء میں ہوا کرتا ہے) اس کے اہم حصہ کا حاصل کچھ ایسا یاد ہے کہ طلباء سے فرمایا کہ تم مولوی، عالم بلکہ مفتی بھی سب ہی کچھ بن سکتے ہو، لیکن اصلاح کے بغیر آدمی نہیں بن سکتے۔ بہرحال اتنا عمدہ بیان توقع سے بڑھ کر تھا۔ جس کو سن کر آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور دل مسرور ہوا، اور دِل سے دُعاء نکلی کہ اللہ تعالیٰ بیش از بیش خدمت دین کامل تر اخلاص وصدق کے ساتھ کرنے کی توفیق ارزانی فرماتے رہیں (آمین)

تاہم کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت والاؒ کے زمانہ کی نورانیت وروحانیت، صدق واخلاص اور تقویٰ وطہارت کا وہ معیار اب بھی موجود ہو؟ فضا میں ویسی ہی انوار کی بارش اب بھی ہو؟ اس کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟ لیکن مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّهٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّهٗ. کیا اس کی سعی نہیں کی جاسکتی کہ اب بھی اس کا کچھ حصہ تو حاصل ہو جائے اور وہ باقی بھی رہے؟ کیوں نہیں، لیکن اب کیسے ہو؟

اس کے تدارک کا طریقہ جو اختیار وامکان میں ہے وہ اتنا ضرور ہے کہ حضرت والاؒ اس فضاء کی بقاء کے لئے جو اسباب اختیار فرماتے تھے ان میں سے جو اسباب اب اختیار میں ہیں ان کو اختیار کیا جائے۔

سب سے زیادہ اہم تو ہر شخص کے لئے انفرادی اصلاح کی جدوجہد اور سعی کرنا اور کسی شیخ کامل اور محقق مصلح سے استرشاد کرتے رہنا اور اطلاع واتباع اور اعتقاد وانقیاد کے نسخہ پر عمل کرنا ضروری ہے ہی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اجتماعی سعی کی بھی ضرورت ہے۔ جیسا کہ حضرت والاؒ کے زمانہ میں معمول تھا۔ اس معمول کو ویسی ہی اہمیت دی جائے، بلکہ حضرت والاؒ کی غیر موجودگی سے اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے۔

شیخ کامل کی غیر موجودگی میں بزرگوں کے ملفوظات ہی اس کا کسی درجہ میں بدل ہو سکتے ہیں، اور اسی سے کچھ تدارک ہوسکتا ہے۔

حضرت والاؒ کے شیخ کامل اور محقق مصلح حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ تھے۔ حضرت مجدد تھانویؒ کے ملفوظات حضرت والاؒ بہت پابندی سے سنتے تھے اور اس کے لئے باقاعدہ مجلس کی پابندی ہوتی تھی۔ اور تقریباً بیس منٹ ملفوظات پڑھے جاتے تھے۔

اب اس نورانی اور روحانی فضا کو پیدا کرنے کے لئے اجتماعی کام یہی امکان میں ہے کہ ملفوظات کی مجلس بعد عصر ہوا کرے۔ اور جناب مہتمم صاحب زید مجدہم اس میں پابندی سے تشریف فرما ہوں۔

اس کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ حضرت والاؒ ادباً اس مجلس میں عموماً مسند پر نہیں بیٹھتے تھے، بلکہ کنارے پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ مجلس کا ادب جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی قلب میں نورانیت کے اخذ اور اصلاح کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

(بہر حال ہر بات کو حدود شریعت اور اتباع سنت کا پابند رکھنا ضروری ہے۔ اکابر کی عادات کو عبادات مقصودہ سمجھنے اور ان کے ساتھ عین شریعت کا سا معاملہ کرنے لگنے سے بدعات کا دروازہ کھلتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ مجلس اہلِ علم کی ہوتی ہے، ان شاءاللہ تعالیٰ وہ ہر بات کو اپنی حد پر رکھیں گے اور مجلس ملفوظات کو مدرسہ کے دروس کی طرح حصول علم صحیح اور فہم سلیم پیدا کرنے کا اور اصلاح کا وسیلہ سمجھنے ہی کی حد تک محدود رکھیں گے۔ اور اس کو محض رسمی خانہ پری یا عبادت مقصودہ کا درجہ نہ دیں گے۔ محض مستقبل کی احتیاط کے لئے یہ عرض کیا گیا۔)

محترمی اقبال قریشی صاحب نے فرمایا ہے کہ اس مجلس میں درجہ تکمیل کے طلبہ کی حاضری لازمی ہوتی تھی۔ (اب بھی اس معمول کو باقی رکھا جانا نہایت اہم اور ضروری ہے۔ احقر مؤلف)

حضرت والاؒ نے کتب خانہ خیر المدارس کے رجسٹر میں ملفوظات حکیم الامتؒ کی کتاب کو علم فقہ میں شامل فرمایا ہے۔ (اس کی تصدیق حضرت والاؒ کے زمانہ کے رجسٹر سے ہوسکتی ہے)

اس سے ایک حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات سے تفقہ فی الدین اور فہم سلیم پیدا ہوتا ہے۔ اور درجہ تکمیل کے طلباء کے لئے حاضری کی پابندی بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

اُمید ہے کہ اس گزارش کو شرفِ قبولیت بخشا جائے گا۔ اور اُمید ہے کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے سے
اختیار کی حد تک اجتماعی حیثیت سے حضرت والاؒ کے زمانہ کی نورانی فضا کسی درجہ میں حاصل ہو سکے گی۔ قلوب میں اطمینان
سکینہ پیدا ہوگا۔ آپس میں محبت اور آجکل کی نام نہاد مغربی سیاست سے یکسوئی بھی نصیب ہوگی۔ (کیونکہ بقول عارف باللہ
حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ: آجکل کی سیاست نجاست ہے۔ اور بقول علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی) نیز اُمید ہے کہ اپنی ہی جماعت میں سیاسی اختلاف کی وجہ سے آپس کی
میں بہت کمی کا ماحول بنے گا۔ قلوب میں وسعت اور حوصلہ پیدا ہوگا۔

محض تائید اً عرض ہے کہ حضرت والاؒ کے خدام میں سے ایک کے قلب پر مسجد نبوی شریف میں بار بار اور خصوصاً
نماز میں بھی اس کی اہمیت کا وارد ہونا مزید تائید کا اثر پیدا کرتا ہے۔ (مخدومی واستاذی المعظم حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد
عثمانیؒ فرماتے تھے کہ نماز کا وارد صحیح ہوتا ہے) واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

اس مجلس میں حضرت مہتمم صاحب طال عمرہٗ تو حتی الامکان ضرور تشریف فرما ہوں، اور حضرت والاؒ کے
مجازین میں سے خصوصاً حضرت سید قمرالدین احمد صاحب مدظلہٗ بھی ضرور تشریف لائیں۔ (کیونکہ مدرسہ ہی میں قیام ہے)
ان کا معمول مجلس میں پابندی کا رہا ہے اور اِن شاء اللہ تعالیٰ ضرور رہے گا) نیز اور بھی حضرت والاؒ کے مجازین یا صاحبِ سلسلہ
حضرات جو حاضر ہو سکتے ہو ان کی حاضری نہایت غنیمت و مفید ہے۔ خود ان کے لئے بھی اور دوسرے حضرات کے لئے
بھی۔ البتہ ملفوظات کی مجلس میں دوسری گفتگو یا بلا ضرورت ان کی شرح یا تاویل وغیرہ کچھ نہ ہو تو اِن شاء اللہ تعالیٰ نفع اتم ہوگا۔
علاوہ ازیں حضرت والاؒ کے زمانہ میں بعد نماز جمعہ کی مجلس میں ارواحِ ثلثہ اور نزہۃ البساتین وغیرہ بھی پڑھی جاتی
تھیں۔ اور اس میں شہر کے حضرات بھی تشریف فرما ہوتے تھے۔ اب بھی اس کا اہتمام نہایت درجہ مفید ہے۔ اور ان
مذکورہ کتب کے علاوہ نشر الطیب کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ واللّٰہ الموفق وھو یھدی الی صراط مستقیم

(المدینۃ المنورہ، لیلۃ الخمیس۔ ۳۰ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ)

ملفوظات ومواعظ حکیم الامتؒ کے بارے میں خود حضرت والاؒ
اور بعض دیگر صاحبِ سلسلہ اکابر کے ارشادات

اس سے قبل جو عرض کیا گیا وہ تو احقر کی گزارشات تھیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ وزنی اور قیمتی خود صاحب
سوانح حضرت والاؒ کے ارشاداتِ گرامی ہیں۔ حضرت والاؒ سے محبت وعقیدت کا تعلق رکھنے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر
دلیل کیا ہوگی۔ اور جن حضرات کو یہ بات حاصل نہ ہوئی ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

اب اس سلسلہ میں حضرت والاؒ کے دو[1] ملفوظ تحریر کئے جاتے ہیں:

ملفوظ نمبر (۲): ملفوظات کے دوران فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور مواعظ ہر عام وخاص کے لئے یکساں مفید ہیں۔

ملفوظ نمبر (۳): ایک دفعہ فرمایا: جس شخص کو بھی اپنی اصلاح مقصود ہو حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ کو زیر مطالعہ رکھے۔ اور اگر پڑھ نہ سکے تو کسی سے سُن لیا کرے۔

مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ خلیفہ مجاز بیعت حضرت تھانویؒ کا ارشاد:

پھر یہ ارشادات کوئی حضرت والاؒ کا تفرد نہیں، بلکہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی مزید تائید ایک واقعہ سے ہوتی ہے۔

احقر ایک بار جب جدہ میں تھا، مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ کو اپنی گاڑی میں کہیں پہنچانے جا رہا تھا، راستہ میں استفادۃً عرض کیا کہ حضرت طاعات کو عمل میں لانے اور منکرات سے بچنے کا دارومدار اپنی ہمت یا طلب[2] پر ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہمت یا طلب کیسے پیدا ہو؟ فوراً ارشاد فرمایا کہ حضرت (حکیم الامت تھانویؒ) کی کتابوں کے مطالعہ سے ہمت (یا طلب) پیدا ہوتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت کی کتابوں میں ترغیب وترہیب اور اصلاح کے سلسلہ میں مواعظ وملفوظات بہت ہی نمایاں ہیں۔

حضرت والاؒ کے مکاتیب اصلاحیہ میں مطالعہ مواعظ وملفوظات کی تاکید:

نیز حضرت والاؒ کے مکاتیب اصلاحیہ میں بھی مواعظ وملفوظات کے مطالعہ کی بہت تاکید ملتی ہے۔ مثال کے طور پر احقر کے عریضہ مورخہ ۱۳/۷/۱۳۷۵ھ برائے استرشاد میں سے ایک عرض حال اور ارشاد حسب ذیل ہے۔

عرض حال: ملفوظات اور مواعظ کا مطالعہ بھی جاری ہے، ان سے بہت فائدہ محسوس ہوتا ہے۔

ارشاد: "ماشاءاللہ! یہ تو حقیقی مرشد ورہنما ہیں۔"

نمونہ کے لئے صرف ایک ہی مثال پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ اور اسی پر اس گزارش کو ختم کیا جاتا[3] ہے۔ واللہ الموفق وھو یھدی الی سواء السبیل۔ (المدینۃ المنورۃ، لیلۃ الجمعۃ، غرۃ شوال ۱۴۱۲ھ)

اضافہ: ایک ضروری بات یاد آ گئی۔ چنانچہ عرض ہے کہ احقر مؤلف ۵۷-۱۹۵۶ء میں جب اُردو کالج کراچی میں شعبہ عربی و اسلامیات میں لیکچرار تھا، اس زمانہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے داماد مولانا نور احمد صاحب اکیابی مرحوم دارالعلوم کراچی کے ناظم تھے۔ ان کے فرمانے پر دارالعلوم کورنگی کے اساتذہ کے لئے تعمیر شدہ مکانات میں احقر نے تقریباً دو ماہ قیام کیا تھا۔

مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (مفتیٔ اعظم پاکستان) کی تائید وتاکید:

اس قیام کے دوران مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ) جو احقر پر نہایت شفیق ومہربان تھے، احقر نے ان سے عرض کرنے کی جرأت کی کہ حضرت اگر دارالعلوم میں حضرت حکیم الامتؒ

---

[1] جمع فرمودہ مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زادمجدھم (از مسودہ خیرالسوانح اق۔ بعنوان "ملفوظات" وذیلی عنوان "فرمودات/ارشادات۔)

[2] اب یاد نہیں رہا "ہمت" عرض کیا تھا یا "طلب"۔ روایۃ بالمعنی ہے۔ تقریباً ۱۴۰۰ھ یا اس سے کچھ قبل یا بعد کی بات ہے۔ اسی لئے جو مطلوب یاد ہے وہ عرض کیا جا رہا ہے۔ (۱آ)

[3] اس سلسلہ میں مزید ان شاء اللہ تعالیٰ باب افاضۂ باطنی میں آئیگا۔ لیکن یہاں بھی اضافہ اور تتمہ کی ضرورت پیش آ گئی۔ (۱آ)

کے ملفوظات پڑھے جایا کریں......(تو کیا ہی اچھا ہو)(جیسا کہ احقر نے خیرالمدارس میں دیکھا تھا) حضرت مفتی صاحب نے اس معروض پر کچھ ایسا ارشاد فرمایا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ خود ان کے دل کی بات ہے۔ اور اس کے فوائد پر بہت تائیدی اور تاکیدی کلمات ارشاد فرمائے۔ (لیکن حضرت مفتی صاحبؒ کی رہائش شہر میں تھی، دارالعلوم وہاں سے بہت دور تھا۔ دارالعلوم ابھی شہر (نانک واڑہ) سے منتقلی کے مراحل طے کر رہا تھا۔ ان ہنگامی حالات میں ظاہر ہے کہ اس پر اس وقت عمل کیسے ہوتا۔ البتہ حضرت مفتی صاحبؒ نے ملفوظات بعنوان ''مجالس حکیم الامت'' مرتب فرما کر ملفوظات کے ذریعہ اس طرح اصلاحی خدمت انجام دے کر یہ کمی پوری فرمادی۔ فجزاهم الله خير الجزاء)

المدينة المنورة، في ليلتي الاثنين والثلاثاء ٤، ٥ شوال ١٤١٢ھ

تتمہ: علاوہ ازیں مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حکیم الامت کے آثار علمیہ'' کا ایک اقتباس جو حضرت مجدد تھانویؒ کے ملفوظات کے متعلق ہے، اس کو بھی یہاں نقل کرنا بہت مفید سمجھ میں آتا ہے۔ چنانچہ درج ذیل ہے:

مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی کتاب سے اقتباس بابت ملفوظات:

''ان کی مجلسوں میں علم و معرفت اور دین و حکمت کے موتی بکھیرے جاتے تھے۔ اور یہ موتی جن گنجینوں میں محفوظ ہیں، وہ ملفوظات ہیں، جو تقریباً ساٹھ مجلدات اور رسائل میں مدوّن ہیں۔ ان ملفوظات میں قرآن و حدیث کی تشریحات، فقہی مسائل کے بیانات، ادب و اخلاق اور سلوک کے نکات، بزرگوں کے قصص و حکایات، اکابر کے حالات، طالب علموں کے لئے ہدایات و تنبیہات، اصلاحِ نفس اور تزکیۂ باطن کے مجربات، سنجیدہ لطائف وغیرہ اس خوبی اور دلچسپی سے درج ہیں کہ اہلِ شوق کے دل و دماغ دونوں اس آبِ زلال سے سیراب ہوتے ہیں۔''

(یہ اقتباس محترمی حضرت سید محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حضرت حکیم الامت تھانویؒ...اکابر اور معاصرین کی نظر میں'' کے ص ۸۲،۸۳ سے لیا گیا ہے۔ آ ا)

مدرسہ مثالیہ مدرسہ عربیہ خیرالمدارس

احقر کے پاس خیرالمدارس کی سالانہ روئیداد بابت ۷۶۔۱۳۷۵ھ محفوظ تھی۔ اس میں (علاوہ سالانہ حسابات اور نتائج طلبہ وغیرہ کے جو حسب معمول روئیداد میں ہوا کرتے ہیں) بعض مضامین مثلاً تعلیم دین اور عربی مدارس کی ضرورت و اہمیت، خیرالمدارس کی مرکزیت، اغراض و مقاصد، نظم و نسق وغیرہ، بہت سی باتیں ایسی ملیں جن میں عموماً مسلمانوں کے لئے نیز دوسرے مدارس کا انتظام و اہتمام سنبھالنے والے ذمہ دار حضرات اور موجودہ علماء کرام کے لئے بھی بہت سے نمونے اور رہنمائی ملتی ہے، جو زیادہ تر حضرت والاؒ کے مرتب فرمودہ سمجھ میں آتے ہیں۔ جیسا کہ آخر میں حضرت والاؒ کا اسم شریف دیا ہوا ہے۔ اس لئے خصوصاً جو حضرات حضرت والاؒ اور حضرت والاؒ کے چلائے ہوئے مدرسہ سے واقف ہیں، اُمید ہے وہ تو ضرور ہی اس سے استفادہ فرماسکیں گے۔ اس لئے عامۃ المسلمین کے علاوہ خواص اور اہلِ مدرسہ کے لئے استفادہ کی غرض سے یہ چند اوراق پیشِ خدمت ہیں:

(نوٹ: بعض مضامین باب خیرالمدارس سے متعلق ہونے کی وجہ سے بھی دیئے گئے ہیں، جن میں سے بعض مدرسہ کی تاریخی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً اس زمانہ میں کون سے اکابر ممتحن تھے اور ان کی آراء وغیرہ)

عامۃ المسلمین، علماء، صلحاء، مصلحین اور

مدارسِ دینیہ کے ذمہ دار حضرات کے لئے مفید

اصلاحی، تعلیمی، انتظامی اور خیرالمدارس کے متعلق

تاریخی معلومات

از

☆ سالانہ روئیداد ☆

مدرسہ خیرالمدارس (رجسٹرڈ) ملتان شہر

بابت

شوال ۱۳۷۵ھ لغایت رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ

مطابق: مئی ۱۹۵۶ء تا اپریل ۱۹۵۷ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی افضل البشر واعلم المعلّمین سیدالمرسلین وخاتم النبیین وعلی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین. اَمَّا بَعْدُ:

برادرانِ اسلام پر یہ بات تو واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ کی غرض وغایت تعلیم دین وتعلیم اسلام ہی تھی۔

خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ. (حضورؐ کو اس واسطے بھیجا تا کہ آپ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں)

اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے ابتدائے بعثت ہی سے دارارقم کو دارالتعلیم قرار دیا اور وہاں کتاب اللہ سکھانے کا اہتمام

فرمایا۔ پھر جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی سب سے پہلے مسجد نبوی (صلی اللہ علیٰ صاحبہ) اور اس کے ساتھ ایک دارالتعلیم صُفّہ کا اہتمام وانصرام فرمایا۔ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا۔ (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا)

یہی وجہ ہے کہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین نے بھی سب سے پہلے تعلیم دین کا پورا پورا اہتمام فرمایا اور سب سے زیادہ درس وتدریس اور تعلیم وتعلّم کے شغل کی تعریف فرمائی۔ ہندوستان میں خاندان تیموریہ کے زوال کے وقت بھی حکیم الملۃ الاسلامیہ اُستاذ الہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اسلامی علوم کے تحفظ کا اہتمام مدارس عربیہ ہی کے ذریعہ فرمایا، اور اس خاندان کے تلامذہ واساتذہ ہی کا یہ احسان ہے کہ آج پاک وہند کی دینی حیثیت باقی ممالک اسلامیہ سے ہزار درجہ بہتر و برتر ہے۔ اور یہاں کی دینی حس اس قدر تیز ہے کہ اہلِ ہوس کو یہاں دین کے خلاف براہِ راست کام کرنے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ وہ جب بھی کوئی کارروائی کرنا چاہتے ہیں اسے بڑے ہیر پھیر سے کرتے ہیں۔ اور اگر دینی تعلیم کو اور عام کر دیا جائے اور دینی معلومات لوگوں تک بیش از بیش پہنچائی جائیں تو یقین ہے آج جو کام ہیر پھیر کے بعد کر لئے جاتے ہیں کل وہ بھی نہیں کئے جاسکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم لوگ کسی ہنگامی اور وقتی معاملہ میں سر دیئے بغیر صرف صحیح دینی اسلامی تعلیم کے اہتمام میں لگے ہوئے ہیں، تاکہ بے دینی والحاد کی جڑیں ہی کاٹ دی جائیں۔ مدرسہ عربیہ خیرالمدارس کے جالندھر میں اجراء کے وقت بھی یہی مقصد پیش نظر تھا اور اب بھی جب کہ بعد از مہاجرت ہم ملتان میں مقیم ہیں، یہی نکتہ پیشِ نظر ہے۔

لہٰذا علومِ اسلامیہ عربیہ دینیہ کی تحصیل وتدریس اور ان کی اشاعت وتبلیغ اور ان کے حاملین وخدام کے ساتھ تعاون وتناصر ملت اسلامیہ کا اوّلین اہم فریضہ ہے۔

الف ثانی کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ ترویج علوم دینیہ میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ سکہ کو خرچ کرنا دوسرے مصرف میں لاکھوں روپے کے خرچ سے بہتر بتلاتے ہیں۔

ارشادِ گرامی قطب الاولیاء حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

پس بزرگ ترین خیرات سعی در ترویج شریعت است، واحیاء حکمے از احکام آں، علی الخصوص در زمانے کہ شعائر اسلام منہدم شدہ باشند، کرورہا در راہ خدا عز وجل خرچ کردن برابر آں نیست کہ مسئلہ از مسائل شرعیہ را رواج دادن وانفاق جیتلی بایں نیت خرچ کردن لکھا است در غیر ایں نیت (مکتوب حضرت مجدد الف ثانی" دفتر اوّل، حصہ دوم، ص۲۱)

"یعنی سب سے بڑی نیکی شریعت اسلام کی ترویج اور شریعت کے کسی حکم کو زندہ کرنا، خصوصاً ایسے زمانے میں جبکہ شعائر اسلام مٹتے چلے جارہے ہیں (اس وقت) دین کے ایک مسئلہ کو رواج دینا اور اس کی تبلیغ کرنا خدا کی راہ میں کروڑہا روپیہ خرچ کرنے سے افضل واعلیٰ ہے، اور مسائل شرعیہ کو رواج دینے کی نیت سے ایک کوڑی خرچ کرنا لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری نیت سے خرچ کئے جائیں۔"

(مکتوبات شریف دفتر اوّل، ص۲۱-۲۹)

مدرسہ خیر المدارس کی تاریخ:

آج سے تخمیناً ربع صدی پہلے ۱۹/شوال ۱۳۴۹ھ کو مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی سرپرستی میں جالندھر میں خیر المدارس کا اجراء ہوا۔ اور تھوڑے ہی دنوں میں حضرت کی توجہ سے اس نومولود نے ایسی ترقی کر لی تھی کہ دیو بند و سہارن پور کے بعد سندھ اور پنجاب و سرحد کے لئے وہ ایک مرکزی مدرسہ اور علوم دینیہ کے طلب گاروں کا وہ آخری ملجا و ماویٰ بن گیا تھا۔ مگر تقسیم ملک کے ہنگاموں میں بانیان مدرسہ کی نقل مکانی کے ساتھ ساتھ مدرسہ کو بھی گویا نقل مکانی کرنا پڑی۔ پاکستان میں ورود کے بعد بہت سے مقامات ایسے تھے جو اس بات کے چشم براہ تھے کہ خیر المدارس کی خیر و برکت اپنی نشاۃِ ثانیہ کی ابتداء وہاں سے کرے۔ کئی ایک مقامات پر بانیوں کے قلوب بھی مائل ہوگئے، مگر یہ سعادت جوز وربازو پر نہیں بلکہ خدائے بخشندہ کے کرم پر موقوف تھی، ملتان کے حصہ میں آ گئی، جو عہد قدیم سے علم و عرفان کا مسکن و مرجع چلا آ رہا ہے۔

خیر المدارس کی مرکزیّت:

یوں تو پاکستان کے قیام سے پہلے بھی اس ملک میں مدارس دینی موجود تھے اور پاکستان کے قیام کے بعد بھی بہت سے مدارس کا اجراء ہو گیا۔ مگر جو مرکزی حیثیت خیر المدارس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی وہ پاکستان کے کسی دوسرے مدرسہ کو حاصل نہیں۔ جدید الفاظ میں اگر خیر المدارس جالندھر کو ایک بہترین عربی علوم کے کالج کی حیثیت حاصل تھی تو خیر المدارس ملتان کو عربی و اسلامی علوم کی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ جس کے ساتھ ملک کے بہت سے دوسرے مدارس الحاق کا تعلق پیدا کر کے ایک منظم شکل میں آتے جا رہے ہیں۔[1]

مدرسہ کا مسلک و مشرب:

مدرسہ خیر المدارس ملتان کا مسلک عقائد اہلِ سنت والجماعت اور فقہ حنفی کے مطابق ہے۔ اور اس کا مشرب یعنی طریقہ فکر و عمل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مشرب کے مطابق ہے۔

نصب العین یعنی اغراض و مقاصد:

مدرسہ خیر المدارس کا نصب العین حسبِ ذیل ہے:

(الف) علومِ دینیہ (قرآن، حدیث، عقائد اہلِ سنت والجماعت، فقہ حنفی اور ان کے متعلقہ علوم) کی ترویج و اشاعت۔

---

[1] اس کے بعد آٹھ ایسے مدارس کی فہرست ہے جو انتظامی اور امتحانی دونوں طرح خیر المدارس سے الحاق کر چکے ہیں، اور کئی ایک مدارس ایسے بھی ہیں جن کا الحاق صرف امتحانی طور پر مدرسہ ہٰذا سے ہے۔ اس کے بعد دس ایسے مدارس کی فہرست دی گئی ہے۔ اور اب تو "الخیر" میں ملحقہ مدارس کی تعداد اس سے بھی زیادہ دی گئی ہے۔

(ب) علومِ دینیه کی ایسی مکمل اور محققانہ تعلیم کا انتظام کرنا جس میں ضروریاتِ دین اور مقتضیاتِ عصریہ کا خاطر خواہ لحاظ رکھا جائے، جس سے محققانہ نظر رکھنے والے ماہر علومِ دینیہ پیدا ہوسکیں۔

(ج) عمومی علوم دینیہ کی تکمیل کے ساتھ خصوصی اہم شعبوں مثلاً قضاء وافتاء، تبلیغ ومناظرہ، تحریر وتقریر عربی، تصنیف و تالیف کی تعلیم وتربیت۔

(د) دارالافتاء (ہ) دارالتبلیغ (و) دارالاشاعت کا قیام

(ز) بچوں کی تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ ریاضی وغیرہ کی سہولت بہم پہنچانا۔

(ح) عورتوں کے لئے بھی دینی معیار کی تعلیم کا باپردہ بندوبست کرنا۔

نظم ونسق:

مدرسہ ہٰذا ایک رجسٹرڈ ادارہ ہے اور اس کا نظم ونسق پاکستان بھر کے جید علماء، مقتدر بزرگانِ ملّت کی مجلس شوریٰ کے سپرد ہے، جس کا اجلاس سالانہ جلسہ کے موقع پر منعقد ہوتا رہتا ہے۔ اور درمیانی عرصہ میں مجلس شوریٰ کے اختیارات منتخبہ مجلس منتظمہ کو ہوتے ہیں۔

آئین متعلقہ رُخصت ملازمین:

مدرسہ ہٰذا میں بلا وضع تنخواہ سال بھر میں تین قسم کی رُخصت رکھی گئی ہے: (۱) رعایتی، (۲) بوجہ بیماری کے۔ (۳) اتفاقی۔ رعایتی رخصت میں حسبِ ذیل تفصیل ہے:

(۱) تعلیمی عملہ میں پورے ایام تعطیل کی رخصت ہوگی۔ (۲) دفتر کے عملہ میں صرف جمعہ کی۔

(۳) مطبخ کے عملہ میں یہ رخصت نہ ہوگی۔

بوجہ بیماری کے رُخصت ایک ماہ ہوگی۔ اتفاقیہ رخصت: ۲۰ دن

اس کے علاوہ ہر قسم کی رُخصت بوضع تنخواہ ہوگی۔ غیر حاضری کی تنخواہ بھی وضع کی جائے گی۔ البتہ ملازم کا جو سفر بکارِ مدرسہ ہوگا وہ حاضری میں شمار ہوگا۔

ملازمین کی علیحدگی:

(۱) عام حالات میں تخفیف شدہ ملازم کو ایک ماہ پیشتر اطلاع دی جائے گی۔ ایسا ہی جو ملازم از خود علیحدگی کا ارادہ رکھتا ہو، ان کو چاہئے کہ ایک ماہ قبل دفتر میں تحریری اطلاع دے۔

(۲) جو مدرّس اپنا تعلیمی سال پورا کر کے از خود مستعفی ہو جائے یا بعد ایام تعطیل رمضان کے کام پر حاضر نہ ہو وہ رمضان المبارک کی تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا۔ البتہ جس مدرّس کو بوجہ عدم ضرورت یا کسی خاص مصلحت کے، بعد اختتام سال کے مدرسہ کی جانب

سے سبکدوش کیا جائے وہ تعطیل رمضان کی تنخواہ کا مستحق ہوگا۔

(۳) دفتری اور مطبخی عملہ صرف ایام کارکردگی کی تنخواہ کے مستحق ہوں گے۔ جملہ طلباء کے لئے مسلک ومشرب مدرسہ پر قائم رہتے ہوئے نماز باجماعت اور وضع قطع میں بھی شریعت کا پابند رہنا ضروری ہوگا۔ خلاف ورزی پر اصرار کرنے والے طلباء اخراج کے مستحق ہوں گے۔

آئین متعلقہ طلباء

(۱) مدرسہ خیرالمدارس میں داخل ہونے والے طلباء سے کسی قسم کی فیس وغیرہ نہیں لی جاتی۔ بلکہ حسب گنجائش وقواعد مقررہ مستحق طلباء کی خوراک وپوشاک وکتب ودیگر رہائشی ضروریات وغیرہ کا بندوبست من جانب مدرسہ ہذا کیا جاتا ہے۔

(۲) طلباء کیلئے ان تمام ہدایات اور متعلقہ قواعد پابندی لازمی ہوگی۔ جو منجانب مدرسہ تعلیمی وانتظامی سلسلہ میں انہیں دی جائیں۔

داخلہ طلباء

درجہ عربی وفارسی:

(۱) کوئی طالب علم اس درجہ میں داخل نہ ہوگا جب تک کم ازکم فارسی میں گلستاں تک اور قرآن شریف صحیح حفظ یا ناظرہ بمع ربع پارہ حفظ نہ پڑھ چکا ہو۔ اور بقدر ضرورت حساب وتحریر پر قادر نہ ہو۔ (جو طالب علم مدرسہ کی امداد نہ لیتا ہو، اس پر یہ ضابطہ حاوی نہیں)

(۲) ابتدائی عربی درجہ میں بشرط گنجائش ابتداء میں، ورنہ سہ ماہی امتحان میں اعلیٰ نمبر پانے والے طالب علم کو مدرسہ سے خوراک ودیگر مالی امداد دی جاسکے گی۔

(۳) کوئی طالب علم اگر ایسے عربی مدرسہ سے داخلہ کے لئے آئے جس کا خیرالمدارس سے الحاق یا معاہدہ ہے تو اس کے لئے ضروری ہوگا کہ اس مدرسہ کے مہتمم سے اپنے چال چلن کی تصدیق اور اجازت ہمراہ لائے، ورنہ داخلہ نہ ہوگا۔ دیگر مدارس کے طلباء کے متعلق بھی ان کے مہتمم صاحبان سے دریافت حال کر لینا مناسب ہوگا۔

(۴) نابالغ طلباء بغیر وساطت ان کے اولیاء یا جائز ورثاء کے داخل نہ ہوسکیں گے؟

(۵) ہر طالب علم کا سابقہ خواندگی میں امتحان داخلہ لیا جائے گا۔ کامیاب ہونے والے طلباء کا داخلہ مدرسہ ہذا کے نصاب کے مطابق جماعت وار ہوگا۔

(۶) تمام وقت درس کی پابندی اور استفادہ طلباء پر لازمی ہوگا۔

(۷) جو طالب علم بلا عذر قوی برابر دس روز غیر حاضر رہے یا متفرق اوقات سال میں پندرہ روز غیر حاضر رہے یا بخوف

امتحان غیر حاضر ہو جائے ،مدرسہ سے خارج کر دیا جائے گا۔

(۸) طلباء کی حاضری روزانہ دو وقت ہوا کرے گی اور کبھی کبھی غیر معین اوقات میں بھی حاضری لی جایا کرے گی۔ غیر حاضر ہونے والا طالب علم مناسب سزا کا مستحق ہوگا۔

(۹) جو طلباء مدرسہ میں مقیم ہوں ان کو مغرب کے بعد سے مہتمم یا نگران کی صریح اجازت حاصل کئے بغیر مدرسہ کے احاطہ سے باہر جانے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۱۰) طلباء کو سخت ضرورت یا شدید بیماری کے عذر کے بغیر رُخصت نہ ملا کرے گی۔ سہ ماہی، ششماہی امتحان کے بعد طالب علم بقدر ضرورت رُخصت کا مستحق ہوگا جو پہلے غیر حاضر نہ ہوا ہو۔

(۱۱) درمیانی امتحانوں میں ناکامیاب ہونے والے طلباء اگلے امتحان کی کامیابی تک مدرسہ سے خوراک و مالی امداد کے مستحق نہ ہوں گے۔

(۱۲) کوئی طالب علم مہتمم یا ناظمِ تعلیمات کی اجازت کے بغیر مدرسہ سے از خود کوئی کتاب شروع نہ کر سکے گا اور نہ چھوڑ سکے گا۔

(۱۳) کوئی طالب علم بلا صریح اجازت حاصل کئے کسی مہمان یا مسافر کو رات کے وقت احاطہ مدرسہ میں نہیں ٹھہرا سکتا۔ البتہ اجازت لے کر ایک وقت کا کھانا مدرسہ سے کھلا سکتا ہے۔

اوقات مدرسہ ہٰذا:

۱۔ مدرسہ ہٰذا کا تعلیمی سال ۶ شوال المکرم سے ۲۰ شعبان المعظم تک (ساڑھے دس ماہ) ہوگا۔

۲۔ مدرسہ ہٰذا کے اوقات درس و تعلیم روزانہ چھ گھنٹے ہوا کریں گے۔ ۴ گھنٹے صبح ، ۲ گھنٹے بعد از ظہر۔

امتحانات:

مدرسہ ہٰذا میں تعلیمی سال کے اندر تین امتحانات کا ہونا ضروری ہے، جن پر طلباء کی کامیابی اور استحقاق امداد اور اساتذہ کی ترقی و تنزل کا مدار ہوا کرے گا۔ سہ ماہی، عشرہ اولیٰ ماہ صفر میں۔ ششماہی عشرہ اولیٰ ماہ جمادی الاولیٰ میں۔ سالانہ عشرہ وسطیٰ شعبان میں۔

نتیجہ امتحان سالانہ

شعبان ۱۳۷۶ھ

بفضلہ تعالیٰ مدرسہ ہٰذا کا سالانہ امتحان تحریری وتقریری بتاریخ ۸ لغایت ۱۴ شعبان ۷۶ھ ہوا۔ تحریر امتحانات کے سوالات: (۱) حضرت مولانا رسول خان صاحب (سابق پروفیسر اورینٹیل کالج یونیورسٹی لاہور) (۲) اور حضرت مولانا شمس الحق صاحب (سابق وزیر معارف قلات)، (۳) اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی (شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ)، (۴) اور استاذ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی شکار پور سندھ کے مرتب فرمودہ تھے۔ اور تقریری امتحان مندرجہ ذیل علماء نے لیا:

(۱) حضرت مولانا محمد امین صاحب، مہتمم مدرسہ امینیہ جڑانوالہ، (۲) حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب کیمل پوری، مدرس مدرسہ عربیہ اوکاڑہ، (۳) حضرت مولانا عبداللہ صاحب رائے پوری، صدر مدرّس جامعہ رشیدیہ منٹگمری، (۴) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری رُکن مجلس شوریٰ ہٰذا۔

حضرت ممتحنین نے جو نتیجہ امتحان تحریر فرمایا، اس کے بعض اقتباسات یہ ہیں:

مولانا محمد امین صاحب...... ممتحن درجہ عربی:

بفضلہ تعالیٰ طلباء کی تعلیمی حالت بہتر سے بہتر ہے۔ چونکہ مدرسہ ہٰذا کا نظم ونسق اور تعلیمی قواعد وضوابط بہترین ہونے کے علاوہ اہم ترین اخلاص پر مبنی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مدرسہ ہٰذا مافوق القیاس ترقی پذیر ہے۔ الخ

مولانا عبدالقدیر صاحب...... ممتحن درجہ عربی:

بندہ نے دورۂ حدیث کی بعض کتابوں اور تفسیر جلالین اور علوم عقلیہ اور مبادی کی بعض کتابوں کا امتحان لیا.

الحمدللہ! کہ طلباء کی تعلیمی حالت عموماً تسلی بخش رہی۔ اس کے علاوہ ان میں جذبۂ عمل اور بلندیٔ اخلاق حضرات اساتذہ کی خاص قابلیت اور مقبولیت کی مظہر تھی۔ مدرسہ کے نظم ونسق کی عمدگی نتیجہ امتحان دیکھنے سے واضح ہو جاتی ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب...... ممتحن درجہ قرآن:

الحمدللہ! مجموعی حیثیت سے نتیجہ تسلی بخش ہے۔ چونکہ احقر راقم الحروف کو اکثر پنجاب کے دیگر مدارس کے امتحانات لینے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہے کہ خیر المدارس کے درجہ قرآن مجید جیسا کام اور محنت اور نتائج کہیں نہیں معلوم ہوئے، الخ۔

مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی...... ممتحن درجہ تجوید وقرأت:

امابعد! احقر نے مدرسہ خیرالمدارس کے درجہ قرأت کے بارہ طلباء کے پرچہ جاتِ امتحان سنے۔ ان حضرات نے حفص کی روایت کے علاوہ جو سب جگہ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، دوسری تین قرأتوں میں امتحان دیا۔ یعنی امام نافعؒ، امام ابن کثیر مکیؒ، امام ابوعمرو بصریؒ کی قرأتوں میں امتحان دیا۔ اور ان میں سے کئی ایک طلباء نے پچاس نمبر جو انتہائی نمبر ہیں ان کے علاوہ مزید انعامی نمبر بھی حاصل کئے، جو ساٹھ تک پہنچتے ہیں۔ ماشاء اللہ طلباء کی حالت نہایت مسرت؟ اور اطمینان بخش ہے۔ حق تعالیٰ ان طلباء کو اور مدرسہ مذکورہ کے شیخ القراءات کو اور حضرت مہتمم صاحب اور جملہ کارکنان کو اعلیٰ سے اعلیٰ جزاء عطا فرماوے اور ان کی جملہ خدمات کو اعلیٰ ترین قبولیت سے مشرف فرمائے۔

میں بلاخوف تردید اور شرح صدر کے ساتھ عرض کرسکتا ہوں کہ خیرالمدارس جس طرح درسی علوم کے اعتبار سے پورے ملک کے لئے ایک معیاری درسگاہ ہے، اسی طرح بفضلہٖ تعالیٰ علم قراءت کے لئے بھی ایک ممتاز اور اپنی شان کا ایک ہی مدرسہ ہے۔ حق تعالیٰ دن دُگنی اور رات ہزارگنی ترقی نصیب فرمائے اور اربابِ خیر کو مدرسہ کی مالی امداد کی توفیق مزید بر مزید عطا فرمائے۔ خوش نصیب اور سعادت مند ہیں وہ حضرات جن کی دولت کا ایک حصہ ایسی شان کے مدارس کے فروغ دینے میں صرف ہو رہا ہے، الخ۔

مدرسہ کا چندہ

مدرسہ ہٰذا کا چندہ کسی سرمایہ دار فرد یا جماعت پر موقوف نہیں رکھا گیا۔ بلکہ محض توکل علی اللہ پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ حق تعالیٰ کی توفیق سے اسلام کے ہمدرد اور دینی تعلیم کے خیرخواہ حضرات آخرت کے ثواب اور خدا تعالیٰ کی رضاجوئی کی نیت سے جو کچھ طیب خاطر سے وقتاً فوقتاً مالی امداد فرماتے رہتے ہیں، وہی اس کا چندہ ہے۔

مدرسہ کو خود کفیل بنایئے![1]

سب سے اہم کام فی زمانہ یہ ہے کہ مدرسہ کو خود کفیل بنایا جائے۔ اور مدرسہ کے نام اوقاف اس قدر کردیئے جائیں کہ مدرسہ کو کسی مزید چندہ کی ضرورت نہ پڑے۔ زمانہ کی قدریں بدلتی جارہی ہیں اور چندہ فی زمانہ اس قدر بدنام ہو چکا ہے، اور چندہ سے چلنے والے اداروں کو بھی بری نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ ہمیں چونکہ زمانہ کے اندر رہ کر زمانہ کی اصلاح کرنی ہے، اس لئے زمانہ کی اقدار سے بے پروائی نہیں برتی جاسکتی۔ اگر مدرسہ کے نام اوقاف اس قدر ہوں کہ اس کا سالانہ خرچ ان سے بخوبی پورا ہوسکے تو ہمیں نہ چندہ لینے کی ضرورت ہے اور نہ چندہ کی خاطر کسی اجتماع کی ضرورت۔ پھر ہمارے!!

---

[1] ضمیمہ روئیداد میں مدرسہ کے کوائف وحالات دیئے گئے ہیں۔ ان میں آئندہ عزائم وضروریات بابت جامع مسجد، مکانات، مدرسہ تعلیم النساء کی توسیع، مطبع پارچہ جات، علاج اور کتب خانہ کا ذکر فرمانے کے بعد ان تمام ضروریات کا واحد حل مدرسہ کو خود کفیل بنانے کو فرمایا گیا ہے۔ چونکہ یہ حل مستقل اہمیت رکھتا ہے، تاکہ دینی تعلیم کے خیرخواہ اور اسلام کے ہمدرد نہ صرف خیرالمدارس بلکہ عموماً دینی مدارس کے لئے بھی اس پر غور فرمائیں۔ اس کے لئے اس کو یہاں نقل کیا گیا ہے۔ وھو ھذا۔ (آ)

اجتماع جس میں چندہ کی ایک پائی تک کے لئے اپیل نہ ہوگی، آپ جانتے ہیں کہ کس قدر مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔

ہماری تجویز:

اس سلسلہ میں ہماری تجویز یہ ہے کہ اہلِ خیر مدرسہ کے نام زمینیں اور شہری جائیدادیں وقف فرمائیں، جن کی آمدنی مدرسہ پر خرچ کی جائے۔

جائیدادوں اور زمینوں کے علاوہ کارخانوں اور کمپنیوں کے حصص بھی مدرسہ کے نام وقف کئے جاسکتے ہیں۔ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر آپ اپنے بزرگ والد، والدہ یا مرشد وغیرہ کی روح کو ثواب کی خاطر کچھ جائیداد، زمین یا کارخانے کا حصہ مختص فرمائیں اور اسے مدرسہ کے نام وقف کردیں، تاکہ اس کی آمدنی طلباء علم دین پر خرچ ہوتی رہے۔ اور اس کا ثواب آپ کے بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ کو بطور صدقہ جاریہ ہمیشہ پہنچتا رہے۔

اہلِ خیر اس طرف جتنی زیادہ توجہ فرمائیں گے اسی قدر مدرسہ کو زمانہ کی اقدار کے ساتھ زیادہ مؤقر و معزز بنانے میں امداد فرمائیں گے۔

"خیرالمدارس"

از حامد بن طالب شریفی، (متعلم[1] مدرسہ ہٰذا)

اے خوشا "خیرالمدارس" مرکز دین ہدیٰ — مہبط انوار باری، مسکن اہلِ صفا
ہوتے ہیں سیراب تجھ سے تشنگانِ علم دیں — تو ہی ہے سرچشمہ فیضان احمدؐ مجتبیٰ
چھٹ گئیں ظلماتِ باطل تیری ضو پاشی سے آج — "حضرت اشرف علی" کی یہ دُعا کا ہے صلا
طالب خیر محمد جب کہ بانی ہیں ترے — کیوں نہ ہو منبع خیرِ محمد مصطفیٰؐ!
تو ہے قامع شرک و بدعت کا ضلالت کا مدام — تو ہے قائم اسوۂ حضرت محمدؐ پر سدا
ہر صف باطل سے رہتا معرکہ آراء ہے تو — تو بجان و دل ہے ناموس محمدؐ پر فدا
تو نہیں رکھتا امانت میں دیانت میں نظیر — تو مزین با صداقت تیرا شیوہ ہے وفا
درد مندوں کا، غریبوں کا، یتیموں کا رفیق — مشکلاتِ دین میں ہے تو جہاں کا راہنما
فضل ربانی سے کہتے ہیں یہ خاص و عام آج — ارضِ پاکستان میں تو سب سے اچھا مدرسا

یہ درخشاں اور تابندہ رہے یا رب مدام!
حامدِ دلِ رفتہ کے لب پر یہ آئی ہے دُعا

[1] یہ نظم بھی روئیداد میں اس جگہ دی گئی ہے۔ جو اس زمانہ کے ایک طالب علم کی ہے۔ خدا کرے یہ خیر المدارس کے یہ سابق "طالب علم" اب ایک کہنہ مشق عالم دین کی حیثیت سے کہیں دینی خدمت کر رہے ہوں۔ (آ)

سالِ رواں کا سانحۂ عظیم [1]

مخدوم العلماء والاتقیاء، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کا سانحۂ ارتحال سالِ رواں کا ایک عظیم سانحہ ہے۔ حضرت مولانا کی ذات والا صفات مدارسِ عربیہ کے اُم المدارس دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس ہونے کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ اپنی ذاتی شخصیت، بین الاقوامی شہرت اور بے لوث للّٰہیت کی بناء پر بھی ہم سب کا ملجاء و ماویٰ تھی۔ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ کا مقولہ مولانا کے سانحۂ ارتحال پر پورا پورا صادق آتا ہے۔ خیرالمدارس میں جب حضرت کے وصال کی خبر پہنچی، فوراً ایصالِ ثواب کا انتظام کیا گیا اور خیرالمدارس کے مدرّسین اور طلباء نے تعلیم بند کر کے تعزیتی اجتماع کی صورت میں کئی قرآن مجید ختم کر کے ایصالِ ثواب کیا اور دُعاءِ مغفرت اور ترقیٔ درجات کی۔ اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں تعزیتی خط ارسال کیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے درجات میں ترقی عنایت فرمائے، اور پسماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے اور دارالعلوم کو غیبی امداد سے بدستور دائماً آباد رکھے، آمین ثم آمین۔

حرفِ آخر [2]! دوستو اور بزرگو! ان سب گزارشات کے آخر میں مجھے اب یہ کہنے کی تو شاید ضرورت نہیں کہ آپ مہربانی فرما کر مدرسہ کی امکانی امداد سے دریغ نہ فرمائیں۔ کیونکہ مدرسہ کا کام آپ کے سامنے ہے اور آپ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اتنا بڑا کام ایک فردِ واحد کے کرنے کا تو ہے ہی نہیں، یقیناً اتنے بڑے کام کو ایک دوسرے کے تعاون ہی سے انجام دیا جا سکتا ہے۔ اور دینی و اسلامی کاموں میں آپ جیسے دیندار لوگ تعاون نہیں فرمائیں گے تو اور کون تعاون کرے گا۔ اور آپ کس طرح پر تعاون کریں؟ یہ کام بھی میری بجائے آپ کے سوچنے کا ہے، تا کہ اتنے اچھے دینی کام میں آپ بیش از بیش حصہ دار بن سکیں۔ مجھے تو اس وقت فریضہ تشکر ادا کرنے کی فکر ہے۔ سب سے پہلے میں بارگاہِ خداوندی کی تحمید و تمجید کرتا ہوں جس نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اس کے دین کی خاطر ایک حصن حصین (مضبوط قلعہ اور مدارس عربی دین کے مضبوط قلعے ہی ہیں) تیار کریں، اور پھر ہمیں توفیق عنایت فرمائی کہ علمائے کرام اور صوفیائے عظام کو بُلا کر ان کے مواعظ حسنہ سے اسلامیانِ ملتان و نواح کے قلوب کی تنویر کا انتظام کریں۔

---

[1] روئیداد مدرسہ بابت ۷۶۔۱۳۷۵ھ میں یہ تاریخی سانحہ اس موقعہ پر مذکور ہے اس کو اس لئے نقل کیا جا رہا ہے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ پیارے حضرت والاؒ کو حضرت مدنیؒ سے کیسا قلبی تعلق محبت و عظمت کا تھا کہ اس میں سیاسی مسلک کا اختلاف حائل یا مؤثر نہیں ہوا۔ اس مثال میں سیاسی اختلاف کی وجہ سے مخالف بن جانے والوں اور اہلِ غلو کے لئے (خواہ کسی طرف سے ہوں) درس اور نصیحت ہے۔ (آ)

[2] روئیداد کے اس "حرفِ آخر" میں جو حضرت والاؒ کی طرف سے ہے۔ مدرسہ کے لئے مالی تعاون کے بارے میں کس استغناء کے ساتھ صرف چند الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔ اور کس طرح اتنے بڑے کام کو بجا طور پر اللہ تعالیٰ کی توفیق کا ثمرہ بیان فرما کر سب حضرات کا شکریہ اس انداز میں فرما رہے ہیں گویا سب کام دوسروں کے ہاتھ سے انجام پایا ہے اور خود کچھ کیا ہی نہیں۔ اس میں کئی سبق اور نمونے ہیں اسلئے اس "حرفِ آخر" کو اس بات سا بھی حرفِ آخر بنایا جا رہا ہے۔ (آ)

دوسرے درجہ پر مجھے علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے اپنے اپنے مشاغل ضروریہ کو مؤخر فرما کر اس جلسہ کو رونق بخشی اور ہم لوگوں کو اپنے فیوض علمی و روحانی سے مستفیض ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔

تیسرے درجہ پر مجھے آپ سب حضرات کا شکریہ بھی ادا کرنا لازم ہے، کیونکہ یہ سب کچھ آپ لوگوں کے تعاون کا نتیجہ ہے، اور اتنا بڑا دینی کام آپ کے تعاون سے اہتمام و انصرام پذیر ہو رہا ہے۔ پھر آپ نے بھی جلسہ کو رونق بخشی اور نہایت صبر وسکون سے تقریریں سن کر ان سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

سب سے آخر میں مجھے مدرسہ کے مدرّسین، طلباء اور جلسہ کے کارکنوں کا شکریہ ادا کرنا ہے کہ جن لوگوں کی دن رات کی محنت ہی کا یہ ثمر ہے اور یہ سب انہی حضرات کے حسنِ انتظام کا نتیجہ ہے کہ ہم اس کارگراں سے عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔ وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ !

بندہ خیر محمد عفی عنہ
مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ملتان شہر

المعهد العلمی (اعنی) خیر المدارس

(بچوں کی زبان میں عزیزم محمد سجاد رشید کی فرمائش پر لکھی گئی)

از: علامہ طالوت مرحوم

بناء العِلم منهدمٌ و دارس — ونرجوالخير من خيرالمدارس
لذا للعلمِ بستان نظيفٌ — و "خيرُ محمّدٍ" فيه لغارس
رجال العلم مجتمعون فيه — وكلٌّ منهم للعلم حارس
وكل منهم للخير سابق — وكلٌّ منهم للدرس فارس

فمن شاءَ المزيّة فى دروسٍ
يَجِىُ فورًا اِلٰى خيرالمدارس

("الخیر" شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ)

(لَمِّ الْیابُ)

''حضرت خیر محمدؒ سے ملا تجھ کو کمال''

از: حضرت مولانا عبدالمجید انور

مدرسہ خیرالمدارس منبع علم و کمال — معدنِ رُشد و ہدایت فیض رب ذوالجلال
تو نے پھیلایا زمانہ بھر میں نورِ معرفت — چھٹ گئی ہے تیرے دم سے ظلمت جہل وضلال
تیرا فیض علم و حکمت زینت بزمِ جہاں — تیرا درس آ گہی دنیا میں ہے ضرب المثال
عظمت اسلاف ہے تیرا متاعِ زندگی — سنت خیرالبشرؐ کی پیروی تیرا کمال
تیرے استقلال کے آگے حوادث سرنگوں — ضرب سے تیرا ہوا زار و زبوں باطل کا حال
تو روایاتِ سلف کا آج ہے آئینہ دار — جس سے ظاہر ہے رشید احمدؒ کا، قاسمؒ کا جمال
ہے جنابِ تھانویؒ کے شرف سے تیری بنا — حضرت خیر محمدؒ سے ملا تجھ کو کمال

نام جس کا ترجمان ہو خود ہی اپنی ذات کا
کام کیا دے گی وہاں انورؔ تیری یہ قیل و قال

(''الخیر'' شعبان ورمضان، ۱۴۰۷ھ)

باب دہم (۱۰)

تلامذۂ کرام

نوٹ: حضرت والاؒ کی طالب علمی کے زمانہ کے ایک شاگرد رشید حضرت مولانا عزیز الدین عظامی صاحب ہوشیار پوری تلمیذ مولانا گرامی مرحوم کی ایک نعت خیر المدارس کی روئیداد سالانہ بابت ۷۶-۱۳۷۵ھ مطابق ۵۷-۱۹۵۶ء میں ملی، جس کو ''خیر السوانح'' میں کہیں شامل کرنے کو جی چاہا۔ چنانچہ حضرت والاؒ کے تلمیذ ہونے کی مناسبت سے مولانا عظامیؒ کی اس نعت کو تلامذۂ کرام کے باب کی زینت بنایا جا رہا ہے۔ (آ آ)

نعت خاتم الانبیاء خیر الانام علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام

(از مولانا عظامی تلمیذ مولانا گرامی مرحوم)

ثنائے امی گویم کز و شد علمہا پیدا — بہ جہل آباد نادانی قیامت شد از و برپا
در یکتائے درج ہاشمی یعنی محمدؐ برد — بگوہر آب گوہر را بجوہر تاب جوہر را
زحسن سیرتش و ز خوبیٔ صورت مپرس از من — ملک بر سیرتش عاشق پری بر صورتش شیدا
چگونہ نسبت بالائے او سر وِ چمن جوید! — قد موزونش میگیرد خراج از سدرۂ طوبیٰ
چمن از فیض حسن او بہار دلکشے وارد — زچشمش مستیِ نرگس گل از رخسار او زیبا
ہمہ پرتوِء اعجاز لب و دندانش ے بینم — چہ رنگِ لعلِ رُمانی چہ آبِ لولوئ لا لا
بلند پہائے قدر خواجہ بو جہلاں چہ ے فہمند — کہ پیش قدر او پست است بالا تر زہر بالا
چہ مجمل گفت استادے بہ تفصیل کمالاتش — کہ دارد حسن یوسفؑ بادمِ عیسیٰؑ یدِ موسیٰؑ

ز مہر و ماہ و پروین ہیچ میدانی عظامیؔ چیست
عذارش مہر و مہ سیماش پروین خوئے آن سیما

☆ ☆☆☆ ☆

تلامذۂ کرام:

حضرت والاؒ کے تلامذہ کرام میں بعض اکابر مشہور شخصیتیں بھی ہیں، جن کی سوانح ممکن ہے بعض صاحب قلم حضرات مرتب فرمائیں۔ دیگر بعض اکابر کے حالات کا تتبع اور جمع کرنا بہت ہمت کا کام ہے۔ اس لئے ان کی تفصیل دوسرے حضرات کے لئے چھوڑ کر یہاں صرف ان حضرات کی فہرست مع مختصر تمہید کے حضرت والاؒ ہی کی تحریر سے نقل کی جاتی ہے۔ وھو ھذا

''طلباء: بفضلہٖ تعالیٰ ابتداء طالب علمی اور مدرّسی کے زمانہ میں اکثر طلباء نے مجھ سے بھی پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ بہت سے دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ اور بہت سے وہ ہیں جنہوں نے فنون اور دورہ کے موقوف علیہ پڑھے پھر دورہ حدیث مدارس عالیہ دارالعلوم دیوبند، مظاہرالعلوم سہارن پور، مدرسہ امینیہ دہلی، مدرسہ ڈھابیل میں جاکر تکمیل کی۔

عہد طالب علمی:

طالب علمی کے زمانہ میں جن حضرات نے کچھ پڑھا، اگرچہ ان کے نام ذکر کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے، مگر اس نیت سے ذکر کرتا ہوں کہ شاید ان کی برکت سے نجات ہو جائے۔

(۱) مولانا احمد بخش صاحب، صدر مدرّس مدرسہ فیض محمدی جالندھر
(۲) برادرم مولانا حافظ غلام محمد صاحب مرحوم، مدرّس مدرسہ فیض محمدی جالندھر
(۳) مولانا محمد چراغ صاحب، صدر مدرّس مدرسہ گوجرانوالا
(۴) مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری، مدرّس چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی
(۵) مولانا خورشید علی صاحب، مدرّس مدرسہ گلاؤٹھی
(۶) مولانا سید حمید الدین احمد صاحب، مہتمم مدرسہ گلاؤٹھی
(۷) مولانا سکندر علی صاحب، مدرّس بریلی
(۸) حضرت مولانا عبدالجبار صاحب (کلاں) ابوہری
(۹) مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب ملسوی، خطیب منٹگمری
(۱۰) مولانا عزیز الدین عظامی صاحب ہوشیارپوری

عہد مدرّسی

مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج (میکلوڈ گنج روڈ)

۱۔ مولانا سلطان احمد صاحب مرحوم جالندھری
۲۔ مولانا حکیم نواب علی شاہ صاحب ضلع بارہ بنکی
۳۔ مولانا محمد علی صاحب جالندھری
۴۔ مولانا جان محمد صاحب، نمبردار چک ۲۵۵، لائل پور

۵۔ مولانا عبدالغنی صاحب گورداسپوری، لائل پور ۶۔ مولانا محمد صاحب اُگوی، لائل پور
۷۔ مولانا حکیم قادر بخش صاحب جالندھری ۸۔ مولانا عبدالقادر صاحب حصاروی (اہلِ حدیث)
۹۔ مولانا نور محمد صاحب اوڈ (اہلِ حدیث) ۱۰۔ مولوی عبداللطیف صاحب حصاروی (اہلِ حدیث)
۱۱۔ مولوی حافظ محمد زکریا صاحب غزنوی (اہلِ حدیث) ۱۲۔ مولوی جلال الدین صاحب حصاروی (اہلِ حدیث)
۱۳۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب فرید سرائی (اہلِ حدیث)

جن علماء نے دورۂ حدیث پڑھا اور سند لی

۱۴۔ مولوی قلندر شاہ صاحب، امام مسجد اسٹیشن صادق گنج ۱۵۔ مولوی عبدالغنی صاحب، عالم گڈھ ضلع فیروز پور
۱۶۔ مولوی فضل حق صاحب، ضلع گجرات ۱۷۔ مولوی صلی اللہ صاحب مرحوم قبر والوی ضلع فیروز پور
۱۸۔ مولوی نور محمد صاحب جھنگوی ۱۹۔ مولوی عبدالحکیم صاحب ملتانی
۲۰۔ مولوی محمد عظیم صاحب کھرپڑ، ضلع لاہور ۲۱۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم، کھرپڑ، ضلع لاہور
۲۲۔ مولوی حاجی محمد علی صاحب دانیوالوی، ضلع جالندھر ۲۳۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب، لائل پور
۲۴۔ مولوی قطب الدین صاحب فیروز پوری، اہلِ حدیث ۲۵۔ مولوی عین الدین صاحب کوٹ کپوری، اہلِ حدیث
۲۶۔ مولوی محمد الدین صاحب سیالکوٹی، اہلِ حدیث ۲۷۔ مولوی خوشی محمد صاحب سندھی حنفی

مدرسہ رائے پور و مدرسہ فیض محمدی جالندھر

مدرسہ عربیہ رائے پور:

۱۔ مولوی محمود حسن صاحب بہروی جالندھری ۲۔ مولوی عبدالرشید صاحب مرحوم رائے پوری
۳۔ مولوی علم الدین صاحب ہری پوری ۴۔ مولوی عبدالخالق صاحب بیکانیری
۵۔ مولوی فضل محمد صاحب گوہیروی ۶۔ مولوی حبیب اللہ صاحب سلیم پوری

مدرسہ فیض محمدی جالندھر:

۱۔ حکیم حافظ مولوی عبدالمجید صاحب لائل پوری (نابینا) ۲۔ مولوی قاری محمد ابراہیم صاحب ہوشیار پوری
۳۔ مولوی عبدالرشید صاحب مرحوم رائے پوری ۴۔ مولوی غلام حیدر صاحب وجوہی
۵۔ مولوی حافظ محمد الدین صاحب سندھی، ڈگری ۶۔ مولوی محمود احمد صاحب مدھپوری، لائل پور
۷۔ مولوی محمد شریف صاحب طوروی، ضلع پشاور ۸۔ مولوی عبدالمجید صاحب جگراؤں

۹۔ مولوی نور محمد صاحب، ضلع لودیانہ
۱۰۔ مولوی عبدالعزیز صاحب، ضلع لودیانہ
۱۱۔ مولوی عبدالغفور صاحب، چک نمبر ۱۰۸، بہاول پور
۱۲۔ مولوی قاضی محمد صاحب معیار، ضلع مردان
۱۳۔ مولوی شاہ محمد صاحب فضلوال، ضلع جالندھر

جن علماء نے دورۂ حدیث پڑھا اور سند لی

۱ مولوی غلام فرید صاحب امرتسری لائل پور
۲ مولوی فتح محمد صاحب شیخوپوری
۳ مولوی محمد مغفور صاحب گورداسپوری
۴ مولوی عبدالجبار صاحب (خورد) ابوھری
۵ مولوی شاہ محمد صاحب بہاولپوری

مدرسہ خیرالمدارس جالندھر

جن علماء نے دورۂ حدیث پڑھا اور سند لی

۱۔ مولوی حبیب اللہ صاحب رائے پوری ضلع جالندھر
۲۔ مولوی لطف اللہ صاحب رائے پوری، ضلع جالندھر
۳۔ مولوی غلام قادر صاحب، مفتی بہاول پور
۴۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب، خطیب جامع مسجد چشتیاں
۵۔ حافظ رشید احمد سلمہ بلوی جالندھری
۶۔ مولوی محمد شریف سلمہ بلوی جالندھری
۷۔ مولوی رشید احمد صاحب جگراوؤں
۸۔ مولوی محمد طاہر صاحب لودیانوی
۹۔ مولوی عبدالعزیز صاحب بلوی، ضلع جالندھر
۱۰۔ مولوی محمد صالح صاحب حصاروی، چک نمبر ۱۰۸، یزمان
۱۱۔ مولوی محمد عقیل صاحب حصاروی، علی پور، ضلع جالندھر
۱۲۔ مولوی میر زاہد صاحب سرحدی جڑانوالہ (چنیوٹ)
۱۳۔ مولوی حافظ محمد صدیق صاحب ہوشیار پوری، سکھر
۱۴۔ مولوی عبدالقادر صاحب جالندھری، حسن ابدال

جن علماء نے دورۂ حدیث پڑھا اور سند لی

۱۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، ضلع جالندھر (جامعہ رشیدیہ ساہیوال)
۲۔ مولوی عبدالغنی صاحب گوہیروی، ضلع جالندھر
۳۔ مولوی شیخ محمد صاحب مرحوم گجراتی بورے والا
۴۔ مولوی عبداللطیف صاحب، ضلع جالندھر
۵۔ مولوی محمد علی عرف حضرت علی صاحب طوروی، پشاور
۶۔ مولوی عبداللطیف صاحب، خطیب جامع مسجد حاصل پور
۷۔ مولوی حکیم رحمت العلی صاحب جالندھری
۸۔ مولوی خدا بخش صاحب جالندھری، گوجرانوالا
۹۔ مولوی سعید الدین صاحب شیرکوٹی، ضلع بجنور
۱۰۔ مولوی فضل محمد صاحب مرحوم خیراللہ پوری، ضلع جالندھر
۱۱۔ مولوی سید محمد شفیع صاحب ہوشیار پوری، ضلع لائل پور
۱۲۔ مولوی عبدالمعبود صاحب، ضلع پشاور
۱۳۔ مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب ہوشیار پوری، گوجر خان
۱۴۔ مولوی نذیر احمد صاحب، وزیر آباد

<u>نوٹ:</u> مدرسہ خیر المدارس جالندھر اور مدرسہ احیاء العلوم منڈی صادق گنج کا چونکہ پورا کوئی رجسٹر محفوظ نہیں رہا اس لئے چند نام جو یاد آئے وہ لکھ دیئے گئے ہیں۔ باقی بہت سے ہیں جو درج نہیں ہوئے، واللہ اعلم۔

مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر

مدرسہ خیر المدارس ملتان شہر سے جن علماء نے حدیث پڑھی اور سند لی اُن کی فہرست طویل ہے۔ حضرت والاؒ نے ایسے علماء میں سے جن کے اسماء گرامی تحریر فرمائے ہیں، ان کی تعداد سات سو تک پہنچتی ہے۔ بغرضِ اختصار یہ فہرست ترک کی جا رہی ہے۔

شاگرد دو ہی بنے:

یوں[1] تو حضرت والاؒ کے تلامذہ ساری دنیا میں عموماً اور بالخصوص پاکستان میں ہر جگہ موجود ہیں۔ پاکستان کا شاید ہی کوئی قصبہ، شہر یا بستی ایسی ہو جس میں حضرت والاؒ کا کوئی نہ کوئی شاگرد موجود نہ ہو۔ بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی دینی درس گاہ ہو یا سکول کالج وغیرہ، اس میں حضرت والاؒ کا ضرور کوئی نہ کوئی شاگرد مل جاتا ہے۔

اس قدر کثیر تلامذہ کے باوجود حضرت والاؒ فرمایا کرتے کہ میرے شاگرد دو ہی بنے۔ ایک سیاست میں حصہ لے کر مقرر بن گیا (یہ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے) اور دوسرا مدرّس ہے اور علم کی خدمت میں مصروف۔ (یہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے بارے میں ارشاد تھا)

فہرست بعض خاص تلامذۂ کرام:

یہ خاص تلامذۂ کرام عام اس سے کہ خیر المدارس ملتان کے زمانہ کے ہوں یا خیر المدارس جالندھر کے، یا اس سے قبل زمانہ کے، ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی پہلو سے اور بعض حضرات کئی اعتبار سے بہت سی خصوصیات کے حامل ہیں۔ ''عیاں راچہ بیاں''۔ لیکن لازم نہیں کہ ان کی ترتیب ذکری کے اعتبار سے ان کے درجات کو قیاس فرمایا جائے۔ نیز بعض خاص اہم قابلِ ذکر شخصیات ایسی بھی ہوں گی کہ گو حضرت والاؒ کے تلمیذ ہوں، لیکن سند حدیث حضرت والاؒ سے نہ لی ہو۔ (خواہ سند حدیث کہیں اور سے لی ہو، یا کسی وجہ سے تعلیم پوری نہ ہو سکی ہو)، (البتہ ''الخیر'' کی عبارت سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ شاید ''الخیر'' سے نقل کئے ہوئے اسماء گرامی میں سے بعض حضرت والاؒ کے تلامذہ ہوں اور بعض صرف خیر المدارس کے ابنائے قدیم ہوں یا دونوں باتوں کے جامع ہوں)، خیر المدارس ملتان سے قبل کے تلامذہ کرام کی فہرست حضرت والاؒ نے حسبِ یادداشت خود ہی تحریر فرمائی تھی جو پہلے نقل ہو چکی ہے۔ اس لئے جالندھر تک کے قدیم تلامذہ کرام میں سے صرف چند ہی حضرات کے اسماء گرامی درج کئے گئے ہیں۔

---

[1] اق (بتغییر یسیر از آ)

فہرست حسب ذیل ہے:

۱۔ حضرت مولانا احمد بخش صاحبؒ، صدر مدرّس مدرسہ فیض محمدی جالندھر
۲۔ حضرت مولانا حافظ غلام محمد صاحبؒ، مدرّس مدرسہ فیض محمدی جالندھر (برادرِ عزیز حضرت والاؒ)
۳۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ
۴۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوری، شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال
۵۔ حضرت مولانا عزیز الدین عظامی صاحب ہوشیار پوری
۶۔ حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ، سابق مہتمم خیر المدارس (صاحبزادہ حضرت والاؒ)
۷۔ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ، مہتمم جامعہ رشیدیہ ساہیوال
۸۔ حضرت مولانا قاری لطف اللہ صاحب جالندھری شہید مرحوم، صدر مبلغ جامعہ رشیدیہ ساہیوال
۹۔ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب مرحوم، بورے والا ضلع وہاڑی
۱۰۔ حضرت مولانا فضل محمد صاحب جالندھری، فیصل آباد
۱۱۔ حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ، مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی، بہاولپور ڈویژن
۱۲۔ حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب، مہتمم خیر العلوم خیر پور ٹامیوالی (ضلع بہاولپور)
۱۳۔ حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحبؒ، صدر مفتی خیر المدارس ملتان
۱۴۔ حضرت مولانا سبحان محمود صاحبؒ، شیخ الحدیث و ناظم اعلیٰ دار العلوم کراچی
۱۵۔ حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب جالندھریؒ، سابق ناظم دفتر مدرسہ خیر المدارس ملتان (صاحبزادہ حضرت والاؒ)
۱۶۔ حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحب جالندھریؒ، سابق نائب مہتمم خیر المدارس ملتان (صاحبزادہ حضرت والاؒ)
۱۷۔ حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور
۱۸۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب، مہتمم اشاعت العلوم چشتیاں ضلع بہاولنگر
۱۹۔ حضرت مولانا فیض احمد صاحب، حال شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۰۔ حضرت مولانا علامہ غلام رسول صاحبؒ، مہتمم جامعہ علومِ شرعیہ ساہیوال
۲۱۔ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب، مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی، ڈیرہ غازی خان
۲۲۔ حضرت مولانا نذیر احمد صاحب، مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد
۲۳۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب، صدر مدرّس و شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان

۲۴۔ حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب، اُستاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان
۲۵۔ حضرت مولانا سید ابوذر عطاء المنعم شاہ صاحب بخاریؒ، ملتان
۲۶۔ حضرت مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاریؒ، ملتان
۲۷۔ حضرت مولانا عبد المجید انور صاحب، سابق اُستاذ الحدیث جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال (حال مقیم برطانیہ)
۲۸۔ حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب، جانشین حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ (مقیم مدینہ منورہ)
۲۹۔ حضرت مولانا حافظ محمد صدیق صاحب (کفیف البصر) اُستاذ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال
۳۰۔ حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب کیمل پوری، مہتمم مدرسہ جامعہ اسلامیہ، راولپنڈی
۳۱۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ، اُستاذ الحدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ، مدیر ماہنامہ ''بینات'' کراچی
۳۲۔ حضرت مولانا غلام قادر صاحب، مہتمم مدرسہ فاروقیہ ملتان
۳۳۔ حضرت مولانا حافظ محمد حسین صاحب، مہتمم مدرسہ احیاء العلوم چنیوٹ
۳۴۔ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب اشعر (ناظم شعبہ تبلیغ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان)
۳۵۔ حضرت مولانا اصغر علی صاحب، سابق اُستاذ جامعہ خیر المدارس ملتان
۳۶۔ حضرت مولانا حکیم عبد الغنی صاحب مرحوم جالندھری، بورے والا
۳۷۔ حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب، مدرّس جامعہ خیر المدارس ملتان
۳۸۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب، اُستاذ و مفتی جامعہ خیر المدارس و سابق صدر مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان
۳۹۔ حضرت مولانا حافظ عبد الشکور صاحب، خطیب ۳۵-ڈی دربار محل بہاولپور
۴۰۔ حضرت مولانا قاری محمد عبد اللہ صاحب، صاحبزادہ حضرت قاری رحیم بخش صاحب پانی پتیؒ، مسجد نور ساہیوال
۴۱۔ حضرت مولانا حافظ محمد طیب صاحب، مدرّس مدرسہ عربیہ اسلامیہ بورے والا
۴۲۔ حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ، صدر مدرّس اشرف المدارس، فیصل آباد
۴۳۔ حضرت مولانا عبد العلیم صاحب، اُستاذ الحدیث اشرف المدارس، فیصل آباد
۴۴۔ حضرت مولانا مفتی جاوید شاہ صاحب، اُستاذ الحدیث دار العلوم فیصل آباد
۴۵۔ حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب کشمیری، متحدہ عرب امارات
۴۶۔ حضرت مولانا مفتی مقبول احمد صاحب، خطیب جامع مسجد گلاسگو، برطانیہ
۴۷۔ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی صاحبؒ

۴۸۔ حضرت مولانا نخی محمد صاحبؒ، سابق خازن جامعہ خیرالمدارس

۴۹۔ حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب، مدینہ منورہ

۵۰۔ حضرت مولانا عبدالسنان صاحب، مدینہ منورہ

معذرت: مکرر عرض ہے کہ اتنے حضرات کی فہرست میں درجہ کے اعتبار سے ترتیب دینا یہ ان تلامذہ کرام کے حضرت الاستاذ ہمارے حضرت والاؒ ہی کا کام ہوسکتا تھا۔ اس ترتیب میں بعض اسماء گرامی بھی درجات کی صحیح ترتیب کے مطابق مذکور ہوگئے ہوں تو غنیمت ہے۔ نیز بعض حضرات کے پتے اور مناصب بھی بدل گئے ہوں گے۔ دیگر یہ بھی عرض ہے کہ بہت سے اخص الخواص تلامذہ کرام خصوصاً تلامذۂ قدماء کے نام اس فہرست سے ضرور رہ گئے ہوں گے۔ (البتہ حضرت والاؒ کی خود مرتب فرمودہ فہرست پہلے گزر چکی ہے، جس میں خاصی تعداد قدیم تلامذۂ کرام کی مذکور ہوچکی ہے)۔ اتنی طویل مدت کے بعد سب یا اکثر تلامذہ کرام کی معرفت و واقفیت موجودہ حضرات میں سے شاید کسی کو بھی نہ ہو۔ اس لئے اس فہرست کو ایک نمونہ خیال فرما لیا جائے اور بس۔ اُمید ہے اس کے بعد مزید کسی معذرت کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ فہرست محترمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب کی مرتب کردہ فہرست اور اس میں بعض اضافے احقر کی طرف سے، اور بعض اسماء گرامی حضرت والاؒ کی مرتب فرمودہ فہرست سے لئے گئے ہیں۔ اور بعض اسماء گرامی مجلّہ ''الخیر'' (شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ سے لے کر ترتیب دیئے گئے ہیں۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلاً وَّآخِرًا۔

تتمہ: حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوریؒ احقر کے نام اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ (۲۳ فروری ۱۹۷۱ء) میں حضرت والاؒ کے ایک تلمیذ کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں:

''منجملہ ان (تلامذہ) کے ایک نام عرض ہے۔ مولانا عبدالغفار حسن صاحب۔ یہ اہلِ حدیث ہیں۔ پہلے کسی زمانے میں جماعت اسلامی کے رکن رکین ہوتے تھے۔ پھر جماعت سے مستعفی ہوگئے۔ اب مدینہ یونیورسٹی میں کئی سال سے پڑھا رہے[1] ہیں۔ انہوں نے حضرتؒ سے ''شرح اشارات'' پڑھی، جب حضرت دو تین ماہ کے لئے مدرسہ رحمانیہ دہلی میں تشریف لے گئے تھے۔'' (حضرت والاؒ کے زمانہ تدریس کے حالات جو ''نقش حیات'' سے باب ششم میں نقل کئے ہیں، ان میں اس مدرسہ کی تدریس کا تذکرہ نہیں ملا...... آ)

(باب دہم ختم ہوا، اور اس کے ساتھ مختصر تاریخ خیرالمدارس بھی ختم ہوئی)

---

[1] اب غالباً وہاں بھی نہیں ہیں۔ (آ)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ (النحل، آیت ۱۲۵)

باب یازدہم (۱۱)

مواعظ حسنہ اور مناظرات

(۱) مناظرات[1]

شروع میں حضرت والاؒ اپنے بعض اساتذہ کے ساتھ مناظروں میں تشریف لے جاتے تھے۔ جیسا کہ ذیل کے دو واقعات سے معلوم ہوتا ہے، جو "نقش حیات" سے نقل کئے جاتے ہیں:

اُستاذ محترم کا ایک پادری سے مناظرہ......۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء):

"اسی سال مولانا سلطان احمد صاحب پشاوری کا پادری جوالہ سنگھ کے ساتھ مناظرہ ہوا۔ پادری عاجز آ گیا۔ آخر کہا کہ میں تیاری کر کے نہیں آیا۔ پھر مناظرہ کروں گا۔ میں بھی مناظرہ میں موجود تھا۔"

مدرسی بریلی کے زمانہ ۳۶-۱۳۳۵ھ میں مرزائیوں سے ایک پنیارہ کا مناظرہ:

"پنجاب سے ایک روز دو مرزائی بریلی گئے۔ انہوں نے چیلنج دیا کہ ہماری تقریر سنیں۔ پھر پانچ پانچ منٹ وقت دو گھنٹہ تک ہوگا۔ مولانا سلطان احمد صاحب مع طلباء کے وہاں چلے گئے۔ ایک پنیارہ نے کہا کہ مولانا آپ تو مناظرہ علمی کریں گے۔ پہلے مجھے سوال کر لینے دو۔ چنانچہ اس نے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔ تم کہاں سے آئے؟ کس ذریعہ سے آئے؟ گاڑی کے اوپر بیٹھے تھے یا بیچ میں؟ پھر دروازہ کھول کر نکلے یا کیسے؟ مرزائیوں نے کہا دروزاہ کھول کر نکلے۔ تب اس نے کہا یہ سب گدھے کے بچے ہیں۔ کیونکہ مرزا کے نزدیک انگریز دجال ہے اور ریل اس کا گدھا ہے۔ اور یہ لوگ اس کے پیٹ سے نکلے ہیں۔ بس وہ لوگ تقریر نہ کر سکے۔"

ابتداء مناظرات:

اس کے بعد حضرت والاؒ خود بھی مناظرہ فرمانے لگے۔ سب سے اوّل مناظرہ کا ذکر باب پنجم زمانہ تحصیل علوم میں

[1] مواعظ حسنہ پر مناظروں کو دو وجہ سے مقدم رکھا گیا۔ اول یہ کہ مناظرے عارضی تھے۔ جن کو بعد میں ترک فرما دیا تھا۔ اور مواعظ باقی رہے۔ ان کا نفع بھی اہم واتم تھا۔ اس لئے ان کو بعد میں لیا گیا۔ جیسا کہ ناسخ ترتیب میں بعد میں ہوتا ہے۔ دوسرے تین مواعظ نمونہ اور افادہ کے لئے خیر السوانح میں شامل کرنا غور اور مشورہ کے بعد طے ہوا۔ اور ان کا ذیلی عنوان "مواعظ حسنہ" کے تحت آخر میں آنا ہی مناسب تھا۔ (آ)

حضرت والاؒ کے استادِ محترم حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، جو حسبِ ذیل ہے:

غیر مقلدین سے مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور:

(حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ نے) ''۳۹-۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں وہاں (یعنی مدرسہ احیاء الاسلام؟ منڈی صادق گنج) سے بلا کر غیر مقلدین سے مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور کرایا۔ اور خود ہی چھپوا کر اپنے نام سے شائع کیا۔''

اسی تذکرہ میں اس کے بہت مدت والے ایک اور مناظرہ کا مختصر ذکر یوں فرمایا ہے:

جالندھر کے زمانہ میں اہلِ بدع سے مناظرہ:

''پھر جالندھر کے زمانہ میں اہل بدع سے مناظرہ علم غیب منعقد ہوا۔ تو احقر ہی کو حضرت مولانا مرحوم نے تجویز کیا۔ خود بھی مناظرہ میں تشریف لے گئے۔''

اس کے بعد حضرت والاؒ کے بعض مناظرات اور اس سلسلہ کی بعض تالیفات وغیرہ کا خود نوشتہ تذکرہ بھی ملاحظہ فرمائیے:

اہلِ حدیث سے مناظرے اور تصنیفِ رسائل:

''انہی[1] سالوں میں اہلِ حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا اور مناظروں کا آغاز ہوا۔ اور رسالہ ''خیر التذکار فی تحریم الغناء بالمزمار'' تصنیف کیا، جس کی ضخامت ۱۲۰ صفحات پر تھی۔ اور اکثر علماء پنجاب کے اس پر تصدیقی دستخط تھے۔ اس میں سماع بالمزامیر کی تردید کی گئی تھی۔ اور قرآن وحدیث اور فقہ واجماع اور ائمہ اربعہ سے مفصل تردید کر کے آخری باب ہفتم میں مجوزین کے دلائل وشبہات کا مفصل جواب ذکر کیا گیا تھا۔ مگر افسوس صد افسوس مشرقی پنجاب کے فسادات ۱۹۴۷ء میں وہ رسالہ قلمی وہاں رہ گیا۔ اسی طرح مسئلہ قراءت خلف الامام میں ایک رسالہ ''خیر الخطاب[2]'' دو جلد میں تصنیف ہوا۔ پہلی جلد میں حنفی مذہب کے دلائل اور دوسری میں غیر مقلدین کے جوابات دندان شکن درج کیے گئے تھے۔ اور مسئلہ جمعہ فی القریٰ[3] میں ایک تحریر حضرات حنفیہ کے موافق قلمبند کرنے کی نوبت آئی تھی۔ یہ سب قلمی تھے، جو مشرقی پنجاب کے فسادات کی نظر ہو گئے۔ انہی ایام میں اصولِ حدیث میں ایک رسالہ ''خیر الاصول فی حدیث الرسولؐ'' بھی تیار ہو کر طبع ہو گیا تھا، جو مل سکتا ہے۔''

---

[1] یعنی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج میں مدرسی کے زمانہ میں جس کی ابتداء ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) سے ہوئی۔

[2] غالباً یہ وہی قلمی رسالہ ہے جس کا ذکر آگے باب ۷ تصنیف وتالیف میں نمبر ۷ پر ''خیر الکلام فی تحقیق القراءۃ خلف الامام'' کے نام سے آ رہا ہے۔ گو یہ بھی احتمال ہے کہ ایک ہی موضوع پر دو مختلف رسائل ہوں۔ مزید تفصیل باب تصنیف وتالیف میں ملاحظہ فرمائیے۔ (آ)

[3] باب ۷ا تصنیف وتالیف میں حضرت والاؒ کی جو تالیفات اخبار (یا رسالہ) العدل میں شائع ہوئیں ان میں ایک رسالہ نمبر (۳) پر باسم ''کشف الغطاء عن استدلال الشافعی'' اس موضوع پر مذکور ہوا ہے۔ غالباً وہی تحریر ہے۔ (آ)

مناظروں میں کامیابی:

''اسی زمانہ میں بہت سے جلسوں اور مناظروں میں شمولیت ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلا مناظرہ زیرہ ضلع فیروز پور میں مولوی عبدالرحیم غیر مقلد لکھوی سے ہوا۔ مسئلہ تقدیر پر مناظرہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی۔ پھر موہلاں ضلع فیروز پور میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں مولوی عبدالفتاح صاحب کا مناظرہ مولوی محمد علی صاحب غیر مقلد سے ہوا۔ اور میں اس میں صدر تھا۔ اور روپڑ کے مناظرہ میں شمولیت ہوئی، جو غیر مقلدین سے ہی تھا۔ مناظرہ مولوی روشن الدین صاحب نجد پوری نے مولوی عبداللہ روپڑی سے کیا تھا۔ اس کو شکست فاش ہوئی۔ دوسری دفعہ ہنجرانوالہ کلاں ضلع حصار میں اہلِ بدعت سے مناظروں کی نوبت آئی۔''

زمانہ مدرّسی منڈی صادق گنج میں مناظروں اور جلسوں میں شرکت:

تاریخی ترتیب سے اس کے بعد بزمانہ ''دوبارہ مدرّسی احیاء الاسلام صادق گنج'' یعنی ۱۳۴۲ھ سے مناظروں اور جلسوں میں شرکت کا تذکرہ تقریباً ایک سطر میں ملتا ہے۔ جو باب ششم زمانہ تدریس میں بھی گزر چکا ہے۔ وھو ھذا۔

تعلیمی کام کے ساتھ مناظروں اور جلسوں میں بھی شرکت ہوتی رہی۔ غالباً ربیع الاوّل تک یہ سلسلہ خوب چلا۔''

اہلِ حدیث سے مشہور مناظرہ اور نمایاں فتح:

''اسی اثناء میں[۱] کئی جلسوں اور مناظروں میں بھی شرکت ہوئی۔ خصوصاً مشہور مناظرہ اہلِ حدیث سے ''گھر کی'' تحصیل زیرہ ضلع فیروز پور میں انہی ایام میں ہوا۔ جس میں ہمارے ساتھ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب مرحوم بھی دارالعلوم دیوبند سے تشریف لا کر شریک ہوئے تھے۔ مناظر احناف احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ اور موضوع مناظرہ ''قراءت خلف الامام'' تھا۔ اہلِ حدیث کی طرف سے مناظر مولوی عبدالرحیم شاہ سکنہ لکھو ضلع فیروز پور تھے۔ ان کی حمایت کے لئے روپڑ سے مولوی عبداللہ صاحب اور امرتسر سے مولوی ثناء اللہ صاحب مدعو تھے۔ مولوی عبداللہ صاحب اسٹیشن سے اُتر کر واپس ہو گئے۔ اور مولوی ثناء اللہ صاحب مناظرہ گاہ میں پہنچے اور حیلہ و بہانہ سے پہلو تہی کر کے مناظرہ گاہ سے نکل گئے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب سے دو روز مناظرہ ہوا۔ نتیجہ بہت اچھا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نمایاں فتح دی۔ دس سال تک اس کے اثر سے اہلِ حدیث دبے رہے۔''

اہلِ حدیث سے ضلع ملتان میں مزید دو مناظرے اور نمایاں فتح:

''مورخہ ۱۶-۱۷ رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۱، ۱۲ ستمبر ۱۹۳۸ء موضع شاہ پور اوبہ تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان میں اہلِ

---

[۱] تخمیناً ۱۳۴۶ھ تا ۱۳۴۹ھ (مطابق ۱۹۲۷ء تا ۱۹۳۰ء) جیسا کہ ماقبل و مابعد کے واقعات مع تاریخ درج ہیں۔ انہیں واقعات کے ضمن میں یہ تذکرہ ہے۔

حدیث ملتان سے مشہور مناظرہ ہوا۔ موضوع مناظرہ ''قراءت خلف الامام اور دُعاء بعد الجنازہ'' تھا۔ مقابل میں مولوی ملک عبدالعزیز ملتانی مناظر اہلِ حدیث تھا۔ حنفیہ کی طرف سے مولانا غلام محمد صاحب گھوٹوی شیخ الجامعہ جامعہ عباسیہ بہاولپور، مولانا عبدالخالق صاحب حال[1] مہتمم مدرسہ خالقیہ کبیروالا، مولانا غلام رسول صاحب محدث عیدگاہ مظفرگڑھ، مولانا سید معظم علی شاہ صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند وغیرہم تھے۔ اللہ نے ہر دو مناظرہ میں نمایاں فتح دی، جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ مناظرہ کے داعی قاضی قطبی صاحب ملتانی تھے۔''

ضلع امرتسر میں کامیاب مناظرہ اور حضرت حکیم الامتؒ کی عجیب دُعاء:

''مورخہ ۷ جولائی ۱۹۴۰ء مطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۵۹ھ بروز یکشنبہ مقام جندیالہ گورو ضلع امرتسر میں روپڑی پارٹی سے کامیاب مناظرہ ہوا۔ مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالقادر اور مولوی اسماعیل تینوں مقابل تھے۔ مولوی عبدالقادر اہلِ حدیث مناظر تھا۔ بری طرح ان کو شکست ہوئی۔ اس پر میں نے تھانہ بھون دُعاء کے لئے خط لکھا اور خبر مناظرہ کی۔ جواب میں حضرتؒ نے فرمایا: ''یہ بھی دُعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل سے مناظرہ کا شوق نکال دے۔''

تاندلیانوالہ ضلع لائل پور میں معرکۃ الآراء مناظرہ:

''اور اس سے پہلے تاندلیانوالہ ضلع لائل پور میں مولوی محمد یوسف دنیانگری حال کراچی سے مناظرہ فاتحہ خلف الامام پر معرکۃ الآراء ہوا۔ اس مناظرہ میں مولوی ثناء اللہ صاحب اہلِ حدیث کی مدد کے لئے آئے۔ اور احناف کی طرف سے مولانا عبدالعزیز صاحب گوجرانوالوی اور مولوی محمد شریف کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ اور مولوی حکیم قطب الدین صاحب جھنگوی اور مولانا غلام محمد گھوٹوی بھی موجود تھے۔

ضلع کرنال میں آخری مناظرہ:

''مورخہ ۲۰-۲۱ ربیع الاوّل ۱۳۶۴ھ مطابق ۶-۷ مارچ ۱۹۴۵ء کو بمقام ہابڑی ضلع کرنال میں مولوی عبدالستار اہلِ حدیث سے مناظرہ ہوا۔ یہ آخری مناظرہ تھا۔ اس میں تین موضوع تھے: (۱) قراءت خلف الامام، (۲) مسائل فقہ پر اعتراض اور اس کے جوابات، (۳) بے نمازی کافر ہے۔ اوّل ہر دو مناظرے میں نے کئے اور تیسرا مناظرہ مولانا عبدالکریم صاحب کمتھلوی نے کیا۔ اس مناظرہ میں مولانا ادریس صاحب کاندھلوی اور مولانا عبدالخالق صاحب دیوبند سے آئے ہوئے تھے، اور مولانا خدا بخش صاحب دہلی سے تشریف لائے تھے۔ حنفیوں کے حق میں مناظرہ اچھا رہا۔''

مناظرہ کا ایک گُر:

مذکورہ بالا مناظرات کے حالات سے ظاہر ہے کہ حضرت والاؒ اعلیٰ درجہ کے کامیاب مناظر تھے۔ علوم وفنون کی

---

[1] عرصہ ہوا انتقال فرما چکے۔ دیگر حضرات کے بارے میں بھی معلوم نہیں کہ اب کوئی بقید حیات ہیں یا نہیں۔ غفرلہم۔

جامعیت اور پختگی کے ساتھ ساتھ فن مناظرہ کے بھی خوب ماہر تھے۔ چنانچہ بڑے بڑے اور مشہور مناظر حضرت والاؒ کا مقابلہ کرنے سے گھبراتے تھے۔ اور یا تو کسی حیلہ سے راہِ فرار اختیار کرتے یا شکست خوردہ لوٹتے تھے۔

جیسا کہ آگے مواعظ میں آئے گا کہ حضرت والاؒ نے خطابت کا ایک گر بیان فرمایا۔ اسی طرح مناظرہ کا بھی ایک گر ذکر فرمایا، جو مولانا عبدالشکور صاحب زید مجدہٗ کے جمع کردہ ملفوظات سے نقل کیا جاتا ہے۔ (ملفوظ نمبر ۳۲، بروایت محترمی مرزا اقبال قریشی صاحب زید مجدہٗ) وھو ھذا:

''ایک مجلس میں حضرت اپنے غیر مقلدوں کے ساتھ مناظروں کے واقعات سنا رہے تھے۔ اسی دوران فرمایا: مناظرے کا سب سے بڑا ہتھیار حاضر دماغی اور ہوشیاری ہے۔ صرف علم سے کام نہیں چلتا۔ پھر اپنا واقعہ سنایا کہ میں حافظ عبدالقادر روپڑی سے مناظرہ کر رہا تھا۔ ایک مقام پر قرآن پاک کی آیت غلط پڑھ گیا۔ غیر مقلد مناظر فوراً بول پڑا کہ یہ تمہارا مناظر ہے، جس کو صحیح قرآن بھی پڑھنا نہیں آتا۔ میں قرآن کا حافظ ہوں۔ حضرت فرماتے تھے: اس پر میں نے فوراً جواب دیا کہ تمہارا مناظر صرف حافظ ہے، اور میں تین حافظوں کا باپ ہوں۔ اور میں نے اسی وقت سٹیج پر حافظ محمد شریف اور حافظ عبدالحق[۱] کو کھڑا کر دیا۔ جس پر غیر مقلد مناظر خاموش ہو گیا۔''

مناظرہ کا اصل مقصد اور اس کے فوائد و مفاسد:

مناظرہ کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ اہلِ علم میں اختلاف ہو تو طلبِ حق کے لئے ایک دوسرے کے علم سے استفادہ کریں اور ایک دوسرے کے دلائل میں غور کر کے جس طرف علمی دلائل اصح و اقویٰ سمجھ میں آئیں، اس رائے کی طرف رجوع کر لیں۔ اس زمانہ میں اس کی ضرورت اور فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ اہلِ باطل کے غلط عقائد و خیالات کی اشاعت روکنے کے لئے صحیح علمی دلائل کی تبلیغ کی جائے اور دعوتِ حق دی جائے، تاکہ عوام الناس دھوکہ میں نہ رہیں۔ لیکن فوائد کے ساتھ اس میں مفاسد بھی پیدا ہو گئے ہیں، جن کی وجہ سے بعض بزرگانِ دین نے اس زمانہ میں اس کے ترک ہی کو ترجیح دی ہے۔

زمانہ حال اور خیر القرون میں مناظرہ کا فرق:

درحقیقت خیر القرون میں تو مناظرہ کی غرض و غایت یہ ہوتی تھی کہ مخاطب سے صحیح و مفید بات کو سن کر اپنی رائے بدل دی جائے اور اپنی اصلاح کر لی جائے۔ یا اپنی بات صحیح ہو تو مخاطب کو اس سے نفع پہنچ جائے۔ لیکن اس زمانہ میں حق کو قبول کرنے کی بجائے مخاطب اپنی بات کو کسی نہ کسی طرح منوانا چاہتا ہے۔ خواہ چرب زبانی سے ہو یا مغالطہ دے کر ہو۔ اور خواہ دل میں سمجھ بھی جائے کہ میں غلطی پر ہوں۔ لیکن حق بات کو ماننا مقصود ہی نہیں ہوتا۔

[۱] اور شاید حضرت مولانا حافظ رشید احمد مرحوم کو بھی کھڑا کیا ہو۔ صحیح معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ وہاں موجود تھے یا نہیں (آ آ)

حضرت حکیم الامتؒ کا مناظرہ میں ملکہ اور ابتداء میں مناظرہ کا شوق اور بعد میں مناظرہ سے نفرت اور ترک

خود حکیم الامتؒ جو مناظرہ کے بادشاہ تھے، اور رئیس المناظرین ابن شیر خدا حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ''آپ کو مناظرہ میں اس قدر ملکہ تھا کہ بڑے سے بڑا مناظر بھی مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔'' (سیرت اشرف، ص ۶۷)

لیکن بروایت جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب مرحوم: ''طالب علمی کے زمانہ میں تو حضرت تھانویؒ مناظروں کے بڑے شوقین تھے..... مگر مسند ارشاد پر بیٹھنے کے بعد آپ کی طبیعت مناظروں اور مباحثوں سے نفرت کرنے لگی۔ فرماتے تھے کہ ''مجھے جتنا اس زمانہ میں مناظروں کا شوق تھا، اب بوجہ مضرتوں کے اتنی ہی اس سے نفرت ہے۔''

''کیونکہ تجربات سے ثابت ہو چکا تھا کہ عام طور پر مناظرے نیک نیتی سے نہیں کئے جاتے۔ ان کا مقصد خواہی نخواہی دوسرے فریق کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔ اور اس کی تہہ میں اغراض فاسدہ ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے بجائے نفع کے ضرر واقع ہوتا ہے۔ کج بحثی، ہٹ دھرمی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور حقیقت شناسی کی استعداد جاتی رہتی ہے۔''

(سیرت اشرف، ص ۲۸۳-۲۸۴)

حضرت والاؒ کا ترکِ مناظرہ:

چنانچہ حضرت والاؒ نے بھی مناظرہ ترک فرمادیا۔ جیسا کہ ان کے شیخ حکیم الامتؒ نے ترک فرمادیا تھا۔ اور اس کے بعد حضرت والاؒ نے بہت کم مناظرہ میں حصہ لیا۔ چنانچہ ربیع الاوّل ۱۳۶۴ھ میں آخری مناظرہ ہوا، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اور حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب اُستاذ الحدیث خیر المدارس کی روایت ہے کہ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ''پہلے مناظرہ کیا کرتا تھا، خصوصاً فقہ حنفی کی اہمیت کے لئے۔ بعدہٗ حضرت تھانویؒ نے مناظرہ سے منع فرمادیا کہ اس سے کماحقہٗ احقاق حق نہیں ہوتا۔ اس لئے اپنے مرشد کے فرمانے پر مناظرہ چھوڑ دیا۔''

(۲) مواعظ حسنہ

زمانہ طالب علمی میں طلب پر وعظ:

بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والاؒ کے وعظ فرمانے کا سلسلہ ابتدائے شباب ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ اور حضرت والاؒ کے ماموں صاحب مرحوم نے حضرت والاؒ کی طالب علمی کے زمانہ تعطیلات پر گھر تشریف لانے پر وعظ کہلوایا تھا۔ اس وقت حضرت والاؒ کی عمر تقریباً سولہ سترہ سال ہوگی۔ اس کا ذکر حضرت والاؒ نے ''تذکرہ ماموں صاحب مرحوم'' میں اس طرح فرمایا ہے؛

''جب وہ (حضرت والاؒ کے برادرِ عزیز مولانا مولوی حافظ غلام محمد صاحبؒ) حفظِ قرآن سے فارغ ہوکر ایک دو محراب تراویح میں سنانے لگے، ادھر میں بھی ہندوستان سے تعطیلات میں گھر آیا، تو مجھ سے مسجد میں وعظ کہلوایا۔ اور بڑے فخر سے بارہا کہا کرتے تھے کہ اب ہمارے گھر کے مولوی اور حافظ ہوگئے۔ ہمیں باہر سے کسی مولوی کی ضرورت نہ رہی۔''

حضرت والاؒ کی خودنوشت سوانح ''نقش حیات'' میں اس کے بعد ایک وعظ کا ذکر ہے، جو آپ کے برادرِ عزیز کے نکاح پر ہوا۔ جو اس طرح ہے:

وعظ بر موقع نکاح برادرِ عزیز:

''برادرِ مرحوم کی طالب علمی کے زمانہ میں ہی ۸-۹ شوال ۱۳۳۵ھ کو تاریخ نکاح مقرر ہوگئی۔ تاریخ مقررہ پر برات میں احقر اور عموی کرم الدین صاحب اور مرشدی وسیدی حضرت حافظ صاحب[1] موصوفؒ بمعہ برادرِ عزیز کھرپڑ چک نمبر ۱۰ براستہ اسٹیشن ریلوے پتوکی پہنچے۔ دو روز قیام رہا۔ احقر کا وعظ ہوا۔ حضرت موصوفؒ نے نکاح پڑھایا۔ بخیر وخوبی واپسی ہوئی۔ نکاح سادہ اور سنت کے موافق تھا۔''

اس وقت حضرت والاؒ کی عمر تقریباً ۲۲-۲۳ سال ہوگی۔ اور یہ ابتدائے مدرسی بریلی کا زمانہ تھا۔

ردِّ بدعات:

شوال ۱۳۳۵ھ ہی سے مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں مدرّسی کے دوران حضرت والاؒ کا بیان ردِّ بدعات پر ہوتا تھا۔ جیسا کہ ''نقش حیات'' میں اس طرف مختصر اشارہ ملتا ہے: ''میں بھی اس وقت بریلویوں کے میلاد میں جاکر بہت تردید کیا کرتا تھا۔''

سفرِ علاج اور وعظ:

جیسا کہ باب ششم زمانہ تدریس میں ذیلی عنوانات ''دوبارہ مدرّسی مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج'' اور ''ناسازیٔ طبع اور علاج'' کے تحت گزرا کہ ''غالباً ربیع الاوّل ۱۳۴۵ھ (ستمبر ۱۹۲۶ء) تک یہ سلسلہ خوب چلا۔ پھر طبیعت خراب ہوگئی...... مالیر کوٹلہ کا سفر کیا...... پھر لکھو ضلع فیروز پور میں جناب حکیم سید شاہنواز صاحب کا علاج شروع کیا۔ وہاں ۲۲ یوم تک قیام رہا...... علاج سے نفع ہوا۔'' اس کے بعد تحریر فرمایا ہے: ''اس سفر میں میرے ہمراہ مولوی محمد الدین صاحب سندھی سکنہ چک نمبر ۷۰ اڈگری بھی کافیہ وغیرہ پڑھ رہے تھے۔ وہاں ایک اعجوبہ گزرا۔''

اعجوبہ...... جنات میں حضرت والاؒ کا وعظ:

یہ بھی حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے: ''حکیم صاحب مرحوم کے پاس ان دنوں ایک نومسلم عبداللہ نامی رہتا تھا۔ اس کا جنوں اور جنیات سے تعلق تھا۔ ایک شب عشاء سے پہلے ہم تینوں صحن میں چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے،

[1] یعنی حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائپوریؒ (خلیفۂ مجاز حضرت گنگوہیؒ) حضرت والاؒ کے ابتدائی پیر ومرشد جنکا تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ باب استفاضۂ باطنی میں آئیگا۔

ہم پر کشش کریں۔ پھر بیرونی دروازہ پر اینٹیں پڑنی شروع ہوگئیں۔ اسی حالت میں ہم نماز کے لئے مسجد میں گئے۔ جب نماز عشاء سے فارغ ہو کر واپس مکان پر آئے تو گیارہ اشیاء ہماری گم تھیں۔ حمائل شریف، بسترے وغیرہ۔ معلوم ہوا کہ جن اُٹھا لے گئے۔ تیسرے روز مسجد میں فجر کی نماز میں عین سجدہ میں جب ہم تھے، روپے برسے۔ مگر جو اُٹھاتا اس پر اینٹ پڑتی۔ جب واپسی قیام گاہ میں آئے تو گم شدہ تمام اشیاء موجود تھیں۔ پھر ایک روز ہم تینوں شام کے وقت ایک قریبی گاؤں لہرامیں دعوت کے لئے گئے۔ جب واپس آئے تو بیٹھک کے دروازے بند تھے۔ دو روز بند رہے۔ عبداللہ نو مسلم نے کہا کہ یہاں پر جنیں آئی ہوئی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ مولوی صاحب (یعنی میں) وعظ سنائیں گے تو ہم جائیں گی اور مکان خالی کر دیں گی۔ اس لئے رات کے وقت اس مکان میں ہمارا وعظ ہوا[1]۔ پھر بیٹھک کا دروازہ کھلا۔"

جلسہ اہل السنّت والجماعت میں مواعظ اصلاح عقائد:

"ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ (مئی ۱۹۲۹ء) میں بمبئی سے دیوبندی جماعت کی طرف سے دعوت آئی کہ یہاں محرم الحرام کے عشرہ اولیٰ میں اہلِ تشیع کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ اس کے جواب میں اہل السنّت والجماعت نے بھی ایک عشرہ روزانہ تقریر شب کو دو گھنٹہ کرانے کا ارادہ کیا ہے۔ دعوت منظور ہوئی۔ چنانچہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب، مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی، مولانا عبدالعزیز صاحب جہلمی، احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ، مولوی غلام فرید صاحب سیالکوٹی، مولوی مسلم صاحب لاہوری، مولوی جودت صاحب رام پوری یکم محرم (شروع جون ۱۹۲۹ء) وہاں پہنچے۔ بمبئی کے محلّوں میں مختلف جگہ دو گھنٹہ علیحدہ علیحدہ تقریریں ہوتی رہیں۔ آخری دن گیارھویں تاریخ میں سب ایک جگہ جمع ہوئے۔ اور الگ الگ موضوعات پر تقریریں کیں۔ میرا موضوع تھا "ضرورتِ تقلید اور ائمہ مجتہدین۔"

مواعظِ حسنہ بعد ہجرت پاکستان:

مندرجہ بالا جلسہ کے بعد حضرت والاؒ کے دیگر مواعظ حسنہ کی تفصیل عرصہ دراز تک نہیں ملتی۔ گو "نقشِ حیات" میں اسفار اور مدارس کے اور دیگر جلسوں میں شرکت کا تذکرہ ملتا ہے۔

احقر مؤلف نے ابتداء میں حضرت والاؒ کا وعظ یا درسِ قرآن مجید کب سنا؟ یہ تو یاد نہیں۔ لیکن غالب یہی ہے کہ یا تو ملتان پہلی بار حاضری پر جمعہ کا وعظ مدرسہ خیر المدارس میں سنا ہوگا، یا حضرت والاؒ کے کراچی سے واپس حیدرآباد سندھ اور سکھر تشریف لے جانے پر وہاں مواعظ حسنہ اور درسِ قرآن مجید سننے کا موقع میسر آیا ہوگا۔ اور یہ غالباً وہی سفر ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ "اسفارِ مہمہ" کے تحت "وحدت جمعیت علماء اسلام" کے زیرِ عنوان باب ۲۳ "متفرقات" میں آئے گا۔

---

[1] سورۂ جن کا وعظ ہوا۔ ع۔س (ع۔س= مولوی عبدالسلام صاحب ہوشیارپوری مرحوم شاید انہوں نے حضرت والاؒ سے سنا ہوگا کہ سورۂ جن کا وعظ ہوا تھا)

طرزِ بیان:

حضرت والاؒ کا طرزِ بیان جیسا کہ اخیر زمانہ میں اس ناچیز نے دیکھا، وہ دیگر واعظین، خطباء اور مقررین کے انداز سے بالکل مختلف تھا۔ مجلہ ''الحق'' محرم ۱۳۹۴ھ میں حضرت والاؒ کے بعض مکتوبات شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک میں تحریر فرمایا ہے: ''آپ کو معلوم ہوگا کہ میں مقرر و واعظ نہیں ہوں۔ احباب کے تقاضا پر تکثیر سواد کے لئے استفادہ و زیارت کی غرض سے کہیں کہیں حاضر ہو جایا کرتا ہوں۔''

حضرت والاؒ کا بیان آہستہ آہستہ، نرم لہجہ اور عام فہم اور بہت آسان زبان میں ہوتا تھا۔ جو مدرسہ کے طلباء کے سامنے درسِ بخاری شریف والی زبان سے مختلف ہوتی تھی۔ اس سے جوش کم اور ہوش زیادہ پیدا ہوتا تھا۔ بیان سننے سے سکونِ قلب اور انشراح صدر محسوس ہوتا تھا۔ اپنی اصلاح کی طرف توجہ ہوتی تھی۔ آہستہ آہستہ محبتِ الٰہی پیدا ہوتی اور حُبِ دنیا میں کمی ہوتی تھی۔

حضرت والاؒ کے بیان سے دینی فائدہ تو ایسا ہوتا تھا، لیکن شعلہ بیانی، سنسنی خیزی اور آجکل کی مغربی سیاست سے یکسر پاک ہوتا تھا۔ گو حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا کہ میں مقرر و واعظ نہیں ہوں، تاہم خطابت کا ایک گُر ایک بار ذکر فرمایا، جس کو احقر اپنے الفاظ میں ذکر کرتا ہے، کیونکہ پورے الفاظ محفوظ نہیں۔ فرمایا کہ ''خطیب وہ ہے کہ جب وہ ضمناً اور تبعاً اور ایک بات سے دوسری بات یاد آنے پر اور تفریعات کا ذکر کرتے ہوئے موضوع سے دور چلا جاتا ہے تو اصل موضوع کو ترک نہیں کر دیتا۔ بلکہ پھر واپس اپنے موضوع پر لوٹ آتا ہے۔ اور جو موضوع سے نکل کر واپس نہیں آتا وہ خطیب نہیں۔ واقعی خطیب اور واعظ و مقرر کے لئے یہ ایک نہایت اہم بات ہے۔ خود قرآن مجید کا طرز بھی یہی ہے۔ (گو کتاب اللہ اور قرآن عظیم کو خطبہ اور وعظ سے تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے، کیونکہ جیسا کہ لیس کمثلہ شیٔ ہے۔ ایسے ہی لیس کمثل کلامہ و کتابہ شیٔ بھی ہے۔) اور اکابر مصلحین خطباء اور واعظین کا بھی یہی طریقہ رہا ہے۔ حضرت مجدد الملت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ حسنہ میں مفید ترین نرالی اور بسا اوقات بے مثل اصلاحی و علمی تحقیقات و تفریعات نکلتی آتی ہیں۔ اور درمیان میں پیدا ہونے والے محتمل سوالات و اشکالات کے جواب آتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ شاید ہی کوئی پہلو تشنہ رہنے پاتا ہو۔ لیکن پھر اپنے موضوع پر واپس لوٹ آتے ہیں۔ ہمارے حضرت والاؒ کا بھی یہی طرز تھا کہ موضوع پر واپس لوٹ آتے تھے۔

جوشیلی تقریریں اور سادہ پُر اثر وعظ:

ایک مثال حضرت حکیم الامت مجدد الملت تھانویؒ نے بعض موقعوں پر بیان فرمائی ہے جو غالباً توجہ دینے والے مشائخ اور متبع سنت کاملین کی صحبت کے اثر کے فرق کو واضح کرنے کے لئے عجیب مثال[1] ہے۔ وہ یہ کہ ایک تو گرمی تنور کے

---

[1] حضرت تھانویؒ کی مثالیں سب ہی عجیب ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کے والد ماجد مرحوم ''آغا جی'' (حضرت مولانا سید محمد زکریا بنوریؒ فرماتے تھے۔ (اور وہ حضرت تھانویؒ کے نہ سلسلۂ بیعت میں تھے نے تلامذہ میں سے تھے۔ چنانچہ ان کا قول اس بارے پر اور بھی زیادہ قوی ہے) کہ حضرت مولانا رومیؒ نظم میں مثال کے بادشاہ ہیں اور حضرت تھانویؒ نثر میں مثال کے بادشاہ ہیں۔

پاس بیٹھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن جب تک تنور کے پاس اس وقت تک تو خوب گرمی ہے۔ اور وہاں سے علیحدہ ہوئے اور گرمی ختم۔ دوسری گرمی وہ ہے جو سنکھیا کو مدبر کر کے (اس کا کشتہ) کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ جس کا اثر دائمی ہوتا ہے۔ یہی مثال شعلہ بیان اور جوشیلے واعظین کی تقریروں اور حضرت والاؒ کے سادہ وعظ میں فرق کی ہے، کہ جوشیلے واعظین کی تقریروں کا اثر تو تقریر کے دوران ہی تک رہتا ہے۔ اس کے بعد کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ اور حضرت والاؒ کے مواعظ کا اثر دائمی ہوتا تھا۔ از دل خیزد بر دل ریزد۔ حضرت امام ربانی سید عبدالقادر جیلانیؒ نے ایک دفعہ معمولی سا واقعہ بیان فرمایا کہ ہم نے روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تھا اور سحری کے لئے دودھ رکھا تھا۔ تقدیر الٰہی غالب آئی، بلی دودھ پی گئی اور روزہ نہ رکھ سکے۔ اتنا ہی سن کر حاضر تڑپ اُٹھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام میں اپنے متکلم کی زندگی کے مطابق اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل مواعظ اور تقریروں کا اثر بہت کم ہو گیا ہے۔ لیکن اس میں قصور صرف واعظ ہی کا نہیں، بلکہ سامعین میں بھی قبولیت کی صلاحیت کم ہے، طلب کی کمی ہے۔ اس لئے دونوں ہی کو اپنی اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے۔

حضرت والاؒ کے وعظ:

حضرت والاؒ کا ایک وعظ جو جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے جلسہ کے موقع پر ہوا تھا، احقر نے اس کو لکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن نہ تو حافظہ قوی نہ مختصر نویسی آتی ہے۔ اس لئے بہت ناقص ضبط ہو سکا۔ اگر لا باس به کے درجہ میں بھی صاف ہو گیا تو شائع کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مسجل (ٹیپ ریکارڈر) سے جو دروس قرآن مجید اور مواعظ حسنہ ضبط ہو گئے تھے ان کو یا ان میں سے بعض کو بتوفیق الٰہی کسی موقع پر اِن شاء اللہ تعالیٰ شائع کرنے کا ارادہ ہے، وباللہ التوفیق وھو حسبنا ونعم الوکیل.

اخیر زمانہ میں خصوصاً فالج کے حملہ کے بعد تو حضرت والاؒ کے مواعظ بہت کم ہوتے اور مختصر ہونے لگے تھے، لیکن جب صحت بہتر تھی تو بعض مواعظ رات کو کئی گھنٹے تک بھی ہوتے تھے۔ تقریباً اخیر ۵۴ء یا شروع ۵۵ء موسم سرما کی بات ہے۔ سکھر میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانویؒ کے مکان پر قیام تھا۔ غالباً دریائے سندھ کے کنارے بندر روڈ کی کسی مسجد میں وعظ ہوا تھا۔ جہاں رات کو کھانے کی دعوت تھی۔ حضرت والاؒ نے میزبان کو فرمایا تھا کہ کھانا کھا کر مجھ سے بیان نہیں ہوتا۔ چنانچہ عشاء کے بعد دو تین گھنٹے یا زائد خوب بسط کے ساتھ وعظ ہوا۔ اور بعد وعظ واپسی میں میزبان کے یہاں متعدد مدعوین کے ساتھ کھانا کھایا۔ افسوس ہے اس وقت ٹیپ ریکارڈر نہیں تھا، ضبط نہیں ہو سکا۔ بہر حال اس میں صرف اتنی بات یاد ہے کہ حضرت والاؒ نے ایک مثال دی تھی کہ پیر تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک پیر پتھر، دوسرا پیر پتہ، تیسرا پیر لکڑ۔ پیر پتھر تو خود گم کردہ راہ پیر کی مثال ہے۔ کہ پتھر پر بیٹھ کر جو پانی میں داخل ہو گا وہ بھی پتھر کے ساتھ ڈوبے گا۔ دوسرا پیر پتہ ایسے صالح شخص کی مثال ہے جو خود تو پار ہو جائے گا، جیسا کہ پتا خود تیرتا ہے، لیکن کسی کو پار نہیں کرا سکتا۔ جو اس کے ذریعہ پار ہونا چاہے گا وہ ڈوب جائے گا۔ یہ ان بزرگوں کی مثال ہے جو بھولے ہوتے ہیں۔ ان کی مثال میں فرمایا تھا کہ ایک بھولے بزرگ تھے۔ لباس بھی

سبز، عمامہ بھی سبز، کسی نے ان کو دعوت دی اور مسہری پر بٹھایا، جس کے سرہانے کی طرف آئینہ لگا ہوا تھا، کھانا سامنے آیا اور آئینہ میں اپنی صورت نظر آئی تو سمجھے کہ سامنے کوئی بزرگ بیٹھے ہیں۔ فرمانے لگے پڑھو جی بسم اللہ۔ جب کچھ جواب نہ ملا تو مکرر کہا۔ اتنے بھولے تھے۔ ایسے بزرگ دوسرے کی اصلاح کیسے فرمائیں گے۔ تیسری قسم پیر کی بیان فرمائی پیر لکڑ۔ لکڑ کو پانی میں ڈال کر اس پر بیٹھ جاؤ تو لکڑ خود بھی پار ہو جائے گا اور دوسرے کو بھی پار کرا دے گا۔ یہ ایسے پیر کی مثال ہے جو صالح ہونے کے ساتھ عاقل و متیقظ بھی ہو۔ چنانچہ پیر ایسے ہی بزرگ کو بنانا چاہئے جو صالح اور عاقل ہو۔ جیسا حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ پیر عالم الغیب نہیں ہوتا۔ مگر اس کو عالم العیب ہونا چاہئے (یعنی غیب داں نہیں بلکہ عیب کو پہچان لینے والا) کہ طالبین اصلاح کے عیوب کی تشخیص خوب کرنا جانتا ہو۔ ورنہ بغیر عیوب کو سمجھے اصلاح کیسے ہو سکتی ہے؟

حضرت والاؒ کا جمعہ کا بیان حسب ضرورت ہوتا تھا۔ چنانچہ رمضان المبارک کے مواعظ میں رمضان کی برکات اور اس کے خاص اعمال و فضائل کا بیان ہوتا تھا۔ دیگر مواعظ متعدد موضوعات پر حسب ضرورت ہوتے تھے۔ اور ان کا نفع عام و تام ہوتا تھا۔ جمعہ کے روز عموماً ایک گھنٹہ یا پون گھنٹہ کے قریب بیان ہوتا تھا۔ ایک جمعہ کو قیامت کے احوال و اہوال کو بیان فرمایا تھا۔ یہ بیان قیامت کے واقعات پر بہت مبسوط تھا۔ اور سادہ عبارت کے باوجود نہایت درجہ مؤثر تھا۔ کبھی مخالفت نفس پر بیان ہوا جو نفع سے پُر تھا۔ غرضیکہ متعدد ضروری اصلاحی مضامین ہوتے تھے۔ اور سب کا حاصل اور خلاصہ رضائے الٰہی کی دُھن پیدا کرنا، محبتِ الٰہی کی لَو لگانا اور اتباعِ سنت کو اختیار کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوتا تھا۔

قبل تعمیر مسجد ایک سال رمضان المبارک میں جبکہ نماز پرانے دار الحدیث میں ہوتی تھی، بعد تراویح مختصر بیان ہوتا تھا۔ ایک روز موت کی سختی و تلخی اور ملک الموت کے شاہانہ جلال کا کسی واقعہ کے ضمن میں ذکر ہوا تھا۔ اس مختصر مگر مؤثر بیان کی یاد ہی مراقبۂ موت کا کام دیتی ہے۔

(مگر حضرت والاؒ عموماً طالبین کے لئے مراقبۂ موت تجویز نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ زیادہ تر نعماء الٰہی کا مراقبہ تجویز فرماتے تھے، جس سے محبت الٰہی میں ترقی ہوتی ہے۔ اور وہی فوز و فلاح کی کلید اعظم ہے۔ کیوں نہ ہو کہ محبت سے رضاء الٰہی کے حصول کی دُھن پیدا ہوتی ہے۔ اور وہی تو نعمت عظمیٰ و مقصود اعظم ہے۔ ضعیف طبائع کے لئے مراقبہ موت سے خوف زیادہ ہو جانے کا اندیشہ ہے جو مضر ہے۔ (لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ موت کو یاد ہی نہ کیا جائے، بلکہ موت کو بکثرت یاد کرنے کا تو حدیث شریف میں اَمر ہے۔)

ملتان جیل میں حضرت والاؒ کا وعظ:

حضرت سید قمر الدین شاہ صاحب مد ظلہم العالی و دامت فیوضہم ایک تحریر میں فرماتے ہیں: ''ایک بیرک میں قیدی اکٹھے ہوئے اور حضرت والاؒ نے اس حدیث شریف پر وعظ فرمایا کہ ''دنیا مومن کے لئے جیل خانہ ہے۔'' عجیب و غریب بیان

تھا۔ ننانوے قتل کرنے والے، پھر یک صد پورا کر کے تائب ہونے والے، حق تعالیٰ کی رحمت سے اس کی توبہ قبول ہونے، زمین کے سکڑنے اور پھیلنے کا عجیب وغریب انداز میں اصلاحی اور پُر امید وعظ تھا۔"

وعظ اور چندہ:

حضرت مولانا منظور احمد صاحب (اُستاذ الحدیث خیر المدارس) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت والاؒ نے "خیر المدارس کے لئے کبھی بھی وعظ کہہ کر عمومی طور پر چندہ کی اپیل نہیں فرمائی۔"

حضرت والاؒ کے حکیمانہ مواعظ:

حضرت والاؒ کے مواعظ بفضلہٖ تعالیٰ حکیمانہ ہوتے تھے۔ لہجہ نرم اور شفقت آمیز ہوتا تھا۔ مقصود اصلاح تھی۔ آپ کا وعظ طعن یا تعریض، کسی کی دل آزاری یا اہانت وغیرہ کے عیوب سے پاک ہوتا تھا۔ لیکن آپ کے حکیمانہ انداز سے ماشاءاللہ تعالیٰ اصلاح ایسی ہوتی تھی کہ بعض اوقات پورا ماحول بدعات سے نکل کر سنت پر عامل ہو جاتا تھا۔ یہ بفضلہٖ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے فرمان اُدعُ الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ. اور نبی کریم ﷺ کے ارشاد بشرا ولا تنفرا[1] پر عمل کا ثمرہ اور اس کی برکت تھی۔ بطور مثال اس قسم کے مواعظ کے دو[2] واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ پہلا واقعہ خود حضرت والاؒ نے حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ سے بیان فرمایا تھا۔

حکیمانہ وعظ کی مثال اوّل:

فرمایا ایک بار ملتان کو دریائی سیلاب کا خطرہ ہوا۔ سجادہ نشین دربار خواجہ بہاء الحق ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوستانہ تعلقات کی بناء پر مجھے اطلاع کئے بغیر شہر میں اعلان کرا دیا کہ کل کو قلعہ پر مولانا خیر محمد صاحب نفلی جماعت کرائیں گے۔ علماء کو اس اعلان سے تشویش ہوئی۔ اور بعض نے مجھے جانے سے منع بھی کیا کہ نفلی جماعت بالخصوص اہتمام کے ساتھ عندالاحناف مکروہ ہے۔ میں نے کہا جاؤں گا ضرور، کہ نہ جانے میں سجادہ صاحب کی سبکی ہے۔ باقی جماعت کرانا نہ کرانا میرا اپنا فعل ہے۔ چنانچہ جب سجادہ صاحب کی طرف سے کار آئی تو میں چلا گیا۔ جا کر سجادہ صاحب سے کہا کہ آپ سے علیحدگی میں کوئی بات کرنی ہے۔ وہ بخوشی علیحدہ ہو گئے۔ میں نے کہا کہ ہم حنفی ہیں۔ جو کام فقہ حنفی کے مطابق ہو، وہ کرتے ہیں۔ اور جو عمل رواج کے موافق اور فقہ حنفی کے خلاف ہو وہ نہیں کرتے۔ اس لئے ہمیں لوگ وہابی کہتے ہیں۔ چونکہ نفلی جماعت کو فقہ حنفی نے مکروہ کہا ہے، اس لئے معذور ہوں۔ سجادہ صاحب نے کہا کہ حضرت میری غلطی ہوئی کہ آپ کو اطلاع دیئے بغیر میں نے اعلان کرا دیا۔ جس کی وجہ سے اب ہزاروں کا مجمع آیا ہوا ہے۔ میں آپ کو خلاف شرع پر مجبور نہیں کرتا، مگر میری غلطی کا

---

[1] متفق علیہ حدیث شریف میں جمع کے صیغہ بشّروا ولا تنفّروا سے بھی آیا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح ج۲، ص ۳۲۴)

[2] یہ دونوں واقعات احقر مؤلف کو خبر واحد سے پہنچے ہیں۔ تاہم حضرت والاؒ کے مزاج شناس کو ان کے صحیح سمجھنے میں تردد ہوگا۔ (آ)

تدارک فرمادیں، تاکہ سبکی نہ ہو۔ میں نے کہا آپ اعلان فرمادیں کہ آدھ گھنٹہ مولانا کا بیان ہوگا، بعد میں نفل پڑھے جائیں گے۔ بڑے خوش ہوئے اور اعلان کردیا۔ میں نے بعد خطبہ یہ آیت تلاوت کی: **یا ایھا الذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ. ان اللّٰہ مع الصابرین. ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات (الآیۃ)** اور وعظ کہا۔ اس میں یہ بھی کہا کہ مسلمان کے دو دشمن دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جن کا وجود ہمیں نظر آتا ہے۔ یعنی کافر، دوسرے وہ جن کا وجود ہمیں نظر نہیں آتا، یعنی نفس اور شیطان۔ یہ دشمن پہلے کی نسبت بڑا سخت ہے۔ اس کے ساتھ جہاد کرنے کو جہادِ اکبر فرمایا گیا ہے۔ آیت میں ظاہری دشمن یعنی کافروں کے ساتھ جہاد میں شہید ہونے والوں کے متعلق فرمایا گیا کہ تم ان کو مردہ نہ کہو، وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں۔ جو لوگ جہادِ اکبر میں ختم ہوجائیں وہ بدرجہ اولیٰ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہوں گے۔ یہ بزرگانِ دین اولیاء اللہ جہادِ اکبر میں شہید ہونے والے ہیں۔ اور یقیناً اپنے مزارات کے اندر زندہ ہیں۔ محض ایک پردہ حائل ہے۔ ہم ان کے مزارات پر جاکر خلافِ شرع کام کرتے ہیں۔ ان کے مزارات کو سجدہ کرتے ہیں۔ اگر یہ پردہ حائل نہ ہوتا تو ہمارے منہ پر تھپڑ مارتے۔ اخیر وعظ میں فرمایا کہ نفلی نماز باجماعت پڑھنا ناجائز ہے۔ بزرگوں کی روحیں اس سے ناراض ہوں گی۔ نفل سب اکیلے اکیلے پڑھیں۔ دُعا مل کر کرلیں گے۔

سب نے خوشی خوشی اکیلے اکیلے نفل پڑھے، بعد میں مل کر دُعاء کی گئی۔ اللہ پاک کا فضل ہوا، خطرہ ٹل گیا۔ جو ڈرائیور مجھے مدرسہ تک پہنچانے آیا، اس نے کہا: حضرت! اگر کبھی کبھی اس طرح کے وعظ ہوجایا کریں تو بڑا فائدہ ہو۔ بڑی اصلاح ہو۔ آجکل کے مقررین کفر کی مشین چلانے لگ جاتے ہیں، بجائے فائدہ کے نقصان ہی نقصان ہوتا ہے، اور سجادہ صاحب نے اپنے مجمع خاص میں فرمایا: ''دیوبندی اور بریلوی میں یہ فرق ہے کہ دیوبندی کو کسی قیمت پر نہیں خریدا جاسکتا اور بریلوی کو ٹکہ دے کر جو چاہو بیان کرالو۔''

حکیمانہ وعظ کی مثال دوم:

یہ واقعہ محترمی حاجی امیر الدین صاحب (نواں شہر ملتان) نے فرمایا کہ ''ملتان کے کسی بڑے آدمی نے رسم تیجہ میں حضرت والاؒ کو دعوت دی۔ اور دیگر دیوبندی المشرب علماء کو بھی دعوت دی۔ سب نے شرکت سے انکار کردیا کہ بدعت ہے۔ مگر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے۔ میزبان سے فرمایا: آپ نے یاد فرمایا۔ بڑی خوشی ہوئی۔ ماشاء اللہ بڑا مجمع لگا ہوا ہے، جی چاہتا ہے کہ یاد آوری کے شکریہ میں تھوڑی دیر وعظ کرلوں۔ وہ صاحب بڑے خوش ہوئے اور کہا: حضرت! بڑی مہربانی، نوازش ہوگی، احسان ہوگا، ضرور وعظ فرماویں۔ چنانچہ حضرت والاؒ نے سلیقہ سے وعظ میں ایصالِ ثواب کی خوبی و فضیلت اور بدعات وخرافات رسوم کی برائی کو بیان فرمایا۔ جب وعظ ختم ہوا تو میزبان نے اپنے خدام میں اعلان کردیا کہ بس ختم پڑھا گیا۔ تمام کھانا صرف غرباء و مساکین میں تقسیم کردیا جائے۔

حضرت والاؒ کے ایک وعظ کا خلاصہ

(بحوالہ[1] روزنامہ ''رہبر'' بہاولپور، ۲۴ مئی ۱۹۶۷ء):

''گزشتہ شب مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے حاصل پور کے ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: انسان پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسان ہیں۔ وہ یہ کہ اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، غرض کہ جسم صالح عطا فرمایا۔ سانس کا باہر آنا جانا بھی احسان ہے۔ چونکہ ہم روزمرہ کی زندگی میں بے شمار سانسیں لیتے ہیں، اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کے احسانات شمار نہیں کر سکتے۔'' آپ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا، لیکن صرف دو نعمتوں پر اپنا احسان جتایا، اوّل نعمت ایمان، دوم حضرت محمد ﷺ کا وجود پاک۔ ایمان وہ دولت ہے کہ انسان اخلاص سے کلمہ پڑھنے کی بدولت جنتی بن جاتا ہے اور اس سے انکار پر دوزخی۔ اور حضرت محمد ﷺ کا وجود مسعود اللہ تعالیٰ کے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ کے اتباع سے انسان جنت میں آپ کا رفیق ہوگا۔'' (رہبر بہاولپور)

> (نوٹ: حضرت والاؒ کے وعظ کی تاثیر کے بارے میں ذیل کی یہ مختصر سی تحریر حضرت مولانا حافظ الحاج عبدالعزیز صاحب مدظلہ کے مقالہ ''میرے شیخ کامل'' (باب ۱۵، ارشاد و افاضہ باطنی) سے لی گئی ہے، جو بہت خوب ہے۔ اور طویل تحریروں پر بھاری ہے۔ اس لئے اس باب کی مناسبت سے اس کو یہاں بھی نقل کیا جا رہا ہے۔ آ ا)

''حضرت والاؒ کے وعظ کی تاثیر:

وعظ میں تو ایسی تاثیر دیکھی کہ حضرت والاؒ کی باتیں دل میں اُترتی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت والاؒ نے نواں شہر ملتان میں وعظ فرمایا اور اس میں بُغض و کینہ رکھنے کی وعیدیں بیان فرمائیں۔ بندہ کی مدرسہ میں ایک دو ساتھیوں سے ناراضگی کی وجہ سے بات چیت بند تھی۔ بس حضرت والاؒ کے وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مدرسہ میں آ کر رات کو ان سے مصالحت کر لی۔

حضرتؒ کے وعظ میں عموماً علمی سادہ باتیں ہوتی تھیں اور بہت اَثر رکھتی تھیں۔ جیسے ہلکی ہلکی پھوار دار بارش برتی ہے۔ اور زمین میں جذب ہوتی جاتی ہے۔ اسی طرح آپ کے وعظ کی تاثیر تھی کہ مردہ دِلوں میں حیات پیدا ہو جاتی تھی۔ اور بڑے بڑے صاحب کمال بھی حضرتؒ سے فیض یاب ہو کر جاتے تھے۔''

نوٹ: اس کے بعد محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب کی تحریر حضرت والاؒ کے مواعظ حسنہ کے بارے میں ملاحظہ فرمائیے:

مواعظِ حسنہ کا انداز و طریق[2]:

حضرت والاؒ اپنے مواعظِ حسنہ سے بھی احباب اور عوام الناس کو مستفید و مستفیض فرماتے تھے۔ اکثر مدارسِ اسلامیہ کے سالانہ جلسوں میں تشریف لے جاتے اور علماء و عوام کو اپنے مواعظ سے مستفید فرماتے۔ آپ سیاسی مقررین کی طرح

[1] اق۔ [2] اق۔

تھے۔ بلکہ سیدھے سادھے انداز میں وعظ بیان فرماتے۔ لیکن اس میں علمی نکات اور عملی باتیں اس خاص طرز پر وعظ نہ فرماتے قدر ہوتیں کہ بڑے بڑے علماء بھی سر دُھنتے۔ احقر[1] نے ریلوے مسجد ہارون آباد میں علامہ مولانا دوست محمد قریشی صاحب مرحوم کی موجودگی میں حضرتؒ کا وعظ سنا تو دیکھا کہ علامہ قریشی مرحوم جیسے تنظیم اہلِ سنت والجماعت کے بے باک و مشہور مقرر نے بے ساختہ متعدد بار خود والہانہ نعرے لگائے اور حضرت کے نکات پر سر دُھنتے رہے۔ آپ کے مواعظ کے بارے میں مولانا حافظ عبد الشکور صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں[2]:

''آپؒ کا بیان نہایت محققانہ لیکن آسان انداز میں ہوتا۔ آپ اس انداز سے خطاب فرماتے کہ مخاطبین پر سکینہ و طمانیت کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ آخری ایام میں چونکہ حضرت والاؒ اکثر بیمار رہا کرتے تھے، اس لئے جب بھی تقریر و بیان کی نوبت آتی تو آپ اپنے بیان کے چند ایک اہم نکات و واقعات ایک کاغذ پر تحریر فرما لیتے[3] تاکہ اگر ضرورت محسوس ہو تو ان سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔ آسان الفاظ، شگفتہ انداز، عام فہم جملے آپ کے بیان کی جان ہوتے۔ آپ اپنی تقریر میں مخاطبین کو زیادہ تر حبِ الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔''

جب[4] تک ہمت و طاقت تھی، خیر المدارس میں نماز جمعہ سے قبل خود وعظ فرمایا کرتے۔ بعد میں نقاہت و علالت کے سبب یہ خدمت حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ کے سپرد فرما دی تھی۔

حضرت والاؒ کے تین وعظ:

بطور نمونہ بغرض افادہ حضرت والاؒ کے تین وعظ یہاں درج کئے جاتے ہیں، جس سے قارئین انداز لگا سکیں گے کہ ان میں کس قدر علمی مواد اور اصلاحِ باطن کے آسان نسخے ہیں۔ ضرورت اس اَمر کی ہے کہ جن جن حضرات کے پاس حضرت والاؒ کے مواعظ کی ٹیپ ہے وہ قلم بند کروا کر اسے افادۂ عامہ کے لئے شائع کر دیں تو بڑے نفع کی توقع ہے۔

---

[1] اق۔ [2] باختصار و تغییر یسیر۔ (آا)
[3] حضرت والاؒ جن پرچیوں کو سامنے رکھ کر وعظ فرماتے تھے۔ وہ سب صاحبزادہ مولانا حافظ عبد الحق صاحب کے پاس موجود ہیں۔ اگر کوئی ذی استعداد عالم ان پرچیوں کو لے کر قدرے وضاحت کے ساتھ ان معارف کو قلمبند کرے تو واعظین اور علماء عوام کیلئے ایک تحفہ بن جائے۔ (یہ حاشیہ، غالباً مخدوی حضرت مولانا حافظ محمد حافظ شریف جالندھری کا ہے۔ اب تو حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ بھی رحلت فرما چکے ہیں۔ اس لئے اس مقصد کیلئے ان کی اولاد کی طرف ہی رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (آا)
[4] اق۔

(۱) خیر الشھور ھو شھر القیام والشحور الملقب بشھر الغفران و نزول الفرقان[1]

وعظ ارشاد فرمودہ حضرت والاؒ

(یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ بروز جمعہ، بمقام جامع مسجد خیر المدارس ملتان، تقریباً ایک گھنٹہ بیان ہوا)

مرتبہ: حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب زادمجدھم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ.

اللہ تعالیٰ نے یہ مبارک مہینہ ہم کو عطاء فرمایا ہے، اس واسطے سب مسلمانوں پر اس کا شکر واجب ہے۔ بہت خوش قسمت ہیں وہ لوگ کہ جن کی زندگی میں مہینہ رمضان المبارک کا آئے اور وہ اس کے آداب اور حقوق ادا کریں۔ جو اس کے حقوق ادا کریں ان کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ شاید دوسرا مہینہ آئے یا نہ آئے۔ اس واسطے اس کی جتنی قدر ہو سکے، بہت قدر کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کا نام 'رمضان' رکھا ہے۔ 'رمضان' مشتق ہے 'رمض' سے۔ اور 'رمض' کے معنی ہیں 'جلا دینے' کے۔ گویا یہ مہینہ مسلمانوں کے تمام گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ اور یہ مہینہ اس واسطے مقرر کیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انسان مختلف کام کرتا رہتا ہے۔ ساتھ ہی کچھ ناجائز اور برے کام ہو جاتے ہیں۔ تو جو برے کام اور گناہ ہوتے ہیں اس سے دل پر سیاہ نقطے لگ جاتے ہیں۔ ایک گناہ کرتا ہے تو ایک نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ سچی توبہ کر لیتا ہے تو وہ دُھل جاتا ہے، ورنہ لگا رہتا ہے۔ اور اگر دوسری مرتبہ گناہ کرتا ہے تو دوسرا نقطہ لگ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جو گناہ نہ چھوڑے تو اس کو اتنے نقطے لگتے ہیں کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ سارا دل کالا ہو جاتا ہے۔ اس واسطے اس نقطہ کو توبہ سے دھولو۔ پھر مرتے وقت اس کو توبہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مغفرت کے لئے یہ مہینہ مقرر کیا۔ اس میں دوزخ کے دروازے سب بند کر دیئے جاتے ہیں اور بہشتوں کے دروازے سب کھول دیئے جاتے ہیں۔ سرکش بڑے بڑے شیاطین قید کر دیئے جاتے

[1] عنوان از آ۔

ہیں، اور لوگوں میں اللہ کی طرف سے فرشتے ندا کرتے ہیں ساری گلی کوچہ، ہر دروازے اور مکان پر یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ. اے نیکی کے طلب کرنے والے تو متوجہ ہو جا اور اے برائی کے طلب کرنے والے تو رُک جا۔ اللہ کے بندے جن کے دل صاف ہیں وہ اس کو سنتے ہیں اور رات کو جاگتے ہیں، بلکہ فرشتوں کا ایک طائفہ ہے، وہ گلیوں میں کھڑا ہوتا ہے۔ وہ سفارش کرتے ہیں کہ اے اللہ! جو اس وقت جاگتے ہیں تو ان کو بخش دینا۔ وہ سفارش کرتے ہیں، تو یہ سیاہی کو دھونے کے لئے جو گیارہ مہینوں میں لگتی ہے تو گیارہ مہینوں کے بعد یہ ایک مہینہ توبہ کے لئے ہے۔ اس مہینے میں اجر و ثواب کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ نفلوں کا ثواب باقی مہینوں کے فرض کے برابر ہے اور اس مہینے کے فرض باقی مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ہیں۔ اس واسطے انسان کو چاہئے کہ اس میں غفلت نہ کرے۔ اس میں جتنا نیکی ہو سکے نیکی کرے۔ رمضان اتنا مبارک ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی اپنی طرف نسبت کی ہے: شَهْرُ اللّٰه (اللہ تعالیٰ کا مہینہ) معلوم ہوتا ہے کہ اس مہینے کو بڑی خصوصیت ہے۔ جیسے کہتے ہیں یہ چیز بھائی سرکاری ہے، یہ وردی سرکاری ہے، اس کی عظمت ہوتی ہے۔

تین عشرے ہیں اس مہینے میں: اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَّاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَّآخِرُهٗ عِتْقٌ مِّنَ النَّارِ. پہلے دھاکے میں رحمت برستی ہے، دن میں بھی اور رات میں بھی۔ جو آدمی روزے کا حق ادا کرے، کھیتی والے کھیتی کرتے ہیں، نوکری والے نوکری کرتے ہیں، ان کا ہر کام عبادت بن جاتا ہے۔ اس واسطے انسان کو چاہئے کہ اس کے حقوق ادا کرے۔ اول زبان کی حفاظت کرے، غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، گالی نہ دے، کوئی بری بات نہ کرے، جھگڑا نہ کرے، دوسرے ہاتھوں کو محفوظ رکھے، چوری نہ کرے، ناجائز چیز کو نہ پکڑے اور پیروں سے ناجائز کاموں کی طرف نہ چلے، سینما، تماشا اور فجار کی مجلس کی طرف چلنا گناہ ہے۔ چلے تو مسئلہ پوچھنے کے لئے علماء کے پاس جائے، والدین کی خدمت کرے، نیک کاموں کی طرف چلے۔ تیسرے دل میں برے خیالات نہ لائے، کہیں عبادت کا فکر ہے، کہیں نماز کا فکر ہے۔ تو اس عشرے میں بارش کی طرح اللہ کی رحمت برستی ہے۔ اب بارش کے قطرے نہیں شمار کر سکتے۔ اسی طرح چاروں طرف سے اللہ کی رحمت برستی ہے۔

دوسرا عشرہ جو ہے اس کا نام ہے عشرۂ مغفرت، جو گناہ ہوتے ہیں سب معاف ہو جاتے ہیں، بیسویں دن سب معاف ہو جاتے ہیں۔ البتہ حقوق العباد نہیں معاف ہوتے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس آدمی کے سامنے جا کے معافی مانگے کہ میں نے تیرا فلاں نقصان کیا ہے، تو معاف کر دے۔ اگر معاف نہ کرے تو رقم ادا کر دے۔ نماز رہی ہوئی ہے تو اس کو قضاء کرے اور روزے رہے ہوئے ہیں تو ان کو بھی قضاء کرے۔ باقی جو گناہ کر لئے ہیں، بدنظری، برائی کر لی ہے، اس کا بدلہ یہ ہے کہ توبہ کر لے۔ تنہائی میں روئے، معاف ہو جائیں گے۔ ہاتھ اُٹھائے، وہ خالی نہیں جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندے! جس وقت تو ہاتھ اُٹھاتا ہے تیرے اتنے گناہ ہیں جن سے آسمان اور زمین کے درمیان جو پول (خلاء) ہے، یہ پول (خلاء) بھی بھر جائے اتنے گناہ ہیں، تو میں ان کو بھی معاف کر دیتا ہوں، مجھے شرم آتی ہے، ہاتھ (خالی) واپس کرتے ہوئے۔

وَآخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ (آخری دھا کہ آگ سے آزادی ہے) جو گناہ گار ہوتے ہیں ان کو رمضان کی برکت سے معافی ہو جاتی ہے اور دوزخ سے رہائی ہو جاتی ہے۔ پھر وہ مستحق جنت ہو جاتے ہیں، جو کھاتا پیتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ ہے کہ دنیا کے جتنے کام ہیں سب کو عبادت میں داخل کرتا ہے۔ بلکہ ایک مسئلہ ہے کہ رات کو پیٹ بھر کے کھالیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ کھانے میں شمار ہے۔ تو یہ ملائکہ اور اللہ تعالیٰ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ فرشتے اور اللہ کھانے پینے سے بری ہیں۔ اس لئے کہ رات کو یہ اس واسطے کھاتا ہے کہ دن کو نہیں کھاؤں گا۔ تو یہ کھانا نہ کھانے کے برابر ہے۔ جیسا کہ دیکھو آپ ۶ھ میں پہلا عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ آپ ڈیڑھ ہزار آدمی ہمراہ لے جاتے ہیں، آگے کفار کا لشکر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کو آگے نہیں آنے دیتے۔ کفار نے کہا اپنے غرور میں، ہوتے ہوتے (قصہ لمبا ہے) پھر صلح ہوگئی۔ بہت گرا ہوا فیصلہ ہوا کہ آپ اس دفعہ مدینے واپس جائیں اور آئندہ سال بھی صرف تین دن کے لئے آئیں، اور فوراً واپس چلے جائیں۔ اور دوسری شرائط بھی لگائیں۔ صلح تام ہوگئی اور پھر آپ واپس ہو گئے۔ راستے میں آیت نازل ہوئی: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (بے شک ہم نے آپ کو فتح کھلی دی) حالانکہ فتح دو سال بعد میں ہوئی۔ مکہ ۸ھ میں فتح ہوا، مگر اللہ نے اس کا نام فتح رکھا ہے۔ اس واسطے کہ حضور ﷺ نے صلح اس واسطے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس سے آگے فتح کرادے گا۔ تو اسی طرح یہ کھانا نہ کھانے کی نیت سے ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بھی نہ کھانا ہوا۔ اس واسطے مشابہ ہو جاتا ہے (فرشتوں اور اللہ کے)، تو بڑا ثواب ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں آتا ہے: وَتُصْفَدُ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْن. کہ اس میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ جب شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں تو اس کے باوجود لوگ برائی، زنا، بدکاری، چوری کیوں کرتے ہیں؟ علماء نے جواب دیا ہے اور بڑا اسچا جواب دیا ہے کہ لفظ ہے مَرَدَةٌ، صرف شیاطین نہیں کہا۔ مَرَدَةٌ کہتے ہیں سرکش شیاطین کو۔ تو وہ تو قید کر لئے جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے باقی رہ جاتے ہیں۔ وہ وسوسے ڈالتے ہیں اور بُرے خیالات ڈالتے ہیں۔ تو یہ گناہ ان کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

شاہ اسحٰق صاحبؒ فرماتے ہیں کہ گناہ دو وجہ سے ہوتے ہیں، ایک شیاطین کی وجہ سے۔ یہ لاحول سے بھاگ جاتا ہے، اذان سے بھاگتا ہے، اقامت سے بھاگتا ہے۔ شیطان بڑا دشمن ہونے کے ساتھ کمزور بھی بڑا ہے۔ دوسری چیز ہے نفس۔ یہ ہر وقت انسان کو رغبت دیتا ہے برائی کی۔ یہ نفس ہر وقت موجود رہتا ہے، لاحول وغیرہ سے بھاگتا نہیں۔ تو اس کی وجہ سے گناہ ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی دین یہ ہے کہ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے تاکہ لوگ نیکی کریں اور دوزخ سے بچیں۔ جب ہم روزہ کھولتے ہیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ ساتھ لاکھ گناہگاروں کو معاف کرتے ہیں روزہ داروں کے روزا کھولنے کی خوشی میں۔ اور جمعہ کے دن اتنے گنہگاروں کو بخشتے ہیں جتنے ہفتے میں سارے معاف ہوئے تھے۔ اور انتیسویں! تیسویں دن اتنے لوگوں کو بخشتے ہیں جتنے ہر ہر دن میں اور ہر ہر جمعہ میں۔ جیسا کہ یہاں بھی نظام یہی ہے، دنیا میں بھی ہوتا

ہے، جب کوئی بادشاہ جاتا ہے تو بہت سے قیدیوں کو رہا کر دیتا ہے۔ اس آخری دن میں رضاء الٰہی نصیب ہوتی ہے۔ اور وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ تنوین تقلیلی ہے۔ تھوڑی سی رضامندی بھی اللہ کی بہت بڑی چیز ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ جوتیوں میں بھی جگہ مل جائے تو بہت بڑی دولت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس کو سب سے آخر میں معاف کریں گے وہ علماء وانبیاء کی سفارش سے معاف کریں گے۔ اللہ پوچھیں گے کہ اور تو کوئی نہیں رہتا۔ انبیاء وعلماء کہیں گے کہ نہیں اور کوئی نہیں رہا۔ اللہ کہیں گے میری نظر میں اور بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک مٹھی بھریں گے۔ بندوں کی طرح مٹھی مت سمجھو اور ہزاروں گنہگاروں کو نکال دیں گے۔ (سب[1] سے اخیر میں جس کو جنت میں داخل فرمائیں گے اس سے کہا جائے گا) مانگ تو اپنے منہ سے جو مانگنا ہے۔ غرضیکہ اتنا مانگے گا جتنی دنیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے تجھے دس گنا زیادہ دے دیا۔ یہ احسان ہوگا سب سے چھوٹے درجے کے جنتی پر۔ اور جو بڑے جنتی ہیں ان کا تو کیا کہنا۔ ان کا تو پوچھنا ہی کیا! جب پل صراط سے گزریں گے تو پل صراط پر پولیس ہوگی۔ ایک پولیس ٹکٹ کلمہ کا دیکھے گی۔ اگر ٹکٹ ہوگا تو آگے گزرنے دیں گے، ورنہ وہیں کٹ کر گر جائے گا۔ دوسری پولیس نماز کا ٹکٹ دیکھے گی۔ اسی طرح سب چیزیں دیکھیں گے۔ کامل مومن ہوا کی طرح وہاں سے گزریں گے۔ تو ایک مومن کہے گا کہ پل صراط تو دیکھ لیں۔ یہ کیا ہے۔ وہ مومن پل صراط کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہو جائے گا، تو دوزخ پکار اٹھے گی، اس کی زبان ہوگی۔ جُزْيَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ يُطْفِئُ نَارِىْ. اے مومن جلدی یہاں سے چلا جا، کھڑا نہ ہو، کیونکہ تیرا نور میری آگ کو بجھا رہا ہے۔ تو جلدی کر۔ دُعا کرو اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرماوے۔

(ختم شد)

(۲) دنیا دارِ مجاہدہ اور آخرت دارِ مشاہدہ

(بمقام جامع مسجد خیر المدارس ملتان)

مرتبہ: مولانا قاری محمود احمد صاحب، مدرّس جامعہ خیر المدارس ملتان

(خطبہ ماثورہ) اَمَّا بَعْد: فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ. (اور جنھوں نے محنت کی ہمارے واسطے، ہم دکھاویں گے ان کو اپنے راستے اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے۔) جو اللہ کو راضی کرنے کے لئے مجاہدہ کرتے ہیں.

ایک ہے مجاہدہ اور ایک ہے مشاہدہ۔ یہ سارا عالم دنیا مجاہدہ ہے۔ اس میں اس لئے انسان پیدا کیا گیا کہ بے کار زندگی نہ گزارے، مجاہدہ کرتا رہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اَشَدُّ النَّاسِ بَلَآءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ. سب سے زیادہ لوگوں میں سے آزمائش کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام ہیں۔ پھر جو ان جیسے ہوں، پھر جو ان جیسے ہوں.) انبیاء کو خلوت

---

[1] یہاں کچھ باقی رہ گیا تھا۔ اس لئے مضمون کے مطابق ربط کے لئے خلاصۃً اس جملہ کا اضافہ کیا گیا۔ (آ)

میں جلوت میں اتنی مشقت کرنی پڑتی ہے کہ اتنی کسی کو نہیں کرنی پڑتی۔ اسی واسطے نبی کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ سب سے زیادہ ہوتی ہے، حتیٰ کہ بخار ہو تو وہ بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔ لوگ بہت محنت کرتے ہیں، مگر وہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے نہیں محنت کرتے۔ تو یہ عالم ہے عالمِ مجاہدہ۔ اس کے بعد ہوگا مشاہدہ۔ یہ قیامت میں ہوگا۔ یعنی جو اس دنیا میں کمایا ہے اس کا وہیں ہی پھل دیکھے گا۔ اس کی مثال کھیتی کی ہے۔ یہاں جو بوئے گا آخرت میں وہی کاٹے گا۔ حدیث میں ہے: اَلدُّنْیَا مَزْرَعَۃُ الْاٰخِرَۃِ. (دنیا آخرت کی کھیتی کی جگہ ہے) تو دنیا جو ہے دارِ مجاہدہ ہے، اور آخرت دارِ مشاہدہ ہے۔

شریعت پر چلنے کا نام مجاہدہ ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ (بڑا مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے) اسی واسطے سب بزرگوں نے محنت کی، صرف اس واسطے کہ اللہ راضی ہو جائے۔ اس میں نفس کو ضبط کرنا ہوتا ہے۔ ہر جگہ شریعت کو دیکھے کہ شریعت کیا چاہتی ہے۔ اس وقت شریعت پر چلنا مجاہدہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ایک کافر کے قتل کے واسطے اس کے سینے پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ اس نے منہ پر تھوک دیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی کہ تھوک دینے کے بعد اس مقابلہ میں میرے نفس کی آمیزش ہوگئی تھی، خالص رضا نہ رہی تھی۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ دس مٹکے شراب کے بادشاہ کے واسطے آئے ہیں۔ تو نو مٹکے توڑ دیئے، ایک چھوڑ دیا۔ دسواں اس واسطے نہ توڑا کہ اس میں نفس کی آمیزش ہوگئی تھی۔ دسویں پر خیال آ گیا تھا کہ لوگ کہیں گے کہ اس نے دسوں کے دس مٹکے توڑ دیئے۔

اور حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو کئی دن سے فاقہ تھا۔ ایک شخص کھانا لایا تو دور سے حضرتؒ کی نظر اس کھانے پر پڑی۔ دل میں خیال آیا کہ یہ میرے واسطے لا رہا ہے۔ جب وہ کھانا پاس لے آیا تو قبول نہ فرمایا۔ کہا کہ اشراف نظر ہو گیا تھا۔ وہ شخص بڑا سمجھ دار تھا۔ اس وقت تو کھانا لے گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسری جانب سے (پیچھے سے) آ کر سامنے رکھ دیا۔ کہا کہ اب تو اشراف نظر نہیں ہے۔ تو حضرتؒ نے قبول فرما لیا۔ تو ان حضرات نے مجاہدہ کیا۔ ہر ہر قدم پر شریعت کو دیکھا۔ اگر آدمی ہر کام اللہ کی رضاء کے لئے کرے تو ہر کام عبادت ہے۔ حتیٰ کہ پاخانہ کرنا بھی عبادت ہو جاتا ہے۔ جب اللہ کے دربار میں حاضری ہوگی تو اس وقت ستر ہزار مسلمان جنت میں بغیر حساب و کتاب کے جائیں گے، اور ستر ہزار کافر دوزخ میں بغیر حساب کتاب کے جائیں گے۔ بعض مسلمان گناہ گار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے کہ تم نے یہ گناہ کئے تھے؟ وہ اقرار کریں گے۔ اللہ ان سے خوش ہوگا اور معاف کر دے گا۔ اور بعض انکار کریں گے۔ تو اس وقت اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ. (آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں شہادت دیں گے جو کچھ یہ لوگ کیا کرتے تھے۔)

لوگ دس صورتوں میں محشور ہوں گے:

پھر حضور علیہ تشریف لائیں گے۔ وہ عرض کریں گے: وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ (اور رسول کہیں گے کہ اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر رکھا تھا) اس آیت کے نیچے تفسیر ثعلبی میں ہے کہ اس وقت انسان دس حالتوں پر ہوں گے۔ اور ہر ایک اس حالت پر چلے گا جو اس کی حالت دنیا میں تھی۔ ایک آیت آئی ہے: يَوْمَ يُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا۔ (جس دن پھونکا جائے گا صور، پس پھر آؤ گے تم گروہ گروہ ہو کر۔) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ لوگ کیسے فوج فوج آئیں گے؟ تو حضور علیہ کے آنسو آ گئے اور فرمایا کہ لوگ دس صورتوں پر اُٹھیں گے: (۱) نمام بندر کی شکل میں۔ نمیمہ اور غیبت میں فرق ہے۔ غیبت یہ ہے کہ یوں کہے: فلاں یوں کرتا ہے، فلاں یوں کرتا ہے۔ اس کی قرآن میں بڑی مذمت آئی ہے۔ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ (کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تو تم برا سمجھتے ہو۔) (تو سمجھ لو کہ کسی بھائی کی غیبت بھی اسی کے مشابہ ہے) جس کی غیبت کی ہے یا تو دنیا میں اس سے معافی لے لیوے یا آخرت میں اس کی نیکیاں اس کو دی جائیں گی۔ سب نیکیاں قرق ہو جاویں گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو کبھی غیبت کرتے نہیں دیکھا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ غیبت کرنی ہوتی تو اپنی ماں کی غیبت کرتا، تا کہ میری نیکیاں ملتیں تو ماں کو تو ملتیں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم : بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

(میں نے سُنا ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ بُروں کو نیکوں کے طفیل بخشیں گے۔)

اور نمیمہ اس کو کہتے ہیں کہ اِس کی چغلی اُس کے پاس اور اُس کی چغلی اِس کے پاس کرنا۔ یہ نمام قیامت کے دن بندر کی شکل میں ہوگا۔ (۲) بعض سوروں کی شکل میں ہوں گے۔ یہ حرام کھانے والے ہوں گے۔ (۳) بعض کے پیٹ میں تنور ہوگا۔ اس میں آگ بھری جائے گی، یہ سود خوار ہوگا۔ (۴) عجب کرنے والا گونگا بہرہ ہوگا۔ یہ صاحب عجب اللہ کا فضل کہیں نہیں سمجھتا، ہر جگہ اپنی خوبی سمجھتا ہے۔ (۵) عالم بے عمل کی زبان منہ سے نکل کر پیٹ تک جائے گی۔ اور پیٹ سے اُٹھ کے سر سے اوپر تک جائے گی۔ اور اس سے بڑی بد بو آئے گی۔ سب نفرت کریں گے۔ (۶) جو حکام بالا کے پاس جا کے محلے والوں کی شکایتیں کرتے ہیں ان کو سولی دی جائے گی۔ (۷) شہوت پرستوں کا بدن بد بودار ہوگا۔ (۸) متکبر کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ (۹) ظالم کو اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا۔ (۱۰) ہمسایوں کو جو تکلیف دینے والے ہیں ان کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں گے۔

پُل صراط پر سات پولیسیں ہوں گی:

پھر پل صراط سے گزرنا ہوگا۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا (اور تم میں سے کوئی بھی نہیں جس کا اس پر گزر نہ ہو۔ یہ آپ کے رب کے اعتبار سے لازم ہے جو پورا ہو کر رہے گا) مگر گزرنا بھی ایسے ہوگا جیسے اس دنیا میں پولیس ہوتی ہے، وہ پرمٹ دیکھتی ہے گزرنے کے وقت۔ تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ سات پولیسیں ہوں گی۔ ایک پولیس کلمہ پوچھے گی، دوسری نماز کو، تیسری زکوۃ کو، چوتھی روزہ کو، پانچویں حج کو، حج بھی ضروری ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں (یعنی جس نے حج نہ کیا) چھٹی پولیس عمرہ کو پوچھے گی، ساتویں حقوق العباد کو پوچھے گی۔ اس سے گزر کر بعض جنت میں جائیں گے اور بعض دوزخ میں۔ جنت اور دوزخ کے درجات ہوں گے۔ جنت کے آٹھ درجات اور دوزخ کے سات۔ اس میں حکمت کیا ہے؟ انسان کے سات جوڑ ہیں۔ یہ جنت میں بھی لے جائیں گے اور جہنم میں بھی۔ اس واسطے ان کے سات درجات ہوں گے اور ایک درجہ جنت کا زائد اللہ کے فضل سے ہوگا۔ اب اللہ چاہتا ہے کہ نیکی کرو، نعمتیں سب تیار ہیں، نیکی کی ضرورت ہے۔ ایک عہدی تھا، سویا ہوا تھا، ایک بیر اُس کے منہ کے پاس پڑا ہوا تھا، اُٹھا کے منہ میں نہیں ڈالا، پڑا رہا، کچھ دیر کے بعد ایک سوار گھوڑے کو تیز دوڑاتے ہوئے آرہا تھا۔ جب اس کے پاس سے گزرا تو اس نے اس کو آواز دی۔ اس نے سوچا کہ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ چلو اس کی بات سن لو۔ جب اس کے پاس گیا تو کہا کہ یہ بیر اُٹھا کے میرے منہ میں ڈال دو۔ اس نے اس کے چوتڑ پر ہنٹر مارا اور چلا گیا۔

خلاصہ......مجاہدہ کا نفع:

اس کے بعد ہے: لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. ہم ان کو راستہ بتلا دیتے ہیں۔ اسی واسطے بزرگوں کو دل میں جنت نظر آتی ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے: اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ. (جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔) وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (اور بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے) یہ جواب ہے سوال مقدر کا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ وراء الوراء ہے اور بندہ بہت پست۔ اللہ کے لئے بلندی بے انتہاء اور بندہ کے لئے پستی بے انتہاء، تو اس کا کیسے تعلق ہوسکتا ہے اللہ کے ساتھ۔ تو جواب دیا: وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (بے شک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے) اس کی مثال یوں سمجھو جیسے ایک دفعہ ایک بادشاہ فوت ہوگیا۔ اس کی بادشاہی اس کے لڑکے کو ملنی تھی، مگر اس لڑکے کے چچا نے کہا ہم لیں گے۔ جھگڑا ہوا، لوگوں نے کہا عالمگیر بادشاہؒ کے پاس فیصلہ لے چلو۔ عالمگیرؒ اس وقت حوض پر بیٹھے تھے۔ یہ جو آئے تو لڑکے کو ہاتھوں سے پکڑ کر حوض میں لٹکا دیا۔ لڑکا ہنسنے لگا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا کہ لڑکا ہنستا کیوں ہے۔ اس وقت تو اس کو فکر ہونا چاہئے تھا اور رونا چاہئے تھا۔ اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا میں ہنستا اس واسطے تھا کہ میرا ہاتھ تو بادشاہ کے ہاتھ میں ہے، جو کریم ہے، اور کریم لوگ جو ہوتے ہیں کوئی ڈوبتا بھی ہو تو بچا لیتے ہیں۔ عالمگیرؒ بادشاہ بڑا خوش ہوا، اور فیصلہ اس کے حق میں کر دیا۔ تو

اسی طرح اللہ کی مدد ہاتھ پکڑتی ہے بندوں کا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے دیتے ہیں۔ معراج کے موقع پر حضور ﷺ ساتوں آسمانوں کا معراج کر کے آئے تو ابھی آپ ﷺ کے حجرے کا کنڈا ہل رہا تھا۔ یہ کیا نہیں، کرایا گیا۔ اب دُعا کرو اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے، آمین بحرمة سیدالمرسلین ﷺ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین.

(۳) اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ

جامع وعظ: جناب صوفی محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہٗ

اکبر الہ آبادیؒ نے خوب فرمایا ہے:

تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے   سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا

"تعلق[1] مع اللہ" پر اُستاذ العلماء، رأس الاتقیاء، عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہٗ العزیز بانی و مہتمم خیر المدارس ملتان نے مدرسہ اشرف المدارس ہارون آباد کے سالانہ جلسہ پر ۲۹ صفر ۱۳۸۷ھ (۱۹ مئی ۱۹۶۷ء) شب شنبہ کو بیان فرمایا۔

حضرت والاؒ نے بعد خطبہ مسنونہ یہ آیت تلاوت فرمائی: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. اور فرمایا کہ اس آیت میں تعلق باللہ قائم کرنے کا طریقہ بتلایا گیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ سے بندہ کا صحیح تعلق قائم ہو جاتا ہے تو بندہ جو کچھ زبان سے کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پورا فرما دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ابن الفارضؒ نقشبندی خاندان کے ایک بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو آپ کے سامنے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے گئے۔ آپ نے ان کو دیکھ کر فوراً منہ پھیر لیا۔ چونکہ آپ شاعر تھے، اس لئے فوراً یہ شعر پڑھا:

اِنْ كَانَ منزلتی فِی الحبِّ عندَكُمْ   :   مَا قَدْ رَاَيْتُ فَقَدْ ضَيَّعْتُ اَيَّامِیْ

یعنی تمہارے پاس محبت کا اُجر یہ ہے تو میں نے اپنی عمر ضائع کر دی۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے تجلی فرمائی اور آپ کی روح پرواز کر گئی۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو خود بخود غیر اللہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مثال ہے کہ شاہ چین نے آپ کو شیشہ دیا تو آپ نے اپنے گھر میں رکھوا دیا۔ جب آپ گھر میں داخل ہوتے تو خود بخود شیشہ کی طرف نظر پڑ جاتی۔ حالانکہ آپ کو شیشہ دیکھنے کا شوق نہ تھا۔ لیکن بجائے توجہ مع اللہ کے شیشہ کی طرف نظر پڑنے سے اپنی شکل وصورت نظر آتی۔ اتفاق سے وہ شیشہ آپ کے نوکر سے ٹوٹ گیا۔ نوکر بہت گھبرایا کہ آپ سخت ناراض ہوں گے۔ جب آپ تشریف لائے تو اس نے ڈرتے ہوئے کہا:

ع   از قضا آئینہ چینی شکست

---

[1] ق۔

آپؒ بہت خوش ہوئے، کیونکہ اتنی دیر اللہ کی طرف سے دھیان ہٹا تھا، جس کا اللہ تعالیٰ نے خود انتظام کر دیا۔ آپ نے دوسرا مصرع فرمایا: ع خوب شد اسباب خود بینی شکست

مقصود اعظم تعلق مع اللہ ہے:

پس تعلق مع اللہ بہت بڑی دولت ہے۔ مقصود اعظم تعلق مع اللہ ہے۔ جب بندہ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے تو اس کو فکرِ آخرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ کے سوا اسے کسی کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اسے مال یا جان کی حفاظت کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کے لئے انبیاء کرام تشریف لائے۔ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور ﷺ پر ختم ہوا، تاکہ تعلق مع اللہ کا سلسلہ قائم رہے۔ تعلق مع اللہ سنت رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا نام ہے۔

عالَم کی چار قسمیں:

عالم چار ہیں: عالم ارواح، عالم ازل، عالم دنیا، عالم برزخ۔ سب سے پہلے روحیں عالم ارواح میں تھیں اور سب روحیں اللہ تعالیٰ کو دیکھتی تھیں، مگر ان کا دیکھنا غیر اختیاری تھا۔ جیسے تصویر لٹکی ہو تو پانی میں خود نظر آتی ہے۔ اسی طرح روح کا دیدار تھا۔ قرآن شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ. کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو جواب دیا گیا: قَالُوْا بَلٰى. یعنی کیوں نہیں، تو ہمارا رب ہے۔ یہاں سب کا جواب ایک ساتھ نہ تھا۔ جیسا کہ مفسرین نے نقل فرمایا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی روحوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ جب سوال کیا گیا تو سب کی روحیں موجود تھیں۔ سب سے پہلے حضور ﷺ کی روح مبارک نے جواب دیا۔ اگر حضور ﷺ کی روح مبارک جواب نہ دیتی تو کوئی بھی جواب نہ دیتا۔ آپ ﷺ کے جواب کے بعد انبیاء علیہم السلام کی روحوں نے جواب دیا۔ اس کے درجہ بدرجہ قطب، اولیاء کی روحوں نے جواب دیا۔ گویا عالم روحانی میں آپؐ کو اُستاد بنایا گیا۔ اور آپؐ کی روح سب کے لئے باعث تقلید بنی۔ اور آپؐ کے تشریف لانے سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا۔ جیسے بادشاہ کے آنے کی تاریخ مقرر ہوتی ہے تو چھوٹے چھوٹے اہل کاروں کا انتظام ہوتا ہے، شامیانہ لگایا جاتا ہے، فرش بچھایا جاتا ہے اور شامیانے کو افسر دیکھنے کے لئے آتے ہیں کہ بادشاہ کے لائق بھی ہے۔ تو آپؐ کے لئے آسمان کا شامیانہ لگایا گیا، زمین کا فرش بچھایا گیا، سورج اور چاند کی لالٹینیں لگائی گئیں۔ اور سب انبیاء علیہم السلام شامیانے کو دیکھنے کے لئے آئے اور شامیانہ بدستور رہا۔ اور جب تک ایک آدمی بھی کلمہ توحید پر ایمان لاتا ہے اور عملِ صالح کرتا ہے، شامیانہ بھی اسی وقت تک رہے گا۔ جب یہ سلسلہ ختم ہو گیا تو سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے۔ شامیانہ بھی نہ رہے گا اور قیامت آ جائے گی، دنیا ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ اس وقت شامیانے کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے صرف حضور ﷺ کی حیات کی قسم کھائی ہے۔ اور کسی کی عمر کی قسم نہیں کھائی۔ چنانچہ سورۃ الحجر آیت نمبر ۷۲ میں ہے:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِىْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ.

میں حضور علیہ کے معجزات کو بیان نہیں کرتا۔ اور حضور علیہ کے اتنے معجزات ہیں کہ ان کا بیان ہو ہی نہیں سکتا۔ ان میں سے ایک معجزہ معراج شریف ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رکاب تھامی، براق پر سواری کی، زمین سے گزرے، براق زمین اور آسمان کے درمیان چلتا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی اس کا ایک قدم ہوتا تھا، خوشبو آنے لگی۔ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کیا یہ جنت کی خوشبو ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا یہاں سے جنت بہت دور ہے۔ فرعون کی ایک ملازمہ تھی، وہ کنگھی کر رہی تھی، ایک دن کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس کے منہ سے کلمہ توحید نکل گیا۔ جب اللہ والے کی زبان سے بات نکلتی ہے، پھر نہیں چھپتی۔ بلکہ پہلے سے زیادہ نکلتی ہے۔ کسی نے جا کر فرعون سے کہہ دیا۔ فرعون نے پولیس بھیجی۔ اس پر لڑکی نے کہا میں اس خدا کو مانتی ہوں جس نے مجھے پیدا کیا۔ اس پر فرعون نے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک شیر خوار، دوسرا تین چار سال کا۔ فرعون نے بیٹے کو ذبح کرنے کی دھمکی دی، ماں برابر ڈٹی رہی۔ اس پر فرعون نے بڑے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ اور چھوٹے بیٹے کو ماں کے سینے پر رکھ دیا۔ ماں گھبرائی، اس پر اللہ تعالیٰ نے شیر خوار بچے کو زبان دی کہ میرا بھائی جنت میں میرا اور آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ ظالم نے ماں اور بیٹے کو ذبح کر دیا۔ آج اس کی قبر سے خوشبو آ رہی ہے جو ساتویں آسمان تک پہنچی ہے۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ اس کے اوپر سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ آپؐ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ساتھ نہیں ہیں۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات کی تجلیات پڑتی ہیں۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کے سینہ میں وہ طاقت رکھی ہے جو آگے جا سکے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں سب سے افضل ہیں۔ اور یہاں آپ کی فضیلت حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بڑھ کر ثابت ہوئی۔ آپؐ نے جنت اور دوزخ کو دیکھا۔ جب ایک آدمی بادشاہ یا اپنے پیر کے پاس جاتا ہے تو سوغات لے کر جاتا ہے۔ آپؐ یہ سوغات لے کر گئے۔ اَلتَّحِیَّاتُ یعنی قولی عبادت۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت ہوگی۔ اور زبان سے ہر جملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہی نکلے گا۔ وَالصَّلٰوتُ سر سے پیر تک کی عبادت اللہ کے لئے ہوگی۔ اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ قبروں پر سجدہ نہ ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگا۔

موحد چہ بر پائے ریزی زرش	چہ شمشیر ہندی نہی برسرش
امید و ہراسش نباشد زکس	ہمیں است بنیاد توحید و بس

وَالطَّیِّبَاتُ. پاک مال کی کمائی پیش کی۔ کسی کی چوری کی کمائی نہ ہوگی۔ خرچ میں رضائے الٰہی ہوگی۔ مدارسِ اسلامیہ کی امداد ہوگی اور دیگر نیک کاموں میں صرف ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپؐ کے لئے اور آپؐ کی اُمت کے لئے تحفہ دیا۔ آپؐ واپس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے واپس کیا، پانچ نمازیں کم ہوئیں۔ اسی طرح

نومرتبہ آپ واپس ہوئے۔ بعض احادیث میں جودس یا بیس کا ذکر آتا ہے وہ دو یا چار کو جمع کرلیا ہے۔ جب پانچ باقی رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری اُمت پر تین نمازیں فرض تھیں۔ انہوں نے وہ نہ پڑھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب تو مجھے شرم آتی ہے، کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی عادت معلوم ہوگئی۔ اگر پانچ بھی معاف ہو جاتیں تو اُمت کے لئے کیا سوغات یا تحفہ لے جاتے۔ یہ اللہ کا تحفہ ہے۔ جس طرح آج کل لوگ اپنے دوست کو شادی میں تحفہ بھیجتے ہیں، اگر کوئی تحفہ واپس کردے تو اللہ تعالیٰ کو کتنا غصہ آئے گا۔ آجکل لوگ بہت کم نمازیں پڑھتے ہیں۔ حضور ﷺ کی اُمت کے لئے نماز تجویز خداوندی ہے۔ باقی انبیاء علیہم السلام کی نمازیں اپنی تجویز تھیں، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں۔ بندہ کی تجویز اور خدا کی تجویز میں فرق ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آسمان پر بلا کر نماز تجویز فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے گندم کا دانہ کھالیا تھا۔ جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو صبح صادق کا وقت تھا۔ انہوں نے اس وقت نماز پڑھی تو ان پر فجر کی نماز فرض ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ میں تشریف لے گئے۔ جب آپ کی قربانی ہوئی تو زوال کا وقت تھا۔ آپ نے شکریہ میں چار رکعت نماز پڑھی۔ اس طرح ان پر ظہر کی نماز فرض ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک سو سال کے بعد جب اُٹھے تو دن ڈھل چکا تھا۔ آپ نے چار رکعت نماز پڑھی۔ اس لئے ان پر عصر کی نماز فرض ہوئی۔ جب داؤد علیہ السلام کا امتحان ہوا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ آپ نے چار رکعت کی نیت باندھی، لیکن بھول کر تین رکعت نماز پڑھی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ اور ان کی اُمت پر مغرب کی نماز فرض ہوئی۔ عشاء کی نماز خاص حضور ﷺ اور آپ کی اُمت پر فرض ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے۔ سب سے افضل انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور سب فرشتوں سے افضل جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ہمارے حضور ﷺ ان سب سے افضل ہیں۔ مرنے اور قیامت کے درمیان عالم برزخ ہے۔ ہمارا مسلک ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ جو حضور ﷺ کے روضہ پر جائے، آپ پر درود اور سلام بھیجے، آپ سنتے ہیں۔ آپ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگے۔ ہم چشتی ہیں، ہم وسیلہ کے قائل ہیں، سب وسیلہ کے قائل ہیں۔ مناجات مقبول میں جو شجرہ ہے اس کے ہر شعر پر وسیلہ کے ذریعہ دعا، مانگی گئی ہے۔ ہمارے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دارالعلوم کراچی نے وسیلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ غیر مقلد کے سوا سب وسیلہ کے قائل ہیں۔ معتزلہ وسیلہ کے قائل نہیں۔ وہ اہل السنت والجماعت سے خارج ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے وسیلہ پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ وسیلہ کے متعلق ایک رسالہ[1] میں نے بھی لکھا ہے، جو خیر المدارس میں موجود ہے۔ قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ بھی آپ کے لئے خاص ہے۔ آپ کے وسیلہ سے ہی سب کی نجات ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں، لیکن وہ عذر کردیں گے، کیونکہ انہیں بتلایا نہیں گیا۔ حضور ﷺ کو لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ خبر دی گئی، تاکہ آپ بھی کہیں کمالِ بندگی سے عذر نہ کردیں۔

---

[1] اس کا نام خیرالوسیلہ ہے۔ (ا۔ق)

تعلق مع اللہ اتباعِ سنت کے طفیل حاصل ہوگا:

بخاری شریف میں ہے کہ میں سجدہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ایسی دُعائیں سکھلائیں گے جو کسی کو نہ سکھلائی ہوں گی۔ ارشاد ہوگا، اُٹھ مانگ! کیا مانگتا ہے؟ علامہ قسطلانیؒ نے لکھا ہے کہ وہ مٹی جو روضہ کے اندر حضور ﷺ کو دیکھتی ہے وہ عرش سے افضل ہے۔ پس جو حضور ﷺ کی اتباع کرے گا اس کا اللہ سے قائم ہوگا، مگر فرق وہی ہوگا جو سرونٹ (Servant) اور آقا میں ہوتا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ.

جو شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوگا۔ خواہ اپنے آپ کو زبان سے محبوب کہے یا نہ کہے۔ اکثر اہل اللہ زبان سے اپنے آپ کو محبوب نہیں کہتے۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ. اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع کی برکت سے گناہ معاف کر دیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے دعاء فرمائی کہ اللہ تعالیٰ بدعات سے بچائیں اور اتباع سنت کی توفیق بخشیں اور اپنی رضا و قرب نصیب فرمائیں، آمین۔

(تم الباب)

باب دوازدہم (۱۲)

اسفار

اسفار بزمانہ قیام مشرقی پنجاب:

''نقش حیات'' میں حضرت والاؒ نے اپنے سفروں کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے: ''مشرقی پنجاب کے قیام کے زمانہ میں بے شمار سفروں کی نوبت آئی۔ بعض سفر جلسوں کی شرکت کے لئے اور بعض مناظروں میں شمولیت کے لئے ہوئے۔ اور بعض دوستوں اور بزرگوں کی ملاقات کے لئے۔ ان میں سے اہم جگہوں کے ذیل میں نام درج کئے جاتے ہیں:

(۱) چک نمبر ۷۰ اڈگری ضلع تھرپارکر سندھ، (۲) بہاولپور، (۳) سرسہ ضلع حصار، (۴) زیرہ ضلع فیروزپور، (۵) فیروزپور، (۶) مالیرکوٹلہ ریاست، (۷) لودیانہ، (۸) امرتسر، (۹) لاہور، (۱۰) راولپنڈی، (۱۱) گھرکی ضلع فیروزپور، (۱۲) حافظ آباد، (۱۳) قلعہ دیدار سنگھ، (۱۴) گوجرانوالہ، (۱۵) تاندلیانوالہ ضلع لائل پور، (۱۶) جھنگ شہر، (۱۷) دہلی، (۱۸) مئو ضلع اعظم گڑھ، (۱۹) دیوبند، (۲۰) سہارن پور، (۲۱) تھانہ بھون، (۲۲) کاندھلہ ضلع مظفرنگر، (۲۳) الموڑہ، (۲۴) رانی کھیت، (۲۵) شملہ، (۲۶) بمبئی، (۲۷) کلکتہ، (۲۸) رنگون، (۲۹) چندوسی ضلع مرادآباد، (۳۰) گلاؤٹھی، (۳۱) میرٹھ، (۳۲) ہوشیارپور، (۳۳) بھیرہ ضلع سرگودھا وغیرہا۔''

اسفار بعد ہجرت پاکستان:

ان اسفار کا اس طرح ذکر فرمایا ہے: ''پاکستان آنے کے بعد بھی سفروں کا سلسلہ چلتا رہا، چنانچہ اہم مقامات حسب ذیل ہیں:

(۱) احمد پور شرقیہ، (۲) وہاڑی، (۳) چیچہ وطنی، (۴) لائل پور، (۵) مگھیانہ جھنگ، (۶) بورے والا، (۷) مورو، سندھ، (۸) حیدرآباد سندھ، (۹) ٹنڈو آدم، (۱۰) ٹنڈو الہ یار ضلع حیدرآباد، (۱۱) فقیر والی، (۱۲) ڈیرہ اسماعیل خان، (۱۳) شرقپور ضلع شیخوپورہ، (۱۴) کمالیہ، (۱۵) کراچی، (۱۶) خیرپور میرس، (۱۷) تاندلیانوالہ، (۱۸) خیرپور ٹامیوالی، (۱۹) میاں چنوں، (۲۰) راولپنڈی، (۲۱) بالاکوٹ (تین مرتبہ)، (۲۲) حسن ابدال، (۲۳) ایبٹ آباد، (۲۴) جہلم، (۲۵) دینہ ضلع جہلم، (۲۶) بھیرہ، (۲۷) گوجرانوالا، (۲۸) بہاولنگر، (۲۹) بہاولپور، (۳۰) رحیم یار خان، (۳۱) چشتیاں، (۳۲) لاہور، (۳۳) منٹگمری، (۳۴) پاک پتن، (۳۵) مظفرگڑھ، (۳۶) منڈی یزمان، (۳۷) خان گڑھ، (۳۸) ملتان پور، (۳۹) لیہ، (۴۰) کوٹ ادو، (۴۱) اوکاڑہ، (۴۲) ٹوبہ ٹیک سنگھ وغیرہ وغیرہ۔''

جیسا کہ ابھی گزرا، حضرت والاؒ کے اسفار کی فہرست کافی طویل ہے۔ یہ اسفار اکثر و بیشتر دینی مقاصد کے لئے ہوتے تھے۔ مثلاً طلب علم، تدریس، مناظرہ، وعظ، اعزہ و احباء اور اکابرِ دین کی زیارت، تحصیل سلوک کے لئے اپنے شیخ حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضری، دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ میں شرکت، دینی مدارس کی دیکھ بھال اور مشورے دینا۔ وحدت یا اتحاد جمعیت علماء اسلام کی کوششیں اور دستورِ اسلامی کے سلسلہ میں مساعی وغیرہ۔ ان میں سے اکثر کا تذکرہ ان مقاصد کے متعلقہ ابواب میں آیا ہے۔ اس باب میں اسفار میں ان متعلقہ ابواب کے علاوہ بعض مستقل اسفار کا ذکر آ گیا ہے۔ ان میں سے دو سفروں کا تذکرہ حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

بحکم حضرت مہتمم صاحبؒ زمانہ طالب علمی میں سفر برائے چندہ مدرسہ:

''۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ء) میں بحکم حضرت مہتمم صاحب بمعیت مولوی رونق علی صاحب طالب علم سلطان پوری مدرسہ کے چندہ کے لئے چندوسی ضلع مرادآباد، نینی تال، رانی کھیت، الموڑہ وغیرہ پہاڑی علاقوں کا سفر کرنا پڑا تھا۔''

مؤائمہ ضلع اعظم گڑھ اور دہلی کے جلسوں میں شرکت:

''مؤائمہ ضلع اعظم گڑھ کے مدرسہ مفتاح العلوم کے جلسہ پر بتاریخ ۲۲، ۲۳، ۲۴ صفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۶، ۷، ۸ فروری ۱۹۴۵ء جانا ہوا۔ وہاں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب علی گڑھی، مولانا فخرالدین صاحب، مولانا احمد سعید صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور واپسی میں بریلی بھی اُتر کر مدرسہ اشاعت علوم میں گیا۔ اور مسکین پور (دہلی) کے جلسہ پر بتاریخ ۲۸، ۲۹ شوال ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۵، ۲۶ ستمبر ۱۹۴۶ء جانا ہوا۔ اسی طرح بہت سے جلسوں اور مناظروں[1] کے سفر ہوتے رہے۔''

دعوت نامہ سرائے میر:

حضرت والاؒ کی خودنوشت سوانح کی بیاض میں ایک مختصر و مجمل یادداشت صرف دعوت نامہ کے متعلق ہے۔ اس میں سفر کا ذکر نہیں، وہ حسب ذیل ہے:

''دعوت نامہ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ، یکم جنوری ۱۹۴۶ء، ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء''

اسفار بزمانہ طفولیت:

مندرجہ بالا دو سفروں سے قبل بالکل ابتدائی سفر کا ذکر باب سوم میں ذیلی عنوان ''طفولیت'' کے تحت گزر چکا ہے۔ یہ سفر تخمیناً سات سال کی عمر میں پیش آیا۔

اور اس کے بعد ایک سفر کا تذکرہ باب چہارم (ابتدائی تعلیم) کے تحت ذیلی عنوان ''مراجعت وطن'' کے نام سے

---

[1] لیکن ربیع الاول ۱۳۶۴ء میں آخری مناظر ہوا۔ جیسا کہ گذشتہ باب میں گذرا۔ اس وقت تک بعض سفر مناظروں کے لئے بھی ہوئے۔

گزرا ہے۔اس وقت حضرت والاؒ کی عمر تخمیناً دس سال کی ہوگی۔

اب ہجرت پاکستان کے بعد بعض اسفار کا قدرے تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے۔جن میں سے اکثر میں احقر مؤلف نے اپنے مشاہدات کو بھی بیان کیا ہے۔

بعض اسفار میں حضرت والاؒ کی معیت:

الحمدللہ متعدد بار احقر کو بھی سفر میں حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔اور ریل گاڑی کے اور بس کے ذریعہ سفر میں حضرت والاؒ کی معیت میسر آئی ہے۔ایک بار تو کراچی سے حیدرآباد سندھ گیا۔حضرت والاؒ پہلے ہی کراچی سے حیدرآباد سندھ تشریف لے جا چکے تھے۔چند بار ٹنڈو الہ یار سے حیدرآباد سندھ حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔وہاں حضرت والاؒ کے مواعظ اور درسِ قرآن مجید سنے۔مولانا حافظ منظور احمد صاحب حال اُستاذ الحدیث مدرسہ خیرالمدارس دورانِ سفر تراویح میں قرآن مجید سناتے تھے۔اور قیام ایک بار شیخ غلام یٰسین صاحب انجینئر کے مکان پر ہوا تھا۔اس کے علاوہ دہاڑی، بورے والا، ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدرآباد، میاں چنوں، رحیم یار خان، منٹگمری (یعنی ساہیوال)، ٹوبہ ٹیک سنگھ حضرت والاؒ کی معیت میں سفر نصیب ہوا۔اور بعض جگہ کسی مدرسہ میں کسی میزبان کے یہاں ٹھہرنا ہوا۔میاں چنوں حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ کے یہاں تشریف لے گئے تھے۔ان سے بہت محبت اور بے تکلفی حضرت والاؒ کی تھی۔ دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار جلسہ تقسیم اسناد کے موقع پر بھی حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ سے حضرت والاؒ کی ملاقات رہی تھی۔اور واپسی بھی ساتھ ہی ہوئی تھی۔حضرت مولانا ابراہیم صاحبؒ بھی بارہا مدرسہ خیرالمدارس حضرت والاؒ کے پاس تشریف لاتے تھے۔دو ایک بار احقر کو بھی یاد ہے۔بہت نورانی شخصیت تھی۔احقر ایک بار ٹنڈو الہ یار سے شہداد پور حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔جہاں حضرت والاؒ مدرسہ حسینیہ تشریف لائے ہوئے تھے۔وہاں مولانا اصغر علی صاحب مدرّس تھے، جو پہلے مدرسہ خیرالمدارس میں مدرّس رہ چکے تھے۔سکھر بھی ایک بار سے زائد حاضری ہوئی۔ایک بار تو مولانا محمد احمد صاحب تھانوی مرحوم کے یہاں قیام رہا۔اس وقت مولانا مرحوم نے احقر سے فرمایا کہ حضرت والاؒ مدرسہ خیرالمدارس کے لئے بطور مبلغ خدمت کرنے کو فرماتے ہیں۔اور میرا خیال خود مدرسہ شروع کرنے کا ہے۔اس میں تردّد کا اظہار کیا تھا کہ کیا کرنا چاہئے؟ پھر حضرت مولانا مرحوم نے مدرسہ اشرفیہ جاری فرمایا۔دوسری بار سکھر حضرت والاؒ کی معیت میں حاضری ہوئی تو مدرسہ اشرفیہ میں ٹھہرنا ہوا تھا۔سکھر میں حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحبؒ (خلیفہ مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ ومخدومنا حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب صدیقیؒ وخلیفہ مجاز سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحبؒ) کی دونوں بار زیارت ہونا یاد ہے۔

ل آہ۔

سفر ٹنڈو الہ یار:

حضرت والاؒ کا چند بار دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار تشریف لے جانا اور ایک بار رات کو قیام فرمانا بھی یاد ہے۔ ایک بار دن میں کچھ دیر کے لئے حیدر آباد سندھ سے تشریف لائے تھے۔ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ وغیرہ کی زیارت و ملاقات کر کے واپس حیدر آباد سندھ تشریف لے گئے تھے۔

پہلی بار حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار کے قیام کے بالکل ابتدائی زمانہ میں تشریف لائے تھے۔ یہ ناچیز خادم بھی ساتھ تھا اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ہی کے مکان واقع دار العلوم الاسلامیہ میں رات کو قیام رہا تھا۔ اگلے روز واپسی ہوئی۔

اس ملاقات کا حاصل جیسا کہ دونوں اکابر کی آپس کی گفتگو سے سمجھ میں آیا، علاوہ زیارت کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اس وقت تک دار العلوم کے تعلق سے زیادہ مطمئن نظر نہ آتے تھے۔ اور حضرت والاؒ نے ان سے ایسی گفتگو فرمائی تھی جس سے وہ وہاں جم کر رہیں۔ دار العلوم الاسلامیہ جو حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب کامل پوریؒ، حضرت مولانا سید بدر عالم صاحبؒ اور حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ جیسے اکابر کے چلے جانے سے غیر آباد ہو گیا تھا، وہ پھر سے آباد ہو جائے۔ چنانچہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ دار العلوم الاسلامیہ میں آخر وقت تک جم کر رہے۔ اور بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ حضرت مولاناؒ کی تشریف سے دار العلوم الاسلامیہ کی نشاۃِ ثانیہ ہوئی اور خلاء پُر ہو گیا۔

غالباً اسی سفر میں حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ کے مکان پر حضرت والاؒ کا چائے پینا بھی یاد ہے۔ وہاں حضرت مولانا عثمانیؒ بھی موجود تھے۔ احقر بھی ان اکابر کی زیارت سے حضرت والاؒ کے طفیل بہرور ہو چکا ہے۔ اور بعد میں حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے پڑھنا بھی حضرت والاؒ ہی کی بدولت تھا۔ جیسا کہ ان شاء اللہ یہ ناچیز اپنے مختصر تذکرہ میں ذکر کرے گا۔

سفر ٹنڈو اللہ یار بر موقع جلسہ تقسیم اسناد دار العلوم الاسلامیہ:

ایک بار حضرت والاؒ دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار کے جلسہ تقسیم اسناد پر شوال ۱۳۷۸ھ (مطابق اپریل ۱۹۵۹ء) میں تشریف لے گئے تھے۔ اور اس میں اس وقت کے صدر فیلڈ مارشل ایوب خان کو (غالباً خود ان کی خواہش پر) مدعو کیا گیا تھا۔ اس تقریب کا پہلا اجلاس شب کو حضرت والاؒ کی صدارت میں جامع مسجد دار العلوم میں ہوا۔ جس میں پہلے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہوا۔ ان کے بیان میں آمد و روانی بہت ہوتی تھی۔ تاخیر کے اندیشہ سے حضرت والاؒ نے اس میں اختصار کا اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت والاؒ کا مختصر بیان ہوا۔ اگلے روز صبح تقسیم اسناد کا آغاز ہوا، جس میں فیلڈ مارشل ایوب خان آئے تھے۔ شام کو کسی وقت اکابر علماء نے سرکٹ ہاؤس ٹنڈو اللہ یار تشریف لے جا کر ایوب خان کو شرف ملاقات بخشا۔

حضرت والاؒ سے بسم اللہ کرانا:

اس موقع پر حضرت والاؒ ٹنڈو اللہ یار میں میرے غریب خانہ پر تشریف لائے تھے اور احقر کی بیٹی عزیزہ حافظ رشیدہ بیگم کو تبرکاً بسم اللہ کرائی تھی، اور اس کو دو روپے عطا فرمائے تھے۔ اغلباً یہ تبرک اب تک اس کے پاس محفوظ ہے۔

سفر حج اوّل:

حضرت والاؒ نے دو بار حج ادا فرمایا۔ پہلی بار کا ذکر ایک مختصر نوٹ میں اس طرح فرمایا ہے:

''حج بندہ بمع اہلیہ...... مورخہ ۱۲ ذیقعد ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۱ جون ۱۹۵۷ء منگل کراچی سے ہوائی جہاز پر روانگی، ۱۲ جون ۵۷ء جدہ پہنچے۔ ۱۲ جون بعد نماز عشاء مکہ معظمہ پہنچے۔''

یہ خادم اس زمانہ میں اُردو کالج میں شعبہ عربی و اسلامیات میں لیکچرر تھا۔ اور قیام عارضی طور پر دارالعلوم کراچی (نزد کورنگی کالونی) کے مکان میں تھا۔ اس وقت تک غالباً دارالعلوم کورنگی کراچی پوری طرح نئی عمارت میں منتقل نہ ہوا تھا۔ اساتذہ کے لئے جو عارضی مکانات بنے ہوئے تھے ان میں سے بعض مکانات اس وقت خالی پڑے تھے۔ مولانا نور احمد صاحب اکیابی مرحوم جو اس وقت دارالعلوم کے ناظم تھے، انہوں نے اس ناچیز کو وہاں رہنے کے لئے عارضی طور پر مکان دے دیا تھا، جس میں تقریباً دو تین ماہ ناچیز اپنے اہل وعیال اور والد صاحب مرحوم کے ساتھ رہا تھا۔ ان دنوں غالباً حج کو جانے سے قبل حضرت والاؒ دارالعلوم کراچی تشریف لائے تھے۔ تو ناچیز کے گھر بھی تشریف لائے اور والد صاحب مرحوم سے بھی ملاقات فرمائی، جو ضعیف العمر اور صاحبِ فراش تھے۔ اور بصارت سے بھی معذور ہو چکے تھے۔ ہوش و حواس بھی درست نہ تھے۔ حضرت والاؒ والد صاحب سے مل کر تشریف لے گئے، تو والد صاحب نے بتایا کہ حضرت والاؒ کے تشریف لانے سے ان کی طبیعت کو بہت سکون و چین محسوس ہوا۔ والد صاحب مرحوم کا ایک اور واقعہ اس پر یاد آیا۔ جو اس واقعہ سے بہت مشابہت رکھتا ہے۔ والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ وہ جب آبائی وطن چاند پور سے انبالہ آئے ہوئے تھے (اس کے بعد والد صاحب مع اہل وعیال مدت دراز تک انبالہ شہر رہے) اور والد صاحب کو زراعت اور باغبانی سے بہت دلچسپی تھی۔ چاند پور میں علاوہ اور زمین و باغات کے آموں کا بھی باغ تھا۔ اس سے خاصی دلچسپی تھی۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ انبالہ میں کوئل کی آواز سنی (یہ آموں کے موسم میں آتی اور بولتی تھی اور والد صاحب کے لئے یہ آموں کے موسم کی علامت اور اطلاع تھی) تو چاند پور جانے کے لئے طبیعت بے چین ہوگئی۔ انبالہ شہر میں اس زمانہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ بقید حیات تھے۔ اسی بے چینی کی حالت میں والد صاحب کا گزر حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کی مجلس کے پاس سے ہوا تو ان کی مجلس میں آ گئے۔ فرماتے ہیں کہ وہ بے چینی بالکل دور ہو کر طبیعت کو پورا سکون ہوگیا۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے اور اہل اللہ کی صحبت سے بھی دلوں کو سکون اور چین و اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

ذکر حضرت والاؒ کے پہلے حج کا تھا۔ حج کو جاتے ہوئے حضرت والاؒ کو پرانے حاجی کیمپ (نزد جیکب لائن مقبرہ قائداعظم) سے ایئرپورٹ کراچی جانے کے لئے رُخصت کیا گیا۔ رُخصت کرنے والوں میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ بھی تھے، اور خادم بھی حاضر تھا۔

اس سفرِ حج سے واپسی پر حضرت والاؒ کو کراچی لینے کے لئے جناب حافظ رشید احمد صاحب مرحوم صاحبزادہ حضرت والاؒ تشریف لائے تھے[1] خادم نے حضرت والاؒ کے کراچی میں ٹھہرنے کے خیال سے حافظ صاحب مرحوم سے مشورہ کر کے اپنے پاک کالونی کے مکان کی کچھ صفائی وغیرہ کی، کیونکہ خالی پڑا ہوا تھا، تاکہ حضرت والاؒ شاید چندون وہاں ٹھہرنا منظور فرمائیں۔ لیکن پھر غالباً فون سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت والاؒ تو آج شام ہی (شاید چناب ایکسپریس سے) ملتان تشریف لے جا رہے ہیں۔ خادم کراچی شہر کے اسٹیشن پہنچا اور لانڈھی کا ٹکٹ لے کر حضرت والاؒ کے ڈبہ میں سوار ہو گیا۔ اور لانڈھی تک حضرت والاؒ کے ساتھ رہا۔ وہاں اُتر کر نماز مغرب ایک مسجد میں پڑھ کر دارالعلوم کراچی (واقع کورنگی) کے عارضی رہائش والے مکان پر چلا گیا۔

دوسرا حج:

اس حج میں حضرت والاؒ کے ایک رفیقِ سفر[2] حاجی قادر بخش صاحب کی روایت ہے کہ حضرت والاؒ نے یہ حج ۶۱-۱۹۶۰ء میں ادا فرمایا۔ ابتداء شوال ہی میں حضرت والاؒ کراچی پہنچ گئے۔ اس ناچیز خادم کو بھی اطلاع تھی۔ چنانچہ حضرت والاؒ کی کراچی تشریف آوری ہوئی اور ادھر مدرسہ (دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار) بھی تعطیلات رمضان شریف وعید الفطر کے بعد کھل گیا۔ احقر کو مدرسہ کے کام سے کراچی جانا ہی تھا۔ چنانچہ روانہ ہو گیا۔ مدرسہ کا کام بھی جو احقر کے متعلق تھا، کیا۔ اور حضرت والاؒ کے ساتھ جامع مسجد جیکب لائن کی چھت پر (جہاں مستورات جمع کی نماز پڑھتی تھیں اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا وعظ سنا کرتی تھیں) قیام رہا، اور حضرت والاؒ کی خدمت میں بھی حاضر رہا۔

مدرسہ کے کام سے حضرت والاؒ کے کراچی موجود ہونے کے وقت آنے پر حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے زیرِ تربیت واصلاح کسی صاحب کا واقعہ سنایا۔ جو خادم کے حضرت والاؒ کی موجودگی کے وقت مدرسہ کے کام سے آنے کے

---

[1] چنانچہ انہوں نے احقر کو بذریعہ گرامی نامہ اطلاع فرمائی کہ ”حضرت والاؒ صاحب مدظلہ حج بیت اللہ شریف سے واپس ۲۱ یا ۲۲ جولائی ۵۷ء کو ہوائی جہاز سے کراچی اتریں گے۔ ان کے لینے کی غرض سے میں ۲۰ جولائی ۵۷ء کو کراچی ہونگا۔ مولانا احتشام الحق صاحب کے ہاں میرا قیام ہوگا۔ آپ ۲۰ جولائی کو فون کر کے میرا پتہ کر لیجئے۔

والسلام رشید احمد ناظم دفتر 7/57 مدرسہ خیر المدارس، ملتان“

[2] مکرمی حاجی قادر بخش صاحب زید مجدہم سے زمانہ دراز کے بعد ۲۷ یا ۱۴۱۱/۵/۲۸ھ صبح کو مدینہ منورہ میں ملاقات ہوئی۔ (ان کے بھتیجے مولوی عبدالمنان صاحب کو سب خیر المدارس (جو ان کے ساتھ تھے) احقر کو پہنچانا) سب سے پہلے احقر نے ۱۳۸۴ھ میں حضرت والاؒ کے واعظ و دروس وغیرہ کو ان (حاجی قادر بخش صاحب) ہی کے ٹیپ ریکارڈر پر ضبط کرنا شروع کیا تھا۔ (آ آ)

مشابہ تھا۔ کہ وہ کسی مدرسہ کے کام سے یا جس ملازمت میں بھی تھے اس کے کام سے آئے، سرکاری خرچ پر اور بغیر ذاتی ضرورت کی رُخصت لئے۔ اور حضرت حکیم الامتؒ کی زیارت و حاضری خدمت کے موقع سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ تو حضرت حکیم الامتؒ نے اس پر تنبیہ فرمائی۔

حضرت والاؒ کو صبح سویرے کراچی بندرگاہ کے لئے برائے سفرِ حج روانہ ہونا تھا۔ کیونکہ یہ سفرِ حج بحری جہاز سے فرمانا تھا، خادم کو دو گاڑیاں لینے بھیجا۔ خادم جیکب لائن سے بندر روڈ پر نکل آیا۔ وہاں سے تلاش کرتے کرتے سولجر بازار کی طرف جا نکلا۔ اور وہاں سے دو گھوڑا گاڑیاں (وکٹوریا) لے کر آیا، جو صبح سویرے کے وقت ذرا تلاش سے ملیں۔ ادھر روانگی کو تاخیر ہو رہی تھی۔ سنا ہے قاری احترام الحق صاحب تھانوی کو ایک مزاحیہ جملہ سوجھ گیا۔ انہوں نے کچھ ایسا کہا کہ آفتاب صاحب تو غروبِ آفتاب ہی کے وقت آئیں گے، جس کے نتیجہ میں مولوی رحمت اللہ صاحب کو بھیجا گیا۔ جو مولانا احتشام الحق صاحب کے یہاں کام کرتے تھے۔ وہ تو وہاں رہتے ہی تھے، اس جگہ کا تجربہ تھا۔ ان کو صدر سے گاڑیاں جلد ہی مل گئیں۔ ادھر خادم سولجر بازار سے دو گاڑیاں لے آیا تھا، جن کے کوچوان پٹھان تھے۔ مدرسہ خیر المدارس کے سابق مدرّس حضرت مولانا جمال الدین صاحب جو حضرت والاؒ کے حج کے رفیق سفر تھے، انہوں نے ان گاڑی والوں کو کچھ دے دلا کر اور پشتو میں گفتگو فرما کر رُخصت کر دیا۔ غرضیکہ خادم بھی حضرت والاؒ کے ساتھ بندرگاہ گیا۔ جہاز ویسٹ وہارف کی کسی گودی (برتھ) پر تھا۔ صبح خاصے سویرے پہنچ گئے تھے۔ خادم حضرت والاؒ کے اور آپ کے سامان کے ساتھ جہاز تک آ گیا۔ لیکن بعد میں رکاوٹ لگا دی گئی اور حافظ رشید احمد صاحب مرحوم آگے نہ آ سکے۔ اور پھر رُخصت کی ملاقات نہ ہو سکی۔

اس دوسرے حج سے واپسی پر حضرت والاؒ کی کراچی تشریف آوری کے وقت احقر دارالعلوم ٹنڈو اللہ یار میں تھا۔ حضرت حافظ رشید احمد صاحبؒ نے بذریعہ گرامی نامہ مورخہ ۶۱/۶/۹ مطلع فرمایا کہ (حضرت والاؒ) جہاز پر سوار ہو گئے ہیں۔ غالباً جہاز ۱۲ یا ۱۳ جون کو کراچی آئے گا۔ میں آج حضرت والد صاحب کو لینے کے لئے کراچی جا رہا ہوں۔

سفر بالاکوٹ:

حضرت والاؒ کی بیاض میں یکجا مختصر ''ضروری یادداشتیں'' ہیں۔ ان کے تحت اس سفر کے بارے میں یہ مختصر سا نوٹ ملتا ہے:

''سفر بالاکوٹ ۲ مرتبہ، مورخہ ۲۱ رجب ۱۳۷۱ھ، ۱۷-اپریل ۱۹۵۲ء۔ پھر مورخہ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۸۰ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۶۰ء شنبہ۔''

بالاکوٹ وہ تاریخی مقام ہے جہاں حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ مع اپنے رفقاء کے سکھوں سے جہاد فرماتے ہوئے شہید ہوئے، اور وہیں حضرت مولانا شہیدؒ کی قبر شریف ہے۔ دیگر شہدائے بالاکوٹ بھی غالباً وہیں آرام فرما رہے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن : خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اس مقام کی زیارت کرنے کی غرض ظاہر ہے، کفار سے قتال و جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے جان دے دینے والوں کے موقع جہاد و شہادت کی زیارت باعث تقویت نسبت بھی ہے۔ اور باعث برکت و عبرت بھی۔ اور جذبہ عمل و جذبہ قتال و جہاد فی سبیل اللہ کو اُبھارنے والا بھی ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی — حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
سر بوقت ذبح اپنا ان کے زیر پائے ہے — یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
بجرم عشق توام میکشند و غوغا نیست — تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشا نیست

اس سے قبل حیدرآباد اور سکھر کے سفر میں حضرت والاؒ کی معیت کا کچھ مختصر سا تذکرہ آچکا ہے۔ اور حضرت والاؒ کے کراچی کے بعض اسفار کا تذکرہ آپ کی خودنوشت سوانح ''نقش حیات'' سے نقل کیا جاچکا ہے۔ اب کچھ حال کراچی کے اسفار کا اپنی یادداشت سے یہ ناچیز بیان کرتا ہے، جن کی ابتداء حضرت والاؒ کی احقر کو پہلی بار زیارت سے ہوتی ہے:

سفر کراچی، اور پہلی بار حضرت والاؒ کی زیارت:

مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحبؒ کے خط سے معلوم ہوا کہ حضرت والاؒ کراچی میں تشریف فرما ہیں۔ اور مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے یہاں قیام ہے۔ چنانچہ غالباً یکم ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ کی شب کو جیکب لائنز مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے یہاں جاکر ان ہی سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا اور پہلی بار حضرت والاؒ کی رؤیت سے مشرف ہوا۔ وقت کے لئے دریافت کیا تو فجر کی نماز ساتھ ہی پڑھنے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ یکم ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ (مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۵۲ء) کی صبح عین نماز کی جماعت قائم ہونے کے وقت پہنچا۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی شرف رؤیت و مصافحہ حاصل ہوا۔ بعد نماز حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کا درسِ قرآن تھا۔ اس کے بعد حضرت والاؒ سے ملا اور مصافحہ کیا۔ حضرت والاؒ نے نہایت شفقت سے مصافحہ فرمایا اور متبسم رہے۔ اس وقت احقر کو یہ محسوس ہوا کہ جیسے قلب سے ظلمت اور کدورت و غم کی گھٹا سی چھٹ کر دل میں مسرت کی لہر دوڑ گئی ہو۔ وہ کیفیت بالکل صحیح طور پر بیان میں آ نہیں رہی۔

اس مختصر صحبت میں اوّل ہی مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہیدؒ کا بھی کچھ تذکرہ آگیا تھا۔ احقر کو نزھۃ البساتین کے مطالعہ کے لئے ارشاد فرمایا، خواہ مستعار ہی مل جائے۔

دوسرے روز یعنی جمعہ ۲ ربیع الاوّل ۷۲ھ کو صبح حاضر نہ ہوسکا۔ بلکہ نماز جمعہ جامع مسجد جیکب لائن میں پڑھی۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ قبل خطبہ وعظ اسلامی دستور کے متعلق فرمارہے تھے۔ بعد نماز حاضری ہوئی۔ مختصر صحبت کے بعد اندر تشریف لے گئے۔ پھر بعد نماز عصر مختصر زیارت ہوئی، جس میں کچھ باتیں دریافت کیں، اور حضرت والاؒ نے کچھ ارشادات و نصائح فرمائے۔ ۳ ربیع الاوّل ۷۲ھ کی صبح کو ٹیلی فون پر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت والاؒ رات کو تشریف لے گئے ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سے حضرت والاؒ کی ملاقات:

کراچی کے ایک سفر کے موقع پر حضرت والاؒ خادم کے ساتھ (اور اس موقع پر محترم شیخ محبوب الرحمٰن صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے) مخدومی حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ سے ملنے ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ جو نیو ٹاؤن (حال علامہ بنوری ٹاؤن) کے علاقہ میں تھا۔ اور وہاں پہنچ کر دستی چھڑی سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ افسوس ہے حضرت والاؒ کو پہنچاتے ہی خادم رُخصت لے کر واپس آ گیا (شاید دفتر وغیرہ جہاں اس وقت ملازمت تھی، جانا ہوگا، اب یاد نہیں رہا) اور ان اکابر کی گفتگو نہ سن سکا۔ خادم صرف حضرت سید صاحبؒ کا دولت کدہ دِکھانے گیا تھا۔

چلتے ہوئے تربیت اخلاق:

احقر میں انگریزی تعلیم کے اُثر سے اور تربیت اخلاق نہ ہونے سے کبر و تمکنت کا اُثر ملاحظہ فرمالیا ہوگا تو کراچی میں کئی بار راستہ میں سڑک کو پار کرتے ہوئے یا کسی معمولی سی حاجت سے حضرت والاؒ راستہ میں کبھی کبھی دوڑتے تھے اور دوڑاتے بھی تھے۔ احقر کی سمجھ میں یہ آیا کہ ہوسکتا ہے یہ عمل احقر کے مصنوعی وقار اور تمکنت و کبر کے علاج کے لئے ہو۔

بعض واقعات سفر کراچی اور احقر کے بعض مشاہدات:

''وحدت جمعیت علماء اسلام'' کی سعی کے سلسلہ میں حضرت والاؒ کے کراچی تشریف لانے کا پروگرام معلوم ہوا تو خادم کو تمنا ہوئی کہ قیام کس طرح خادم کے غریب خانہ پر ہو جائے۔

ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

احقر حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ) کی خدمت گرامی میں حاضر ہوا۔ احقر کو کسی وجہ سے گمان ہوا کہ شاید قیام کا انتظام ان کی طرف سے ہو۔ بحمد اللہ حضرت مفتی صاحبؒ نے اس مصلحت کی وجہ سے موافقت فرمائی کہ حضرت والاؒ ایسے موقع پر تشریف لا رہے تھے کہ ان کے یہاں یا حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ میں سے کسی کے یہاں ٹھہرنا مصلحت نہیں۔ اور ایک واقعہ بھی ذکر فرمایا کہ ایک بار حضرت مفتی صاحبؒ اور مولانا احتشام الحق صاحبؒ دونوں حضرت والاؒ کے استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچے، تو حضرت والاؒ مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس پر شاید حضرت مفتی صاحب کو کچھ شکوہ کا احساس ہوا ہوگا۔ بہر حال حضرت والاؒ نے خادم کے غریب خانہ پر قیام منظور فرما کر مسرور و مشرف فرمادیا۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک.

کسی نے خوب کہا ہے:

ز قدر و شوکت سلطاں نگشت چیزے کم — ز التفات بمہماں سرائے دہقانے
کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید — کہ سایہ برسرش انداخت چوں تو سلطانے

خادم کے یہاں قیام کے موقع پر حضرت والاؒ کے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (ملتانی) مرحوم، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم ملتان، مولوی حاجی فتح محمد صاحب مرحوم خلیفہ مجاز حضرت والاؒ اور ایک اور صاحب بھی تھے۔ بعد میں حضرت والاؒ کے ساتھ صرف حاجی فتح محمد صاحب مرحوم رہ گئے تھے۔

خادم کا قیام ان دنوں سندھ مدرسۃ الاسلام سرائے روڈ کراچی کے مکان پر تھا۔ اور احقر اس وقت سندھ مدرسۃ الاسلام سیکنڈری سکول میں ٹیچر (مدرّس) تھا، اور سندھ مدرسہ کی مسجد میں امام بھی تھا۔ امامت کی وجہ سے مکان ملا ہوا تھا۔ مودودی جماعت کے ایک صاحب نے اس مسجد میں جمعہ کی تقریر کا از خود ہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ اور عربی پڑھے بغیر ہی آیاتِ قرآنی کی تفسیر بھی اپنی طرف سے بیان کر دیتے تھے۔ حضرت والاؒ نے خادم کو فرمایا کہ حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ میں سے لکھ لیا کرو اور پڑھ کر سنا دیا کرو۔ چنانچہ خادم نے یہ سلسلہ شروع کر دیا۔ پھر درسیات پڑھنے کے بعد مختلف مساجد میں خطباتِ جمعہ اور تقریر کا موقع ہوا اور کچھ مشق بھی ہو گئی تھی۔

اکابر میں سے اُستاذی المحترم حضرت مولانا مفتی محمد صابر علی صاحب امروہیؒ، نائب مفتی دارالعلوم کراچی خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے خادم کے ساتھ سندھ مدرسہ کے مکان میں چند دن قیام فرمانے کا شرف بخشا ہے۔ اور خادم کی امامت میں نماز پڑھی ہے۔ امام القراء حضرت قاری فتح محمد صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ نے بھی ایک دو بار نماز وہاں خادم کی امامت میں پڑھی۔ اور سورۃ الفاتحہ میں انعمت کا 'عین' واضح ادا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ کبھی اس طرف تشریف لائے تو کبھی امامت کرنا منظور فرمایا اور کبھی ناچیز ہی کو نماز پڑھانے کو فرمایا۔

مخدومنا حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے جو اشرف السوانح تالیف فرمائی اور اس میں حضرت تھانویؒ کے سوانح کے ضمن میں اپنے واقعات کا تذکرہ بھی فرما دیا ہے، اس کے بارے میں یوں تحریر فرمایا ہے: ''غرض یہ احقر کے واقعات محض حضرت مولانا رومیؒ کے اس شعر کے مصداق تھے:

خوش تر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں''

حالانکہ خود حضرت خواجہ صاحبؒ کے واقعات بھی طالبین اور سالکین کے لئے نہایت درجہ مفید ہیں۔ اس لئے کہ حضرت خواجہ صاحب خود حضرت تھانویؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ اور ہمارے سلسلہ کے خاص اکابر میں سے ہوئے ہیں۔ لیکن ناچیز نے جو حضرت والاؒ کے سوانح میں اپنے بعض واقعات کا تذکرہ کر دیا ہے، جیسا کہ اوپر کی عبارت میں گزرا، اس کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی محض نقل ہے۔ اور اس کا فائدہ صرف بعض یادگار واقعات کا اپنے اور اپنے احباب و متعلقین کی دلچسپی کے لئے محفوظ ہو جانا ہے۔ اور اپنے واقعات کا حضرت والاؒ کے واقعات کے تذکرہ کے ساتھ مذکور ہو جانے جیسا شرف اور کس جگہ مذکور ہونے سے ہو سکتا تھا۔ قارئین سے دُعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قرب و

رضا کے مقام میں محشر اور آخرت میں بھی حضرت والاؒ کی معیت نصیب فرمائے (آمین)۔

حضرت والاؒ کا خادم کے ہاں قیام اور اکابر علماء کا اجتماع:

غرضیکہ حضرت والاؒ نے قیام منظور فرمالیا۔ اور اکابر علماء کا ایک اجتماع بھی وحدت جمعیت علماء اسلام کے سلسلہ میں غریب خانہ پر ہوا۔ شاید یہی موقع تھا کہ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے تلاوت فرمائی۔ اور سورۂ اعراف کے آخری آیات کیسی برمحل تلاوت فرمائیں۔ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ. (الآیۃ) انہی دنوں ایک بار مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ مہتمم و بانی جامعہ اشرفیہ لاہور اور خاص الخاص خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ جن کا قیام سولجر بازار میں جناب بٹ صاحب کے یہاں تھا، سندھ مدرسہ تشریف لائے تھے۔ حضرت والاؒ اس وقت احقر کے غریب خانہ پر تشریف فرما نہ تھے۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ کی ٹانگ سے معذوری کی حالت میں غریب خانہ کے اندر تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمانے کے لئے خادم نے بھی اصرار نہیں کیا۔ گو بہت جی چاہتا تھا۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحبؒ بھی چند بار تشریف لائے۔

مخدومی حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی ملاقات:

انہی ایام میں ایک بار حضرت والاؒ نے مخدومی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ دونوں کی یکجا خادم کے یہاں کھانے کی دعوت فرمائی۔ بلکہ دونوں یا کسی ایک کو فون سے خادم کے ذریعہ کہلوایا۔ دونوں حضرات نے دعوت منظور فرمائی۔ پہلے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ تشریف لائے۔ چونکہ خادم ان کی خدمت میں مسائل دریافت کرنے کے لئے بکثرت اور مدت دراز سے حاضر ہوتا تھا، آتے ہی بے تکلف فرمادیا کہ بھائی آفتاب! مجھے تو جلدی فارغ کردو۔ خادم نے حضرت والاؒ کی طرف دیکھا۔ حضرت والاؒ خاموش تھے۔ بلکہ انداز سے یہی مفہوم ہوسکتا تھا کہ ابھی نہیں۔ لیکن حضرت مفتی صاحبؒ نے دوبارہ اور شاید سہ بارہ فرمایا۔ خادم حضرت والاؒ سے شاید پوچھنے لگا۔ لیکن حضرت والاؒ اب بھی خاموش تھے۔ آخر ایسے بزرگ مہمان کے خود طلب فرمانے پر خادم کی سمجھ میں اس وقت اور کچھ نہ آیا۔ بلکہ کھانا لے ہی آیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے کھانا شروع فرمادیا۔ جلدی ہی مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ بھی تشریف لے آئے۔ پھر ان کے لئے بھی کھانا لے آیا۔ دونوں حضرات خوب تپاک اور گرمجوشی سے ملے اور بے تکلف باتیں کرتے رہے۔ حضرت والاؒ کا مقصد غالباً کسی حد تک پورا ہوگیا۔ حدیث شریف میں تو نہیں ملا، لیکن غالباً اہل علم و حکمت ہی کا قول ہے کہ جب مسلمانوں میں آپس میں رنجش ہو تو ان کو کھانے پر جمع کرنا چاہئے۔

سفر کراچی بسلسلہ منظور تعمیر مسجد رجب ۷۷ھ مطابق فروری ۵۸ء:

۴ رجب ۱۳۷۷ھ کو خادم نے ایک عریضہ حضرت والاؒ کی خدمت میں تحریر کیا تھا۔ خادم کی عرض و معروضات اور

حضرت والاؒ کے ارشادات حسب ذیل ہیں:

عرض خادم: ''مؤدبانہ عرض ہے کہ پیر کو حضرت والاؒ کا گرامی نامہ ملا۔ اسی روز مولانا احتشام الحق صاحب کے پاس حاضر ہو کر حضرت والاؒ کا سلام پہنچایا۔ اور حضرت والاؒ کا گرامی نامہ پڑھنے اور جواب تحریر کرنے کے لئے عرض کر دیا۔ انہوں نے خادم سے یہ لکھ دینے کو فرمایا کہ اگر وقت نکال سکیں تو حضرت والاؒ تعمیر مسجد کی منظوری لینے کے سلسلہ میں تشریف لے آئیں۔ اور فرمایا کہ میں تو یہیں ہوں۔ کہیں جا بھی نہیں رہا۔ خود جواب تحریر کرنے کے بارے میں فرمایا کہ آج رات کو میں بھی لکھ دوں گا۔''

ارشاد حضرت والاؒ: ''مولانا موصوف نے عریضہ کا جواب مفصل تحریر فرما دیا ہے۔''

نوٹ از مؤلف: یہ تواضع قابلِ اتباع ہے کہ حضرت والاؒ مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے نام اپنے والا نامہ کو ''عریضہ'' فرما رہے ہیں۔

عرض خادم: ''تشریف آوری کا قصد ہو تو براہِ کرم خادم کو ضرور مطلع فرمائیں۔''

ارشاد حضرت والاؒ: ''اِن شاء اللہ تعالیٰ ۳ فروری ۵۸ء دوشنبہ کو چناب سے سوار ہو کر ۴ فروری کو ساڑھے نو بجے کراچی شہر پہنچنے کا قصد ہے۔''

عرض خادم: ''اور خادم کے یہاں قیام فرمائیں تو بڑی عنایت ہوگی۔''

ارشاد حضرت والاؒ: ''قیام جیکب لائن میں مولانا کے پاس ہوگا۔''

حضرت والاؒ کے والا نامہ پر ڈاک خانہ کی مہر ۴ فروری کی ہے۔ جناب حافظ رشید احمد صاحبؒ کا گرامی نامہ بھی حضرت والاؒ کی تشریف آوری کی اطلاع کے لئے پہنچا۔ لیکن اس پر بھی ڈاک خانہ کی مہر ۴ فروری کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ڈاک سے تشریف آوری کی اطلاع پہنچی، حضرت والاؒ اس سے قبل جیکب لائن تشریف لا چکے ہوں گے۔ اسی لئے غالباً ۵ فروری ۵۸ء کی صبح جیکب لائن حاضر خدمت ہوا ہوں گا۔

شاہ ظاہر کی ڈگری یا شاہ باطن کی زیارت:

غالباً اسی موقع پر شاہ افغانستان ظاہر شاہ کو کراچی یونیورسٹی کی طرف سے ایل. ایل. ڈی کی اعزازی ڈگری دی جانے والی تھی۔ اُردو کالج میں لیکچرار ہونے کی حیثیت سے احقر کو بھی دعوت نامہ دیا گیا۔ لیکن حضرت والاؒ کے کراچی تشریف لانے کی اطلاع ہونے پر اسی روز صبح کو جیکب لائن حاضر ہونا تھا۔ چنانچہ احقر نے اپنے دینی شاہ باطن (حضرت والاؒ) کی خدمت میں حاضری کو شاہ ظاہر کو ڈگری پیش کرنے کے جلسہ (Convocation) میں حاضری پر ترجیح دی اور یہی مناسب و لازم تھا۔

سفر کراچی ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ مطابق ۳-اپریل ۱۹۵۸ء:

سفر مذکور کے کچھ بعد ہی اُردو کالج میں ملازمت اور پاک کالونی کے مکان پر قیام کے زمانہ میں رمضان المبارک میں حضرت والاؒ ایک بار کراچی تشریف لائے اور غریب خانہ پر ایک رات قیام فرمایا۔

ع کلاہ گوشہ دہقاں بآفتاب رسید والحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک.

مولانا حافظ منظور احمد صاحب (حال اُستاذ الحدیث خیر المدارس) سے پہلی بار ملاقات وہیں ہوئی تھی۔ وہ حضرت والاؒ کے ہم سفر تھے۔ اور سفر میں تراویح پڑھاتے تھے۔ اس بار بھی حضرت والاؒ نے تشریف آوری سے بذریعہ والا نامہ خادم کو مطلع فرمایا تھا۔ اس والا نامہ کی نقل باب متفرقات ضمیمہ باب ۱۵ (افاضۂ باطنی) کے تحت مولانا حافظ منظور احمد صاحب موصوف کے تذکرہ میں موجود ہے۔

کراچی کا آخری سفر رجب ۱۳۹۰ھ (۱۹۷۰ء):

آخری بار وصال سے کچھ ہی قبل کراچی کا سفر فرمایا۔ جو غالباً علماء حق کے اتحاد کی مساعی ہی کے سلسلہ میں تھا۔ حضرت والاؒ نے وحدت جمعیت علماء اسلام کے لئے سعی بلیغ فرمائی۔ لیکن جب وحدت باقی نہ رہ سکی تو اتحاد کی انتہائی کوشش فرمائی۔ اور اس بات کی بھی کوشش فرمائی کہ اختلاف زیادہ نہ بڑھے۔ لیکن جب اس میں کامیابی نہ ہو سکی تو حضرت والاؒ اسی جمعیت علماء اسلام کی جانب یکسو ہو گئے جس میں اکابر تھانہ بھون کو ماننے والے تھے۔ یعنی جس میں حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اور حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ تھے۔ اس سے قبل بھی حضرت والاؒ کی مناسبت تو ظاہر ہے کہ سلسلہ والوں ہی کے ساتھ تھی۔ البتہ طلب جاہ سے حضرت والاؒ دور اور نفور تھے۔ اور صلح کی کوشش فرمانے کی وجہ سے فریق بننا مناسب نہ تھا۔ واللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم. البتہ حضرت والاؒ حضرت حکیم الامتؒ کے مسلک سے کبھی ایک انچ بھی نہ ہٹے۔ لیکن حضرت والاؒ میں اپنے شیخ حضرت تھانویؒ کی طرح مسلمانوں سے حسن ظن، علماء دین کا اکرام اور اکابر کا احترام بہت تھا۔ خواہ مسلک میں اختلاف بھی ہو۔ حضرت حکیم الامتؒ بھی گروہ بندی کو بہت ناپسند فرماتے تھے۔ اور گو کانگریس کی شرکت مسلمانوں کے لئے مضر جانتے ہوئے کبھی اس سے منع کرنے میں مداہنت نہ فرمائی۔ تاہم نہ صرف علماء کرام بلکہ عامۃ المسلمین کے دِلی احترام اور دلی محبت اور شفقت و خیر خواہی میں کمی نہ آنے دی۔

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ سے ان کے مدرسہ میں حضرت والاؒ کی ملاقات:

اس بار حضرت والاؒ کی زیارت مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں ہوئی۔ سلام کے بعد مصافحہ و معانقہ کا شرف حسب معمول بخشا۔ کچھ وقت مدرسہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور دوسرے علماء کے ساتھ گزارا۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ سے حضرت والاؒ کی ملاقات:

پھر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے یہاں جیکب لائن تشریف لے جانے لگے۔ ان دنوں مدرسہ میں امتحان ہو رہے تھے۔ خادم حضرت والاؒ کے ساتھ مدرسہ و جامع مسجد نیوٹاؤن کے صدر دروازہ پر آیا۔ حضرت والاؒ نے روانگی سے قبل خلافِ عادت چھٹی کے لئے ارشاد فرمایا، بشرطیکہ حرج نہ ہو۔ خادم نے عرض کیا کہ امتحان تو ہو چکا ہے۔ چنانچہ یا تو اجازت حاصل کر کے یا دوپہر کو چھٹی کا وقت ہو گیا تھا، حضرت والاؒ کے ساتھ خادم جیکب لائن آیا۔ وہاں کافی دیر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ سے باتیں ہوتی رہیں۔

دیگر اکابر سے حضرت والاؒ کی ملاقات کا پروگرام:

شام کو ایک صاحب کی کار سے حضرت والاؒ ناظم آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ خادم بھی ساتھ تھا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ بھی ان دنوں کراچی تشریف لائے ہوئے تھے اور ناظم آباد میں قیام تھا۔ ان کی اور حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحبؒ اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہٗ کی ملاقات کا پروگرام بن گیا۔

خادم کے غریب خانہ پر حضرت والاؒ کی تشریف آوری:

راستہ میں چورنگی سے ذرا ہٹ کر صنعتی علاقہ سے متصل منگھوپیر روڈ پر پاک کالونی میں خادم کا اپنے مکان میں قیام تھا۔ خادم نے حضرت والاؒ سے غریب خانہ پر تشریف لانے کے لئے عرض کیا۔ کار والے صاحب نے ٹالنا چاہا کہ دیر ہو جائے گی۔ خادم نے شاید دوبارہ عرض کیا۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے یہاں نہیں چلتے، اِن کے گھر چلتے ہیں۔ خیر کار والے صاحب راضی ہو گئے۔ اور حضرت والاؒ نے خادم کے گھر تشریف آوری سے مشرف و مسرور فرما دیا۔

خادم کی بیٹی کو تعلیم عربی و ترجمہ قرآن شریف کے لئے حضرت والاؒ کی ہدایات:

خادم کی بیٹی حافظہ رشیدہ بیگم سلمہا کی تعلیم کے بارے میں عرض کیا۔ اس کو مولانا مشتاق صاحب چرتھاولیؒ کی کتب علم الصرف حصہ اول تا چہارم، علم النحو اور روضۃ الادب ختم کرا چکا تھا یا قریب الختم تھیں۔ اس کے بعد ترجمہ قرآن مجید پڑھانا تھا۔ لیکن ابھی استعداد کمزور تھی۔ اس لئے کتابیں پختہ کرا کر ترجمہ شروع کرانے کا خیال تھا۔ حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ روضۃ الادب کے بعد ترجمہ قرآن مجید شروع کرا دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اس کی شادی سے پہلے جلدی جلدی ترجمہ قرآن مجید ختم کرایا۔ ورنہ اگر حضرت والاؒ سے استرشاد نہ ہوتا اور شروع نہ کیا جاتا تو ختم نہ ہو سکتا تھا۔

حضرت والاؒ کی خدام پر انتہائی شفقت:

کار والے صاحب کو جو حضرت والاؒ نے فرمایا تھا کہ اچھا مولانا ظفر احمد صاحب کے یہاں نہیں چلتے، اپنے خدام

کے ساتھ حضرت والاؒ کی انتہائی شفقت کا ایک ثبوت ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ سے حضرت والاؒ کی آخری ملاقات:

غرضیکہ حضرت والاؒ نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی زیارت فرمائی۔ اور واپسی میں رُخصت ہو کر حضرت والاؒ دروازہ کے قریب پہنچ کر پھر واپس لوٹے۔ اور دوبارہ حضرت مولانا عثمانیؒ سے ملے۔ خادم اس دوبارہ ملاقات کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ اب ان دونوں اکابر کی شاید دنیا میں پھر ملاقات نہ ہو سکے گی۔ اور پھر واقعی ان کی ملاقات اس کے بعد نہ ہو سکی۔

حضرت مفتی رشید احمد صاحب مدظلہٗ کے یہاں حضرت والاؒ کی تشریف آوری:

وہاں سے حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہٗ کے یہاں تشریف لے گئے۔ ان کا مکان راستہ میں تھا۔

حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحبؒ سے حضرت والاؒ کی ملاقات:

پھر وہاں سے حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحبؒ کے یہاں تشریف لے گئے۔ خادم بھی حاضر خدمت رہا۔ اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہٗ بھی ساتھ ہو گئے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کے والد ماجد مولانا مولوی الحاج محمد سلیم صاحبؒ کی بھی زیارت ہوئی۔ یہ اب یاد نہیں کہ ساتھ ہی تشریف لے گئے یا قبل یا بعد تشریف لائے تھے۔ وہاں حضرت والاؒ کے ساتھ خاصی دیر تک حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی ملاقات رہی۔

حضرت والاؒ اور حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان ایسی محبت اور بے تکلفی کی باتیں ہوتی رہیں، جیسا کہ کب سے اور کتنے گہرے تعلقات ہیں۔ حالانکہ تھانہ بھون میں تو ملاقات کا احقر کو علم نہیں۔ شاید ہی پاکستان میں اس کے علاوہ اور کبھی ملاقات ہوئی ہو۔

اس ملاقات میں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ نے حضرت والاؒ سے ان کے بارے میں اپنا ایک خواب بھی بیان فرمایا کہ حضرت والاؒ نے ان کو اپنا ایک نہایت عمدہ لباس کا جوڑا دکھایا۔ (جو شاید سنہرے رنگ کا فرمایا تھا) اور پھر بہت خوش ہو کر فرمایا کہ میرے پاس ایک اور جوڑا بھی ہے۔ حضرت والاؒ اس خواب کو سُن کر بہت متعجب سے رہ گئے۔ پھر حضرت ڈاکٹر صاحبؒ سے سب رُخصت ہو کر واپس ہوئے۔ بعد میں سُنا کہ غالباً حضرت والاؒ نے اس خواب کی تعبیر اپنا سفرِ آخرت سمجھا تھا۔

خادم کو حضرت والاؒ کی آخری بار زیارت:

واپسی میں احقر راستہ میں اپنے گھر جانے کے لئے ناظم آباد کی چورنگی پر اُتر گیا ہوگا۔ رات کو حضرت والاؒ نے مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے یہاں قیام فرمایا ہوگا۔ اگلے روز صبح حضرت والاؒ سے ملنے کے لئے جیکب لائن مولانا احتشام الحق

صاحبؒ کے یہاں حاضر ہوا۔ حیدرآباد سندھ تک سفر کے لئے ویگن کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس میں حضرت والاؒ کے ساتھ جناب عبدالغفور انوری صاحب مرحوم سوار ہوئے۔ مولانا احتشام الحق صاحبؒ نے احقر سے فرمایا بھی کہ اگر ساتھ جانا ہو تو چلے جاؤ۔ کسے معلوم تھا کہ یہ آخری زیارت ہے۔ احقر کی طبیعت بھی کچھ ناساز تھی، نزلہ اور شاید کچھ حرارت تھی، مدرسہ سے چھٹی بھی نہیں لی تھی، گھر پر اطلاع کرنے کا وقت بھی نہ تھا۔ ان وجوہ سے ساتھ نہیں جاسکا۔ اور حضرت والاؒ کی زیارت اور حاضری خدمت اس دنیا کی زندگی میں تو منقطع ہوگئی۔ حضرت والاؒ کے وصال کا مستقل تذکرہ اِن شاءاللہ تعالیٰ آئندہ آئے گا۔

اسفار کراچی کے بعض واقعات:

(۱) ایک بار حضرت والاؒ نے کراچی کا سفر اس وقت اختیار فرمایا تھا۔ جبکہ دارالعلوم کراچی کی تعمیر اس احاطہ میں ہونا تجویز ہوا تھا، جہاں بعد میں اسلامیہ کالج کی عمارت بنی۔ اور جہاں شیخ الاسلام العلامہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور سیدی حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کے مزارات ہیں۔ دارالعلوم کے اس موقع پر تعمیر کرنے کے لئے جلسہ کیا گیا، جس میں اکابر اُمت کے مواعظ ہوئے۔ مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کے مواعظ بھی ہوئے۔ ایک جلسہ میں حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ کا وعظ ہوا، پھر حضرت والاؒ کا وعظ ہوا۔ ایک روز وہاں سے واپسی کے لئے حضرت والاؒ ایک کار میں سوار ہوئے۔ جناب حاجی فتح محمد صاحب جالندھریؒ اور یہ خادم بھی حضرت والاؒ کے ساتھ تھے۔ ہم دونوں کو جگہ نہ مل سکی۔ کیونکہ کار بھر چکی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت والاؒ کار سے اُتر گئے۔ اور پھر بعد میں کسی ذریعہ سے تشریف لے گئے۔ خدام کا حضرت والاؒ کو اتنا خیال تھا۔ ایسی شفقت کی مثال کہاں ملے گی؟

(۲) دارالعلوم کے جلسہ میں ایک روز ایک عجیب واقعہ مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کے وعظ میں یہ پیش آیا کہ حضرت مفتی صاحبؒ وعظ فرماتے فرماتے ایک دم رُک گئے۔ بعض منتظمین جلسہ جو ہمارے بزرگوں کے مذاق سے شاید بالکل واقف نہیں تھے، انہوں نے مائیکروفون پر اصرار کے ساتھ اعلان کیا کہ سب حضرات مفتی صاحبؒ کے وعظ کے مشتاق ہیں۔ وہاں تو بات ہی کچھ اور تھی۔ جس کو بعد میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب زید مجدہم صاحبزادہ حضرت مفتی صاحب نے بیان کیا اور وہی بات دل کو لگی، کہ سامعین میں سے کسی شخص کے دل میں اعتراض پیدا ہوجاتا ہے۔ اس کی نحوست سے بیان میں مضامین کی آمد بند ہوجاتی ہے۔

(۳) حضرت والاؒ کے سفر کراچی کا ایک اور واقعہ بیان کر کے اس باب کو ختم کیا جاتا ہے۔ کراچی سے رات کی کسی گاڑی سے حضرت والاؒ کی واپسی تھی۔ یہ سفر غالباً مدرسہ ہی کی ضرورت سے تھا۔ اور مدرسہ کی ضرورت سے حضرت والاؒ ریل گاڑی کے درجہ سوم میں سفر فرمایا کرتے تھے۔ (سوائے اس کے کہ داعین کبھی اپنی طرف سے اوپر کے درجہ کا ٹکٹ خرید دیں تو اور بات ہے) غرض تیسرے درجہ میں باوجودیکہ ہجوم سے زحمت بہت ہوتی تھی، مگر عادتِ شریفہ یہ تھی کہ خود تکلیف برداشت

فرماتے تھے۔ لیکن مدرسہ کا پیسہ صرف بقدر ضرورت ہی صرف فرماتے تھے۔ چنانچہ درجہ سوم ہی میں سفر فرمایا۔ مولانا حافظ منظور احمد صاحب زادمجدہٗ اور جناب عبدالغفور انور صاحب مرحوم بھی ہم سفر تھے۔ احقر بھی کراچی سٹی اسٹیشن پر حاضر تھا۔ گاڑی ابھی پلیٹ فارم پر لگی نہیں تھی۔ انوری صاحب مرحوم نے تجویز فرمایا کہ یارڈ میں جہاں گاڑی کھڑی ہے، قلی کو پیسے دے کر سامان اور آدمی بھیج دیئے جائیں، تاکہ وہ سیٹیں روک لیں۔ حضرت والاؒ خاموش تھے۔ انوری صاحب مرحوم نے اتنی بار اصرار کیا کہ حضرت والاؒ نے پھر منع نہیں فرمایا۔ چنانچہ قلی کے ساتھ بستر وغیرہ کچھ سامان بھیجا گیا اور مولانا منظور احمد صاحب اور احقر ساتھ گئے۔ ابھی گاڑی تک پہنچ کر سامان رکھنے نہ پائے تھے کہ گاڑی پلیٹ فارم کی طرف روانہ ہوگئی۔ قلی نے سامان بستر وغیرہ بمشکل گاڑی کے اندر پھینکا۔ ہم دونوں ساتھ بھاگ رہے تھے۔ لیکن گاڑی تیز ہوگئی اور ہم سوار نہ ہو سکے۔ ہانپتے ہوئے پلیٹ فارم پر پہنچے۔ حضرت والاؒ نے ہم دونوں سے سامان کا دریافت فرمایا۔ ہم نے بتایا حضرت والاؒ نے ہم میں سے ایک کو گاڑی کے آگے والی طرف، دوسرے کو اخیر کی طرف دوڑایا کہ سامان والا ڈبہ تلاش کریں۔ آخر سامان مل گیا۔ اتنے میں گاڑی مسافروں سے بھر چکی تھی۔ تو خدا خدا کر کے سوار ہوئے۔

بعض العبر من ھذا السفر:

اس واقعہ سے چند سبق حاصل ہوتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ مدرسہ کا مہتمم بننا فکر، خدمت اور مجاہدہ کا مقتضی ہے۔ اس کا مقصد عہدہ اور جاہ نہیں ہے۔ بلکہ رضائے الٰہی اور اُجرتِ آخرت ہے۔ اور اس کام کو اخلاص وتندہی سے انجام دینا کتنی عظیم دینی خدمت اور کتنے بڑے اجر کا کام ہے۔

دوم: مدرسہ کا مال مسلمانوں کی امانت ہے۔ اس کو اقتصاد واحتیاط سے خرچ کرنا چاہئے۔ خواہ خود مشقت اُٹھانی پڑے۔

سوم: اکابرِ دین خصوصاً جبکہ ان کی عقل وتدبیر اور دیانت وخیر خواہی مسلّم بھی ہو ان کی اطاعت ہی میں خیر ہے۔ گو ابتداء میں مصلحت سمجھ میں نہ آئے۔ مگر بعد میں ان ہی کی رائے کا صائب اور انسب ہونا معلوم ہوتا ہے۔

چہارم: ہنگامی حالت میں گھبرانے کی بجائے اختیاری تدبیر کو کام میں لانا چاہئے۔ جیسا کہ حضرت والاؒ نے دونوں طرف آدمی دوڑانے کی تدبیر فرمائی۔

پنجم: مشائخ کاملین کی خدمت میں حاضری خصوصاً سفر میں مصاحبت سے فوائدہ کثیرہ حاصل ہوتے ہیں۔

اب حضرات قارئین کا مزید وقت لئے بغیر یہیں اس باب کو ختم کیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

باب سیزدہم (۱۳)

استفاضۂ باطنی

تحصیل سلوک و تصوف

حضرت والاؒ کے استفاضۂ باطنی کے بارے میں قلم اُٹھانے کے لئے دو قسم کے علم درکار ہیں۔ ایک تو ظاہری واقعات جو اس سلسلہ میں پیش آئے ہوں گے۔ دوسرے باطنی حالات۔ ذاتی طور پر تو ان دونوں قسم کے علم سے احقر بالکل تہی دست اور کورا ہے۔ باطنی حالات تو حضرت والاؒ کے شیخ و پیر و مرشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ ہی سمجھتے ہوں گے۔ یا حضرت حکیم الامتؒ کے بعض اکابر خلفاء جن کا حضرت والاؒ سے کافی رابطہ رہا ہو، یا حضرت والاؒ کے بعض دیگر خاص الخاص احباب اور اکابرِ اُمت، گو یہ بھی ضروری نہیں۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامتؒ کا قول کہیں پڑھا ہے، جس کا مطلب احقر کو یہ یاد ہے، کہ مشہور ہے: ''ولی را ولی می شناسد'' یہ صحیح نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ ''ولی را نبی می شناسد۔'' تو پھر سابق صدی کے مجدد اور اس زمانہ کے شیخ اکبر اور امام سلوک و تصوف حضرت حکیم الامت مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کے اکابر خلفاء میں سے ایک خاص خلیفہ مجاز بیعت کے حالات کو احقر جیسا گرا پڑا شخص کیا سمجھ سکتا ہے۔ اور آپ کے باطنی مقامات اور تعلق باللہ اور معرفت الٰہیہ اور حُبِ نبوی میں سے کس کس بات کا کس کس درجہ میں ادراک کر سکتا ہے۔ دوسرا علم ظاہری واقعات کا۔ اس کا ایک ہی مستند ترین ذریعہ ہے۔ وہ حضرت والاؒ کے خود نوشتہ سوانح میں ''تحصیل سلوک و تصوف'' کا باب ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو کسی طرح اس باب میں کوئی صحیح بات لکھنا مشکل تھا۔ سوائے اس کے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات یا اشرف السوانح میں سے کوئی بات مل جاتی، یا اکابر سلسلہ میں سے جو حضرات باقی ہیں، ان سے کوئی روایت مل جاتی، جس سے کچھ کام نہ چل سکتا تھا۔ چنانچہ اس باب میں زیادہ تر حضرت والاؒ کے خود نوشتہ حالات ہی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

البتہ حضرت حکیم الامتؒ کے مریدین و مجازین کے احوالِ باطنی میں سے ایک معتدبہ حصہ تربیت السالک میں ملتا ہے۔ یہ کتاب سلوک و تصوف اور اصلاحِ باطن کا کامل مطب ہے۔ لیکن اس میں احوال باطنی سب بغیر نام کے دیئے گئے تھے۔ البتہ حضرت حکیم الامتؒ تھانویؒ کے عام و خاص مریدین کے احوال کا عام اندازہ کچھ اس کتاب سے ہو سکتا ہے۔ اور دراصل یہ کتاب طالب اصلاحِ باطن کے لئے نہایت ہی مفید ہے، بلکہ اس کو سالکین کے لازمی نصاب میں داخل سمجھنا چاہئے۔

اب حضرت والاؒ کے استفاضہ باطنی یعنی تحصیل سلوک وتصوف کے واقعات جو خود حضرت والاؒ ہی کے تحریر فرمودہ ہیں، ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

''تحصیل سلوک وتصوف''

''درسِ نظامی سے فارغ ہونے کے بعد ابتداء میں جب مستقل مدرّسی مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں شروع کی تو توفیقِ الٰہی سے اپنے نفس کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہوئی۔ جب بھی رجوع کیا تو دل میں کدورت اور ظلمت محسوس ہوئی۔ اس کا علاج یہ سمجھ میں آیا کہ بریلی کو چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ بریلی میں مولوی احمد رضا خان صاحب اوران کے حواریوں کی وجہ سے بدعات کا روزانہ تذکرہ اوران کے ردّ وقدح کا فکر رہتا ہے۔ یہی ظلمت کا سبب ہے۔ چنانچہ بریلی میں استعفاء بھیج کر مدرسہ احیاء الاسلام منڈی صادق گنج ریاست بہاولپور کی مدرّسی اختیار کی۔ مگر یہاں آنے کے بعد بھی قلب میں صفائی معلوم نہ ہوئی۔ کچھ وقت آج وکل میں گزرا۔ آخر ارادہ پختہ کیا کہ کسی بزرگ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اوران کے ذریعہ اپنی اصلاح کرائی جائے۔

قال رابگزار ومرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

اس وقت میرے علم میں حقانی مشائخ کرام میں سے اجلہ حضرات موجود تھے۔ مثلاً اُستاذ الحدیث حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب انبہٹویؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب رائے پوریؒ۔

بریلی کے قیام میں قلب کا میلان اکثر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہوا کرتا تھا۔ مگر اس دربار کا رُعب اتنا مانع تھا کہ ہمت نہ پڑتی تھی۔ جب منڈی صادق گنج میں قیام ہوا تو استفادہ کی سہولت اور حصول اصلاح کی آسانی کے لئے قلبی رجحان زیادہ تر حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہوا[1]۔ اس لئے منڈی صادق گنج کے دوران قیام میں اواخر ۱۳۳۷ھ (۱۹۱۹ء) میں وطن حاضر ہوکر حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت طریقت حاصل کی۔ اور حسب الارشاد کلمہ تمجید کی صبح وشام تسبیح شروع کی، مگر بوجہ عادت نہ ہونے کے بُعد اور غلبہ نفس وہوائے نفس کے آب حیات مقصود کی طرف راہ پانا نصیب نہ ہوا۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

---

[1] ان کے صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ چک نمبر ۱۱ ایل چیچہ وطنی ضلع ساہیوال میں قیام پذیر تھے اور عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہٗ کے مجازین بیعت میں سے تھے۔ اور ماشاءاللہ اصلاح خلق میں مصروف رہے اور طالبین کو ان سے نفع پہنچتا رہا۔ (اق۔ جنیر) اب رحلت فرما چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ (آمین) حضرت والاؒ کے صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ ان ہی سے بیعت تھے۔ (آ آ)

باوجود انتساب کے عملی غفلت شعاری میں ہی ایام گزرتے گئے۔ حتیٰ کہ ۱۳۳۹ھ (۲۱-۱۹۲۰ء) میں حضرت مرشدی پیک اجل کو لبیک کہہ کر اپنے مسترشدین کو یتیم چھوڑ کر خدا کے پاس پہنچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن. اللھم اغفرلہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ. وادخلہ جنۃ نعیم جنۃ الفردوس.

حضرت حافظ محمد صالحؒ سے بیعت کی کچھ تفصیل:

جیسا[1] کہ پہلے گزرا حضرت والاؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت آپ کے ماموں صاحب مرحوم نے شروع فرمائی تھی۔ اور پھر مدرسہ رشیدیہ نکودر میں داخل کرایا تھا۔ جس کے مہتمم حضرت حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ) تھے۔ ان ہی حضرات کی بدولت حضرت والاؒ کے ماموں صاحب کو حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کا شوق ہوا۔ چنانچہ حضرت والاؒ کو بھی ابتداء میں حضرت حافظ محمد صالح صاحبؒ سے انس ہونا قرین قیاس ہے۔ اور جیسا کہ حضرت والاؒ نے خود ذکر فرمایا 'سہولت استفادہ کی وجہ سے ابتداء میں ان ہی سے بیعت فرمائی۔' اب قبل اس کے کہ مجدد الملت حضرت تھانویؒ سے استفادہ کا ذکر کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اوّل حضرت حافظ صالح صاحبؒ اور پھر حضرت حکیم الامتؒ سے رجوع کے متعلق "نقش حیات" میں جو مختلف جگہ ذکر فرمایا ہے، اس کو یکجا بالترتیب جمع کر دیا جائے۔ چنانچہ عرض ہے:

(۱) حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ سفر دیوبند:

باب تحصیل علوم میں حضرت والاؒ کے ایک خاص اُستاذ محترم حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ حضرت والاؒ کے ایک سفر کا ذکر ان الفاظ میں گزر چکا ہے: "جب ۱۳۲۸ھ میں جلسہ ۲۷ سالہ دستار بندی[2] منعقد ہوا اور جانے کے لئے ایک وفد تیار ہوا، جس کے پیشرو قدوۃ الصالحین حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، تو مجھے بھی اس وفد کے ساتھ جانے کے لئے فرمایا۔ چنانچہ ہم سب ایک رات مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور رہے۔ دوسرے روز دیوبند پہنچ کر عالیشان جلسہ دیکھا۔"

(۲) حضرت حافظ صاحبؒ کے ساتھ کھرپڑ بتقریب نکاح برادرِ عزیز حضرت والاؒ:

یہ سفر ۱۳۳۵ھ میں ہوا، اور اس سفر میں حضرت حافظ صاحبؒ کا ایک خاص واقعہ حضرت والاؒ نے یوں ذکر فرمایا ہے: "اس سفر میں سیدی حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع اور ایثار فوق الکرامت عجیب وغریب نمایاں ہوا۔ اسٹیشن رائے ونڈ سے گاڑی بدلا کرتی تھی۔ ٹکٹ اسٹیشن پتوکی کے لئے گئے تھے اور وہیں اُترنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور سب ٹکٹ میرے پاس محفوظ تھے۔ حضرت اقدس حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر نہ کیا گیا تھا کہ پتوکی اسٹیشن پر اُترنا ہے۔ اس سے اگلا اسٹیشن واں رادھارام ذرا کھرپڑ کے قریب پڑتا تھا۔ رائے ونڈ کے اسٹیشن پر ہجوم کی بے پناہ کثرت کی وجہ سے کسی ڈبہ میں ہم

[1] آہ۔

[2] یعنی دارالعلوم دیوبند کا جلسہ

سب کو یکجا جگہ نہ مل سکی۔ اس لئے حضرت صاحبؒ کسی ڈبہ میں اور ہم دوسرے ڈبہ میں سوار ہوگئے۔ جب پتو کی اسٹیشن آیا تو ہم وہاں اُتر گئے۔ سواریاں بھی موجود تھیں۔ مگر حضرت صاحبؒ نہ اُترے۔ آوازیں بھی دیں۔ لیکن گاڑی چل دی۔ بڑی پریشانی ہوئی۔ اس کا زیادہ سبب یہ تھا کہ ٹکٹ ہمارے پاس ہیں۔ حضرتؒ کو اس کی تکلیف ہوگی۔ پھر کھریپڑ تک پہنچنے میں دقت ہوگی۔ اسی پریشانی میں کھریپڑ پہنچ کر ہم نے گھوڑی سوار کو فوراً اسٹیشن واں رادھارام بھیجا۔ وہ تلاش کرکے واپس آیا کہ نہیں ملے۔ پریشانی اور بڑھی۔ حقیقت میں حضرت صاحبؒ جب واں رادھارام اُترے تو ٹکٹ کلکٹر بابو ہندو تھا۔ آپ نے سچی بات اور صاف صاف کہہ دی۔ وہ آپؒ کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر سچا سمجھ کر اعزاز کرنے لگا۔ مگر آپ نے اس کو کوئی تکلیف نہ دی۔ بلکہ سیدھے جا کر ایک سرائے میں تھوڑی دیر آرام کیا۔ پھر علی الصبح پیادہ چل کر کھریپڑ پہنچے۔ دیکھنے سے آپ کے چہرہ مبارک پر رات کی تکلیف اور پیادہ سفر کی مشقت کا ذرہ برابر بھی اثر نہ تھا۔ بلکہ مسکراتے ہوئے اپنا واقعہ بیان فرماتے جاتے تھے۔ سبحان اللہ! اہل اللہ کی یہی شان ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ جنت الفردوس میں ان کے مراتب بلند کرے اور مقام قرب ورضا عطا فرمائے، آمین۔

انتقال حضرت حافظ صاحبؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی طرف رجوع:

حضرت والاؒ تحریر فرماتے ہیں: ''شیخ طریقت مرشدی حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی انتقال ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۱-۱۹۲۰ء) سال ہی میں ہوا[1]۔ پھر قطب العالم حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا گیا۔ پہلے مکاتبت کا سلسلہ رہا۔ پھر حضرت اقدس کی خدمت میں تین مرتبہ تھانہ بھون حاضری ہوئی اور تجدید بیعت بھی نصیب ہوئی۔''

چنانچہ اس طرح حضرت والاؒ بفضلہ تعالیٰ امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کی نسبت کے فیض بواسطہ آپ کے خلیفہ حضرت حافظ محمد صالح صاحبؒ اور حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ کی نسبت کے براہِ راست فیض کے جامع ہوئے و الحمد للہ علیٰ ذٰلک[2]۔

اشرف المجادلات و خیر المناظرات عن حکم الجمعۃ فی القریٰ:[3]

اس کے بعد حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامتؒ سے خود ان کے اِذن سے جمعہ فی القریٰ کے بارے میں جو طالب علمانہ سوالات کئے، اور حضرت حکیم الامتؒ نے جو محققانہ جواب دیئے، یہ جوابات استفادہ علمی کے علاوہ استفاضہ باطنی کو بھی شامل ہیں۔ اس لئے ان کو اسی باب کے تحت درج کیا جاتا ہے۔ یہ غالباً حضرت والاؒ کی تھانہ بھون اول دفعہ حاضری کے موقع کا واقعہ ہے۔ اور حسب ذیل پورا واقعہ حضرت والاؒ کے الفاظ[4] میں مذکور ہے:

---

[1] مو الید و وفیات کے موضوع پر حضرت والاؒ کی تحریر فرمودہ یادداشتوں میں حضرت حافظ صاحبؒ کی وفات ''۶ شوال ۱۳۳۹ھ بوقت ۱۱ بجے دن'' نیز عمر تخمیناً ''۹۰ سال'' مذکور ہے (آ آ)

[2] آ آ۔ [3] عنوان از آ آ۔

[4] البتہ کہیں کہیں کوئی لفظ سہواً ساقط ہوتا سمجھ میں آیا تو اضافہ کر دیا ہے۔ (آ آ)

''مسوّٰی و مصفّٰی شرحین موؤطا امام مالک وغیرہ رسائل کے مطالعہ سے عندالحنفیہ جمعہ فی القریٰ کا جواز سمجھ میں آیا اور تخمیناً تین سال اس پر عمل کیا۔ بلکہ ایک تحریر بھی قلمبند کی۔ اسی اثناء میں تھانہ بھون حاضری ہوئی (سفر کی تفصیل یہ ہے کہ) منڈی صادق گنج کے زمانہ قیام میں ایک دفعہ مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی کے لڑکے کے ساتھ رنگون جانے کا قصد ہوا۔ رمضان المبارک ۱۳۴۲ھ کے وسط میں ہم براستہ دہلی بمبئی گئے۔ وہاں ایک عرب صاحب جو مولانا عبدالرحیم صاحب غزنوی کے داماد بھائی تھے، ان کے پاس ایک ہفتہ تک قیام رہا۔ پھر وہاں سے متھرا ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ دو روز وہاں ٹھہر کر رنگون کو جہاز پر روانہ ہوئے۔ تیسرے یا چوتھے دن جہاز رنگون پہنچا۔ وہاں عشرہ اخیرہ رمضان المبارک اور عیدالفطر گزارے۔ واپسی میں بریلی مدرسہ اشاعت علوم میں ایک دو دن قیام کیا۔ پھر عشرہ اولیٰ شوال (۶ مئی ۱۹۲۴ء) تھانہ بھون میں حاضر ہوئے۔ حضرت والاؒ سے ملاقات ہوئی۔ شب کو میں نے حضرت والاؒ کی خدمت میں ایک خط لکھا۔ صبح اس کا جواب ملا۔ اور میرے مرض کی تشخیص کی۔ پھر جواب الجواب میں میں نے اس مرض کو تسلیم کیا۔ تو حضرت والاؒ نے دُعاء دی اور لکھا: ''جی خوش ہوا۔ لیھنک العلم والعمل۔'' پھر ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ قیام کے بعد جب واپسی کا ارادہ ہوا تو جی میں آیا کہ سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز کی خدمتِ اقدس میں اس کا ذکر کر کے تشفی حاصل کر لی جائے۔ مگر حضرت اقدس کے خداداد رُعب کی وجہ سے بالمشافہ ذکر کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اسی تردّد کی حالت میں واپسی کا پختہ ارادہ کر کے دو پہر کے وقت الوداعی مصافحہ کرنا چاہا تو خود فرمایا: ''کچھ پوچھنا تو پوچھ لینا تھا'' یہ حضرت والاؒ کی کرامت تھی۔ میں نے عرض کیا: پوچھنا تو تھا، مگر بات لمبی ہے۔ آپ کا وقت عزیز ضائع ہوگا۔ دوسرے رعب بھی مانع ہے۔ میں پوری بات نہ عرض کر سکوں گا۔ فرمایا وہ بات دین کی ہے یا دُنیا کی۔ عرض کیا، دین کی ہے۔ فرمایا پھر وقت ضائع کیسے ہوگا۔ میرا تو سارا وقت ہی دین کے لئے ہے۔ دوسری بات کا جواب فرمایا کہ آپ مرعوب بالکل نہ ہوں۔ یوں سمجھو کہ میں دیوار کے سامنے بیٹھا ہوں۔ بے فکر ہو کر اپنے شبہات بیان کرتے جایئے اور جواب سنتے جایئے۔ حضرت والاؒ کے اس شفقت آمیز لہجہ اور حوصلہ افزاء کلمات طیبات سے دل میں حوصلہ ہوا اور گفتگو شروع ہوئی، جو سوال و جواب کی صورت میں درج ذیل کی ہے:

سوال: قرآن مجید میں یا ایھا الذین آمنوا اذا نودی الخ کا خطاب عام اہلِ ایمان کو ہے۔ اس میں اہلِ قریٰ بھی مخاطب ہیں؟

جواب: اس آیت میں ''الذین'' اسم موصول عہد خارجی ہے۔ قرینہ اس پر آیت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہے۔ لہٰذا مخاطب اہلِ ایمان مصری ہیں نہ کہ قروی۔

سوال: احادیث الجمعۃ واجب علی کل مسلم الخ جمعوا حیث ما کنتم وغیرہما پیش کی گئیں۔

جواب: ہر ایک کا جواب شافی عطا فرمایا۔

سوال: مسوّیٰ و مصفّیٰ میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس گاؤں میں پچاس آدمی ہوں وہ جمعہ نہ پڑھیں تو گنہگار ہوں گے۔ تمام حضراتِ دیوبند سے حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہیں۔ چھوٹے کے مقابلہ میں بڑے کے قول پر عمل کر لینے سے سلسلہ سے بھی انسان خارج نہیں ہوتا۔

جواب: آپ نے اصول ٹھیک بیان کیا۔ مگر انطباق میں غلطی کی۔ حضراتِ دیوبند جو کچھ کہتے ہیں وہ از خود نہیں کہتے، بلکہ حضرت امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کی بات نقل کرتے ہیں۔ اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقابلہ ان حضرات کے ساتھ کیجئے اور چھوٹے کے مقابلہ میں بڑے کے قول کو ترجیح دیجئے۔

الغرض میرے تمام سوالات کے جوابات مناظرانہ رنگ میں دے کر مجھے لاجواب کر دیا۔ مگر قلب میں شرح صدر نہ ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ شبہات تو بحمد اللہ دور ہو گئے، مگر ابھی شرح صدر نہیں ہوا۔ آپ نے فوراً فرمایا دیکھو آپ نے کنز وغیرہ میں یہ جزئیہ پڑھایا ہوگا کہ اگر مصری تندرست جس پر باتفاق ائمہ حنفیہ جمعہ فرض ہے، اپنے گھر میں ظہر پڑھ لے اور یہ گمان کرے کہ جامع مسجد میں جمعہ ہو چکا ہوگا تو تمام ائمہ حنفیہ کے نزدیک فرض وقتی ساقط ہو جاتا ہے۔ اور جہاں ائمہ حنفیہ میں سے کسی کے نزدیک بھی جمعہ ادا نہیں ہوتا جیسے قریٰ صغریٰ تو وہاں ظہر پڑھ لینے سے کیوں فرض وقتی ساقط نہ ہوگا۔

پتہ نہیں یہ کس دل اور کس طرح سے ادا فرمایا تھا کہ فوراً دل صاف ہو گیا اور شرح صدر ہو گیا۔ عرض کیا کہ الحمد للہ شرح صدر بھی حاصل ہو گیا۔ اب جتنے جمعہ قریٰ میں پڑھے ہیں حساب لگا کر ظہر قضا کر لوں گا۔ ارشاد فرمایا کہ فی ماہ ۵ جمعہ کا حساب لگانا، کیونکہ کسی ماہ میں ۵ جمعہ بھی آ جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ بندہ نے رمضان ۱۳۴۳ھ (مارچ ۱۹۲۵ء) میں گاؤں پہنچ کر مسجد میں اعلان کر دیا کہ مجھے تحقیق ہو گئی ہے۔ میں جمعہ نہیں پڑھا کروں گا۔ جن لوگوں نے میری وجہ سے جمعہ شروع کیا ہو وہ چھوڑ دیں۔ ورنہ مجھ پر بار نہ ہوگا۔ پھر حساب لگا کر ظہر کی نمازیں قضا کر لیں۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**۔"

اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ سے بیعت ہونے، اجازت بیعت و تلقین ملنے، مکرر بیعت ہونے اور دیگر واقعات کے مختلف نوٹ حضرت والاؒ کے تحریر فرمودہ یکجا نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ سے اجازت بیعت و تلقین اور اس سے قبل تجدید بیعت:

''اسی اثناء میں قبلۂ عالم قطب الارشاد والتکوین حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز سے بیعت و تلقین کی اجازت مورخہ ۱۷ رجب المرجب ۱۳۴۷ھ (۳۰ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو بمقام خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ میں عطا ہوئی۔ اور اس سے قبل ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (یکم جولائی ۱۹۲۵ء) میں بعد نماز مغرب کے چاروں سلسلوں میں تجدید بیعت فرمایا۔''

تھانہ بھون حاضری اور اعتکاف:

''اسی اثناء میں چھ مرتبہ تھانہ بھون جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ایک مرتبہ وہاں عشرۂ اخیرہ رمضان المبارک کا اعتکاف بھی کیا۔''

حضور علیہ ﷺ کے جلال آباد والے جبہ شریف کی زیارت اور مکرّر بیعت:

''مورخہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۷ مئی ۱۹۳۹ء کو تھانہ بھون شریف کے قیام کے زمانہ میں جلال آباد والا جبہ شریف آنحضرت ﷺ کا تھانہ بھون میں گیا۔ اس کے محافظ مسجد حوض والی میں قیام پذیر تھے۔ باجازت حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ بمعہ حضرت والاؒ مسجد حوض والی میں احقر کو ایک روز جبہ شریف کی زیارت نصیب ہوئی۔ پھر اسی مسجد میں چند آدمیوں کو حضرت اقدسؒ نے بیعت فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ تو ہم خدام نے بھی عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم بھی مکرّر بیعت کا شرف حاصل کرلیں۔ اس وقت حضرت والاؒ نے حاضرین کو عام اجازت فرمادی۔ اس وقت واقفین میں حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری اور ان کے لڑکے مولوی عبیداللہ صاحب اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی اور احقر یاد ہیں کہ موجود تھے۔ سب نے مکرّر بیعت کا شرف حاصل کیا۔''

دماغ چرالینے کا عجیب دعویٰ:

''مورخہ ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۴۰ء میں اس مقدمہ کی پہلی تاریخ تھی جو مولوی صادق علی سکنہ بستی غذان نے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین علی صاحب سکنہ واں بھچراں پر دائر کیا تھا کہ میرا دماغ مولانا حسین علی صاحب نے چُرالیا ہے۔ اور مولانا تھانوی کو معلوم ہے۔ یہ واپس لے کر مجھے دے سکتے ہیں۔ مگر واپس نہیں دیتے۔ مجھے علاج کرانے میں کافی رقم خرچ ہوئی ہے۔ مجھے یک صدروپیہ ان سے لے کر دیا جائے۔ جب اس کا نوٹس تھانہ بھون پہنچا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (نے) اس کی نقل لے کر بلا وصول کئے وہ نوٹس واپس کردیا۔ اور وہ نقل میرے پاس بھیج کر فرمایا کہ یہ شخص پیسے کا بھوکا ہے۔ اس کو ایک سو روپیہ دے دیا جائے۔ میں نے وکلاء سے مشورہ لیا۔ سب نے کہا کہ ہرگز روپے نہ دیئے جائیں۔ البتہ نوٹس کا جواب دے دیا جائے۔ اور حضرت والاؒ سے مختار نامہ لے کر خود پیش ہو جائیں۔ چنانچہ جالندھر کے وکلاء شیخ محمد شریف صاحب وکیل اور مولوی پیر محمد صاحب مختار نامہ کا مسودہ تیار کرا کر بندہ بقصد تھانہ بھون پہلے سہارن پور مولوی منفعت علی صاحب وکیل سے ملا۔ اور ان سے مختار نامہ تصدیق کرا کر تھانہ بھون حاضر ہوا۔ کہنے سننے سے حضرت والاؒ نے مختار نامہ پر دستخط فرمادیئے اور فرمایا کہ اس پر جو کچھ خرچ آئے گا، میں خود ادا کروں گا۔ اور مبلغ ۲۵ روپیہ مجھے دیئے۔ ایک دو پیشی میں وہ مقدمہ خارج ہوگیا۔ اور تین چار روپے خرچ کے کاٹ کر باقی تھانہ بھون واپس کردیئے۔ یعنی ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ء (۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۵۹ھ) میں اس مقدمہ کا فیصلہ بصورت خارج ہونے کے لاہور میں ہوگیا۔''

حضرت والاؒ کے قلم مبارک سے تحریر شدہ تحصیل سلوک وتصوف کا تذکرہ شروع ہوا تھا۔ درمیان میں حضرت والاؒ کے تحریر فرمودہ بعض واقعات آپ کے شیخ اوّل حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آئے۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق واستفادہ اور تھانہ بھون حاضری وغیرہ کے حالات مع بعض دیگر واقعات کے مذکور ہوئے۔ اب پھر بالترتیب حضرت والاؒ کے قلم سے تحصیل سلوک وتصوف کا باقی اور اہم حصہ خصوصاً حضرت حکیم الامتؒ سے تعلق کا، نیز تھانہ بھون حاضری کا مسلسل تاریخ وار تذکرہ نقل کیا جاتا ہے۔

''قطب الارشاد والتکوین حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز سے استفادہ:

پھر ایک عرصہ تک یہی غفلت وبے حسی کا عالم رہا۔ البتہ کبھی کبھی انگاری طلب کی سلگتی رہی۔

ع: ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم بازچوں فردا شود امروز را فردا کنم

آخر ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) کے اواخر میں لطیفہ غیبی نے ندا دی۔

ع: قال را بگذار ومرد حال شو پیش مرد کاملے پامال شو

قطب العالم مخدومنا ومرشدنا حکیم الامت مجدد الملت حضرت شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کی طرف قلبی میلان وتقاضا پیدا ہوا۔ اور مکاتبت کا سلسلہ شروع کیا۔ بعدہٗ حاضری تھانہ بھون کا سلسلہ شروع ہوا۔ غالباً پہلی حاضری اس وقت ہوئی جبکہ میں سفر رنگون سے واپس آیا تھا۔ تمام حاضریوں کی صحیح تعداد اور تاریخیں تو یاد نہیں رہیں۔ البتہ جتنی یاد ہیں ان کو تاریخ وار ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اصل یادداشت کا ذریعہ وہ کاغذات اور حضرت والاؒ کے خطوط اور مکاتیب تھے جو مشرقی پنجاب کے فسادات ۱۹۴۷ء (۱۳۶۶ھ) میں تمام یادداشتیں جالندھر میں رہ گئیں۔ حضرت اقدس کے مکاتیب وخطوط کے گم ہونے کا صدمہ دل پر بہت ہے اور مرتے دم تک باقی رہے گا۔ علاوہ اس کے کہ وہ ذخیرۂ علوم ومعارف کا بحر مواج تھا۔ میرے پاس نجات اُخروی کا بھی وہی ذریعہ تھا۔ ورنہ اعمال صالحہ کا پلہ ہمیشہ خالی رہا۔ اور اب جبکہ دنیا سے سفر کا وقت قریب آگیا ہے، بالکل ہی اعمال صفر ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل پر ہی بھروسہ ہے کہ وہ بزرگوں کی نظر شفقت کے طفیل شاید مراحم خسروانہ فرماویں۔

ای اللہ بجوائے حدیث المرأ مع من احب

قیامت کے فیصلہ کے وقت توفنی مسلمًا والحقنی بالصالحین، آمین ثم آمین، ثم آمین۔

حاضری تھانہ بھون شریف:

(۱) پہلی حاضری شوال ۱۳۴۲ھ (مئی ۱۹۲۴ء) کے اوائل میں ہوئی، اور قیام ایک ہفتہ رہا۔ مقیمین کو اس وقت مکاتبت کی اجازت تھی۔ چنانچہ پہلا خط لکھ کر اپنا حال عرض کیا گیا، تو حضرت والاؒ نے مجھ میں تکبر تشخیص کر کے اس مرض کا علاج شروع

فرمایا۔ میں نے دوسرے خط میں تشخیص و تجویز دونوں کو تسلیم کیا۔ تو حضرت والاؒ نے جواب میں جو الفاظ تحریر فرمائے، وہ اب تک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فرمایا: ''بہت جی خوش ہوا۔ ھنیًا لک العلم و العمل۔''

(۲) ۲۱ شعبان ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۸ مارچ ۱۹۲۵ء، مدت قیام ۸ یوم

(۳) ۴ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ مطابق ۲۶ جون ۱۹۲۵ء، مدت قیام ۸ یوم

(۴) ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۰ جون ۱۹۲۶ء۔ مدت قیام ۵ یوم

(۵) ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۷ نومبر ۱۹۲۶ء۔ مدت قیام ۷ یوم

(۶) ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ (۹ جون ۱۹۲۶ء) مدت قیام ۵ یوم

(۷) ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ (۱۲ مارچ ۱۹۲۸ء) مدت قیام ۹ یوم

(۸) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ (۱۱/ اکتوبر ۱۹۲۸ء) مدت قیام ایک یوم

(۹) ۱۵ رجب ۱۳۴۷ھ (۲۸ دسمبر ۱۹۲۸ء) مدت قیام ۶ یوم

(۱۰) ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ (۲۸ فروری ۱۹۲۹ء) مدت قیام ۱۳ یوم، اعتکاف عشرہ اخیرہ

(۱۱) ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ (۱۸ مئی ۲۹ء)، مدت قیام ۵ یوم

(۱۲) ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ (۲۵ فروری ۱۹۳۰ء) مدت قیام ۶ یوم

(۱۳) ۸ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ (۷ مئی ۱۹۳۰ء) مدت قیام ۵ یوم

(۱۴) ۷ صفر ۱۳۴۹ھ (۴ جولائی ۱۹۳۰ء) مدت قیام ۳ یوم۔ اس سفر میں برادرم عزیز مولوی غلام محمد مرحوم بھی ہمراہ تھے۔

(۱۵) ۳ شعبان ۱۳۴۹ھ (۲۴ دسمبر ۱۹۳۰ء) مدت قیام ۵ یوم

(۱۶) ۴ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ (۲ مئی ۱۹۴۱ء) مدت قیام ۵ یوم

(۱۷) ۲۰ شعبان ۱۳۶۱ھ (۲ ستمبر ۱۹۴۲ء) مدت قیام ۷ یوم

(۱۸) ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ (یکم مئی ۱۹۴۳ء) مدت قیام ۵ یوم

(۱۹) ۱۷ رجب ۱۳۶۲ھ (۲۱ جولائی ۱۹۴۳ء) مدت قیام ۳ یوم

نوٹ: آخری مرتبہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد دوسرے روز جانا ہوا۔ اس لئے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء ۱۱ بجے شب منگل ہوا۔ اِنا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔''

تجدید بیعت طریقت:

اس کا تذکرہ حضرت والاؒ نے اس طرح فرمایا ہے: ''پہلے بیعت مرشدی حضرت حافظ محمد صالح صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کی ہوئی تھی۔ اس لئے سیدنا و مرشدنا حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز نے ابتداء میں بیعت کرنے سے

انکار فرمادیا تھا۔ فرمایا کہ سلسلہ قائم ہے، ضرورت نہیں۔ دراصل حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دستور ہے کہ ابتداء میں بیعت نہیں فرمایا کرتے، بلکہ مناسبت ہونے کے بعد بیعت فرماتے ہیں۔ ایک سال بعد تجدید بیعت کی درخواست کی گئی تو قبول فرما کر فرمایا کہ: یہ پرچہ میں اپنے پاس رکھتا ہوں۔ بعد مغرب کے میں خود بلالوں گا۔ چنانچہ مورخہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (۷ر جولائی ۱۹۲۵ء) کو بعد نماز مغرب لیلۃ العید الاضحیٰ میں مسجد خانقاہ امدادیہ میں چاروں سلسلوں (چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ، سہروردیہ) میں بیعت سے دست بدست مشرف فرمایا۔'' (نقش)

حضرت حکیم الامتؒ سے شرف بیعت[1]:

اس طرح حضرت والاؒ کو حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ سے بیعت کا شرف حاصل ہوگیا، جو بلاشبہ اس صدی[2] کے مجدد تھے۔ ٹھیک چودھویں صدی کے آغاز ۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر خدمت دین اور اصلاحِ خلق میں مصرف ہوگئے۔ اور ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ جولائی ۱۹۴۳ء اِس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن. دین کا کوئی ایسا شعبہ یا گوشہ باقی نہیں چھوڑا جس پر آپ نے اپنی گراں قدر تصانیف نہ چھوڑی ہوں۔ یہ موقع آپ کے تعارف کا نہیں، بلکہ آپ کی ذاتِ گرامی تعارف کی محتاج بھی نہیں۔ پاک و ہند تو کیا پورے عالم اسلام میں مثل آفتاب و ماہتاب کے مشہور ہیں۔ آپ کی مفصل سوانح آپ کے خلیفہ خاص عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ نے آپ کی حیاتِ طیبہ میں ''اشرف السوانح'' کے نام سے تین جلدوں میں اور پھر اس کا تکملہ بعد وفات حضرت حکیم الامت تھانویؒ چوتھی جلد ''خاتمۃ السوانح'' میں تحریر فرمایا، جس میں وفات کے حالات تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹی بڑی متعدد سوانح عمریاں لکھی گئیں، جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: ''حیاتِ اشرف[3]'' از ڈاکٹر غلام محمد صاحب، ''سیرت اشرف'' از منشی عبدالرحمٰن خان ملتانی مرحوم، ''تلخیص اشرف السوانح'' از مولانا نور احمد صاحب اکیابی مرحوم، ''ترجمۃ المصنف''، ''امداد المتقین'' از حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ، ''جامع المجد دین'' از حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ، ''آثارِ علمیہ'' از حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، ''حیاتِ اشرف'' از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ۔ خود اس ناچیز نے چھوٹے بچوں کے لئے مختصر سوانح ''ترجمۃ المصنف جمال القرآن'' کے نام سے قلم بند کی ہے۔

نو تعلیم یافتہ حضرات کے لئے عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بصائر حکیم الامتؒ'' میں جو حضرت حکیم الامتؒ کا مختصر تعارف کرایا ہے وہ کافی شافی ہے۔ یہاں جی چاہتا ہے حضرت رمزی اٹاوی کی نظم ملقب بہ سفیر غیب نقل کردوں، جو انہوں نے حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد تحریر فرمائی تھی۔ یہ گویا حضرت حکیم الامتؒ کی مختصر

---

[1] بقلم جناب ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہ

[2] یعنی جو صدی ۱۴۰۰ھ کے اختتام پر ختم ہوئی۔

[3] غالباً یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔ مگر اس کا ذکر حضرت مولانا عثمانیؒ کی خودنوشت سوانح ''انوار النظر فی آثار الظفر'' میں ہے۔ (بروایت ا۔ق)

زین سوانح ہے۔

ناچیز نے جابجا کچھ عنوانات بھی لگادیے ہیں۔

”سفیرِ“ ”غیب“

حضرت حکیم الامتؒ نے ساری زندگی اصلاحِ اُمت میں بسر کی:

نہ جانے کیا اچانک موج آئی اس کی رحمت کو — اُٹھا کر لے گئی آغوش میں جبریلِ طلعت کو
اسی ماحول میں گم ہوگیا ہنستا ہوا تارا — سوادِ اعظم اسلام کا رخشندہ مہ پارا
وہ تارا جو رہا ملفوف احرام قیادت میں — گزاری جس نے اپنی زندگی اصلاحِ اُمت میں
بڑھاپے کا تو کیا کہنا مجسم آرزو ہوکر — خدا سے ہوگیا واصل خدا کی جستجو ہوکر
یہ تیری خانقاہ پاک نور حق کا مینارہ — حقیقت جس میں روشن ہے تجلّی جس میں آوارہ
اُبلتا دیکھتا ہوں کوثر عرفاں کا فوارہ — نظر کو بخشتا ہے دولت انوار نظارہ
یہ تیری سہ دری ہے جس کو طاق معرفت کہیے — یقیناً تربیت گاہ مذاق معرفت کہیے
حکیم ایشیا کہیے تجھے یا عارفِ مشرق — عجم سے تا حرم ہر سو ہے تیرا شہر ناطق

حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ حسنہ کی تاثیر:

تیری تقریر کیا ہوتی تھی کشف سامعہ کہیے — تجھے اسلام کا اک چلتا پھرتا جامعہ کہیے
وہ دولت لے کر اُٹھتے تھے جو تیرا وعظ سنتے تھے — بغیر ساز و نغمہ وجد میں سر اپنا دُھنتے تھے
اُجالا اس طرح کرتا تھا پیدا ذہن فاسق میں — سپیدہ جیسے اُگتا ہو ریاض صبح صادق میں

رسوم جہالت وبدعت مٹانے میں حضرت حکیم الامتؒ کی کامیابی:

اس اُمت کے قدم نارفتنی راہوں سے روکے ہیں — کہ جن راہوں میں پوشیدہ جہنم زار ہوتے ہیں
دماغ جہل سے خارج کیا بے ہودہ رسموں کو — کچل ڈالا تمدن کے شرر انگیز جلوؤں کو
اُٹھا دی یک قلم ملت کی وہ رسمی رواداری — سمجھ رکھا تھا دنیا نے جسے رازِ وفاداری
مُمیز کردیا ناموسِ اکبر سے زوائد کو — روایاتی عناصر ، اجنبی باطل عقائد کو
اُجاگر کر دکھایا دینِ فطرت کا پسِ منظر — مکدّر ہوچکا تھا روغنِ اوہام سے یکسر

حضرت حکیم الامتؒ نے دین کی حقیقی تمثال کو پیش کیا:

رُخِ اسلام کو حقانیت کی دھوپ میں دیکھا — اسے تیری بدولت آسمانی روپ میں دیکھا
سبق تو نے دیا ہم کو محمد ﷺ کی اطاعت کا — خلوص آمیز عظمت اور سنجیدہ محبت کا
دل تاریک روشن کردیئے تیری نگاہوں نے — در توبہ پہ رکھ دی اپنی پیشانی گناہوں نے

حضرت حکیم الامتؒ کی خانقاہی خدمات کا اجمالی خاکہ:

سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو — جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو
سوادِ آزرستاں سے اندھیرے کو مٹا ڈالا — صنم زارِ دوآبہ کو خلیلستاں بنا ڈالا

حضرت حکیم الامتؒ کی دینی خدمات:

نئے فتنے اُٹھے اور اُٹھ کے تفسیریں بدل ڈالیں — مگر تو نے مسلمانوں کی تقدیریں بدل ڈالیں
سیاہ کاری نے جب بھی پاؤں پھیلائے بغاوت کے — خدا نے غیب سے بھیجے سفیر اپنی ہدایت کے

حضرت حکیم الامتؒ کے چند اوصافِ حمیدہ:

چنانچہ حجۃ اللہ بن کر آیا تو زمانے میں — پیامِ رُشد پوشیدہ تھا تیرے تازیانے میں
ملی تھی تجھ کو مشکوٰۃِ نبوت سے درخشانی — سلیقہ تیرا قدوسی فراست تیری نورانی[1]
تیری تہذیب اسلامی تیرا کلچر مسلمانی — ڈسپلن سے تیرے اغیار کو ہے سخت حیرانی
سیاست تیری فاروقی ہدایت تیری لقمانی — تیری کل زندگی مجموعہ کردار روحانی
محقق، مجتہد، عالم، محدث، حافظ و قاری — بایں اوصاف شہرت سے بری اظہار عاری
تواضع، سادگی، مردانگی، زُہد و وفا کیشی — محمد ﷺ کے مشن کا ترجمہ تھی تیری پالیسی

حضرت تھانویؒ کا عشق رسول:

نچھاور روح کرتا تھا نشانِ پائے احمد پر — تصور اُڑتا رہتا تھا ہمیشہ سبز گنبد پر

اتباعِ سنت واصلاحِ اُمت:

قدم راہِ نبی میں اور پنجہ نبضِ اُمت پر — حکیمانہ نظر رہتی تھی بسط و قبضِ اُمت پر

---

[1] اصل میں نورانی ہی ہے۔ لیکن ایمانی اس سے بھی زیادہ موزوں سمجھ میں آتا ہے۔ اق نے (ایمانی) لکھا ہے۔ (آ آ)

حضرتؒ کی زندگی کا نصب العین:

تیرے سر پر بحمداللہ اکلیل[۱] سعادت تھا — تیرا مقصد کمالاتِ نبوت کی اشاعت تھا
تیرا غیور جذبہ صورت فولاد محکم تھا — تیرے پیکر میں روشن شعلہ فاروق اعظمؓ تھا

کمالِ فراست:

نظر چہرے سے پڑھ لیتی تھی کیفیاتِ پنہانی — بصیرت کو نظر آتا تھا مد و جزر انسانی

حضرت کی تحریر میں اثر اور برکت:

کمندیں پھینکتی تھیں اہرمن[۲] پہ تیری تدبیریں — علاج معصیت ثابت ہوئیں اکسیر تحریریں

استغناء اور توکل:

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکّے کی جھنکاریں — تیرے دست توکل میں تھیں استغناء کی تلواریں

کامل اتباع سنت:

کتاب زندگی کا ہر ورق تصویر سنت ہے — تیری ہر نقل و حرکت نقشہ تدبیر سنت ہے

صحابی کا نمونہ:

شرف تجھ کو ملا بزم ولا کی باریابی کا — صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

حضرتؒ حقیقی مومن تھے:

تیرے پہلو میں نفس مطمئنہ کھلکھلاتا تھا — یقین تار نفس پر نغمہ توحید گاتا تھا
دماغ و دل ترے مومن یہی کیا ہر ادا مومن — خدا کے ساتھ تیرا رشتہ عشق و وفا مومن

حاضر جوابی اور بذلہ سنجی:

تری حاضر جوابی سے ہر اِک مسرور ہوتا تھا — ترا سادہ سا فقرہ مصرعہ منشور ہوتا تھا

کمالِ تحقیق:

تیری تحقیق کے جھنڈے سرِ افلاک لہرائے — جہاں سائنس کا ذہن رسا جانے سے لنگڑائے

---

[۱] تاج۔(۱۲ع)
[۲] شیطان۔(۱۲ع)

فیض یافتہ امدادؒ و محبوب تلمیذ رشیدؒ، یعقوبؒ:

بفیضِ پرتو امداد حق ہر فن میں کامل تھا — نہ کیوں ہوتا کہ آخر دیدہ یعقوب کامل تھا
تو شاگرد رشید ایسا کہ اُستاد جہاں نکلا — زمین ہند کا ذرہ، چراغِ آسماں نکلا

صدقاتِ جاریہ:

کسے گنجائش شک ہے مبارک کامرانی میں — کہ اِک دنیائے ہو چھوڑی ہے اس دنیائے فانی میں
ترے انجام برتر کا پتہ آغاز دیتا تھا — ترا مستقبل تاباں تجھے آواز دیتا تھا[1]

ذخیرہ ملفوظات و مواعظ:

مقدس اسپرٹ کے جوہر و جذبات دیکھے ہیں — صحیفے تیرے خطبے اور ملفوظات دیکھے ہیں
کسی میں فلسفہ منطق، کسی میں نورِ حکمت ہے — ذخیرہ علم دیں کا گنج اسرار نبوت ہے
ترے حکمت بھرے نسخوں سے بوئے علم آتی ہے — فضائے روح میں جو نور بن کر پھیل جاتی ہے
جنہیں پڑھنے سے عقبیٰ کے چمن کی یاد آتی ہے — اسی دارالبقاء سچے وطن کی یاد آتی ہے
مطالب جن کے قاری کو غذائے فکر دیتے ہیں — تغافل کیش روحوں کو پیامِ فکر دیتے ہیں

فوائد مطالعہ ملفوظات:

حریم دل کے میلے آئینے خود دُھلتے جاتے ہیں — حجابات اُٹھتے جاتے ہیں دریچے کھلتے جاتے ہیں

تصنیفی خدمات:

مرقّع ہے حدیثوں کا الٰہیات کا دفتر — ہمارے واسطے چھوڑا ہے کیا پاکیزہ لٹریچر
تو میدانِ صحافت میں بھی سبقت لے گیا سب پر — کہ نو سو تک پہنچ جاتا ہے تصنیفات کا نمبر
لکھے گا وقت آبِ زر سے تیرے کارناموں کو — مسلماں حفظ کرلیں کاش ان زرّیں پیاموں کو

تبلیغی خدمات:

جو سچ پوچھو جہاں میں قطب ارشادِ ہدایت تھا — تیرے تبلیغ کے ہاتھوں میں فانوسِ ہدایت تھا
تریسٹھ سال تک تو نے ہمیں تبلیغ فرمائی — یہی وہ عمر تھی جو سرورِ کونین ﷺ نے پائی

---

[1] عنوانات کی مناسبت سے قریشی صاحب نے اس کے بعد کے دو اشعار تفصیلی خدمات کے تحت درج فرمائے ہیں نیز اور اشعار کی ترتیب میں بھی حسب عنوان کچھ رد و بدل کیا ہے۔(۱۲)

آپؒ کے اوصاف کا بیان ناممکن ہے:

یہ رمزی بے بصیرت ہے تیرے رُتبے کو کیا جانے
جو ہم رُتبہ ہو تیرا وہ تیرے اوصاف پہچانے
یہ خدام شریعت ہیں جو مانند پیمبر ہیں
وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے سمندر ہیں

اہل اللہ کے آثار مٹ نہیں سکتے:

جہاں سے نقش مٹ سکتا نہیں اللہ والوں کا
یہ تیرا مرثیہ کیا ہے قصیدہ ہے کمالوں کا
تری تعریف سے تعریف ربانی عبارت ہے
کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کی ہی امانت ہے
عقیدت نے جسے لکھا ہے قرطاسِ محبت پر
جسے بے تابیاں پڑھتی ہیں خلوت میں بچشم تر
کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

عود الیٰ موضوع البیعۃ:

غرضیکہ تذکرہ حضرت حکیم الامتؒ سے حضرت والاؒ کے بیعت ہونے کا تھا۔ بیعت کے بعد حضرت حکیم الامتؒ کی توجہ زیادہ ہو کر حضرت والاؒ کے روز بروز نمایاں ترقی محسوس ہوتی گئی۔ چنانچہ حضرت والاؒ خود فرماتے ہیں:

''اسی روز سے حضرت والاؒ کی طرف سے شفقت اور نظر عطوفت اور ظاہری و باطنی تربیت میں اضعافاً مضاعفہ نمایاں ہونے لگی۔ اور خط و کتابت اور آمدورفت میں بھی ترقی ہوئی۔ بلکہ ذوق و شوق روزمرہ ترقی پذیر ہوتا چلا گیا۔''

''حصولِ اجازت بیعت و تلقین'':

''یہاں تک کہ میرے ایک عریضہ کے جواب میں مورخہ ۱۷رجب المرجب ۱۳۴۷ھ (۳۰ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو بوقت قیام احقر در خانقاہ اشرفیہ امدادیہ اس خاک پائے اہل اللہ سراپا گناہ کو بیعت و تلقین کی اجازت عطا فرمائی۔ اور الفاظ ذیل لکھ کر مجھے اطلاع دی:''

''بشارت ناشیہ از ذوق''

''اب کی بار شروع ہی دن سے ذوقاً مجھ کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ پر خدا تعالیٰ کا وہ فضل شروع ہو گیا جو خواص پر ہوتا ہے۔ اور جن احوال کی مجھ کو احباب سے تمنا ہوتی ہے، ان کی جھلک محسوس ہونے لگی۔ خصوص کل کے دن سے۔ اور اس بناء پر بتوقع زیادت رسوخ شب سے قلب پر یہ تقاضا تھا کہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دے دوں۔ اس رقعہ سے میرے خیال کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس رقعہ میں جو حالات آپ نے لکھے ہیں، یہ سب آثار ہیں فناء کے۔ جو اس طریق کا ایک اعتبار سے اول قدم بھی ہے اور ایک اعتبار سے آخر قدم بھی۔ پس اس خیال کی صحت کے بعد توکل علی اللہ اپنے اس تقاضا کو

ل آلہ

پورا کرتا ہوں اور بنام خدا تعالیٰ آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ اس میں برکت ہوگی۔ عذر اور تواضع نہ فرمائیں۔ اور اپنے خاص محبین سے اس کا اظہار بھی فرمادیں۔ اور چونکہ میں ان واقعات کو اپنی یادداشت میں تحریر محفوظ بھی رکھتا ہوں، اس لئے مجھ کو اپنا پتہ ڈاک کا لکھ کردے دیں۔ میں اپنے پاس محفوظ رکھوں گا۔ اور موقع پر شائع کروں گا۔

اشرف علی انتہیٰ، ۱۷رجب ۴۷ھ'' (۳۰-۱۲-۲۸ء)

غایت[1] تواضع کے سبب حضرت والاؒ کا اجازت بیعت وتلقین سے مؤدبانہ اظہار عذر:

''میں نے حسب الحکم اپنا پتہ تو دے دیا، مگر اس اطلاع پر بے انتہا ندامت بلکہ اس قدر حیرت ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضرت والاؒ نے یہ بارِ گراں میری گردن پر کیسے رکھ دیا۔ میں اس کو برداشت نہیں کرسکوں گا۔ اور مجھے اس کی سمجھ بھی نہیں۔ اور مجھ میں اس کی اہلیت بھی نہیں۔ میں کہاں اور یہ بارِ گراں کہاں۔ میں انہی خیالات وتردّدات میں تھا کہ حضرت والاؒ نے خانقاہِ امدادیہ کے ترجمان ماہنامہ رسالہ ''الامداد'' ص۱۹ پر اس اجازت کو شائع فرما کر ۱۷رجب ۴۷ھ کے والا نامہ میں احقر کو اطلاع فرمادی۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی خطوط سے اجازت ملنے کا کچھ ہلکا سا خطرہ گزرا تھا، اس لئے میں نے ۱۸ رجب ۱۳۴۷ھ کو حضرت والاؒ کی خدمت میں ایک شبہ اشرافِ نفس کا عرض کیا۔ اصل مقصود اس سے عذر کرنا تھا۔ حضرت والاؒ نے محققانہ طرز پر جواب عنایت فرمایا۔ یہ شبہ اور اس کا جواب دونوں بعنوان حال وتحقیق ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:''

اس کا محققانہ جواب:

حال[2]: ''ایک شبہ یہ بھی ہے کہ قبل از وقت اجازت کا خیال دل میں آنا شعبہ اشرافِ نفس کہیں نہ ہو۔ اس سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔''

تحقیق: ''اشرافِ نفس اس وقت ہوتا کہ اگر اجازت نہ ملتی تو کلفت ہوتی۔ اور یہ واقع نہیں۔ اس لئے اشراف نہیں۔ بلکہ بنعمتہ تعالیٰ دلیل ہے تناسبِ باطنی کی، کہ جو میرے دل میں آیا اس کا اثر آپ کے دل پر پڑ گیا۔ کیونکہ اجمالاً میرے قلب میں پہلے ہی سے تھا۔ یہ دوسری نعمت ہے، جس پر شکر کرنا چاہئے۔ (انتہیٰ)''

تائید: حسنِ اتفاق سے اسی شب مولانا مولوی احمد بخش صاحب صدر مدرّس مدرسہ فیض محمدی جالندھر کو جالندھر میں خواب نظر آیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جالندھر میں تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب تعبیر کے لئے لکھ کر میرے پاس تھانہ بھون بھیجا۔ چونکہ اس تعبیر کا تعلق بظاہر مجھ سے نظر آتا تھا، اس لئے اس کے بیان سے مجھے شرم آئی۔ کسی سے بھی ذکر نہ کیا۔''

---

[1] ذیلی عنوان از ا۔ق۔

[2] ذیلی عنوان از ا۔ق۔

خطبہ وطریق بیعت:

''میں نے اپنی کوتاہیوں اور جہالتوں پر نظر کر کے حضرت والاؒ کی خدمت اقدس میں عریضہ لکھا کہ مجھے خطبہ اور طریق بیعت محفوظ نہیں رہا۔ اپنی زبان مبارک سے مجھے املاء کرا دیا جائے۔ جواباً فرمایا کہ مغرب کے بعد میری سہ دری میں آ کر املاء کرلیا جائے۔ چنانچہ بعد نماز مغرب کے مورخہ ۱۸ رجب ۴۷ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۲۸ء) کو سہ دری میں حضرت اقدس مرشدنا وہادینا حکیم الامت تھانوی قدس سرہ العزیز نے لالٹین کی روشنی میں خطبہ اور اخذ بیعت کا طریق حسب ذیل املاء فرمایا:

الحمد للّٰہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہٗ ونؤمن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ. ونشھد ان لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ ونشھد ان محمّدًا عبدہٗ ورسولہ. صلی اللّٰہ علیہ وعلٰی آلہ وصحبہٖ وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا. اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. یٰاَیھا الذین آمنوا اتقواللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلّکم تفلحون (پ۶، مائدہ) یٰاَیھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ وکونوا مع الصادقین (پ۱۱،توبہ) ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ. یداللّٰہ فوق ایدیھم. فمن نکث فانما ینکث علٰی نفسہ ومن اوفٰی بما عاھد علیہ اللّٰہ فسیؤتیہ اجرًا عظیمًا. (پ۲۶،فتح)

(یٰاَیھا النبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علٰی ان لا یشرکن باللّٰہ شیئًا ولا یسرق ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یأتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروفٍ فبایعھن واستغفر لھن اللّٰہ. ان اللّٰہ غفورٌ رَّحیم. (پ۲۸، ممتحنہ)

توبہ کرتا ہوں کفر سے، شرک سے، بدعت سے اور سب چھوٹے بڑے گناہوں سے اور ایمان لاتا ہوں اللہ پاک اور اس کے سچے رسول پر لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ﷺ. اور عہد کرتا ہوں کہ پانچوں وقت نماز پڑھوں گا، اور رمضان شریف کے روزے رکھوں گا۔ اگر مال ہوگا تو زکوٰۃ دوں گا۔ اگر زیادہ گنجائش ہوگی تو حج کروں گا۔ اور اللہ ورسولؐ کے سب حکموں کو جہاں تک ہو سکے گا، بجالاؤں گا۔ اور جن چیزوں سے اللہ اور رسولؐ نے منع فرمایا ہے، جہاں تک ہو سکے گا ان سے بچوں گا۔ اگر کوئی خطا ہو جائے گی تو فوراً توبہ کرلوں گا۔ توبہ کرتا ہوں اور بیعت ہوتا ہوں چاروں سلسلوں میں چشتیہ اور قادریہ اور نقشبندیہ اور سہروردیہ میں۔ اے اللہ! ان سب خاندانوں کی برکت ہم کو نصیب کر اور قیامت میں ان بزرگوں کے ساتھ اُٹھا۔ آمین یارب العالمین۔ پھر رفع ایدی کے ساتھ دُعاء کی جائے۔

طریق اصلاحِ باطن:[1]

پھر ارشاد فرمایا: طالب کو قصد السبیل کا مکرر مطالعہ کرایا جائے۔ حقیقت سلوک (اصلاح واستقامت علی الاعمال)

[1] ذیلی عنوان از ا۔ق۔

اور غایت سلوک (رضاء الٰہی) ذہن نشین کرائی جائیں۔مثلاً معالجہ غضب میں استفسار کیا جائے، کہ سورۃ طبع (تیزیٔ طبع) (جو غیر اختیاری) ہے، یا اس کے مقتضاء پر عمل (جو اختیاری) ہے۔اوّل پر کوئی مواخذہ نہیں، پھر فکر کیا۔ثانی کا ترک بھی اختیاری ہے۔ہمت سے کام لینا چاہئے۔یہ تو ضابطہ کا جواب ہے۔البتہ طریق تسہیل (گو یہ غیر لازم علی الشیخ ہے) یہ ہے کہ ایسے وقت میں قوت وعقاب الٰہی کا استحضار رکھے، یا قلب کو کسی دوسرے شغل میں مشغول کرے۔خطرات کی پرواہ مت کرو۔ غرض اس میں تسلی دیا جایا کرے۔(انتہٰی)'' (نقش)

حضرت حکیم الامتؒ کی امرتسر، لاہور اور جالندھر تشریف آوری:

حضرت والاؒ بکثرت تھانہ بھون حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔لیکن جیسا کہ مذکور ہوا حضرت تھانویؒ کے مکاتیب (جو حضرت والاؒ کے پاس تھے) فسادات ۱۹۴۷ء میں ضائع ہوگئے۔جن کے ساتھ تھانہ بھون حاضری کی یادداشتیں بھی ضائع ہوگئیں۔محض بعض تاریخیں یاد رہیں، جن کو اوپر درج کیا گیا۔

اس کے علاوہ بھی حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی چند بار زیارت کی اور مواعظ بھی سنے، جیسا کہ باب پنجم زمانہ تحصیل علوم میں گزرا۔

لیکن مندرجہ ذیل واقعہ خود حکیم الامتؒ کی تشریف آوری کا ہے۔گو یہ واقعہ پہلے مذکور ہو چکا ہے، لیکن اس روایت میں انداز بیان مدرسہ خیر المدارس میں اکابر کی تشریف آوری کے سلسلہ کا تھا۔چنانچہ کی مناسبت سے وہاں درج کیا گیا۔اور اس روایت کا انداز حضرت والاؒ کے محبوب و معظم شیخ و مرشد کی تشریف آوری کا ہے۔اور بعض تفاصیل ایک روایت میں زائد ہیں اور بعض دوسری میں۔اس لئے ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں اس کے بیان میں قند مکرر سے بھی زائد لطف آئے گا۔اب واقعہ بتغییر یسیر حضرت والاؒ ہی کے مبارک الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

۳۰ صفر[1] ۱۳۵۷ھ مطابق یکم مئی ۱۹۳۸ء یوم یکشنبہ کی رات کو ۱۱ بجے شب جب **قدوۃ العلماء سند العرفاء قطب الارشاد والتکوین حکیم الامت مجدد الملت سیدنا وھادینا** حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی کوٹھی پر دانتوں کے علاج کے سلسلہ میں لاہور تشریف لائے تو باجازت حضرت والاؒ مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے بندہ کو بذریعہ کارڈ اطلاع دی۔چنانچہ کارڈ ملتے ہی احقر لاہور روانہ ہوگیا۔۵ مئی ۱۹۳۸ء (۴ ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ) پنجشنبہ شام کو مغرب کے وقت مال روڈ ڈاکٹر صاحب موصوف کی کوٹھی کے اندر پہنچا تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نماز مغرب سے فارغ ہوکر اندر تشریف لا رہے تھے۔احقر نے سلام کیا، تو آپ نے مصافحہ کیا اور معانقہ کیا۔پھر فرمایا: جب مولوی محمد حسن صاحب نے آپ کے متعلق اجازت چاہی تو میں نے کہا کہ میں کیوں مناع للخیر بنوں۔ان کلمات

---

[1] روانگی از تھانہ بھون ۲۹ صفر ۱۳۵۷ھ (۳۰ اپریل ۱۹۳۸ء)

نے احقر کے قلب میں جو مسرت کی کیفیت پیدا کی، زبان وقلم اس کے بیان سے قاصر ہیں۔

پھر ۷ ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ مطابق ۸ مئی ۱۹۳۸ء بروز یکشنبہ صبح کے وقت نماز فجر کے بعد حضرت والاؒ مع چند رفقاء کے کار پر اور احقر گاڑی پر امرتسر گئے۔ وہاں قیام مولانا محمد حسن صاحب کے مکان پر ہوا۔ شام کو واپس لاہور تشریف لائے۔ ۹ مئی کو وہاں ہی قیام رہا۔ ۱۰ مئی کو احقر نے عرض کیا کہ جالندھر کو بھی واپسی میں نزول وقیام سے مشرف فرمادیا جائے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اوّل تو مسکرا کر فرمایا: کلام اللیل یمحوہ النھار. پھر فرمایا: کہ جی تو میرا بھی چاہتا ہے۔ مولانا شبیر علی صاحب سے مشورہ کرکے پروگرام مقرر کرلیا جائے۔ چنانچہ مولانا موصوف نے یہ صورت مقرر فرمائی کہ آج شام گاڑی سے روانہ ہوکر جالندھر اُترا جائے۔ رات کو وہاں قیام کرکے دوسرے روز ۹ بجے صبح کو وہاں سے روانہ ہوکر سہارن پور پہنچا جائے۔ یہ صورت حضرت والاؒ نے پسند فرما کر جالندھر کا ارادہ فرمالیا۔ احقر نے اس سے قبل جالندھر جانے کی اجازت طلب کی تو اجازت فرمادی۔ احقر جالندھر پہنچ گیا۔ حضرت والاؒ مع رفقاء کے لاہور سے ۱۰ ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ (۱۱ مئی ۱۹۳۸ء) ۵ بجے شام گاڑی پر سوار ہوکر ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے جالندھر اسٹیشن پر پہنچے۔ باوجود اطلاع نہ دینے کے، بلکہ اخفاء کی کوشش کرنے کے ہزاروں کی تعداد میں استقبال کے لئے مجمع موجود تھا۔ ہوشیار پور، نکودر، رائے پور وغیرہ سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ ہم نے آپ کو مدرسہ تک لے جانے کے لئے زراعتی فارم کے ایک آفیسر کی کار کا انتظام کیا تھا۔ مگر وقت پر چار کاریں موجود تھیں۔ ہر شخص یہی خواہش کرتا تھا کہ میری کار پر آپ کا قدم ہو۔ مگر آپ نے اسی کار پر راستہ طے کیا جو آپ کے لئے لائی گئی تھی۔ مدرسہ میں پہنچے تو نماز عشاء کا وقت تیار تھا۔ آپ نے وضو فرمایا اور جماعت کرائی۔ پھر مدرسہ کی چھت پر ہمارے مکان میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے رفقاء اور چند مدعوین اضیاف کے ساتھ کھانا تناول فرمایا، پھر آرام فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ کچھ مستورات بیعت کی درخواست کرتی ہیں۔ فرمایا: نماز فجر کے بعد سب آپ کے مکان میں جمع ہوجائیں۔ چنانچہ فجر کی نماز سورۃ تحریم اور سورۃ مرسلات سے پڑھائی۔ پھر مجھے فرمایا کہ چھت پر جاکر عورتوں کو بیعت کرلیں۔ چنانچہ چھت پر تشریف لائے۔ عورتیں ہمارے کوٹھے کے اندر تھیں۔ اور حضرت والاؒ صحن میں۔ دروازہ کے اندر رومال کا پلہ پکڑا کر فرمایا کہ جس جس کو خاوند یا محرم کی اجازت ہو وہ اس کو دائیں ہاتھ میں پکڑ لے۔ پھر خطبہ مسنونہ پڑھ کر ان کو بیعت فرمایا۔ اور کچھ نصیحتیں تلقین فرمائیں۔ بیعت ہونے والیوں میں میں احقر کی اہلیہ فاطمہ اور مولوی غلام مصطفیٰ صاحب بوٹوی کی اہلیہ اور پیر جی عبداللطیف صاحب کی اہلیہ تھیں۔ پھر عرض کرنے پر نیچے مسجد میں تشریف لے آئے۔ مسجد خوب بھری ہوئی تھی۔ اس لئے فرش پر بیٹھنے سے لوگ اُٹھ اُٹھ کر آپ کو دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص دیدار کا مشتاق تھا۔ مگر ہر ایک کو دیکھنا میسر نہ آرہا تھا۔ میں نے ادب سے عرض کیا کہ ارشاد ہو تو کرسی لے آئیں، تاکہ ہر ایک دیدار کرسکے۔ فرمایا مجمع میں کرسی پر بیٹھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ البتہ وعظ میں اس کو بوجہ ضرورت کے اختیار کرلیا جاتا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ چارپائی بچھالی جائے۔ فرمایا یہ بہت

اچھی صورت ہے۔ یہ دیہاتی طرز ہے۔ چنانچہ چارپائی لائی گئی۔ جب اس پر فرش کرنے کا ارادہ کیا تو منع فرمادیا گیا۔ پھر فرمایا کہ میں تنہا نہیں بیٹھوں گا۔ آپ اور مولوی محمد حسن بھی برابر بیٹھیں۔ چنانچہ حضرت والاؒ سرہانے کی طرف اور ہم دونوں پائنتی کی طرف بیٹھ گئے۔ پھر ملفوظات شروع فرمائے۔ ایک درزی نے بطور ہدیہ ایک ٹوپی پیش کی۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قبول نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ ہم اجنبی شخص سے ہدیہ نہیں لیا کرتے۔ پھر ہدیہ کے آداب (بیان) فرما کر فرمایا کہ ایسا ہی شوق ہے تو جب ہم تھانہ بھون پہنچ جائیں تو وہاں لے کر آنا۔ پھر بھی جی چاہے گا تو لے لیں گے، ورنہ عذر کر دیں گے۔ پھر بطور خوش طبعی کے فرمایا: مزا بھی اسی میں ہوگا کہ چار پیسے کی ٹوپی اور چار روپے کرایہ۔ اسی حالت میں سائیں طور شاہ صاحب مرحوم دو پیسے اور ایک پاؤ چکی کا پسا ہوا آٹا ہدیہ لے کر حاضر ہوئے۔ میں نے تعارف کرایا۔ فوراً لے لیا۔ اور مولانا شبیر علی صاحب کو آواز دے کر فرمایا یہ ہدیہ تو سر پر رکھنے کے قابل ہے۔ پیسے تو میں اپنے پاس رکھ لیتا ہوں اور یہ آٹا سامان میں رکھ لو۔ تھانہ بھون جا کر دونوں گھروں میں تقسیم کر کے کہہ دینا کہ جب میرے لئے آٹا گوندھا کریں تو روزانہ ایک چٹکی اس میں سے ڈال لیا کریں۔ تا کہ کئی دن تک اس کی برکت حاصل ہوتی رہے۔ پھر اوپر بالا خانہ پر تشریف لے گئے اور برخوردار عبدالحق سلمہٗ کو ''شیخ عطار'' شروع کرایا۔ پھر راستہ کے لئے کچھ کھانا ساتھ کر دیا گیا۔ اور روانگی کے ارادہ سے ریلوے روڈ پر ایک چارپائی پر تھوڑی دیر بیٹھ گئے۔ زائرین مصافحہ کی دولت حاصل کرتے رہے۔ اتنے میں کار آ گئی۔ اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جب اسٹیشن سے واپسی ہوئی تو گھر میں اہلیہ آبدیدہ تھیں اور کہتی تھیں کہ حضرت اقدسؒ کی شفقت اور جذب کی کیفیت کا یہ اثر تھا کہ دل نکلا جا رہا ہے۔ جس مکان میں حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شب قیام فرمایا تھا، ایک ماہ تک اس میں انوار محسوس ہوتے رہے۔

(ف) بلا اطلاع اور اعلان کے اس قدر ہجوم ہونا اور لوگوں کا دور دراز سے آ کر جمع ہونا حیرت کن اور تعجب خیز تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت اقدسؒ کی مقبولیت عند اللہ اور جذب عامہ کا اثر تھا۔

الغرض حضرت مرشدنا رحمۃ اللہ علیہ کا آنا اور جانا جالندھر مدرسہ خیر المدارس میں بتاریخ ۱۰-۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۱-۱۲ مئی ۱۹۳۸ء بروز بدھ، جمعرات ہوا تھا۔''

وصال حضرت مرشدنا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت: ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ء)　　وفات: ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء)

''مورخہ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ لیلۃ الثلاثاء ۱۱ بجے شب مطابق مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء حضرت والاؒ نے وصال فرمایا۔ اِنا للّٰہ و انا الیہ راجعون. کل عمر ۸۲ سال۔''

مرثیے اور تاریخیں:

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات پر بہت سے مرثیے اور تاریخیں لکھی گئیں۔ جن کا ایک معتدبہ ذخیرہ خاتمۃ السوانح میں مل جاتا ہے۔ حضرت والاؒ نے بھی اپنی سوانح کی بیاض میں کچھ درج فرمائی ہیں، جن میں سے بعض خاتمۃ السوانح میں ہیں اور بعض ان کے علاوہ ہیں۔ بہرحال یہ انتخاب محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ اس لئے ان کو حضرت والاؒ کی تحریر فرمودہ ایک سطر کی تمہید کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔ وھوھذا:

''معتقدین اور خدام نے بہت مرثیے اور تاریخیں لکھیں۔ ان میں سے بعض درج ذیل کی جاتی ہیں۔''

"فروغ المجدد"

٨٢ ١٢٨٠

١٣٦٢ھ

۱- مرثیہ قطب عالم مجدد عصر حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز

مشتمل بر تاریخ وصال

(الف) بقلم مولانا عظامی (متوفی ۱۳؍رجب ۱۳۷۶ھ) تلمیذ حضرت گرامی مرحوم (۱۳؍فروری ۱۹۵۷ء)

ندانم آہ در آفاق ایں چہ صبح دمید — کہ ہست شور قیامت ز ذرہ ذرہ پدید

ندانم از چہ شفق غرق شد بموجہ خون — ندانم از چہ سحر جامہ تار تار درید

چہ شد کہ چنبر افلاک حلقہ حلقہ گسست — چہ شد کز ہمہ گہوارۂ زمین لرزید

کدام گل شدہ تاراج از جفائے خزاں — کہ خار غم برگ جان ما ہزار خلید

زمانہ آہ نور دید فرش عیش و طرب — فلک لباس خورش را بہ خم نیل کشید

فغان اہل زمین شد بلند تا کیواں — ز چشم ماہ و ستارہ چہ خون ناب چکید

چہ گویمت کہ چہ پیش آمدست عالم را — کراست طاقت گفتن کراست تاب شنید

بباغ حضرت امداد تندباد اجل — چناں و زید عظامی کہ پیش زیں نوزید

ز فوت حضرت اشرف کہ نیست ثانی او — چہ گویمت بخدائے بجان ما چہ رسید

ز دلگدازی ایں واقعہ مپرس کہ ایں — بجا نگدازی محشر چہ خط نسخ کشید

گسیخت صبر عنان و شکیب رم کردہ — دلم ز دیدۂ خونبار قطرہ قطرہ چکید

کدام حضرت اشرف مگر نمیدانی؟ — حکیم اُمت مرحوم از شقی و سعید

زمیں بسرزدہ خاکے بسو گوارئے وی ‌ ‌ ‌ فلک بماتم آن پیرہن بجسم درید
کلاہ زد بزمیں آفتاب زیں ماتم ‌ ‌ ‌ زگریہ دیدۂ انجم سپید گشت سپید
شکست کاکل سنبل بخست چہرۂ گل ‌ ‌ ‌ گرفتہ شد دل غنچہ زیں غمے کہ رسید
چناں فقیہ و محدث چناں مجدد وقت ‌ ‌ ‌ ندیدہ است کسے وکسے نخواہد دید
جنید وقت اگر گوئمش مبالغہ نیست ‌ ‌ ‌ ہم است راست اگر خوانمش مثیل فرید
خلاف سنت خیرالبشر بہ عمر گہے ‌ ‌ ‌ بسہوھم عملے زو نیامدست پدید
زپائگاہ علومش چہ گوئمت کہ حدش ‌ ‌ ‌ کسے نہ دیدہ ونے ، ہیچ کس تواند دید
زپا فگندہ عمارات شرک و بدعت را ‌ ‌ ‌ بنائے سنت غرا از و بماہ رسید
بحق ۔ اُمت مرحوم آں مسیحا بود ‌ ‌ ‌ کہ از مے بہ تن مرد گانش روح دمید
نیا ورید مثالش بدھر آئینہ ‌ ‌ ‌ نظر او بجہانے نہ چشم احول دید
سزد نہ نوحہ عظامی بزندگاں خاموش ‌ ‌ ‌ کہ ہست نزد خرد کار تو ز عقل بعید
تراز حضرت اشرف کہ گفت مرد کہ او ‌ ‌ ‌ شہید گشت و شہید است زندۂ جاوید
بیاد سال وصالش شنو زمن کہ منم ‌ ‌ ‌ الف کشیدہ بگفتم شہید گشتہ شہید

۱۳۶۲ھ = ۱-۱۳۶۳

(ب) ایضاً

دردا حکیم اُمت مرحوم شہ اشرف علی ‌ ‌ ‌ آں ساقی میخانہ عقل آفریں من عرف
بربست محمل زیں جہاں و رفت در باغ جناں ‌ ‌ ‌ از گوہر جان خودش پرداختہ تن را صدف
ہاتف بگوش من عظامی گفت تاریخے بگو ‌ ‌ ‌ زیں واقعہ کز وے بلاہا آمدستے بستہ صف بہ صف
گفتم کہ از دست اجل چوں بے سروپا گشت حیف ‌ ‌ ‌ حلم وحیا، لطف وعطا، رُشد وہدیٰ، فضل وشرف

۲۰۰+۸۰۰ + ۴ + ۳۰۰ + ۹ + ۹ + ۱۰ + ۳۰

۱۳۶۲ہجری

۲- مرثیہ وتاریخ از حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

(الف[1])

اشرف جہاں سے حضرت اشرف کی ذات ہے — حق پر بوقت مرگ بھی کتنا ثبات ہے
طاری ہے نزع پھر بھی مگر دین کی ہے دُھن — مرتے ہوئے بھی دین کی ہے جو بھی بات ہے
اُکھڑا ہوا ہے دم مگر اللہ رے پختگی — اب بھی ادائیگی حقوق و صلوات[2] ہے
ایسے میں کر رہے ہیں حوالے امانتیں — سوئے مرض نہ سوئے تعب التفات ہے
یہ ہے دیانت ایسی دیانت کے سامنے — ساری دیانت اہلِ دیانت کی مات ہے
یہ کیسی اچھی موت ہے کیا خوب ہے یہ موت — کہیئے نہ اس کو موت یہ عین حیات ہے
یہ خاتمہ نہیں ہے یہ ہے حسنِ خاتمہ — سب کو خدا نصیب کرے کیا وفات ہے
مجذوب کو خیال جو تاریخ کا ہوا — ہاتف پکار اُٹھا یہی خیرالممات ہے

۱۳۶۲ھ

(ب) ایضاً

یہ ہر سمت ظلمت ہے کیوں اس بلا کی — یہ رحلت ہے کس آفتاب ہدیٰ کی
یہ کس قطب الارشاد نے منہ چھپایا — کہ دنیا ہے تاریک صدق و صفا کی
کلیجے ہیں کیوں آج شق اہلِ دل کے — جدائی ہے یہ آج کس دِلربا کی
یہ دنیائے دیں میں ہے کیوں آج ہلچل — ہوئی ہے وفات آج کس رہنما کی
یہ کس نے جہاں سے گزر کر جہاں میں — قیامت سے پہلے قیامت بپا کی
معارف ، حقائق ، معانی ، دقائق — تلاش ان کو ہے کس کے ذہنِ رسا کی
یہ کس ہاتھ کی آج امانت ہے خواہاں — یہ کس قلب کی آج جو یاں ہے پاکی
یہ بحرِ حوادث میں کشتی اُمت — طلب گار ہے آج کس ناخدا کی
اُٹھا کون عالم سے محبوب عالم — صدا کیوں ہے ہر سمت آہ و بکا کی
یہ منہ کس مسیحا نے مجذوب موڑا — کہ حالت ہے نازک دلِ مبتلا کی
یہ اس دھوم سے کس کا نکلا جنازہ — یہ کیوں ٹوٹ پڑتی ہے خلقت خدا کی
فرشتے بچھاتے ہیں پر ، حور آنکھیں — یہ میت اُٹھی کس شہید وفا کی
میں حیران ہی تھا کہ ہاتف پکارا — یہ رحلت ہے آج اشرف الاولیاء کی

۱۳ھ ۶۲

---

[1] یہ نظم خاتمۃ السوانح میں نہیں ملی۔
[2] لفظ صلوٰۃ۔ بصیغہ مفرد جو صلاۃ پڑھا جاتا ہے۔ اس سے وزن صحیح سمجھ میں آتا ہے۔ (ا ا)

۳- (الف) تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ:

ما مات من ابقٰی کالف مصنَّفٍ — تزهو علی افق العلٰی صفحاته
فی الحی والقیوم قام مشمرًا — خلدت الی خلدالزمان حیاته
کرم عظیم للاٰله حیاته — فروغ المجدد عمره ووفاته
۱۲۸۰ھ — ۱۲۸۰ ۸۲
۱۳۶۲ھ

(ب)

و اشرف قبر ضم اعظم اشرف — مجدد دین اللّٰه هل من مشارف
ونادت بی الاشواق مهلاً فهٰذہٖ — منازل من تهوٰی و روضة عارف
۱۳۶۲ھ

۴- (الف) تاریخ وفات از حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحبؒ (لاہور):

اذا جاز الاٰله هداة قوم — جزٰی عنا لهٗ خیرالجزاء
ولید مغرم حیا امام — وذوالوصفین حین الانقضاء
۱۲۸۰ ۸۲ — ۱۲۸۰
۱۳۶۲ھ

(ب)

فان سالوک عن عام ارتحال — فقل لا ریب ختم الاولیاء
۱۳۶۲ھ

(ب)

یا رب بجمیل هم عطا کن — تا بے ز تجلی جمالی
تاریخ اگر کسے بپر سد — گو رحلت اشرف الاعالی
۱۳۶۲ھ

۵- اے سفیران کا تو لکھ یوں مصرع سال وصال — چل دیئے اب سوئے جنت مولوی اشرف علی
۱۳ھ ۶۲

۶- یہ دُعاء دن رات کرنی چاہئے — یا الٰہی بخش فردوس بریں
واقف اسرار فخر کائنات — واقعی تھے حامی دین مبیں
۱۳۶۲ھ

سال رحلت اس طرح احسان لکھ
مرد کامل ساکن خلد بریں
۱۳ھ ۶۲

۷- اشرف اتقیائے اہلِ خرد
۱۹۴۳ء
خاتم اولیائے ربانی
۱۳۶۲ھ

۸- جس سے سنئے وہی یہ کہتا ہے
حل ہوں اب کس سے مشکلات طریق
۱۳ ہجری ۶۲

۹- اس کی کا قلق ہے البتہ
ہوگئی خالی مسند تقویٰ
۱۳ھ ۶۲

۱۰- ہے سرایماں سے یہ سال وفات
قطب عالم داخل جنت ہوئے
۱۳ھ ۶۲

۱۱- سچ یہ احسان نے کہا مجذوب
بجھ گیا ہے چراغ اہل اللہ
۱۳ھ ۶۲

۱۲- ای ہمائے عزت و اقبال جاہ
آشیانت گلشن قدس اللہ
۱۳ھ ۶۲

۱۳- ندا زفضل کریم آمدہ زسال وفات
حکیم اُمت احمد مکاں بجنت کرد
۱۳ھ ۶۲

۱۴- دست بردار و دعائے کن زدل
جاوید خالق بفردوس بریں
۱۳ھ ۶۲

۱۵- مکرم گفت سال رحلت او
وفات پاک شمس العارفینے
۱۳ھ ۶۲

۱۶- یہ کہہ رہا ہے پرستار بادۂ عرفاں
کہ شمع انجمن میکشاں ہوئی خاموش
۱۹۴۳ء

کس سے چاہیں غمگساری کون ہے اب چارہ ساز
وائے دنیا میں نہیں ہیں آج شہ اشرف علی
۱۳ھ ۶۲

مادہ ہائے تاریخی

۱۷- مولائی عاش حمیداً فمات شہیداً
۱۳۶۲ھ

اشرف علی نوراللہ مرقدہٗ
۱۳۶۲ھ

ہادیٔ عالم رضی اللہ عنہ
۱۳۶۲ھ

مقرب عظیم
۱۳۶۲ھ

مولانا حاجی شاہ محمد اشرف علی قطب بود
۱۳۶۲ھ

آفتاب جہاں مولانا اشرف علی
۱۳۶۲ھ

نادانہ قد فاز فوزاً عظیماً
۱۳۶۲ھ

سنہ ولادت کرم عظیم
۱۲۸۰ھ

حضرت والاؒ کے احوال استفاضہ باطنی:

جیسا[1] کہ حضرت والاؒ نے خود ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ سے جو حضرت والاؒ کی مکاتبت اصلاحِ نفس اور استفاضہ باطنی کے سلسلہ میں ہوئی وہ تمام مکاتیب مشرقی پنجاب کے فسادات ۱۹۴۷ء میں جالندھر رہ گئے۔ یہ مکاتیب دراصل بہت بڑا ماخذ حضرت والاؒ کے تحصیل سلوک اور بتدریج ترقی باطن کے احوال کے بارے میں تھے۔ ان کے ضائع ہونے کے بعد حضرت والاؒ کے استفاضہ باطنی کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ رہا۔ خصوصاً جبکہ یہ سوانح حضرت والاؒ کے وصال کے بعد مرتب کی جا رہی ہے۔ اور حضرت والاؒ کے سامنے بھی مرتب ہوتی تب بھی حضرت والاؒ کی عبدیت و فنائیت اور اخفاء احوال باطنیہ کی عادت سے خدام کی سمجھ میں یہی آتا ہے کہ آپ کے تفصیلی استفاضہ باطنی کا ادراک بہت مشکل تھا۔ اور حضرت والاؒ کے خدام خصوصاً احقر مؤلف جیسوں کی کیا مجال تھی کہ حضرت والاؒ سے سوال کرتا کہ حضرت حکیم الامتؒ سے استفاضہ باطنی کی کیا کیفیت ہوتی تھیں؟ قبض و بسط، ہیبت و انس اور فنائیت و عبدیت کے کن کن حالات اور گھاٹیوں سے گزرنا ہوا؟ محبت الٰہی اور حبِ رسول ﷺ کے غلبہ کی کیا حالت تھی۔ کیا گزری؟ کیا حال عرض کیا اور کیا جواب ملا؟

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں — بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

البتہ آپ کے بعض کمالات جو اکابرِ اُمت کے مقالات اور تعزیتی کلمات طیبات نیز حضرت والاؒ کے ساتھ ان کے معاملات سے معلوم ہوئے ہیں، ان سے کچھ اندازہ ان کے سبب کا ہوسکتا ہے کہ یہ کمالات کیسے کچھ کامل استفاضہ باطنی اور تزکیہ نفس کا نتیجہ ہیں۔ تفصیل تو اکابر کے مقالات میں آئے گی۔ یا بعض محاسن کا تذکرہ تعزیتی خطوط وغیرہ میں آئے گا، تاہم ذیل میں ''ذکر خیر'' ص ۱۶ پر بعنوان ذیلی ''بیعت و خلافت'' سے کچھ نقل کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

[1] آ۔

''ہندوستان میں اس وقت حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ذاتِ اقدس مرجع خواص و عام تھی۔ ان کی ذات بابرکات سے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل تھی جو گیارھویں صدی کے آخر میں مجدد الف ثانیؒ کی ذاتِ اقدس سے سرہند کو تھی۔ اس چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت تھانویؒ سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریق پر لیا وہ اہلِ نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔ اس خانقاہ اشرفیہ کا تربیت یافتہ ہر شخص ایک درثمین اور گوہر نایاب ثابت ہوا۔ حضرت مولانا جالندھریؒ بھی اسی خانقاہ کے ایک موتی تھے۔''

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہٗ ''تربیت السالک'' ج۲ ص۶ پر فرماتے ہیں کہ ''حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذات تعارف کی محتاج نہیں۔ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں ان کا بلند مقام ہے۔''

(ذکر خیر، ص۲۳، ۲۴)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور دیگر اکابر کے تفصیلی اقوال و مقالات جن سے حضرت والاؒ کے کمالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے، ان کے مواقع پر ملاحظہ فرمائیے۔

بعض اکابر کا حضرت والاؒ کے ساتھ ادب واحترام کا معاملہ:

''شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس سرہٗ ایک مرتبہ حضرت جالندھریؒ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ حضرت جالندھریؒ ریل کے ڈبہ میں قضائے حاجت کے لئے جانے لگے تو حضرت لاہوریؒ اُٹھے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت جالندھری نے بیت الخلاء کا دروازہ بند نہ کر لیا۔ واپسی میں حضرت لاہوریؒ پھر کھڑے ہو گئے اور اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک حضرت جالندھریؒ اپنی نشست گاہ پر واپس تشریف نہ لے آئے۔ (اس سے حضرت لاہوریؒ کے دل میں حضرت جالندھریؒ کا احترام ظاہر ہوتا ہے۔)'' (بیس بڑے مسلمان) (ذخیر خیر، ص۲۳)

خاتمۃ الباب:

حضرت والاؒ کے بارے میں ایک آخری بات جو مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ[1] فرماتے ہیں، اسی پر اس باب کو ختم کیا جاتا ہے:

''حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بڑے عالم اور بڑے بزرگ تھے۔ علم کے پرکھنے کے لئے تو ان کی تالیفات اور درس وتدریس، خیر المدارس کی بنیاد، مناظرے، تبلیغ اسلام کے مواعظ مجلسی گفتگو، حاضر و بعید سب کے لئے شاہد عدل ہیں۔ مگر ہر فن والا ہی فن والے کے درجہ کو پہچان سکتا ہے۔ اس لئے اہلِ علم ہی ان کے علمی مرتبہ کو پہچان سکتے ہیں۔ جیسے ہر فن کے ماہر کو اس کے فن والے ہی ماہر ہونا اور کس درجہ کا ماہر ہے، پہچان لیتے ہیں، ورنہ دوسروں کے لئے تو سب یکساں ہی معلوم ہوا

[1] حضرت مفتی جمیل احمد صاحبؒ ۲۱ رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۹۴ء کو رحلت فرما گئے۔ اللھم اغفر له مغفرة ظاهرة و باطنة وادخله جنة النعيم (آمين) (آ آ)

کرتے ہیں۔ یہ قاعدہ سب کے نزدیک تسلیم شدہ ہے۔ حضرت جالندھریؒ کی علمی مہارت اہلِ علم میں معروف ومشہور ہے۔ مگر بزرگی کا کیا درجہ ہوگا، اس تک ہر اہلِ علم بھی نہیں پہنچ سکتا۔ ’’ولی راولی می شناسد‘‘ ایک صحیح قاعدہ ہے۔ باطن میں کیا درجہ ہے۔ اس کو اہلِ باطن بزرگ ہی پہچان سکتے ہیں۔ دوسروں کے بس کا کام نہیں۔ اس کے لئے حضرت تھانوی قدس سرہٗ جو زمانہ حال میں اور خصوصاً علوم باطنہ کے مجدد تسلیم شدہ ہیں، ان کا بیعت وتربیت کی اجازت دینا اور مرض وفات میں جن خلفاء کا انتخاب برائے تربیت مجمع فرما کر اعلان فرمادیا تھا[1]، جو ’’اشرف السوانح‘‘ میں درج ہے۔ اس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کا نامِ نامی درج ہونا ان کے باطنی مرتبہ کی عظیم شہادت ہے۔ بلکہ ایک دفعہ فرمایا کہ ’’انجن تو چھوٹا سا ہے، مگر گاڑیاں بہت کھینچتا ہے۔‘‘ چونکہ مولانا کی ظاہری جسامت بہت مختصر تھی، اس کی طرف اشارہ فرما کر باطنی قوت وفوقیت کو انجن کے زبردست اسٹیم سے تشبیہ دے کر باطنی مرتبہ ظاہر فرمایا ہے۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت کی ان دو شہادتوں کے سامنے اور کسی تعریف وستائش پر پوری کتاب میں بھی اس پایہ کی تعریف نہیں ہوسکتی۔‘‘ (ذکر خیر، ص ۲۴-۲۵)

اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے اس باب کو بند کیا جاتا ہے۔

---

[1] باوجود تلاش ’’مجمع فرما کر اعلان‘‘ کا ذکر اشرف السوانح۔ خاتمہ السوانح یا ’’سیرت اشرف‘‘ میں نہیں مل سکا۔ البتہ ’’سیرت اشرف‘‘ ص ۱۶۴ پر ۱۱ حضرات مجازین کی فہرست ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ کی ۱۹۳۸ء میں سخت علالت کی وجہ سے جب اطباء نے سخت تاکید کی ساتھ مکمل آرام کا مشورہ دیا۔ تو حضرت حکیم الامتؒ سالکین کو ایک مطبوعہ تحریر کے ذریعہ ان حضرات خلفاء سے رجوع کرنے کا مشورہ اس ارشاد کے ساتھ دیتے رہے۔ کہ ’’نمونہ کے طور پر بعض ان اصحاب کے نام لکھ دیئے ہیں جن سے جواب جلد مل جانے کی توقع غالب ہے‘‘۔ احقر مؤلف کو چند روز کئی گھنٹے خرچ کرنے کے بعد ’’سیرت اشرف‘‘ (مؤلفہ جناب منشی عبدالرحمٰن خاں صاحب) میں یہ فہرست ملی۔ شاید اس اعلان سے یہی مراد ہو۔ یا حضرت مفتی جمیل صاحب مدظلہ کو خود اپنے سامنے زبانی اعلان ہونا بھی یاد ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (آ)

باب چہاردہم (۱۴)

لقائے بزرگاں

تمہید:

جیسا کہ شروع میں ذکر آچکا ہے، حضرت والاؒ صرف اپنے اکابر ہی کو اپنا بزرگ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اپنے معاصرین اور اپنے خوردوں کو بھی بزرگ ہی سمجھتے تھے، جو کہ درحقیقت انتہائی تواضع، فنا اور عبدیت کی علامت اور قابلِ اتباع صفت ہے۔ نیز حضرت والاؒ باوجودیکہ اپنے شیخ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اور خالص اتباع سنت اور دین خالص آپ کا مسلک اور طریقہ تھا، لیکن دوسرے سلسلہ کے بزرگوں ہی نہیں بلکہ مختلف مشرب ومسلک والے بزرگوں کے ساتھ بھی حسنِ ظن اور ادب کا معاملہ تھا۔ چنانچہ بزرگانِ دین کی فہرست میں مختلف الوان واذواق اور مسلک ومشرب کے بزرگوں بلکہ حضرت والاؒ کے اپنے پیر بھائیوں کا بھی ذکر ہے، جن میں سے بعض خود حضرت والاؒ سے مستفید و مستفیض ہوتے تھے۔ جیسے حضرت سائیں طورشاہ صاحبؒ جن کا ذکر حضرت تھانویؒ کے جالندھر تشریف آوری کے تذکرہ میں آچکا ہے، کہ حضرت والاؒ ہی نے حضرت حکیم الامتؒ سے ان کا تعارف کرایا تھا اور وہ اخیر عمر تک حضرت والاؒ کی خدمت اقدس میں مدرسہ خیرالمدارس ملتان میں قیام پذیر رہے[1]۔ اور حضرت والاؒ کے درس میں حاضر خدمت رہتے تھے۔ اور سائیں طورشاہ صاحبؒ کو جاننے والے ان کی بزرگی کے معترف تھے۔

حضرت سائیں طورشاہ صاحبؒ:

بر سبیل تذکرہ سائیں طورشاہ صاحبؒ کی زیارت احقر نے کی ہے۔ اور ابتداء میں حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو ان کی بعض باتیں بھی سنی ہیں۔ ایک بار طلباء کی ایک جماعت مدرسہ خیرالمدارس کے صحن میں حضرت والاؒ کی منتظر تھی، موسم سرما تھا، اس لئے دھوپ میں بیٹھے تھے۔ سائیں صاحبؒ نے احقر کو فرمایا کہ اس طرف بیٹھ جاؤ۔ احقر نے عذر کیا۔ کہ یہاں سے حضرت والاؒ پر احقر کا سایہ پڑے گا۔ تو حضرت والاؒ کے تشریف لانے پر سائیں صاحبؒ نے غالباً پنجابی میں حضرت والاؒ سے تحسین کے طور پر عرض کیا کہ میں نے آپ کے مرید کو کہا تھا کہ اس طرف بیٹھ جاؤ۔ اس نے کہا کہ یہاں سے آپ پر سایہ پڑے گا۔ اس لئے دوسری طرف بیٹھا۔

---

[1] حضرت والاؒ نے حضرت سائیں طورشاہ صاحبؒ کا تذکرہ اپنی موالید و وفیات کی حیات میں بھی فرمایا ہے۔ اور خادم کے ایک عریضہ کے جواب کے ساتھ بھی بروز شنبہ ۱۰ شوال ۱۳۷۷ھ کو ان کے وفات پانے کی اطلاع فرمائی تھی۔ اللهم اغفر له مغفرة ظاهرة و باطنة وارحمه رحمةً واسعة وادخله جنات النعيم (آمین) (آ ا)

دوسرا واقعہ سائیں صاحبؒ کا یہ ہے کہ ایک بار حضرت والاؒ نے سائیں صاحبؒ سے جن والا واقعہ بیان کرنے کو فرمایا۔ سائیں صاحبؒ نے کسی مکان کے کمرہ کا ذکر کیا، کہ اس میں اوپر چھت کی طرف جن کے غالباً گھومنے سے سائیں سائیں کی آواز آتی تھی۔ انہوں نے حکیم الامت تھانویؒ سے عرض کیا۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ جب آئندہ ایسا ہو تو وہاں جا کر کہنا کہ ''جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر ہمیں کس کا ڈر ہے۔'' سائیں صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، تو اس جن نے ڈرانا چھوڑ دیا۔ یا وہ مکان ہی چھوڑ دیا[1]۔

ادب واحترام باوجود اختلافِ مسلک:

بہرحال ذکر یہ تھا کہ حضرت والاؒ بزرگوں کا ادب بہت فرماتے تھے۔ خواہ مسلک ومشرب میں اختلاف ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ مثلاً علامہ حافظ ابن تیمیہؒ کے ساتھ بہت ادب واحترام اور حسنِ ظن کا معاملہ فرماتے تھے۔ اسی طرح ہمارے حضرت والاؒ مختلف المسلک والمشرب بزرگوں کا بھی بہت ادب واحترام فرماتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے بزرگوں کے ہاں ادب واحترام کا بہت اہتمام ہے۔

حضور ﷺ کی امام غزالیؒ کو خواب میں تنبیہ:

اس پر ایک واقعہ یاد آیا، جس کا ذکر حضرت تھانویؒ کے کسی ملفوظ میں ہے، کہ حضرت امام غزالیؒ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، تو حضور ﷺ نے امام غزالیؒ کی طرف سے رُخ مبارک پھیر لیا (یا ہاتھ بڑھایا تو مصافحہ نہیں فرمایا) امام غزالیؒ سخت گھبرائے۔ عرض کیا کہ حضور کیا خطا ہوئی؟ فرمایا تم فلاں شخص سے کیوں ناراض ہو؟ عرض کیا حضور میرے اُستاد سے اس کا ایسا معاملہ ہے (یعنی ناراض ہے یا اعتراض کرتا ہے، ونحوذٰلک) فرمایا کہ ہم سے تو تعلق رکھتا ہے۔ خیر امام غزالیؒ نے معافی چاہی۔ اور معافی مل گئی[2]۔ اس واقعہ سے حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے ملفوظ مبارک میں جو مضمون مستنبط فرمایا ہے، اس کا حاصل احقر یہ سمجھتا ہے کہ ہر مسلمان کا اکرام ضروری ہے۔ کیونکہ وہ حضور ﷺ کا اُمتی ہونے کے اعتبار سے ہر مسلمان سے اس کے ساتھ قوی علاقہ رکھے جانے اور اکرام مسلم کے حقوق کا مستحق ہے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بزرگ مسلک ومشرب میں اختلاف بھی رکھے، اور بعض اجزاء دین میں ان سے غلطی بھی ہو، تب بھی ان کی دوسری خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے اور حضور ﷺ سے ان کے تعلق کی وجہ سے ان کا ادب واحترام ضروری ہے۔

سیاسی عقائد کے جزئی اختلاف کے باوجود حسنِ ظن اور ادب واحترام:

ادب واحترام اختلاف کے ساتھ بھی جمع ہوسکتا ہے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ محقق جامع بین الاضداد ہوتا ہے۔

---

[1] یہ واقعہ کافی قدیم ہے۔ احقر نے اپنی یادداشت سے اپنے الفاظ میں لکھا ہے۔ واقعہ تقریباً صحیح یاد ہے۔ (آ آ)

[2] یہ واقعہ اپنے الفاظ میں حسب یادداشت لکھ دیا ہے۔ اس سے جو مضمون مستنبط کیا گیا ہے۔ اس کے لئے جتنا کچھ یاد ہے وہ کافی ہے۔

عرض ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ صاف طور پر ظاہر فرما چکے تھے کہ مسلمانوں کے لئے کانگریس میں شرکت سخت مضر ہے،اور جو علماءاس میں شریک تھے ان کے سیاسی مسلک سے بھی بیزاری و براءت کا اعلان فرما چکے تھے۔اس کے باوجود جیسا کہ احقر نے حضرت والاؒ سے کئی بار سنا، حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا معاملہ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اب بھی ویسا ہی ادب کا ہے۔تو حضرت حکیم الامتؒ نے جواب میں تاکیداً ارشاد فرمایا کہ ’’ایسا ہی ہونا چاہئے۔‘‘

یہ تو سیاسی اختلاف کے ساتھ ادب کو جمع کرنے کی مثال تھی۔دوسری مثال عقیدہ کے معمولی اختلاف کے ساتھ حسنِ ظن اور اُدب کو جمع کرنے کی ہے۔حضرت مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے علم غیب کے مسئلہ میں مبتدعین کا رد فرمایا۔لیکن محفل میلاد کے بارے میں رسالہ احتفال المیلاد تحریر فرمایا اور اس کو جائز قرار دیا۔حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ایک خاص مرید محترمی الحاج عبدالوحید خاں صاحب مرحوم کی روایت ہے کہ حضرت تھانویؒ نے حضرت مولانا عین القضاۃؒ کے بارے میں فرمایا کہ وہ بزرگ ہیں۔اس پر جناب عبدالوحید خان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بس رجسٹری ہوگئی۔یعنی جب حضرت حکیم الامتؒ نے اتنی تاکید سے ان کا بزرگ ہونا فرمایا تو ان کا بزرگ ہونا مسلم و مؤکد ہوگیا۔(یہ روایت بھی حسب یادداشت احقر بالمعنی ہے)۔

ذکرِ رسول اکرم ﷺ.....رسمی محفل میلاد اور حضراتِ فقہاءِ حنفیہ کی دوررس و عمیق نظر:

یہاں محفل میلاد کے بارے میں اس کے شائقین سے ایک تو یہ اُمر قابلِ گزارش ہے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ میں ولادت مبارکہ کے سوا اور کوئی بات قابلِ اعتناء نہیں؟ آپ کی ولادت مبارک بلکہ اس سے قبل قریب زمانہ میں جن واقعات اور برکات کا ظہور ہوا، اس وقت سے لے کر حضور ﷺ کی وفات شریف تک بلکہ حشر میں پل صراط اور میزان عمل کے پاس آخرت میں سب امکنہ و اوقات کے متعلق حضور ﷺ کا ذکر مبارک ہونا چاہئے، بلکہ سب سے اول اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے نور یعنی روح مبارک کو پیدا فرمایا۔ذکر شریف حضور ﷺ کا وہاں سے شروع ہوتا ہے۔سیرت مبارک اتنا وسیع موضوع ہے۔چنانچہ ہمارے حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیبؐ میں وہیں سے ذکر شریف شروع فرمایا ہے۔پھر صرف ولادت شریفہ تک محدود کیوں کیا جائے؟ کیا اس کی نظیر صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین، ائمہ دین اور دیگر اکابر اُمت و سلف صالحین میں ملتی ہے۔پھر تم کیسے محب رسول ہو کہ آپ کی پوری سیرت مبارکہ کو ترک کر کے صرف ایک جزء پر اکتفاء کر کے محبت کے دعوے کرتے ہو۔ذرا کبھی غور بھی فرمایا ہے؟

محفلِ میلاد کے بارے میں دوسری تحقیقی بات حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ایک ملفوظ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تشریح سے استفادہ کرتے ہوئے حسبِ ذیل یادداشت پیشِ خدمت ہے۔وہ یہ کہ فی نفسہٖ تو حضور ﷺ کا ذکر

مبارک کیسی بابرکت اور لذیذ عبادت ہے۔ اس میں کس کو کلام ہوسکتا ہے؟ بلکہ حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ اور سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند رئیس المناظرین ابنِ شیر خدا حضرت مولانا سید مرتضٰی حسن چاند پوریؒ فرماتے تھے کہ حضور ﷺ کے نعل مبارک کا ذکر بھی عبادت ہے۔ اب رہا یہ کہ مروّج محفلِ میلاد میں بہت سے منکرات شامل ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ ذکر مبارک کے متعلق روایات بھی اکثر و بیشتر موضوع اور ایسی خرافات ہوتی ہیں کہ سیرت مبارکہ کا ادنیٰ مبتدی طالب علم بھی ان کا موضوع[1] ہونا جانتا ہے۔ تو اس کے متعلق اصول حضرات شافعیہ کے یہاں یہ ہے کہ جس مستحب عمل کے ساتھ منکرات شامل ہوجائیں، اس مستحب کو ترک نہ کیا جائے، بلکہ منکرات کو ترک کیا جائے، لیکن حضراتِ حنفیہ کی نظر دور تک پہنچتی ہے۔ ان کا اصول ہے کہ جس مستحب میں منکرات شامل ہوجائیں، یا جس مستحب کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کیا جانے لگے، حدودِ شریعت کے احترام میں اس مستحب ہی کو ترک کر دینا چاہئے۔ یہ اصول اہلِ علم وفہم کے لئے قابلِ غور ہے۔ بہرحال ہمارے یہاں شائقین میلاد شریف خیر سے حنفیت کے بھی بڑے مدعی ہیں۔ اس لئے ان سے توقع ہے کہ یہاں بھی وہ حنفی اصول کو ترک نہ کریں گے۔ پھر جب لوگ منکرات کو ترک کر دیں تو بخوشی اس مبارک شوق کو پورا فرمائیں اور حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کو بیان کیجئے۔ اور اس سے اپنی اور دوسرے اہل السنّت والجماعت کی عملی اصلاح کی کوشش کرتے رہیے۔

بات میں بات نکلتی چلی آئی۔ یہ باب ہمارے حضرت والاؒ کے بزرگوں سے ملاقات و زیارت کے تذکرہ کا ہے۔ چنانچہ اس قدر طویل تمہید کے بعد حضرت والاؒ کے الفاظ میں اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

''لقائے بزرگان''

''اپنی زندگی میں جن بزرگانِ دین اور علماءِ ربانی متین سے ملاقات یا صحبت کا شرف حاصل ہوا، ان کے اسماء گرامی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

(۱) مرشدی و مولائی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
(۲) حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن صاحب دیوبندیؒ
(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
(۴) حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سہارن پوریؒ
(۵) حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، مفتی دارالعلوم دیوبند
(۶) حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ
(۷) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ، مہتمم دارالعلوم دیوبند

---

[1] من گھڑت۔۱۲ع

(۸) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ، مہتمم دار العلوم دیو بند

(۹) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ

(۱۰) حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

(۱۱) حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ، ناظم تعلیمات دیو بند

(۱۲) حضرت مولانا حافظ عبد اللطیف صاحبؒ، مہتمم مظاہر علوم سہارن پور

(۱۳) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ

(۱۴) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ

(۱۵) حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، مدرّس دار العلوم دیو بند

(۱۶) حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ

(۱۷) حضرت استاذی مولانا محمد یٰسین صاحبؒ، مہتمم مدرسہ اشاعت علوم بریلی

(۱۸) حضرت صوفی عبد الرحمٰن صاحب مراد آبادیؒ

(۱۹) اُستاذی حضرت مولانا محی الدین صاحبؒ، مہتمم مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی

(۲۰) اُستاذی حضرت مولانا کریم بخش صاحبؒ، مدرّس مدرسہ گلاؤٹھی

(۲۱) مرشدی حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحب رائے پوریؒ

(۲۲) حضرت مولانا محمود صاحب گنجویؒ، ضلع گجرات

(۲۳) حضرت مولانا محمد احمد خان صاحبؒ، سکنہ کندیاں

(۲۴) حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ، سکنہ واں بچھراں

(۲۵) حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب سلیم پوریؒ

(۲۶) حضرت مولانا غلام محمد صاحب گھوٹویؒ، شیخ الجامعہ بہاولپور

(۲۷) حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگریؒ

(۲۸) حضرت منشی رحمت علی صاحب بہرویؒ، ضلع جالندھر

(۲۹) استاذی حضرت مولانا فضل احمد صاحب رائے پوریؒ، چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی

(۳۰) اُستاذی حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رائے پوریؒ

(۳۱) حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ

(۳۲) حضرت سائیں طور شاہ صاحب جالندھریؒ

(۳۳) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ، لاہور

(۳۴) حضرت مولانا حامد اللہ[ع] صاحب سندھیؒ، ہالیجی، سندھ

(۳۵) حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندیؒ

(۳۶) حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب مدنیؒ

(۳۷) حضرت مولانا سید شیر محمد صاحب گھونکی مدنیؒ

(۳۸) حضرت مولانا سید فخر الدین گھونکیؒ

(۳۹) حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم مدنیؒ

(۴۰) حضرت مولانا عبد الغفور صاحب ہزاروی مدنیؒ

(۴۱) حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوریؒ

(۴۲) استاذی مولانا غلام نبی صاحب ہزارویؒ

(۴۳) استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب پشاوریؒ

(۴۴) استاذی حضرت مولانا سلطان احمد صاحب گجراتیؒ

(۴۵) حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ

(۴۶) حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ ''

خاتمہ:

حضرت والاؒ کے ترتیب فرمودہ بزرگانِ دین کی فہرست تمام ہوئی۔ اس سے قبل باب پنجم (زمانہ تحصیل علوم) کے تحت عنوان ذیلی ''شرکت جلسہ ۲۷ سالہ دارالعلوم دیوبند وزیارت بزرگان'' کے ضمن میں دیوبند پہنچ کر بہت سے بزرگوں کی زیارت کا شرف حاصل ہونے کا ذکر آچکا ہے۔ اور وہاں آٹھ اکابر کے نام جو یاد تھے، مذکور ہیں۔ ان میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ کا اسمِ گرامی سب سے اوّل مذکور ہے۔ اور مزید دو اکابر کے ناموں کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا اسم گرامی ہے۔ یہاں بھی اور وہاں بھی جو اسماء گرامی یاد آئے کیفما اتفق ان کا تذکرہ فرمادیا ہے۔ ان فہرستوں سے حضرت والاؒ کے قلب مبارک میں ان اکابر کے درجات کی ترتیب کا اندازہ نہ لگایا جائے۔ حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ تو حضرت حکیم الامتؒ کے اُستاد محترم تھے۔ لیکن وہ بنفسِ نفیس حضرت حکیم الامتؒ کا بہت احترام فرماتے تھے۔ اب بعد والوں کو ان کے درجات کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنا اچھا نہیں لگتا۔ بلکہ حضرت والاؒ کی فہرست میں بعض بڑے درجہ کے اکابر کا ذکر جو بعد میں ہے، اس سے یہی سبق ملتا ہے کہ اپنی اپنی جگہ سب ہی اکابر کا ادب واحترام کرنا چاہئے۔ اور کسی کے بارے میں ادب واحترام میں کمی یا درجہ میں کم سمجھنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ خود حضرت حکیم الامتؒ کا یہی مسلک سمجھ میں آتا ہے۔

واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم۔

[ع] احقر نے ان بزرگ کا اسم گرامی بارہا حضرت مولانا حماد اللہ صاحبؒ سے سنا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

باب پانزدہم (۱۵)

اِرشادوافاضہ باطنی

ہمارے حضرت والاؒ کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ''جامع الخیرات'' کا لقب استعمال فرمایا ہے، جونہایت ہی بجا اور منطبق ہے۔ درحقیقت حضرت والاؒ جامع الخیرات والحسنات، جامع الشریعت والطریقت، جامع ظاہرو باطن اور جامع معقول ومنقول تھے۔علماوعملاً خیرہی خیر تھے۔اور مختصراً جامع الکمالات[1] تھے۔اپنے زمانہ کے خیرالکاملین تھے۔ آپ سے علمی اور اصلاحی دونوں نوع کا نفع بہت پہنچا۔ خیر الناس من ینفع الناس کا عین مصداق تھے۔ایک طرف آپ کامل اُستاد، شیخ الحدیث والتفسیر اور ماہروکامل مفتی تھے، دوسری طرف کامل ترین شیخ طریقت، اعلیٰ درجہ کے محقق، مرشد کامل اور اصلاح وتربیت باطنی کے بہترین مصلح ومربی تھے۔ آپ کی محبت وشفقت والدین کی سی تھی۔ اور آپ کی سیاست بادشاہوں جیسی تھی۔آپ کے مدرسہ کے ایک طالب علم جو بعد میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار میں مدرّس بھی رہے تھے، کہتے تھے یا کسی اور صاحب سے نقل کرتے تھے کہ اتنا بارُعب شخص نہیں دیکھا جو اتنا خوش مزاج بھی ہو۔

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق[2] ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن

اوّل بار زیارت:

اوّل بار حضرت والاؒ کی زیارت اس وقت ہوئی جبکہ آپ حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی دعوت پر کراچی تشریف لائے۔اس موقع پر ہر طبقہ کے نمائندہ علماء کو کراچی میں مدعو کیا گیا تھا۔اوراس اجتماع کے نتیجہ میں نمائندہ علماء کے اتفاق سے ''اسلامی مملکت کے بنیادی اصول' مرتب کئے گئے تھے۔جیسا کہ اس کا ذکر باب ''متفرقات'' میں آرہا ہے۔

حضرت والاؒ کی تشریف آوری کی اطلاع مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحبؒ کے خط سے ہو چکی تھی۔اور قیام مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے ہاں ۵۶-جیکب لائن کراچی میں تھا۔وہاں مولانا احتشام الحق صاحبؒ کی پرانی نشست گاہ میں ہی

---

[1] حضرت والاؒ کے لئے یہ لقب حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے بھی بینات کے اداریہ میں استعمال فرمایا ہے۔(ملاحظہ ہو باب ۲۱۔زیرعنوان ''وفات حسرت آیات پر اکابر علماء کے تاثرات'') نیز حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی ت کے مقالہ سے جو اقتباس لیا گیا ہے اس میں بھی یہ لقب ہے (ملاحظہ ہو باب ۲۰ اخلاق وعادات۔زیرعنوان حضرت والاؒ کا مقام بزرگان دین کی نظر میں)(آ آ)

[2] یہاں شعر کی تطبیق محض جامعیت کی صفت میں ہے۔گو درحقیقت جامعیت مذکورہ فی الشعر تو صاحب سوانح پر اپنی جگہ پوری طرح منطبق ہے ہی۔(آ آ)

حضرت والاؒ کی اوّل بار زیارت ہوئی۔ اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ہی سے دریافت کرنے پر تعارف ہوا۔ اور حضرت والاؒ کے دریافت فرمانے پر احقر نے اپنا نام بتایا۔ بعد میں حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہیدؒ سے ذکر ہوا، تو انہوں نے احقر کی اس کوتاہی پر افسوس کیا۔ کیونکہ نام پوچھنے سے پہلے از خود بتانا چاہئے تھا۔ اس وقت احقر کو ابتدائی ضروری آداب کا بھی کچھ پتہ نہ تھا۔ یہ آداب معاشرت میں سے ہے کہ طالب کو شیخ پر ضروری تعارف کے لئے سوال کا بار ڈالنا اور انتظار کرنا نہ چاہئے۔

عجیب اتفاق ہے کہ حضرت والاؒ کی آخری بار زیارت بھی ۵۶- جیکب لائن کراچی میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے یہاں ہی ہوئی۔ جیسا کہ باب دوازدہم ''اسفار'' کے تحت عنوان ''کراچی کا آخری سفر'' اور اس کے ذیلی عنوان ''خادم کو حضرت والاؒ کی آخری زیارت'' کے ضمن میں اس کا ذکر آچکا ہے۔

اوّل بار حاضری ملتان:

غالباً سکول کی ملازمت کے دوران ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ (دسمبر ۱۹۵۲ء) کی تعطیلات موسم سرما میں بذریعہ عریضہ حضرت والاؒ سے ملتان حاضر خدمت ہونے کی اجازت حاصل کر کے ملتان مدرسہ خیرالمدارس حاضر ہوا۔ اس بار یعنی پہلی حاضری کے موقع پر حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہیدؒ پہلے سے موجود تھے۔ ان سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور گیان تھلہ کی قدیم عمارت جو مدرسہ کو الاٹ ہوئی تھی، اس کے ایک کمرہ میں قیام رہا، جس کو حضرت والاؒ نے دارالاہتمام بنایا اور وہ اخیر تک حضرت والاؒ کے زمانہ میں دارالاہتمام ہی رہا۔

طرزِ تربیت:

حضرت والاؒ کی تربیت کی یہ ایک خصوصیت تھی کہ حضرت والاؒ کی شفقت و محبت کا طالبِ اصلاح کو ظاہراً پتہ نہ چلتا تھا۔ آپ کی محبت و شفقت مصلحت اصلاح کے تحت بسا اوقات تنبیہ و عتاب سے مستور ہو جاتی تھی۔ حقیقتاً تو یہ اپنے شیخ و مرشد سلوک و اصلاح کے امام حضرت حکیم الامتؒ کا طرز تھا۔ لیکن حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والے بڑے قوی طلب والے حضرات تھے۔ اور حضرت حکیم الامتؒ کی محبوبیت بھی خداداد اپنے زمانہ میں بے مثل ہی تھی۔ اس لئے حضرت والاؒ کے طرزِ تربیت میں حضرت تھانویؒ کا اتباع اجتہاد کے ساتھ مرکب تھا۔ وجہ یہ ہے کہ طریقہ اصلاح کا اجتہاد فقہی اجتہاد کی طرح نہیں ہے، بلکہ محقق اور کامل مشائخ جن حضرات کو بیعت و اصلاح کی اجازت اور خلافت دیتے ہیں، ان میں طریق اصلاح میں اجتہاد کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، یا پیدا ہونا متوقع ہوتی ہے، تب اجازت دیتے ہیں۔ کیونکہ اصلاح و تربیت کا اجتہاد ماہر اطباء کے اجتہاد کی طرح ہے۔ جس کے بغیر نہ معالجۂ بدن ہو سکتا ہے نہ علاج و اصلاحِ باطن۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ اور حضرت والاؒ کا طرزِ اصلاح حقیقتاً ایک ہے۔ لیکن صورت ترتیب میں کچھ فرق ہے۔ وہ یہ کہ حضرت تھانویؒ

تو طالب اصلاح کی آتے ہی اصلاح وتربیت شروع فرمادیتے۔ اور شروع میں ذراسی گڑبڑ ہونے پر بھی خوب تنبیہ فرماتے، کہ اگر طالب صادق نہ ہوتا تو بھاگ کھڑا ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک ملفوظ میں خود فرماتے ہیں کہ (جو طالب اصلاح ہوتا ہے) میں اس کا اُٹھنا بیٹھنا مشکل کردیتا ہوں۔ پھر جب وہ اس امتحان سے گزر جاتا ہے تو حضرت تھانویؒ کے الطاف وعنایات اور شفقت ومحبت کی باتیں سنتا ہوں (اور معلوم کرتا ہوں) تو ان کے کسی مرید سے پوچھے، یا اشرف السوانح پڑھ لیجئے۔ ہاں حضرت تھانویؒ کے یہاں اگر کوئی طالب اصلاح ہوکر نہ آتا، بلکہ مہمان ہوتا، یا کسی اور بزرگ سے تعلق رکھنے والا ہوتا تو اس کے ساتھ اکرام ضیف کا حق ادا ہوتا تھا۔ ہمارے حضرت والاؒ کے پاس ہمارے جیسے ضعیف بھی آتے۔ ماہر طبیب اور مجتہد فن کا کام یہ ہے کہ وہ صرف کامل اطباء کی تقلید نہ کرے بلکہ اپنے مریض اور طالب کو بھی دیکھے۔ چنانچہ حضرت والاؒ پہلے شفقت کا برتاؤ فرماتے۔ مانوس ہونے اور طلب دیکھنے پر اصلاح کے لئے تنبیہ عتاب اور زجر وتوبیخ بھی حسب ضرورت فرماتے۔ غرضیکہ حضرت والاؒ کا طرزِ تربیت حضرت حکیم الامتؒ کے طرز پر بھی ہے، کیونکہ بہرحال ان کے متبع تو تھے ہی، لیکن ساتھ ہی ساتھ فن کے مجتہد بھی تھے۔ اور طرز تربیت واصلاح میں حضرت حکیم الامتؒ کی محض ظاہراً نقل نہ فرماتے تھے۔

طرزِ تربیت کا نمونہ دیکھنا ہو تو مکاتیب سے بہت کچھ اندازہ ہوسکتا ہے۔ حضرت والاؒ کے طرزِ تربیت میں استغناء نمایاں تھا۔ طالبین اصلاح عریضہ ارسال خدمت کرتے تو ان کے جواب میں اصلاح اور تربیت ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ خیرالمکاتیب مرتب ہوکر شائع ہوجائیں اور اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو مقبول ومفید بناویں (آمین).

حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضری اور صحبت سے فیض اس طرح ہوتا تھا کہ مدرسہ میں درس کے وقت کوئی طالب اصلاح ہوتا تو حاضر خدمت رہتا۔ اسی طرح دارالاہتمام میں حضرت والاؒ کوئی انتظامی کام کرتے یا طالبین اصلاح کے خطوط کے جواب دیتے۔ خواہ باہر تخت پر یا چارپائی پر تشریف فرما ہوتے۔ طرفین سے خاموشی ہوتی۔ اور حضرت والاؒ طبعاً بھی خاموش طبع تھے۔ بس اسی خاموشی میں جو کچھ ملنا ہوتا مل جاتا تھا۔ انسان میں فطرتاً نقل کی عادت ہے۔ بزرگوں کی صحبت سے خاموشی میں بھی بہت کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ نہ صرف مکاتبت کافی ہے، نہ صرف صحبت میں بیٹھنا، بلکہ ان دونوں سے مل کر پورا فائدہ ہوتا ہے اور اصلاح ہوتی ہے۔ جبکہ اطلاع کے ساتھ اتباع بھی ہو اور شیخ کی تجویز پر اعتماد کے ساتھ انقیاد ہو۔ جس کا خلاصہ حضرت والا تھانویؒ کے یہاں اس مختصر نسخہ میں ہے:

''اطلاع و اتباع و اعتماد و انقیاد''

حضرت حکیم الامت تھانویؒ فیض کا دریا تھے، تو حضرت والاؒ اسی دریا کی نہر تھے۔ اصولاً جو تربیت حضرت تھانویؒ کے یہاں ہوتی تھی، اسی کا حصہ حضرت والاؒ کو ملا تھا۔ غلو سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں۔ اس سوانح سے غرض حضرت والاؒ کی مدح سرائی نہیں، بلکہ یہ دُعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مفید بنائیں۔ احقر کو ایک بار پھر اس باب کے بارے میں اپنے عجز کا اقرار کرنا

پڑتا ہے، کیونکہ احقر حضرت والاؒ کے طرزِ تربیت کو بیان کرنے سے عاجز ہے۔بس حضرت حکیم الامتؒ کے طرزِ تربیت اور تعلیم وتلقین کا باب بعنوان ''ارشادوافاضہ باطنی'' اشرف السوانح جلد دوم میں مطالعہ فرمالیا جائے، تو اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ بقدرِضرورت بصیرت پیدا ہوجائے گی۔ بلکہ سلوک وطریقت اور اصلاحِ نفس وتصوف کی حقیقت ہی واضح ہوجائے گی۔ اس کا ایک نمونہ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں ملتا ہے، اور بحمداللہ حضرت والاؒ میں بدرجہ اتم ملتا ہے۔

اب ان چند حروف کے بعد حضرت والاؒ کے چند حرفی بیان پر اکتفاء کیا جاتا ہے، جو حضرت والاؒ نے غایت تواضع، فنائیت وعبدیت کے ساتھ بیان واقعہ کے طور پر ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد ہی خلفاء مجازین بیعت کی فہرست دی جاتی ہے۔تحریرفرماتے ہیں:

''مرشدی ومولائی حکیم الامت مجددالملت حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز کے حکم کی تعمیل میں سلسلہ بیعت وتلقین بھی کسی قدر شروع ہوا۔اور بعض مخلصین درجہ اجازت تک بھی پہنچے۔''

جن بارہ حضرات کو حضرت والاؒ نے اجازت فرمائی، اب یہاں ان کی فہرست نقل کی جاتی ہے۔ (حضرت والاؒ کی تحریرفرمودہ فہرست کی فوٹو کاپی بھی اس کے ساتھ دی جارہی ہے) فہرست حسب ذیل ہے:

''اسماءحضرات مجازین از بندہ خیرمحمد''

(۱) مولوی عبدالسلام صاحب ہوشیارپوری، لائل پور

تاریخ اجازت: صحیح تاریخ اجازت جیسا کہ مولانا عبدالسلامؒ سے تحقیق کی تھی اور حضرت والاؒ کی ایک تحریر سے بھی اس کی تصدیق ہوئی۔ مورخہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۵۲ء ہے۔ (از ''نقش''۔ آ ا)

(۲) مولوی عبدالعزیز صاحب، چک نمبر۴۴، ڈاک خانہ چشتیاں ضلع بہاولنگر

تاریخ اجازت: ۱۹ رجب ۱۳۷۶ھ (۲۰ فروری ۱۹۵۷ء چہارشنبہ)

(۳) مولوی فتح محمد صاحب، محلہ حسین آگاہی، ملتان شہر

تاریخ اجازت: ۲۹ شوال ۷۶ھ (۳۰ مئی ۵۷ء پنجشنبہ)

(۴) سید قمرالدین صاحب، ڈیرہ غازی خان، سنٹرل جیل ملتان

تاریخ اجازت: ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۵۰ء (ازنقل اجازت بیعت۔آ ا)

(۵) مولوی شمس الدین صاحب، وھڈوہ، پتاس، پٹرہ (مشرقی پاکستان)

....

(۶) مولوی عبدالوحید صاحب ہوشیارپوری، لطیف کاٹن فیکٹری، رینالہ خورد، ضلع منٹگمری

تاریخ اجازت: ۱۹ رمضان ۸۲ھ

(۷) مولوی عبداللہ صاحب، امام مسجد کوٹلی اللہ یار، ڈاک خانہ کالہ گوجراں، ضلع جہلم

تاریخ اجازت: ۷ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ، مطابق ۶ نومبر ۶۲ء

(۸) حافظ عطا محمد صاحب، لاہور، ملازم راولپنڈی

تاریخ اجازت: ۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹ جون ۱۹۴۲ء بروز جمعہ

(۹) شیخ بشیر احمد صاحب پنشنر ہوشیار پوری، کچہری روڈ ملتان شہر

تاریخ اجازت: ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۶۲ء (از "نقش" آ ا)

(۱۰) مولوی غلام حیدر صاحب جالندھری، میاں چنوں ضلع ملتان

تاریخ اجازت: ۲۴ رمضان ۸۴ھ

(۱۱) سید محمد شفیع صاحب ہوشیار پوری، مقام چک نمبر ۲۹ ج ب ڈاک خانہ چک نمبر ۵۶ ج ب گھیالہ

....

(۱۲) مولوی آفتاب احمد صاحب، ایم۔اے۔ مدرّس دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار ضلع حیدرآباد سندھ

تاریخ اجازت: ۶ شوال ۱۳۸۳ھ ہے۔ (از اجازت بیعت۔ آ ا)

مرہم اور آپریشن:

احقر کے تجربہ میں آیا کہ حضرت والاؒ کے طریق تربیت میں اوّل و آخر شفقت ہی شفقت تھی۔ البتہ درمیان میں اصلاح کی ضرورت سے اس کا اظہار ہمیشہ نہ ہوتا تھا۔ بلکہ تنبیہ اور زجر و توبیخ بھی ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ تنبیہ و زجر یا اظہار ناراضگی صرف وقتی اور بہت کم مدت کے لئے ہوتی تھی۔ اور پھر وہی اصل شفقت و مہربانی کا برتاؤ عود کر آتا تھا۔ ضرورتاً اور علاجاً عارضی سختی کا اظہار ہوتا تھا۔ اس لئے کہ اگر ہمیشہ صرف مرہم ہی سے کام لیا جائے اور آپریشن نہ کیا جائے تو مادہ فاسدہ کا اخراج نہیں ہوتا۔ لیکن محقق طبیب یہ بھی دیکھتا ہے کہ مریض آپریشن کو برداشت بھی کر لے گا اور اس کے لئے اس کو تیار بھی کر لیا جاتا ہے۔

استغناء اور شفقت:

حضرت والاؒ کے طریقہ اصلاح کی ایک خصوصیت بہت استغناء کا برتاؤ تھا۔ خدام کے ساتھ اپنی شفقت و محبت کو ظاہر نہ ہونے دیتے تھے، تاکہ ناز پیدا نہ ہو۔ جس سے طالبین عموماً بگڑ جاتے ہیں۔ بلکہ سالکین کے ساتھ آپ کے برتاؤ سے بہت استغناء کا ظہور ہوتا تھا۔

محبت وشفقت کا تو یہ حال تھا کہ جب سی اینڈ ایم ہسپتال میں آپریشن ہوا (جس کی کچھ تفصیل ''باب طویل علالت و سفرِ آخرت'' میں آ رہی ہے) اور خادم عیادت کے لئے حاضر ہوا، تو فرمایا بہت دیر لگائی (احقر کو کسی صاحب سے اچانک کافی تاخیر سے اطلاع ملی تھی) نیز چونکہ سفر سے آتے ہی حاضر ہو گیا تھا، اور کپڑوں پر گرد وغبار کا اثر ملاحظہ فرمایا ہوگا، تو فرمایا کہ غسل کر لو، غسل خانہ اچھا ہے۔ (آپریشن کی سخت تکلیف کی حالت میں بھی اپنے خدام کا اتنا خیال!) اور جب عیادت کے لئے بیٹھ کر تھوڑی سی دیر کے بعد اُٹھنے لگا (جیسا کہ عام اَدب یہی ہے کہ مریض کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے، تا کہ وہ اُکتائے نہیں۔ یا کوئی حاجت ہو تو پابند نہ رہے) تو مخدومی حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ جو عیادت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے خادم کو ابھی بیٹھے رہنے کا اُمر فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اُٹھنے لگا تو پھر بٹھا دیا۔ شاید تین بار ایسا ہوا۔ جس سے یہ ظاہر فرما دیا کہ حضرت والاؒ چاہتے تھے کہ خادم ابھی اور بیٹھے۔ یعنی حضرت والاؒ اس ناکارہ سے اُکتاہٹ کے بجائے اُنسیت محسوس فرماتے تھے۔ یہ تو حضرت والاؒ کی شفقت ومحبت تھی جو اس موقع پر ظاہر بھی ہوگئی۔ ورنہ خدام کو ذرا محسوس نہ ہوتا تھا، بلکہ حضرت والاؒ کے خداداد رُعب کی وجہ سے باوجود بے حد محبت کے ڈرتے ہی رہتے تھے۔ واقعی بادشاہوں والی سیاست پدرانہ محبت وشفقت کے ساتھ اسی طرح جمع ہوتی ہے۔

حسنِ تربیت کا سنہری اصول:[1]

بلکہ مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مجازِ بیعت حضرت مجدد تھانوی قدس سرہٗ) نے ایک بار ہمارے حضرت والاؒ سے اپنے زیرِ تربیت کسی طالب کے بارے میں مشورہ لیا، تو حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

چونکہ مجھے معلوم نہیں کہ تربیت کس طرح کی گئی، اس لئے مشورہ سے قاصر ہوں۔ البتہ ایک اصول عرض کرتا ہوں جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا۔ وہ یہ کہ کسی طالب کو اپنے دلی تعلق خاص کی اطلاع نہیں فرمایا کرتے تھے، تا کہ ناز کا وقت نہ آنے پائے۔ بلکہ ہر شخص کو ظاہری استغناء اور اندرونی توجہ سے تربیت فرمایا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے آپ سے اس کی رعایت نہ رہ سکی۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۲۰ نومبر ۱۹۶۹ء''

اس کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ کے دو بار استرشاد کے جواب میں حضرت والاؒ کے دو والا نامے مزید اس کتاب میں (بر صفحہ ۳۴۷ تا صفحہ ۳۴۹) دیئے گئے ہیں۔ (جن کو وہاں دیکھا جا سکتا ہے)

ابتداء جمعہ مسجد بدر رخ شاہ:

ان دو میں سے دوسرا والا نامہ حضرت حاجی صاحبؒ کی مسجد (بدر رخ شاہ، طارق روڈ ملتان) میں نماز جمعہ شروع

---

[1] عنوان اور نقل والا نامہ حضرت والاؒ بنام مخدومی حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ مکتوبات وملفوظات اشرفیہ پانچواں ایڈیشن ص ۳۳۶ سے لیا گیا ہے۔ (آ آ)

کرنے کے بارے میں ہے۔احقر مؤلف کو یاد ہے کہ حضرت والاؒ خادم کو ساتھ لے گئے تھے۔اور خادم مسجل (ٹیپ ریکارڈر) اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ٹیپ کی ریل کے ساتھ رکھی ہوئی تحریری یادداشت میں ہے کہ اوّل حضرت والاؒ کا وعظ ہوا۔پھر حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ نے بیان فرمایا۔یہ بھی تحریر ہے کہ ''حضرت والاؒ نے اس خادم کو خطبہ و نماز پڑھانے کا حکم دیا،جس کی تعمیل کی گئی۔''اور یہ بھی یاد ہے کہ نماز پڑھانے کے لئے محراب میں کھڑے ہونے پر حضرت والاؒ نے خادم کو پورے قدم محراب سے باہر نکالنے کا حکم فرمایا تھا۔

خیرالمساجد کا لکڑی کا منبر:

اس پر حضرت والاؒ کی ایک اور مشفقانہ عنایت و ذرّہ نوازی یاد آئی۔خیرالمساجد (یعنی جامع مسجد خیرالمدارس) تعمیر ہونے پر خطبہ جمعہ کے لئے پہلے لکڑی کا منبر تیار کرایا گیا تھا۔پہلی بار اس پر جمعہ کے خطبہ کے لئے حضرت والاؒ نے وعظ فرمانے کے بعد اس خادم (احقر مؤلف) کو مائیکروفون پر آواز دے کر بلایا (کیونکہ خادم سامنے موجود نہ تھا،بلکہ غالباً مسجد کے صحن میں تھا) اور خطبہ جمعہ پڑھنے کا حکم فرمایا۔جس کی تعمیل ہوئی۔نماز جمعہ کس نے پڑھائی،یہ یاد نہیں۔غالباً حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحبؒ موجود ہوں گے تو انہوں نے پڑھائی ہوگی۔

تزکیہ نفس اور مطالعہ مواعظ وملفوظات حضرت مجدد تھانویؒ اور بعض دیگر اہم مؤلفات

سلوک یعنی وصول الی اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرنے میں دو جزء اہم ہیں۔اوّل صحیح راستہ معلوم ہونا،دوم ہمت کر کے راستہ پر چلنا۔یعنی قوت علمیہ اور قوت عملیہ۔

ہر قسم کے عمل کے لئے پہلے اس کا علم ضروری ہوتا ہے۔یہی بات سلوک میں ہے۔بلکہ تحصیل تصوف وسلوک کے لئے تو علم بالخصوص اشد ضروری ہے۔تصوف سے علم کو جدا کر دیا جائے تو الحاد و زندقہ پیدا ہوا ہے۔چنانچہ حضرت والاؒ علم دین، فہم سلیم اور ذوق صحیح پیدا کرنے کے لئے طالبین اصلاح کے لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات کے مطالعہ کی ہدایات فرماتے تھے۔

تزکیہ نفس یا اصلاحِ نفس کے معنی رذائل نفس کا علاج اور فضائل کا اکتساب ہے۔چنانچہ جیسا کہ پہلے گزرا،حضرت والاؒ طالب اصلاح کو تبلیغ دین کا مطالعہ کر کے جن رذائل کا نفس میں موجود ہونا سمجھ میں آئے،ان کی فہرست بنا کر ایک ایک کا علاج دریافت کرتے رہنے کی ہدایت ابتداء مکاتبت ہی میں فرما دیتے تھے۔اس کے علاوہ تصحیح عقائد اور دین کا صحیح فہم پیدا ہونے کے لئے نیز اصلاحِ نفس اور اس کے لئے ہمت پیدا ہونے وغیرہ جیسے اہم مقاصد کے لئے حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ تجویز فرماتے تھے۔

نیز تصوف وسلوک کی حقیقت سمجھنے اور زوائد وفضولیات اور مقاصد میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے تاکہ سید ھا راستہ نظر آجائے، پھر ہمت کر کے چلنا ہی ہے۔ اس مقصد کے لئے نیز ہمت پیدا کرنے کے لئے بھی مواعظ وملفوظات اور قصد السبیل، تبویب، تربیت السالک، اشرف السوانح اور اکمال الشیم وغیرہا کا مطالعہ بھی تجویز فرماتے تھے۔ ان میں سے آخر الذکر کتاب معرفت الٰہیہ میں ترقی کے لئے بہت عمدہ ہے۔

(نوٹ: حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی کتب (برائے تصحیح عقائد واعمال اصلاحِ نفس اور عقل سلیم وفہم صحیح پیدا ہونے کے لئے) جو یکجا اصلاحی نصاب کے نام سے مرتب کی گئی ہیں، بہت ہی مفید ومناسب اقدام ہے۔ البتہ کسی ناشر نے اس میں خصوصاً حیوۃ المسلمین کے بعض عنوانات (ارواح کے ناموں) میں بہت نامناسب تغیر کیا ہے۔ پھر اس کے بعض دوسرے ناشرین نے بھی ان کی تقلید میں ان ہی غلط عنوانات کے ساتھ شائع کرا دیا۔ اس میں قرآن حکیم کی آیات بینات اور احادیث نبویہ کے احکام اور ان کے بعض حِکَم ومنافع دینی و دُنیوی کے ٹھوس حقائق ومعارف کو "رموز" بلکہ "فلسفہ" جیسی گھٹیا شے سے تعبیر کرنا بڑی نادانی اور حقیقتاً (بوجہ ناواقفیت) علوم ومعارف الٰہیہ ونبویہ کی سخت بے ادبی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجلس صیانۃ المسلمین میں عملی خدمت کرنے والے حضرات کو وسائل اور توفیق عطا فرمائیں کہ وہ اس نصاب کو اپنی نگرانی میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ابتدائی شائع شدہ کتب کو مہیا کر کے ان سے ملا کر تصحیح فرمائیں۔ اور ان کتب کے اپنے اصلی عنوانات اور صحیح مضامین[۱] کے ساتھ شائع کرائیں، تاکہ صحیح کتب سے بخوبی استفادہ ہو سکے۔ اور آئندہ کے لئے بھی صحیح ریکارڈ کتب کا محفوظ ہو۔ تاکہ ناشرین آئندہ بھی صحیح شائع کرتے رہیں۔

اس یکجا شائع شدہ اصلاحی نصاب (مشتمل بر مؤلفات حضرت تھانویؒ) اور اکمال الشیم وغیرہ کے علاوہ بہشتی زیور یعنی اس کا حصہ دینیات (علاوہ معاشیات وطب وغیرہ) بھی بہت اہم وضروری ہے۔ اور عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت واخلاق اور ترغیب وترہیب سب کو حاوی ہے۔)

درمیان میں جملہ معترضہ آ گیا تھا۔ تذکرہ حسب عنوان تزکیہ نفس کے لئے مطالعہ مواعظ وملفوظات کی اہمیت کا تھا۔ جیسا کہ ابواب خیر المدارس میں "آج کا خیر المدارس" کے زیر عنوان گزر چکا۔ اب پھر اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اعادہ کیا جاتا ہے، کہ حضرت والاؒ نے مواعظ وملفوظات کے بارے میں ایک دفعہ خادم کو تحریر فرمایا: "ماشاء اللہ یہ تو حقیقی مرشد ورہنما ہیں۔"

ماضی قریب یعنی اسی قرن کے مختلف سلسلوں کے اہلِ حق بزرگانِ دین اور کبار مصلحین اپنے مریدین اور طالبینِ اصلاح کو حضرت حکیم الامتؒ کی کتب اور بالخصوص مواعظ وملفوظات کے مطالعہ کی ہدایت فرماتے رہتے تھے۔ اور غالباً اب

---

[۱] عنوانات کے علاوہ مضامین ومسائل کی نقل صحیح ہونے کی جانچ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ ایسا ہو چکا ہے۔ کہ بہشتی زیور کے مسائل کسی ناشر نے شائع کئے تو اختصار پسندی کیوجہ سے مسائل واحکام کی عبارت کو مختصر کر دیا۔ اور اس میں حج وعمرہ کے کچھ مسائل کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیا۔ ان میں بعض مسائل بالکل غلط تھے۔ جن کو مؤلف بہشتی زیور اور صاحب امداد الفتاویٰ جیسے فقیہ الامت اور امام وقت جو قرن سابق کے مجدد تھے ان کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے۔ انا للہ الخ۔ (آ آ)

بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان بزرگانِ دین میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو احقر کو بھی اس وقت یاد ہے، اور اکابر کو بھی اسی پر قیاس فرمالیا جائے۔ کیوں نہ ہو کہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے شیخ مخدومنا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ جو امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے اکابر خلفاء میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت تھانوی کے مواعظ سے نسبت باطنی پھیلتی[1] ہے۔ تقریباً یہ الفاظ احقر نے حضرت سہارن پوریؒ کے تلمیذ رشید اور خلیفہ مجاز بیعت استاذی المعظم حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے بھی سنے ہیں۔ اور قدرے زوردار الفاظ میں یہ روایت اشرف السوانح میں بھی موجود ہے۔ اور خود امام ربانی حضرت گنگوہیؒ نے ایک بار جبکہ غالباً گنگوہ میں حضرت تھانویؒ کا وعظ ہو رہا تھا، اپنے پاس بیٹھے ہوئے خدام کو ارشاد فرمایا کہ یہاں بیٹھے کیا لیتے ہو۔ ایک عالم ربانی کا وعظ ہو رہا ہے، وہاں جاؤ[2]۔

مزید تفصیل کے لئے اشرف السوانح کا مطالعہ اِن شاءاللہ تعالیٰ نہایت ہی مفید ہوگا۔ اور وہ صرف گزشتہ صدی کے مجدد کی سوانح ہی نہیں، بلکہ سلوک و تصوف پر عجیب و غریب فوائد سے بھرپور اور خواجہ صاحبؒ کے آتش عشق سے روشن کتاب ہے۔ کیا عجب کہ اس کے مطالعہ سے عشقِ الٰہی کی لَو اس طرح لگ جائے جیسا کہ ایک چراغ سے دوسرا چراغ جل جاتا ہے۔

مجلس ملفوظات میں حضرت والاؒ اور سب حاضرینِ مجلس نہایت سکون و سکوت کے ساتھ سماعت فرماتے تھے۔ کبھی کسی بات کی وضاحت ضروری ہی ہوتی تو حضرت والاؒ مختصری بات فرمادیتے تھے۔ کیونکہ یہ طالب علمانہ قیل وقال اور چون و چرا کی مجلس نہ تھی، بلکہ خانقاہی تسلیم اور استفادہ و استفاضہ کی مجلس تھی، جس میں زمانہ کے فتن اور تحریکات سے یکسوئی کے ساتھ تعلق باللہ اور رضائے الٰہی کی طلب پیدا ہوتی تھی۔ بلکہ عاشق الٰہی کی لَو لگتی اور چراغ سے چراغ جلانے والا کام ہوتا تھا۔ اہل مجلس خصوصاً طالبینِ اصلاح محبت الٰہی سے اپنے سینوں کو گرما کر اُٹھتے تھے۔ اور دنیاوی وہمی مصلحتوں اور تاویلات فاسدہ کو آگ لگانا سیکھتے تھے۔ ہنگامی مغربی سیاست کے بجائے صحابہ کرام والی سیاست کے شیدائی بن جاتے تھے، جس کا حاصل یہ تھا:

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خم طرہ یارے گیرند

نیز ان ملفوظات میں دین کے ایک اہم شعبہ اصلاحِ معاشرت کی تعلیم بھی بڑی تاکید کے ساتھ ملتی ہے، جس کو عوام الناس ہی نے نہیں بلکہ خواص نے بھی ترک کر رکھا تھا۔ بلکہ عموماً اس کا دین سے کچھ تعلق ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔

مواعظ و ملفوظات سے کیا ملتا ہے؟ جو شخص اللہ تعالیٰ ہی کی رضا کا جویاں ہو، اس کی صحیح رہنمائی ہو جاتی ہے۔ رضائے الٰہی جس کا مقصود ہو اور اس کے راستہ کی طلب ہو، اس کو راستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ طلبِ صادق بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

---

[1] یہ دونوں روایات بالمعنی ہیں اور غالباً اشرف السوانح میں ملینگی۔ (ت)

[2] یہ دونوں روایات بالمعنی ہیں اور غالباً اشرف السوانح میں ملینگی۔ (ت)

ہمت کے حصول کا طریقہ:

ایک صاحب کی روایت ہے کہ انہوں نے حضرت والاؒ سے عرض کیا کہ بزرگ اپنے مریدوں کو اعمالِ صالحہ کرنے اور معاصی سے بچنے میں ہمت سے کام لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ اس ہمت کے حصول کا کیا طریق ہے؟ فرمایا: ''جب کسی کام کی اہمیت اور وُقعت دل میں آ جاتی ہے تو خود بخود اس کے لئے ہمت ہو جاتی ہے۔ جیسے کہیں ضروری سفر کرنا ہو اور گاڑی آدھی رات کو جاتی ہو تو خود بخود اس کی ہمت ہو جاتی ہے۔''

یعنی ہمت پیدا کرنے کے لئے اس کام کی اہمیت و وقعت دل میں آ جانے کی ضرورت ہے۔ حضرت والاؒ نے گویا سائل کو دعوتِ فکر دی کہ وہ اب غور کرے اور سوال کرے کہ وہ اہمیت و وقعت دل میں کیسے آئے، تاکہ ہمت پیدا ہو۔ چنانچہ حضرت والاؒ ہی کی تعلیم و تلقین اور ارشادات کے فیض سے اس سوال کا جواب اور اس متن متین کی شرح یہ عرض ہے: کہ دین کے کام کی اہمیت و وقعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور پھر اس سے ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ بتوفیقہٖ تعالیٰ۔ جیسا کہ حضرت والاؒ ہی کے اصلاحی ارشادات میں جابجا ملتا ہے۔ (آ آ)

چنانچہ جیسا کہ ابوابِ خیرالمدارس میں ''آج کا خیرالمدارس'' کے زیرِ عنوان گزر چکا، مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ نے احقر کے اسی کے مثل سوال کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا تھا کہ حضرت تھانویؒ کی کتابوں یا مواعظ و ملفوظات سے دین کے کاموں کی ہمت پیدا ہوتی ہے۔ (یا یہ فرمایا کہ دین کی طلب پیدا ہوتی ہے) بہرحال دونوں میں سے جو کلمہ بھی فرمایا ہو، حاصل ایک ہی ہے۔ یعنی ابتداء میں طلب اور انتہاء میں (مگر عمل سے قبل) ہمت کی ضرورت ہے۔ اور اسی پر دارومدار ہے۔ اور حقیقتاً یہ سب کچھ اللہ جل جلالہٗ و عز اسمہ کی توفیق اور مشیت سے ہوتا ہے۔ اور سب دارومدار اور انحصار اسی پر ہے۔ اور اسی کے در پر ناک اور ماتھا رگڑنے اور اسی کے آگے بصد عجز و نیاز ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اور دراصل کام اسی سے بنتا ہے۔

مزید تاکید کے لئے ابوابِ خیرالمدارس میں گزرے ہوئے حضرت والاؒ کے ملفوظات بھی یہاں مکرر نقل کئے جاتے ہیں:

ملفوظات کے دوران فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے ملفوظات اور مواعظ ہر خاص و عام کے لئے یکساں مفید ہیں۔ (ملفوظ (۲) بروایت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب)

ایک دفعہ فرمایا: ''جس شخص کو بھی اپنی اصلاح مقصود ہو، حضرت تھانویؒ کے ملفوظات و مواعظ کو زیرِ مطالعہ رکھے، اور اگر پڑھ نہ سکے تو کسی سے سُن لیا کرے۔ (ملفوظ (۳) ایضاً)

• خاتمۃ السوانح[1] میں بھی حضرت حکیم الامتؒ کی وفات کے بعد ان کا فیض حاصل کرنے کے لئے ان کی تالیفات

---

[1] یعنی اشرف السوانح کی آخری جلد جو مجدد تھانویؒ کے وصال کے بعد مرتب کی گئی۔ (آ آ)

اور مواعظ و ملفوظات اور بالخصوص ملفوظات کو مطالعہ میں رکھنے کی بہت تاکید ملتی ہے۔

مکاتیب اصلاحیہ

اصلاحِ نفس سے متعلق نوع بنوع اور نو بنو حقائق و معارف کا کچھ نمونہ تو مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ کے مقالہ میں ملے گا، جس میں حضرت والاؒ کے متنوع موضوعات پر مکاتیب اصلاحیہ میں سے کچھ نمونہ لیا گیا ہے۔

احقر نے اصلاحِ طلب احوال میں چند مکاتیب سے عموماً ان ارشادات کو لیا ہے، جن میں مطالعہ کے ذریعہ اصلاح فرمائی گئی ہے۔ اور خاص طور پر اصلاح کے لئے مواعظ و ملفوظات کے مطالعہ کا اُمر فرمایا ہے۔ کہیں کہیں کوئی اور اہم اصلاحی ارشاد بھی شامل کر لیا ہے۔ (بہر حال تفصیلی حقائق و معارف اور علوم متعلقہ اصلاح و تزکیہ نفس تو اِن شاء اللہ تعالیٰ خیر المکاتیب کے مرتب ہو کر شائع ہو جانے پر ہی سامنے آسکیں گے)

اقتباسات از بعض مکتوبات مشتمل بر استرشادات و ارشادات

ارشادات بجواب ابتدائی عریضہ..... اصلاحِ نفس کی فرضیت اور مطالعہ ''تبلیغ دین'':

چونکہ ابھی آپ دماغی محنت میں لگے ہوئے ہیں، اس لئے وظیفہ میں لگانا آپ کو مناسب نہیں۔ البتہ اصلاحِ نفس ہر وقت فرض ہے۔ اس لئے آپ تبلیغ دین کا اس طرح مطالعہ کریں کہ اخلاق رذیلہ میں سے جو اپنے اندر محسوس کریں ان کو بطور فہرست قلمبند کرتے جائیں اور اخلاقِ حسنہ میں جس کی کمی اپنے اندر محسوس کریں ان کو بھی بطور فہرست لکھتے جائیں۔ پھر ایک ایک کا علاج پوچھ کر اصلاح کراتے جائیں۔ (دستخط) خیر محمد (۷۱-۳-۴)ھ

ایک مرید کی اہلیہ کے لئے مطالعہ کتب اور خود احقر کے لئے مطالعہ ''ترجمان السنہ'':

السلام علیکم! فہرست کتب نظر سے گزری۔ مزید مطالعہ کی بھی ضرورت ہے۔ ترتیب وار لکھتا ہوں: تعلیم الدین، اصلاح الرسوم، حقوق الاسلام، انفاس عیسیٰ، نزھۃ البساتین، پھر عربی کا مختصر نصاب پڑھ کر ترجمہ قرآن مجید۔ اللہ تعالیٰ ان کو علم و عمل کی توفیق مع الثمرات عطا فرماویں۔

اگر ہمت ہو سکے تو آپ خود مولانا بدر عالم صاحب کی تصنیف ''ترجمان السنہ'' ہر دو جلد کا مطالعہ بھی کر لیں۔

والسلام (دستخط) خیر محمد ملتان (۷۴-۳-۱۴)ھ

مواعظ و ملفوظات

عرضِ حال: اس ذرا سے احساس کے بقا اور ترقی کے لئے دعاء فرماویں اور احساس پیدا کرنے کا طریقہ ہدایت فرماویں۔ بڑی مہربانی ہوگی۔

ارشاد: مواعظ و ملفوظات کا مطالعہ

مطالعہ کتب کو ترجیح

عرض حال: عشاء کے بعد گنجائش ہے۔اگر مناسب ہو تو مزید ذکر تعلیم فرمایا جاوے۔ (عریضہ ۲۴-۵-۷۰ھ)

ارشاد: بجائے ذکر مزید کے مطالعہ کتب کو ترجیح دی جائے۔

استعمال ہمت اور مطالعہ مواعظ

عرض حال: نظر الی الاجنبیات سے احتیاط کی ہمت نہیں ہوتی ..... یہ کوتاہی معمولی بات محسوس ہوتی ہے....اس معصیت کی مضرت کا احساس کم رہ گیا ہے۔ براہِ کرم حضرت والا اس کا علاج فرمادیں۔

ارشاد: ہمت کو استعمال میں لایا جائے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا روزانہ مطالعہ جاری رکھا جائے۔

ہمت اور کثرت استغفار

حال: اصلاح کے کام میں سست رفتاری اور قوت فیصلہ کی کمزوری کا کیا علاج کیا جائے؟

ارشاد: ہمت اور کثرت استغفار علاج ہے۔

ملفوظات کا مطالعہ اور استحضار

حال: بعض معاصی جن کی طرف طبعی میلان بکثرت ہوتا تھا....اب الحمدللہ طبعی نفرت محسوس ہونے لگی۔لیکن اس حالت کے بقاء کا خادم کو اعتبار نہیں......براہِ کرم اس میں رسوخ کی تدبیر اور دُعاء فرمادیجئے۔

ارشاد: اہتمام سے حضرت والا کے ملفوظات کا مطالعہ اور استحضار۔

معاصی سے طبعی اور عقلی نفرت

حال: بعض خاص معاصی سے طبعی نفرت بھی زیادہ ہوگئی تھی۔اب پھر بار بار غفلت ہوکر وساوس آتے رہتے ہیں۔اور اس طبعی نفرت میں کمی محسوس ہوتی ہے۔

ارشاد: وساوس غیر اختیاریہ کا خود آنا اور طبعی نفرت نہ ہونا مضر نہیں، جبکہ عقلاً نفرت موجود ہو۔

مطالعہ کا قلب پر اثر مطلوب ہے، عدم استحضار کا مضائقہ نہیں

حال: ملفوظات کا مطالعہ جاری ہے۔اور اس کا فائدہ بالکل ظاہر ہے۔اس سلسلہ میں مزید ہدایات ونصائح ارشاد فرمائیں تو اُمید ہے اِن شاء اللہ اصلاح ہوگی۔

ارشاد: مطالعہ کے مضامین کا اگر استحضار باقی نہ رہے تو بھی مضائقہ نہیں۔اس کا ایک اثر قلب پر پڑتا ہے۔وہ باقی رہتا ہے۔وہی مطلوب ہے۔

قراءت اور نماز کی طرف ابتداء میں توجہ کافی ہے

حال: کوشش کرتا ہوں کہ قراءت اور نماز کی طرف توجہ رہے، لیکن تھوڑی دیر میں پھر غفلت اور بے توجہی ہو جاتی ہے۔

ارشاد: ابتداء کی توجہ کافی ہے۔ جب تک قصد خلاف توجہ کا نہ ہو وہ توجہ باقی سمجھی جاتی ہے۔

تبلیغ دین دیکھ کر اپنے امراض باطنی معلوم کرنا

حال: براہِ کرم حضرت والا خادم کا ایسا علاج فرمائیں کہ خود رائی اور جو امراض اس کا منشاء ہوں وہ دور ہو جائیں، اور فنا و عبدیت کی نعمت و دولت حاصل ہو جائے۔

ارشاد: رسالہ تبلیغ دین دیکھ کر اپنے امراض باطنی معلوم کرو۔

مطالعہ ملفوظات ومواعظ

حال: آیا ملفوظات ومواعظ یا ان میں سے کسی ایک کا مطالعہ خادم کے لئے بطور معمول کے ہے۔ اور اس کو بہر حال باقی رکھے۔ (الخ)

ارشاد: ملفوظات یا مواعظ کا مطالعہ یا دونوں کا جاری رہے، بشرطیکہ فرصت ہو تو بہت اچھا ہے۔

مطالعہ تبلیغ دین اور عوارف المعارف

حال: اس کے مطالعہ کے دوران اپنی کوتاہیوں میں سے بہت کم کسی کسی کوتاہی کو نوٹ کیا۔ تبلیغ دین کا مطالعہ شاید صحیح..... نہیں ہوا۔ تو کیا خادم دوبارہ مطالعہ شروع کر دے؟

ارشاد: دوبارہ مطالعہ کی ضرورت نہیں۔ البتہ اخلاقِ رذیلہ میں اور اخلاقِ حسنہ میں سے جس جس میں کوتاہی نظر آئے اس کا علاج دریافت کرنا چاہئے۔ پھر عوارف المعارف کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

حال: (مندرجہ بالا استرشاد کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد پھر اس کا حوالہ دے کر عوارف المعارف کا مطالعہ ابھی شروع کرنے نہ کرنے کے بارے میں دریافت کیا)

ارشاد: تبلیغ دین اور عوارف المعارف کا مطالعہ جاری کریں۔

معمولات اور مطالعہ

حال: (اسی مذکورہ بالا عریضہ میں معمولات کا ذکر اور بسا اوقات بوجہ سستی اور نیند پوری نہ ہونے کے وقت ضائع ہو جانے پر دُعا اور ہدایات کی درخواست کی تھی)

ارشاد: میں دُعاء کرتا ہوں۔ ہمت سے کام لو۔ حتی الوسع معمولات کو پورا کیا کرو۔ جب کبھی فرصت ہو تو کتاب کا مطالعہ کیا کرو۔ اور دُعاء بھی کرتے رہیں۔ والسلام

حال: (یہ آخری عریضہ سے ایک عریضہ قبل والا ہے) تبلیغ دین کا مطالعہ شروع کیا تھا اور عوارف المعارف کا مطالعہ ناغہ کے بعد پھر شروع کیا ہے۔ مواعظ وملفوظات کا مطالعہ بھی اکثر ہو جاتا ہے۔

ارشاد: مطالعہ کے ساتھ معمولات بھی ادا ہونے چاہئیں۔ دُعاء کرتا ہوں۔

آخری ارشادات.... بعض اہم کتب برائے مطالعہ

۱۵ رجب ۱۳۹۰ھ (۱۷ ستمبر ۱۹۷۰ء) کو آخری عریضہ تحریر خدمت والا کیا۔ جس کا آخری استرشاد وحال اور آخری ارشاد حسب ذیل ہیں:

حال: عوارف المعارف اصل عربی کا مطالعہ جاری ہے۔ عجیب نفیس ولطیف اور عالی مضامین ہیں۔ لذیذ ومفید لیکن بلادت وجہل کی وجہ سے کتنے ہی مضامین سمجھ میں نہیں آتے۔ جتنا سمجھ میں آ جاتا ہے، خادم اسی کو غنیمت سمجھتا ہے۔

ارشاد: بس اسی پر کفایت چاہئے۔

حال: اُردو ترجمہ شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی کے کسی اُستاد کا بازار میں ملتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ نفع کی توقع نہ ہونے کے خیال سے نہیں لیا۔ اطلاعاً عرض کیا۔ شاید مزید استفادہ کی صورت ارشاد فرمائیں۔

ارشاد: ہم ضعفاء ہیں۔ ایسوں کے لئے اکمال الشیم، معرفت الٰہیہ، التکشف، تبلیغ دین، شریعت وطریقت ملفوظات وغیرہ کافی ہیں۔ قدماء کی طویل کتب ہمارے بس کی نہیں ہیں۔ (دستخط) خیر محمد

اس عریضہ کے جواب پر ڈاک خانہ کراچی کی مہر ۲۲ ستمبر ۱۹۷۰ء کی ہے۔ اس کے بعد ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲-اکتوبر ۱۹۷۰ء یعنی پورے ایک ماہ بعد حضرت والاؒ کا وصال ہو گیا۔

بعض اُکابر کا اپنے مریدوں کو حضرت والاؒ سے استفاضہ کے لئے ارشاد

بعض اوقات بعض بزرگانِ دین نے اپنے مریدوں کو حضرت والاؒ سے استفادہ واستفاضہ کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ مثلاً شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مرید کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''پاکستان میں حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب موجود ہیں۔ ان سے صحبت اور فیض حاصل کرو۔'' (ذکر خیر، ص ۲۱)

مخدوم الامت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مرید حاجی عبدالسلام لائل پوری کو تحریر فرماتے ہیں: ''اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ملتان میں برکت نازل فرمائیں۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی ملاقات نعمت ہے۔ اس سے نفع حاصل کرو۔ حق تعالیٰ نے موقع عنایت کیا ہے۔

(القول العزیز، جلد ۲، ص ۱۲۸)'' (ذکر خیر، ص ۲۲)

اب اس کے بعد حضرت والاؒ کے اندازِ تربیت کے بارے میں مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہٗ کی تحریر ملاحظہ فرمائیے:

حضرت والاؒ کا اندازِ تربیت:

حضرت والاؒ کا اندازِ تربیت بالکل اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی طرح تھا، کہ پہلے روز ہی سے کام میں لگا دیتے۔ اگر قلب شہادت دیتا تو فوراً بیعت[1] فرما لیتے۔ ورنہ طالب کی درخواست پر تعلیم کا سلسلہ فوراً شروع فرما دیتے۔ اوّل اخلاقِ رذیلہ کے امالہ کی ترغیب دیتے۔ بعدہٗ اخلاق حمیدہ کے حصول کی طرف مائل فرماتے۔ اس سلسلہ میں حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب اربعین کی چالیس فصول میں سے تیس فصلوں کا اُردو ترجمہ موسومہ ''تبلیغ دین'' کے مطالعہ کا اَمر فرماتے کہ ان میں تمہارے اندر جو اخلاقِ رذیلہ موجود ہیں ان کی فہرست بنالو۔ پھر ایک ایک کا علاج مجھ سے پوچھ کر ان پر عمل کرتے رہو۔ اور بذریعہ خط و کتابت اپنے حالات سے مطلع کرتے رہا کرو۔ طالبین کو اخلاق کی اصلاح کے لئے زیادہ زور دیتے۔ مگر بعض طالبین کو ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ پڑھنے کے لئے بھی بتلاتے۔ گویا اخلاق کی اصلاح کے علاوہ اوراد و اشغال بھی ساتھ ساتھ تعلیم فرماتے۔ مثلاً ذکر اسم ذات (اللہ) پانچ سو مرتبہ۔ استغفار ایک تسبیح، درود شریف ایک تسبیح، تلاوت قرآن پاک، اور ایک منزل مناجات کی روزانہ پڑھنے کے لئے بتلاتے۔ بعض کو صرف کلمہ سوم ایک تسبیح کے لئے ارشاد فرماتے۔ اس کے علاوہ احکام شریعت پر چلنے، نماز با جماعت ادا کرنے، رمضان المبارک کے روزے رکھنے، حج یا زکوٰۃ فرض ہو تو اس کے ادا کرنے کی تلقین فرماتے۔

طالبین کے خطوط کے جوابات کا خاص اہتمام تھا۔ چنانچہ آخر وقت تک باوجود ضعیفی و پیرانہ سالی کے تربیتی خطوط کا جواب خود تحریر فرماتے۔

حضرت والاؒ باوجودیکہ مجسمہ شفقت اور سراپا خیر و برکت تھے، ان کی مبارک مجلس میں بدون حرکت بھی برکت ہی برکت ملتی تھی۔ اور وہ عموماً مشفقانہ انداز ہی میں طالبین کی تربیت فرماتے تھے۔

ہم نے اُلفت کی نگاہیں دیکھیں　　　جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم

مگر اصلاح اور تربیت کے معاملہ میں کسی کی رعایت نہ فرماتے۔ ایک بار اس ناچیز نے چند روزہ قیام کا عزم ظاہر کیا تو ارشاد فرمایا: ''اگر رہنا ہے تو کام کرو، بازاروں میں فضول وقت ضائع نہ کرو۔'' اسی طرح ایک بار اس ناچیز نے لکھا کہ مجھے سانس اور بلغم کی شکایت رہتی ہے، جس کے سبب آواز سے تلاوت نہیں کر سکتا۔ البتہ تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ اس پر تحریر فرمایا: ''تلاوت علیحدہ کرو اور اس کا مطالعہ الگ کرو۔'' باقی بوجہ علالت آواز سے تلاوت نہ ہو سکے تو آہستہ

---

[1] اس ناچیز کو الحمد للہ کو فوراً بیعت فرمالیا تھا۔ احقر قریشی غفرلہٗ

کرنے کی اجازت فرمادی۔ غرض نفس کے جس قدر حیلے میں نے پیش کئے ان سب کا علاج فرمادیا۔

دولطائف:

تربیت کے سلسلہ میں اس ناچیز کے ساتھ دولطائف پیش آئے، جنہیں تفریحاً لکھتا ہوں۔ اس ناچیز کو بیعت کی حقیقت معلوم نہ تھی۔ اور بچپن میں بعض بزرگوں کو بیعت کرتے بھی دیکھا تھا۔ اس لئے خیال تھا کہ بیعت ہاتھ میں ہاتھ دینے کا نام ہے۔ مگر بعد بیعت جب حضرت والاؒ نے نماز تہجد پڑھنے کی تاکید کی اور تبلیغ دین امام غزالیؒ کے مطالعہ کے بعد اصلاح نفس کا ارشاد فرمایا تو یہ ناچیز حیرت واستعجاب کی نگاہوں سے حضرت والاؒ کو دیکھنے لگا کہ اچھا پھنس گیا۔ میں تو سمجھتا تھا کہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت ہونے کے ساتھ ہی چھٹی (اور فراغت) ہو جائے گی۔ مگر حضرت والاؒ تو بیعت کے ساتھ ہی پہلے روز سے کام میں لگا دیتے تھے۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

غرض حضرت والاؒ طالبین کی اصلاح وتربیت میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے۔ ان کے طلب اصلاح کے لئے خطوط کے جواب بھی تحریر فرماتے۔ اوراد واشغال بھی تعلیم فرماتے۔ تبلیغ دین کے علاوہ تسہیل قصد السبیل، اکمال الشیم فی اتمام النعم اور شریعت وطریقت وغیرہ کے مطالعہ کا بھی اَمر فرماتے۔ بالخصوص حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ حسنہ اور ملفوظات کے مطالعہ کی تو از حد تاکید فرماتے اور فرماتے کہ اس سے اصلاح میں بڑی مدد ملتی ہے۔

دوسرا لطیفہ: اس ناچیز کو حضرت والاؒ نے پہلی حاضری میں بعد بیعت استغفار ایک تسبیح پڑھنے کی تعلیم فرمائی تھی۔ یہ ناچیز اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ. پڑھ کر تسبیح پوری کرتا رہا۔ دوسری حاضری میں اس بارے میں عرض کیا تو حضرت والاؒ اپنے مخصوص انداز میں کافی دیر تک ہنستے رہے۔ پھر اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ پڑھنے کا اَمر فرمایا۔ اور تین بار اپنی زبان مبارک سے یہ کلمات پڑھے۔ جب احقر نے عرض کیا کہ یہ مجھے یاد ہیں تو خاموش ہو گئے۔ باقی احقر کا از خود اسے نہ پڑھنا اور صرف اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ سے تسبیح پوری کرنا نفس کا حیلہ ہو سکتا ہے۔

درود شریف: ایک بار احقر نے لکھا کہ کونسا درود شریف پڑھنا چاہیے؟ تو تحریر فرمایا کہ درود ابراہیمی یا یہ درود شریف پڑھا کرو: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ.

یہ بھی قارئین کے لئے ایک تحفہ ہے۔

حضرات مجازین:

تربیت فرماتے وقت جب حضرت والاؒ کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ حضرات اب اس قابل ہو گئے ہیں کہ یہ دوسرے طالبین کی تربیت اور رہنمائی کر سکتے ہیں۔ تو ایسے حضرات کو توکلاً علی اللہ بیعت وتلقین کی اجازت فرمادی۔ حضرات مجازین کو

اس سے خود اپنی اصلاح میں بھی مدد ملتی ہے۔

نوٹ: یہاں پر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ کا مقالہ ''میرے شیخ کامل'' درج کیا جا رہا ہے۔ جس میں اکثر مضامین حضرت والاؒ کے افاضہ باطنی پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے بعد ایک ملفوظ اور باقی حضرت والاؒ کے مکاتیب اصلاحیہ میں مذکور ارشادات کو بیان فرمایا گیا ہے۔ یہ ملفوظ اور مکاتیب والے ارشادات اس مقالہ کا حصہ دوم ہیں۔ ان سب سے نہ صرف حضرت والاؒ کے طرزِ اصلاح کا بقدرِ ضرورت نمونہ سامنے آتا ہے بلکہ طالب اصلاح سلوک کے بہت سے حقائق اور علوم مفیدہ سے مستفید ہو سکتا ہے۔ (آ ا)

میرے شیخ کامل[1] (حصہ اوّل)

از حضرت مولانا الحافظ عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم

مہتمم مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم جامع مسجد منڈی چشتیاں یکے از خلفاء حضرت والا قدس سرہٗ

حضرتؒ سے ابتدائی تعلق ہی کلید سعادت معلوم ہوا:

احقر جب ۱۳۶۹ھ میں دورۂ حدیث سے فارغ ہوا تو دل میں اصلاحِ نفس کا خیال پیدا ہوا۔ اس سلسلہ میں احقر نے اپنے استاذ الکل، فخر الاماثل حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی خدمت میں ایک جوابی عریضہ تحریر کیا، کہ میں اصلاحِ نفس کے لئے کسی بزرگ کے ساتھ اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت والاؒ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں چند بزرگوں کے نام تحریر کرتا ہوں، جس کی طرف رجوع میں آسانی ہو، رجوع کرلیا جاوے۔ اس جواب میں بزرگوں کے نام تحریر فرمانے کے دیگر جواب طلب اُمور کا جواب تحریر فرمایا۔ غالباً بزرگوں کے نام لکھنے سے سہو ہوگیا۔ اور اس خط کے بعد میرا ذاتی رجحان بھی حضرت والاؒ کی طرف ہی ہوگیا، تو میں نے پھر دوبارہ آپ سے اس معاملہ میں دریافت کرنا مناسب نہ سمجھا، کہ وہ کون سے حضرات تھے جن کے نام آپ تحریر فرمانا چاہتے تھے۔ بہر حال پھر احقر نے زبانی طور پر بیعت ہونے کے متعلق عرض کیا، تو حضرت والاؒ نے فرمایا کہ آپ میرے مشورہ سے کام شروع کر دیں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کو مِنْ حَیْثُ لا یحتسب نفع ہوگا۔ سب سے پہلے حضرت والاؒ نے قصد السبیل جو حضرت تھانوی کی راہِ سلوک میں مختصر سی کتاب ہے، مطالعہ کرنے کے لئے ارشاد فرمائی۔ بندہ نے از اوّل تا آخر دو تین مرتبہ اس کا مطالعہ کیا۔ اس کے مطالعہ سے راہِ سلوک میں کافی اُلجھنیں اور شکوک دور ہو گئے۔

[1] ''میرے شیخ کامل'' حصہ اول و حصہ دوم۔ بروایت اق۔

حضرتؒ میں شیخ کامل کی جملہ علامات موجود تھیں:

اس میں شیخ کامل کے عنوان سے جو علامات تحریر کی گئی ہیں وہ ہمارے شیخ میں بھی کامل درجہ میں پائی گئیں۔

اوّل: مثلاً بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔

دوم: عقائد و اعمال میں شرع کا پابند ہو۔

سوئم: دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ شعبہ دنیا ہے۔

چہارم: کسی شیخ کامل کی صحبت میں چند دن رہا ہو۔

پنجم: اس زمانہ کے منصب علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہوں۔

ششم: بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دین دار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔

ہفتم: اس سے جو لوگ بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کے اچھی ہو۔

ہشتم: وہ شیخ تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی بری بات سنے یا دیکھے تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

نہم: اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔

دہم: خود بھی وہ ذاکر شاغل ہو کہ بدون عمل یا عزم عمل تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ (ماخوذ از قصد السبیل)

یہ علامات شیخ کامل کی محض اس واسطے نوٹ کر دی ہیں تا کہ ہر شخص راہِ سلوک کو اختیار کرنے میں ان علامات کو ملحوظ رکھ کر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔ بہر حال مذکورہ علامات حضرت والاؒ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ اس واسطے بندہ نے حضرت والاؒ کے مشورہ کے ساتھ باقاعدہ طور پر تعلیم شروع کر دی۔ اور گرمیوں کی رُخصتوں میں اور اسی طرح آخری عشرۂ رمضان المبارک میں حاضری شروع کر دی۔

حضرتؒ کی توجہ سے دنیا سے دِل سرد ہو گیا:

''قصد السبیل'' کے مطالعہ کے بعد حضرتؒ نے نزہۃ البساتین کا مطالعہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا، جس میں بزرگوں کی تقریباً ایک ہزار صحیح حکایات درج ہیں۔ اس کے دیکھنے سے میرا دل دنیا سے بالکل سرد ہو گیا۔ یہ محض میرے شیخ کامل کی توجہ کا اثر تھا۔ اس کے بعد حضرت والاؒ نے تبلیغ دین محشّٰی ہدیۂ عنایت فرمائی۔ اور فرمایا کہ اس میں اپنے امراض روحانی کو دیکھ کر علاج کرایا جائے۔ اور کتاب میں جو علاج تحریر کئے گئے ہیں وہ بہت سخت ہیں۔ وہ پہلے زمانے کے لوگوں کے لئے تھے۔ بہر حال بندہ نے پھر باقاعدہ مکاتبت شروع کر دی۔ ہر ماہ میں ایک جوابی کارڈ ضرور لکھ دیا کرتا تھا۔ مکاتبت کا مضمون لکھنے کے سلسلہ میں بھی میں نے پریشانی کا تحریر کیا۔ جس کے جواب میں حضرت والاؒ نے ''تربیت السالک'' مطالعہ میں رکھنے

کے لئے ارشاد فرمائی۔ پھر دن بدن میرا ذوق شوق بڑھتا رہا۔ اور حضرت والاؒ کی توجہات اور عنایات میں اضافہ ہوتا رہا۔ اس ضمن میں یعنی آمد و رفت کے سلسلہ میں ایک مرتبہ رمضان المبارک میں حاضری کا اتفاق ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک خصوصی انعام احقر پر فرمایا کہ استاد محترم جناب قاری رحیم بخش صاحب مدظلہٗ[1] اپنی مسجد سے چند ایک شاگردوں کے ساتھ شبینہ میں قرآن پاک پڑھنے کے لئے تشریف لائے۔ پہلے حافظ رشید احمد صاحبؒ آپ کے بڑے صاحبزادے پڑھ رہے تھے۔ ان کے فارغ ہونے کے بعد قاری صاحب مدظلہٗ نے قرآن پاک کی منزل پڑھی۔

حفظ قرآن پاک کا شوق:

حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی دعاء سے مجھے حفظ قرآن پاک کا شوق ہوگیا۔ چنانچہ گھر واپس آ کر از خود ہی حفظ شروع کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال کے عرصہ میں میں نے قرآن پاک حفظ کر لیا۔ بعد میں جب احقر نے حضرت قاری صاحب مدظلہٗ سے حقیقت حال عرض کی تو حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے فرمایا کہ میں نے اس رات یہ دعاء کی تھی کہ اے اللہ! کسی کے دل[2] میں قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق پیدا فرمادے۔

حضرت والاؒ کے وعظ کی تاثیر:

وعظ میں تو ایسی تاثیر دیکھی کہ حضرت والاؒ کی باتیں دل میں اُترتی جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت والاؒ نے نواں شہر ملتان میں وعظ فرمایا اور اس میں بغض و کینہ رکھنے کی وعیدیں بیان فرمائیں۔ بندہ کی مدرسہ میں ایک دو ساتھیوں سے ناراضگی کی وجہ سے بات چیت بند تھی۔ بس حضرت والاؒ کے وعظ کا اتنا اثر ہوا کہ فوراً مدرسہ میں آ کر رات کو ان سے مصالحت کر لی۔ حضرت کے وعظ میں عموماً علمی سادہ باتیں ہوتی تھیں اور بہت اثر رکھتی تھیں۔ جیسے ہلکی ہلکی پھوار دار بارش برستی ہے اور زمین میں جذب ہوتی جاتی ہے۔ اس طرح آپ کے وعظ کی تاثیر تھی کہ مردہ دِلوں میں حیات پیدا ہو جاتی تھی اور بڑے بڑے صاحب کمال بھی حضرتؒ سے فیض یاب ہو کر جاتے تھے۔

حضرت والاؒ بلا شبہ خیر مجسم تھے:

ایک مرتبہ جالندھر میں مدرسہ میں ایک عرب صاحب تشریف لائے تو انہوں نے مختصر سا خطاب فرمایا کہ اسم بانی خیر محمد اور اسم مکتب خیر المدارس، اور یہ کہ میں بھی یہاں سے خیر لینے آیا ہوں اور خیر ہی لے کر جاؤں گا۔ اور یہاں خیر ہی خیر ہے۔ کیوں نہ ہو۔ جبکہ مدرسہ کا نام بھی حضرت تھانویؒ کا تجویز شدہ ہو۔ جو بھی یہاں آیا خیر سے بہرہ ور ہو کر گیا۔

حضرت حکیم الامت کے محبوب خلیفہ:

آپ حضرت تھانویؒ کے محبوب خلفاء میں سے تھے۔ حضرت تھانویؒ کے ہاں آپ کا بڑا احترام تھا۔ آپ کے چہرہ

[1] اس تحریر کے وقت حضرت قاری صاحبؒ بقید حیات تھے۔ غفر لہ وارحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ (آ)
[2] اس دعائیہ جملہ کا باقی حصہ مسودہ کی فوٹو کاپی میں نہیں ملا اس لئے جملہ انداز پورا کیا ہے۔ (آ)

کی نورانیت، ہونٹوں کی شگفتگی، نظروں کی شفقت، لبوں کی مسکراہٹ اور اخلاق کی وسعت جمال اشرفی کی زندہ تصویر تھی۔ اخیر عمر میں آپ کو درد گردہ کی سخت تکلیف رہتی تھی۔ ایک مرتبہ گردوں کا آپریشن بھی ہوا۔ اس کے باوجود آپ کو مدرسہ خیرالمدارس جیسے وسیع تعلیمی ادارہ کی انتظامی مشغولی درس وتدریس کی مصروفیتیں اور طویل سفروں کی صعوبتیں برداشت کرتے دیکھ کر ان کے متعلق ایک مرتبہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا قول یاد آیا جو آپ نے ارشاد فرمایا تھا جب کہ چند رفقاء کے ساتھ آپ تھانہ بھون آستانہ پر حاضر ہوئے تھے کہ انجن چھوٹا سا ہے، مگر گاڑیاں بہت سی کھینچے لا رہا ہے۔

حضرت مرجع الخلائق تھے:

انتظامی اُمور میں تو آپ کو اللہ تعالیٰ نے وہ ملکہ عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے علماء ومشائخ مثلاً حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات فرماتے تھے کہ اگر انتظامی اُمور کسی نے سیکھنے ہوں تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے جا کر سیکھے۔ انتظامی اُمور کا ہی یہ اثر تھا کہ سب اساتذہ کرام آپس میں شیر وشکر کی طرح رہتے تھے۔ ایک دوسرے کا نہایت ادب واحترام کرتے تھے۔ ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے کی خدمت کرنے کا موقع تلاش کرتا رہتا تھا۔ اور ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کی نظروں میں آپ مرجع الخلائق تھے۔

حضرت کو فن تصوف میں بھی بڑا ملکہ حاصل تھا:

فنِ تصوف میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت والاؒ چشتیاں کے علاقہ میں تشریف لائے۔ چک نمبر ۴۴ سے ہو کر چک نمبر ۴۶ بھی جانا ہوا۔ یہاں چشتیاں سے ایک میانوالی کے بہت بڑے عالم بھی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ انہوں نے موصوف سے تصوف کے بارے میں چند ایک سوال کئے، جن کے حضرت والاؒ نے تسلی بخش جواب دیئے۔ جس کی وجہ سے انہیں قائل ہونا پڑا کہ آپ فنِ تصوف میں پورے کامل ہیں۔ مثلاً انہوں نے ایک سوال کیا کہ یہ امراض غصہ، کبر، کینہ وغیرہ کا علاج ایسا ہو جائے کہ یہ امراض بالکل ہی ختم ہو جائیں۔ اگر غصہ (مثلاً) بالکل ہی ختم ہو جائے تو جہاد میں یا بُرے لوگوں کی اصلاح پھر کیسے کی جائے؟ تو حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ اصلاح سے امراض کا ازالہ مقصود نہیں، بلکہ امالہ مقصود ہوتا ہے۔ جیسے شکاری کتا جو سدھارا ہوا ہو کہ جہاں مالک نے حکم یا تو چل پڑا، ورنہ کان ڈھیلے کر کے پڑا رہا۔

اجازت بیعت:[1]

۱۹ رجب ۱۳۷۶ھ کو حضرت والاؒ سے میرے ایک خط کے جواب میں کامل شفقت سے اجازت بیعت مرحمت فرمائی۔[2] بندہ نے اس کے جواب میں تحریر کیا کہ بندہ اپنے اندر بالکل اہلیت نہیں پاتا۔ لہٰذا مجھے معذور تصور فرما کر اس بارِ گراں

---

[1] جنھیر بسیر (آ)   [2] اطلاع اجازت بیعت وتلقین کی نقل آگے آرہی ہے۔ (آ)

سے سبکدوش کردیا جائے۔ آپ نے پھر دوبارہ جواب میں تحریر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے اصلاحِ خلق کی خدمت لیں گے۔ بہت سارے لوگوں کو آپ سے نفع ہوگا۔ آپ بلا تکلف کام شروع کر دیجئے۔ پھر بندہ نے بیعت کے متعلق استفسار کیا۔ تو حضرت والاؒ نے اپنے دست مبارک سے حضرت تھانویؒ سے جس طرح بیعت ہوئی اور پھر اجازت مرحمت ہوئی، پورا مفصل طور پر دو صفحہ کا خط تحریر فرما کر ارسال فرمایا۔ جو میرے خطوط میں محفوظ ہے۔ صرف اطلاع اجازت کی نقل یہاں دی جا رہی ہے[1]:

(اطلاع) چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے غایت فضل و کرم سے آپ پر ایک درجہ میں معرفت کا دروازہ کھول دیا ہے، اور مقام فنا و بقاء نصیب ہونا شروع ہوگیا ہے۔ اس لئے بار بار قلبی تقاضا کے بعد توکلاً علی اللہ آپ کو بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ اس کو دینی خدمت سمجھ کر توکلاً علی اللہ شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے بہت سے لوگوں کو نفع دے گا۔ اور بلا تکلف اپنے دوستوں کو اس کی اطلاع کر دیں۔ والسلام خیر محمد ملتان (۱۹ رجب ۱۳۷۶ھ)

میرے شیخ کامل (حصہ دوم)

از مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ

(نوٹ: اس حصہ میں مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہٗ نے حضرت والاؒ کے زبانی افادات بصورت ملفوظ درس وغیرہ اور مکاتیب اصلاحیہ کے اقتباسات کو لیا تھا، لیکن اس ترتیب میں اتنا تصرف کیا گیا ہے کہ اصلاحی حصہ تو باب ارشاد و افاضہ باطنی کی نسبت سے اس میں باقی رہا۔ اور افادہ علمیہ کا حصہ اس سے متعلق جگہ شامل کر دیا گیا ہے۔ آ ا)

مجلسِ شیخ میں بیٹھنے کے آداب:

مجلسِ شیخ میں ذکر کے بارہ میں ایک مرتبہ استفسار پر فرمایا کہ جب شیخ گفتگو فرما رہا ہو تو اس وقت ذکر بند کر کے اس کی باتیں سننا چاہئیں۔ اور جب اپنے کسی کام میں مشغول ہو تو سالک کو ذکر لسانی خفی میں مشغول ہونا بہتر ہے۔ چنانچہ بندہ اسی کے مطابق ہمیشہ عمل کرتا رہا۔

اب حضرت قدس سرہٗ کے چند مکتوبات کے اقتباس پیش کرتا ہوں، جس سے آپ کے شیخ کامل ہونے کا اندازہ ہوگا۔

نماز میں وساوس کا علاج:

نماز میں وساوس کی شکایت کے علاج کے بارہ میں تحریر فرمایا کہ نماز کی ابتداء میں توجہ الی اللہ سے نیت کر کے شروع کرنے کے بعد اگر از خود وساوس و خیالات آتے رہیں تو یہ مضر نہیں۔ ان کا فکر کرنا اور اس طرف التفات کرنا البتہ مضر ہو جایا کرتا ہے۔ اس لئے بے التفات رہنا اور قصداً اپنے کام میں لگے رہنا ہی علاج ہے۔

[1] کیونکہ بیعت کرنے کا طریقہ اور خطبہ بیعت اس سے قبل "نقش حیات" سے نقل کیا جا چکا ہے۔ اس لئے اس کو یہاں نقل نہیں کیا گیا۔ (آ ا)

تفویض وتوکل اور رضاء بالقضاء کے ساتھ دعاء کا اہتمام رکھنے کی تعلیم:

احقر گھر کے قریب چشتیاں میں مدرس تھا۔ گھر سے دور خانقاہ عبدالخالق پر تبدیلی ہوئی۔ احقر نے اس کی اطلاع حضرت قدس سرہٗ کو دی تو جواباً تحریر فرمایا: ''آپ کی تبدیلی معلوم ہوکر صدمہ ہوا تھا۔ مناسب ہے کہ دعاء کرتے رہنا چاہئے۔ اور اس کو بھی حکمت الٰہیہ پر محمول کرنا چاہئے۔ ایک حکمت بعض امراضِ باطنہ کا علاج اور اصلاحِ باطنی بھی ہے۔ دوسرے انسانی ارادہ وسعی پر مشیت الٰہیہ کا غلبہ، معرفت حق تعالیٰ میں اضافہ کا موجب بھی ہے وغیرہا من الفوائد۔ تبدیلی کے لئے بندہ بھی دُعاء کرتا ہے۔''

روزانہ اپنے عیوب کا مطالعہ بڑا مفید ہے:

ایک والا نامہ میں ارشاد فرمایا روزانہ ایک وقت اپنے عیوب کا مطالعہ اور عین وقت پر عیوب ونقائص کا استحضار اور اعتبار عندالخاتمہ کا تصور اِن شاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر غیبت ممنوع میں داخل نہیں:

احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا: ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر غیبت ممنوعہ میں داخل نہیں۔ البتہ بلا ضرورت تذکرہ وشکوہ ممنوع ہے یا فضول۔ اس سے ہمت کر کے بچنا چاہئے۔''

مجاہدہ کے ثمرہ میں مشاہدۂ حق موعود ہے:

ایک عریضہ کے جواب میں ارشاد فرمایا: ''غصہ کا آنا امر طبعی ہے۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ البتہ اس کے مقتضٰی پر عمل کرنے میں عجلت نہ کرنی چاہئے۔ بلکہ حتی المقدور ضبط کرنے کا مجاہدہ کیا جائے۔ مجاہدہ کے ثمرہ میں مشاہدۂ حق موعود ہے۔ اس کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ چند بار مقتضاء پر عمل کرنا مشکل نظر آئے گا، پھر آہستہ آہستہ سہل ہوجائے گا۔''

دورِ حاضر میں حسن کی طرف قصداً میلان قلبی درست نہیں:

احقر نے ایک بار ع ''نتواں نہفتن درد از طبیباں'' کے پیشِ نظر اپنا ایک مرض حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں لکھا کہ جب کسی حسینہ پر نظر پڑ جاتی ہے تو کافی دیر تک اس کا خیال دِل میں آتا رہتا ہے۔ حتی الوسع چلتے وقت نگاہ نیچی رکھتا ہوں۔ پھر بھی کبھی خیال آ جاتا ہے۔ ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ سوائے خدا کے تصور کے کوئی خیال نہ آئے۔ مگر نفس شریر غالب آ جاتا ہے اور خیال نہیں ہٹتا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ''السلام علیکم! ماشاء اللہ آپ کے حالات اچھے ہیں۔ حسن کی طرف قلبی میلان بُرا نہیں۔ بشرطیکہ غیر اختیاری ہو، یا حق تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہو۔ مگر اس زمانہ میں اس کا قصداً یا قلبی مطالعہ کرنا سخت خطرناک ہے۔ اس واسطے بچیوں کی طرف قصداً نظر نہ کی جائے۔ اور بعد نظر اوّل کے قلب میں سوچا جائے،

بلکہ اس کی وعید کو مستحضر کیا جائے۔ یا فوراً اپنی محرمات کی صورت کی طرف ذہن کو منتقل کر دیا جائے۔ کچھ روز مشق کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔''

خطرات کا آنا ایمان کا مقتضٰی ہے، مگر ان کی طرف سے بے التفاتی مفید ہے:

احقر نے لکھا بعض دفعہ ایسے خطرات آتے ہیں کہ ایمان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ تحریر فرمایا: ''ایسے خطرات کا آنا خود ایمان کی نشانی ہے، جو موجب مسرت و تشکر ہے۔ اور خدائی رحمت وسیعہ پر نظر کر کے دل میں ان کا اثر نہ لینا اور مایوسی کو قریب نہ آنے دینا ایمان کا مقتضٰی ہے۔ اس لئے بے التفاتی سے کام لیتے رہیں۔''

امورِ غیر مشروعہ کے ملاحظہ کے وقت عجیب اعتدال کی تعلیم:

ایک بار احقر نے لکھا کہ خلافِ شرع اُمور میں اگر کوئی شخص مصروف ہو تو اس پر بہت جلد غصہ آ جاتا ہے۔ بخلاف اُمورِ دنیا کے کہ اس پر کوئی نقصان کر دے تو اتنا غصہ نہیں آتا۔ اس کے جواب میں عجیب اعتدال کی تعلیم دی، جو قابلِ ملاحظہ ہے اور حضرت کے شیخ کامل ہونے کی بیّن دلیل[1] ہے۔ فھو ھذا۔ تحریر فرمایا: ''امورِ غیر مشروعہ دیکھ کر غصہ آنا اور نفرت کرنا جذبہ ایمان ہے، جو محمود ہے۔ البتہ اس کے مقتضٰی پر اس طرح عمل کرنا کہ ان کو حقیر سمجھا جائے، یا ان سے سلام و کلام ترک کیا جائے، یہ مذموم ہے۔ اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔ بہ تکلف سلام و دُعا سے کام لیا جائے اور نیت ہدایت کی کی جائے کہ شاید مانوس ہونے سے وہ ہدایت پر آ جائیں۔ البتہ وہ اختلاط جو ان کی معصیت و فسق کے لئے قوت و دلیل کا موجب ہو وہ مذموم ہے۔ نیز ایسے وقت میں اپنے عیوب کا استحضار اور ان کے من وجہ محاسن کا استحضار کر لیا جائے، تا کہ ان کو حقیر سمجھنے کی نوبت نہ آ سکے۔''

حُبِ جاہ کا علاج:

احقر نے ایک بار لکھا کہ دل یوں چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریفیں اور ثنائیں بیان کیا کریں۔ اور میرے معتقد ہو جائیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص میری تعریف کرتا ہے تو دل میں ایک قسم کی فرحت اور خوشی ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے کہ اگر کوئی مذمت کرے تو یہ نہایت ناگوار گذرتی ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ''یہ تمام باتیں کبر سے ناشی ہوتی ہیں۔ حق تعالیٰ کی عظمت کے استحضار سے اِن شاء اللہ تعالیٰ مضمحل ہو جائیں گی۔ مزید برآں یہ کہ تخلیہ کے وقت ۵-۱۰ منٹ مراقبہ موت کرتے ہوئے یہ تصور کیا جائے کہ نہ مدح کنندگان رہیں گے اور نہ مذمت کنندگان۔ پھر دونوں سے تاثر موہوم ہوا۔ ایسی موہوم چیز پر غرور و بھروسہ سخت نادانی ہے۔''

ریا کی تعریف اور اس کا علاج:

ریا کی تعریف اور علاج کے متعلق فرمایا: ''ریا کہتے ہیں غیر اللہ کی مدح و نفع کی غرض سے قصداً کوئی کام کرنا۔ اگر

[1] یعنی حضرت کا شیخ کامل محقق ہونا تو ہے ہی، یہ تمام دلیل نہیں یہاں مقصود حضرت والا کی مدح نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان تعلیمات کے تذکرے سے اصلاحی نفع عام ہو (آ)

قصد نہ ہو تو محض خیال کا آثار یا نہیں۔ بلکہ شبہ ریا ہے، جو مضر نہیں۔ بس اس کا علاج وہی بے التفاتی ہے۔"

تقاضا غیر اختیاری کچھ مضر نہیں:

احقر نے ایک بار حسن کی طرف میلان طبعی اور اس کی جانب تقاضائے نفس کے بارے میں مکرر عرض کیا تو جواباً تحریر فرمایا: "تقاضا غیر اختیاری کچھ مضر نہیں۔ البتہ مقتضٰی پر عمل کرنا مضر ہے، جس کی مقاومت کرنا ہمت کے استعمال سے اختیاری عمل ہے۔ یہ مجاہدہ گو صورۃً سخت اور نفس پر شاق ہے، مگر حقیقۃً بحوائے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا قلب میں نورِ ہدایت اور معیت مع اللہ کا سبب ہے، جو دولت عظیمہ ہے۔ جو علاج جاری ہے وہ جاری رکھتے ہوئے قلب کو التفات سے بالکل خالی رکھ کر عام دعا پر اکتفاء کیا کریں۔ دعا کے وقت اس کا خصوصی استحضار بھی نہ کیا کریں۔"

دعاء رضاء بالقضاء کے منافی نہیں:

ایک بار احقر نے لکھا کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر ماں باپ سے زیادہ شفیق ہیں اور بندہ کو جب آخرت میں کوئی ایسا درجہ عطا فرمانا چاہتے ہیں جو وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو غم وحزن اور مصائب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ تو اس مصیبت وتکلیف کے ازالہ کی دعاء کرنا تو رضا بالقضاء کے منافی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: "چونکہ غیر نبی کو اس درجہ کے مستحق تو بنانے کا علم یقینی نہیں دیا جاتا، بلکہ ہر مکلف کے نزدیک یہ درجہ احتمال کا ہوتا ہے، ادھر دعاء مطلقاً مامور و ماثور اور پسندیدۂ خدا ہے۔ نیز دعاء میں اظہار عجز ہے۔ اس لئے رضاء بالقضاء کے خلاف نہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ دعاء مامور بہ بجالا کر جو حالت پیش آوے اس پر رضا بالقضاء ہونی چاہئے۔"

زُہد اسبابِ دنیویہ کے منافی نہیں:

ایک بار احقر نے زُہد کا علاج وطریق تسہیل دریافت کیا تو تحریر فرمایا: "زُہد کی حقیقت دنیوی مرغوبات مباحہ میں تقلیل اختیار کرنا اور ان سے بہتر اُخروی اُمور کی طرف بکثرت مائل ہو جانا ہے۔ دراصل زُہد ایک نور ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے قلب مومن میں القاء ہو جاتا ہے، جس کی بدولت شرح صدر نصیب ہوتا ہے۔ دنیا کی حقارت وفنا کا اور آخرت کی پائیداری اور عزت کا طریق تحصیل یہ ہے کہ دنیا کے عیوب وفنا کو اور آخرت کے بقاء ومنافع کو سوچا جائے۔ زُہد اسباب دنیویہ کے منافی نہیں۔ بلکہ نظر اسباب پر نہ ہو۔ نظر صرف حق تعالیٰ پر ہو۔ اور جو حالت من عند اللہ پیش آئے اس پر قانع رہے۔"

کسی فعل غیر مشروع سے بغض رکھنا علامت ایمان ہے:

ایک بار ایک شخص نے مسجد میں ایک ایسی حرکت کی کہ سب نمازیوں کو اور خود مجھے سخت پریشان کیا۔ اس پر بندہ نے بھی اسے دو چار سخت کلمے کہہ دیئے۔ مگر بعد میں ندامت ہوئی تو استغفار کیا اور حضرتؒ کو لکھا تو جواباً تحریر فرمایا: "غصہ کے

مقتضٰی پر عمل نہ کرنا ہی غصہ کو دبانا ہے۔ وساوس واوہام قابلِ التفات نہ ہونے چاہئیں۔ کسی کے فعل غیر مشروع سے بُغض رکھنا یا رہنا علامت ایمان ہے۔ فاعل سے نہ ہونا چاہئے (بلکہ فعل سے ہو)''

علامت رقتِ قلب:

احقر نے لکھا کہ حج کے موقع پر خاص مقامات پر رونے کی کوشش کی۔ مگر بڑی مشکل سے دو چار آنسو نکلے۔ ظاہری رونا، آنسوؤں کا نکلنا نصیب نہ ہوا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ''کبھی رونا قلب کا ہوتا ہے۔ وہ آنسو کے تابع نہیں۔ اس لئے قساوت کا شبہ بے کار ہے۔ نیز تحریر فرمایا کہ قلب کا متاثر ہونا یہ بھی رقت قلب کی علامت ہے۔ قساوت کا شبہ نہ کیا جائے۔''

بُغض فی اللہ کے سبب سلام نہ چھوڑنا چاہئے:

ایک بار احقر نے لکھا کہ بُغض فی اللہ کی وجہ سے اپنے متعلقین اور دوسرے عام لوگوں پر جو خلاف شرع کام کرتے ہیں بڑا غصہ آتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کو سلام کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ''غصہ کا آنا اور پھر اس کو ضبط کرنا بے حد دین کی بات ہے۔ مگر ایسے لوگوں کے لئے دعا نہ کرنا بری بات ہے۔ اور سلام دعا ہے، اس کو ترک نہ کیا جائے۔ یہ بھی ایک طرح سے مجاہدہ ہوگا۔ اور ادھر تعمیل ہوگی **علٰی من عرفت او لم تعرف** کی۔''

عجیب تسلی آمیز تعزیت نامہ:

احقر کے برخوردار مرحوم کی وفات پر حسب ذیل محبت بھرا تعزیت نامہ تحریر فرمایا: ''یہ تصور کیا جائے کہ زندہ رہتا تو آپ کی پرورش میں ہوتا۔ اب وہ اس سے بہتر مربی کی پرورش میں چلا گیا۔ یہ اس کا فائدہ ہوا۔ اگر زندہ رہتا تو آپ اس کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ اب اس کے عوض میں ثوابِ آخرت اور جنت ملی، جو نعمت عظمٰی باقیہ ہے۔ یہ آپ لوگوں کا فائدہ ہوا[1]۔ ہاں جدائی کا صدمہ ضرور ہوا، جو غیر اختیاری ہے۔ اس کا صبر و ضبط مجاہدہ اختیاری ہے۔ بہر حال رضاء بالقضاء کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ کے مضمون کا استحضار کیا جائے۔ سب متعلقین کی خدمت میں یہ تعزیت نامہ پیش ہے۔''

حضرت[2] والاؒ کی شفقت والطاف کی بعض یادیں:

حضرت والاؒ نے ملتان سے کچھ فاصلے پر اپنی سابقہ اراضی خرید کی ہوئی تھی۔ شروع شروع میں ۱۵ یا ۲۰ یوم کے بعد وہاں جانا ہوتا تو بندہ ہی حضرت والاؒ کے سائیکل کی ڈرائیوری کا کام سرانجام دیتا۔ اور راستہ میں دورانِ سفر بہت سے مسائل

---

[1] سبحان اللہ حضرت عباسؓ کی وفات پر حضرت ابن عباسؓ کی تعزیت جو ایک اعرابی نے اشعار میں کی تھی۔ جس کو انہوں نے سب سے بڑھ کر تسلی بخش تعزیت فرمایا تھا اس کے مضمون کو حضرت والا نے کس عمدگی سے بیان فرما کر اس پر مزید تلقین صبر فرمائی ہے۔ وہ دو شعر یہ ہیں ؎

اصبر نکن بک صابرین فانما ۔ صبر الرعیة بعد صبر الراس

خیر من العباس اجرک بعده ۔ والله خیر منک للعباس. (ا۔ آ)

[2] ذیلی عنوان از آ۔ ا۔

آپ سے دریافت کرتا رہتا۔ اور حضرت والاؒ بہ کمال شفقت جواب عنایت فرماتے، جس سے پوری تسلی ہو جاتی۔ منزل مقصود پر پہنچ کر حضرتؒ اس ناچیز کے کھانے پینے کا خاص خیال فرماتے۔ اور اکثر خود ہی کھانا اپنے ہاتھ سے اُٹھالاتے۔ حضرت والا کی شفقت وعنایت کی کس کس بات کا تذکرہ کروں۔ بعد اجازت بیعت وتلقین حضرت والاؒ نے احقر کو کتاب شریعت و طریقت مطالعہ کرنے کے لئے تجویز فرمائی۔ چنانچہ بندہ نے اوّل تا آخر اس کا لفظ بلفظ مطالعہ کیا۔ یقیناً حضرت والاؒ کی توجہ کا اثر تھا کہ اس کے مطالعہ سے ہزاروں عقدے حل ہو گئے اور شریعت اور معرفت اور طریقت کی صحیح حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی۔ پھر تو حضرت والاؒ کی دُعاء وبرکت سے حضرت تھانویؒ کے مواعظ اور کتابیں دیکھنے کا اس قدر شوق پیدا ہوا کہ میں کھانا کھاتے وقت بھی کوئی رسالہ پڑھتا رہتا تھا۔ غرض حضرت والاؒ کی شفقت والطاف کے واقعات یادوں کے جھروکوں سے یاد آتے جا رہے ہیں اور دل چاہتا ہے کہ ''میرے شیخ کامل'' کے عنوان سے قلم اپنی جولانیاں دکھاتا رہے۔ مگر طوالت کے خوف سے یہیں ختم کرتا ہوں۔

ایں سخت رانیست ممکن اختتام　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

ضمیمہ میرے شیخ کامل

از ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہٗ

(تمہید)　بعد الحمد والصلوٰۃ احقر عرض رساں ہے کہ برادرم حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہم مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم چشتیاں ضلع بہاولنگر نے احقر کی درخواست قبول فرما کر مفصل مضمون ''میرے شیخ کامل'' تحریر فرمادیا۔ اس لئے مولانا کے کلام کو نظر بد سے بچانے کے لئے چند صفحات میں ''ضمیمہ میرے شیخ کامل'' لکھتا ہوں۔ جس طرح گل کے پہلو میں خار اور بہار کے ساتھ خزاں کا وجود لازمی ہے، اگر میری یہ سطور بھی مقبول ہوئیں تو مولانا کی تحریر کی برکت اس کا سبب ہوگی۔ جس طرح دھاگہ مصری کے ساتھ اور ردّی کاغذ مٹھائی کے بھاؤ تل جاتا ہے۔

(نوٹ:!　مکرّمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب کی اس تحریر کی ابتداء کے شاید دو چار جملے حذف ہو گئے ہیں۔ اس لئے مندرجہ ذیل تمہید کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ آ ا)

جیسا کہ اس سے قبل بعنوان ''حضرت والاؒ کا اندازِ تربیت'' مکرّمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زاد مجدہٗ بیان فرما چکے ہیں کہ حضرت والاؒ اصلاحِ نفس کے لئے تبلیغ دین (الاربعین للامام الغزالیؒ کی تیس فصلوں کے اُردو ترجمہ) کا مطالعہ کرنے اور اس میں سے رذائل نفس کی فہرست بنا کر ایک ایک کا علاج پوچھ کر عمل کرتے رہنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں:

دوسرے ہی عریضہ میں احقر نے حسب الحکم تبلیغ دین اُردو، امام غزالیؒ کے مطالعہ کے بعد نفس میں جو اخلاقِ رذیلہ محسوس ہوئے ان کی فہرست بنا کر بھیجی، جس میں ''جھوٹ'' بھی شامل تھا۔ مگر لکھا کہ جھوٹ تو الحمد للہ اکثر کم بولتا ہوں، مگر بعض اوقات مصلحت کی بناء پر جھوٹ بولنا ہی پڑتا ہے۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ''کذب ہر طرح گندہ ہے۔ مصلحت آمیز ہو یا غیر مصلحت آمیز۔ اُمور اختیاریہ سے بچنا بھی اختیار میں ہے، ہمت سے کام لیجئے۔''

احقر نے خط پڑھ کر دل میں سوچا کہ دروغ مصلحت آمیز کو تو حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ نے جائز لکھا ہے۔ ''دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔'' لیکن حضرت والاؒ کے ارشاد کی اس وقت قدر معلوم ہوئی جب ایک ایسے صاحب سے واسطہ پڑا جو جھوٹ کثرت سے بولتے اور چند دن یا گھنٹوں کے بعد خود ہی اس کے جھوٹ ہونے کا اپنی زبان سے اعتراف کرتے کہ اس جھوٹ میں یہ مصلحت تھی اور یہ مصلحت تھی۔ اس طرح اپنے جھوٹ بولنے کی سو سو مصلحتیں بیان کرتے۔

اسی بناء پر دروغ مصلحت آمیز سے روکنا حضرت والاؒ کے شیخ کامل ہونے کی بیّن دلیل ہے، تاکہ نفس جھوٹ بولنے کی خاطر تاویلیں اور مصلحتیں نہ سوچتا رہے۔

اسی طرح ایک بار احقر نے لکھا کہ میرے اندر حقد کا مرض ہے۔ اس کا علاج تحریر فرمایا جائے۔ حضرت والاؒ نے جواباً تحریر فرمایا کہ حقد کس کو کہتے ہیں۔ احقر کی نادانی ملاحظہ ہو کہ تعلیم الدین سے بقید صفحہ حقد کی تعریف مع معالجہ کے لکھ بھیجی۔ گویا نعوذ باللہ شاید حضرت کو معلوم نہیں تھا، اس لئے دریافت[1] فرمایا۔ مگر حضرت والاؒ کی غایت کرم و شفقت ملاحظہ ہو کہ اس پر کچھ عتاب نہیں فرمایا۔ بلکہ نصف فقرے میں بڑا شافی وکافی جواب تحریر فرمایا، جس سے آپ کے شیخ کامل ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ سوال و جواب دونوں عرض اور ارشاد کے عنوان سے نقل کرتا ہوں:

عرض: تعلیم الدین میں ہے کہ جب بدلہ لینے کی قدرت نہیں ہوتی تو اس کے ضبط کرنے سے دل پر گرانی محسوس ہوتی ہے۔ اس کو حقد کہتے ہیں۔ (معالجہ) اس کا قصور معاف کردے۔ اور اس سے میل جول شروع کردے۔ گو بتکلف ہی چند روز میں حقد دل سے نکل جائے گا۔ (احقر نے پوچھا) کسی سے متعلق حقد دل میں ہو اور وہ سامنے موجود نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے؟

ارشاد: ''اس کو خط لکھ کر معاملہ معافی کا کرے۔''

اسی طرح ایک بار احقر نے ۱۲ رجب ۱۳۹۰ھ کو عریضہ میں لکھا کہ حاضری کے لئے از حد شوق بلکہ اضطرار ہے، لیکن محترمی والد صاحب کی شدید علالت اور پیشاب کی بندش اور بواسیر کے سبب حاضری سے محروم ہوں، اور اپنے آپ کو حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری نور اللہ مرقدہٗ کے ایسے ہی موقع پر لکھے ہوئے شعر کو پڑھ کر تسلی دیتا ہوں۔ وہ شعر یہ ہے:

چوں بربندد بر میخت بستہ باش　　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

---

[1] باقی دریافت فرمانے کی اصل وجہ حضرت والاؒ کا طرزِ تربیت تھا جس کا علم مجھے بعد میں ہوا کہ حضرت حکیم الامت کا طرزِ تربیت بھی ایسا تھا کہ بعض اوقات خود سائل سے پوچھ لیتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی مراد کیا ہے (احقر قریشی غفرلہٗ)

اس کے جواب میں تحریر فرمایا: "یہ انقباض اور مشقت ذریعہ ترقی درجات ہے۔ اس پر شکر ادا کرنا چاہئے۔"

سبحان اللہ! اس انداز میں تسلی دینا شیخ کامل کا ہی کام ہے۔ اختصار کے پیشِ نظر مزید دیگر مکتوبات نقل نہیں کرتا، کیونکہ الحمد للہ مولانا عبدالعزیز صاحب کے نقول خطوط میں بہت کچھ آ گیا۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشیں، آمین۔

حضرت والاؒ سے اُستاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ کی اصلاحی مکاتبت

(نوٹ: اُستاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے مرید تھے اور مجاز بیعت بھی ہوئے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے ان کو اصلاح کے لئے حضرت والاؒ ہی کے سپرد فرمایا تھا۔ غالباً اسی زمانہ کی مکاتبت سے یہ اقتباسات لئے گئے ہیں۔ آ ا)

شیخ کامل[1] باپ کے خطوط...... سالک راہ بیٹے کے نام

نماز میں حصولِ اطمینان کا طریقہ

حال: نماز میں اطمینان کے لئے کوئی علاج تجویز فرمادیں۔

ارشاد: علاج اس کا یہ ہے کہ حتی الوسع خود دِل لگا کر نماز کو شروع کیا جائے۔ پھر جو کچھ ہو اس کی پرواہ نہ کی جائے۔

پریشانیوں کی فکر کی بجائے ان کے اسباب کا ازالہ کیا جائے

حال: ظاہری و باطنی بیماریوں کی وجہ سے تمام اوقات پریشانی میں گزر رہے ہیں۔

ارشاد: پریشانی طبیعت کو مضمحل کر دیتی ہے۔ اس لئے زیادہ فکر نہیں کرنا چاہئے۔ البتہ پریشانی کے سبب پر غور کرنا چاہئے۔

اصلاحِ احوال کا طریقہ

حال: بندہ اصلاحِ احوال کا طالب ہے۔

ارشاد: رسالہ تبلیغ دین میں اخلاقِ رذیلہ کا مطالعہ کیجئے۔ ان میں سے جو اپنے اندر محسوس کریں ان کی فہرست بنالیں اور ایک ایک کا علاج پوچھ کر اصلاح کراتے جائیں۔

ازالہ کبر کا آسان طریقہ

حال: بندہ میں کبر کا مرض کسی وقت غالب آ جاتا ہے، اس کا علاج فرمادیں۔

ارشاد: آسان طریقہ یہ ہے کہ مراقبہ بعد المغرب کیا جائے اور اپنے عیوب کا مطالعہ کیا جائے اور پھر توبہ کی جائے۔ اور حق تعالیٰ سے دُعاء کی جائے۔

---

[1] الخیر شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ (بتغییر یسیر بعض عنوانات۔ آ ا)

کبر کا علاج

حال: تکبر کے آثار مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے دوسروں کو حقیر سمجھنا اور راستہ میں دوسرا اسلام نہ کرے تو غصہ ہونا۔

ارشاد: اس کا علاج یہ ہے کہ جس کو حقیر سمجھے اس کی خوبیوں پر نظر کرنا اور غصہ کے وقت اپنے نقائص اور عیوب کو یاد کرنا اور خدا کی بڑائی کو دل میں مستحضر کرنا۔

غیبت کا علاج

حال: غیبت کا علاج فرما کر اصلاح فرمائی جائے۔

ارشاد: غیبت حق العباد ہے۔ اگر ممکن ہو تو مغتاب علیہ سے معافی طلب کرے۔ اور ناممکن ہو تو اس کی تعریف کرے اور اس کے لئے دعاء کرے اور آئندہ احتیاط کرے۔ اگر پھر بھی غیبت ہو جائے تو چار رکعت نفل جرمانہ کے پڑھا کرے۔ ان شاءاللہ یہ ترک ہو جائے گی۔

حسد کا علاج

حال: حسد کا علاج تجویز فرمایا جائے۔

ارشاد: مراقبہ موت چند منٹ کیا جائے، اس سے حسد جاتا رہے گا۔

معرفتِ الٰہیہ کا مطالعہ

حال: اگر کسی خاص کتاب کا مطالعہ زیادہ مفید ہو اور تسکین خاطر کا سبب ہو تو ارشاد فرماویں۔

ارشاد: ''معرفتِ الٰہیہ'' کا مطالعہ مفید ہوگا، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

حال: اگر کسی خاص کتاب کا مطالعہ مختصر وقت میں اگر مناسب ہو تو تجویز فرما کر مشکور فرمایا جائے۔

ارشاد: حسبِ گنجائش ''شریعت و طریقت'' کا مطالعہ مناسب ہوگا۔

غصہ برا نہیں، مگر.....

حال: اپنے اندر غصہ بہت پاتا ہوں۔ کبھی دُنیاوی اُمور میں اور اکثر خلافِ شرع کے دیکھنے پر۔

ارشاد: غصہ برا نہیں ہوتا۔ البتہ غصہ کے مقتضا کو فوراً جاری نہ کیا جائے۔ جب غصہ فرو ہو جائے پھر سوچا جاوے اور مقتضا پر عمل کیا جاوے۔ تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ.

حضرت والاؒ سے حضرت حاجی ماسٹر محمد شریف صاحبؒ (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ) کی اصلاحی مکاتبت

حضرت سیدی حاجی محمد شریف صاحبؒ نے اپنی خودنوشت (سوانح مکتوبات اشرفیہ) میں حضرت والاؒ سے اپنی خط وکتابت سے چند خاص خاص خطوط بھی درج فرمائے ہیں۔ان میں سے چند والا نامہ جات کا انتخاب کرتا ہوں[1]:

جس چیز کے مشتبہ ہونے کا ظن غالب ہو، اس سے بچا جائے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! دینے والے دُنیوی غرض سے ملازمین کو بلا طلب یا مع الطلب جو چیز دیتے ہیں وہ رشوت کہلاتی ہے۔سوپٹواریوں کی زائد از مشاہرہ آمدنی اسی کا مصداق ہے۔اس لئے کھانے پینے کی اشیاء سے اجتناب کرنا ہی احوط ہے۔البتہ اس کے ماسوا اشیاء میں وساوس ے پیچھے لگنے کی حاجت نہیں۔ہاں جس چیز کے مشتبہ ہونے کا ظن غالب ہو اس سے اجتناب مناسب ہے۔باقی کا تدارک استغفار سے کیا جاسکتا ہے۔واللہ اعلم۔ از جالندھر ۲۹ رجب ۱۳۶۲ھ

دینی مقتداء کو مقام تہمت اور مواقع شک وتردّد سے اجتناب ضروری ہے:

ایک مرتبہ سیدی حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ نے حضرت والاؒ کو خط لکھا، جس میں تحریر فرمایا:''ایک افسر چاہتے ہیں کہ میں ان کی ہمشیرہ کو ٹیوشن پڑھاؤں۔لڑکی بالغ ہونے کے قریب ہے۔اگر انکار کروں تو اندیشہ ہے کہ نقصان پہنچائیں گے۔ کوشش کروں گا کہ لڑکی موٹے کپڑے پہن کر پاس بیٹھے۔ارشاد فرمائیں کہ کیا کروں۔حسب ارشاد دل وجان سے عمل کروں گا۔''

اس کے جواب میں حضرت والاؒ نے جو والا نامہ ارسال فرمایا، اس کی نقل ملاحظہ ہو:

''مکرمی زید فیضکم! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! حق گوئی وحق جوئی سے دل بہت خوش ہوا۔حق تعالیٰ مزید توفیق ترقی ارزانی فرماوے۔جواباً مختصر تحریر ہے کہ قرآن مجید میں آیت کریمہ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا یعنی ''زنا کے قریب مت جاؤ'' میں اسباب وذرائع دواعی ووسائل زنا کو حرام اور ممنوع قرار دے کر ان سے نہی فرمائی گئی ہے۔اس لئے دوسری آیت میں مرد وعورت کو نظر پست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔اور حدیث میں ناگہانی نظر کو معاف فرمایا گیا ہے۔ان سب نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ اجنبی مرد کا اجنبی عورت سے قصداً تخلیہ میں بیٹھنا، آواز سننا، ہم کلام ہونا ناجائز ہے۔ایسے مقام میں بیٹھنا قصداً جہاں گاہے گاہے نظر پڑ جاتی ہے، معافی میں داخل نہیں، بلکہ قصداً نظر کے حکم میں ہے۔معافی اس صورت میں ہے کہ خود کسی اجنبیہ کے قریب کا قصد نہ کیا گیا ہو۔پھر اتفاق سے سامنا پڑ جائے، یا اچانک نظر پڑ جائے وہ معاف ہے۔اس لئے آپ کا معاملہ میری نظر میں مشکوک ہے، خلاف تقویٰ ہے۔مرشدنا حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز اس پر مطلع ہوتے تو اجازت نہ فرماتے۔علاوہ ازیں دینی مصلحت کے بھی خلاف ہے۔آپ کو اللہ تعالیٰ نے دینی مقتداء کا عہدہ عطا فرمایا ہے۔مقتداء کے

[1] اق۔

لئے مقام تہمت و مواضع شک و تردّد سے اجتناب ضروری ہے، تاکہ دوسرے معتقدین غیر جائز مواقع میں اس کو حجت نہ بناسکیں، اور مخالفین بدنام کر کے ایک دینی مسلک سے عوام کو نہ ہٹاسکیں۔ فقط

یہ میرا خیال ہے۔ آگے آپ خود متقی ہیں۔ دین میں فہیم ہیں۔ تحری اور استخارہ فرمالیں۔ اور بحکم حدیث دَعْ ما یریبک الی ما لا یریبک یعنی مشکوک کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کیا جائے۔ احتیاط پر عمل فرمالیں۔ والسلام

خیر محمد عفی عنہ از خیر المدارس ملتان

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ"

حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ اس خط کی نقل کے بعد تحریر فرماتے ہیں: "حسب ارشاد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ میں نے لڑکی کو پڑھانا قبول نہ کیا۔ مولانا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے عجیب فضل فرمایا کہ اس افسر نے مجھے کہا کہ آپ کی اسی بات نے مجھے آپ کا گرویدہ بنالیا ہے۔ پھر انہوں نے خاص کوشش سے مجھے دو تین سپیشل گریڈ دلوائے۔

(مکتوبات اشرفیہ، ص ۹۳ تا ص ۹۵)[1]

اصلاح کے چند اُصول

اطلاع و اتباع اور انقیاد و حبِ شیخ

حضرت والاؒ کے چند ملفوظات (بروایت[2] حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زید مجدہٗ)

اطلاع:

(۱) ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شاگرد کو اپنے اُستاد سے اور مرید کو اپنے شیخ سے کوئی بات چھپانی نہیں چاہئے، تاکہ اس کی بہتر اصلاح ہو۔ (ملفوظ نمبر ۳۶)

اتباع:

(۲) ایک مجلس میں فرمایا کہ اگرچہ مجھے مناظرے کا بہت شوق تھا، لیکن صرف اپنے شیخ (یعنی حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ) کے کہنے سے اس کو ترک کر دیا۔ جس سے شیخ کی اطاعت و رضا مقصود ہے۔ (ملفوظ نمبر ۳۳)

(۳) ایک مجلس میں فرمایا جس کام میں شیخ یا اُستاد راضی نہ ہو وہ کام خواہ کتنا ہی اچھا ہو اس میں برکت نہیں ہوتی۔ (ملفوظ نمبر ۳۴)

---

[1] یہ واقعہ مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ (پانچواں ایڈیشن) میں بر ص ۳۲۷، ص ۳۲۸ زیر عنوان "مقتدیان دین کے لئے اصول شرعی" ایک دو جملہ مزید تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔ (آ ا)

[2] بواسطاق۔ عنوانات و ترتیب از آ ا۔

انقیاد:

(۴) ایک دفعہ فرمایا جس کام کا شیخ یا اُستاد حکم دے اس کے لئے تیار نہ ہو تو بھی اس کو شروع کر دیا جائے۔ (ملفوظ نمبر ۳۵)

حبِ شیخ:

(۵) ایک دفعہ جامعہ اشرفیہ لاہور کے جلسہ کے موقع پر گنگا رام ہسپتال کے متصل حضرت مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب کے مکان پر گئے اور اندرون خانہ دس روپے بھجوائے۔ پھر فرمایا اپنے شیخ یا اُستاد کے اہلِ خانہ سے بھی محبت رکھنا شیخ سے تعلق و محبت کی علامت ہے۔ (ملفوظ نمبر ۳۷)

اصلاح کا ایک اور اُصول

''یک را گیر و محکم گیر''

اور اپنے سلسلہ والوں سے ملنے کی اجازت[۱]

مسیح الامت سیدی و مولائی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ ٹنڈو اللہ یار تشریف لائے تو حضرت والاؒ سے اس کا تذکرہ اور استرشاد کیا۔ استرشاد و ارشاد حسب ذیل ہیں:

عرض حال: یہ تردّد تھا کہ مختلف بزرگوں کی صحبت خادم کے لئے مضر نہ ہو۔ لیکن خادم کو کھانے پر بلایا گیا۔ اور خادم نے بھی حضرت مولانا مدظلہ العالی اور اپنے اساتذہ کو ناشتہ پر تکلیف دی۔ اور دو تین بار مستقل بھی مجلس میں بیٹھا کہ اچھی باتیں سننے میں آئیں گی۔ چنانچہ دُعاؤں میں بھی شرکت ہوئی۔ اور حضرت والاؒ ہی کے فیض سے مجلس میں دل بھی لگا۔ الدر المنضود حضرت مولانا مدظلہ العالی نے پڑھ کر سنائی۔ تردّد اس لئے بھی تھا کہ حضرت والا کا ارشاد ''یک را گیر و محکم گیر'' یاد رہتا ہے۔ لیکن حضرت والاؒ نے حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں بیٹھنے کا بھی ارشاد فرمایا تھا۔ اس لئے بھی خیال ہوا کہ یہ اس ارشاد کے خلاف نہ ہوگا۔ تاہم حضرت والاؒ ارشاد فرمائیں کہ آئندہ خادم کو مختلف بزرگوں (خصوصاً اپنے سلسلہ ہی کے) سے ملنا چاہئے، یا اس کی حاجت نہیں۔

ارشاد: اپنے سلسلہ والوں سے سب سے ملنے کی اجازت ہے۔ صحبت کی برکت اور دعاء کی قبولیت کی اُمید رکھنی چاہئے۔

(اقتباس از عریضہ مورخہ ۱۱/۵/۸۴ھ، جس کے جواب میں والا نامہ ۲۲/۵/۸۴ھ کو وصول ہوا)

مذکورہ بالا استرشاد و ارشاد سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اپنے شیخ کامل سے تعلق پختہ ہونے کے بعد اپنے ہی سلسلہ کے مختلف بزرگوں کی زیارت ''یک را گیر و محکم گیر'' کے خلاف نہیں۔ ویسے مختلف سلاسل کے مختلف بزرگوں کی زیارت جیسا کہ

---

[۱] آ۔

بعض کوشوق ہوتا ہے، مبتدی کے لئے تشویش کا باعث ہوسکتی ہے۔ اور یکسوئی سے اپنے شیخ سے استفادہ میں مانع ہوسکتی ہے۔
اسی لئے پہلے ''یک را گیر و محکم گیر'' فرمایا تھا۔ پھر اپنے سلسلہ کے بزرگوں کی زیارت کی اجازت دے دی۔

معنی[1] الحدیث و محل الوعید المذکور فی الحدیث

ایک اہم استرشاد وارشاد

الحدیث: لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ. مُتَّفَقٌ عليه.

ترجمہ: کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زائد کلام کرنا چھوڑ دے۔

(ف) مولانا عبدالعزیز صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی کو بارہا نماز کی تاکید کی اور بُرے کاموں سے روکا۔ مگر جب وہ باز نہ آیا تو قطع تعلق کر لی اور حضرت والاؒ سے پوچھا کہ کہیں بندہ کا یہ فعل اس وعید میں تو داخل نہیں، جو مذکورہ حدیث پاک میں مذکور ہوئی۔ اس پر تحریر فرمایا: ''نہیں، وہ وعید دنیوی اُمور میں ہے۔ دینی اُمور میں نہیں۔''

خیر الکلام (ما قل و دل) لحاج بیت اللّٰہ الحرام

ایک[2] عازم حج کو مخلصانہ، جامع اور مختصر نصیحت

حکیم حافظ عبدالمجید صاحب نابینا کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرمایا: ''اَلدِّيْنُ النُّصْحُ. بس انتہائی خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ مطمح نظر صرف حج بیت اللہ و زیارت روضہ پاک و زیارت مسجد نبوی ہونی چاہئے۔ عملاً بھی ہر ہر قدم پر ہر قول و فعل اسی مقصد کا مظہر ہو۔ اور بجز استغفار اور ادعیہ مسنونہ و تلاوت قرآن پاک کے دوسری قیل و قال اور توجہات جلوس و جلسات بلکہ وعظ و تقریر سے اپنے آپ کو ضبط میں رکھا جائے۔ (۲ شوال ۷۵ھ)

حضرت والاؒ کی ایک پسند فرمودہ کتاب:

احقر نے مولانا محمد علی صاحب جالندھری مرحوم صدر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان ملتان سے سنا کہ ایک بار میں جیل میں تھا۔ میں نے سُنا کہ حضرت والاؒ کا ارادہ میری ملاقات کی خاطر تشریف لانے کا ہے تو میں نے خط لکھا کہ حضرت والاؒ کوئی ایسی کتاب ساتھ لائیں جو حضرت والاؒ کو پسند ہو۔ چنانچہ مولانا فرماتے تھے کہ حضرت والاؒ نے بوقت ملاقات اشرف السوانح کی تین جلدیں مجھے عطا فرمائیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''اشرف[3] السوانح'' حضرت والاؒ کی پسندیدہ کتاب تھی۔''

احقر نے مولانا مرحوم سے سُنا کہ جب میں نے ''اشرف السوانح'' میں یہ واقعہ پڑھا کہ حضرت حکیم الامت مولانا

---

[1] بروایت اق۔ عنوانات آ ا۔ [2] بروایت اق۔ عنوانات آ ا۔

[3] اس کے علاوہ ''شریعت و طریقت'' از مولانا محمد دین صاحب چشتی پر عجیب تقریظ تحریر فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ان کی پسندیدہ کتاب ہے (آ ا)

تھانوی قدس سرہٗ نے اپنے والد مرحوم کے حق مہر کو بڑے اہتمام سے ان کے وارثین کو پہنچایا تو مجھے بھی یاد آیا کہ میرے والد مرحوم نے بھی رواج کے مطابق اپنی بیویوں کا حق مہر ادا نہیں کیا تھا۔ اس لئے میرے دل میں بھی ان کی ادائیگی مہر کا داعیہ پیدا ہوا۔ اور میں نے مستحق وارثین کو حق مہر ادا کر دیا۔

سبحان اللہ! حضرت والاؒ کے طفیل مولانا محمد علی صاحبؒ کو اپنے والد مرحوم کے ایک حق کی ادائیگی کے عمل کی توفیق نصیب ہوئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ.

(نوٹ:۔ اس میں حضرت نہیں ایک دو کے اثبات سے باقی کی نفی نہیں ہوتی بلکہ موقع پسندیدگی میں قاری کیلئے مفید ہونا بھی مدنظر ہوتا ہے۔ حضرت والدؒ کی پسندیدہ اور بھی کتب تھیں۔ خصوصاً حضرت حکیم الامت کی تالیفات اور مواعظ وملفوظات وغیرہا اور دیگر کتب تصوف اور علوم وفنون کی کتب۔ اشرف السوانح کی پسندیدگی کی وجہ بھی ظاہر ہے کہ آپ کے اپنے محبوب ومعظم شیخ کی سوانح اور اس کے مؤلف شیخ کے ایسے عاشق زار اور خود بھی مجاز بیعت اور کامل شیخ .... آ ا)

طلباء کی اصلاح اور تزکیہ نفس مع تعلیم[1]:

حضرت والاؒ "تعلیم کے ساتھ طلباء کی اخلاقی وروحانی تربیت اور رذائل نفس کی اصلاح پر پوری توجہ فرماتے۔"

(اسی عنوان سے اس کی کچھ تفصیل باب ۶ تعلیم وتدریس میں گزر چکی ہے)

خیرالمدارس مدرسہ ہونے کے ساتھ ساتھ خانقاہ بھی تھا۔ جہاں خاموشی سے تعلیم دین کے ساتھ تزکیہ نفس کا کام بھی جاری تھا۔ چنانچہ حضرت والاؒ کے شاگردوں میں خاصی تعداد ایسے باعمل علماء حق کی پائی جاتی ہے جو حضرت والاؒ سے یا دوسرے اہلِ حق صاحبِ سلسلہ مشائخ سے بیعت بھی ہوئے اور سلوک طے کیا۔ بلکہ مجاز بیعت بھی ہوئے۔ جیسے مولانا عبدالعزیز صاحب وغیرہ۔

حضرت والاؒ کے اصلاحی اثرات:

حضرت والاؒ کے اصلاحی اَثرات معلوم کرنا ہوں تو حضرت سید قمر الدین شاہ صاحب مدظلہٗ سے معلوم کیجئے۔ وہ فرماتے ہیں (جیسا کہ باب کرامت واستقامت میں قدرے تفصیل سے آ رہا ہے) "پہلے عریضہ سے ہی یہ بے نمازی، نمازی ہوگیا۔ اور منہ پر داڑھی بھی آ گئی۔ سنت کی پیروی، دین سے محبت، دینداروں سے محبت، خوف خدا، شوقِ اصلاح، فکرِ آخرت، دنیا سے بے رغبتی روز بروز شروع ہوگئی۔ اور ہر دن قدم آگے ہی آگے۔ یہ سب حضرت والاؒ کی دُعاء اور توجہ کا اَثر تھا۔"

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ حضرت والاؒ کے فیضِ صحبت اور مکاتبت سے اور جامع اصول اصلاح"(۱) اطلاع،

---

[1] آ ا۔

(۲) اتباع، (۳) اعتماد، (۴) انقیادؔ پر بتوفیقہٖ تعالیٰ عمل کرنے سے رفتہ رفتہ غفلت کے پردے ہٹتے جاتے تھے۔ آہستہ آہستہ حالت بدلتی جاتی تھی۔ جوں جوں اپنی رائے کو شیخ کے ارشادات کے آگے فنا کیا جائے اتنا ہی دین کا راستہ صاف اور واضح نظر آتا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہمت کو استعمال کر کے چلنا ہی رہ جاتا ہے۔ ہمت پیدا کرنے کا طریقہ بھی گزر چکا۔ غرضیکہ شیخ کامل کے سامنے اپنی رائے کو مٹانا، اور مذکورہ اصول پر عمل کرنا، حسبِ تعلیم شیخ ذکر اور دیگر معمولات کی پابندی کرنا۔ بس آگے راستہ صاف ہے۔ جلد بازی اور جوش کے بجائے ہوش سے کام لیا جائے۔ جذبات کا اتباع نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ سب کام بن جاتا ہے۔ اور بتوفیق الٰہی اصلاحِ نفس کا کام آسان ہوتا جاتا ہے۔

تصحیح عقیدہ:

جیسا کہ پہلے بھی اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ تحصیل علمِ دین فرض و لازم ہے۔ اسی سے عقیدہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اور بنیادی عقائد کی تصحیح تو فرض اوّلین ہے۔ (یہاں یہ بھی عرض کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ بعض حضرات صوفی اور بزرگ سب کچھ بن جاتے ہیں، لیکن علم دین کی کمی کی وجہ سے بعض ضروری عقائد تک درست نہیں ہوتے۔ اس کی طرف توجہ کرنے کی سخت ضرورت ہے)

حضرت والاؒ کا مثال دے کر ایک صاحب کے عقیدہ کی اصلاح فرمانا:

یہاں پر بنیادی عقیدہ کے بارے میں ایک واقعہ عرض کیا جاتا ہے۔ کراچی کے ایک دینی انگریزی رسالہ کے ادارہ میں کام کرنے والے ایک صاحب نے حضرت والاؒ کا ذکر آنے پر فرمایا[1] کہ "اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے میرا تو ایمان بچا لیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت جنت اور وہاں کی نعمتوں کا جو ذکر آتا ہے یہ تو پرستان کی سی قصہ کہانی معلوم ہوتی ہے۔ عقل اور سمجھ میں تو آتی نہیں۔ حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو وہ ماں کے پیٹ ہی کو پوری کائنات سمجھتا ہے۔ بالفرض اس کے سامنے دنیا کا ذکر کیا جائے، کہ اس پیٹ سے نکل کر اتنی وسیع و عریض کائنات نظر آئے گی، تو وہ اس کا کبھی یقین نہ کرے۔ اسی طرح اس دنیا میں عالم آخرت کی اشیاء انسان کی عقل میں نہیں آتیں۔ عالم آخرت کے مقابلہ میں عالم دنیا کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ عالم دنیا کے مقابلہ میں اس بچہ کی ماں کا پیٹ۔ جس طرح اس بچہ کی سمجھ میں عالم دنیا کا آنا مشکل ہے، اسی طرح دنیا میں آخرت اور نعماء جنت وغیرہ کا سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ ان صاحب نے احقر مؤلف سے فرمایا کہ حضرتؒ کے سمجھانے سے میری سمجھ میں آ گیا اور میرا تو ایمان بچ گیا۔"

اور اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے اخیر میں شجرۂ طیبہ دے کر اس باب کو ختم کیا جاتا ہے۔

---

[1] یہ روایت بالمعنیٰ ہے۔ الفاظ یاد نہیں۔ (آ آ)

شجرۂ طیبہ

چشتیہ، امدادیہ، اشرفیہ، خیریہ، منظومہ[1]

حمد ہے سب تیری ذاتِ کبریا کے واسطے اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے
فضل کر ہم پر الٰہی مجتبیٰ کے واسطے

در بدر پھرتی ہے خلقت التجاء کے واسطے آسرا تیرا ہے مجھ بے نوا کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے

ان بزرگوں کو شفیع لایا ہوں میں ہوکر ملول کیجیو یہ عرض میری ان کی برکت سے قبول
ہاتھ اُٹھاؤں جب ترے آگے دُعا کے واسطے

ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں تیرے در پر اے خدا حصہ وافر مجھے ہر خیر کا تو کر عطا
۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ حضرت خیر محمد باخدا کے واسطے[1] ملتان

کر مجھے علم و عمل سے اے خدا آراستہ باب عرفاں کا کشادہ ہووے مجھ پر راستہ
۶ رجب ۱۳۶۲ھ حضرت اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے تھانہ بھون مظفر نگر

دین و دنیا میں نہ کھاؤں ٹھوکریں اے کبریا عاجز و مسکین ہوں طالب تری امداد کا
۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ حاجی امداداللہ پارسا کے واسطے مکہ معظمہ، جنۃ المعلیٰ

پاک کر ظلمات عصیاں سے الٰہی دل مرا کر منور نور عرفاں سے الٰہی دل مرا
۴ رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ حضرت نور محمد پر ضیا کے واسطے جھنجانہ ضلع مظفر نگر

ایسے مرنے پر کروں قربان یا رب لاکھ عید اپنی تیغ عشق سے کرلے اگر مجھ کو شہید
۲۷ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ حاجی عبدالرحیم اہلِ غزا کے واسطے پنجار ملک ولایت

کرو پیدا درد و غم میرے دلِ افگار میں بار پاؤں جس سے اے باری ترے دربار میں
۱۱ شعبان جمعہ ۱۲۴۶ھ شاہ عبدالباری شہ بے ریا کے واسطے امروہہ ضلع مراد آباد

شرک و عصیان و ضلالت سے بچا کر اے کریم کر ہدایت مجھ کو اب راہ صراطِ مستقیم
جمعہ ۴ رمضان المبارک ۱۱۹۰ھ شاہ عبدالہادی پیر ہدیٰ کے واسطے امروہہ ضلع مراد آباد

---

[1] یہ شجرہ (بتصرف یسیر مذکورہ ذیل) "شریعت و تصوف" سے نقل کیا گیا ہے۔ (آ)

دین و دنیا کی طلب عزت نہ سرداری مجھے
اپنے کوچہ کی عطا کر ذلت و خواری مجھے
۷رجب۱۱۷۲ھ شاہ عضدالدین عزیز دوسرا کے واسطے امروہہ ضلع مرادآباد

دے مجھے عشق محمد اور محمدیوں میں بگن
ہو محمد ہی محمد درد میرا رات دن
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے

حب حق، حب الٰہی، حب مولیٰ، حب رب
الغرض کردے مجھے محو محبت سب کا سب
۱۰رجب۱۰۵۸ھ شہ محبّ اللہ شیخ باصفا کے واسطے الہ آباد

گرچہ میں غرقِ شقاوت ہوں سعادت سے بعید
پر توقع ہے کرے مجھ سے شقی کو تو سعید
بو سعید اسعدِ اہل ورٰی کے واسطے گنگوہ ضلع سہارن پور

قال ابتر، حال ابتر، سب مرے ابتر ہیں کام
لطف سے اپنے مرے کر ملک دیں کا انتظام
۸رجب۱۰۰۵ھ شہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے بلخ

ہے یہی بس دین میرا اور یہی سب ملک و مال
یعنی اپنے عشق میں کر مجھ کو باجاہ و جلال
۱۴ذی الحجہ۹۸۹ھ شہ جلال الدین جلیل اصفیا کے واسطے تھانیسر

حبِ دنیاوی سے کرکے پاک مجھ کو اے حبیب
اپنے باغ قدس کی کر سیر تو میرے نصیب
۲۵جمادی الاخریٰ۹۴۴ھ عبد قدوس شہ قدوس و صفا کے واسطے گنگوہ شریف

کر معطر روح کو بوئے محمد سے میری
اور منور چشم کو روئے محمد سے میری
صفر۸۹۸ھ اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے ردولی

کر عطا راہ شریعت روئے احمد سے مجھے
اور دکھا نور حقیقت خوئے احمد سے مجھے
صفر۸۸۲ھ شیخ احمد عارف صاحب عطا کے واسطے ردولی

کھول دے راہ حقیقت قلب پر یاحق میرے
کر تجلی حقیقت قلب پر یا حق میرے
جمادی الثانیہ۸۳۷ھ احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے ردولی

دین و دنیا کا نہیں درکار کچھ جاہ و جلال
ایک ذرہ درد کا یا حق میرے دل میں تو ڈال
۵ذیقعدہ۷۶۵ھ شہ جلال الدین کبیرالاولیاء کے واسطے پانی پت

ہے مکدر ظلمت عصیاں سے میرا شمس دیں
کر منور نور سے عرفاں کے میرا شمس دیں
۷۱۲ھ شیخ شمس الدین ترک شمس الضحیٰ کے واسطے پانی پت

اے میرے اللہ! رکھ ہر وقت لیل و نہار عشق میں اپنے مجھے بیتاب و بے صبر و قرار
۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ شیخ علاء الدین صابر با رضا کے واسطے پیران کلیر شریف

دے حلاوت مجھ کو با تمکینیٔ ایمان سے اور حلاوت بخش گنج شکرِ عرفان سے
۵ محرم ۶۶۵ھ یا ۶۶۹ھ یا ۶۹۰ھ شہ فریدالدین شکر گنج بقا کے واسطے پاک پتن

عشق کی رہ میں ہوئے جو اولیاء اکثر شہید خنجر تسلیم سے اپنے مجھے بھی کر شہید
ربیع الاول ۶۳۳ھ خواجہ قطب الدین مقتول ولا کے واسطے دہلی

بے ترے ہے نفس و شیطان درپئے ایمان و دین جلد ہو آ کر میرا یا رب مددگار و معین
۶ رجب ۶۳۲ھ شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے اجمیر شریف

یا الٰہی بخش ایسا بے خودی کا مجھ کو جام جس سے جز عشق نبی ہووے نہ مجھ کو اور کام
۵ شوال ۵۹۷ھ یا ۶۳۳ھ خواجہ عثمان با شرم و حیا کے واسطے مکہ معظمہ متصل مکان شریف

دور کر مجھ سے غم موت و حیات مستعار زندہ کر ذکر شریف حق سے اے پروردگار
رجب ۵۸۴ھ شہ شریف زندنی با اتقا کے واسطے

آتش شوق اس قدر دل میں مرے بھرا دے وددود ہر بن مو سے مرے نکلے تری الفت کا دود
۵۲۷ھ یا ۵۷۷ھ خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے چشت

مست اور بے خود بنا بوئے محمد سے مجھے محترم کر خواری کوئے محمد سے مجھے
ربیع الاول ۴۱۱ھ بو محمد محترم شاہ ولا کے واسطے چشت

حد سے گزرا رنج فرقت اب تو اے پروردگار کر مری شام خزاں کو وصل سے روز بہار
ربیع الاول یا آخر ۳۲۹ھ شیخ ابو اسحٰق شامی خوش ادا کے واسطے مکہ از بلاد شام

شادی و غم سے دو عالم کے مجھے آزاد کر اپنے درد و غم سے یا رب دل مرا آباد کر
محرم ۲۹۹ھ خواجہ ممشاد علوی بوالعلاء کے واسطے

ہے مرے تو پاس ہر دم لیک میں اندھا ہوں پر بخش وہ نورِ بصیرت جس سے تو آوے نظر
شوال ۲۷۵ھ بوہبیرہ شاہ بصریٰ پیشوا کے واسطے بصرہ

عیش و عشرت سے دو عالم کے نہیں مطلب مجھے چشم گریاں، سینہ بریاں کر عطا یا رب مجھے
۱۵۲ھ شیخ حذیفہ مرعشی شاہ صفا کے واسطے بصرہ

نے طلب شاہی کی نہ خواہش گدائی کی مجھے — بخش اپنے در تلک طاقت رسائی کی مجھے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کے واسطے — درشام علی الاصح
۱۲۶ھ

راہزن میرے ہیں دو قزاق باگرز گراں — تو پہنچ فریاد کو میری کہیں اے مستعان
شہ فضیل ابن عیاض اہلِ دُعا کے واسطے — مکہ مکرمہ
محرم ۱۸۷ھ

کر مرے دل سے تو اے واحد دوئی کا حرف دور — دل میں اور آنکھوں میں بھر دے سر بسر وحدت کا نور
خواجہ عبدالواحد بن زید شاہ کے واسطے
۲۷ صفر ۱۷۶ھ یا ۱۸۶ھ

کر عنایت مجھ کو توفیق حسن اے ذوالمنن — تا کہ ہوں سب کام میرے تری رحمت سے حسن
شیخ حسن بصری امام الاولیاء کے واسطے — بصرہ
۴ محرم ۱۱۰ھ

دور کر دل سے حجاب جہل وغفلت میرے رب — کھول دے دل میں درِ علم حقیقت میرے رب
ہادیٔ عالم علی شیر خدا کے واسطے — نجف اشرف
۲۱ رمضان المبارک ۴۰ھ

کچھ نہیں مطلب دو عالم کے گل و گلزار سے — کر مشرف مجھ کو تو دیدار پر انوار سے
سرورِ عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے — مدینہ طیبہ زاداللہ نورہا
۱۱ھ

آ پڑا در پر ترے میں ہر طرف سے ہو ملول — کر تو ان ناموں کی برکت سے دُعاء میری قبول
یا الٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے

ان بزرگوں کے تئیں یا رب غرض ہر کار میں — کر شفاعت کا وسیلہ اپنے تو دربار میں
مجھ ذلیل و خوار و مسکین و گدا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں، نے امیری کی طلب — نے عبادت، نے زہد، نے خواہش علم و ادب
درد دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار — کی عطا تو نے مجھے پر اب تو اے پروردگار
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کے واسطے

گرچہ یہ ہدیہ نہ میرا قابلِ منظور ہے — پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے
کشتگان تیغ تسلیم و رضا کے واسطے

حد سے ابتر ہوگیا ہے حال مجھ ناشاد کا — کر مری امداد اللہ وقت ہے امداد کا
اپنے لطف و رحمت بے انتہا کے واسطے

---

[1] تین مصرعوں کی یہ مثلث حضرت والاؒ کے تلمیذ رشید و مرید سعید محترمی مجی حضرت مولانا عبدالمجید صاحب انور دظلہ نے احقر کی درخواست پر حضرت والا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کے متوسلین کے لئے تحریر فرمائی ہے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ (آ)

باب شانزدہم (۱۶)

معمولات

تمہید[1]

ایک ضروری بات:

معمولات کے بارے میں ایک ضروری بات یہ ہے کہ اپنے شیخ کے معمولات دریافت کرنے سے یہ مقصد نہ ہونا چاہئے کہ طالب ان کی نقل شروع کردے۔ بلکہ اپنے عمل کے لئے تو اپنے مصلح کو اپنے حالات کی اطلاع دینا اور اس کی ہدایت وارشاد کا اتباع کرنا چاہئے۔ البتہ اپنے شیخ کے معمولات معلوم کرنے سے یہ فائدہ ہے کہ اس سے سبق ملے گا۔ اور عمل کا ذوق وشوق پیدا ہوگا، جو کہ بزرگانِ دین کی سوانح وتذکرہ کے مطالعہ سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اپنے پیرومرشد سے براہِ راست تعلق اور محبت کا علاقہ زیادہ ہوتا ہے، اس لئے یہ بات اپنے مرشد کے سوانح کا مطالعہ کرنے سے اور زیادہ حاصل ہوگی۔ اور اس سے یہ درس ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق کیسے زندگی گزاری جاتی ہے۔ اور اتباعِ سنت عملاً کس طرح کیا جاتا ہے۔

احقر کا مشاہدہ:

چنانچہ حضرت والاؒ کے معمولات کے بارے میں جو مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے، اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت والاؒ کی خودنوشت سوانح میں معمولات کا کوئی عنوان نہیں ہے۔ نہ کوئی ایسا تذکرہ ملتا ہے، اس لئے فی الحال صرف اپنے محدود مشاہدہ کے تذکرہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

تقسیم اوقات:

معمولات کو اوقات پر تقسیم کرنے کے لئے ہر نماز کے بعد کا معمول ذکر کیا جاتا ہے۔ چونکہ مشاہدہ تقریباً پچیس تیس سال قبل کا ہے اور محدود بھی ہے، اس لئے حسبِ یادداشت ذکر کیا جاتا ہے۔

---

[1] محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب کے مسودہ خیر السوانح میں مکرمی مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زیدمجدہم خادم خاص حضرت والاؒ کے تحریر فرمودہ قدرے مفصل معمولات مل گئے تو احقر نے اپنی تحریر کو اس کی تمہید قرار دیدیا۔

ابتداءِ یوم:

چونکہ اسلامی یوم وتاریخ مغرب سے شروع ہوتی ہے، اس لئے اسی وقت سے ابتداء کی جاتی ہے۔

نمازِ مغرب:

نمازِ مغرب کے لئے مسجد میں تشریف لاتے (اور تعمیر مسجد سے قبل دولت کدہ کے متصل سابق دار الحدیث کے ہال میں جہاں نماز ہوتی تھی) اور نماز پڑھ کر دولت کدہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ رمضان المبارک میں ایک دو طالب اصلاح یا مہمانوں کے ساتھ دولت کدہ کے اس کمرہ میں تشریف لے جاتے تھے جو ہال سے متصل ہے۔ اور ہال کے اندر ہی اس کا دروازہ ہے۔ افطار کے لئے عموماً کھجور یا کچھ شیرینی ہوتی اور چائے اور حضرت والاؒ ایک پیالی نوش فرماتے۔ یہ موسم سرما کا ذکر ہے۔ کیونکہ حضرت والاؒ کی حیاتِ طیبہ کے اخیر دور میں رمضان المبارک موسم سرما ہی میں تھا، اس لئے وہ نسبۃً زیادہ یاد ہے۔

بعد مغرب:

بعد نماز مغرب کھانا تناول فرماتے۔ اور اکثر اوقات کوئی نہ کوئی مہمان بھی ساتھ ہوتا تھا۔ خواہ اعزہ واقارب میں سے یا طالبین اصلاح یا مریدین میں سے یا تلامذہ میں سے یا علماء میں سے یا ان کے علاوہ۔ تعمیر مسجد کے بعد جبکہ عشرۂ اخیرہ رمضان المبارک میں اعتکاف فرماتے، تو افطار کرنے والے حضرات بھی کچھ زائد ہوتے۔ رمضان المبارک کے علاوہ مغرب وعشاء کے درمیان اور کوئی خاص معمول معلوم نہیں، یا یاد نہیں رہا۔

بعد نماز عشاء:

کسی سال رمضان المبارک میں بعد نماز عشاء درسِ قرآن مجید کا معمول ہوا۔ اور کبھی درس قرآن مجید کا معمول بعد نماز فجر ہوتا تھا۔ رات کو رمضان المبارک میں چونکہ پہلے ہی تراویح ودرسِ قرآن میں کافی وقت ہو چکا ہوتا تھا، اس لئے اس کے بعد استراحت فرمانے میں مزید تاخیر نہ فرماتے تھے۔ نماز عشاء کے بعد باتیں کرنے کی عادت نہ تھی۔ اِلا یہ کہ سفر میں کسی مدرسہ میں قیام ہوا، اور مدرسہ یا اہلِ مدرسہ کی حاجت ومصلحت یا رعایت سے گفتگو ہوتی رہی۔ یا زائرین کی حاجت یا مصلحت سے بوقت ضرورت وبقدر ضرورت جاگنا ہوا تو اس کو خندہ پیشانی سے گوارا فرماتے۔ یا کوئی اور دینی مصلحت خصوصاً مسلمانوں کی دینی ضرورت ہوتی تو عشاء کے بعد گفتگو فرمانے اور جاگنے میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ اور سنت بھی یہی ہے کہ بعد عشاء دنیا کی باتیں نہ کی جائیں۔ دینی ضرورت سے بات کرنا مستثنیٰ ہے۔

بوقت تہجد:

اخیر عمر کے کئی سال یہ معمول رہا کہ تہجد میں سحری سے کافی پہلے رات کو تقریباً دو اڑھائی بجے سے ایک پارہ قرآن

مجید سنتے تھے۔ مولانا حافظ منظور احمد صاحب حال اُستاذ حدیث خیرالمدارس قرآن مجید سناتے تھے۔ اس سے قبل سالوں کا اور غیر رمضان کا معمول معلوم نہیں۔ غالباً رمضان شریف میں تنہا سحری سے کافی پہلے اور غیر رمضان میں صبح صادق سے کافی پہلے سے تہجد سے فارغ ہو لیتے ہوں گے۔ سفر میں احقر نے تہجد پڑھتے نہیں دیکھا۔ کیونکہ احقر کو کافی دیر سے اُٹھنے کی عادت تھی۔ اس لئے یہ بیان محض احقر کے مشاہدہ پر مبنی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چائے اور ناشتہ:

صبح ناشتہ کے ساتھ اور شام کو، بس یہ دو وقت چائے پینے کی عادت تھی۔ دوپہر اور رات کو کھانا تناول فرماتے تھے۔ ناشتہ غالباً مختصر ہوتا تھا۔ کھانا بھی بہت کم کھانے کی عادت تھی۔

تلاوت و مناجات:

تلاوت اور مناجات مقبول کا معمول غالباً صبح کو تھا۔ سفر میں ملاقاتوں اور خلق خدا کی دینی خدمات وضروریات کی وجہ سے ان میں تقدیم وتاخیر بھی ہو جاتی تھی۔

اوقاتِ مدرسہ:

مدرسہ کے اوقات میں اہتمام و تدریس کی مشغولیت تھی۔ اس کے علاوہ دن میں اصلاحی خطوط بھی تحریر فرماتے تھے۔ کیونکہ طالبینِ اصلاح کے عریضے آتے رہتے تھے۔ اور ان کے جوابات بہت جلد لکھے جاتے تھے۔ اسی دوران میں طالبینِ اصلاح حاضر خدمت ہوتے اور شرف صحبت سے مشرف ہوتے تھے۔

تالیف شرح بخاری شریف:

اخیر عمر کے چند سال (رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ تا ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ) تالیف شرح بخاری شریف میں بھی مشغولیت رہی۔ جب موقع ملتا تحریر فرماتے رہتے تھے۔ اس کی قدرے تفصیل تصنیف وتالیف کے باب میں آئے گی، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

ملفوظات:

بعد نماز عصر دارالاہتمام میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے تھے۔ مدرّسین یا طلباء میں سے کوئی صاحب پڑھتے تھے اور حاضرین مع حضرت والاؒ با اُدب ان کو سنتے تھے۔ حاضرین کی تعداد کافی ہوتی تھی۔ دارالاہتمام تقریباً پُر ہوتا تھا۔ طالبینِ اصلاح کے علاوہ اساتذہ مدرسہ اور درجہ تکمیل کے طلباء حاضر ہوتے تھے۔

الحمدللہ حضرت والاؒ کے اس معمول کا اتباع اب بھی جاری ہے۔ جس میں حضرت حاجی سید قمرالدین احمد صاحب

مدظلہ العالی اور حضرت حاجی ڈاکٹر عبدالمجید صاحب [۱] پابندی سے حاضر ہوتے تھے۔ البتہ اب ملفوظات جامع مسجد میں پڑھے جاتے ہیں۔ افسوس ہے حاضرین کی تعداد اب بہت ہی کم رہ گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اہلِ مدرسہ اس کی اہمیت اسی طرح سمجھیں جیسے حضرت والاؒ سمجھتے تھے [۲]۔

اس کے بعد حضرت والاؒ دولت خانہ پر تشریف لے جاتے تھے اور نماز مغرب کے لئے باہر تشریف لاتے تھے۔ اِلا یہ کہ کسی ضرورت سے باہر نکلیں یا قدرے ٹھہر جائیں۔

تدریس بخاری شریف (جلد ثانی):

بعد نماز مغرب اور بعد نماز عشاء کا معمول پہلے مذکور ہوا۔ البتہ جب بخاری شریف جلد ثانی کی تدریس شروع ہوتی تو اس کے ختم تک بعد نماز عشاء اس کی تدریس کا وقت ہوتا تھا۔

کام کا اہتمام:

حضرت والاؒ ہر وقت کسی نہ کسی ضروری کام میں مشغول رہتے تھے۔ معمولی بیماری نزلہ زکام وغیرہ حضرت والاؒ کے لئے کام سے مانع نہ ہوتا تھا۔ آرام بقدر ضرورت ہی فرماتے تھے۔

مقاصد اور وسائل:

وسائل پر ان کی اہمیت کے بقدر غالباً محدود ہی وقت صرف فرماتے تھے۔ مقاصد کا اہتمام شدت سے تھا۔ اس کا اندازہ احقر نے ایک واقعہ سے لگایا۔ خادم کو حضرت والاؒ نے اپنے ذاتی کتب خانہ کی ترتیب دینے کے لئے ہدایات فرمائیں۔ مثلاً فن وار اور نمبر وار ان پر چٹیں لگانا، یا ان پر کتاب کا نام لکھنا وغیرہ، ایسا کوئی کام یاد پڑتا ہے۔ اور فرمایا کہ آج ظہر سے پہلے ختم کرلو۔ لیکن کام ختم ہونے سے قبل ظہر کی اذان ہوگئی۔ چنانچہ خادم جلدی جلدی کام ختم کرنے کی سعی کرنے لگا۔ حضرت والاؒ نے اذان کے بعد ہی کام بند کرنے کو فرمادیا۔ خادم نے چاہا کہ جلدی سے کام پورا کر کے ہی بند کروں۔ اس پر تنبیہ فرمائی۔

اس سے اندازہ ہوا کہ ترتیب کتب تو وسائل میں سے ایک کام تھا۔ اس کے لئے محدود وقت کافی نہ ہوا تو اس وقت کام بند فرمادیا۔ اور نماز با جماعت جو نہایت ضروری مقاصد میں سے ہے، اس میں تاخیر ہونے کے اندیشہ کو ذرا بھی گوارا نہ فرمایا۔ یہ نہایت درجہ اعتدال کی حالت ہے، جس کے اتباع کی ضرورت ہے۔ اس لئے یہ واقعہ ذکر کیا۔

حضرت والاؒ کا ایک نہایت اہم اور خاص قابلِ اتباع معمول...... مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامتؒ:

حضرت والاؒ کا ایک خاص اہم اور قابلِ پیروی معمول مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی پابندی ہے۔ یہ

---

[۱] افسوس ہے حضرت حاجی ڈاکٹر عبدالمجید صاحبؒ وفات پاچکے ہیں اللھم اغفر لہ۔

[۲] الحمدللہ اب باقاعدہ عصر کی نماز کے بعد تسبیحات فاطمی پڑھ کر تمام طلباء اور اساتذہ اور نمازیوں کے سامنے ملفوظات پڑھے جاتے ہیں، ساری مسجد بھری ہوئی ہوتی ہے بعد ازاں دعاء کی جاتی ہے، محمود احمد غفرلہ

مجلس سوائے یومِ جمعہ کے روزانہ بعد نمازِ عصر منعقد ہوتی تھی۔ اور تقریباً بیس پچیس منٹ رہتی تھی۔ اس میں کوئی صاحب غالباً اکثر حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ (حال صدر مدرّس وشیخ الحدیث) اور جمعہ کے روز حضرت[1] ڈاکٹر حاجی عبدالمجید صاحبؒ ملفوظات پڑھتے تھے۔

ملفوظات کی اہمیت:

حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں کیا ہے؟ اُمت کے امراض کی تشخیص اور ان کے علاج کی تجویز، نیز ان کے علاج کی فکر اور دھن پیدا ہو جانا، ان میں غور وفکر کی دعوت، بلکہ بار بار تنبیہات بھی ہیں۔ اس لئے کہ غور و فکر ہی تو اصلاح کی مفتاح ہے۔ اصلاحِ معاشرت بھی ہے، جس سے آپس میں محبت واتفاق پیدا ہو (جو کہ کامیابی کے عناصر میں سے بہت بڑا اور اہم عنصر[2] ہے) مغربی سیاست سے ہٹا کر مصطفوی اور صحابہ کرامؓ والی سیاست کی طرف لانا بھی ہے، جس سے اُمت قعرِ مذلّت سے نکل کر رفعت اور عزت وشوکت سے سربلند ہو۔ سلوک وتصوف میں حقائق سے دور جو باتیں محض رسم کے درجہ میں رہ گئی تھیں ان کی اصلاح بھی ہے۔ غزالیٔ وقت اور صدی کے مجدد نے دین کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جس میں اصلاح نہ فرمائی ہو۔ علماء، صوفیاء، مشائخ ومریدین سب کی اصلاح فرماوی۔ اساتذہ کو درس دینے کا طریقہ بتادیا۔ طلباء کو استعداد پیدا کرنے کی تدبیر بیان فرمادی۔ ''اختیاری'' و ''غیر اختیاری'' کی اصل سے بے شمار اُلجھنیں سلجھادیں۔ علاوہ ازیں علمی تحقیقات، نکات، غلط فہمیوں کا ازالہ، قرآن وحدیث کے معانی، غرض کونسا علم اور کونسی عملی اصلاح ہے جو ملفوظات میں نہیں ہے۔ یہاں پر ان کی اجمالی فہرست دینا بھی دُشوار ہے۔ اس لئے بس ان ہی چند اشارات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اور یہ سب کتاب وسنت سے اخذ اور استنباط فرما کر جس طرح کتاب اللہ کی شرح سنت رسول ﷺ ہے، اور فقہ کتاب وسنت کی شرح ہے، کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ کتاب وسنت کو فہمِ صحیح اور عقلِ سلیم سے قواعد شریعت اسلامیہ کے مطابق سمجھ کر ان سے احکام کا استخراج واستنباط کر کے ان کی تدوین وترتیب خاص یہی فقہ ہے۔ (اور یہی کام ائمہ مجتہدین عظام نے پورا فرما کر عوام وخواص اور علماء اُمت کا کام آسان فرمادیا، فجزاهم الله تعالى خير الجزاء)۔

اب یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کے ملفوظات کی کتب کو مدرسہ کے کتب خانہ میں ترتیب موضوع کے اعتبار سے فقہ کے تحت داخل فرمایا تھا۔ (ملاحظہ ہو فن وار رجسٹر کتب خانہ خیر المدارس) اہلِ فہم اسی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ان میں کس قسم کی تعلیم ہے۔ دراصل ان سے صحیح دینی فہم پیدا ہوتا ہے۔ ان سے قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ کی جزئیات کا حکم صحیح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ کتاب وسنت کی تطبیق، موجودہ پیش آمدہ مسائل میں معلوم ہو جاتی ہے۔ اور صحیح عمل کا جذبہ اور خالص دینی ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔

---

[1] حسب روایت مولانا حافظ محمد عبدالشکور صاحب زاد مجدہ۔ تحت عنوان معمولات یومیہ (لیل ونہار)

[2] ایک عاقل دیہاتی کا ایک عجیب قول سنا گیا کہ ''بس نیک رہو اور ایک رہو پھر کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا''۔ گویا نصف دیگر اعمال صالحہ میں۔

دل یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح آجکل ہمارے دینی مدارس کے سربراہ حضرات اس فضاء کو سمجھ لیں جو ان ملفوظات کے پڑھنے سے پیدا ہوتی تھی۔

یہ خیال نہ فرمایا جائے کہ اپنے شیخ کے ملفوظات سب ہی کو محبوب ہوتے ہیں۔اور معارفِ دینیہ کی پوری تعلیم کتاب وسنت اور فقہ کے ذریعہ مدارس میں دی جارہی ہے۔پھر یہ اپنے سلسلہ کے ایک بڑے شیخ کے ملفوظات پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔کیونکہ علماء تو کتاب وسنت کو سمجھتے ہی ہیں اور درس وتدریس میں مشغول ہیں جو کہ مقصودِ اصلی ہے۔اور ملفوظات میں کیا ہے؟ دراصل یہی بات سمجھ لینے کی ہے کہ اصل الاصول تو کتاب اللہ ہے۔اور اس میں سب علوم ہیں۔لیکن حضرت امام شافعیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنه افهام الرجال

(قرآن پاک میں سب علوم ہیں،لیکن ان کے سمجھنے سے لوگوں کے فہم قاصر ہیں)

تو یہ صحیح ہے۔لیکن حدیث شریف اس کی ضروری شرح ہے۔جس کے بغیر قرآن پاک کو صحیح سمجھا نہیں جاسکتا۔اور قرآن و حدیث دونوں کی شرح اور تدوین وترتیب فقہ میں ہے۔تو قرآن وحدیث وفقہ مختلف نہ ہوئے بلکہ ایک ہی ہیں۔اسی طرح جن ملفوظات سے قرآن وحدیث کا صحیح فہم پیدا ہو،اور اس زمانہ میں قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا جس سے صحیح جذبہ اور خالص دینی ذوق پیدا ہوتا ہے،مسائلِ حاضرہ میں ان کی تطبیق کتاب وسنت کی روشنی میں معلوم ہوتی ہے،وہ بھی کتاب وسنت سے جدا نہیں۔بلکہ ان ہی تعلیمات کی شرح اور جزئیات کی تطبیق ہے۔اور جس طرح متون فقہ کے بعد بھی فتاویٰ کی ضرورت رہتی ہے،اسی طرح صحیح دینی فہم پیدا کرنے کے لئے ان ملفوظات کی ضرورت ہے۔

حضرت والاؒ تو بانی مدرسہ مہتمم اوّل صدر المدرّسین اور شیخ الحدیث ومفتی سب ہی کچھ تھے۔مدرسہ میں وہ خود کتاب وسنت وفقہ وغیرہ کی تعلیم دینے کے باوجود مجلس ملفوظات کی ایسی پابندی فرماتے تھے،اور درجہ تکمیل کے طلباء کے لئے مجلس ملفوظات کی حاضری لازمی ہوتی تھی (جیسا کہ حضرت والاؒ کے خادم خاص حضرت مولانا حافظ محمد عبدالشکور صاحب زید مجدہم نے تحریر فرمایا ہے) اس کی وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوچکی ہے۔

افراد کی اصلاح اور ان کا تعلق باللہ اور دارین کی فلاح و بہبود، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی چین والی زندگی کیسے حاصل ہو؟ دنیا وآخرت کی کامیابی کس بات میں ہے؟ اور اجتماعی طور پر اُمت کی فوز وفلاح اور صلاح و بہبود کس طرح حاصل ہو؟ قرونِ اولیٰ کے مسلمان سب کی نظروں میں سب سے بڑھ کر معزز تھے۔اور آج اس کے برعکس سب سے زیادہ بدنام اور ذلیل و خوار مسلمان ہی کیوں سمجھے جاتے ہیں۔اس کا جواب ملفوظات میں ملے گا۔اور اس کا علاج مواعظ سے ہوگا،ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں فہم صحیح اور عقلِ سلیم عطا فرمائیں اور عمل کی توفیق ارزاں فرمائیں۔(آمین ثم آمین)

اتباع وعدم اتباع معمولاتِ شیخ:

معمولاتِ شیخ کے اتباع کے سلسلہ میں شروع میں کچھ عرض کیا جاچکا ہے۔ درمیان میں حضرت والاؒ کے ایک نہایت اہم اور قابلِ اتباع اصلاحی معمول یعنی مجلس ملفوظات کا ذکر آیا۔ یہ معمول تو قابلِ اتباع ہے۔ کیونکہ یہ شیخ کے ذاتی عبادات کی قسم کے معمولات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ اجتماعی اصلاحی معمول ہے۔ اور حضرت والاؒ طالبینِ اصلاح کو مواعظ وملفوظات کے مطالعہ کے لئے عموماً تاکید بھی فرماتے تھے۔ البتہ اخیر میں شیخ کے ذاتی معمولات کے بارے میں حضرت خواجہ مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک محققانہ ''تنبیہ'' نقل کی جاتی ہے۔ یہ ''تنبیہ'' انہوں نے ''اشرف السوانح'' میں حضرت حکیم الامتؒ کے معمولات کا باب ختم کرنے سے قبل تحریر فرمائی ہے۔ اور اس کا اکثر حصہ حضرت حکیم الامتؒ ہی کے ایک ملفوظ پر مشتمل ہے۔ وھو ھٰذا:

☆ تنبیہ ☆

''معمولات متذکرہ بالا صرف وہ ہیں جو عادت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور وہ اس لئے بیان کئے گئے کہ ان کا اتباع ہوسکتا ہے۔ اب ممکن ہے کہ بعض ناظرین کو حضرت والاؒ کے ان معمولات کا بھی انتظار ہو جن کا تعلق عبادت سے ہے۔ اس لئے ایسے معمولات کے متعلق حضرت والاؒ کا ایک ملفوظ ذیل میں نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، جو نہایت کارآمد اور ایک نہایت مفید تحقیق پر مشتمل ہے۔''

''ایک اہلِ علم نے احقر کو لکھا کہ حضرت والاؒ کے جو معمولات رمضان شریف میں ہوں وہ احقر حضرت والا سے پوچھ کر انہیں لکھ بھیجے۔ حضرت والا کے حضور میں جب احقر نے صاحب ممدوح کی یہ درخواست پیش کی تو فرمایا کہ اوّل تو معمولات بزرگوں کے ہوتے ہیں۔ میں تو ایک طالب علم آدمی ہوں۔ بجز اوراق سیاہ کرنے کے میرے معمولات ہی کیا ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی صاحب معمولات بھی ہو تو اس کے معمولات کی تفتیش اس لئے بھی عبث ہے کہ اتباع اُمتی کے افعال کا نہیں ہوتا، صرف انبیاء علیہم السلام کے افعال کا ہوتا ہے، یا جس کے افعال کے اتباع کا سنت میں امر وارد ہوا ہو، جیسے حضرات خلفاء راشدین کا یا اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم مثلاً۔ غرض باستثناء مذکور غیر نبی کی تعلیمات قولیہ کا اتباع ہوتا ہے، نہ کہ اس کے معمولات فعلیہ کا، کیونکہ ممکن بلکہ غالب ہے کہ اس کے معمولات فعلیہ اس کی خصوصیات میں سے ہوں اور وہ اتباع کرنے والے کے مناسب حال نہ ہوں۔ مثلاً اگر ان کی مقدار زیادہ ہو، اور متبع کے تحمل سے باہر ہوئی، تو اس کو وہ مضر ہوں گے۔ اسی طرح اگر کسی صاحب معمولات کے معمولات اس کی خصوصیت حال کی وجہ سے کم ہوئے تب بھی ان کا اتباع دوسروں کو مضر ہوگا۔ کیونکہ مثلاً کتابوں میں لکھا ہے کہ ابدال کی نماز بہت مختصر ہوتی ہے۔ مگر بلا نقص اور ان کے ظاہری اعمال نافلہ بھی بہت کم ہوتے ہیں۔ تو جو اس درجہ کا نہ ہوگا اس کے لئے یہ کمی معمولات مضر ہوگی۔''

''بہر حال کسی کے معمولات فعلیہ کا اتباع نہیں چاہئے۔ اور جب اتباع نہیں کرنا تو پھر پوچھنا بھی ایک فعل عبث ہے۔ بلکہ اس تفتیش میں صاحب معمولات کے انقباض کا احتمال ہے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اپنی بعض عبادات کو اوروں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہو۔ اس لئے تفتیش نہیں چاہئے۔ اتفاق سے علم ہو جائے تو اور بات ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی بلا پوچھے ان پر عمل ہرگز نہ کرے۔ البتہ انبیاء کے اقوال وافعال سب متبوع ہیں، تاوقتیکہ کوئی تخصیص کی دلیل قائم نہ ہو۔'' اھ

(اشرف السوانح، جلد سوم، ص ۱۹، مطبوعہ ملتان)

احقر کی تمہید کے بعد اور حضرت خواجہ صاحبؒ کی تنبیہ (بشمول ملفوظ حضرت حکیم الامتؒ) کی روشنی میں قدرے مفصل معمولات حضرت والاؒ کے ایک خادم خاص مولانا حافظ محمد عبدالشکور صاحب زید مجدھم کے تحریر فرمودہ ملاحظہ فرمائیے:

☆ لیل ونہار ☆

حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے دِن رات کے معمولات

از مولانا[1] حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہم (خادم خاص حضرت والاؒ)

قبل فجر:

حضرت والاؒ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ آپ صبح جلدی بیدار ہوتے تھے۔ موسم سردی کا ہو یا گرمی کا، حضرت کا معمول یہ تھا کہ آپ بلاناغہ غسل فرماتے۔ غسل سے فارغ ہو کر آپ نماز تہجد ادا فرماتے۔ اور پھر تلاوت قرآن پاک فرماتے۔ اس کے بعد اگر صحت اچھی ہوتی تو آپ کسی نہ کسی کتاب کا مطالعہ فرماتے۔ یا پھر اپنے کسی زیر تحریر رسالہ کی تکمیل فرماتے۔ صبح کی نماز سے پہلے آپ تھوڑی دیر کے لئے بستر پر لیٹ جاتے، جو کہ سنت رسول اللہؐ ہے۔

فجر کی سنتیں کمرے میں ہی ادا فرما کر جماعت سے نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

مسجد میں آپ کے لئے کوئی جگہ مخصوص نہیں ہوتی تھی، جہاں جگہ ملتی آپ نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

بعد نماز فجر:

نماز سے فارغ ہو کر آپ سیدھے اپنے کمرے میں تشریف لاتے، اور کبھی پہلے گھر تشریف لے جاتے اور بعد میں کمرے میں تشریف لاتے۔ کمرے میں آکر آپ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے یا پھر کسی کتاب کا مطالعہ فرماتے۔

اور کبھی آئے ہوئے خطوط کا جواب تحریر فرمایا کرتے، جو کہ بہت مختصر مگر جامع ہوتے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد کمرے میں ہی ناشتہ فرمایا کرتے۔ لیکن جب حضرت کی صحت خراب رہنے لگی تو حضرت والاؒ کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ آپ فجر کی نماز

---

[1] بواسطہ اق۔

سے فارغ ہوکر اپنے کمرے (دارالاہتمام) میں آکر لیٹ جاتے، اور میں (حافظ محمد عبدالشکور) کمر اور ٹانگیں دباتا رہتا۔ جب ناشتہ آتا تو حضرت اُٹھ کر ناشتہ فرماتے۔

ناشتہ:

حضرت والاؒ کا روزانہ کا ناشتہ سادہ اور مختصر ہوتا تھا۔ چائے کے ساتھ ایک یا دو اچھی قسم کے رس ہوتے یا پھر کیک۔ چائے کی حضرت دو پیالی نوش فرماتے، جس میں دودھ ذرا زیادہ ہوتا اور چینی مناسب ہوتی۔

مہمان:

اگر مہمان آئے ہوں تو ان تمام کا ناشتہ بھی حضرت والاؒ کے گھر سے آتا اور وہ سب ناشتہ کے وقت حضرت کے ساتھ شریک ہوتے۔ مہمانوں کے بارے میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ مہمان کوئی بھی ہو، خواہ حضرت کے مریدین میں سے ہو، متعلقین واحباب میں سے ہو یا حضرت کا شاگرد ہو۔

اسباق:

ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوکر حضرت والا گھر تشریف لے جاتے۔ پڑھائی کا وقت شروع ہوجاتا تو حضرت والا کا بخاری شریف پڑھانے کا وقت دوسرا گھنٹہ ہوتا تھا۔ سبق سے تھوڑی دیر پہلے حضرت دفتر میں تشریف لے آتے۔ وہاں مدرسہ کا کوئی کام ہوتا یا کسی کاغذ وغیرہ پر دستخط کرنا ہوتے یا کسی کام پر کسی کو کہیں بھیجنا ہوتا تو آپ احکام صادر فرماتے۔ جب سبق کا وقت ہوجاتا تو آپ پابندی کے ساتھ صحیح وقت پر دارالحدیث تشریف لاتے اور بخاری شریف کا درس دیتے۔

سبق کی پابندی:

حضرت والاؒ کا معمول تھا کہ بلاوجہ بغیر عذر کے آپ سبق کا ناغہ نہیں فرمایا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے ایک ناغے سے طلباء کا بہت زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ اگر کہیں مجبوراً جانا بھی پڑتا تو آپ دوسرے وقت میں اگلے دن کا سبق پڑھا کر تشریف لے جاتے۔

بخاری شریف کے سبق سے فارغ ہوکر آپ پھر دفتر جاتے اور وہاں سے اپنے کمرے میں آتے۔ اب باہر سے آئے ہوئے خطوط کے جوابات تحریر فرماتے، یا پھر اگر پہلی کسی جماعت کا کوئی سبق رکھا ہوا ہوتو وہ پڑھاتے۔ جیسے تسہیل المبتدی، تیسیر المنطق، تیسیر الابواب وغیرہ۔[1] اس کے بعد آپ تعلیم النساء میں لڑکیوں کو بخاری شریف پڑھانے کے لئے تشریف لے جاتے۔

---

[1] ماہر تعلیم وتدریس کا بعض ابتدائی سبق پڑھانا مبتدی کی بنیادِ تعلیمی پختہ ہونے کا سبب ہوتا ہے (آ)

دوپہر:

تعلیم النساء سے فارغ ہوکر تشریف لاتے تو دوپہر ہو جاتی۔ آپ گھر آ کر کھانا کھاتے، اور کبھی کمرے میں ہی منگوا لیتے۔

خوراک:

آپ کی خوراک بہت ہلکی تھی۔ پتلی پتلی سی دو چپاتیاں ہوتیں۔ اور کبھی ان میں سے بھی بچ جاتی۔ پانی آپ جب بھی پیتے تو خوب ٹھنڈا پیتے۔[1] کھانے سے فارغ ہوکر آپ کمرے میں ہی آرام کے لئے لیٹ جاتے۔

ظہر:

ظہر کے وقت آپ بیدار ہوتے تو پہلے غسل فرماتے[2] ظہر کی چار سنتیں کمرے میں ہی ادا فرماتے۔ کیونکہ آپ کی ہمیشہ سے عادت مبارکہ تھی کہ آپ سنتیں کمرے میں ہی ادا فرمایا کرتے[3] سنتیں ادا کرنے کے بعد اگر نماز میں کچھ وقت باقی ہوتا تو آپ تلاوت فرمایا کرتے اور اگر وقت نہ ہوتا تو آپ مسجد میں نماز باجماعت ادا فرمانے کے لئے تشریف لے جاتے۔ جماعت سے فارغ ہوکر آپ واپس کمرے میں تشریف لے آتے۔ آپ سنت اور نوافل کمرے میں ہی ادا فرماتے۔

ظہر کے بعد:

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ چائے پیتے، بغیر کسی لوازم کے۔ (یہ دو وقت کی چائے صبح کے بعد اور ظہر کے بعد آپ کا معمول تھا۔ خواہ آپ سفر پر ہوں یا گھر میں) اس وقت بھی اگر کوئی مہمان آیا ہوتا تو حضرت کے ساتھ چائے میں شریک ہوتا۔

اس کے بعد آپ اس وقت میں مختلف فرائض سرانجام دیتے۔ کبھی تو اس وقت میں مختلف جماعتوں کے اسباق ہوتے۔ مثلاً درجہ تکمیل کا کوئی سبق ہوتا، یا ابتدائی عربی کا کوئی سبق ہوتا۔ یا پھر اس وقت میں حافظ سعید احمد بن حافظ رشید احمد صاحب مرحوم اور حافظ شمس الحق بن حافظ مولانا عبد الحق صاحب زید مجدہم، دونوں کو مختلف اسباق پڑھائے جاتے۔

فتاویٰ:

اس کے علاوہ اس وقت میں عموماً حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب یا مفتی محمد اسحاق صاحب اور کبھی دونوں حضرت والا کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور روزمرہ کے آئے ہوئے فتاویٰ کے جوابات حضرت کو دِکھلا کر حضرت سے

---

[1] یہ سنت بھی ہے۔ اور حضرت والاؒ کے مرشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کو حضرت حاجی صاحب" کی نصیحت بھی تھی کہ میاں اشرف علی پانی جب پیو ٹھنڈا پیو۔ کہ ہر بن منہ سے الحمد للہ نکلے گا۔ اور پانی ٹھنڈا نہ ہوگا۔ تو زبان الحمد للہ کہے گی مگر دل ساتھ نہ دے گا۔ (اوکما قال۔ روایۃً بالمعنیٰ) (سبحان اللہ یہ محقق امام سلوک کی باتیں ہیں۔ زاہد خشک غیر عالم درویش تو نفس کو پریشان کرنے کیلئے گرم پانی پینے کو مجاہدہ سمجھے گا۔ آ)

[2] قبل از ظہر دوبارہ غسل غالباً سخت گرمی کیوجہ سے موسم گرما میں ہوتا ہوگا۔ (آ)

[3] یہ مولانا نے اپنا مشاہدہ بیان فرمایا ہے۔ غالباً اس کا التزام نہ ہوگا۔ بلکہ خادم کو اس کے التزام سے منع فرمایا تھا۔ (تا کہ التزام مالا یلزم میں داخل نہ ہو) (آ)

دستخط کرواتے۔ اوراگرکوئی مسئلہ حل طلب ہوتا تو حضرت والاؒ اس کی وضاحت فرمایا کرتے۔

انتظامی اُمور:

اوراسی وقت طلباء اپنی اپنی درخواستیں لے کر حاضر ہوتے۔ کبھی کسی نے رُخصت پر جانا ہوتا تو حضرت رُخصت دیتے۔ اوراگرکسی غلطی یاسزا کے طور پر کھانا بند کردیا جاتا تو حضرت لنگر سے کھانا جاری ہونے کی اجازت فرماتے۔ ظہر کے بعد سے عصر کی نماز تک حضرت والاؒ اسی طرح مصروف ومشغول رہتے۔

جمعہ کا دن:

جمعہ کے دن آرام کرنے کے بعد غسل سے فارغ ہوکرآپ تقریر کرنے کے لئے تشریف لے جاتے اور جمعہ کا خطبہ جناب حافظ رشید احمد صاحب مرحوم پڑھا کرتے۔ اورآخیر زمانہ میں جمعہ کی تقریر حضرت مولانا محمد شریف صاحب فرمایا کرتے۔ اوراگرکسی سفر پر ہوتے تو کسی اُستاد کو مقرر کرجاتے۔

نماز سے فارغ ہوکر حضرت کمرہ میں تشریف لاکر باقی سنن ونوافل ادا فرماتے۔ اس کے بعد جمعہ کے دن مجلس عام ہوتی۔ ہر کسی کو شرکت کی اجازت ہوتی۔ اورتمام حاضرین مجلس کو حضرت کی طرف سے چائے پلائی جاتی۔ چائے سے پہلے حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے، جوکہ عموماً جناب ڈاکٹر عبدالجید صاحبؒ پڑھا کرتے تھے۔ یاپھر آپ[1] حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب کے اشعار سنایا کرتے۔ تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ یہ مجلس قائم رہتی۔

اس کے بعد حضرت گھر تشریف لے جاتے اورعصر کی نماز کے بعد آپ قبرستان تشریف لے جایا کرتے اور فاتحہ خوانی کرکے واپس آتے۔ یہ یوم جمعہ کے معمولات تھے۔

بعد عصر (مجلس ملفوظات حضرت حکیم الامت تھانویؒ):

جمعہ کے علاوہ روزانہ عصر کی نماز کے بعد حضرت کمرے میں تشریف لاتے اور تقریباً تمام اساتذہ کرام بھی حاضر خدمت ہوجاتے اور حضرت تھانویؒ کے ملفوظات پڑھے جاتے۔ جناب اُستاذی حضرت مولانا محمد صدیق صاحب لائل پوری ملفوظات پڑھا کرتے۔ اس ملفوظات کی مجلس میں درجہ تکمیل کے طلباء کا شریک ہونا ضروری ہوتا تھا۔ دورۂ حدیث شریف وغیرہ کے بعض طلباء بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ بہرحال یہ مجلس ہر ایک کے لئے مفید ہوتی تھی۔ بہت سے علمی نکات حل ہوتے۔ بہت سی باتیں جو نہ پڑھی نہ سنی تھیں، اس مجلس کے طفیل معلوم ہوتیں۔

ملفوظات کی مجلس کے بعد حضرت والاؒ کبھی تو گھر تشریف لے جاتے۔ اگرکوئی تکلیف یا ضرورت ہوتی تو آپ کی ڈاکٹر یا حکیم کے پاس جاتے۔

---

[1] یعنی حضرت حاجی ڈاکٹر عبدالجید صاحبؒ۔ (آ)

بازار جانا ہوتا تو حضرت پیدل ہی تشریف لے جاتے۔ پیدل چلنے میں حضرت چھوٹے چھوٹے قدموں کے ساتھ تیز رفتاری سے چلتے۔ دوسرا ساتھ چلنے والا عموماً حضرت کے ساتھ نہ چل سکتا اور دوڑ کر ساتھ ملنا پڑتا۔ اسی طرح پیدل ہی حضرت واپس تشریف لاتے۔ مغرب کی نماز واپس مدرسہ میں آ کرادا فرماتے۔

بعد مغرب:

مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر آپ دارالاہتمام میں تشریف لاتے۔ اگر کوئی مہمان آیا ہوتا تو گھر سے اس کے لئے کھانا لاتے۔ ورنہ خود گھر تشریف لے جاتے اور کھانے سے فارغ ہوکر واپس کمرے میں اپنی کسی زیرِ تحریر تصنیف کی تکمیل فرماتے۔ اور اگر طبیعت ناساز ہوتی تو آپ آرام فرماتے اور اگر کوئی خاص مہمان ہوتا تو آپ اپنا بھی کھانا ساتھ ہی کمرے میں لے آتے اور مہمان کے ساتھ کھانا کھاتے۔ اکثر مجھے بھی کھانے میں شریک فرمالیا کرتے۔

مہمان کے لئے بستر وغیرہ کے انتظام کا حکم فرماتے۔ یہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جو بھی کام ہو اس کی خوب تسلی فرماتے کہ آیا یہ کام مکمل ہوگیا یا نہیں؟ ہوا تو کس طرح؟ مثلاً تسلی فرماتے کہ بستر وغیرہ بچھ گئے ہیں؟ مہمان کے آرام کی ہر چیز موجود ہے؟ اور اگر کوئی کمی ہوتی تو گھر سے لا کر اس کمی کو پورا فرماتے۔ عشاء کی نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لئے مسجد میں تشریف لے جاتے۔

بعد عشاء:

عشاء کی نماز سے فارغ ہوکر آپ پہلے گھر تشریف لے جاتے۔ پھر کمرے میں آتے۔ اگر مہمان آئے ہوئے ہوں تو پہلے ان کے آرام کا انتظام کراتے۔ اس کے بعد آپ بستر پر لیٹ جاتے۔ دارالاہتمام کے سامنے ہی بڑی بڑی دو چارپائیاں بچھادی جاتیں۔ ایک حضرت کے لئے ہوتی اور ایک میرے لئے۔ حضرت کے آرام کے لئے اور بوقت ضرورت خدمت کے لئے میرا بستر حضرت کے پاس ہی ہوا کرتا تھا۔

جونہی حضرت آرام کے لئے لیٹتے تو چند طالب علم اور بھی خدمت کے لئے آجاتے۔ کوئی سر پر تیل لگاتا اور کوئی ہاتھ پاؤں دبانے میں مصروف ہوجاتا۔ سر پر تیل لگانے کے لئے مختلف زمانے میں مختلف ساتھی مقرر رہے ہیں، جو عین موقع پر خود بخود حاضر ہوتے یا پھر بوقتِ ضرورت ان کو طلب کرلیا جاتا۔ مثلاً پہلے قاری عبدالرحمٰن صاحب ہوا کرتے تھے۔ اور اسی طرح ہم نے پہلے حافظ محمد الدین صاحب کو تیل لگاتے دیکھا۔ اسی طرح مجھ سے پہلے عام و خاص خدمت کے لئے بھی حافظ محمد یوسف صاحب کھروی ہوا کرتے تھے۔ ہم چونکہ ایک ہی کمرے میں رہا کرتے تھے۔ اس لئے اکثر اکٹھے اُٹھتے بیٹھتے تھے۔ جس وجہ سے وہ اکثر مجھے کسی نہ کسی کام کے لئے بلالیتے تھے۔

ادھر خود ہمیں بھی شوق ہوتا کہ کسی طرح حضرت کی خدمت کریں۔ مگر حضرت کے رُعب و دبدبہ کی وجہ سے اکثر

نزدیک جانے سے خوف کھاتے اور دور سے ہی حضرت کو دیکھ کر چھپ جاتے یا پھر راستہ بدل جاتے۔اس وقت مولوی محمد اسلم صاحب میلسوی حضرت کے تیل لگایا کرتے تھے۔ وہ درجہ تکمیل میں پڑھا کرتے تھے۔ میں نے اسی دوران میں کبھی کبھی ڈرتے ڈرتے حضرت کی خدمت میں آنا جانا شروع کردیا۔ طالب علم خدمت کیا کرتے تو حضرت ان سے کبھی علمی باتیں پوچھتے رہتے، یا پھر کبھی مزاح فرماتے۔ میں تھوڑی دیر تک پاؤں دباتا، پھر واپس آجاتا۔اس کے بعد کوئی اور دوسرا ساتھی یہ خدمت سرانجام دیتا۔ پھر میں کبھی جاتا اور کبھی نہ جاتا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ مولوی محمد اسلم صاحب میلسوی جو کہ حضرت کے تیل لگانے کی خدمت کیا کرتے تھے، وہ میرے ماموں زاد بھائی تھے۔ایک دن میں نہ گیا تو وہ مجھے کہنے لگے کہ حضرت نے آج پوچھا تھا کہ جولڑکا کبھی کبھی آکر پاؤں دباتا ہے وہ کون ہے؟ کس جماعت میں پڑھتا ہے؟ جب میں نے بتادیا تو حضرت نے فرمایا کہ اس کو کہو یا تو ہر روز آیا کرے یا پھر نہ آئے۔ وہ پاؤں بہت اچھے دباتا ہے۔ جس دن نہیں آتا تو تکلیف ہوتی ہے۔اس لئے تم ہر روز جایا کرو۔ اس روز کے بعد میں ہر روز خدمت میں حاضر ہونے لگا۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوا کہ سب ساتھی چلے گئے اور حضرت والا بھی آرام سے بستر پر لیٹ گئے، مگر میں ابھی تک پاؤں دباتا رہا۔حتیٰ کہ حضرت آرام کی نیند سو گئے۔ جب کبھی آنکھ کھلی تو فرمایا تم ابھی تک بیٹھے ہو، شاباش جاؤ، سو جاؤ۔

۱۹۶۵ء میں حافظ محمد یوسف سکھروی مدرسہ سے چلے گئے تو حضرت نے مستقل طور پر اپنے پاس مجھے بلالیا۔اس کے بعد ہر وقت میں حضرت کے پاس رہا۔ سفر میں بھی اور حضر میں بھی۔ان دنوں مولوی عبدالشکور مظفر گڑھی یا پھر مولوی مقصود یا کوئی اور تیل لگاتے اور چلے جاتے۔ ہر روز سونے سے پہلے تیل لگوانا حضرت کا معمول تھا[1] اسی طرح سوتے وقت دودھ استعمال کرنے کا بھی معمول تھا۔ سفر پر ہوں یا گھر، موسم گرما میں برف ڈال کر اور سردی میں ویسے ہی۔

اسی طرح حضرت کا یہ بھی معمول تھا کہ سوتے وقت آپ سرمہ ضرور استعمال فرماتے۔ خواہ آپ سفر پر ہی کیوں نہ ہوں۔ جب کہیں سفر پر جانا ہوتا تو مجھے حکم تھا کہ سامان کے ساتھ سرمہ ضرور رکھوں۔

تعلیمی سال کے آخر میں آپ بخاری شریف کا سبق عشاء کے بعد بھی پڑھایا کرتے تھے، تاکہ کتاب ختم ہو جائے۔اور کبھی ایسے بھی ہوتا کہ اگر نیند نہ آرہی ہو تو مجھے حکم دیتے کہ فلاں کتاب جو آئی ہوئی ہے وہ مجھے پڑھ کر سناؤ۔ کافی دیر تک وہ کتاب پڑھ کر سناتا رہتا۔اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مالش وغیرہ کرا کر جب دوسرے طالب علم چلے جاتے تو آپ آرام کرنے کی بجائے کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ حضرت والاؒ کا یہ بھی معمول و دستور تھا کہ عشاء کے بعد جلد سو جاتے اور صبح جلدی بیدار ہوتے۔

(تم الباب)

---

[1] آپ ہمیشہ سرسوں کا تیل استعمال کرتے یا پھر روغن کدو اور خشخاش ملا کر اور جسم پر لگانے کیلئے روغن زیتون سے جسم پر مالش صرف میں کیا کرتا تھا۔

باب ہفت دہم (۱۷)

تصنیف وتالیف

حضرت[1] والاؒ کی عمر کا زیادہ حصہ درس وتدریس اور نظم واہتمام مدرسہ میں اور حصول سلوک واستفاضہ باطنی اور ارشاد واصلاح اور افاضہ باطنی اور تبلیغ ودعوت بذریعہ وعظ ودرس قرآن مجید میں گزرا۔ اس کے باوجود تصنیف وتالیف کا میدان بھی وسیع ہے۔ تالیف فرمودہ کتب ورسائل کے علاوہ مواعظ اور دورانِ تدریس کی تقاریر اور درس قرآن مجید ضبط کئے جاتے تو تعداد کتب ورسائل کی بہت زیادہ بن جاتی۔ چنانچہ چند سال احقر مؤلف کو رمضان المبارک میں جمعہ کے وعظ اور بعد فجر یا بعد عشاء کے بعض دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ ضبط کرنے کی بحمد اللہ توفیق بھی ہوئی۔ لیکن قید تحریر میں لانے کی نوبت کم آئی۔ البتہ تین وعظ حضرت والاؒ کے ضبط تحریر میں لائے ہوئے ملے، جن کو باب مواعظ میں شامل کیا ہے۔ اور اب وہ ''آثار خیر'' میں بھی شائع ہو گئے ہیں۔ بہر حال حضرت والا کی تمام تالیفات نہایت نافع ہیں۔ اور ان کا نفع علماء وطلباء اور عوام سب ہی کے لئے عام اور تام ہے۔

اب ان تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) خیر[2] الاصول فی حدیث الرسول:

علم اصول حدیث میں نہایت سہل اور مختصر ہونے کے باوجود نہایت مفید اور جامع قابل حفظ رسالہ ہے، جو نہ صرف مبتدئین حدیث کے لئے بے حد نافع ہے، بلکہ طلباء وعلماءِ حدیث کے لئے نادر تحفہ ہے۔ متعدد مدارسِ دینیہ میں داخلِ نصاب ہے۔ خود حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مدرسہ امداد العلوم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں اسے مشکوٰۃ شریف سے پہلے پڑھانے کے لئے داخلِ نصاب فرمایا دیا تھا، اور ۱۲ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ کے والا نامہ میں حضرت والاؒ کو مطلع بھی فرما دیا تھا۔ اور اپنی وصیت (نمبر ۱۵، رابعۃ التابعۃ، مضمون ہفتم) میں تحریر فرمایا: ''حدیث شروع کرنے والوں کے لئے رسالہ ''خیر الاصول فی حدیث الرسولؐ'' اصطلاحات واُصولِ حدیث میں مؤلفہ مولانا خیر محمد صاحب داخل نصاب کیا گیا۔''

(اشرف السوانح، حصہ سوم، باب ۲۳ وصایا، ص ۲۶۵، مطبوعہ لاہور)

(۲) خیر التنقید فی سیر التقلید:

اس رسالہ میں ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی کے دلائل ہیں۔ تقلید واتباع کے دلائل کتاب وسنت، آثار صحابہؓ اور

[1] آہ۔

[2] اقتفیہ بیسر۔

بزرگانِ دین کے اقوال سے حتیٰ کہ بعض اہلِ حدیث علماء کے اقوال سے بھی دیئے گئے ہیں۔ اگر قائلین عدم تقلید اس کو نظر تحقیق سے دیکھ لیں اور عدم تقلید میں تقلید سے کام نہ لیں تو اُمید ہے کہ تحقیق کے بعد ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی کو ترجیح دیں گے۔

(ملفوظ) بروایت حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب زید مجدہٗ ''تقلید شخصی کے اثبات میں استدلال فرماتے ہوئے حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا: وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ سے تقلید شخصی کا ثبوت واضح ہے۔''

رسالہ "خیر التنقید" کے بارے میں مکرمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''اس رسالہ میں محققانہ دلائل سے قرآن وحدیث، حضرات صحابہ کرامؓ، فقہاء ومحدثین اور صوفیاء ومجتہدین کے ارشادات کی روشنی میں، نیز آثار وتعامل خیر القرون اور اجماع اُمت سے ائمہ مجتہدین کی تقلید شخصی کو ثابت کیا گیا ہے۔ سلف صالحین کے ارشادات اور ہر دلیل عقلی ونقلی کے ساتھ آخر میں فرقہ اہلِ حدیث کے مجتہد نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی، مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی ودیگر اکابر اہلِ حدیث کے ارشادات کو بھی بطور ثبوت ودلیل بیان کیا گیا ہے۔ گویا آخر میں غیر مقلدین حضرات سے نصیحت فرمائی ہے:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

قابلِ دید رسالہ ہے۔ اس کا اندازہ پڑھنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ ع شنید کے بود مانند دیدہ

لفظ بیگانہ بھلا کیا ترجمانی کرسکیں
شوق بے اندازہ پیچیدہ جو میرے دل میں ہے

رسالہ کے آخر میں حضرت حکیم الامتؒ کا فتویٰ ''الکلام الفرید[1]'' من وعن نقل کردیا ہے۔ اور حضرت والاؒ نے حواشی میں اس کی تسہیل بھی فرمادی ہے، تاکہ کم تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ بھی اس سے مستفید اور مستفیض ہوسکے۔[2]

(۳) خیر المصابیح فی عدد التراویح:[3]

اس میں تقریباً تیرہ (۱۳) احادیث کے علاوہ فقہاء کرام کے ارشادات اور تعامل وتوارث سے بیس رکعات تراویح کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عہد فاروقیؓ سے بارھویں صدی کے اواخر تک کسی مسجد میں آٹھ رکعت تراویح نہیں پڑھی گئیں اور نہ آٹھ رکعت کا ثبوت کسی مرفوع روایت میں موجود ہے۔ آخر میں اکابر علماء اہلِ حدیث سے بیس رکعات تراویح کا ثبوت دیا ہے، جو اس کا مصداق ہے:

تھیں میری اور رقیب کی راہیں جدا جدا
آخر کو دونوں ہم درِ جاناں پہ جا ملے

---

[1] اس فتوے کا تعارف حضرت والاؒ کے الفاظ میں خیر البراھین کے ضمن میں ملاحظہ فرمایئے (آ)

[2] اق نے اپنے ایک گرامی نامہ مورخہ ۱۸ محرم ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۷۱ء میں تحریر فرمایا تھا کہ ''علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹی نے گذشتہ جلسہ خیر المدارس پر کہا تھا کہ ''جیسی کتاب حضرت نے تقلید پر لکھی ہے۔ اتنی جامع کتاب کسی نے نہیں لکھی''۔ (آ)

[3] اق کا ملاً تغیر یسیر۔

(۴) خیر الجواب فی ایصال الثواب:[ا]

اخبار "المنیر" گوجرانوالہ ۱۸/اگست ۱۹۳۵ء میں ولی احمد پنشنر کا فتویٰ شائع ہوا تھا، جس میں ملا علی قاری کے فتویٰ اوز جندی کی من گھڑت حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ خود حضور ﷺ نے اپنے صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لئے طعام سامنے رکھ کر فاتحہ دی تھی۔ "خیر الجواب" میں حضرت والاؒ نے یہ ثابت فرمایا کہ فتاویٰ اوزجندی ملا علی قاری کی تصنیف نہیں۔ نیز مذکورہ من گھڑت حدیث کسی معتبر کتاب حدیث میں موجود نہیں، اور نہ سند کے لئے اس میں راویوں کے نام بیان کئے گئے ہیں، تاکہ اسماء رجال سے ان کا پتہ چل سکے۔

نیز مذکورہ فتویٰ جو ملا علی قاری کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس کی تردید کے لئے حضرت ملا علی قاری حنفی کے ارشادات ان کی معتبر تصانیف شرح مشکوٰۃ اور شرح نقایہ سے نقل کئے گئے ہیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ ان کا بالکل نہیں اور وہ بزبانِ حال فرما رہے ہیں:

سر نہاں کہ عارف و سالک بہ کس نہ گفت
در خیر تم کہ بادہ فروش از کجا شنید

آخر میں سات علماء کرام کی تصدیقات شامل ہیں۔

(۵) خیر الوسیلہ:

اس رسالہ میں توسل کی حقیقت[۲] آیت قرآن مجید، ۱۵/احادیث مبارکہ کے علاوہ امام شافعی، علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، علامہ شوکانی، قاضی عیاض، ملا علی قاری، علامہ سمہودی، علامہ سبکی، شاہ محمد اسحاق دہلوی اور اکابرین دیوبند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام کے توسل سے دُعا مانگنے کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔
قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور دیگر اکابرین دیوبند کے مصدقہ فتویٰ المھند علی المفنّد کی عبارت نقل فرمانے کے بعد تنبیہ کے عنوان سے ص ۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں: "مذکورہ بالا تحریرات سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ہمارے مغربی پاکستان میں منتسبین دیوبند میں سے جو اہلِ علم توسل بالاموات یا توسل بالذوات کا مطلقاً انکار کرتے ہیں بلکہ اس کو حرام یا شرک کہتے ہیں وہ ہرگز ہرگز دیوبندی المسلک نہیں، بلکہ اس کو بدنام کرنے والے ہیں۔ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔"

اس کے علاوہ خیر الوسیلہ میں استعانت کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ جس میں پہلی اور دوسری قسم کو کفر و شرک، تیسری اور چوتھی قسم کو حرام اور پانچویں صورت کو مباح و جائز بیان فرمایا ہے۔ آخر میں گیارہ علماء کرام کی تصدیقات شامل ہیں،

[ا] اق کالا

[۲] اق

جس میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، "مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی شامل ہیں۔

"غرضیکہ[1] اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ وسیلہ کے بارے میں کیا اعتقاد شرک ہے، اور کیا بدعت وغلو اور حرام ہے اور شرک کی طرف مفضی ہے۔ اور عقیدہ صحیحہ کیا ہے؟ اور وسیلہ کی جائز و مباح صورت کیا ہے؟ اس میں افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا بیان ہے اور دونوں طرف سے غلو کا رد کیا گیا ہے۔ اور اس کے دلائل کتاب وسنت سے دیئے گئے ہیں۔"

(۶) تیسیر الابواب:[2]

عربی کے مبتدی طلباء کے لئے صَرف کا نہایت مفید رسالہ ہے۔ اس میں ابواب ثلاثی ورباعی مجرد و مزید فیہ کی صرف صغیر وصرف کبیر دی گئی ہیں۔ اس رسالہ پر محنت کرنے سے صَرف کے صیغوں کی تفصیلی مشق ہو کر بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے۔ اور صیغے نکالنے بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ شروع میں صرف کی ضروری اصطلاحات بھی سمجھادی گئی ہیں۔

(۷) تسہیل المبتدی (فارسی کے قواعد):[3]

حضرت والاؒ نے طلباء کی سہولت اور ضرورت کا خیال فرما کر تیسیر المبتدی قدیم، صفوۃ المصادر اور رسالہ نادرہ کے انتخاب سے اس طرح تسہیل المبتدی قلم بند فرمائی کہ اس میں ہر سہ رسائل کے صیغوں، گردانوں اور فعلوں کے بنانے کے قاعدوں کو یک جا جمع فرمادیا۔ جس سے عجیب جامع رسالہ ہو گیا۔ اور مذکورہ تینوں رسالوں کو دیکھنے کی حاجت نہ رہی۔ بہت سے دینی مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔

(۸) نماز حنفی:[4]

جیبی سائز کی اور مختصر، مگر بہشتی زیور اور تعلیم الاسلام کی طرح بے حد کارآمد اور مفید تالیف ہے۔ اور اس قابل ہے کہ سفر وحضر میں ساتھ رکھی جائے۔ اس میں احادیث شریفہ اور آثار صحابہ کرامؓ سے تاکید صلوٰۃ ومسائل نماز کے علاوہ نصائح از شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ العزیز، نیز اسماء حسنیٰ، چھ کلمے، ایمان مفصل و مجمل، ادعیہ مسنونہ، اذان، نماز، تراویح، نماز جنازہ (یہ سب مترجم ہیں) ان کے علاوہ خطبہ نکاح، خطبہ جمعہ وعیدین ہیں۔ اور آخیر میں مختصر رسالہ حفظ المومنین ہے۔ جس کے چند صفحات میں پنجابی اشعار میں (عقائد، نماز اور وضوء غسل وغیرہ کے متعلق) مختصر دینی تعلیم ہے (جو قابلِ حفظ ہے)۔

اس[5] کے مندرجات حدیث وفقہ کی جن صحیح ومستند کتب سے لئے گئے ہیں ان کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہ تالیف نہ صرف دیندار عوام میں بلکہ اہلِ علم میں بالخصوص مقبول ہے۔ یوں تو حضرت والاؒ کی اکثر تصانیف بار بار شائع ہو چکی ہیں، مگر نماز حنفی کو اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور کی طرح مقبولیت عامہ کا درجہ عطا فرمایا ہے۔ متعدد ناشر حضرات نے اسے شائع کیا

---

[1] آ۔ [2] آ۔ [3] اق۔ [4] آ۔ [5] اق طہر۔

ہے۔اور اکثر صحیح العقیدہ حضرات اور علماء کرام کے پاس یہ کتاب موجود ہوتی ہے۔ضروری ہے کہ سب مسلمان بچوں اور بچیوں کے پاس نماز حنفی مترجم موجود ہو۔

(۹) تبوی تربیت السالک[1]

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے متوسلین، معتقدین اور مریدین کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ان طالبین نے حضرت حکیم الامت سے اپنی باطنی عقدہ کشائی کے لئے تحریراً جو احوال پیش کئے اور حضرت حکیم الامتؒ نے ان امراض باطنہ کے جو علاج فرمائے، جو سالکین کے لئے نسخہ شفا اور تیر بہدف ثابت ہوئے، اس طب روحانی کی قرابادین کا نام ''تربیت السالک'' ہے، جو بلا شبہ حضرت حکیم الامتؒ کے تجدیدی کارناموں میں بڑا کارنامہ ہے۔

پہلے یہ کتاب ماہنامہ ''النور'' تھانہ بھون میں بالاقساط شائع ہوئی تھی۔ پھر جب حضرت مولانا عبدالمجید صاحب[2] بچھرایونیؒ نے اسے کتابی صورت میں شائع فرمانا چاہا تو تبویب کے لئے ان کی نظر انتخاب حضرت والاؒ پر پڑی۔ جن حضرات نے اس کتاب کا مطالعہ فرمایا ہے، وہی اندازہ فرما سکتے ہیں کہ اس ضخیم وطویل کتاب کی حضرت والاؒ نے کس عرق ریزی سے بطریق احسن تبویب فرمائی ہے کہ پہلے اس کو ابواب میں تقسیم فرمایا۔ پھر فصول قائم کیں، پھر ہر فصل کے ہر مکتوب پر عنوان قائم کر کے نہایت دلکش انداز میں ترتیب دی۔ اس کی جلد اوّل حضرت حکیم الامتؒ کی حیاتِ طیبہ میں شائع ہوئی تھی جو ۱۲۷۲ بڑے صفحات پر مشتمل تھی۔ یہ جلد شوال ۱۳۲۹ھ سے ۱۳۵۰ھ تک کے مضامین پر مشتمل تھی۔ پھر قیام پاکستان کے بعد اس کی دوسری جلد کی تبویب بھی عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر حضرت والاؒ نے فرمائی۔ یہ مضامین ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۶۲ھ کی تحریرات پر مشتمل ہے۔ یہ جلد حال ہی میں ادارہ تالیفات اشرفیہ واقع اندرون جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

اس کی تبویب کے بارے میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: ''بالخصوص حکیم الامت مجدد ملت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی کتاب تربیت السالک کی جو خدمت تبویب آپ نے انجام دی وہ ایک بڑا کارنامہ اور طالبین صدق واخلاص کے لئے ایک بے نظیر مجموعہ ہو گیا۔''

اسی طرح حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے تحریر فرمایا تھا: ''ان کی تبویب بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائیں اور عامۃ المسلمین، خصوصاً ذاکرین شاغلین طالبین کو اس سے منتفع فرمائیں۔''

---

[1] حق (کاملا)

[2] مجاز بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ

(۱۰) خیر الافادات:[1]

''اس میں حضرت والاؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے عجیب و غریب عارفانہ ارشادات اور حکیمانہ کلمات جمع فرمائے ہیں۔ جس میں قرآنی معارف، احادیث کی بے مثل شرح، اصلاحی کارآمد باتیں اور علمی بیش قیمت نوادر محفوظ ہیں۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد یہ رسالہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی میں بالاقساط شائع ہوا تھا۔ بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔''

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ ملفوظات مشتمل بر فوائد علم و حکمت اور حکایاتِ نافعہ حضرت والاؒ کی وفات کے بعد طبع ہوئے ہیں۔ اور اس وقت ان کے طبع کرانے کی اجازت حضرت حکیم الامتؒ یا حضرت والاؒ سے نہ لی جاسکتی تھی (یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ حضرت تھانویؒ کی تالیفات یا مواعظ و ملفوظات ان کے نظر فرمانے کے بعد اجازت ہی سے شائع ہوتے تھے) چنانچہ ''خیر الافادات'' کے نام سے شائع ہونے والے ملفوظات پر نظر ثانی کی ضرورت باقی رہی۔ کئی ملفوظات و حکایات کے تو صرف ارشارات ہیں جو یادداشت کی غرض سے تحریر فرمائے گئے تھے۔ بعض جگہ تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ تنگ وقت میں استعجالاً لکھا گیا ہے۔ اور اس وقت صرف اشارات لکھنا اور بعد میں مفصل لکھنا مقصود تھا۔ ان حالات میں سہو و تسامحات اور زلات قلم کا امکان بہت قوی ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جملہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ حضرت والاؒ کے بعض اہلِ علم تلامذہ نے بھی اس کو ویسے ہی نقل ہونے دیا، یا التفات نہ ہوسکا کہ حضرت والاؒ کی طرف کیا عبارت منسوب ہو رہی ہے۔ وہ جملہ یہ ہے: (اور وہ ملفوظ ۲۱ میں ہے) له ازیز کازیز المرجل. اس کے معنی اہلِ علم میں معروف ہیں۔ (یعنی نماز کے وقت حضور ﷺ کے سینہ مبارک سے پکنے والی ہانڈی کے کھولنے کی سی آواز نکلتی تھی)[2] اس کے ترجمہ کے بجائے ملفوظات کے استعجالاً نوٹ فرمانے میں کچھ اور تحریر ہوگیا ہے۔ جو بظاہر اس سے متعلق نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت والاؒ اس کو شائع کرنے کی اجازت دیتے تو نظر ثانی فرما کر اس کی تصحیح فرمادیتے۔ بہر حال اب حضرت والاؒ کے بعد یہی کیا جاسکتا تھا کہ یا تو اس جملہ کو حذف کردیا جاتا، اور سب سے بہتر یہی صورت سمجھ میں آتی ہے، یا ایسے بعض جملوں کی بضرورت تصحیح کی جسارت کرلی جاتی اور حاشیہ پر کلمہ'' بتغییر یسیر'' وغیرہ کچھ لکھ کر اس طرف اشارہ کردیا جاتا اور جہاں صرف اشارات تھے یا مجمل عبارت تھی، اس کو نقل کر کے اس کی تفصیل لکھ دی جاتی[3]۔

---

[1] اق۔ [2] آا۔

[3] اب یہ بات معرفت رسول ﷺ سے حظ وافر رکھنے والے حضرات ہی شاید بتا سکیں کہ یہ آواز علم و معرفت اور عشق و محبت الٰہی کے جوش سے تھی۔ یا عظمت و خشیت الٰہی وغیرہ سے یا یہ سب مع دوسرے وجود کے مثلاً شفقت علی الخلق اور رافت و رحمت بالمؤمنین. اس کے بعد کتاب'' آثار خیر'' دیکھی تو اس میں ص ۲۷۰ سطر ۲۱ پر حضرت مجدد تھانویؒ کے ملفوظ بعنوان خیر الاخبار فی خبر الاختیار'' میں له کازیز کاذیر المرجل کے معنی مع سبب یہ ملے۔'' آپ کے سینہ مبارک کی بوجہ غلبہ خوف و خشیت کے ایسی حالت ہوتی تھی۔ کہ جیسے کوئی ہانڈی چولہے پر چڑھی ہوئی ہو۔ اور اس میں ابال آرہا ہو۔ اور کھد بدکھد بدآواز ہورہی ہو'' واللّٰه سبحانه و تعالیٰ اعلم (آا)

[4] ''خیر الافادات'' کے متعلق مزید'' آثار خیر'' کے تعارف میں آرہا ہے۔ حضرت والاؒ کے بعض رسائل (جن میں'' خیر الافادات'' بھی شامل ہے) کا مجموعہ جو شائع ہوا ہے'' آثار خیر'' اسی کا نام ہے۔ (آا)

(۱۱) آثارِ خیر:[!]

جیسا کہ پہلے گزرا، یہ کتاب حضرت والاؒ کے بعض رسائل کا مجموعہ ہے۔ ان میں سے بعض تو شائع ہو چکے تھے اور دستیاب تھے۔ بعض شائع ہی نہیں ہوئے، یا پہلے کبھی شائع ہو کر اب دستیاب نہیں رہے تھے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب یہ کتاب ۱۴۱۵ھ (۱۹۹۴ء) میں شائع ہوگئی ہے۔ اور اس کتاب میں بعض وہ رسائل بھی شامل ہو گئے جو پہلے شائع ہوئے تھے لیکن اب نہیں ملتے تھے۔ تاہم اب بھی بعض ایسے رسائل باقی رہ گئے جو شاید مل نہ سکے ہوں گے، اس لئے شامل نہ ہو سکے۔ (نیز شرح بخاری شریف عربی ابھی تک شائع نہیں ہوئی، قلمی موجود ہے۔ اسی طرح ''نقش حیات خیر محمد'' یعنی حضرت والاؒ کی خودنوشت سوانح ابھی تک قلمی موجود ہے۔ اس کا جتنا حصہ یا خلاصہ جو کئی بار شائع ہوا ہے اور ''آثارِ خیر'' میں بھی شامل ہے، وہ اصل قلمی نقش حیات کے شاید خمس یا سدس سے بھی کم ہوگا۔ اور اصل نقشِ حیات کا مل کا اکثر حصہ اس تالیف ''خیرالسوانح'' کی اساس ہے)۔

لیکن اس میں ایک رسالہ ''خیرالافادات'' جس کا کچھ تعارف پہلے گزر چکا ہے۔ اس کو ''آثارِ خیر'' میں بعینہٖ انہیں اغلاط کے ساتھ ایک بار پھر دیکھ کر بہت ہی افسوس ہوا۔ ''خیرالافادات'' کتابی صورت میں شائع ہوئی تو اس میں ملفوظات پر عنوانات لگا دیئے گئے۔ لیکن بعض جگہ عنوان اور ملفوظ میں تضاد ہے، کہ ایک میں کسی بات کا اثبات ہے تو دوسرے میں اس بات کی نفی، بعض جگہ کتابت کی اغلاط بھی افسوس ناک ہیں۔ اس کے علاوہ قوسین میں کسی لفظ کے معنی لکھے ہیں تو وہ صحیح نہیں۔ پھر زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ ہر بار ناشرین بغیر دیکھے غلط نسخے کی فوٹو لے کر بار بار اس اغلاط سے پُر کتاب کو شائع کئے جا رہے ہیں۔

علاوہ ازیں ''آثارِ خیر'' میں ایک افسوس ناک کوتاہی یہ بھی ہوگئی ہے کہ بعض رسائل میں عبارت ختم ہونے سے قبل دوسرا رسالہ یا مضمون شروع ہو گیا ہے۔ مثلاً رسالہ ''خیرالارشاد الی التقلید والاجتہاد'' کے صفحہ ۲۱۲ پر عربی عبارت اور اس کا اُردو ترجمہ دونوں نا تمام رہ گئے ہیں۔ آگے ص ۲۱۳ پر ''مسئلہ تقلید پر بعض شبہات اور ان کے جوابات'' کے عنوان سے دوسرا مضمون شروع ہو جاتا ہے۔ نیز اس کے صفحات از ص ۴۳۱ تا ص ۴۳۴ بے ترتیب اور غلط ہیں۔

ضرورت ہے کہ آئندہ یہ کتاب کسی معتمد و محتاط عالم کی پوری توجہ سے مکمل تصحیح کے بعد ہی شائع ہو اور تصحیح اغلاط کی ایک فہرست طبع کرا کر سابقہ نسخوں کے ساتھ رکھی جائے۔ نیز اعلان ہو کہ جن کے پاس یہ نسخہ ہو وہ تصحیح اغلاط کی فہرست طلب فرمالیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

اللہ تعالیٰ حضرات ناشرین کتب کو اہلِ حق کی کتب کی صحت کتابت اور تصحیح کے زیادہ سے زیادہ اہتمام کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین ثم آمین)۔

[!] آ[illegible]

(۱۲) خیر[۱] الاختبار فی خبر الاختیار:

"یہ ان ملفوظات طیبہ کا مجموعہ ہے جن کو جناب مولوی خیر محمد صاحب جالندھری نے ۱۳۵۱[۲]ھ میں قلمبند فرمایا تھا" (احقر مؤلف نے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن (حال جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن) کراچی کے کتب خانہ سے عاریت لیئے ہوئے "اشرف السوانح" حصہ سوم کے ایک قدیم نسخہ کی جلد کے ساتھ ملحقہ ایک رسالہ "تالیفات اشرفیہ" ص۵۴ سے یہ نوٹ کیا تھا۔ اب یہ ملفوظات "آثار خیر" میں شائع ہو گئے ہیں۔ آ ا)

(۱۳) ایقاظ المسلمین:

ستمبر[۳] ۶۵ء کی جنگ کے دوران پاکستان کی سرحدوں پر بھارت کی فوجیں جمع ہونے کے موقع پر یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا، جس میں مسلمانوں کو جان و مال سے جہاد کی ترغیب کے علاوہ یہ بھی نصیحت فرمائی کہ ایسے موقع پر مسلمانانِ پاکستان کا کیا فرض ہے اور انہیں کیا کرنا چاہئے۔

اس[۴] میں پاکستان کے دفاع، دشمن سے مقابلہ کے لئے تیاری اور جہاد و قتال اور شہادت کے بارے میں کتاب و سنت سے ہدایات اور مسائل و فضائل کا بیان ہے۔ آخرت میں قنوتِ نازلہ بھی ہے۔

(۱۴) نصاب وطریقہ تعلیم خیرالمدارس:[۵]

یہ رسالہ حضرت والاؒ نے اپنے طویل تعلیمی و تدریسی تجربہ اور دیگر ماہرین تعلیم تجربہ کار اساتذہ کرام سے اصلاح نصاب کے متعلق بارہا مراجعت کے نتیجہ میں تحریر فرمایا ہے، جس میں آٹھ سالہ نصاب درجہ عربی، ایک سالہ نصاب درجہ فارسی، اُردو، دینیات، نصاب عربی سہ سالہ، نصاب تعلیم درجہ پرائمری اُردو و دینیات اور نصاب عربی فارسی برائے مدرسہ تعلیم النساء خیرالمدارس، نصاب تعلیم (اُردو و دینیات) برائے مدرسہ تعلیم النساء خیرالمدارس شامل ہیں۔ اس میں ہر سال کے لئے علیحدہ علیحدہ نقشہ نصاب تعلیم کے علاوہ ہر درجہ کے استاذ اور طالب علم کے لئے زرّیں ہدایات اور طریقہ تعلیم شامل ہیں، جن پر عمل کرنے سے معلمین اور متعلمین علمی و عملی افادات سے اپنی جھولیاں بھر سکتے ہیں۔

آخر میں درجہ حفظ، تجوید و قراءت اور ناظرہ کے تمام نصابات کا طریقہ تعلیم اور ہدایات درج ہیں۔ میرے خیال میں ہر دینی طالب علم اور اُستاذ کے پاس اس رسالہ کا ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ گاہ گاہ ان ہدایات کو پڑھیں اور عمل کی کوشش فرمادیں۔ باوجود ان محاسن کے حضرت والاؒ نے اس رسالہ کو حرف آخر کے طور پر پیش نہیں فرمایا، بلکہ اہل الرائے حضرات کی خدمت میں اپنے مفید مشوروں سے نوازنے کی دعوت عام بھی فرمائی ہے۔

---

[۱] آ۔ [۲] یہ تصحیح یعنی "۱۳۵۱ھ" "آثار خیر" ص۳۶۴ کے مطابق کی گئی۔ (پہلے غلطی سے صرف ۱۳ھ نقل کیا تھا) (آ ا)

[۳] اق تغییر واضافہ [۴] آ۔ [۵] اق (کاملا)

(۱۵) آئینہ آئین وقواعد مدرسہ خیر المدارس:[1]

مدرسہ خیر المدارس ملتان کے مسلک ومشرب، مقاصد اور جملہ قواعد وضوابط پر مشتمل یہ رسالہ اپنی مثال آپ ہے، جس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں ہر چیز یا ہر کام کے لئے مستقل ضابطہ موجود ہے، جس کی خلاف ورزی ہر معلم وعلم کے قابلِ گرفت ہے۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے حضرت والاؒ کی شان انتظام واہتمام کا اندازہ ہوتا ہے۔ دیگر دینی مدارس کے مہتمم حضرات کے لئے بھی اس رسالہ کا مطالعہ ان کے اہتمام وانتظام کی سہولت کا سبب ہوگا۔

(۱۶) نقش حیات خیر محمد:[2]

حضرت والاؒ کی خود نوشت غیر مطبوعہ سوانح حیات ہے۔ اور اس ''خیر السوانح'' کا اصل ماخذ یہی ہے۔ چنانچہ بکثرت واقعات اسی سے اقتباسات لے کر تحریر کئے گئے ہیں۔ بعض مطبوعات مثلاً ''بزم اشرف کے چراغ'' اور ''خیر الافادات'' کے شروع میں یا ''البلاغ'' اور ''الخیر'' وغیرہ میں جو حضرت والاؒ کی تحریر فرمودہ سوانح حیات ہے، وہ بالکل ہی مختصر ہے۔ اصل ''نقش حیات'' کے خمس یا سدس سے بھی کم۔

(۱۷) خیر الملفوظات:[3]

یہ حضرت والاؒ کے تقریباً ساٹھ ملفوظات کے مجموعہ کا مسودہ ہے، جن کو مختلف حضرات نے روایت کیا ہے۔ یعنی حضرت حاجی ڈاکٹر عبدالمجید صاحبؒ ریواڑی والے، مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ، حضرت مولانا سید عطاء المنعم صاحب بخاری مدظلہ، حضرت مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی مدظلہ، حضرت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب زید مجدہٗ (خطیب بہاولپور) اور حضرت صوفی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہٗ (ہارون آبادی)۔ ان ملفوظات میں سے بعض ''خیر السوانح'' کے بعض ابواب میں نقل بھی کئے جا چکے ہیں۔ ان ہی سے ان کی افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ (یہ ملفوظات محترم اقبال قریشی صاحب سے حاصل ہوئے ہیں)

(۱۸) شرح بخاری شریف (عربی):[4]

حضرت والاؒ کے درس بخاری شریف کے دوران آپ کے کسی قدیم تلمیذ رشید نے آپ کی تقریر کو ضبط کیا، جس کو حضرت والاؒ نے پسند فرمایا۔ اور سالہا سال درس کے وقت اس کو پاس رکھتے۔ لیکن یہ بہت مختصر تھی، اور غالباً بخاری شریف کے صرف بعض اجزاء کے درس پر ہی مشتمل تھی۔ اخیر سالوں میں اس تقریر سے اور مختلف شروح بخاری شریف سے یہ شرح مرتب فرماتے رہے۔ اور ساتھ ساتھ احقر کو اس کے صاف کر کے نقل کرنے کا شرف بخشا۔ چنانچہ یہ قلمی شرح بخاری شریف نو (۹) جلدوں میں پوری ہوئی۔ رمضان شریف ۱۳۸۳ھ میں لکھنا شروع فرمایا اور ۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ کو مکمل ہوئی۔ اور اس

---

[1] اق
[2] آ۔
[3] آ۔
[4] آ۔

کی آخری قسط نقل کر کے ۳۰ رجب ۱۳۸۷ھ کے عریضہ کے ساتھ حضرت والاؒ کی خدمت میں ارسال کردی تھی۔ تقریباً دو صفحات تبرکاً مدینہ منورہ حرم نبوی شریف مواجہ شریف میں نقل کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ فللّٰہ الحمد وبنعمتہ تتم الصالحات. اس شرح کے تیار ہونے پر حضرت والاؒ اسی کو درس بخاری شریف میں سامنے رکھتے تھے۔ اہلِ علم کے لئے عموماً اور شیوخ الحدیث، اساتذہ حدیث شریف اور دورہ کے طلباء کے لئے خصوصاً نہایت مفید شرح اور قابلِ قدر نعمت ہے۔

اس تالیف لطیف کے نام کے بارے میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں

''اپنی تالیف بزبان[1] عربی شرح بخاری کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا کہ یہ بے نام کی کتاب ہے۔ اس کا نام تجویز کردیں۔ احقر نے ''الخیر الجاری'' نام عرض کیا تو فرمایا کہ اس نام کی شرح تو پہلے سے بھی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ ایک ہی نام پر کئی کتابوں کا ہونا بھی کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اگر نام میں امتیاز ہی مطلوب ہے تو پھر ''الخیر الساری'' اس کا نام تجویز کرلیا جائے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس کو پسند کرتے ہوئے فرمایا کہ اس پر غور کرلیا جائے۔''

عجیب توارد ہے کہ حضرت والاؒ نے احقر مؤلف کو بھی نام کے بارے میں فرمایا تو خادم نے ''الخیر الجاری'' عرض کیا تھا۔ اور حضرت والاؒ نے اس پر وہی فرمایا جو اوپر گزرا۔ اور آپ نے ''الخیر الساری'' نام ذکر فرمایا۔ اور حضرت والاؒ کی رائے غالباً اسی کے راجح ہونے کی تھی۔ لیکن محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب کے مسودہ سوانح میں شرح بخاری شریف کا مندرجہ ذیل تعارف سے نام ملتا ہے۔ اور یہ تحریر غالباً استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ کے خود اپنے ہاتھ کی معلوم ہوتی ہے۔ (وھو ھٰذا):

''خیر الباری علیٰ تقریر البخاری:

بخاری شریف کی نہایت محققانہ انداز میں، آسان اور سلیس عربی میں جامع شرح فرمائی ہے۔ تقریباً ۹ جلدوں پر مشتمل ہے۔ حضرت والاؒ بخاری شریف کا سبق پڑھانے سے قبل اس کو ایک نظر دیکھ لیتے تھے۔ ابھی طبع نہیں ہوئی، قلمی موجود ہے۔''

مندرجہ ذیل دو قلمی رسائل کا تعارف باب ۱۱ ''مواعظ حسنہ اور مناظرات'' کے ذیلی عنوان ''اہلِ حدیث سے مناظرے اور تصنیف رسائل'' کے تحت آچکا ہے۔ تاہم اس باب کی مناسبت سے یہاں ان دونوں کا مختصر تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱۹) خیر التذکار فی تحریم الغناء بالمزمار:

''اس[2] میں سماع بالمزامیر کی تردید کی گئی تھی۔ مشرقی پنجاب کے فسادات ۱۹۴۷ء میں وہ رسالہ قلمی وہاں رہ گیا۔''

[1] یہ ان کے مقالہ ''مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ'' سے لیا گیا ہے جو ''جو ذکر خیر ویاد شریف'' میں شائع ہوا ہے۔

[2] منقول از ''نقش'' در سوانح ہذا باب ۱۱ بحوالہ مذکورہ

(۲۰) خیرالخطاب:

''اسی[1] طرح مسئلہ قراءت خلف الامام میں ایک رسالہ ''خیرالخطاب'' دو جلد میں تصنیف ہوا۔ پہلی جلد میں حنفی مذہب کے دلائل اور دوسری میں غیر مقلدوں کے جوابات دندان شکن درج کئے گئے تھے۔''

گو[2] اس رسالہ کا نام ''خیرالخطاب'' تحریر ہے، لیکن حضرت والاؒ ہی کے فرمانے سے معلوم ہوا کہ نام میں مغالطہ ہوا۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ صحیح نام رسالہ مع تعارف درج ذیل ہے:

(۲۱) خیرالکلام فی تحقیق القراءۃ خلف الامام:

یہ ایک قلمی رسالہ ہے، جس میں قراءۃ خلف الامام کے بارے میں حنفیہ کے دلائل ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ چاند پور ضلع بجنور میں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ میں تھا۔ احقر جب ۱۹۵۴ء میں والد صاحب مرحوم سے ملنے چاند پور گیا تو حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ وہاں سے لے کر نقل کر لیا جائے۔ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ تو وفات پا چکے تھے، ان کے صاحبزادوں میں سے ایک صاحب سے عرض کیا تھا۔ انہوں نے رجسٹر میں نام بھی دیکھا، لیکن جلدی میں نہ نکالا جا سکا۔ یہاں تک کہ احقر کی پاکستان واپسی ہو گئی۔ افسوس ہے رسالہ نقل نہ ہو سکا۔ پاکستان میں غالباً کسی کے پاس موجود نہ ہوگا۔[3] حضرت والاؒ کا نسخہ پاکستان ہجرت فرمانے کے وقت مشرقی پنجاب ہی میں رہ گیا تھا۔ احقر کے پاکستان آنے کے بعد بھی حضرت مولانا سید محمد احسن صاحب (ابن حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ) کی خدمت میں حضرت والاؒ کو یہ رسالہ مستعار بھیجنے کی درخواست کی گئی، لیکن یہ رسالہ حاصل نہ ہو سکا۔ اس کے نام اور تعارف کے بارے میں مزید وضاحت کے لئے حضرت والاؒ سے اس سلسلہ میں خادم کی جو مراسلت ہوئی، اس کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت والاؒ نے خادم کے ایک عریضہ کے جواب میں یہ تحریر فرمایا تھا: ''مولانا محمد احسن صاحب سلمہٗ کی خدمت میں بعد سلام مسنون عرض کر دیجئے کہ کتاب قلمی ہے۔ اس کا نام ''خیرالخطاب'' مسئلہ ترک قراءت خلف الامام کے متعلق ہے۔''

اس کے بعد خادم کے عریضہ مورخہ ۱۱ محرم ۷۶ھ (۱۱/ اگست ۵۶ء) کے جواب میں ۲۶/ اگست ۵۶ء کو تحریر فرمایا:

''.....نام میں مغالطہ ہوا۔ جو کتاب ''خیرالکلام فی تحقیق القراءۃ خلف الامام'' قلمی ہے، وہی مطلوب ہے۔ وہ میری ہی تالیف ہے۔ اس وقت تک نام مصنف درج نہ کیا گیا تھا۔''

کتاب کے بارے میں مزید تفصیل دریافت کرنے پر تحریر فرمایا: ''وہ بندہ کی تالیف ہے، مگر اس ہیئت میں قابلِ طباعت نہیں۔ بلکہ تفصیل و ترتیب کے بعد قابلِ اشاعت ہے۔ وہ تو چند یادداشتیں ہیں، جن کو حضرت مولانا[4] مرحوم نے پسند

---

[1] منقول از ''نقش'' درسوانح ہذا باب ۱۱ بحوالہ مذکورہ [2] تاہم قوی احتمال ہے کہ یہ دو مختلف تالیفات ہوں جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ (آ)

[3] البتہ مکرمی اقبال قریشی صاحب نے آگے ذکر فرمایا ہے۔ کہ ''العدل'' میں شائع ہوا ہے۔ اس لئے اگر اس کے وہ شمارے مل جائیں تو رسالہ حاصل ہو سکتا ہے۔ (آ)

[4] یعنی مخدومی حضرت مولانا سید مرتضیٰ احسن صاحب چاند پوری رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

فرما کر نقل کروایا تھا۔''

چونکہ باب ۱۱ میں آچکا ہے کہ رسالہ ''خیر الخطاب'' کے لئے تحریر فرمایا تھا: ''دو جلد میں تصنیف ہوا'' اور یہاں ارشاد ہے: ''وہ تو چند یادداشتیں ہیں'' اس سے کچھ شبہ ہوتا ہے کہ شاید ''خیر الخطاب'' اور ''خیر الکلام'' ایک ہی موضوع پر دو مختلف رسائل ہوں۔

اور مکرمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زادمجدہم نے ''العدل'' میں مطبوعہ رسائل کا تعارف کراتے ہوئے رسالہ ''خیر الکلام فی عدم وجوب القراءۃ خلف الامام'' کے نام سے ذکر فرمایا ہے، جو آگے آرہا ہے۔ اس نام میں صرف دو ایک الفاظ کا فرق ہے۔ بہرحال عدم وجوب القراءۃ خلف الامام کے مسئلہ پر حضرت والاؒ کے رسالہ یا رسائل کے بارے میں چند اختلافات ہیں، جن میں توافق کی صورت ابھی تک پوری طرح واضح نہیں ہوئی۔ یہ تو معلوم ہوگیا کہ ایک رسالہ کا صحیح نام ''خیر الکلام'' ضرور ہے۔ اب نام کا باقی حصہ ''فی عدم وجوب القراءۃ الخ'' ہے یا ''فی تحقیق القراءۃ الخ'' (راجح بہرحال ثانی ہی ہے، کیونکہ اس کی حضرت والاؒ نے تائید بھی فرمائی) دوسری بات یہ کہ یہ رسالہ ''العدل'' میں طبع ہوا، یا قلمی اور ''چند یادداشتیں'' ہیں یا ''دو جلد میں تصنیف ہوا'' اس سے توافق کی صورت یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ایک سے زائد رسائل ہوں۔ اور غالباً یہی راجح ہوگا۔

باب ۱۱ میں مذکورہ قلمی رسائل کا ذکر تمام ہوا۔ اب حضرت والاؒ کی باقی تالیفات کا تذکرہ آتا ہے۔

(۲۲) خیر البراھین فی ردّ غیر المقلدین:

حضرت[۱] والاؒ کی رحلت سے مدت دراز کے بعد ۱۴۱۰ھ میں اس نام سے رسالہ کی شکل میں شائع ہوگیا ہے۔ یہ نام بھی حضرت والاؒ کے بعد ہی تجویز کیا گیا۔ ورنہ محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب اس کا نام ذکر فرماتے۔ کیونکہ انہوں نے اس کے شائع ہونے سے قبل اس کے تعارف میں یہ تحریر فرمایا تھا:

''کچھ تصانیف کے مسودات بھی خیر المدارس میں محفوظ ہیں۔ مثلاً حضرت والاؒ نے متعدد ایسے مسائل کی یادداشت مرتب کی ہے جن پر غیر مقلدین کا عمل ہے۔ اور اس کا ثبوت کسی بھی صحیح حدیث میں موجود نہیں، جو بالکل اس کا مصداق ہے:

سر نہاں کہ عارف و زاہد بکس نگفت　　　در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید''

اس رسالہ[۲] کا مقدمہ محترم مولانا مفتی محمد انور صاحب زیدمجدہم نے تحریر فرمایا ہے۔ اور اکابر کی تحریرات سے مزین کرنے سے مفتی انور صاحب کا نورانی مقدمہ نہایت وغایت درجہ کا انور ہوگیا ہے۔ ''تقلید شخصی پر حضرت قاسم العلوم والخیرات نوراللہ مرقدہٗ کا محققانہ تبصرہ'' جواہر علم سے بھرپور اور بالکل عام فہم ہے۔ اس کے بعد ایک تحریر ''الکلام الفرید فی التزام التقلید''

---

۱ آ۔　　۲ آ۔

ہے۔ ہمارے حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں (اور اس سے بہتر تعارف کون کرائے گا؟) ''اثبات تقلید کے متعلق یہ وہ فیصلہ کن دُرِّ نادرہ ہے، جس کو حجۃ العارفین، سراج المفسرین، مجدد الملت، حکیم الامت سیدی حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی چشتی حنفی دامت برکاتہم نے ایک استفتاء کے جواب میں بزمانہ قیام مدرسہ جامع العلوم کانپور ۱۳۱۴ھ میں تحریر فرمایا تھا۔ اور احقر کی درخواست کرنے پر مندرجہ بالا نام بھی آج کل تجویز فرمایا۔''

ان علوم کی لذت واقعی وجد لانے والی ہے۔ علم کی لذت کے طالب کو تو ایک بار یہ تحریر پڑھ ہی لینی چاہئے۔ واقعی یہ مختصر اور جامع تحریر ایسی فیصلہ کن ہے کہ ذرا بھی فہم سلیم ہو اور طبیعت میں انصاف کا کچھ مادہ ہو تو تسلیم کئے بغیر چارہ ہی نہیں۔ احقر مؤلف کی زبان سے تو یہ نکلا کہ امام غزالیؒ بھی اس پر لکھتے تو اس سے زیادہ کیا لکھ سکتے تھے؟

اس کے بعد مناظر اسلام حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دلچسپ مضمون "التقلید و التنقید" سے ''تبرائی غیر مقلدین سے سترہ (۱۷) سوالات'' شامل کئے گئے ہیں۔ وہ بھی نہایت دلچسپ، مسکت اور قابلِ مطالعہ ہیں۔ نیز ''ایک غیر مقلد کی امامت کے بارے میں اہم فتویٰ'' بھی شامل ہے۔ ان سب مقالات کے بعد ہمارے حضرت والاؒ کا اصل رسالہ ''خیر البراہین'' ہے۔ اس میں حضرت والاؒ نے غیر مقلدین کی کتب کے حوالہ سے ان کے نزدیک حلال و حرام، جائز و ناجائز، واجب و غیر واجب کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ آخر میں خود ان کے اکابر کے باہمی مسائل متعارضہ کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں حضرت والاؒ نے غیر مقلدین کے بیان کردہ مسائل پر رَد کرتے ہوئے کتاب و سنت سے ان کے دلائل کا مطالبہ فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ ان سب اقوال کی دلیل میں کتاب و سنت کو چھوڑ کر شوکانی یا دیگر رجال ہی کے اقوال نقل کرتے ہیں، یا قیاس کرتے ہیں، یا زید عمرو کے بنائے ہوئے قاعدہ کی پناہ لیتے ہیں، یا حضرت حسن بصریؒ، داؤد ظاہریؒ یا ابن حزمؒ کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ اور ائمہ اربعہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے اقوال لیتے ہیں۔ یا حضرت ابن عباسؓ اور ضحاکؒ و حمادؒ و ابراہیم نخعیؒ وغیرہ کے مذہب کی آڑ لیتے ہیں۔ حضرات صحابہ[1] کرامؓ اور اکابر تابعین کے بعد پوری اُمت میں سے منتخب اکابر ائمہ مجتہدین کی تقلید کو شرک و کفر کہنے والے علماء متاخرین کی تقلید کی پناہ لیتے ہیں۔ قیاس کے بارے میں "اول من قاس ابلیس" کا نعرہ لگانے والے ائمہ مجتہدین (جن میں سے امام اعظمؒ تابعی اور باقی ائمہ ثلاثہ تبع تابعین میں سے ہیں) کے قیاس صحیح کو ابلیس کے قیاس فاسد پر (جو مخالف نص تھا) قیاس کرتے ہیں۔ یعنی قیاس صحیح کا انکار خود اپنے قیاس فاسد کے ذریعہ کرتے ہیں[2] (تو کیا غیر مقلدین کے نزدیک بدگمانی اور قیاس فاسد حلال اور

---

[1] یہاں سے غالی غیر مقلدین کے طرز عمل پر احقر مؤلف کا تبصرہ ہے۔ اس کے قبل ''خیر البراہین'' کے مضامین کی طرف اشارہ تھا (آ)

[2] ذوقعدہ ۱۴۱۱ھ کی کوئی شب تھی۔ بعد نماز عشاء حرم نبوی شریف سے باب مجیدی کی طرف سے نکل کر جاتے ہوئے ایک صاحب تصانیف عالم سے گفتگو فرماتے ہوئے احقر نے اس طبقہ کے اس قیاس فاسد کا ذکر کیا جس کو انہوں نے بہت سراہا اور فرمایا کہ آپ کا یہ نکتہ بہت خوب ہے۔ اس کو کہیں نہ کہیں (اپنی کسی تالیف میں) لاؤں گا۔ (اب دیکھئے وہ اس نکتہ کو ماخذ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں یا بدون ماخذ کے) (وهذه النكتة من المواهب الواردة في الحرم النبوي الشريف بعد الاحد ۲۶/۷/ ۱۴۱۱ھ)

قیاس صحیح حرام ہے؟)

اسی طرح تقلید ائمہ مجتہدین کو اپنے قیاس فاسد کے ذریعہ کفار ومشرکین کے کفروشرک اور بت پرستی میں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر قیاس کرتے ہیں۔حالانکہ سبیل منیب کے اتباع کا حکم کتاب اللہ میں صریح ہے۔اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد حضرت یعقوب وحضرت اسحٰق وحضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ملت کا اتباع کرنے کا ذکر فرمایا جیسا کہ کتاب اللہ میں فرمایا گیا ہے۔

(۲۳) خیر الفتاویٰ (جلد اوّل تا پنجم):[1]

حضرت والاؒ کے تحریر فرمودہ یا حضرت والاؒ کے زیر اہتمام کام کرنے والے مفتی حضرات خصوصاً حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ کے تحریر فرمودہ اور حضرت والاؒ کے مصدقہ، نیز حضرت والاؒ کے بعد حضرت مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی اوران کے نائبین جو افتاء کا کام کررہے ہیں، جن میں موجودہ مفتی حضرت مولانا مفتی محمد انور صاحب زادمجدہم خصوصاً قابل ذکر ہیں، جو مرتب خیر الفتاویٰ بھی ہیں۔ان حضرات کے فتاویٰ اس کتاب میں شامل ہیں۔نیز دارالافتاء میں بطور نائب و معین مفتی حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق صاحب وحضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہم وحضرت مولانا اصغر علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والاؒ کے زمانہ میں افتاء کا کام کیا ہے۔

"خیر الفتاویٰ" دارالافتاء خیر المدارس کے زیر اہتمام شائع کیا گیا ہے۔فی الحال پانچ جلدیں آچکی ہیں۔اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس کے اصل مفتی ہمارے حضرت والاؒ کا اسم بارک ہی کافی ہے۔گو ترتیب تو اب دی گئی ہے۔لیکن اس کے اصل مؤلف تو حضرت والاؒ ہی ہیں جن کے تحریر فرمودہ یا مصدقہ ومصححہ فتاویٰ اس میں شامل ہیں۔ بحیثیت "مفتی اوّل" مؤلف خیر الفتاویٰ کا تعارف شعبان رمضان ۱۴۰۷ھ کے مجلّہ "الخیر" میں "خیر المدارس کے ارباب افتاء" کے زیر عنوان آچکا ہے۔اور "الخیر" کی بعض اشاعتوں اور بعض رسائل میں کتاب شائع ہونے سے قبل وبعد جو اعلان آچکا ہے اس میں بھی اس کتاب کا مختصر تعارف ہے۔

(۲۴) خیر الارشاد فی اثبات التقلید والاجتھاد:[2]

شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ ہی کے مجلّہ "الخیر" میں ص ۵۸ پر حضرت والاؒ کی تالیفات میں اس کا ذکر بھی ہے۔اگرچہ احقر مؤلف نے ابھی تک نہیں دیکھا،لیکن اس کا مضمون عنوان ہی سے ظاہر ہے کہ اس میں ضرورت تقلید اور شروط اجتہاد وغیرہ میں خیر ورُشد سے بھرپور ہدایات اور مفید معلومات ہوں گی۔جن سے بہت کچھ خیالات وعقائد کی اصلاح ہوتی ہے۔(شاید پہلے کبھی شائع ہوکر ختم ہوگیا یا ابھی تک طبع ہی نہ ہوا ہو) اب جو "آثار خیر" میں "خیر الارشاد الی التقلید والاجتہاد" کے نام سے

[1] آ۔ [2] آ۔

شائع ہوا ہے، وہ غالباً یہی رسالہ ہے۔ کیونکہ اس کے مضامین وہی ہیں جو مذکور ہوئے۔

(۲۵) رضا خانی افتراءات پر ایک نظر:[۱]

اس عنوان سے حضرت والاؒ نے ایک یادداشت بھی تحریر فرمائی۔ نیز حاضر و ناظر اور علم غیب کے مسئلہ پر تحریری مناظرہ کے دلائل موجود ہیں۔ اور ایسی آیات و احادیث سے ان مسائل کو مدلّل فرمایا ہے کہ سطحی نظر سے ان کے ثبوت کا گمان نہیں ہوتا۔

اخبار ''العدل'' گوجرانوالہ میں حضرت والاؒ کی یہ تصانیف شائع ہوئی ہیں۔

(۲۶) مسئلہ توسل کی حقیقت:

''آثارِ خیر'' میں حضرت والاؒ کا ایک رسالہ ''مسئلہ توسل کی صحیح حیثیت'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اور شاید یہ وہی رسالہ ہو جس کے متعلق آگے آ رہا ہے کہ حضرت والاؒ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ''رسالہ ''الادراک والتوصل'' کو اپنی عبارت میں شائع کرنا شروع کر دیا۔''

(۲۷) ثبوت بیعت طریقت:

غیر مقلدین کے جواب میں بذریعہ حدیث صحیح بیعت طریقت کو ثابت فرمایا۔ اخبار ''العدل'' ۱۱ فروری ۱۹۲۹ء میں حضرت والاؒ کا یہ مضمون موجود ہے۔

(۲۸) کشف الغطاء عن استدلال الثناء:[۲]

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے رسالہ کے جواب میں گاؤں میں جمعہ کا عدم جواز ثابت فرمایا ہے۔ ''العدل'' ۱۹۲۸ء میں چھپا ہے۔ دورانِ بحث تحریر فرماتے ہیں: (جس سے حضرت والاؒ کی شان رجوع الی الحق اظہر من الشمس ہے) ''بے شک آزادیٔ نفس کی وجہ سے میں نے چار سال تک تعامل زمانہ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف عمل کرنے میں غلطی کی تھی، لیکن ببرکت تقلید امام اعظمؒ اعانت الٰہی کی دستگیری سے مجدد الملت، محقق کامل، راسخ العلم والعمل کی صحبت سے معمور ہوا، جس سے تمام شکوک مرتفع ہو کر رجوع الی الحق نصیب ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔''

---

[۱] اق۔ جنیر یسر۔

[۲] غالباً یہ وہی رسالہ ہے جس کا ذکر باب ۱۱ (مواعظ حسنہ اور مناظرات) کے ذیلی عنوان ''اہلحدیث سے مناظرے اور تصنیف رسائل'' کے تحت یوں فرمایا ہے۔ کہ ''مسئلہ جمعہ فی القریٰ میں ایک تحریر حضرات حنفیہؒ کے موافق قلمبند کرنے کی نوبت آئی تھی۔'' یہ رسالہ ''آثار خیر'' میں نہیں ملا۔ البتہ ''جمعہ فی القریٰ'' کے عنوان سے حضرت حکیم الامتؒ کے ساتھ حضرت والاؒ کی ایک گفتگو اس موضوع پر شائع ہوئی ہے۔ یہ گفتگو باب ۱۴ (استفاضہ باطنی) میں بعنوان ''اشرف المجادلات وخیر المناظرات من حکم الجمعہ فی القریٰ'' گذر چکی ہے۔ (آ)

خیر الکلام فی عدم وجوب القراءۃ خلف الامام:[1]

اس میں احناف کے اس عمل کو قرآن وحدیث کے استدلالات سے ثابت فرمایا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنا چاہئے۔ ''العدل'' ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء کے متعدد شماروں میں یہ رسالہ طبع ہوا ہے۔

(۲۹) مسافر کی نماز:

مسافر کی نماز کا مستند احادیث سے ۴۸ میل کی مسافت پر قصر کا ثبوت دیا ہے۔ اور مدت اقامت ثابت فرمائی ہے۔ مدعیان عمل بالحدیث کے لئے قابلِ دید رسالہ ہے۔ اخبار ''العدل'' میں ۲۰/ اگست ۱۹۳۰ء سے ۲۴ ستمبر ۱۹۳۰ء تک پانچ شماروں میں یہ مضمون طبع ہوا ہے۔

(۳۰) فرقہ اہلِ حدیث کی متعصّبانہ تیرھویں ذی الحجہ کی قربانی:

''العدل'' ۸ جون ۱۹۳۲ء میں چھپا ہے۔

کاش! کوئی ناشران رسائل کو کتابی صورت میں شائع کرنے کی کوشش کرے تو یہ ایک مستحسن علمی خدمت ہوگی۔[2]

تالیف مذکورہ در خیر السوانح (باب ۱۷، تصنیف وتالیف) جو ''آثارِ خیر'' میں آنے سے رہ گئی ہیں:

ان کی فہرست یہ ہے: (۱) تیسیر الابواب، (۲) تیسیر المبتدی (فارسی) (یہ دونوں درسی کتب ہیں، اس لئے ان کو قصداً نہیں لیا گیا)، (۳) تبویب ترتیب السالک (اس کی ترتیب وتبویب اور عنوانات وذیلی عنوانات وغیرہ لگانے کا کام حضرت والاؒ نے فرمایا تھا۔ بہرحال اتنی ضخیم کتاب کو تو ''آثار خیر'' میں شامل نہیں کیا جاسکتا تھا)۔ (۴) ایقاظ المسلمین، (۵) نصاب وطریقہ تعلیم خیر المدارس (اس کے بجائے عام نصاب تعلیم کا رسالہ ''آثار خیر'' میں آیا ہے، جو خاصا مفصل ہے)۔ (۶) آئینہ آئین وقواعد خیر المدارس۔ (۷) نقش حیات خیر محمد (''آثار خیر'' میں بہت ہی مختصر شائع ہوئی ہے۔ مفصل حضرت والاؒ کی تحریر فرمودہ خاصی ضخیم موجود ہے)۔

(۸) خیر الباری علی تقریر البخاری (شرح بخاری شریف، عربی) یہ ۹ جلدوں میں قلمی موجود ہے۔ اور ''آثار خیر'' یا کسی اور مجموعہ میں شامل ہونے سے مستغنی مستقل ضخیم وعظیم کتاب ہے)۔ (۹) خیر الملفوظات (اس عنوان کے تحت ''آثار خیر'' میں ''فرمودات الخ'' کے ذیلی عنوان سے صرف دس ملفوظات ان ملفوظات میں سے آئے ہیں، جن کا تعارف

---

[1] نام اور موضوع سے یہی رسالہ سمجھ میں آتا ہے۔ جس کا ذکر مستقل تالیفات کے تعارف میں نمبر ۲۱ پر گذرا۔ اس کی تفصیل وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ (اسی لئے اس پر مستقل تالیف کا نمبر نہیں ڈالا گیا۔ (آ)

[2] الحمد للہ بعض مذکورہ سابقہ رسائل تو ''آثار خیر'' میں شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن جو رسائل ''آثار خیر'' میں شائع ہونے سے رہ گئے ہیں۔ ''العدل'' کے متعلقہ شمارے یا جو بھی ان کے ماخذ ہوں۔ ان کے ملنے پر وہ ان شاء اللہ شائع ہو سکتے ہیں۔ احقر نے ان رسائل کے مجموعہ کا نام ''خیر الوسائل فی مہمات المسائل'' تجویز کیا تھا۔ احقر کا خیال ہے۔ کہ اب ان بقایا رسائل کے لئے یہ نام بے محل نہیں۔ خواہ یہیں نام رکھدیا جائے۔ خواہ ان کو ''آثار خیر'' کی آئندہ اشاعت میں شامل کرلیا جائے۔ (آ)

تالیف نمبر (۱۷) میں ''خیر الملفوظات'' کے تحت کرایا گیا ہے، جن کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے۔ باقی جو ''آثار خیر'' میں اس عنوان یعنی خیر الملفوظات کے تحت ہیں، ان میں سے دو ملفوظ ''خیر الافادات والحسنات'' کے نام سے ہیں۔ باقی کچھ اصلاحی مکاتیب وغیرہ ہیں۔ اور کچھ ملفوظات حضرت حاجی شریف صاحبؒ کے ساتھ گفتگو کی صورت میں ہیں۔ یا جمعہ فی القریٰ کے زیر عنوان حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ علمی گفتگو ہے)۔ (۱۰) خیر الانذ کار فی تحریم الغناء بالمزمار، (۱۱) خیر الخطاب، (۱۲) خیر الکلام فی تحقیق القراءۃ خلف الامام۔ (۱۳) خیر الفتاویٰ جلد اوّل تا پنجم (یہ خود ہی خیر الآثار سے زیادہ ضخیم ہے۔ اور ایک جلد کا مجموعہ تالیفات اس کو شامل کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا)۔ (۱۴) رضا خانی افتراءات پر ایک نظر۔ (۱۵) کشف الغطاء عن استدلال الثناء۔ (۱٦) مسافر کی نماز۔ (۱۷) فرقہ اہلِ حدیث کی متعصبانہ تیرھویں ذی الحجہ کی قربانی۔

حضرت والاؒ کی جن تالیفات کا ذکر اس باب میں نہیں آیا تھا اور اب ''آثارِ خیر'' سے اضافہ کیا جارہا ہے

ان کی فہرست اور مختصر تعارف حسب ذیل ہے:

(۱) تالیف نمبر ۳۱...... تفسیری نکات:

حضرت والاؒ قرآن مجید کا درس دینے کے لئے مختلف تفاسیر کے اشارات نوٹ فرمالیا کرتے تھے۔ یہ ان اشارات کا بیش بہا علمی خزانہ ہے، جن سے ذی استعداد صاحبِ علم حضرات مفصل تفسیر بھی تیار کرسکتے ہیں۔ اور درس قرآن مجید دینے کے لئے بھی بھرپور استفادہ کرسکتے ہیں۔ شروع میں تمہید کے اشارات ہیں، یعنی مبادی متعلقہ ترجمہ قرآن مجید، اس کے بعد سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے اشارات ہیں۔ اور تعوذ وتسمیہ سے شروع ہوتے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ بقرہ شروع ہوتی ہے۔ اور پارہ اوّل کے اواخر (آیت نسخ وغیرہ) تک کے تفسیری اشارات ہیں۔ یہ اشارات کتاب کے ص ۳۰ سے ص ۱۱۳ تک آئے ہیں۔ اور حضرت والاؒ کی اپنی تحریر کا عکس لیا گیا ہے۔ مختصر تعارف میں ان کی افادیت کو بیان کرنے کا حق ادا کرنا مشکل ہے۔ اہلِ علم ان کو دیکھ کر خود ہی اندازہ لگاسکتے ہیں۔ ان تفسیری اشارات نے ''آثار خیر'' کی زینت کو چار چاند لگادیئے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب زید مجدہٗ نبیرۂ حضرت والاؒ مہتمم جامعہ خیر المدارس نے اپنے پیش لفظ کے ص ۲۴ پر ان کے تعارف میں خوب فرمایا ہے کہ ''حضرت والاؒ کے تفسیری افادات میں پارہ اوّل کی غیر مطبوعہ تفسیر اہلِ علم کے لئے نہایت مفید اور مدرّسین کے لئے بیش بہا علمی خزینہ ہے، جس میں متقدمین کی تفسیری کتب کا عطر وخلاصہ نہایت جامعیت سے آگیا ہے۔''

(۲) تالیف نمبر ۳۲...... درس قرآن مجید:

یہ صرف چار صفحات کا ایک درس ہے، جو تفسیر کی تمہید کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ناتمام ہے۔ اس کے ماقبل بھی کوئی درس گزرا ہے، جو شاید ضبط نہ ہوا ہوگا۔ اور اس کے مابعد کا حصہ بھی باقی ہے۔ بہر حال یہ مبادی متعلقہ تفسیر قرآن مجید

کے درس کا ایک نمونہ ہے۔ غالباً تفسیری نکات (اشارات سے اس کی تکمیل کی جاسکے)۔

مندرجہ ذیل تالیفات کا نام ہی تعارف کے لئے کافی ہے۔ اس لئے صرف اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے:

(۳) تالیف نمبر ۳۳..... مسئلہ تقلید پر بعض شبہات اور ان کے جوابات۔

(۴) تالیف نمبر ۳۴..... بیس رکعت تراویح سنت ہیں۔

(۵) تالیف نمبر ۳۵..... مسائل صلوٰۃ تراویح۔

(۶) تالیف نمبر ۳۶..... خیرالافادات والحسنات:

یہ (خیرالافادات والحسنات) دو اہم ملفوظ دو صفحات میں ہیں۔ ایک صفائی معاملات اور دوسرا اہل اللہ پر اعتراض کے وبال سے متعلق ہے۔ یہ ان ملفوظات کے علاوہ ہیں جن کا ذکر اس باب میں تالیف نمبر ۱۷ پر کیا ہے۔

(۷) تالیف نمبر ۳۷..... ارشادات:

یہ حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ کی تالیف ''مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ'' سے لئے گئے ہیں۔ ان میں بعض حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ کے مکاتیب کے جواب میں حضرت والاؒ کے اصلاحی ارشادات، بعض مسائل اور بعض دوستانہ گفتگو پر مشتمل ہیں۔ ان میں سے بعض ''خیرالسوانح'' کے متعلقہ ابواب میں نقل بھی کئے گئے ہیں۔

(۸) تالیف نمبر ۳۸..... جمعہ فی القریٰ:

اس کا ذکر اب تک اس باب میں بطور تالیف تو نہیں آیا تھا، البتہ باب ۱۳/ استفاضہ باطنی میں اس موضوع پر حضرت والاؒ کے سوالات اور حضرت حکیم الامتؒ کے جوابات بعنوان ''اشرف المجادلات و خیرالمناظرات'' آئے ہیں۔

(۹) تالیف نمبر ۳۹..... فقہ حنفی کی امتیازی شان

(۱۰) تالیف نمبر ۴۰..... فقہ حنفی کی خصوصیات

(۱۱) تالیف نمبر ۴۱..... حضرت امام اعظمؒ کے مختصر حالات

(۱۲) تالیف نمبر ۴۲..... اساتذہ مدارس عربیہ کی خدمت میں چند معروضات اور طریق تعلیم درجات عربیہ

(۱۳) تالیف نمبر ۴۳..... رمضان المبارک کے حقوق وفضائل

(۱۴) تالیف نمبر ۴۴..... اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ

(۱۵) تالیف نمبر ۴۵..... دنیا دار مجاہدہ ہے اور آخرت دار مشاہدہ ہے

(اگر مواعظ ضبط ہوتے تو خاصی بڑی تعداد ہو جاتی، تاہم جو ضبط ہوئے ہیں وہی شائع ہو جائیں تب بھی خاصی تعداد ہو سکتی ہے)

(۱۶) تالیف نمبر ۴۶......الخیر دائمی جنتری:

ملتان اور گرد و نواح والوں کے لئے میقات الصلوٰۃ والصیام ہے، یعنی نماز اور سحری و افطار کے اوقات دیئے گئے ہیں۔ اور پاکستان کے دوسرے شہروں سے جو فرق ہے وہ بھی ذکر کیا گیا ہے۔[1]

خاتمة الباب[2]

اس کے علاوہ آپ کے خادم خاص مولانا حافظ عبدالشکور صاحب سے معلوم ہوا کہ اواخر عمر میں غیر مقلدین سے متعلق حضرت والاؒ کوئی نئی تصنیف تحریر فرما رہے تھے اور فارغ اوقات میں اکثر اوقات اس پر صرف فرماتے۔ لیکن غالباً یہ کتاب مکمل نہ فرما سکے اور نہ ہی یہ کتاب طبع ہوئی[3] ہے۔ اس کے علاوہ ''اشرف السوانح'' ج ۳، ص ۲۹۷ پر[4] حضرت حکیم الامتؒ سے یہ منقول ہے: ''مولوی خیر محمد صاحب نے ''الاقتصاد'' کی تسہیل کا عزم ظاہر کیا۔'' (معلوم نہیں ہو سکا یہ کونسا رسالہ ہے۔ تالیف نمبر ۲۴ پر جو ''خیر الارشاد لخ'' کا ذکر آیا ہے، قافیہ سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہی ''الاقتصاد'' کی تسہیل ہو، واللہ اعلم۔ آ ا)

''(۱۱۶) نیز موصوف نے رسالہ ''الادراک والتوصل'' کو اپنی عبارت میں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا۔[5]''

دراصل حضرت والاؒ کا رجحان تصنیف و تالیف کی طرف چنداں زیادہ نہ تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے جس قدر تصانیف فرمائی ہیں وہ ایک صدی تک کے لئے کافی ہیں۔ پھر کتاب تصنیف کرنے میں کیوں دماغ سوزی کی جائے۔ تاہم حضرت والاؒ نے جس قدر تصانیف چھوڑیں ان کے بارے میں آپ کے خواجہ تاش حضرت عارف باللہ سیدی و مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ کا یہ جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے: ''آپ کی علمی تصانیف بھی سبھی اہل علم و عوام کے لئے ایک بیش بہا علمی خزانہ ہیں۔''

---

[1] اسکے شروع میں کچھ مسائل بھی دیئے ہیں لیکن وہ حضرت والا کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ محترم مولانا مفتی محمد انور صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔ ۱۲ م ح۔

[2] از ق۔

[3] ہو سکتا ہے کہ یہ ''خیر البراھین'' ہو جو حضرت والاؒ کے بعد شائع ہوئی۔ (آ ا)

[4] یہ صفحہ لاہور کے ناشر ایم ثناء اللہ خان اینڈ سنز والے نسخہ کا ہے۔ اور تالیفات اشرفیہ ملتان والے نسخہ میں ص ۳۷۰ ہے (باب متفرقات۔ زیر عنوان فہرست تالیفات ذیلی عنوان ''تفصیل شذرات علم تالیفات حضرت صاحب سوانح بعبارۃ۔ نمبر ۱۱۵، ۱۱۶۔ (آ ا)

[5] جیسا کہ پہلے بر تالیفات نمبر (۲۶) گذرا۔ غالباً یہ وہی رسالہ ہے جو ''آثار خیر'' میں حضرت والاؒ کی عبارت میں مسئلہ توسل کی صحیح حیثیت کے نام سے شائع ہوا۔ اصل رسالہ ''الادراک والتوصل الی حقیقۃ الاشراک والتوسل'' نام سے بوادر النوادر حصہ دوم میں ص ۷۰۶ تا ص ۷۱۱ پر ہے (آ ا)

باب ہیز دہم (۱۸)

کرامت واستقامت

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ. بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ. اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ. وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ. نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ. (حٰمٓ السجدہ ۴۱، آیات ۳۰-۳۲)

(ترجمہ) ’’جن لوگوں نے اقرار کرلیا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر مستقیم رہے، ان پر فرشتے اُتریں گے، کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو۔ اور تم جنت پر خوش رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے رفیق تھے۔ دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور تمہارے لئے اس میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے۔ اور نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے۔ یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور الرحیم کی طرف سے۔‘‘

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ کرامات اولیاء اللہ برحق ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں جہلاء اور زائغین ومبتدعین نے کرامات وضع کرنے کا باب کھول دیا ہے۔ اور ان کی تشہیر تجارتی انداز میں کرکے اس پاکیزہ شے کو بدنام کردیا ہے۔ اور ایک دینی بات کو دنیا سمیٹنے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ نیز اس بارے میں عقیدہ میں بہت غلو اور افراط وتفریط میں ابتلاء عام ہورہا ہے۔ اور چونکہ ان کا تذکرہ لذیذ ہے اور کچھ کرنا بھی نہیں پڑتا، اس لئے اصل اعمال اعتقادی وعملی سے توجہ ہٹا کر ان باتوں کی طرف لگا رکھی ہے۔ اس لئے احقر نے حضرت والاؒ کی سوانح میں کشف وکرامات کا کوئی باب نہیں رکھا، جیسا کہ ’’اشرف السوانح‘‘ میں بھی نہیں ہے۔ البتہ اس میں تنقیح کشف وکرامات کا باب ہے۔ مناسب ہے کہ اس باب کو وہاں ملاحظہ فرمالیا جائے، تو اس بارے میں کافی بصیرت ہوسکتی ہے۔

ایک بار اُستاذی المعظم مخدومی حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے بزرگوں میں کرامات (حسیہ) کا ظہور بہت ہوتا تھا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ انہوں نے جو بتایا اس کا حاصل یہ تھا کہ پہلے لوگوں کے قویٰ بہت مضبوط ہوتے تھے۔ اور سخت مجاہدہ پر حسی کرامات بھی بہت ظاہر ہوتی تھیں۔

عوام میں وہی بزرگ صاحب کرامات سمجھے جاتے ہیں جن سے حسی کرامات کا ظہور ہوتا ہو۔ حالانکہ حسی کرامات

سے معنوی کرامات کا درجہ زیادہ ہے۔ اور جو اکابر اولیاء اللہ مثلاً مجددین اور ائمہ مجتہدین ہوئے ہیں، ان کی بھی حسی کرامات سے معنوی کرامات زیادہ ہیں۔ مثلاً حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت سید احمد بریلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت امام غزالیؒ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے مجددین یا ائمہ فقہاء اربعہ۔ البتہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ استقامت اور معنوی کرامات کے ساتھ حسی کرامات کے بھی جامع تھے۔ یعنی حسی کرامات بھی آپ سے بکثرت ظاہر ہوئیں۔ لیکن آپ کا بھی علمی، اصلاحی اور تبلیغی خدمات اور معنوی کرامات واستقامت کا درجہ ظاہر ہے آپ کی حسی کرامات سے بڑھا ہوا ہے۔ البتہ مبتدعین نے جو بعد میں آپ کی کرامات تصنیف کرلی ہیں، یہاں وہ خارج از بحث ہیں۔

''اشرف السوانح'' میں ہے: ''اکابر نے تصریح کی ہے کہ کرامت کا درجہ ذکر لسانی[1] سے بھی متاخر ہے۔''

البتہ معنوی کرامت حسی کرامت سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ بزرگوں کی علمی، دینی، اصلاحی وتبلیغی خدمات ہیں۔ اور ان کی صحبت کی برکت ہے جس کے اثر سے انسان کی جلد ہی کایا پلٹ جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس میں کم از کم ادنیٰ درجہ کی طلب تو ہو۔ یعنی طلب اصلاح، طلب آخرت اور تعلق باللہ پیدا ہونے کی طلب ہو۔

محققین کے نزدیک اصول مسلمہ میں سے ہے کہ **الاستقامة فوق الكرامة.** استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ استقامت کی وہ فضیلت ہے جس کا ذکر مذکورہ بالا آیات کریمہ میں کیا گیا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ جیسے ولیٔ کامل اور شیخ محقق کامل کی خدمت میں ایک شخص عرصہ دراز تک رہا۔ آخر رخصت ہونے لگا تو کہا کہ میں تو آپ کی شہرت سن کر آیا تھا، لیکن میں نے آپ میں کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے اتنے عرصہ میں میرے اندر کوئی بات خلاف سنت دیکھی۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا: پھر اس سے بڑھ کر کیا کرامت ہوگی کہ اتنے عرصہ میں کوئی بات خلاف سنت نہیں دیکھی۔

گو یہ واقعہ مشہور ومعروف ہے، لیکن توضیح وبصیرت کے لئے نقل کر دیا ہے۔ ہم نے اپنے حضرت والاؒ کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا کہ کوئی کرامت تلاش کریں۔ اس لئے کہ آپ کی پوری زندگی اتباع سنت کا نمونہ تھی۔ اور علمی، دینی، اصلاحی، تبلیغی وتدریسی خدمات میں گزری۔ عمر بھر ایسی استقامت پر ہزار ہا کرامتیں قربان ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو بھلائی فرمانا منظور ہوتا ہے، اس کو دینی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ **من يرد الله به خيرًا يفقهه في الدين.**

رسالہ تعلیم الدین میں حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ فرماتے ہیں: ''فضیلت کا مدار قرب الٰہی واخلاص عبادت پر ہے...... خرق عادت کا رتبہ ذکر قلبی سے بھی کم ہے۔ صاحب عوارف نے غیر اہل خوارق کو اہل خوارق سے افضل کہا ہے۔

[1] آگے تعلیم الدین سے اقتباس میں آرہا ہے۔ کہ ''خرق عادت کا رتبہ ذکر قلبی سے بھی کم ہے۔'' لیکن ان دونوں میں تضاد نہیں بلکہ توافق اس طرح سمجھ میں آتا ہے۔ کہ ان دونوں میں سے ہر طرح کے ذکر کا رتبہ کرامت وخرق عادت سے بڑھ کر ہے۔ (آ)

عارفین کی بڑی کرامت یہ ہے کہ شریعت پر مستقیم ہوں اور بڑا کشف یہ ہے کہ طالبان حق کی استعداد معلوم کر کے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔''

چنانچہ ہمارے حضرت والاؒ کی روزِ روشن کی طرح واضح دین میں استقامت اور دینی برکت، افادات وافاضات اصلاحیہ وعلمیہ وعملیہ اور معنوی کرامات تعلیم اور تبلیغ ودعوت اور تزکیہ نفوس کے ہوتے ہوئے حسی کرامات کے تلاش کرنے کی ضرورت تو نہیں، تاہم بعض عجیب واقعات انعامات الٰہیہ، مبشرات منامیہ اور بیداری کے بعض عجیب واقعات ذکر کیے جاتے ہیں، یا گزشتہ اوراق میں آچکے ہیں، یا آئندہ کسی باب میں آنے والے ہیں۔ تو ان کی طرف مختصر اشارہ کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دینی فیض وبرکت وغیرہ اور بعض معنوی کرامات کی طرف بھی اشارہ ہو جائے گا۔ **وھی ھذہ:**

(۱) بچپن میں تماشے سے حفاظت:

طفولیت کا واقعہ باب سوم میں گزر چکا ہے کہ تقریباً سات سال کی عمر میں سفر کے دوران جنگلی لوگ تماشا کر رہے تھے، تو حضرت والاؒ کو سخت نیند آئی اور بتوفیق الٰہی منجانب اللہ بیہودہ تماشا دیکھنے سے بچپن میں محفوظ رہے۔ اور سرور کائنات ﷺ کے بچپن کے واقعہ سے تشبہ نصیب ہوا۔ اتباع سنت والی زندگی گزارنے والے کو بچپن ہی میں بے اختیار اتباع سنت بطور براعۃ الاستہلال کے نصیب ہوا۔ والحمد للہ۔

(۲) جنات میں وعظ:

باب یازدھم (مواعظ حسنہ اور مناظرات) میں گزرا کہ جنات میں حضرت والاؒ کا وعظ ہوا۔

(۳) حضرت والاؒ کی معنوی کرامات (حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہٗ کا تجربہ):

حضرت والاؒ کے خلیفہ مجاز بیعت حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دام ظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں:

''بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والاؒ میں حق تعالیٰ نے عجیب قسم کا فہم برکت اور اثر رکھا تھا۔ اس ناکارہ کا تعلق ۱۹۴۶ء میں جالندھر خط وکتابت سے شروع ہوا۔ پہلے عریضہ سے ہی یہ بے نمازی، نمازی ہو گیا۔ اور منہ پر داڑھی بھی آ گئی۔ سنت کی پیروی، دین سے محبت، دینداروں سے محبت، خوف خدا، شوقِ اصلاح، فکرِ آخرت، دنیا سے بے رغبتی روز بروز شروع ہو گئی۔ اور ہر دن قدم آگے ہی آگے۔ یہی سب حضرت والاؒ کی دعاء وتوجہ کا اثر تھا۔ بن دیکھے یہ ایک عجیب کرامت تھی جسے میں اپنے اندر موجزن پاتا تھا۔ اور کسی قسم کی کرامت کا وہم وخیال بھی ساری زندگی نہ آیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والاؒ سے محبت، تعلق اور حضرت والاؒ کی معرفت ذریعہ بنتی گئی اپنی اصلاح اور فکرِ آخرت کا۔ گو جیسی پہچان اور قدر چاہیے تھی اس ناکارہ سے نہ ہو سکی اور یہی حال اصلاح کا ہے۔

(۴) معنوی کرامت (حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ کے ذہنی انقلاب کا سنگِ بنیاد):

حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کی تحریر جو باب ۲۲ ''چند خصوصی مقالات'' میں آ رہی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت والاؒ کا ایک جملہ ارشاد فرمانا کہ ''قلب میں اس کی اہمیت نہیں'' ان کے ذہنی انقلاب کا سنگ بنیاد ہے (تفصیل ان کے مقالہ میں ملاحظہ فرمائیے) جس کے بعد وہ تصوف کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر تو ماشاء اللہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفہ مجاز بیعت ہوئے۔ اور پھر ''دارالافتاء والارشاد'' (ناظم آباد کراچی) میں تعلیم افتاء اور تربیت سالکین دونوں کام کرتے رہے۔ **فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء.**

(۵) جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب مرحوم کا مشاہدہ:

محترم منشی صاحب مرحوم نے اپنے مقالہ ''نمونہ اخلاق محمدی'' میں ایک واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ایک بار رات کو حضرت والاؒ کے مہمان تھے اور حضرت والاؒ کے کمرہ میں سوئے۔ تہجد حضرت والاؒ کی جائے نماز پر پڑھی۔ صبح کو حضرت والاؒ نے ان کو ایک کتاب دی، جس سے معلوم ہوا کہ اپنے مرشد کی جانماز پر نماز نہ پڑھنی چاہئے۔ جس سے انہوں نے یہ استنباط فرمایا ہے کہ حضرت والاؒ کو کشف سے معلوم ہوگیا تھا۔ گو اس میں یہ احتمال ہوسکتا ہے لیکن عموماً ہمارے سلسلہ میں کشف کونی[1] بہت کم سنا گیا ہے (کشف کونی یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے حجاب نہ رہے۔ کسی چیز کا حال معلوم ہوجاوے۔ تعلیم الدین، سلوک و مقامات تیسرا باب) اور اس کا درجہ بھی ہمارے حضرت والاؒ کے رفیع حالات سے بہت فروتر ہے۔ بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ الہام[2] یا القاء ہو کہ یہ ہمارے اکابر میں بکثرت پایا گیا ہے۔ (الہام یہ ہے کہ صوفی کے دل پر اطمینان کے ساتھ کوئی علم القاء ہو۔ کبھی ہاتف غیبی کی آواز سن لیتا ہے، تعلیم الدین، ایضاً) اور ہمارے حضرات کے رفیع حالات کے مناسب بھی ہے۔ البتہ جیسا کہ پہلے گزرا، تعلیم الدین میں یہ بھی ہے: ''بڑا کشف یہ ہے کہ طالبانِ حق کی استعداد معلوم کر کے اس کے موافق ان کی تربیت کریں۔'' چونکہ اس واقعہ کو تربیت میں دخل ہے، اس لئے یہ کشف البتہ تربیت میں مفید ہونے کی وجہ سے شیخ کامل کی شان کے مناسب و لائق ہوسکتا ہے۔

(۶) احقر کی بھانجی کے لئے دعائے صحت و خیریت:

احقر کی ہمشیرہ کا لندن سے تار آیا کہ ان کی لڑکی (احقر کی حقیقی بھانجی) کی زندگی کے لئے دعا کرو اور کراؤ۔ ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ کے عریضہ میں حضرت والاؒ سے اس کے لئے دعاء کی درخواست کی۔ جواب میں تحریر فرمایا: ''اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے اور نیک کرے، آمین۔'' اس کے بعد احقر نے آخری عریضہ ۱۵ رجب ۱۳۹۰ھ کو تحریر خدمت کیا تھا۔ اس میں

---

[1] کشف کونی یہ کہ بعد مکانی یا زمانی اس کے لئے حجاب نہ رہے۔ کسی چیز کا حال معلوم ہو جاوے۔ (تعلیم الدین۔ سلوک و مقامات تیسرا باب)

[2] (الہام یہ ہے کہ) صوفی کے دل پر اطمینان کے ساتھ کوئی علم القاء ہو۔ کبھی ہاتف غیبی کی آواز سن لیتا ہے۔ (تعلیم الدین۔ ایضاً)۔

ہے: ’’خادم نے گزشتہ عریضہ میں اپنی بھانجی کے لئے دعاء کرائی تھی، بحمد اللہ اس کے بعد ہی تار اور پھر خط خیریت کا آ گیا، جزاکم اللہ تعالیٰ۔‘‘

(۷) رحلت سے قبل بعض عجیب واقعات:

آخری سفر کراچی میں بعض عجیب باتیں ہوئیں اور آخری عریضہ کے جواب میں بھی۔ ان کی تفصیل تو باب علالت و سفر آخرت میں آئے گی۔ یہاں صرف اشارہ کیا جاتا ہے:

(۱) آخری عریضہ ۱۵ رجب ۱۳۹۰ھ کو تحریر خدمت کیا تھا۔ اس کے جواب کی آخری ہدایت برائے مطالعہ اکابر جامع شریعت وطریقت صوفیاء عظام کی چند کتب کی فہرست ہے۔ گویا یہ جامع وصیت ہوگئی۔ اور آخر میں حضرت والاؒ کے دستخط ہیں جو اصلاحی خطوط کی جوابی ہدایات میں عام معمول نہیں تھا، بلکہ ایسا بہت کم ہی ہوتا تھا۔

(۲) حضرت والاؒ نے خادم کو مدرسہ نیوٹاؤن سے رُخصت لے کر ساتھ چلنے کو فرمایا۔ یہ حضرت والاؒ کے عام معمول کے خلاف بات تھی۔

(۳) شام کو خادم کی درخواست پر خادم کے غریب خانہ پر تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمایا، حالانکہ وقت تنگ تھا اور جن صاحب کی کار تھی وہ ٹالنا چاہتے تھے۔ خادم پر یہ شفقت بھی عجیب ہے۔

(۴) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی زیارت فرما کر رخصت ہونے کے بعد دروازہ سے واپس لوٹ کر دوبارہ رخصت ہوئے۔ (خادم نے سمجھ لیا کہ یہ ان دونوں بزرگوں کی اس دنیا میں آخری ملاقات ہے۔)

(۵) حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحبؒ نے جو حضرت والاؒ کے بارے میں اپنا خواب بیان فرمایا، سنا ہے حضرت والاؒ نے اس کی تعبیر یہ لی تھی کہ سفر آخرت قریب آ گیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۶) کراچی سے روانگی سے قبل حضرت والاؒ سے خادم نے رمضان شریف میں حاضر خدمت رہنے کے لئے اجازت چاہی تو فرمایا کہ تین دن کے لئے آ جانا۔ خادم تو پورے ماہ کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ حیرت ہوئی۔ اور وفات کے بعد تین ہی روز کے لئے حاضری ہوئی۔ تب اس کے معنی سمجھ میں آئے۔

(۷) سفر آخرت سے قبل کی عجیب باتوں میں سے اپنی وفات کی خبر دینا بھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب[۱] کا ۱۲، ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۹۰ھ کا گرامی نامہ سامنے ہے۔ اس میں حضرت والاؒ کے ایک والا نامہ کی نقل بھی ہے جو یہاں درج کی جاتی ہے:

---

[۱] حضرت مولانا عبدالحئی صاحب مرحوم (ابن الحاج حافظ عبدالولی صاحبؒ مجاز صحبت حضرت حکیم الامت تھانویؒ) نے از کرم حضرت والاؒ کے اور اپنے آپس کے تعلقات و مراسم اور حضرت والاؒ کی شفقت و محبت وغیرہ کے کئی واقعات احقر کو تحریر فرمائے تھے۔ لیکن گرامی نامہ میں تحریر واضح ہونے کے علاوہ سیاہی بھی بہت ہلکی ہے۔ یہ ابا پڑتا ہے ان دنوں ان کی نگاہ بہت ضعیف ہو چکی تھی۔ اور اب احقر مؤلف خیر السوانح کی نگاہ بہت کمزور ہو چکی ہے۔ اس لئے اس گرامی نامہ کو باوجود دلچسپ ہونے کے پڑھنا بہت دشوار ہے۔ گو یہ واقعہ تو لکھنے والے اور پڑھنے والے دونوں کی معذوری کی وجہ سے ہے۔ لیکن عام حالات میں ایسی تحریر سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ جس کا پڑھنا دشوار ہو۔ بلکہ ایسے حالات میں مختصر پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ (آ)

,,نقل خط مولانا خیر محمد صاحب ناظم خیر المدارس ملتان شہر بنام مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مہتمم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

مکرم محترم حضرت مولانا صاحب زادت فیوضکم العالیہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ پہنچا۔ خیر و عافیت معلوم ہو کر بیکراں مسرت ہوئی، جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ رکھے اور آپ کے فیوض کو عام و تام کرے۔ آپ کی وجہ سے آنحضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی جگہ آباد ہے۔ حق تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے گا۔ میں کشتی آخرت (پر)[1] سوار ہونے والا ہوں، بے سامان ہوں۔ اعمالِ صالحہ اور خاتمہ علی الایمان کی دُعا کا سخت محتاج ہوں۔ والسلام

عزیزان رشید احمد، محمد شریف، عبدالحق سلام مسنون عرض کرتے ہیں اور دُعاؤں کی درخواست کرتے ہیں۔ والسلام

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ از ملتان

۲۹ رجب ۱۳۹۰ھ"

اس والا نامہ کی نقل تحریر فرما کر مولانا عبدالحیؒ صاحب فرماتے ہیں: "۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ کو روانہ ہونے والے مسافر کس اطمینان و یقین سے ۲۰ یوم قبل یعنی ۲۹ رجب ۹۰ھ کو اپنے مرشد[2] قدس سرہٗ کو اپنی حاضری کی اطلاع دے رہے ہیں (اس سے حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کا ذوق سمجھ میں آتا ہے۔ ویسے حضرت والاؒ کے اس گرامی نامہ میں اپنے مرشدؒ کو اطلاع دینا تو ظاہر نہیں ہوتا۔ والا نامہ تو اپنے مرشدؒ کی خانقاہ کے مہتمم صاحب کے نام ہے۔ واللہ اعلم۔ آ ا)

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع"

بعد وفات بشارات منامیہ کے علاوہ دو واقعات بیداری کے معلوم ہوئے، جن میں سے اوّل خصوصاً اہم ہے اور اس میں الحمد للہ بڑی بشارت ہے۔

(۸) بیداری میں حکیم سید ابراہیم صاحبؒ کا مشاہدہ:

حضرت حکیم سید ابراہیم صاحب رزمیؒ نے بیداری میں نماز پڑھتے ہوئے حضرت والاؒ کے جنازہ پر حضور ﷺ کو مسجد نبوی شریف کی محراب میں نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے دیکھا۔ اس واقعہ کی تفصیل "باب علالت و سفر آخرت" کے آخر میں ملاحظہ فرمائیے۔

---

[1] لفظ (پر) کا اضافہ از آ ا۔

[2] یہ حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کا ذوق سمجھ میں آتا ہے۔ ویسے حضرت والاؒ کے اس گرامی نامہ میں اپنے مرشدؒ کو اطلاع دینا تو ظاہر نہیں ہوتا۔ والا نامہ تو اپنے مرشدؒ کی خانقاہ کے مہتمم صاحب کے نام ہے۔ واللہ اعلم (آ ا)

(۹) ڈاکٹر محسن رضا صاحب زادمجدہٗ کی روایت:

اس کی تفصیل بھی باب علالت وسفرِ آخرت کے آخر میں ملاحظہ فرمایئے کہ ڈاکٹر محسن رضا صاحب زادمجدہٗ حضرت والاؒ کی قبر کی زیارت کرنے گئے تو بیداری میں حضرت والاؒ کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ ڈاکٹر صاحب نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھائے تو حضرت والاؒ غائب تھے۔

(۱۰) حکیم امیر علی قریشی صاحب کی روایت:

لیکن چلتے چلتے ایک روایت حکیم امیر علی قریشی (عرف استغفر اللہ) مدظلہٗ مقیم مدینہ منورہ کی بھی ملاحظہ فرماتے جایئے۔ وہ فرماتے ہیں: ''سائیں طور شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد حضرت مہتمم[1] صاحبؒ نے مجھے ان کے کمرہ میں بلایا اور میری جتنی چیزیں تھیں جو میں نے ہدیۃً ویسے سائیں طور شاہ صاحبؒ کو دی ہوئی تھیں وہ سب کی سب مجھے واپس فرمادیں۔ ایک دفعہ حضرت لاہوریؒ جب آئے تو سائیں طور شاہ صاحبؒ نے مجھ سے ایک ڈیڑھ روپیہ لے کر ہدیۃً دیا تھا، وہ بھی مجھے حضرت مہتمم صاحبؒ نے واپس کردیا اور ایک گرم ٹوپی تھی اور ایک نسخہ کریما اور خدام الدین کے رسائل، یہ سب چیزیں مہتمم صاحبؒ نے مجھے واپس کیں۔ میں حیران ہوا کہ یا اللہ! یہ ہم یا سائیں صاحبؒ جانتے تھے۔ مہتمم صاحبؒ کو کیسے پتہ چلا؟ اس طرح چھانٹ کردیں جیسے علیحدہ رکھی ہوئی ہوں۔''

احقر مؤلف کہتا ہے کہ حضرت والاؒ کے منتسبین کو کرامات کی فہرست طویل کرنے کا بالکل شوق نہیں۔ اس واقعہ کی علت گو کشف یا الہام ہونا ممکن ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت سائیں طور شاہ صاحبؒ نے حضرت والاؒ کو وصیت کردی ہو کہ یہ اشیاء فلاں فلاں حضرات کی ہیں، ان کو پہنچا دیجئے۔

اصلی اور وزنی کرامات وہی معنوی کرامات اور استقامت ہیں۔ ایسی حسی کرامات ان کے سامنے ہیچ ہیں۔ البتہ اس میں حقوق العباد کی ادائیگی کا اہتمام ضرور اہم ہے۔ اس طرح ہمارے اکابر کی حسی کرامات بھی معنوی سے مرکب ہوجاتی ہیں۔

اس باب سے متعلق مکرمی بھائی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زادمجدہٗ نے جو تحریر فرمایا ہے، اب وہ ملاحظہ فرمایئے:

کرامت:

اتباعِ سنت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم پر مداومت سے بڑھ کر کوئی کرامت نہیں۔ اَلْاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ مگر بزرگوں سے بعض اوقات اتباعِ سنت کے ثمرہ میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کرامت کا ظہور بھی کرادیتے ہیں، جس سے انکار کی بھی کوئی گنجائش نہیں۔ گو خدام نے حضرت والاؒ کو کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا، مگر کچھ واقعات اس قسم کے ہوئے جن سے آپ

---

[1] یعنی صاحب خیرالسوانح ہمارے حضرت والاؒ (آ آ)

کی کرامت کا اندازہ بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً حضرت قمر الدین شاہ صاحب لکھتے ہیں:

میری تبدیلی نیوسنٹرل جیل ملتان سے روالپنڈی ہوگئی تو میں نے عریضہ لکھا کہ میرا جی ملتان واپس آنے کو چاہتا ہے۔ حضرتؒ نے تحریر فرمایا: ''اِن شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' پس اس دُعا کے بعد میرے آرڈر نیوسنٹرل جیل ملتان میں واپسی کے ہوگئے۔ اسی طرح مولانا حافظ عبدالشکور صاحب کی شادی میں آپ کو جانا تھا۔ آپ کے بازو میں شدید تکلیف تھی۔ آپ نے دوا کھانے کے بعد چلتے ہوئے فرمایا ''اِن شاء اللہ اب درد نہیں ہوگا۔'' واقعی اس کے بعد بازو میں درد کبھی نہیں ہوا۔ اسی طرح حضرت سید قمر الدین شاہ صاحب کو اللہ پاک نے ایک لڑکا دیا تو انہوں نے اس کی طول عمری، عالم باعمل ہونے کی دُعا کے ساتھ نام تجویز کرنے کی درخواست کی، تو حضرت والاؒ نے صرف اس قدر تحریر فرمایا: ''فخر الدین احمد یا قمر الدین احمد۔'' حضرت شاہ صاحب مدظلہٗ کے دل میں خیال آیا کہ چونکہ حضرت والاؒ نے دُعا نہیں فرمائی۔ اس لئے بیٹا یا باپ دونوں میں سے ایک اس فانی دنیا سے چلا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کچھ عرصہ بعد بچہ کا انتقال ہوگیا۔ إنا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بندہ نے ممتاز آباد کالونی ملتان میں ڈی ٹائپ کوارٹر الاٹ کرایا۔ اور چھوٹے سے پلاٹ میں پانچ چھوٹے کمرے تعمیر کرائے۔ اس پر حضرت والاؒ نے مزاحاً فرمایا: ''آپ نے تو کوٹھی تعمیر کر لی۔'' اس طرح اس دن سے وہ کوارٹر کوٹھی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اور حیرت یہ ہے کہ اس کا کرایہ بھی آج تک کوٹھی ہی کے برابر مل رہا ہے۔ **والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔**

بڑی معنوی کرامت...... مدرسہ خیر المدارس کا قیام[1]:

عارف باللہ حضرت حاجی شیر محمد صاحبؒ (خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت تھانویؒ) نے اپنے والا نامہ[2] میں اس ناچیز کو تحریر فرمایا تھا: ''باقی ان کی کرامت کا بڑا واقعہ احقر کے خیال ناقص میں مدرسہ خیر المدارس کا قیام ہے۔ اس مدرسہ سے جالندھر اور ملتان میں بفضلہٖ تعالیٰ جو کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے، یہ ان کی میرے خیال ناقص میں بہت بڑی کرامت ہے۔''

[1] ذیلی عنوان از آ۔ا۔

[2] مورخہ ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ (اق)

باب نوزدہم (۱۹)

اہل وعیال (خیر العیال)

ازواجِ محترمات:

حضرت والاؒ نے کل تین نکاح فرمائے۔

نکاح اوّل اور محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ سے حضرت والاؒ کی اولاد:

نکاح اوّل کا حال حضرت والاؒ نے اس طرح تحریر فرمایا ہے: ''اسی سال ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں میری شادی مسماۃ اللہ دی بنت عموی کرم الدین صاحب سے ہوئی تھی۔ عمروال بلہ کی مسجد میں نکاح حضرت مولانا عبداللہ صاحب چندیانوی مدرّس مدرسہ رشیدیہ نکودر نے پڑھایا۔ ہمارے گاؤں میں ماموں شاہ محمد صاحب مرحوم کی کوشش سے یہ پہلی شادی رسوماتِ مروّجہ سے خالی ہوئی تھی۔ من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها. رات کو ماموں صاحب مرحوم کے مکان کی چھت پر مولانا غلام رسول صاحب سکنہ ہرووسنگہ کا وعظ ہوا، جس میں سنت طریق کے مطابق شادی کے طرق و آداب بتلائے گئے تھے۔''

حضرت والاؒ نے اپنی بیاض میں ددھیال کے زیرِ عنوان اپنے عم محترم کی اولاد کے تذکرہ کے ضمن میں اپنے نکاح کا سال ۱۳۲۳ھ تحریر فرمایا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نکاح اواخر ۱۳۲۳ھ یا اوائل ۱۳۲۴ھ میں ہوا ہوگا۔ جیسا کہ آگے بھی تخمیناً ۱۳۲۴ھ تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ عموی صاحب کرم الدین کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی صرف ایک صاحبزادی تھیں، جن کا ''نکاح تخمیناً ۱۳۲۴ھ میں احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ سے ہوا تھا۔ اس کے بطن سے تین لڑکے رشید احمد، محمد شریف، عبدالحق پیدا ہوئے تھے۔[1] اور ایک لڑکی جس کا نام عائشہ تھا، وہ بچپن میں فوت ہوگئی تھی۔''

اس کے بعد مذکور ہے ''۱۹۳۰ء (۴۹-۱۳۴۸ھ) میں کرم الدین نے اپنی زمین عمروال بلہ والی اپنی لڑکی (یعنی اہلیہ محترمہ حضرت والاؒ) کے نام ہبہ کردی، جو اس کے انتقال کے بعد احقر کے تینوں لڑکوں رشید احمد، محمد شریف، عبدالحق کے نام منتقل ہوگئی۔ پاکستان بننے کے بعد اسی کے عوض میں بستی نو ضلع ملتان میں زمین ملی۔''

وفات زوجہ اولیٰ:

حضرت والاؒ نے اپنی زوجہ اولیٰ محترمہ کی وفات کا حال اس طرح تحریر فرمایا ہے: ''۱۳۵۱ھ، ۱۹۳۲ء یا ۱۳۵۲ھ،

[1] ان کے علاوہ فرزند چہارم انوار الحق بچپن ہی میں فوت ہوگئے تھے جیسا کہ آگے ''اولادِ اخیار'' کے تذکرہ میں آرہا ہے۔

۱۹۳۲ء میں زوجہ ام اولیٰ چک نمبر ۴۰ فتح علاقہ چشتیاں میں فوت ہوئی۔ اللھم اغفرلھا۔"

عقد ثانی:

حضرت والاؒ کے برادرِ عزیز حضرت مولانا حافظ غلام محمد صاحبؒ نے حضرت والاؒ کو چند وصیتیں کی تھیں، جن میں ایک یہ بھی تھی:

"اپنی اہلیہ کے متعلق وصیت کی کہ اس کی رعایت اور نگہبانی رکھنا۔ اگر یہ خود چاہے تو والد صاحب کے پاس اس کو چک نمبر ۴۸ فتح اس کو کوٹھا جدا بنا دینا۔"

پوری رعایت اور نگہبانی پردہ میں دُشوار ہے۔ محرم ہو کر بدرجہ اتم نگہداشت ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ یہ وصیت ہی اس کا باعث ہو کہ حضرت والاؒ نے ان سے نکاح فرمالیا، جس کا تذکرہ حضرت والاؒ نے اس طرح فرمایا ہے: "اسی اثناء میں ۲ شعبان ۱۳۴۹ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء بروز سہ شنبہ شام کو بعد نماز عشاء بموجودگی ہر دو مولوی محمد علی صاحبان کے احقر کا عقد ثانی..... بیوہ برادرم عزیز مرحوم سے ہوا۔ اس وقت جالندھر میں عموی کرم الدین صاحب مرحوم بھی موجود تھے۔ انہوں نے اجازت تو دے دی مگر عقد کے وقت پاس بیٹھنا خلاف مصلحت[1] سمجھا۔"

حضرت والاؒ کی اولاد از محترمہ زوجہ ثانیہ مرحومہ:

ان سے تین صاحبزادیاں ہوئیں (اور ایک صاحبزادہ جو کہ بچپن ہی میں فوت ہوئے[2] تھے) چھوٹی صاحبزادی حضرت والاؒ کے ربیب عبداللطیف اختر صاحب کے نکاح میں ہیں۔ منجھلی جو وفات پا گئیں، ان کا نکاح حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ سے ہوا تھا۔ بڑی صاحبزادی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم (ابن حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ) کے نکاح میں تھیں۔[3]

وفات زوجہ ثانیہ:

حضرت والاؒ نے "حوادثات" کے زیرِ عنوان اپنی زوجہ ثانیہ محترمہ کی وفات کا حال اس طرح تحریر فرمایا ہے:

"مورخہ ۷ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۵۱ء بروز پنجشنبہ زوجہ ثانیہ ام..... فوت ہوئی۔ اس سے قبل ۱۸ دن سول

---

[1] گو ان سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہ تھا۔ تاہم عم محترم اور زوجہ اولیٰ محترمہ کے والد ماجد ہونے کیوجہ سے احتراماً و ادباً ان سے اجازت لی۔ رشتہ میں بڑوں کے احترام کی تعلیم کیلئے یہ مثال قابل اتباع ہے۔ (آ)

[2] اُن کے مسودہ خیرالسوانح میں ایک صاحبزادہ کے بچپن میں ہونے کا ذکر حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ (ان کا نام منظور مرحوم تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (آ)

[3] حضرت والاؒ کے ایک یادداشت میں بڑی صاحبزادی اور منجھلی صاحبزادی مرحومہ کے نکاح کی تاریخ آپؒ نے تحریر فرمائی ہے۔ "عقد نکاح صبیہ در تیہ مورخہ ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء مطابق ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ" (آ)

ہسپتال ملتان میں رہی۔ پھر ایک ہفتہ گھر میں رہ کر فوت ہوئی۔" اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے (آمین)۔

ان وفات کے تذکروں کے بعد اخیر میں یہ دُعاء ہے:

"اللهم اغفر لهم مغفرة ظاهرة و باطنة و ادخلهم مدخل صدق و جنة۔"

نکاح ثالث:

حضرت والاؒ ہی کے الفاظ میں: "یہ نکاح ثالث مورخہ ۲۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۵۲ء بروز ... ہوا۔ نکاح بمقام بستی نو قاری عصمت اللہ صاحب اور فتح محمد اور پیر بخش کی موجودگی میں ہوا۔"

حضرت والاؒ کی کوئی اولاد زوجہ ثالثہ محترمہ حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہا سے نہیں ہے۔

اولادِ اخیار

"جیسا[1] کہ پہلے گزرا حق تعالیٰ نے حضرت والاؒ کو کل پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں عطا فرمائیں، جن میں سے اس وقت صرف ایک صاحبزادی بقید حیات ہیں۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کی عمر میں برکت فرمائیں اور انہیں حضرت والاؒ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں (آمین).

حضرت والاؒ کے دو صاحبزادوں انوار الحق مرحوم اور منظور الحق مرحوم نے ایک ہی سال کی عمر میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا، **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔"

چونکہ[2] حضرت والاؒ کی اولاد ذکور کبار محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ ہی سے تھی اور اولاد ذکور کبار ہی کا تذکرہ قدرے تفصیل سے مناسب ہے۔ اس لئے یہاں اصالۃً ان ہی کا قدرے مفصل تذکرہ درج کیا جاتا ہے۔ اور تبعاً ان کے علاوہ باقی اولاد کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ محترمہ زوجہ ثانیہ مرحومہ سے اولاد اناث اور ایک صاحبزادہ (جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا تھا) کا مختصر تذکرہ ازواجِ محترمات کے زیرِ عنوان گزر چکا ہے۔ اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں رہی۔

حضرت والاؒ کی اولاد از محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ:

محترمہ زوجہ اولیٰ مرحومہ سے حضرت والاؒ کے کل چار صاحبزادے ہوئے جن میں سے چوتھے صاحبزادے بچپن ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ بعد میں ایک صاحبزادی بھی بچپن میں فوت ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ازواج محترمات کے تذکرہ میں بذیل نکاح اوّل گزر چکا ہے۔ اب ان میں سے ہر ایک کا مختصر تذکرہ مستقلاً لکھا جاتا ہے، وباللہ التوفیق۔

---

[1] اق بتغیر یسیر۔

[2] آ۔

حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب جالندھریؒ

حضرت والاؒ نے اپنی موالید ووفیات کی بیاض میں ان کی ولادت کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

ولادت: ''مورخہ ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۱۵ء بروز سہ شنبہ بوقت صبح بمقام عمروال بلہ تحصیل نکودر ضلع جالندھر برخوردار رشید احمد سلمہٗ کی ولادت ہوئی، جبکہ احقر مدرسہ اشاعت علوم بریلی میں تحصیل علم میں مشغول تھا اور ہنوز فارغ التحصیل نہ ہوا تھا۔ برخوردار مذکور کا تاریخی نام محمد مختار ہے۔''

''نقشِ حیات'' میں یہ جملہ بھی ہے کہ ''اس کی اطلاع سب سے پہلے مولانا مولوی احمد بخش صاحب باہموری نے بذریعہ خط دی تھی۔''

نیز ایک یادداشت حضرت والاؒ کی تحریر فرمودہ یہ ملی:

ختم قرآن شریف: ''ختم قرآن رشید احمد سلمہ، مورخہ ۱۶ محرم ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۷ جولائی ۲۷ء بروز یکشنبہ۔''

نکاح: حافظ رشید احمد صاحب مرحوم کے نکاح اوّل ودوم کے بارے میں ''نقش حیات'' سے کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ البتہ ان کے نکاح ثالث کے متعلق یہ یادداشت ملی:

''نکاح ثالث رشید احمد سلمہ۔ میانی افغاناں[1] (ضلع ہوشیارپور، انڈیا) میں مورخہ ۲ محرم ۱۳۶۱ھ۔''

اس کے بعد نکاح رابع کی تفصیل بھی معلوم نہیں۔ البتہ حضرت والاؒ کے برادر عزیز مرحوم کی بڑی صاحبزادی عائشہ ۱۳۷۰ھ میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ اور بروایت حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ ''حافظ رشید احمد صاحب کا نکاح خامس عائشہ بی بی سے سب سے آخر میں ہوا۔ اور عائشہ بی بی کی وفات بھی سب سے آخر میں ہوئی۔''

تعلیم: حافظ صاحبؒ نے مشکوٰۃ شریف تک تعلیم حاصل کی۔ جیسا کہ آگے مکرمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب نے ذکر فرمایا ہے۔ اور حضرت والاؒ نے اپنے تلامذہ میں مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے طلباء کی فہرست میں نمبر ۵ پر ان کا ذکر فرمایا ہے۔

مدرسہ کی خدمت اور سادہ زندگی:

حافظ رشید احمد صاحب مرحوم مدرسہ خیر المدارس کے ناظم دفتر تھے۔ اور شروع میں دفتر کا کام تنہا کرتے تھے۔ بعد میں ان کے دوسرے معاون بھی ہوئے۔ مدرسہ کی خدمت میں عمر گزری۔ نہایت سادہ زندگی تھی۔ سائیکل پر آیا جایا کرتے تھے۔ مدرسہ ہی میں کچے پکے سے مکان میں رہتے تھے جو حضرت والاؒ کے مکان کے پیچھے کنویں کے قریب تھا۔ کرتہ، شلوار اور عموماً کپڑے کی پنجکلی ٹوپی پہنتے تھے۔ اور کبھی عمامہ بھی باندھتے تھے۔ خاموش طبع اور مرنجاں مرنج تھے۔ مدرسہ خیر المدارس کی

---

[1] ضلع ہوشیارپور۔ انڈیا۔

جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے اور نماز پڑھایا کرتے تھے۔ بلکہ پنج وقتہ نماز بھی پڑھاتے تھے۔ اور تراویح میں شہر کی کسی مسجد میں قرآن مجید سناتے تھے۔

بیعت اور اصلاحی تعلق:

حضرت مجدد[1] الملت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ سے بیعت تھے اور اصلاحی تعلق مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔

وفات: احقر مؤلف کو ان کی وفات کی خبر سب سے پہلے حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ العالی نے اپنے ۸ مارچ ۷۲ء کے گرامی نامہ میں (جو بندہ کو ۲۸ محرم ۱۳۹۲ھ کو ملا) اس طرح تحریر فرمائی: ''حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب کے انتقال کی خبر تو آپ کو معلوم ہوگئی ہوگی۔ اچانک دِل کا دورہ پڑا۔ دس پندرہ روز ہوگئے، اس دارِ فانی سے تشریف لے گئے ہیں۔''

مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں[2]: ''حضرت حافظ رشید احمد صاحب مرحوم ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۳ھ کو پیدا ہوئے۔ مدرسہ فیض محمدی جالندھر میں قرآن پاک حفظ فرمایا۔ اس کے بعد مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں مشکوٰۃ شریف تک تعلیم پائی اور قیامِ پاکستان سے ۷، ۸ برس قبل خیر المدارس کے ناظم ومحاسب بنے۔ امامت و خطابت کے فرائض بھی آپ ہی کے ذمہ تھے۔ البتہ وعظ حضرت والاؒ یا مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ فرماتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد خیر المدارس ملتان میں بھی ناظم ومحاسب رہے۔ آپ کے تقویٰ ودیانت پر حضرت والاؒ کو پورا اعتماد تھا۔ آخر وقت تک یہی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ بروز جمعۃ المبارک ۹ محرم ۱۳۹۲ھ کو اچانک دل کا دورہ پڑنے سے راہیٔ عدم ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن. اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کے پہلو میں آرام فرما ہیں۔''

اللھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃً واسعۃً (آ آ)

---

[1] بروایت حضرت مولانا حافظ عبد الحق صاحب جالندھریؒ وحضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ (آ آ)

[2] جفنیر بیسر۔ (آ آ)

مخدومی المکرم اُستاذی المحترم حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ

حضرت والاؒ نے اپنی سوانح ”نقش حیات“ میں ان کی ولادت کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے: ”اسی سال یعنی ۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۶ مارچ ۱۹۱۸ء بروز شنبہ میرا دوسرا بیٹا محمد شریف سلمہٗ بمقام عمروال بلہ ضلع جالندھر پیدا ہوا۔ تاریخی نام منظور العلی بن سکتا ہے۔ بشرطیکہ 'الف' کو کالعدم قرار دیا جائے۔“

قرآن شریف کی ابتداء کا حال ایک یادداشت میں اس طرح تحریر فرمایا ہے: ”محمد شریف سلمہ نے منڈی صادق گنج میں قرآن پ ۳۰ عم سے شروع کیا۔ مورخہ ۴ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۳ ستمبر ۱۹۲۵ء چہارشنبہ۔“

حضرت والاؒ کے برادر عزیز حضرت مولانا غلام محمد صاحب کی منجھلی صاحبزادی سے ان کی زندگی میں خطبہ ہو چکا تھا۔ بعد میں ان سے نکاح ہوا۔

پاکستان ہجرت کرنے کے بعد لاہور میں ریس کورس روڈ پر کوٹھی نمبر ۱۵ میں قیام ہوا تھا۔ یہیں حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ کی صاحبزادی کی ولادت ہوئی۔ حضرت والاؒ کے الفاظ میں اس کا ذکر یوں ہے:

”برخورداری ..... بنت برخوردار محمد شریف سلمہ اسی کوٹھی میں ...... سلمہا سے مورخہ ۶ ذیقعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء بروز دوشنبہ پیدا ہوئی۔“

اور حضرت مولاناؒ کی اہلیہ محترمہ کے انتقال کا ذکر ”حوادث“ کے زیر عنوان حضرت والاؒ نے اس طرح فرمایا ہے:

”۱۳ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۷/ اگست ۱۹۵۱ء بروز جمعہ برخورداری ..... فوت ہوئی۔“

حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت والاؒ کے صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے تو تعلق ہے ہی، وہ احقر کے استاد بھی تھے۔ اور حضرت والاؒ کی ہدایت پر رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ کی تعطیلات میں احقر نے ان سے علامہ محمد بن علی ظہیر نیمویؒ کی تالیف ”آثار السنن“ جس میں حنفیہ کے دلائل کی احادیث اور ان کی تشریح ہے، انہیں سے پڑھی تھی۔

ماشاءاللہ حضرت استاذی المحترم کا مختصر مختصر تذکرہ ”ذکر خیر و یادِ شریف“ میں کئی اہلِ علم و اہلِ قلم حضرات نے تحریر فرمادیا ہے، جس کو جناب حافظ اکبر شاہ صاحب بخاری زاد مجدہٗ نے ترتیب دیا ہے۔ اور یہ کام اُستاذی المحترم رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید حضرت مولانا حافظ قاری محمد حنیف صاحب جالندھری سلمہ مہتمم جامعہ خیر المدارس کے زیر اہتمام بخوبی انجام پایا۔ اور حضرت مولاناؒ کی مختصر سوانح شائع ہونے کا یہ کام بہت جلد اور عمدگی سے پورا ہو گیا، والحمد للہ۔

چنانچہ اُستاذی المحترمؒ کا تذکرہ مطالعہ کرنے کے لئے اسی کتاب کا حوالہ دینے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

البتہ مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زید مجدہم نے جو ان کے مختصر سوانح تحریر فرمائے ہیں ان کو تو بہر حال لینے کو ضرور جی چاہتا ہے۔ نیز ان کو نقل کرنے سے قبل ان کی یاد اور ذکر کے لئے دو ایک باتیں تو عرض کرنا ہی ہیں۔

۱۹۸۰ء میں جامع مسجد خیرالمدارس میں ان کی زیارت ہوئی، وہ غالباً آخری ملاقات تھی۔ جبکہ انہوں نے احقر کو فرمایا کہ آپ کو صیانۃ المسلمین کے اجتماع میں شرکت کے لئے لاہور جانا چاہئے تھا۔ احقر نے عرض کیا کہ میری اہلیہ بے ہوش ہوگئی تھیں (فروری ۸۰ء میں چھوٹی اہلیہ کی بڑی بیٹی فوت ہوگئی تھیں۔ پھر ملتان آنے پر اہلیہ ایک روز صدمہ سے بے ہوش ہوگئی تھیں) تاہم انہوں نے فرمایا کہ آپ کو شرکت تو ضرور کرنا چاہئے تھی۔ اس کے بعد جب احقر جدہ نئی ملازمت پر واپس آ گیا تو ایک جمعہ کو اُستاذی المحترم حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب مدظلہٗ کی احقر کو حرم مکی شریف میں زیارت ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کو مولانا شریف صاحب کا معلوم ہوا۔ عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ ان کا تو انتقال ہوگیا۔ اس طرح ان کے مکہ کرمہ میں (۷ ذوقعدہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۷ ستمبر ۸۱ء) کو رحلت فرمانے کا حال معلوم ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن.

اب حسب ماسبق مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زیدمجدھم کے تحریر فرمودہ مخدومی حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ کے مختصر حالات کو بتغییر یسیر نقل کیا جاتا ہے:

حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ

مہتمم ثانی جامعہ خیرالمدارس ملتان

آپ ۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۶ھ کو پیدا ہوئے۔ حضرت والاؒ نے اپنی ایک یادداشت میں آپ کے یہ تاریخی نام تحریر فرمائے ہیں: مرغوب حلیم، ظہیر قانع، خیر اشکورا، منظور الکل وغیرہ۔

ابتدائی تعلیم و تربیت خیرالمدارس ہی میں پائی۔ البتہ مدرسہ رائے پور گوجراں میں چند ابتدائی فارسی کتب پڑھیں۔ قرآن پاک بھی خیرالمدارس ہی میں حفظ فرمایا۔ سوائے دورہ حدیث شریف کے بقیہ درس نظامی کی کتب عربی مدرسہ خیرالمدارس جالندھر میں مکمل کیں۔ اور آپ نے شوال ۱۳۶۰ھ میں جامعہ قاسمیہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر پاکستان بننے سے قبل ہی ۱۳۶۱ھ میں دورہ حدیث کرکے سند فراغ حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ” صدر مہتمم، شیخ الادب حضرت مولانا اعزازعلی صاحبؒ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی اور مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس سیدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین جیسے اکابر اور نادر روزگار ہستیاں شامل ہیں۔

حضرت والاؒ کے ایماء اور اجازت سے آپ نے اصلاح و بیعت کا تعلق حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند سے قائم فرمایا۔ وصال سے دو سال قبل خود حضرت والاؒ نے بھی آپ کو دست بدست بیعت کی سعادتِ عظمیٰ سے مشرف فرمایا۔ حضرت والاؒ کے وصال کے بعد حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے آپ کو اجازت

بیعت وتلقین بھی عطا فرمادی۔ **فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔**

آپ کا تدریسی تجربہ تقریباً ۳۶ برس کے لگ بھگ بلکہ اس سے بھی زائد ہوگا۔ حضرت والاؒ کے وصال سے تقریباً سات آٹھ برس پہلے سے خیر المدارس کا اہتمام حضرت والاؒ کی زیرنگرانی آپ ہی سرانجام دیتے تھے۔ اور نائب مہتمم کے عہدہ جلیلہ پر فائز تھے۔ حضرت والاؒ کے وصال کے بعد خیر المدارس جیسی عظیم ترین دینی درسگاہ کے اہتمام کی ذمہ داری آپ ہی پر پڑی۔ اور بفضلہ تعالیٰ آپ نے اسے باحسن وجوہ نبھایا۔ آپ کے زمانہ میں خیر المدارس میں تعلیمی ترقی کے علاوہ تعمیری ترقی بھی کافی ہوئی اور متعدد کمروں کا اضافہ ہوا۔ اس اَمر کی شہادت حضرت حکیم الاسلام کی رائے سے ہوتی ہے جو آپ نے خیر المدارس ملتان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے شرف بخشنے کے بعد تحریر فرمائی۔ **فَهُوَ هٰذَا:**

"**بسم اللہ الرَّحمٰن الرحیم۔ نحمدهٗ ونصلی علیٰ رسوله الکریم۔** آج بتاریخ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۹۸ھ مدرسہ خیر المدارس میں حاضری ہوئی۔ مقصد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعزیت تھی۔ ضمناً مدرسہ کا عظیم الشان جلسہ بھی رکھا گیا جس میں طلباء کی ایک کثیر تعداد کی دستار بندی ہوئی۔ خوشی اس بات کی ہے کہ بانی مدرسہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے اخلاف رشید نے اس علمی کارخانہ کو اسی آب وتاب کے ساتھ قائم رکھا بلکہ ترقی دی۔ مولانا محمد شریف صاحب خلف الرشید حضرت مولانا مرحوم کی سیادت میں بھی مدرسہ بدستور ترقی پذیر ہے، **الحمد للہ ثم الحمد للہ۔** دُعا ہے کہ حق تعالیٰ اس صدقہ جاریہ کو قائم ودائم رکھے، آمین۔

محمد طیب

رئیس جامعہ دار العلوم دیوبند

۲۴-۵-۹۸ھ "

جامع مسجد خیر المدارس میں آپ ہی بروز جمعہ وعظ بیان فرماتے تھے۔ حضرت والاؒ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دور تمامیہ خدمت آپ ہی کے ذمہ تھی۔ نیز حضرت مولاناؒ جہاں اپنے والد ماجد کے لگائے ہوئے پودے (خیر المدارس) کی آبیاری فرماتے رہے ہیں، وہاں حضرت والاؒ کے اصلاح وتربیت کی نیابت کا حق بھی ادا فرماتے تھے۔ حضرت والاؒ کی حیاتِ طیبہ کے زمانہ کی طرح آپ کے بعد بھی حضرت مولاناؒ نے اپنے زیرنگرانی حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات پڑھوا کر سننے اور مجلس کرنے کا سلسلہ بھی باقی رکھا۔

اے خدا ایں سلسلہ قائم بدارا   فیض او جاری بود لیل ونہار[1]

---

[1] خدا کرے موجودہ مہتمم حضرت مولانا قاری حافظ مولوی محمد حنیف صاحب زید مجدہم بھی اس مفید سلسلہ کو اسی اہمیت کے ساتھ جاری رکھیں۔ جس اہمیت کے ساتھ ان کے والد ماجد اور خصوصاً دادا جان نور اللہ مرقدہ نے جاری رکھا (آمین ثم آمین) ان شاء اللہ بہت جلد اس کے مفید ثمرات سے مستفید ہوں گے۔ (ا۔آ)

حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

جائے ولادت:

حضرت والاؒ کے تیسرے فرزند مولانا عبدالحق صاحبؒ موضع عمر وال بلہ خورد (تحصیل نکودر ضلع جالندھر) میں پیدا ہوئے۔[1] آپ (اولادِ ذکور میں سے رضاعت میں فوت ہونے والے) فرزند چہارم انوارالحق مرحوم کے سوا سب سے چھوٹے فرزند تھے۔

تاریخ ولادت:

آپ کی تاریخ ولادت اور تاریخی ناموں کا تذکرہ حضرت والاؒ نے اس طرح فرمایا ہے: ''مورخہ ۲۲ صفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۱۹۲۲ء بروز شنبہ تیسرا لڑکا برخوردار عبدالحق سلمہٗ پیدا ہوا، جس کے تاریخی نام حسب ذیل ہیں: قاری نیاض الدین، محمد منظور احمد، غازی انوار اللہ، غازی عصمت پاشا۔

ابتدائی تعلیم اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے تبرکاً تلمذ کا شرف عظیم:

جیسا کہ باب ۱۳/ استفاضہ باطنی میں گزرا، ۱۹۳۸ء میں حضرت مجدد تھانویؒ نے جالندھر تشریف لانے کے موقع پر مولانا عبدالحق صاحبؒ کو تبرکاً پند نامہ شروع کرایا۔ اس[2] سے قبل وہ حفظ قرآن مجید اور اُردو دینیات کی کتابیں مکمل کرنے کے بعد فارسی کی ابتدائی کتب شروع کر رہے تھے۔

پھر[3] ۱۹۴۱ء میں حضرت والاؒ جب تھانہ بھون حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مولانا عبدالحق صاحبؒ بھی ہمراہ تھے۔ اس موقع پر ان کو اصول الشاشی کا آغاز حضرت تھانویؒ نے کرایا۔

نکاح اوّل:

حضرت مولانا مرحوم کا پہلا نکاح حضرت والاؒ کے برادرِ عزیز حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ یعنی مولانا عبدالحق صاحبؒ کے چچا کی وصیت کے مطابق ان کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا۔ اہلیہ اولیٰ کی تاریخ پیدائش ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۴۴ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۹۲۵ء بروز جمعہ ہے۔

وفات اہلیہ اولیٰ:

حضرت والاؒ نے ان کی وفات کا ذکر ''حوادث'' کے زیر عنوان اس طرح فرمایا ہے: ''مورخہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ

[1] ماخوذ من ''الخیر'' بابت رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ (مارچ ۱۹۹۴ء) [2] ماخوذ من ''الخیر'' بابت رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ (مارچ ۱۹۹۴ء)
[3] ماخوذ من ''الخیر'' بابت رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ (مارچ ۱۹۹۴ء)

مطابق ۸ دسمبر ۱۹۵۵ء بروز پنجشنبہ برخورداری.....فوت ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون۔"

عقد ثانی:

عقد ثانی کا حال حضرت والاؒ نے یادداشت کے پرچہ پر اس طرح تحریر فرمایا ہے: "عقد ثانی عبدالحق سلمہ با...... چک نمبر ۲۴۷ گ ب، مورخہ ۲۶ رجب ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۴ فروری ۱۹۵۷ء چہار شنبہ۔"

تحصیل علم اور سند حدیث:

حضرت والاؒ کی "نقش حیات" کے مطابق "مدرسہ خیر المدارس ملتان میں جن علماء نے حدیث پڑھی اور سند لی" کے زیرعنوان فہرست میں دوسرا ہی نام مولانا عبدالحق صاحبؒ کا ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے: "مولوی حافظ عبدالحق سلمہ جالندھری ملتان" اور "الخیر" میں ہے: "مولانا حافظ عبدالحقؒ جامعہ خیر المدارس کے اوّلین فضلاء میں سے تھے۔ ۱۳۶۵ھ (۱۹۴۶ء) میں جامعہ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔" اس کے بعد والے صفحہ پر ہے:

"۱۹۴۶ء میں جب آپؒ دورۂ حدیث میں پہنچے تو اس موقع پر مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس سرہٗ تشریف لائے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپؒ کو بخاری شریف اور ترمذی شریف کی پہلی احادیث حضرت قاری صاحبؒ ہی سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ باقی درسی کتب جالندھر میں پڑھ کر صرف حدیث ملتان آ کر پڑھی۔ اور سند بھی ملتان ہی آ کر لی۔ کیونکہ ۱۹۴۷ء میں حضرت والاؒ نے مع اہل وعیال ہجرت فرمائی تو دورۂ حدیث ملتان آ کر ہی پورا ہوا۔

تدریسی زندگی کے آغاز سے نیابت اہتمام تک:

"ملتان[1] میں 'خیر المدارس' کی نشأۃِ ثانیہ کے بعد ۱۹۴۸ء میں درجہ قرآن کے مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۱ء میں آپ کو محکمہ بحالیات حکومت پنجاب نے مہاجر طلباء کا انچارج و اُستاذ مقرر کردیا۔ چنانچہ ۱۹۶۲ء تک آپ سرکاری طور پر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں جامعہ میں اُستاذ عربی کے طور پر تقرر ہوا۔ اور ناظم دفتر، خازن، خطیب جامعہ خیر المدارس اور ناظم کتب خانہ کے مناصب پر کام کرنے کے بعد نیابت اہتمام کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ جامعہ خیر المدارس کے نائب مہتمم ہونے کے باوصف مولانا کی مسکنت وتواضع میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ بلکہ بقول شیخ سعدیؒ

ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمین"

شباہت، طبیعت اور بیعت:

جسمانی اعتبار سے حضرت والاؒ کی شباہت پائی جاتی تھی۔ طبیعت خاموشی پسند اور مرنجاں مرنج تھی۔ مخدومنا

[1] الخیر۔ بابت رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ (مارچ ۱۹۹۳ء)

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ سے ملتان میں بیعت ہوئے تھے۔[۱]

بعض تلامذہ:

جامعہ خیرالمدارس کے موجودہ اساتذہ میں سے حضرت مولانا شیر محمد صاحب (اُستاذ حدیث)، مولانا عبدالشکور صاحب، مولانا خدا بخش صاحب، مولانا عبداللہ صاحب، قاری محمد اسحٰق صاحب اور حافظ محبوب احمد صاحب آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔[۲]

لقائے بزرگانِ دین:

ان[۳] میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہؒ مفتیٔ اعظم ہند، عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری اور شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانیؒ خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔

سفرِ آخرت:

۶ شعبان ۱۴۱۴ھ[۴] بروز چہارشنبہ بعد نماز مغرب سینے میں تکلیف محسوس ہوئی۔ ڈاکٹر محسن رضا صاحب (رکن مجلس شوریٰ خیرالمدارس) کے مشورہ سے حضرت مولانا صدیق صاحب مدظلہ کی معیت میں نشتر ہسپتال لے جایا گیا۔ لیکن آخرکار ۷ شعبان ۱۴۱۴ھ بروز پنجشنبہ صبح ساڑھے آٹھ بجے وقت موعود آ پہنچا۔ انتقال کی خبر پورے شہر میں پھیل گئی۔ نماز عشاء کے بعد جامعہ خیرالمدارس میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ وفات کے بعد چہرے پر سکون اور نورانیت محسوس کی گئی۔ باوجود تعطیلات کے تقریباً تمام اساتذہ نماز جنازہ میں شریک تھے۔ شہر سے بھی بہت بڑا مجمع شریک جنازہ ہوا۔ حضرت والاؒ کے پہلو میں دارالحدیث کے عقب میں سپرد خاک کیا گیا۔ اللھم اغفرلہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ وارحمہ رحمۃ واسعۃ (آمین)

---

۱ احقر نے یہ خود مولانا مرحوم سے مسجد نبوی شریف میں تحقیق کیا تھا۔ جب وہ ۱۴۱۳ھ میں آخری بار حج کیلئے تشریف لائے تھے۔ (آ)

۲ ماخوذ من الخیر۔ ۳ ماخوذ من الخیر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

۴ ماخوذ من الخیر رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ

فرزند چہارم......انوار الحق مرحوم

حضرت والاؒ کی اہلیہ اولیٰ مرحومہ سے چوتھے فرزند انوار الحق پیدا ہوئے، جن کا تذکرہ حضرت والاؒ نے ’’نقش حیات‘‘ میں اس طرح فرمایا ہے: ’’بندہ کا چوتھا بیٹا انوار الحق ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ مطابق ۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو پیدا ہوا۔ اور مورخہ ۱۱ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۲۸ء کو فوت ہوا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔‘‘

یعنی چوتھے صاحبزادہ کی عمر قمری سال کے حساب سے صرف ایک سال اٹھائیس یوم ہوئی اور شمسی حساب سے صرف ایک سال سولہ یوم۔

پہلی صاحبزادی مرحومہ:

اہلیہ اولیٰ مرحومہ ہی سے پہلی صاحبزادی ہوئیں، جن کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے: ’’میری پہلی لڑکی عائشہ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئی۔ پھر ۲۰ صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۵/ اکتوبر ۱۹۲۱ء (۸ ماہ عمر) میں فوت ہوکر منڈی صادق گنج ہی میں دفن ہوئی۔‘‘

اس سے معلوم ہوا کہ صاحبزادی اولاد میں تیسری تھیں اور مولانا عبدالحق صاحبؒ ان سے مؤخر ہیں اور فرزند چہارم ان سب میں چھوٹے تھے اور وہ اولاد میں پانچویں تھے۔

(تمّ الباب)

باب بستم (۲۰)

اخلاق وعادات

(خیر الشمائل والخصال)

جیسا کہ حضرت والاؒ کے استفاضہ باطنی پر قلم اُٹھانا ہی احقر جیسے عاجز کے لئے نہایت دشوار تھا اور اس کا حق تو کیا ادا ہوسکتا تھا۔ اسی طرح حضرت والاؒ کے اخلاق وصفات فاضلہ کے بارے میں کچھ احاطہ تحریر میں لانا دُشوار ہے۔ اور احقر اپنے آپ کو اس بارے میں بالکل عاجز پاتا ہے اور عاجزی کا مقر ہے۔ تاہم ما لا یدرک کلہٗ لا یترک کلہٗ. خلق تو صفت باطنی ہے۔ لیکن اس کے آثار میں سے جو کچھ معلومات حاصل ہوسکیں، محفوظ رہ سکیں اور وقت پر یاد آ گئیں، انہیں کے ذکر پر اکتفاء کرنا پڑتا ہے۔

صاحبِ اخلاق فاضلہ کا درجہ قائم اللیل وصائم النہار کی طرح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے اخلاق بہت عالی اور وسیع ہوتے ہیں۔ کامل ترین اخلاق سے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متصف ہوتے ہیں۔ پھر ان میں درجہ بدرجہ اعلیٰ سے اعلیٰ صفات کمال سے مزین ومحلی ہوتے ہیں۔ امام الانبیاء والمرسلین، سید الاولین والآخرین پر تو تمام کمالات، جمیع صفات فاضلہ واخلاق کاملہ منتہی ہوتے ہیں جو کسی مخلوق میں ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، اور آپ سید الاشراف وسید السادات اور سید الاکملین ہیں، جن کی شان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (سورۃ القلم) ’’اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں‘‘ (بیان القرآن)

اب اصولی اور اجمالی طور پر حضرت والاؒ کے اخلاق فاضلہ اور صفاتِ کاملہ کو سمجھنا اس طرح آسان ہوگا کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ عالیہ میں سے تو کسی کو کچھ حصہ ملنے کی حرص ہونا فضول ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے کسی بزرگ کا قول نقل فرمایا ہے کہ انہوں نے رسول کا ترجمہ کیا ہے: ’’خیر خواہ دشمناں‘‘ سبحان اللہ! جو دشمنوں کا خیر خواہ ہو اس کے اخلاق کا کیا کوئی اندازہ کرسکتا ہے ؎

دوستاں را کجا کنی محروم　　　تو کہ با دُشمناں نظر داری

البتہ کتاب وسنت کی تعلیمات سے خصوصاً ہمارے اکابر نے ایک عظیم اصول کو مضبوط پکڑ لیا ہے۔ سو وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں، جو آپ کی نقل کرے گا اور اتباع سنت کرے گا وہ بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا محبوب

ہوجائے گا۔ اب یہ دعوتِ عام ہے۔ جو چاہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بن جائے اور رضاء الٰہی حاصل کرے۔ اتباعِ سنت وہ اصول ہے جو وصول الی اللہ اور ولایت کا مختصر ترین اور سہل راستہ ہے۔ چلنا شرط ہے۔

ہمارے حضرت والاؒ کو اللہ تعالیٰ نے اتباعِ سنت کے ذوق سے حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اس کی برکت سے کہاں سے کہاں تک پہنچ گئے۔ اس کا ہم عاجزوں کو کیا اندازہ ہوسکتا ہے۔

اُمید ہے کہ ان سے حضرت والاؒ کے اخلاقِ فاضلہ کی بھی کچھ وضاحت ہوسکے گی۔ قبل اس کے کہ مختلف اخلاقِ فاضلہ کے عنوانات کے تحت جو کچھ میسر ہے وہ درج کیا جائے، بعض اوقات مختلف اوصاف وکمالات پر مشتمل ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

حضرت مولانا فضل محمد صاحب مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیروالی تحریر فرماتے ہیں: ''حسنِ سیرت کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے حضرت کو حسنِ صورت سے بھی نوازا تھا۔ نورانی چہرہ، ستواں ناک، کشادہ آنکھیں، گفتگو کرتے وقت منہ سے پھول جھڑتے۔ لہجہ میں متانت، زبان میں فصاحت، گفتگو میں طاقت، چہرے میں ملاحت، آنکھوں میں تبسم و مسکراہٹ، طبیعت میں مروّت وشرافت، غرضیکہ حضرت بے شمار اوصاف وکمالات اور امتیازات واختصاصات کے مالک تھے، جن کا شمار احقر کے حیطہ امکان سے باہر ہے۔''

اب بطورِ نمونہ حضرت والاؒ کے بعض اخلاقِ فاضلہ میں سے جو سمجھ میں آئے یا ان کو ظاہر کرنے والے بعض واقعات کا تذکرہ جو با آسانی میسر ہوئے مختلف عنوانات کے تحت کیا جاتا ہے۔ البتہ ان واقعات کے تذکرہ سے قبل تمہیداً عرض ہے کہ مجرد واقعات جو حضرت والاؒ نے خود ہی ''نقش حیات خیر محمد'' میں تحریر فرمادیئے، ان سے بعض کمالات جھلکنے کی وجہ سے خود بخود علم ہوجائے تو اور بات ہے، ورنہ حضرت والاؒ کی تواضع، فنا اور عبدیت کی وجہ سے اظہار تو کیا ظہور بھی اصحاب بصیرت باطنی پر ہی کچھ ہوسکتا ہوتو ہو، ورنہ حضرت والاؒ کے باطنی کمالات زیادہ تر مستور ہی رہے، سوائے اس کے کہ جو دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتزکیہ نفوس کا افادہ وافاضہ فرمانے سے اُمتِ مسلمہ کو دینی فائدہ پہنچا۔ اس سے البتہ بعض کمالات کا کچھ اندازہ ہوسکتا ہے، اور کچھ اندازہ درج ذیل بعض واقعات سے ہوسکتا ہے:

تواضع اور فنائیت وعبدیت:

رذائل نفس میں سے کبر اُم الامراض ہے۔ اسی طرح اس کی ضد تواضع فضائل میں سے نہایت ممتاز فضیلت وخوبی کی بات ہے۔ بندہ کا کام ہی بندگی وسرافگندگی ہے۔ سلوک اور اصلاحِ نفس میں فناء ہی پہلا قدم ہے اور فناء ہی آخری قدم ہے۔ ابتداء بھی فناء سے ہوتی ہے اور انتہاء بھی یہی ہے کہ فنا حاصل ہوکر وہ بھی فنا ہوجائے، یعنی اپنے فانی ہونے کی طرف التفات بھی نہ رہے۔ یہی فناء الفناء ہے۔ (اللہ ہمیں بھی اس کا کچھ حصہ نصیب فرمائے، آمین ثم آمین) اور جو شخص یہ سمجھے کہ وہ

کچھ ہوگیا ہے، اسے ابھی تک کچھ حاصل نہیں ہوا۔ خواجہ صاحبؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

سمجھے جو خود کو منتہی وہ ابھی مبتدی نہیں

اور کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے　　　حاصل خواجہ بجز پندار نیست

یہاں پر حضرت والاؒ کی صفت فنائیت وعبدیت کا تذکرہ مقصود ہے، جو احقر کی نظر میں حضرت والاؒ کی خصوصی شان تھی۔ الحمد للہ سبحانہٗ وبفضلہٖ تعالیٰ ہمارے حضرت والاؒ میں (جہاں تک ہم مسکینوں کی سمجھ میں آتا ہے) فنائیت وعبدیت کے درجات ہماری نظر اور سمجھ سے آگے ہی تھے۔ جو شخص اپنے آپ کو اتنا مٹائے کہ بظاہر اس میں اور ایک عامی میں کوئی فرق نظر نہ آئے، اس کی تواضع اور فنائیت وعبدیت کا پورا ظہور کیسے ہو۔ اظہار تو وہاں ہے ہی نہیں۔ لیکن بعض واقعات سے حقیقت کا کچھ ظہور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہاں مثال کے طور پر چند واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱)　احقر مؤلف جب خیر المدارس ملتان میں ٹھہرا ہوا تھا تو کئی بار حضرت والاؒ کو دیکھا کہ اپنے کسی مہمان کے لئے جو عموماً آپ کے خدام ہی میں سے ہوتا تھا، گھر سے کھانے یا چائے کی ٹرے سب کے سامنے اُٹھا کر لاتے ہوئے مدرسہ کے صحن میں چارپائی وغیرہ تک جہاں مہمان موجود ہوتے یا سابقہ دار الاہتمام تک پہنچتے۔ یہ فنائیت اور اکرام ضیف حضرت والاؒ کی طبیعت ثانیہ بن چکا تھا، جس میں کوئی غیر معمولی بات محسوس ہی نہ فرماتے تھے۔

(۲)　جیکب لائن کراچی میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے مکان پر جہاں علماء کرام کا اجتماع تھا (غالباً بسلسلہ مسائی دستور اسلامی) تو حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کوئی چیز شاید کتاب وغیرہ اوپر کسی الماری وغیرہ میں سے اُٹھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت والاؒ جو قریب ہی موجود تھے ان کے پاؤں (پنڈلیاں) دبانے لگے۔ یہ خود احقر مؤلف کا مشاہدہ ہے۔ اور حضرت والاؒ کی انتہائی بے نفسی، تواضع اور فنائیت کی دلیل ہے۔

(۳)　اب ایک واقعہ "الخیر" شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ سے نقل کیا جاتا ہے:

"کمالِ تواضع:

حضرتؒ میں غایت درجہ تواضع و بے نفسی پائی جاتی تھی جو اہل اللہ کی علامت اور اصحابِ معرفت کا امتیاز خاص ہے۔ ایک دفعہ علامہ مولانا سید سلیمان ندویؒ جامعہ کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے، برآمدہ میں چارپائی پر آرام فرماتے۔ حضرت قدس سرہٗ سب کے سامنے سید صاحبؒ کے پاؤں دباتے رہے۔ یہ خدام کو ادب وتواضع اور اکرام ضیف کا عملی درس تھا۔"

(۵)　ایک اور واقعہ ان سے بھی بڑھ کر ہے، جس کو اُستاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب مدظلہٗ (تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحبؒ) نے روایت کیا۔ احقر نے یہ روایت لکھ کر ان کو سنادی اور بقدر یسیر انہوں نے اس کی

اصلاح بھی فرمادی۔ واقعہ یہ ہے:

ایک بار حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہٗ ملتان تشریف لائے ہوئے تھے۔ حضرت والاؒ کی دعوت پر خیر المدارس بھی تشریف لائے۔ جب حضرت مولانا اسعد صاحب جوتا اُتار کر دارالحدیث میں داخل ہونے لگے تو حضرت اقدسؒ نے ازراہ تواضع واکرام ضیف جناب موصوف کا جوتا خود اپنے دست مبارک سے اُٹھایا اور پھر حضرت والاؒ ہی نے وہ جوتے دوسرے دروازہ کے باہر رکھ دیئے جہاں سے باہر نکلنا تھا۔ اس کا ہم سب حاضرین نے مشاہدہ کیا، جس میں قطعاً کسی تکلف کا شائبہ بھی نہ تھا۔ مولانا قاری طاہر صاحب فرماتے ہیں کہ وہ حضرت والاؒ کے تلامذہ کے درجہ کے تھے۔ پھر بھی حضرت والاؒ نے ان کے جوتے اُٹھائے۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس کی مثال اس زمانہ میں ڈھونڈنے سے بھی ملنا مشکل ہے۔ البتہ اکابر دیوبند و تھانہ بھون میں ایسی مثالیں مل سکتی ہیں۔ چنانچہ اس پر امام ربانی حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کا ایک واقعہ یاد آیا (جو غالباً حضرت مجدد تھانوی کے ملفوظات میں مذکور ہوگا یا شاید ارواحِ ثلاثہ میں ہو) یہاں اس کا خلاصہ عرض ہے:

حضرت گنگوہیؒ شاید مسجد یا مکان کے صحن میں درسِ حدیث میں مشغول تھے۔ درس کے دوران بارش آ گئی تو طلباء اپنی اپنی کتابیں لے کر دوڑے کہ اندر حجرہ وغیرہ میں جائیں اور درس جاری رہے۔ طلباء تو کتابیں اُٹھا کر لے جانے میں مشغول تھے اور حضرت گنگوہیؒ نے طلباء کے جوتے جمع فرمائے اور اندر لے گئے تاکہ بھیگ نہ جائیں۔ اللہ اللہ! یہ فنائیت! یہ عبدیت! پھر یہ حضرات صادقین میں سے تھے۔ وہاں تکلف کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ نہ حضرت والاؒ کو یہ خیال بھی گزرا ہوگا کہ ان کی عبدیت نے دیکھنے والوں کو کیسا اثر پادیا۔

(اور حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ کرام جو اس زمانہ کے طلباء تھے ان میں کاملین بھی تو کیسے کیسے ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ۔ ان اکابر کے جوتے پہلے ہی ہمارے سروں پر رکھنے کے لائق تھے۔ امام ربانی کے اُٹھانے سے تو وہ اور بھی زیادہ متبرک ہوگئے)

اب "الخیر" کے اسی شمارہ سے حضرت والاؒ کی تواضع اور بے نفسی کے دو مزید واقعات درج کئے جاتے ہیں:

(۵) تواضع:

"خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے دنوں میں جیسے باقی اساتذہ کی درس گاہیں مدعوین علماء کرام کے لئے خالی کردی جاتی ہیں، حضرت والاؒ بھی دارالاہتمام خالی فرمادیتے، نہ اپنے لئے کوئی خاص کمرہ متعین فرماتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ رات کو تمام مہمانوں کے راحت وآرام سے مطمئن ہوکر خدام سے دریافت فرماتے کہ "کوئی لیٹنے کی جگہ ہے۔" آپؒ کے معمول سے واقف ہونے کی وجہ سے خدام اکثر اہتمام کرتے کہ آپ کے لئے کوئی کمرہ خالی رہے۔ ایک دفعہ حسب معمول مولانا محمد صدیق صاحب سے پوچھا "کوئی جگہ ہے؟" انہوں نے عرض کیا: "کوئی جگہ خالی نہیں، تمام

کمروں میں مہمان آرام فرما ہیں۔'' رضا کاروں کے کمرے میں ایک کونے میں کچھ جگہ تھی۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا: ''یہ بھی تو جگہ ہی ہے۔'' چنانچہ وہیں لیٹ گئے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد اُٹھ کر ذکر میں مشغول ہو گئے اور صبح تک ذکر کرتے رہے۔''

(۶) بے نفسی:

''اسی انتخابی فضا میں ہندوستان سے حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ تشریف لائے۔ جمعیت علماء اسلام کی طرف سے جلسہ کا اہتمام کیا گیا۔ غالباً حضرت والاؒ کے مرکزی جمعیت کے اکابر سے محبانہ اور مشفقانہ تعلقات کی وجہ سے جلسہ میں شرکت کی دعوت نہ دی گئی۔ مگر جب آپؒ کو جلسہ کا علم ہوا تو خود تشریف لے گئے اور یہی آپ کی تواضع اور بے نفسی کی شایانِ شان تھا۔ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ ونور مرقدہٗ.''

(۷) تواضع، ایثار اور شفقت:

تواضع، ایثار اور شفقت پر مشتمل ایک اور واقعہ حضرت والاؒ کے ساتھ اس خادم (احقر مؤلف) کے سفر کا یاد آیا۔ غالباً وہاڑی یا بورے والا کے کسی مدرسہ میں بذریعہ بس تشریف لے گئے تھے۔ واپسی کے وقت بس میں سیٹوں سے مسافر زائد تھے۔ حضرت والاؒ نے پہلے اس خادم کو ایک سیٹ پر بٹھا دیا اور آگے دو سیٹوں کے درمیان ایک لکڑی کا تختہ لگا ہوا تھا، خود اس پر تشریف فرما ہوئے۔ خادم نے درخواست کی کہ حضرت سیٹ پر تشریف رکھیں۔ تو ذرا تیزی سے فرمادیا کہ نہیں تم بیٹھے رہو۔ امتثالاً للامر خاموش رہا۔ لیکن یہ کیسے گوارا ہوتا۔ خادم نے تھوڑی دیر بعد پھر عرض کیا۔ پھر قدرے سخت لہجہ سے بیٹھے رہنے کا اُمر فرمایا۔ تیسری یا چوتھی بار اور بھی سختی سے حکم فرمایا۔ بہر حال اب تو چارہ ہی نہ تھا۔ تو یہ اپنے نفس کو پامال کرنا، خدام کو راحت پہنچانا اور خود تکلیف اُٹھانا۔ تواضع، ایثار اور شفقت کے کن کن اوصافِ حمیدہ کو جمع فرمایا۔

کمال انکسار اور تواضع:

(۸) ''الخیر'' کے مذکورہ شمارہ ہی میں ہے: ''آپ نسبت اشرفیہ کے ایک بلند پایہ شیخ تھے۔ مگر ایک دفعہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوریؒ خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتؒ کی موجودگی میں طلباء سے خطاب کرتے ہوئے جوش میں فرمایا: ''حضرتؒ (حکیم الامت تھانویؒ) کے اقوال سننے ہیں تو ہم سے سُن لو اور افعال و عمل دیکھنا ہے تو مولانا عبدالرحمٰن صاحب کو دیکھو لو۔''

یہ الفاظ حضرتؒ کے کمال انکسار اور تواضع کو ظاہر کر رہے ہیں۔

اب حضرت سید قمرالدین احمد صاحب قریشی مدظلہ العالی کے تحریر فرمودہ واقعات ملتان سنٹرل جیل کے پیشِ خدمت ہیں۔ ان سے حضرت والاؒ کے جن اوصاف پر روشنی پڑتی ہے، وہ عنوانات میں مذکور ہیں:

(۱) غیرت دینی اور حاضر جوابی (دندان شکن جواب):

''حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیمبل پوری اُستاذ الحدیث خیرالمدارس بروز اتوار چھٹی کے دن نیو سنٹرل جیل ملتان میں تشریف لے جاتے اور قیدیوں کو جیل کی ایک بیرک میں اکٹھا کر کے پھر وہاں پر اصلاحی وعظ ہوتا۔ شعبان و رمضان مدرسہ میں چھٹیوں کے دن تھے۔ مولانا اپنے گھر چلے گئے۔ حضرت والاؒ نیو سنٹرل جیل تشریف لائے۔ جیل میں تمام سپاہیوں، گارڈز (کانسٹیبلوں) کا بڑا آفیسر انچارج چیف ہیڈ وارڈر ہوتا ہے، جس کے پاس تمام قیدیوں، گارڈ اور جیل کا چارج ہوتا ہے۔ (اس دوران میں جیل میں کھیلوں وغیرہ کے لئے آئے دن قیدیوں کو باجے، ڈھول وغیرہ کے ساتھ اکٹھا کر کے ایک بیرک میں جمع کر کے کشتیاں، کھیلیں وغیرہ بھی ہوا کرتی تھیں) تو اس چیف ہیڈ وارڈر نے حضرت والاؒ کو مزاحاً کہا کہ ''مولانا! آپ ڈگڈگی بھی ساتھ لے آیا کریں کہ قیدی اکٹھے ہو جایا کریں۔'' حضرت والاؒ نے فوراً جواب ارشاد فرمایا کہ ''آپ پھر گھگری پہن کرنا چیں گے۔''

اس پر سکتہ طاری ہوا اور چپ سا اپنا منہ لے کر رہ گیا۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت والاؒ نے عجیب وغریب اور فی الفور جواب عنایت فرمایا۔''

(احقر مؤلف اس پر عرض کرتا ہے کہ جب کبھی کوئی متکبر بڑا افسر اپنے عہدہ کے گھمنڈ میں اہلِ دین اور علماء حضرات سے بدتمیزی اور تمسخر کرے (اور اگر مناسب جواب سمجھ میں آ جائے) تو اس کو ایسا ہی منہ توڑ جواب دینا چاہئے، تا کہ ان خر دماغوں کو معلوم ہو جائے کہ علماء میں بھی اسپ دماغ ہیں۔ (آ ا)

(۲) فہم سلیم، فراست صادقہ:

''تحریک ختم نبوت کے دوران حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جیسے بڑے بڑے اکابر جیل (نیو سنٹرل جیل ملتان) میں آ گئے۔ میں نے اس خوشی میں کہ بزرگوں کی خدمت کا موقع ملا ہے، اپنی ملازمت جیل کو غنیمت سمجھ کر حاضری دینا شروع کر دی اور مختلف خدمتیں کرتا۔ حضرت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے میری معرفت پیغام بھیجا (حضرت والاؒ کی خدمت میں) کہ انہیں میری طرف سے عرض کر دیں کہ ''اب آپ کا وقت نہیں کہ آپ باہر رہیں۔ بلکہ گرفتاری دے کر جیل میں آ جاویں۔'' چونکہ اس وقت لوگ گرفتاری دے کر روز بروز جلوس نکلتے تھے اور لوگ حضرات علماء کرام جیلوں میں جا رہے تھے۔ حضرت والاؒ نے اس بات کا جواب تو یہ دیا کہ ''میرا بستر بندھا پڑا ہے۔ جب کوئی مجھے لینے آوے گا تو میں فوراً ساتھ ہو جاؤں گا۔''

اور مجھے بڑے رازداری کے انداز میں خلوت میں یہ بات سمجھائی کہ ''تمہاری ملازمت کا معاملہ ہے، اپنے آپ کو بچا کر رکھنا۔''

اس وقت یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کہ حضرت والاؒ مجھے کیوں روک رہے ہیں۔لیکن ''قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید'' مجھے تو اس سے بھی زیادہ یقین تھا کہ حضرت والاؒ کا فرمان یقیناً میرے لئے نافع دارین ہے۔ خیر میں خدمت تو ان حضرات کی کرتا رہا لیکن اپنے آپ کو بچا کر بہت ہی محتاط طریقہ سے۔

بعد میں بہت سے میرے ملازم بھائی بلکہ آفیسر جیل، جنہوں نے اس تحریک کے دوران سیاسی قیدیوں اور تحریک ختم نبوت والوں سے میل جول رکھا، معطل ہوئے۔ محکمانہ طور پر قسم قسم کی سزائیں پائیں، بعض کی تنزلی ہوئی، بعض غالباً ڈسچارج بھی ہوئے۔ محکمانہ طور پر انہیں چارج شیٹیں ملیں اور مصیبتوں میں پھنسے۔ پھر اس ناکارہ کی آنکھیں کھلیں کہ حضرت والاؒ نے کیوں منع فرمایا تھا۔ اصل میں اس وقت انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات ایک مرزائی تھا۔ جس اہل کار کا تعلق ان سیاسی قیدیوں سے اسے معلوم ہوا بعد تحریک کے اس نے سزائیں دیں اور انہیں پریشان کیا۔''

اب اس کے بعد حضرت والاؒ کے اخلاق و عادات مبارکہ کے بارے میں حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہٗ اُستاذ جامعہ خیر المدارس نے جو تحریر فرمایا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ حفظ حدود:

''ہر معاملے میں حفظ حدود آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔''

۲۔ دِل شکنی سے احتراز:

(یہ واقعہ قدرے مفصل ''الخیر'' میں بعنوان ''بلند ظرفی کی عجیب مثال'' مذکور ہے۔ یہاں حضرت مولانا نے اس کو بقدر ضرورت اور مختصر بیان فرمادیا ہے)

''حضرت والاؒ بورے والا تشریف لے گئے۔ ایک مخلص نے ناشتہ کی دعوت کی۔ اس کے گھر والوں نے حلوہ تیار کیا، مغالطے سے چینی کی جگہ نمک ڈال دیا۔ حضرت والاؒ نے رغبت سے کھایا۔ کچھ بچ رہا تو میزبان نے کھایا، تو ایک چمچ بھی نہ کھایا گیا۔ لیکن حضرتؒ نے ایک لفظ بھی سخت نہ کہا۔ اس نے بعد میں معذرت چاہی۔''

۳۔ ''سفر میں نماز باجماعت:

اس کا اس قدر اہتمام رہتا کہ قطب نما، لوٹا، مصلیٰ ساتھ رکھتے اور چلتی گاڑی میں نماز باجماعت پڑھتے۔ اکثر بندہ راقم امام بنتا۔ حتیٰ کہ تراویح بھی گاڑی میں پڑھی جاتی اور کئی پارے سنتے۔''

۴۔ استغناء، سیر چشمی، تقویٰ، طہارت:

اس واقعہ کو مولانا منظور احمد صاحب نے اس عنوان سے تحریر فرمایا ہے: ''مال غیر سے پرہیز۔''

''حضرتؒ کے ایک مخلص مجاز حضرتؒ کے لئے ایک ڈبہ میں دیسی گھی ہدیۃً لے آئے۔ کمرہ میں رکھا، لیکن حضرتؒ کو یہ کہنا بھول گئے کہ یہ آپ کے لئے ہے۔ بہت دنوں بعد حضرتؒ نے ان کو لکھا کہ آپ کا ڈبہ یہاں پڑا ہے، جو کہ آپ بھول گئے۔ تب انہوں نے معذرت کی کہ حضرت یہ تو آپ کے لئے بطور ہدیہ لایا تھا، مگر بتانا بھول گیا۔''

۵۔ ''نسبت تھانہ بھون کا احترام:

حضرتؒ کی اہلیہ کی وفات ہوئی۔ اس دن قدرتی طور پر حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا احتشام الحق مرحوم بھی موجود تھے۔ مگر نماز جنازہ حضرتؒ نے مولانا تھانویؒ سے پڑھوائی۔ انہوں نے قدرے معذرت بھی کی کہ سید صاحب موجود ہیں۔ فرمایا کہ ٹھیک ہے، مگر آپ کی نسبت میرے شیخ کی نسبت ہے، یعنی تھانوی۔ اس لئے جنازہ آپ پڑھائیں۔''

''الخیر'' کے اسی مذکورہ شمارہ سے تین واقعات اور ایک تبصرہ جن میں حضرت والاؒ کے بعض اوصاف مذکور ہیں، درج ذیل کیا جاتا ہے:

(ا) ''اکرام ضیف:

مَنْ كَانَ يؤمِنُ بِاللّٰهِ واليومِ الأخرِ فليكرم ضيفه ارشاد نبویؐ ہے۔ حضرت والاؒ اس پر مکمل عامل تھے۔ مہمان کی مدارات اور ہر طرح سے اس کی راحت کا خیال خصوصی مذاق تھا۔ سالانہ جلسوں پر مہمانوں کے اکرام پر خاص توجہ فرماتے۔ اگرچہ اساتذہ کی نگرانی میں خدام طلباء ہر ایک مہمان کی خدمت پر متعین ہوتے، مگر آپؒ اس کام کو صرف خدام پر نہ چھوڑتے، ذمہ داریاں تقسیم کرنے کے باوجود ہر مہمان کے پاس خود تشریف لے جاتے اور ضرورت وراحت کے انتظام کی تسلی فرماتے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ تہجد کے بعد نمازِ فجر سے قبل چائے پینے کے عادی تھے۔ موصوف صاحب جلسہ پر تشریف لاتے تو حضرت والاؒ اس خیال سے کہ دن رات دوڑ دھوپ کرنے والے تھکے ماندے رضا کاروں کے لئے ایسے وقت میں چائے کا اہتمام مشکل ہو جائے گا، خود دولت کدہ سے تہجد کے وقت چائے بنوا کر لاتے اور مولانا کاندھلویؒ کو پیش فرماتے۔

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہٗ کو ایک دفعہ حضرت والاؒ کی اس مشقت کا علم ہوا تو عرض کیا:

''حضرت! ہم خدام کے ذمہ لگا دیں، اس خدمت کو ہم سرانجام دیں گے۔ حضرت والاؒ نے اعتماد فرمایا اور یہ خدمت مولانا کے سپرد کر دی۔ لیکن اس نظم کے باوجود بھی بے فکر نہیں ہوئے بلکہ مولانا کاندھلویؒ کی آمد پر نماز فجر سے قبل ان کے کمرے میں تشریف لے جا کر معلوم فرماتے کہ چائے پہنچی ہے یا نہیں؟ ایک دفعہ عجیب لطیفہ ہوا۔ حضرت والاؒ حسب معمول تشریف لائے۔ مولانا کاندھلویؒ اور مولانا شمس الحق افغانیؒ کے کمرے ساتھ ساتھ تھے۔ آپ حضرت مولانا افغانیؒ کے

کمرے میں کھڑے تھے کہ حضرت مولانا کاندھلویؒ کا خادم نظر آیا۔ پوچھا "چائے پلادی۔" اس نے عرض کیا ابھی لاتا ہوں۔ حضرت یہ فرما کر کہیں اور تشریف لے گئے۔ خادم نے غلطی سے چائے لاکر مولانا افغانیؒ کی خدمت میں پیش کردی۔ وہ سمجھے میرے لئے آئی ہے، نوش فرمالی۔ حضرت والاؒ تھوڑی دیر کے بعد مولانا کاندھلویؒ کے کمرے میں تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا: "چائے پی لی۔" انہوں نے کہا "پہنچی ہی نہیں۔" فوراً مولانا محمد صدیق صاحب کی جواب طلبی ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا آدھ گھنٹہ گزر چکا ہے۔ خادم چائے لے گیا ہے۔ اب تو مطبخ میں دودھ بھی نہیں۔ حضرتؒ معاملہ سمجھ گئے۔ ان سے فرمایا تم قہوہ بنا کر لاؤ۔ میں گھر سے دودھ لاتا ہوں۔ چنانچہ گھر سے بنفسِ نفیس دودھ اُٹھا کر لائے اور مولانا کاندھلویؒ کو حسبِ معمول نمازِ فجر سے قبل چائے پلادی۔"

۲۔ "رعایتِ حقوق:

انہی دنوں میں مرکزی جمعیت کے اکابر (جن کی اکثریت حضرت حکیم الامتؒ کے متوسلین کی تھی) نے ملتان میں جلسے کا نظم طے کیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ جلسہ احاطہ خیر المدارس میں ہو۔ حضرت والاؒ بعض مصالح کے پیشِ نظر اسے مناسب نہ سمجھتے تھے۔ اس لئے جلسہ کی اجازت تو نہ دی، البتہ یہ فرمایا کہ جلسہ کے دن ہم آپ کی مہمانی کردیں گے۔ جو حضرات علماء باہر سے تشریف لائیں وہ ماحضر ہمارے پاس تناول فرمائیں۔ یوں حضرت والاؒ نے فریقین کی رعایت فرمادی اور طبقہ علماء میں کسی کو ناراض بھی نہ فرمایا۔"

۳۔ "فراستِ مومنانہ:

اُستاذ القراء حضرت قاری رحیم بخش قدس سرہٗ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ ابتداء میں آپ درسِ نظامی کی کتابیں پڑھانا چاہتے تھے۔ اتفاق سے جس سال آپ نے کچھ بچوں کو صرف ونحو پڑھائی، اسی سال حفظ کا نتیجہ کمزور آیا۔ حضرت والاؒ نے بلا کر صرف تحفیظ وتجوید قرآن کا کام آپ کے سپرد کیا۔ حضرت قاری صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سوچا کہ بچوں کو قرآن پاک یاد کروا کر کون اُستاد میرے پاس تجوید کے لئے بھیجے گا؟ لیکن ایک وقت آیا کہ تصحیح کے لئے اتنے حفاظ آنے لگے کہ داخلہ کے لئے قرعہ اندازی کرنا پڑتی۔

یہ حضرت والاؒ کی دوراندیشی، مزاج شناسی اور فراست تھی کہ ہر شخص کی صلاحیت و مذاق کا صحیح اندازہ فرماتے تھے۔"

جامعیت:

الغرض حضرت والاؒ بے شمار فضائل اخلاق کے جامع تھے، جن میں سے بعض کا ذکر "الخیر" میں بطور خلاصہ اس طرح کیا گیا ہے: "حضرت والاؒ علومِ نبوت کے وارث و امین اور اخلاقِ نبوت کا آئینہ تھے۔ ارشاد و ہدایت، خلوص ولِلّٰہیت، تقویٰ و طہارت، تدبر و فراست، اعتدال و استقامت، زُہد و قناعت جیسے اَن گنت محاسن و محامد کی تصویر تھے۔"

اب چند ایسے واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے حضرت والاؒ کے بعض فضائل پر روشنی پڑتی ہے۔ ان کو بھی ایک صاحب نے روایت کیا ہے:

(۱) دینی غیرت وحمیت:

علاج کے لئے اوّلاً ملٹری ہسپتال ملتان میں داخل ہوئے، مگر آپریشن کرنے والے ڈاکٹر نے کہہ دیا ''میں احمدی ہوں۔'' تو حضرت والاؒ کی حمیت دینی نے اس سے آپریشن کرانا گوارا نہ فرمایا۔ پھر ڈاکٹر محسن صاحب کی مساعی سے ان کے اُستاد کے زیر علاج میو ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے۔ وہاں آپریشن ہوا۔

(۲) بعض اکابر کے خاندان میں صلح اور اصلاح:

مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی بیٹی کو کسی عذر کے باعث اس کے گھر لاہور نہیں بھیج رہے تھے۔ اس سلسلہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے داماد ڈاکٹر احسان صاحب مرحوم بہت کوششیں کر چکے تھے۔ آخر جامعہ اشرفیہ لاہور کے مہتمم صاحب وغیرہ حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قصہ عرض کیا۔ اتفاقاً جناب عبدالغفور انوری صاحب مرحوم سابق ناظم دفتر خیر المدارس وہاں موجود تھے۔ ان کو حضرت والاؒ نے فرمایا کہ ابھی حاجی شریف صاحب کو فون کرو اور کہو کہ فوراً آتے ہو یا نہیں، دوٹوک جواب دو۔ حضرت حاجی شریف صاحبؒ نے فرمایا: جو حضرت فرمائیں گے عمل کروں گا اور ان شاء اللہ کل ہی حضرت کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ جب حضرت حاجی صاحبؒ حضرت والاؒ کے پاس پہنچے تو فقط ایک منٹ میں اپنی بیٹی کو اس کے گھر بھیجنے کے لئے راضی ہو گئے۔ جامعہ اشرفیہ والے حضرات بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے حضرت کو لاہور اسی فیصلہ کے لئے پہنچایا تھا۔

(۳) استغناء اور غیرت:

ڈاکٹر منیر صاحب حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی مزاج پرسی کے لئے میو ہسپتال میں حاضر ہوئے۔ حالات کا جائزہ لے کر عرض کیا کہ اس مرض کے ماہر معالج ڈاکٹر رشید صاحب نشتر ہسپتال ملتان میں قابلیت کے ساتھ ساتھ با اخلاق، علماء دوست اور کسی دینی درسگاہ کے تربیت یافتہ بھی ہیں۔ وہاں علاج کرانا زیادہ مناسب ہے۔ چنانچہ موجودہ معالج اور ڈاکٹر رشید صاحب کو اپنے گھر لے گئے اور عرض کی کہ لاہور کے علاج وغیرہ پر جس قدر خرچ ہوا بندہ ادا کرتا ہے، مگر حضرت والاؒ راضی نہ ہوئے اور جملہ اخراجات حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ادا کئے۔

(۴) نماز تراویح کی پابندی:

''ماہ رمضان المبارک تھا۔ حضرت والاؒ اپنے خادم کی اقتداء میں اشارہ سے تراویح پڑھتے رہے۔''

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ ہسپتال میں داخل ہو کر زیر علاج رہنے کے زمانہ کی بات ہے۔ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ لیکن اس کا اتنا اہتمام کہ نماز اشارہ سے پڑھنے کی حالت میں بھی ترک نہ ہوئی۔ یہ خاص مقبولانِ الٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کا فضل وانعام ہے۔

(۵) مالی تصرفات میں احتیاط:

حضرت والاؒ جب کہیں امتحان یا وعظ وغیرہ کے لئے جاتے تو جو مخصوص کرایہ لیتے، حتی الوسع اسے اسی مصرف میں خرچ کرتے۔ حتیٰ کہ تانگہ سے مدرسہ کے دروازہ پر اُترتے اور وہاں سے قیام گاہ تک کسی طالب علم نے بیگ اُٹھالیا تو اس طالب علم کو بھی کرایہ کی رقم میں سے قدرے دے دیئے۔

ایک صاحب کے روایت کردہ واقعات کا تذکرہ ختم ہوا۔

بلاخوف لومۃ [1] لائم صاف گوئی، پابندیٔ اصول اور نظم وضبط:

خیر المدارس کے ابواب میں سے باب نہم میں بعنوان ''دورانِ تعلیم دیگر اہم مشاغل وبیعہ سے بھی یکسوئی'' ایک واقعہ گزر چکا ہے کہ حضرت والاؒ نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ امیر جماعت تبلیغ کی خیر المدارس میں تقریر کے جواب میں تقریر فرمائی۔ اس سے حضرت والاؒ کی پابندیٔ اصول، نظم وضبط، تعلیم میں یکسوئی کی تلقین اور دورانِ تعلیم تبلیغ جیسے اہم مقاصد سے بھی یکسوئی [2] (یعنی تبلیغی جماعت کے ساتھ دورانِ تعلیم باہر نکلنے اور زیادہ انہماک سے یکسوئی نہ کہ مطلق تبلیغ سے) خیر خواہی، رضاءِ حق اور صاف گوئی اور اخلاقی جرأت جیسے خیر الصفات پر روشنی پڑتی ہے۔

جزئی اُمور میں اصلاح کا اہتمام: [3]

حضرت والاؒ جزئی اُمور اور چھوٹی چھوٹی باتوں کی نگرانی اور اصلاح کا بھی بطور خود اہتمام فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ مثلاً عیدین کی نماز کے لئے مسجد کے میدان میں صفیں سیدھی رکھنے کے لئے چونے سے لائنیں لگوانا اور عیدین وغیرہ کی نماز کے لئے صفوں کا بچھوانا اور بس اتنا ہی نہیں بلکہ چٹائی کی صفیں جو عرض میں کناروں پر ایک دوسرے پر چڑھ جاتی ہیں ان پر جدا کرنا مشکل ہوتا ہے، تو ایک بار احقر نے دیکھا کہ حضرت والاؒ ان کو خود درست فرما رہے تھے۔ اسی ایک جزئی سے دوسری باتوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

جود وکرم اور ایثار: [4]

ایک حکیم صاحب جو حضرت والاؒ کے تلمیذ تھے، انہوں نے حضرت والاؒ کو سونے کا کشتہ ہدیۃً تھا۔ حضرت والاؒ کے

---

[1] آ۔ [2] یعنی تبلیغی جماعت کے ساتھ دوران تعلیم باہر نکلنے اور زیادہ انہماک سے یکسوئی نہ کہ مطلق تبلیغ سے (آ) [4] آ۔

[3] اس واقعہ کا ماخذ بھی اپنا مشاہدہ ہی یاد پڑتا ہے۔ (آ)

ایک دوسرے تلمیذ جو آپ کے خادم خاص بھی تھے وہ بیمار ہو گئے (تو غالباً بیماری سے شفاء ہو جانے پر طاقت کے لئے) وہ سونے کا کشتہ حضرت والاؒ نے ان کو عطاء فرما دیا۔

مہمان نوازی:

ایک دو مہمان تو اکثر و بیشتر تقریباً روزانہ حضرت والاؒ کے پاس آتے ہی رہتے۔ اور حضرت والاؒ کے گھر سے ان کے لئے کھانا آتا۔ بلکہ حضرت والاؒ اکثر اپنے ساتھ ہی کھلاتے۔ خصوصاً رمضان المبارک میں اور اس کے بھی عشرۂ اخیرہ میں تو حضرت والاؒ کے دسترخوان پر افطار کرنے والے کئی حضرات ہوتے جو کھانا بھی حضرت والاؒ کے ساتھ ہی تناول فرماتے۔ احقر مؤلف کو بھی تقریباً اس سال رمضان المبارک میں مہینہ بھر اور کبھی کچھ زائد حضرت والاؒ کے ساتھ ہی کھانا کھانے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

حسنِ انتظام و اہتمام:

اس کے بارے میں باب نہم (ہجرت پاکستان اور خیر المدارس ملتان) میں قدرے تفصیل سے آ چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔

ورع و تقویٰ، حفظ لسان و قلب:

اپنے حسبِ استطاعت مختصراً عرض ہے کہ عموماً سب سے زیادہ مشکل زبان کی حفاظت ہے۔ جس کے بارے میں بہت کم ہی خاص لوگ ہیں جو موفق من اللہ ہیں اور اس بارے میں محفوظ ہیں۔ اس کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ حضرت والاؒ بہت کم گو تھے۔ ضرورت کے وقت مختصر ضروری کلام فرماتے تھے۔ (لیکن اتنا اختصار بھی نہیں کہ ضروری بات واضح نہ ہو اور دوسرے کو ضیق و تنگی ہو)

آپ کی مجلس میں کسی کو غیبت، بدگوئی، چغلی، شکوہ و شکایت کرنے کی مجال نہ تھی۔ کجا کہ خود اس میں ابتلاء یا اس کا ارتکاب ہو۔ وہ تو بہت ہی بعید تھا۔ (البتہ آپ کے دائرۂ اختیار میں شرعی حدود کے اندر کسی زیادتی یا غلطی کی شکایت اور اس کا ازالہ اس میں داخل نہیں)

باب ۱۵- ارشاد و افاضہ میں حضرت والاؒ کے ایک مجاز حاجی فتح محمد صاحب مرحوم کے مختصر سوانح میں آ چکا ہے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر یہاں اس کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک بار علماء کے اختلافات کے بارے میں حضرت والاؒ سے عرض کیا کہ علماء کا اختلاف کبھی رحمت ہوا کرتا تھا، مگر اب تو زحمت بن گیا۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ علماء کے اختلافات کے بارے میں اپنی زبان کو غیبت سے بچانا زبان کی عبادت ہے۔ اور دل کو بدگمانی سے بچانا دل کی عبادت ہے۔

(یہ روایت بالمعنیٰ ہے)

امر واقعہ یہ ہے کہ واقعات وحالات تو بہت ہیں جن کا استقصاء نہ ہوسکتا ہے نہ مطلوب ہے، بلکہ اختصار ہی مقصود ہے۔ اس لئے نمونہ کے طور پر چند واقعات وحالات اور اقوال متعلقہ اخلاق وعادات مبارکہ حضرت والاؒ کو لے لیا گیا ہے۔ گو بعض واقعات وغیرہ یاد آتے رہتے ہیں لیکن اب اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے فی الحال اس مضمون کو تو اس شعر پر ختم کیا جاتا ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

البتہ بعض علماء وصلحاء کے اقوال وروایات اور بعض خاص بزرگانِ دین کے بعض مقالات سے اقتباسات وغیرہ حضرت والاؒ کے اخلاق وصفات اور کمالات کے بارے میں آگے آرہے ہیں۔ ان کے بعد حضرت ماسٹر صوفی اقبال قریشی صاحب زادمجدہٗ اور حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زادمجدہٗ تلمیذ وخادم خاص حضرت والاؒ کے مضامین آگے دیے جارہے ہیں۔ ان کے علاوہ باب ۲۱ میں تعزیت ناموں اور تعزیتی مقالات وغیرہ سے اور باب ۲۲ خصوصی مقالات سے بلکہ اس سوانح کے اکثر حصہ سے حضرت والاؒ کے اخلاق وکمالات کے بارے میں کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

حسبِ استطاعت ان سب کو پیشِ خدمت کرتے ہوئے کیا یہ بجا نہ ہوگا کہ حضرت والاؒ کے بارے میں وہی شعر عرض کردوں جو حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ نے حضرت حکیم الامتؒ کے بارے میں عرض کیا تھا، یعنی ؎

میں بھی اس پر مر مٹا ناصح تو کیا بے جا کیا
اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

حضرت والاؒ کے اخلاق وصفات کے بارے میں بعض علماء وصلحاء کے اقوال وروایات[1]

(۱) حضرت والاؒ کے ایک تلمیذ رشید ومرید سعید حضرت مولانا عبدالمجید صاحب انور مدظلہ العالی (اُستاذ الحدیث جامعہ علوم شرعیہ ساہیوال) فرماتے ہیں کہ ان کو حضرت والاؒ کی دو صفات خاص طور پر نمایاں معلوم ہوئیں جن سے وہ متاثر ہوئے۔ ایک تو یہ کہ جو آپ کو دیکھتا مرعوب ہوجاتا تھا۔ اور ملنے جلنے پر محبت کرنے لگتا تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ کا ہر ملاقاتی یہ محسوس کرتا کہ آپ مجھ پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ اور یہ دونوں صفات حضور علیہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے عین مطابق ہیں۔ جیسا کہ ''شیم الحبیب[2]'' میں ہے کہ "من رآه بداهة هابهٗ ومن خالطه معرفةً احبهٗ" (جو شخص آپ کو اوّل وہلہ میں دیکھتا تھا مرعوب ہوجاتا تھا، اور جو شخص شناسائی کے ساتھ ملتا جلتا تھا آپ سے محبت کرتا تھا) اور یہ بھی ہے: حتی لا یحسب

[1] یہ سب روایات بالمعنی ہیں۔ (آ)

[2] حضور ﷺ کے شمائل مبارکہ پر مشتمل یہ رسالہ شمائل ترمذی وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ اور اس رسالہ کو نشر الطیب میں نقل کیا گیا ہے۔ احقر نے ازالہ لوس سے نقل کیا تو اسمیں بھی نشر الطیب ہی سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ اردو ترجمہ نشر الطیب ہی کے مطابق ہے۔ (آ)

علیہ ان احدًا اکرم علیہ منہ (یہاں تک کہ آپ کا ہر جلیس یوں سمجھتا کہ مجھ سے زیادہ آپ کو کسی کی خاطر عزیز نہیں)

(۲) حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری زید مجدہم (مہتمم جامعہ خیر المدارس و نبیرہ حضرت والاؒ) نے "آثارِ خیر" کے پیش لفظ میں اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے حضرت والاؒ کے بارے میں مختصر اور جامع بات خوب تحریر فرمائی ہے کہ "برصغیر کے علمی و دینی حلقے استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کے نام، کام اور مقام سے بخوبی متعارف ہیں۔ حضرت والاؒ ایک جلیل القدر عالم ربانی، محدث کبیر، فقیہ عصر، ظاہر و باطن کے جامع اور نابغہ روزگار ہستی تھے۔ آپ کی پوری زندگی تعلیمی، تدریسی، تالیفی اور اصلاحی خدمات سے عبارت تھی۔ اختصار و جامعیت آپ کی تحریر و تقریر اور تدریس کی امتیازی خصوصیت تھی۔" چونکہ یہاں حضرت والاؒ کے بعض رسائل پر مشتمل کتاب کا تعارف کرایا گیا ہے، اس لئے علمی پہلو کو نمایاں کیا ہے۔ اصلاحِ باطن اور سلوک و تصوف کے شعبہ کی طرف صرف "جامع ظاہر و باطن" اور "اصلاحی خدمات" وغیرہ سے اشارہ فرمادیا ہے۔

(۳) حضرت والاؒ کے ایک مرید اور حضرت حکیم الامتؒ کے بعض خلفاء سے اجازت یافتہ حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے جدہ سے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲۰ شوال ۱۳۹۰ھ (۱۹ دسمبر ۱۹۷۰ء) میں تحریر فرمایا تھا: "حضرت مولانا خیر محمد صاحب علیہ الرحمۃ اُمت کے لئے سراپا خیر ہی تھے۔ ہر ایک سے اس قدر محبت اور شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا حضرت ہمارے اوپر سب سے زیادہ مہربان اور کرم فرما ہیں۔"

(اس میں سنت کے موافق اسی خلق کا ذکر ہے جو نمبر 1 میں مذکور ہوا)

مولوی نصرت علی صاحب مرحوم ہی نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۳۹۱/۶/۱۲ھ (مطابق ۱۹۷۱/۸/۹ء) میں مکہ مکرمہ سے تحریر فرمایا تھا: "حضرت والاؒ کا چہرہ نورانی سامنے آ گیا۔ احقر نے بارہا مشاہدہ کیا۔ حضرت والاؒ کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی روشنی (نور) سارے جسم مبارک خصوصاً رخِ انور سے اُبل رہی ہے۔"

(۴) حضرت والاؒ کے ایک مرید (جن کا نام غالباً عبدالعزیز مرحوم تھا اور وہ سابقاً پٹواری تھے) انہوں نے احقر مؤلف سے بیان کیا کہ ایک دن حضرت والاؒ کھانا کھانے بیٹھے۔ اتنے میں ایک فقیر آ گیا اور اس نے کھانا مانگا۔ آپ نے کھانا اس کو دے دیا اور اپنے لئے اور کھانا منگوایا۔ اسی اثناء میں ایک اور سائل آ گیا اور اس نے کھانے کا سوال کیا۔ آپ نے پھر کھانا اس کو دے دیا اور اپنے لئے اور کھانا منگا لیا۔ اس بار پھر کوئی فقیر آ گیا اور اس کو کھانا دے دیا۔ آخر حضرت والاؒ نے فرمایا کہ مجھے کھانا نہیں کھانا۔ (اس واقعہ سے حضرت والاؒ کا ایثار و سخاوت ظاہر ہے)

(۵) حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب زید مجدہٗ (اُستاذ جامعہ بنوریہ سائٹ، کراچی) ربیع الثانی یا جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ میں عمرہ و زیارت کو آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسجد نبوی میں ایک روز احقر سے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ "تحریک ختم نبوت کے بعد خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا بیان ہونا تھا۔ چونکہ مولاناؒ نے

تحریک ختم نبوت میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے ساتھ مل کر حصہ نہیں لیا تھا، مجلس والے حضرات ان سے ناراض تھے اور حضرت والاؒ کو معلوم ہوا کہ ان کا یہ پروگرام ہے کہ مولانا احتشام الحق صاحبؒ کو تقریر نہیں کرنے دیں گے۔ اب حضرت والاؒ کی حکمت عملی ملاحظہ ہو کہ حضرت والاؒ نے حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ کو اس اجلاس کا صدر بنایا جس میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی تقریر ہونا تھی۔ چنانچہ یہ مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ جب جلسہ ہی ان کی صدارت میں ہے تو ان کے کارکن تقریر کو کیوں روکنے لگے۔ اور اس جلسہ میں کسی قسم کے ہنگامہ وغیرہ کا سوال ہی نہ رہا۔ کیونکہ حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کے دست راست تھے اور ان کے بعد عمر بھر مجلس تحفظِ ختم نبوت کے صدر رہے۔

حضرت والاؒ کا مقام اور اخلاقِ حسنہ بزرگانِ دین کی نظر میں

حضرت والاؒ کے متعلق ''ذکرِ خیر و یادِ شریف'' میں اکابر علماء اور بزرگانِ دین کے مقالات سے ذیل میں اقتباسات دیئے جا رہے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ ان حضرات کے نزدیک حضرت والاؒ کا مقام کیا تھا، اور آپ کیسے اخلاقِ فاضلہ سے متصف تھے (ان کے علاوہ باب ۲۲ میں تو مستقل مقالات ہی حضرت والاؒ کے بارے میں ہیں)

عالم ربانی مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کی نظر میں:

(حضرت مفتی صاحبؒ کا مستقل تعزیتی اداریہ آئندہ باب ۲۱، علالت و سفرِ آخرت میں آرہا ہے)

سید المفسرین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی نظر میں:

''حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ تو جامع کمالات تھے۔ ان کے اوصاف و کمالات کا ذکر کس انداز میں کیا جائے۔ ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ علمِ دین کی خدمت میں گزرا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ایک ایسا چشمۂ علم جاری فرما گئے ہیں جو ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔ باقی کمالات علمی و روحانی الگ ہیں۔''

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

''حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالمِ دین اور شیخ العصر تھے۔ قدیم بزرگوں کی سادگی کا پیکر، تواضع و انکساری کا مجسمہ، خوش اخلاق اور اسلاف کی یادگار تھے۔ رُشد و ہدایت اور دینی فیضان کا منبع و سرچشمہ تھے۔ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں ایک ممتاز شخصیت و حیثیت کے مالک تھے۔''

''اپنے حسنِ اخلاق اور حسنِ تدبّر ہی سے آپ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی زیر سرپرستی ایک دینی مدرسہ جالندھر میں قائم کیا...... اور دراصل حضرت مولانا مرحوم کا حسنِ اخلاق، عمقِ علم اور اس پر حسنِ نیت و اخلاص اس مدرسہ کی اساس ہے......''

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی نظر میں:

(حضرت مولانا بنوریؒ کا مستقل رسالہ (بینات کا اداریہ) آئندہ باب ۲۱ ''علالت و سفر آخرت'' میں آ رہا ہے)

شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ کی نظر میں[1]:

''حضرت مولانا جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمالاتِ علمی اور روحانی کے اعتبار سے علم و عرفان کے ایک روشن چراغ تھے۔ اور علومِ ظاہرہ میں کامل و مکمل اور مقاماتِ باطنیہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ معقولات و منقولات کے اس وقت امام تھے، اور علومِ دینیہ کے خزانہ تھے۔''

خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی نظر میں:

''گزشتہ دنوں خیر العلماء، افضل العلماء حضرت مولانا الحاج خیر محمد صاحب جالندھری بانی مدرسہ عربیہ خیر المدارس امر پرست مرکزی جمعیت علماء اسلام پاکستان کی اچانک وفات کا ایک ایسا عظیم سانحہ پیش آیا جس نے پاکستان بھر کے تمام اسلامی و علمی حلقوں کو شدید صدمہ سے نڈھال کر کے رکھ دیا اور کمر ہمت توڑ کر رکھ دی۔ اور آج تمام علماء کرام اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہے ہیں وہ اس وقت تمام علماء میں سب سے زیادہ افضل اور قابلِ احترام تھے اور علمائے سلف کی یادگار تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی آنکھ کیا بند ہوئی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ خیر کا ایک چشمہ تھا جو یک لخت سوکھ گیا۔ آپ عالمِ اسلام کی ان گنی چنی شخصیات میں سے ایک تھے جو ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ ناز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ جیسی جامع علم و عمل ہستی کی کمی آئندہ آنے والے زمانوں میں شاید صدیوں تک محسوس کی جاتی رہے......''

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ کی نظر میں:

اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ برصغیر پاک و ہند کے چند ممتاز و جید علماء میں سے تھے۔ ان کی وفات سے علم و عرفان کا چراغ بجھ گیا ہے...... حضرت مولانا جس طرح اپنے اخلاقِ باطنہ میں بلند مقام کے مالک تھے اسی طرح علوم ظاہرہ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام اور منطق و فلسفہ کے بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اور وہ جامع علم و عمل اور تصوف و سلوک کے کامل شیخ تھے۔ آپ جیسے مخلص، پاک باز اور اہلِ دل بزرگ کہیں قرنوں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ خلوص و للّٰہیت کا بہترین نمونہ اور زہد و تقویٰ کا مجسمہ تھے۔ ان کا ہمارے درمیان سے اُٹھ جانا ایک بہت بڑی مصیبت اور عظیم نقصان ہے۔''

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی صاحبؒ کی نظر میں:

''حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ کا سانحہ ارتحال ایک عظیم سانحہ ہے۔ وہ ایک جید عالمِ دین، عظیم محدث، محقق،

[1] آپ کی ایک تحریر بعنوان ''حضرت والاؒ کے چند کمالات'' باب ۲۲ (خیر المقالات) میں بھی آ رہی ہے۔ (ا ع)

مدبّر اور شیخ کامل تھے۔ وہ علماء سلف کی زندگی کا بہترین نمونہ تھے۔ مولانا مرحوم کی ساری زندگی تبلیغ دین، درس وتدریس اور تربیت واصلاح میں صرف ہوئی۔ پاکستان بھر کے علماء میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ مشکل ہی سے پُر ہوگا۔''

حضرت والاؒ کے چند خاص فضائل

اتباعِ سنت:

حضرت والاؒ کی ساری زندگی اتباعِ سنت کا مظہر تھی۔ قدم قدم پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقشِ قدم کے اتباع کا اہتمام تھا۔ کوئی بات آپ کے یہاں خلافِ سنت نظر نہیں آتی تھی بلکہ خلافِ سنت اُمور کو حضرت والاؒ برداشت نہ فرما سکتے تھے

سنت خیر البشرؐ کی پیروی تیرا کمال

یہی وہ خیر الخصال والکمال صفت ہے جس کے بعد مزید کچھ لکھنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ آپ کے اخلاقِ حسنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ حسنہ کا ایک نمونہ تھے۔ اسی لئے حضرت والاؒ کو نمونہ سلف صالحین کہا جاتا ہے۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت والاؒ کی سرکار دوعالم ﷺ سے ازحد عشق ومحبت کا اندازہ آپ کے اتباعِ سنت سے ہی ہوسکتا ہے۔ نیز جس نے تازیست صحیح بخاری شریف کا درس دیا اس کی محبت رسولؐ کے لئے مزید ثبوت کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔ نیز اس کا اندازہ اس سے بھی کیجئے کہ آپ نے رحمتِ کائنات کا مطالعہ فرمایا تو مولانا سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہٗ کو تحریر فرمایا تھا ''اس کتاب کے مطالعہ سے احقر اپنے قلب میں محبت نبویہؐ میں ترقی اور اضافہ محسوس کرتا ہے۔''

تبحر فی العلم:

حضرت والاؒ کی جہاں تقدس وتقویٰ میں شان نمایاں تھی، وہاں علم وفضل میں بھی بڑا امتیاز مقام پایا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ، غرض ہر علم میں ماہر تھے۔ اس کا اندازہ تو آپ کے ہزارہا شاگرد علماء کو ہوگا۔ باقی احقر کو اس کا اس وقت اندازہ ہوا اور حافظہ پر حیرت ہوئی (کیونکہ طویل علالت اور تین آپریشنوں کے بعد اُٹھے تھے) کہ مئی ۷۰ء میں کسی نے علماء اہل حدیث سے جمعہ کے بارے میں اختلاف کا ذکر کیا۔ اس وقت حضرت والاؒ گھر تشریف لے جارہے تھے۔ اسی عالم میں کھڑے کھڑے متعدد احادیث کے حوالے ارشاد فرمائے۔ یہاں تک کہ خود غیر مقلدین کی اپنی معتبر کتاب کا حوالہ دیا، جس نے احقر کو بڑی حیرت ہوئی۔

سراپا شفقت ومحبت:

حضرت والاؒ کی ذات بابرکات سراپائے شفقت ومجسمہ رافت تھی کہ ہر ایک یہ گمان کرتا کہ حضرت والاؒ کی شفقت و عنایت کا ایسا خصوصی تعلق میرے سوا کسی اور سے نہ ہوگا۔

اخلاق کا یہ عالم کہ ہر اک یہ سمجھتا تھا　　مجھ سے جو تعلق ہے اوروں سے نہیں ایسا

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت والاؒ انتہائی مشفق ہونے کی وجہ سے ہر ایک کے ساتھ شفقت وعنایت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ چنانچہ اس ناچیز وناکارہ نے بیعت کے لئے ملتان حاضر ہونے کے لئے خط لکھا اور یہ اس ناچیز کا سب سے پہلا عریضہ تھا۔ تو اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ''بیعت خط سے بھی ہوسکتی ہے۔ جب لکھو گے بیعت کرلیا جائے گا۔'' سبحان اللہ! ایک اجنبی طالب کے ساتھ اس قدر شفقت کا برتاؤ کہ بیعت کی خاطر ملتان کے سفر کی زحمت دینا بھی گوارہ نہیں۔

ہم نے اُلفت کی نگاہیں دیکھیں　　جانیں کیا چشم غضبناک کو ہم

اسی طرح حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہم (مہتمم اشاعت العلوم چشتیاں) کو دسمبر میں سخت سردی کی بناء پر ملتان حاضر خدمت ہونے سے منع فرمادیا تھا۔ شفقت ومہربانی کی یہ حالت تھی کہ مہمانوں کے آرام کا خود خیال فرماتے۔ دو وقت اپنے ساتھ بلا کر چائے پلاتے، کھانا کھلاتے اور خاص خیال رکھتے۔ بارہا اس ناچیز کو حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، مگر کسی بھی حاضری میں یہ تاثر نہیں ملا کہ حضرت والاؒ تعلیم یافتہ حضرات کو بُرا سمجھتے ہوں، بلکہ ہمیشہ ایسے محسوس ہوا کہ حضرت والاؒ کی جس قدر شفقت وتوجہ میرے ساتھ ہے دوسروں کے ساتھ شاید ایسی نہیں ہوگی۔ ہمیشہ ودائی مصافحہ کے وقت بے شمار دعائیں دیتے اور فرماتے کہ گھر پہنچ کر خط لکھو، تاکہ بعافیت پہنچنے کا اطمینان ہو۔ دورانِ قیام ہمیشہ دونوں وقت اہتمام سے چائے ساتھ پلاتے اور ایک بار پہلی مرتبہ کھانا بھی کھلاتے۔ اس خصوصی شفقت وعنایت کا تعلق بحمد اللہ آخر تک رہا۔

یاد آں روزے کہ در میخانہ منزل داشتم
جامے بردست و جاناں بر مقابل داشتم

اور اس شفقت ومحبت اور اپنی ناکارگی کا جب خیال آتا ہے تو کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

جب تمہارا خیال آتا ہے　　دل کا ہر تار جھنجھاتا ہے
کوئی آنسو سے برسرِ پیکار　　کوئی اشکوں میں ڈوب جاتا ہے

حضرت والاؒ کے بعض اخلاق و عادات

بقلم حضرت مولانا عبدالشکور صاحب زادمجدہ[1] (تلمیذ و خادمِ خاص حضرت والاؒ)

تقویٰ:

تقویٰ کے اعتبار سے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی ذاتِ اقدس اپنی مثال خود آپ تھے۔
(اس کے دلائل ان شاء اللہ تعالیٰ اُمید ہے کہ آئندہ سطور سے معلوم ہوں گے)

اتباعِ سنت:

بسا اوقات کسی کام کے وقت فرماتے احادیث میں یوں آتا ہے کہ یہ کام حضور اکرم ﷺ نے اس طرح کیا ہے (یہ غالباً اپنے خدام کی تعلیم کے لئے فرماتے)

خورد و نوش:

کھانا ہمیشہ سادہ اور تھوڑا استعمال فرماتے۔ پانی مناسب مقدار میں استعمال فرماتے۔ سوائے دو وقت کی چائے کے اور کسی چیز کی عادت نہ تھی۔ جو ملتا استعمال فرماتے۔

لباس اور دُھلائی:

لباس ہمیشہ سادہ ہوتا۔ کپڑے عموماً میں خود ہی دھویا کرتا تھا، مگر استری دھوبی سے کروالیتا یا کبھی خود کرلیتا۔ حضرت والاؒ مجھے وقتاً فوقتاً پیسے دے دیتے یا پھر میرے بھائی حافظ محمد حنیف کو دیدیتے جو میرے ساتھ ہی رہا کرتا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی اور چیز میں خود حضرت کے لئے یا کسی مہمان کے لئے لے آتا تو حضرت اس کی قیمت ادا فرمادیتے تھے۔

نماز:

صوم و صلوٰۃ کی آپ شدت سے پابندی فرماتے تھے۔ جب آپ ایبٹ آباد میں بیمار ہوئے تو آپ بدستور نماز ادا فرماتے رہے۔ اگر اُٹھ بیٹھ نہ سکے تو اشارے سے ہی نماز کو ادا فرمایا۔

اور پھر جب آپریشن ہونے والا تھا تو مجھے کہا جاؤ بازار سے ایک کاپی لے کر آؤ۔ میری جو نماز بھی قضا ہو اس تاریخ اور وقت کے ساتھ لکھ لو، پھر مجھے بتاؤ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ جب بھی حضرت کو کچھ افاقہ ہوتا تو آپ قضا نماز ادا فرماتے۔

---

[1] بروایت اق اکثر عنوانات از آ ا۔

اسی طرح سفر کے دوران ریل گاڑی میں بھی باجماعت نماز ادا فرماتے تھے۔ بہت دفعہ ایسے ہوا کہ سفر میں مَیں ساتھ ہوتا۔ چلتی گاڑی میں ہی ہم کو وضو کرتے دیکھ کر اور لوگ بھی تیار ہو جاتے تو حضرت جماعت کرانے کے لئے مجھے آگے کر دیتے۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضرت نے کبھی بھی چلتی گاڑی میں بیٹھ کر نماز ادا کی ہو، بلکہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا فرمائی۔

لین دین:

اسی طرح حضرت لین دین کے معاملات میں بہت صاف تھے۔ اگر کسی کا کوئی پیسہ دینا ہوتا تو فوراً ادا فرماتے۔ حتیٰ کہ حضرت نے اپنی زندگی میں ہی فیروزہ والی زمین فروخت کی تو تمام اولاد کو حصص تقسیم کر کے اپنی ڈائری میں مجھ سے نوٹ کرا لیا۔

انتظام:

اسی طرح اگر کبھی خود یا اہلِ خانہ میں سے کسی کو سفر پر جانا ہوتا تو آپ وقت سے پہلے تیار ہو جاتے اور فرماتے کہ ریل گاڑی ہماری محتاج نہیں بلکہ ہم اس کے محتاج ہیں۔ وقت سے پہلے جانا چاہئے اور اگر کوئی سواری فوری طور پر نہ ملتی تو آپ سواری کا انتظار کرنے کے بجائے پیدل ہی چل پڑتے۔ جہاں سے سواری مل جاتی، سوار ہو جاتے۔

اپنے ساتھ سفر میں ہمیشہ مختصر سامان رکھتے۔ سفر کے دوران کھانے کی اشیاء استعمال کرنے میں احتیاط فرماتے۔

سفر میں آرام کی بجائے مصلحت کو پیشِ نظر رکھتے۔ ایک دفعہ ہمیں لاہور سے واپس ملتان آنا تھا تو حضرت نے گاڑی میں سفر کرنے کے بجائے بذریعہ لاری سفر کیا۔ رات ساہیوال جامعہ رشیدیہ میں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے صبح ہی بذریعہ لاری روانہ ہوئے، تاکہ جلدی ملتان پہنچ جائیں۔ کیونکہ چھوٹی بچی نے سفر پر جانا تھا۔ اس کو رُخصت کرنا تھا۔ اس لئے اپنے آرام کو ترک فرما دیا۔

اللّٰهم اهدنا اتباعهم.

☆☆--------------☆☆☆--------------☆☆

حضرت والاؒ کے خدوخال اور صفات وکردار کا مختصر خاکہ

(بقلم شاگرد وخادم خاص حضرت والاؒ مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہ، خطیب بہاولپور[۱])

درمیانہ قد، خوبصورت چہرہ، کشادہ پیشانی، گندمی رنگ، داڑھی کے بال بالکل سفید مگر علیحدہ علیحدہ، بات کرتے تو چہرے کی نورانیت اور زیادہ نکھر جاتی۔ نرم گفتار، لبوں پر مسکراہٹ، کم گو مگر گفتگو اخلاق وشائستگی سے بھرپور، طبیعت میں سادگی اور مزاج میں اعتدال، نظم وضبط میں بے مثال، افتراق وانتشار سے یکسو، تعصب و تحزُّب سے بے نیاز، ہر ایک کے قابلِ اعتماد، ہر ایک کے لئے قابلِ احترام، اتحاد واتفاق کے داعی، علم ووقار کا مجسمہ، زُہد واتقاء، خدا ترسی اور للّٰہیت کا بہترین نمونہ، عقل ومتانت وتدبر وتفکر اور مکارمِ اخلاق کی زندہ تصویر تھے۔

چہرہ کی نورانیت، بشرہ کی شگفتگی، علوم وفنون کی مہارت، اصلاح وتربیت کی نفاست، گفتار وکردار کی لطافت، زُہد وتقویٰ کی امانت کے امین تھے۔ بولتے تو یوں محسوس ہوتا کہ موتی بکھیر رہے ہیں۔ پوری مجلس کا متکلم ایسی جامع الصفات شخصیت ہیں بلکہ کوئی بے تکلف دوست ہیں۔ غرض یہ کہ آپ کی ذات وشخصیت ان تمام صفات وکمالات کی جامع تھی۔

اگر ناواقف واجنبی بھی دیکھتا تو پہلی ہی نظر میں آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ چہرے پر نور پاشی یوں ہوتی کہ نظر ہٹانے کو دل نہ چاہتا۔

اندازِ گفتگو:

خداوند قدوس نے جہاں حضرت والاؒ کو جلال وجمال کی صفات سے نوازا تھا وہیں ان کی ذات میں اخلاقِ حسنہ اور شگفتہ اندازِ گفتگو بھی خوب وافر مقدار میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا تھا۔ چہرہ پر قدرتی رُعب اور دبدبہ تھا۔ واقف واجنبی ہر ایک قریب جانے سے کتراتا مگر جو بھی قریب جاتا تو حضرت والاؒ کو حسنِ اخلاق کا پیکر پاتا۔ دورانِ گفتگو اس کو یہ بھی احساس نہ ہوتا کہ میں کس شخصیت سے محوِ گفتگو ہوں۔ بالکل بے تکلفی کے ماحول میں آپ مخاطب کی بات سنتے اور پھر نرم وشیریں آواز میں مخاطب کی بات کا جواب دیتے۔ بلکہ ہر مخاطب سے اس کی طبیعت کے مطابق گفتگو فرمایا کرتے۔ آپ ہمیشہ نرم اور آہستہ آواز میں بات کرتے۔ بات کرتے وقت چہرہ پر نورانیت اور زیادہ نکھر جاتی۔ لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ ہوتی۔ آنے والوں سے پوچھتے کہاں سے آئے؟ کب آئے؟ کھانا کھایا ہے یا نہیں؟ آپ طویل گفتگو نہ فرماتے تھے، بلکہ مخاطب کی بات کا مختصر مگر جامع جواب دیتے۔

---

[۱] بروایت اق (آا)

اندازِ تحریر:

یہی انداز آپ کی تحریر میں بھی تھا۔ جب بھی کسی خط کا جواب دیتے تو نہایت مختصر۔ کوئی کام کسی کو بتلایا، وقت پر یا صحیح طور پر نہ ہوا تو خود شروع فرما دیتے۔ غصہ کی حالت میں کوئی آپ سے بات نہ کر سکتا تھا۔ ہاں اگر اپنی غلطی کا اقرار کر کے معافی مانگ لے تو آپ فوراً معاف کر دیتے اور کبھی دل میں کوئی بات نہ رکھتے۔

لباس اور چال ڈھال:

آپ کا لباس عموماً سفید[1] کرتہ اور شلوار ہوتا تھا اور کبھی کبھار خانے دار لنگی پہنتے۔ سر پر پنج کلی کپڑے کی گول ٹوپی ہوتی۔ سفر یا جمعہ کے بیان میں پشاوری کلہ پر ہلکے زرد رنگ کا عمامہ باندھا کرتے۔ پاؤں میں جوتا ہمیشہ چمڑے کا کھسہ پہنتے۔ بعض اوقات صرف مدرسہ میں سلیپر پہنتے۔ چلتے تو چال میں متانت نمایاں ہوتی جیسے اوپر سے نیچے کو اُتر رہے ہوں۔ داڑھی کے بال بالکل سفید اور بہت زیادہ چمکیلے تھے۔ دندان مبارک متوازن، باہم پیوست مثل دانہ انار۔ آنکھوں کی بینائی آخر وقت تک اچھی تھی۔ باریک سے باریک خط یا کتاب آسانی سے پڑھ لیتے تھے۔ قوت سماع میں ذرا فرق نہیں آیا تھا۔ گویا جسم کے تمام اعضاء متوازن و صحیح سالم تھے۔ مجموعی حیثیت سے جسم لطیف و نازک تھا۔

رافت و رحمت اور شفقت و محبت[2]:

حضرت والاؒ کے شاگرد رشید اور خادم خاص حضرت مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں [3] "ذاتی مشاہدات و تجربہ کی بناء پر میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت والاؒ ایک انتہائی مشفق سے مشفق ماں سے بھی زیادہ شفیق تھے۔

حضرت والاؒ جس کمرے میں سویا کرتے تھے دوپہر کو میں بھی قریب ہی نیچے دری یا قالین پر لیٹ جاتا۔ اگر حضرت والاؒ جلدی بیدار ہوتے اور نماز میں کافی وقت ہوتا یا پھر حضرتؒ نے کسی کام کے لئے گھر جانا ہوتا تو مجھے دری سے اُٹھا کر اپنے بستر پر لٹا دیتے اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ میں سو رہا تھا اور بجلی بند ہوگئی۔ آنکھ کھلی تو دیکھا حضرت والاؒ خود ہاتھ میں پنکھا لے کر مجھے ہوا کر رہے ہیں۔ حضرت والاؒ اگر کمرے میں کھانا کھاتے تو مجھے بھی ساتھ شریک کر لیتے اور جب گھر میں کوئی اچھی چیز یا مہمانوں کا کھانا پکتا تو میرے لئے خود لے کر آتے۔ اسی طرح حضرت کی خدمت میں کوئی تحفہ آتا تو حضرت خود استعمال کرنے سے پہلے حاضرین کو دیتے اور اگر میں اس وقت موجود نہ ہوتا تو میرے لئے سنبھال کر رکھ لیتے جس طرح ماں اپنے بچے کے لئے چیز سنبھال کر رکھتی ہے۔ اور جب کبھی حضرت کے ساتھ سفر پر جانا ہوتا تو فرماتے کہ اپنی فلاں فلاں کتاب ساتھ لے چلو، میں خود پڑھاؤں گا تاکہ سفر میں سبق کا نقصان نہ ہو۔ چنانچہ قصیدہ بدء الامالی، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اوّلین، نور الانوار،

---

[1] سردیوں میں کرتے کے اوپر صدری پہنتے اور کرتے کے نیچے ہلکی بنائی کا بادری رنگ کا سویٹر ہوتا اور سخت سردی میں گرم اچکن بھی پہنا کرتے تھے۔

[2] ذیلی عنوان از آ۔ا۔

[3] بروایت اق۔

شرح جامی، دیوان متنبی، الفوزالکبیر کا کچھ کچھ حصہ میں نے حضرت سے سفر ہی میں پڑھا۔

اور جب ۱۹۶۹ء کے موسم گرما میں حضرت مخدوم المکرم ایبٹ آباد جانے کے لئے تیار ہوئے تو اس وقت میں بیمار ہونے کی وجہ سے گھر آیا ہوا تھا، تو حضرت نے میرے ایک ساتھی مولوی بشیر احمد لائل پوری کو خط دے کر گھر بھیجا کہ اُمید ہے کہ آپ کی صحت اب اچھی ہوگی۔ میں ہر وقت آپ کے لئے دُعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلدی صحت دے۔ اپنی خیریت کی اطلاع دیں۔ چند دنوں تک میرا اِرادہ ایبٹ آباد جانے کا ہے۔ اگر آپ ساتھ ہوتے تو اچھا ہوتا۔ اس لئے اگر آپ کی صحت کچھ ٹھیک ہو تو واپس آ جائیں اور میرے ساتھ چلیں۔ آپ کی صحت بھی ٹھیک ہو جائے گی۔

یہ حضرت کی شفقت وعنایت کی ادنیٰ مثال ہے۔ ورنہ ساتھ لے جانے کے لئے حضرت والاؒ کے لئے ایک نہیں ہزاروں موجود تھے۔

اسی طرح ایک بار میں بیمار ہو کر گھر آ گیا تو آپ نے میرے والد کے نام شفقت بھرا خط ارسال کیا کہ اللہ تعالیٰ عزیز کو جلد صحت دے۔ ان کے نہ آنے سے تعلیم کا بہت حرج ہو رہا ہے۔ سلم العلوم، ہدیہ سعیدیہ کی بجائے ملاحسن، میبذی شروع ہوگئی ہیں۔ اس لئے صحت ہونے پر بہت جلد آ جانا چاہئے۔ عزیز اپنی حالت سے جلد جلد اطلاع دیتا رہے۔

اسی طرح ۱۹۶۷ء میں جب میری شادی ہوئی، ان ہی دنوں حضرت پر فالج کا حملہ بھی ہو چکا تھا۔ اور شادی کے روز بالخصوص حضرت کی طبیعت بہت ناساز تھی۔ مگر انتہائی شفقت ملاحظہ ہو کہ اسی عالم میں سفر اختیار فرمایا اور وہ بھی ایسے چک کا جہاں کبھی تشریف نہیں لے گئے تھے۔ اور جانے سے پہلے مجھے بوسکی رنگ کی بھڑک دار شیروانی عطا فرمائی کہ تم اسے شادی پر پہننا۔ اسی طرح ایبٹ آباد سے یہ خصوصی والا نامہ تحریر فرمایا:

''عزیز حافظ عبدالشکور صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میری حالت وہی ہے جو پہلے تھی۔ کوئی تفاوت معتدبہ نہیں آیا۔ یہاں کوئی نمایاں سردی نہیں۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے کوئی چنداں سردی نہیں۔ البتہ عصر کے بعد ترجمہ قرآن مجید شروع ہے اور ملفوظات کا سلسلہ بھی جاری کر رکھا ہے۔ اس میں بہت سے آدمی شریک ہوتے ہیں۔ دل لگا رہتا ہے۔ جہاں گھڑیاں ہیں وہ مقام یہاں سے ایک سو پچاس میل دور ہے۔ ایک کو بھیجا ہوا ہے۔ اُمید ہے کہ ڈیڑھ سو تک عمدہ گھڑی لے کر آئے گا، ان شاء اللہ۔ تمہارے واسطے دُعا کرتا ہوں۔ محنت کیا کرو اور کمرے کی حفاظت کرو۔''

۱۵ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۷/۱۰ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو میں حضرت والاؒ کے دست شفقت پر بیعت ہوا۔ میرا سالانہ امتحان ہو چکا تھا اور میں گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ حضرت والاؒ خود کھانا اُٹھا کر لائے اور فرمایا تم گھر جا رہے ہو۔ چلو آج کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔ کھانے کے بعد گھر تشریف لے گئے اور ایک رنگ دار پتھر کی تسبیح، دو کتابیں سیرت مصطفیٰ ؐ اور شریعت و طریقت اور کچھ رقم عنایت فرمائی۔ پھر کھڑے ہو کر اس شفقت ومحبت سے سینے سے لگایا، بغل گیر ہونے کے بعد فرمایا جس

وقت جس چیز کی ضرورت ہو، فوراً بتلا دینا۔ میں ان شاء اللہ پوری کروں گا۔ اپنی خیریت کی اطلاع جلد جلد دیتے رہنا۔ سب گھر والوں کو دُعا سلام کہنا۔

میرے گھر جانے کے پانچ دن بعد حضرت کا وصال ہوگیا، فراق ہوگیا۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. ہائے افسوس وحسرت کے ساتھ رُخصت فرماتا تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آخری بار رُخصت فرمادیا[1]۔"

احقر مؤلف[2] تقاضائے قلب سے حضرت مجذوبؒ کا شعر پھر دُہراتا ہے:

میں بھی اس پر مر مٹا ناصح تو کیا بے جا کیا
اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

---

[1] مولانا حافظ عبدالشکور صاحب مدظلہ (بہاولپور) کی تحریر ختم ہوئی۔ انتہائی طوالت کے خوف کے سبب بعض جگہ احقر نے عبارت مختصر لکھ دی۔ احقر قریشی غفرلہ

[2] آ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ.

مَنْ اَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَآءَہٗ (الحدیث)

اولیاء اللہ اشتیاق لقاء اللہ میں زبان حال سے فرماتے ہیں:

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحت جاں طلبم و زپئے جاناں بروم
نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے　　تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

اور اولیاء اللہ کے سفر آخرت کے وقت ان کے عشاق زبانِ حال سے یوں کہتے ہیں:

سرو سیمینا بصحرا می روی　　سخت بے مہری کہ بے ما میروی
اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　تو کجا بہر تماشا می روی

باب بست ویکم (۲۱)

علالت وسفر آخرت

حضرت والاؒ نے اپنے سلسلۂ علالت کو بھی ''نقش حیات'' میں بیان فرمایا ہے، جو حسب ذیل ہے:

دردِ گردہ کے دورے:

ملتان آنے کے بعد دردگردہ کے دورے ہر سال بڑھتے گئے۔ اس کی ابتداء تو پاکستان بننے سے ایک دو سال پہلے اس وقت ہوئی تھی جبکہ میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون شریف میں مقیم تھا۔ تقریباً رات کے ایک بجے دردِ گردہ شروع ہوا، بہت تکلیف دہ تھا۔ دربان نے میری تکلیف کا احساس کر کے فوراً حضرت مولانا شبیر علی صاحب کو اطلاع دی۔ وہ فوراً اپنے مکان سے کچھ دوا اور حقنہ لے کر آئے۔ آتے ہی انیمہ کیا۔ پھر دوا دی۔ آدھ گھنٹہ بعد اللہ تعالیٰ نے آرام دیا، مگر کمزوری پیدا ہوگئی۔

اس کے بعد جب پاکستان میں اقامت ہوئی تو ہر سال دو تین دورے دردگردہ کے آنے شروع ہوگئے۔ اور ہر لاحق دورہ سابق سے طویل ومدید ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک دورہ تو ۱۵ یوم رہا، اور اکثر دورے کی ابتداء سفر میں ہوتی رہی۔ چنانچہ تین دورے شدید سفر میں یاد ہیں:

(۱) کوٹ ادو میں سخت دورہ آیا۔ میں ایک دفعہ بھکر ضلع میانوالی کے جلسہ پر جارہا تھا، انٹر کلاس میں سوار تھا۔ شیر شاہ اسٹیشن پر درد شروع ہوا، مظفر گڑھ گزر کر بہت سخت ہوگیا، طبیعت بے قرار ہوگئی۔ اتفاق سے اسی ڈبہ میں مولوی دوست محمد ملتانی سوار تھے۔ ان سے کہا کہ جس اسٹیشن پر ہسپتال ہو وہاں مجھے اُتار لو اور آپ بھی سفر کا ارادہ ملتوی کردو، بلکہ میرے ساتھ رہو۔ انہوں نے منظور کیا۔ جب گاڑی کوٹ ادو کے اسٹیشن پر پہنچی تو مولوی عبدالغفور صاحب مع چند احباب کے، ملنے کی غرض سے اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے۔ وہاں اُترا اور ان احباب نے اسٹیشن سے قریب ایک مکان کا انتظام کرکے جلد ڈاکٹر کو بلایا اور انیمہ کرایا۔ پھر دوا دی۔ ظہر کے بعد درد رُکا مگر اُٹھنے کی ہمت نہ تھی۔ مولوی دوست محمد اسی حالت میں لے کر اسٹیشن پر آئے۔ تین بجے شام گاڑی میں لٹایا۔ ملتان پہنچ کر ڈاکٹر مقبول احمد صاحب سے دوا لی، پھر گھر پہنچا۔ تقریباً ہفتہ عشرہ کے بعد چلنے پھرنے کی ہمت ہوئی۔

(۲) ۲۳/۲۴ مارچ ۱۹۵۵ء (۲۹-۳۰ رجب ۱۳۷۴ھ) بروز بدھ جمعرات کی درمیانی شب لائل پور میں چوہدری محمد رمضان کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا۔ صبح اُٹھ کر چنیوٹ کے جلسہ پر جانا تھا۔ رات کے ایک دو بجے دردِ گردہ شروع ہوا۔ بہت تکلیف دیکھ کر چوہدری صاحب ڈاکٹر صاحب کو لائے۔ ٹیکہ اور دوا کا استعمال کرایا گیا تو قدرے آرام ہوا۔ صبح کے بعد حافظ حکیم عبدالمجید صاحب بھی تشریف لائے۔ انہوں نے بھی کچھ دوائیں دیں، کچھ فائدہ ہوا۔ مگر اطمینان کی صورت نہ تھی۔ اس لئے احباب کے مشورہ سے شام کی گاڑی سے ملتان واپسی ہوئی۔ کئی دن کے علاج کے بعد تکلیف سے آرام آیا۔

(۳) ۱۵/۱۶ جون ۱۹۵۵ء (۲۴-۲۵ شوال ۱۳۷۴ھ) کو میں چوہدری سردار محمد صاحب، پرنسپل کے مکان پر جامعہ اشرفیہ لاہور میں مقیم تھا کہ دردِ گردہ کا شدید دورہ آیا۔ ڈاکٹر ضیاء الدین خان صاحب نے علاج شروع کیا، جب آرام نہ آیا تو انہوں نے ۱۷/ جون ۱۹۵۵ء کو گنگا رام ہسپتال میں داخل کرایا۔ کئی روز اس میں علاج ہوتا رہا۔ درد کی شدت تو رک گئی، مگر درد کا اثر اور نقاہت بہت تھی۔ حتیٰ کہ چلنا پھرنا بھی مشکل تھا۔ اسی حالت میں محمد شریف سلمہ بمعہ اہلیہ احقر و برخورداری..... سلمہا لاہور ہسپتال پہنچ گئے۔ پھر ۲۵ جون شام کو فرسٹ کلاس کے ٹکٹ سے گاڑی پر سوار ہوکر ۲۶ جون ۱۹۵۵ء صبح کو ملتان پہنچا۔ ملتان آکر تکلیف اور نقاہت کا سلسلہ بہت طویل رہا۔ حکیم عطاء اللہ صاحب کا ڈیڑھ ماہ تک علاج جاری رہا۔ پھر تخفیف ہوئی۔ طبیعت میں ضعف کافی ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اس سے ہلکے درجہ کے دورے درد گردہ کے آئے، مگر اس درجہ تکلیف دہ نہیں ہوا۔ البتہ کمر کے بائیں پہلو میں درد کی شکایت اب تک باقی ہے۔ کبھی زیادہ ہوجاتا ہے، کبھی کم۔ مگر اکثر رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شفاء کامل عاجل عطا فرمائے، آمین۔

لیکن درد گردہ کے دورے اس کے بعد بھی رُکے نہیں، بلکہ بار بار ہوئے، یہاں تک کہ کمبائنڈ سول اینڈ ملٹری ہسپتال (سی.ایم.ایچ) ملتان میں اور نشتر ہسپتال ملتان میں داخل ہوکر دو بار بڑے بڑے آپریشن ہوئے، جن سے بہت

نقاہت ہوئی، تیز فالج بھی ہوا۔ ان عوارض سے ضعف ونقاہت بہت ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود بھی جب تک تن میں جان رہی کام کی پابندی، مدرسہ کی نگرانی اور نماز باجماعت کی پابندی ماشاء اللہ ہوتی رہی۔ بالآخر کب تک۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ یہی علالت ونقاہت سفرِ آخرت کا پیش خیمہ ہوگئی۔

احقر مؤلف کا ایک خط جو مدرسہ خیرالمدارس ملتان سے اہلیہ اولیٰ کو ٹنڈوالٰہ یار کے پتہ پر لکھا تھا، محفوظ ہے۔ یہ خط بروز جمعہ ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ (۵ ستمبر ۱۹۶۹ء) کو لکھا تھا۔ اسی سے حضرت والاؒ کے آپریشن کا کچھ حال معلوم ہوتا ہے۔ اس میں سے متعلقہ اقتباسات حسبِ ذیل ہیں:

''بحمداللہ بخیریت کل صبح ۶ بجے ملتان پہنچا۔ تیز گام سے مدرسہ پہنچا تو تھوڑی ہی دیر میں ہسپتال گیا۔ حضرت والاؒ کا آپریشن بدھ ۳ ستمبر کو ہوگیا تھا۔ دو پتھریاں بائیں طرف سے نکلیں۔ داہنی طرف ایبٹ آباد میں آپریشن ہوا تھا، اس میں تین پتھریاں نکلی تھیں۔ وہاں کمزوری بے حد تھی، یہاں اب منگل و بدھ کی درمیانی شب میں زیادہ تکلیف و بے چینی رہی۔ نیند کے انجکشن لگا دیتے ہیں۔ کل صبح حضرت والاؒ نے خود ہی باتیں کیں۔ یہ بھی فرمایا کہ بہت دیر لگائی۔ شام کو پھر گئے، اس وقت انجکشن کے اثر سے غنودگی تھی۔ کچھ برائے نام سی خوراک دی جانے لگی ہے۔ بتاتے ہیں کہ آپریشن ٹھیک ہوگیا ہے۔''

اس کے چند سطر بعد ہے:

''ابھی واپسی کے بارے میں کچھ طے نہیں۔ حضرت والاؒ کے بغیر مدرسہ میں دل تو لگ نہیں رہا۔ باوجود اتنے تعلقات کے۔ اور ہر طرح کا آرام ہونے کے، قدرے افاقہ ہونے پر جلدی ہی ارادہ ہے۔ بہرحال اس خط کے پہنچنے سے پہلے پہنچنا مشکل ہے۔''

اس سے بہت پہلے جب کوئی آپریشن ہونے کا بھی علم نہیں۔ حضرت والاؒ کراچی تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان دنوں احقر سندھ مدرسۃ الاسلام سیکنڈری سکول سرائے روڈ کراچی میں سکول ٹیچر بھی تھا اور سندھ مدرسہ کی مسجد میں امامت و خطابت کی وجہ سے مکان بھی ملا ہوا تھا۔ اسی مکان میں حضرت والاؒ قیام فرماتے تھے کہ رات کو دردِ گردہ شروع ہوگیا تھا اور گرم پانی سے سنکائی (ٹکور) کی گئی۔ یہ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ (دسمبر ۱۹۵۴ء) کی بات ہے جب احقر دارالعلوم الاسلامیہ سے تعلق ہونے پر ٹنڈوالٰہ یار گیا تو وہاں سے جو عریضہ بروز بدھ ۱۷ رشوال ۱۳۷۷ھ کو لکھا تھا۔ اس کے جواب میں وہاں جو پہلا ہدایت نامہ پہنچا اس میں خیریت کا حال دریافت کرنے پر یہ جواب تحریر فرمایا تھا:

''حضرت مولانا احتشام الحق صاحب کے ملتان سے واپسی کے بعد مجھے دردِ گردہ کی تکلیف شروع ہوگئی تھی۔ ڈیڑھ ہفتہ بعد اب آرام آیا ہے، الحمدللہ۔''

ٹنڈوالٰہ یار ہی سے ایک عریضہ حضرت والاؒ کی خدمت بابرکت میں ۲۰-۶-۱۹۷۸ء کو تحریر کیا تھا۔ عریضہ کا اقتباس یہ ہے:

''عرض ہے کہ آج حضرت مولانا احتشام الحق صاحب مدظلہٗ یہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ حضرت والاؒ چند روز میں کراچی تشریف لانے والے ہیں۔''

اس کا جواب یہ تحریر فرمایا تھا:

''جنوری کے عشرہ اولیٰ میں کراچی جانے کا قصد تھا، مگر ناگاہ ایک ہفتہ سے درد گردہ کا شکار ہو گیا ہوں۔ آج بفضلہٖ تعالیٰ تخفیف ہونے سے سہارا لگا کر ڈاک لکھنا شروع کی ہے۔ ایک ہفتہ تک کراچی جانا ہوگا۔ واپسی میں ان شاء اللہ تعالیٰ ٹنڈوالہ یار بھی حاضری کا قصد ہے۔ تعین ہونے پر تاریخ کی اطلاع دوں گا۔ والسلام

(دستخط) خیر محمد (۱-۷-۱۳۷۸ھ، یوم الاحد)''

جمعہ ۲۹-۲-۱۳۷۹ھ (۴-۹-۱۹۵۹ء) کے عریضہ میں درخواست کی ہے کہ ''براہ کرم حضرت والاؒ اپنی صحت و عافیت سے مطلع فرمائیں۔'' اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے ''بہت دنوں درد گردہ کا دورہ رہا۔ اب افاقہ ہے۔ مگر قدرے چمک باقی ہے۔''

جمعہ ۵-۴-۱۳۷۹ھ (مطابق ۹-۱۰-۱۹۵۹ء) کو دریافت حالت صحت کے جواب میں فرمایا ہے۔ ''بفضلہٖ تعالیٰ صحت یاب ہوں اور کام کر رہا ہوں۔''

اس کے بعد جمعہ ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ (۶ مئی ۱۹۶۰ء) کو صحت و عافیت دریافت کرنے پر تحریر فرمایا: ''کئی ایام سے صحت خراب ہے۔ درد کمر وغیرہ کی تکلیف ہنوز باقی ہے۔ دعاء صحت کرتے رہیں۔''[1]

پھر جمعہ ۲۶ محرم ۱۳۸۰ھ (۲۲ جولائی ۱۹۶۰ء) کو صحت و عافیت سے مطلع فرمانے کی درخواست پر تحریر فرمایا ہے:

''ابھی پوری صحت نہیں، بلکہ کمر میں درد رہتا ہے۔ اس لئے سفر عموماً بند کر رکھا ہے۔''

احقر نے شنبہ ۱۹ صفر ۱۳۸۰ھ کے عریضہ میں لکھا ہے: ''حضرت والا کی ناسازیٔ طبع کا حال معلوم ہوا تھا، افسوس ہوا۔''

ارشاد: ''تکلیف بدستور ہے، مگر بفضلہٖ تعالیٰ مجبور کنندہ نہیں۔''

عرض: ''یہ خادم بھی دُعاء کرتا رہتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کو جلد صحت کاملہ عطا فرمائیں۔''

ارشاد: ''حق تعالیٰ آپ کی دُعاؤں کو قبول فرمائے، آئندہ بھی دعاء سے فراموش نہ فرمائیں۔ بندہ بھی دعاء گو ہے۔''

اس کے بعد جمعہ ۸-۴-۱۳۸۰ھ (۳۰ ستمبر ۱۹۶۰ء) کے عریضہ میں لکھا ہے: ''اور اہلیہ حضرت والا کی صحت کو بھی دریافت کرتی ہیں۔'' اس کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ''ایسی اچھی نہیں، جیسی چاہئے۔''

---

[1] مدت طویلہ کی اصلاحی مکاتبت میں سے حضرت والاؒ کی علالت کے حالات اور طلب خیریت و حالت صحت کے متعلق استفسارات اور حضرت والاؒ کے جوابات اور متعلقہ اقتباسات کو باوجود قصداً اختصار کے اس لئے باقی رکھا گیا کہ حضرت والاؒ کے جوابات میں خواہ وہ اپنی حالت صحت ہی کے بارے میں ہوں تاہم طالب اصلاح کے لئے بہت کچھ استفادہ کا موقعہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ علالت کا حال اس طرح بتانا کہ بقدر ضرورت امر واقعہ کا اظہار بھی ہو جائے جس میں نہ خلاف واقعہ بیان یا بے ضرورت اخفاء ہو نہ ضرورت سے زائد اس طرح اظہار ہو جس سے صبر و تفویض میں کمی پائی جائے اور خدام کو تشویش بھی ہو۔ بلکہ بقدر ضرورت قوت ہونے پر کام میں مشغول رہنا ان سب باتوں میں طالبین اصلاح کیلئے سبق ہے۔ (آ)

جمعہ ۱۴-۵-۱۳۸۰ھ (۴ نومبر ۱۹۶۰ء) کے عریضہ میں صحت کا حال دریافت کرنے پر جواب ارشاد فرمایا:
’’پہلو کمر میں درد رہتا ہے۔ اتنا جو ضروری کاموں سے تو مانع نہیں ہے۔ الحمد للہ علٰی ذٰلک۔‘‘
جمعہ ۹ محرم ۱۳۸۱ھ کے عریضہ کا جواب جو ۱۷-۱-۱۳۸۱ھ کو تحریر فرمایا ہے، اس میں ہے: ’’بفضلہٖ تعالیٰ خیریت سے ہوں۔‘‘
جمعہ ۱۱-۴-۱۳۸۱ھ کے عریضہ میں دریافت صحت کے جواب میں ہے: ’’بس کام چل رہا ہے۔‘‘

فالج کا اثر:

ایک عریضہ جو جمعرات ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ (۲ نومبر ۱۹۶۱ء) کو تحریر خدمت کیا تھا، اس کے جواب میں عریضہ کی باتوں کے جواب کے بعد فالج کے اثر کی اطلاع یہ تھی:

’’میری حالت یہ ہے کہ آج ایک عشرہ ہوا کہ زبان صاف نہیں چلتی اور دماغ میں ضعف آ گیا ہے۔ طبیب کی تشخیص، یہ فالج کا اثر ہے۔ خیر علاج شروع ہے۔ (دستخط) خیر محمد ملتان‘‘

فالج کے اثر سے تحریر بھی صاف نہیں تھی۔ کئی لفظ بمشکل پڑھے گئے۔ اچانک فالج کی خبر سے بہت صدمہ اور فکر ہوا۔
اس کے بعد حضرت والاؒ کا ایک شفقت نامہ اور تسلی نامہ آیا۔ جس کے ساتھ خادم کا کوئی عریضہ نہیں ہے۔ اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ از خود ہی تحریر فرمایا ہے۔ کسی عریضہ کے جواب میں نہیں ہے (یا عریضہ صرف دریافت خیریت کے لئے تحریر خدمت کیا ہوگا۔ اس لئے اس کو واپس نہیں فرمایا، کیونکہ اس پر تحریر نہیں فرمایا۔ البتہ کوئی لفافہ ایسا اس کے ساتھ موجود نہیں جس پر حضرت والاؒ کے قلم سے پتہ تحریر ہو) اس والا نامہ کی نقل حسب ذیل ہے:

حضرت والاؒ کا شفقت نامہ برائے اطلاع افاقہ:

مکرمی محترمی جناب مولوی آفتاب احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم! میں نے ڈاکٹری علاج چھوڑ کر یونانی اختیار کیا ہے۔ اسی لئے میانوالی شہر گیا تھا۔ وہاں ایک حکیم صاحب پرانے ماہر سنے جاتے ہیں۔ ان کے پاس دو دن رہا۔ انہوں نے تشخیص کی تو ساتھ شکر کی تشخیص ہوئی۔ اب ان کی دوائی استعمال کر رہا ہوں۔ اب پہلے سے اچھا ہوں۔ کمزوری ہے بدن میں۔ رفتہ رفتہ چلی جائے گی۔ تم کوئی فکر مت کرو۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہٗ کو اطلاع کر دو کہ آگے طبیعت اچھی ہے۔ بہت کچھ افاقہ ہے۔ دعاء کرتے رہو۔ سویٹر پہنچ گیا ہے، اسی وقت سے پہن لیا ہے۔ بہت مناسب ہے۔ دل سے دعاء کی بنانے والی کے لئے۔ ان کو میری طرف سے سلام مسنون کہہ دینا۔ (دستخط) خیر محمد ملتان‘‘ ۱-۷-۱۳۸۱ھ

مکاتبت متعلق حال صحت حضرت والاؒ:

اس کے بعد حضرت والاؒ کی خدمت بابرکات میں عریضہ تحریر کیا، جس سے ابتدائی حصہ کا اقتباس درج ذیل ہے اور ساتھ ساتھ حضرت والاؒ کے ارشادات ہیں:

(بعد البسملۃ) ''سیدی ومولائی الکریم دامت فیوضکم وبرکاتکم ودام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ارشاد: السلام علیکم

عرض: حضرت والا کے تسلی آمیز والا نامہ یکم رجب (جس میں حضرت والا نے اپنے افاقہ کا حال تحریر فرمایا ہے) سے خادم مشرف ہوا۔ اس نالائق کے حال پر حضرت والا کی شفقت وعنایات اور تسلی کے کلمات مبارکہ پڑھ کر خادم کو رونا آ گیا۔ اور کافی حد تک طبیعت کو سکون ہوا۔ حسب ارشاد حضرت والا، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مدظلہ کو حضرت والا کے افاقہ کی اطلاع کر دی تھی۔ حضرت مولانا عثمانی صاحب نے حضرت والا کو سلام کہا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ دعاء کر رہے ہیں۔

ارشاد: ان کی دعاء کی برکت ہے۔ ان کی خدمت میں سلام کہنا۔

عرض: حضرت مولانا حافظ رشید احمد صاحب مدظلہ کے خط (مورخہ ۶ شعبان) سے معلوم ہوا کہ حضرت والا کی طبیعت دن بدن اچھی ہوتی جا رہی ہے۔ الحمد للہ اس سے اب پھر قدرے اطمینان ہوا۔

ارشاد: اب بہت اچھا ہوں۔

اس کے بعد بروز اتوار ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ (۲۲ر اپریل ۱۹۶۲ء) کے عریضہ میں صحت بدنی کا حال دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا ہے: ''بہ نسبت پہلے سے اچھی ہے۔'' لیکن چہار شنبہ ۲۹-۶-۱۳۸۲ھ (۲۸ نومبر ۱۹۶۲ء) کے عریضہ میں صحت و عافیت کا حال دریافت کرنے پر تحریر فرمایا ہے: ''آج کل انفلوئنزا کے بعد درد کمر شروع ہوا ہے۔ دعاء فرماویں کہ اللہ تعالیٰ صحت عطا فرماوے۔''

اس کے بعد شنبہ یکم شعبان ۱۳۸۲ھ (۲۹ دسمبر ۱۹۶۲ء) کے عریضہ میں تحریر خدمت کیا ہے: ''براہِ کرم حضرت والا اپنی صحت جسمانی کے حال سے مطلع فرمائیں۔ دعائے صحت برابر جاری ہے۔'' اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے: ''آپ کی ہمدردی کا شکر گزار ہوں۔ اب پہلے سے میری طبیعت اچھی ہے۔ مگر ضعف بہت ہے۔ سفر کے قابل نہیں۔''

بروز جمعرات ۲۰ شعبان ۱۳۸۲ھ (۱۷ جنوری ۱۹۶۳ء) کے عریضہ میں رمضان المبارک میں حاضر خدمت رہنے کی اجازت طلب کرنے پر ارشاد فرمایا ہے: ''میں آج کل بیمار ہوں۔ شروع رمضان میں بشرط صحت ایک ہفتہ کا دورہ سکھر و حیدرآباد کا ہے۔ پھر یہیں رہنا ہے۔ آگے آپ جیسا منشاء ہو کریں، آ جائیں۔''

جمعہ ۱۱ شوال ۱۳۸۳ھ (۸ مارچ ۱۹۶۳ء) کے عریضہ میں دریافت صحت و عافیت پر تحریر فرمایا ہے: ''اب قریب صحت کے ہے۔''

اس کے بعد جمعہ ۱۹ صفر ۱۳۸۳ھ کو جب کہ احقر بکار مدرسہ کراچی گیا ہوا تھا، وہاں سے صرف خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے عریضہ تحریر خدمت کیا۔ اس کے جواب میں تحریر فرمایا: ''میں بحمد اللہ خیریت سے ہوں اور دعاء کرتا ہوں۔''

اس کے بعد دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار سے ۵ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ کے عریضہ میں تحریر خدمت کیا ہے: ''نہایت ادب سے درخواست ہے کہ براہ کرم حضرت والا اپنی صحت و عافیت سے مطلع فرمائیں۔'' اس کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ''میری صحت[1] آج کل گری ہوئی ہے۔ درد گردہ کا دورہ کئی دنوں سے ہے۔ اب کچھ تخفیف ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت تامہ عطا فرما دے، آمین۔''

یکشنبہ ۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ (۱۵ دسمبر ۱۹۶۳ء) کے عریضہ میں اجازت چاہی ہے کہ خادم رمضان شریف میں حضرت والا کی خدمت میں حاضر رہے۔ اس کی اجازت بخوشی عطا فرمائی ہے۔ لیکن احقر کو راولپنڈی وغیرہ بھی جانا تھا۔ وہاں جانے سے قبل ۱۰ شعبان کو ملتان پہنچنے کے پروگرام کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے: ''میں ۱۱ شعبان سے ۱۶ شعبان تک باہر کے مدارس میں امتحان لینے جا رہا ہوں۔ بشرطیکہ تندرست ہوا۔ آج تین روز سے کمر میں درد ہے۔ جس کی وجہ سے سفر سے معذور ہوں۔''

حضرت والاؒ کی شرح بخاری شریف کی نقل کا کام یہ خادم کر رہا تھا۔ مسودہ کے اوراق کا انتظار تھا۔ اس بارے میں دو شنبہ ۱۳-۱-۱۳۸۴ھ کو عریضہ تحریر خدمت کیا تھا، اور صحت و عافیت کی طرف سے بھی فکر و تشویش کا اظہار کیا تھا، جس کا جواب آیا: ''آخری تقریر اور آپ کا خط ملا۔ میں ایبٹ آباد سے ۱۶ دن کے بعد آیا تھا۔ مگر کچھ داڑھوں کا عارضہ ہوا۔ دو نکلوا دیں، جبڑے میں درد اب تک ہے۔ کمر میں درد ہے، اس لئے طبیعت پریشان رہی اور گرمی سخت ہے، اس لئے تقریر کا کوئی حصہ ضبط نہ کر سکا۔ اب ارادہ ہے کہ ہفتہ عشرہ میں بھیجوں گا۔ بادل نخواستہ سبق بخاری شریف پڑھا لیتا ہوں۔ اب طبیعت کچھ سنبھلی ہے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ ڈاک سے فارغ ہو کر تقریر شروع کروں گا۔ دعاء کرتے رہیں۔ والسلام۔ برخورداری کو پیار و دعاء۔ اہلِ خانہ کو سلام مسنون و دعاء۔ (دستخط) خیر محمد از ملتان (۱۳۸۴/۲/۲۳ھ)

اس کے بعد حضرت والاؒ کی طرف سے والا نامہ بمعہ اوراق تقریر بخاری شریف صادر ہوا۔ یہ ۱۸-۳-۱۳۸۴ھ کا ہے۔ اس میں تحریر فرمایا ہے: ''میری طبیعت درد کمر وغیرہ کی وجہ سے کچھ خراب رہی، اب اچھی ہے۔''

پھر ۱۳۸۴/۴/۸ھ کے عریضہ کے جواب میں ہے: ''باقی اب اچھا ہوں۔ الحمد للہ۔''

---

[1] یہاں کوئی لفظ (صحت) یا (طبیعت) لکھنے سے ساقط ہو گیا ہے۔

دوشنبہ ۶ صفر ۱۳۸۵ھ کے عریضہ کے جواب میں ہے: ''میں کئی دنوں سے علیل الطبع ہوں۔ وجع المفاصل اور درد کمر اکثر رہتا ہے۔'' اس کے بعد ۷-۳-۱۳۸۵ھ کے والا نامہ میں تحریر فرمایا ہے: ''آج درد کمر میں کافی افاقہ ہے، الحمد للہ علیٰ ذلک۔''

جمعہ ۲۳ ربیع الاوّل ۱۳۸۵ھ (۲۳-۷-۱۹۶۵ء) کے عریضہ پر یہ تحریر فرمایا ہے: ''(اطلاع) درد کمر دو ماہ سے ہے۔ ابھی تک آرام نہیں آیا۔ علاج ڈاکٹری شروع ہے۔ تخفیف پہلے سے ہے۔ دعاء کریں۔''

(دستخط) خیر محمد ۲۹-۳-۱۳۸۵ھ''

عریضہ دوشنبہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ (۱۶/اگست ۱۹۶۵ء) میں طلب خیریت کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ''اب درد کمر (سے) قریب صحت ہے۔''

عریضہ جمعہ ۱۹-۶-۱۳۸۵ھ (۱۵/اکتوبر ۱۹۶۵ء) کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ''درد کمر ابھی تک ہے۔''

عریضہ جمعرات ۱۸/۱۹/شوال ۱۳۸۵ھ (۱۰ فروری ۱۹۶۶ء) جو احقر نے سفینۂ عرب پر ملازمت کر کے سفرِ حج پر روانہ ہونے سے قبل تحریر خدمت کیا تھا۔ اس میں دریافت صحت و عافیت کے جواب میں تحریر فرمایا ہے: ''میں خیریت سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بے فکر یہ سفر مبارک طے کرائے، آمین۔''

جمعہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ (۲۲-۷-۱۹۶۶ء) کے عریضہ میں عرض کیا ہے: ''کراچی میں مولانا انوری صاحب سے حضرت والا کی طبیعت ناساز ہونے اور افاقہ کا حال معلوم ہوا تھا۔ اب مزاج مبارک کیسا ہے؟'' جواب ارشاد فرمایا ہے: ''اب افاقہ ہے، دعا کرتے رہیں۔''

سہ شنبہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ (۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کے عریضہ میں احقر نے تحریر کیا ہے: ''بصد آداب خدمت بابرکات میں نیازمندانہ عرض ہے کہ براہ کرم حضرت والا اپنی صحت وعافیت کے حال سے مطلع فرمائیں۔''

جواب ارشاد فرمایا: ''گاہے چنیں گاہے چناں''

اس کے بعد عریضہ یکشنبہ ۹ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ (۲۵ ستمبر ۱۹۶۶ء) پر بطور اطلاع تحریر فرمایا ہے:

''اور تقریر لکھی نہیں، کیونکہ اکثر بیمار رہتا ہوں، فرصت نہیں ہوتی۔ (دستخط) خیر محمد۔

اس کے بعد والے والا نامہ کی نقل حسب ذیل ہے:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! شرح بخاری از ص ۸۲ تا ص ۱۱۷ مع نقل از ص ۲۰۱ تا ۳۰۰ پہنچ گئی ہے، اطمینان فرماویں۔ میری طبیعت اچھی نہیں اور کچھ فرصت نہیں۔ اس لئے مزید تقریر بخاری لکھنی شروع نہیں کی۔ شاید رمضان میں موقع ملے۔ دعا کرتا ہوں اور یہی چاہتا ہوں۔ (دستخط) خیر محمد از ملتان ۴/ رجب ۱۳۸۶ھ''

عریضہ جمعرات ۹ محرم ۱۳۸۷ھ پر از خود حالت صحت کا حسب ذیل ذکر فرمایا ہے:

''(اطلاع) آج کل میرے شکم میں ریح پیدا ہو کر تکلیف رہتی ہے۔ والسلام

(دستخط) خیر محمد از ملتان ۱۳-۱-۱۳۸۷ھ''

پیر ۴ صفر ۱۳۸۷ھ (۱۵ مئی ۱۹۶۷ء) کے عریضہ پر جواب کے بعد تحریر فرمایا ہے:

''(اطلاع) میں آج ریاست بہاول پور کے علاقہ میں ایک ہفتہ کے لئے جا رہا ہوں۔ واپس آ کر شرح بخاری لکھ کر بھیجوں گا۔ انتظار نہ کرنا۔ کئی دنوں سے مجھے زکام کی شکایت ہے اور کچھ کمر میں درد بھی ہے۔ شاید ہوا بدلی سے جاتا رہے۔ گھر میں کچھ افراد بیمار ہیں۔ دعاء صحت کرنا۔ گھر میں سلام مسنون کہہ دینا۔ والسلام

(دستخط) خیر محمد از ملتان ۶ صفر ۱۳۸۷ھ''

اس کے بعد سہ شنبہ ۲۶ صفر ۱۳۸۷ھ (۶ جون ۱۹۶۷ء) کے عریضہ میں ریاست بہاولپور کے علاقہ سے واپسی پر صحت و عافیت کا حال دریافت کرنے پر تحریر فرمایا:

''میں وہاں سے واپس ہوا تو زکام اور درد شکم و کمر میں مبتلا ہوا۔ کئی دن کے بعد اب خلاصی ہوئی ہے۔ اب ۱۵ جون کو کچھ مدت کے لئے ایبٹ آباد جا رہا ہوں۔ تقریر بخاری کا کام بند رہے گا۔ پتہ وہاں کا یہ ہے: مدرسہ امداد العلوم عزیزیہ، لوئر ملک، ایبٹ آباد (ہزارہ) معرفت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب۔ اہل و عیال بھی بندہ کے ہمراہ ہوں گے۔''

اس کے بعد جمعہ ۱۹/۴/۱۳۸۷ھ کے عریضہ پر جواب کے بعد کوئٹہ کے سفر کا ذکر فرمایا ہے۔ غالباً یہ بھی صحت کی وجہ سے تبدیلی آب و ہوا کے لئے اختیار فرمایا ہوگا۔ اور وہ حسب ذیل ہے:

''میں اب کچھ دنوں کے لئے کوئٹہ جا رہا ہوں، پتہ یہ ہے: مدرسہ مطلع العلوم، بروری روڈ، کوئٹہ (بلوچستان)

(دستخط) خیر محمد''

دوبارہ فالج کا حملہ:

سہ شنبہ ۲۶ رجب ۱۳۸۷ھ کے عریضہ پر حضرت والاؒ کی طرف سے کسی صاحب کے قلم سے لکھا ہوا جواب آیا، اس میں یہ تھا: ''مجھے آج کل فالج کا خفیف سا حملہ ہے۔ اس لئے لکھنے سے معذور ہوں۔''

جواب پہنچنے سے پہلے ہی شرح بخاری شریف کی آخری قسط نقل ہونے پر نیز تعطیلات رمضان شریف میں ملتان حاضر خدمت ہونے کی اجازت طلب کرنے کے لئے بروز ہفتہ ۳۰ رجب ۱۳۸۷ھ کو عریضہ تحریر خدمت کیا۔ جس کے جواب میں حضرت والاؒ کی طرف سے حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ کے قلم سے لکھا ہوا والا نامہ آیا، جس کی نقل حسب ذیل ہے:

''السلام علیکم! میں نے کہیں نہیں جانا۔ جب آؤ گے، یہیں پاؤ گے۔ اب کچھ لکھنے کی ہمت نہیں۔ والسلام

از حضرت مولانا صاحب بقلم محمد شریف جالندھری''

چونکہ شرح بخاری شریف کی آخری قسط ارسال خدمت کرتے ہوئے عریضہ میں یہ درخواست بھی کی تھی، کہ اب کتب حدیث شریف میں سے کسی اور کی شرح تحریر کرنا شروع فرمادیں۔ اسی کے جواب میں یہ املا کرایا ہوگا کہ ''اب کچھ لکھنے کی ہمت نہیں۔'' نیز ایک جوابی پوسٹ کارڈ کے نصف حصہ پر بھی یہ درخواست کی تھی کہ شرح بخاری شریف کے یہ صفحات ارسال خدمت ہیں۔ پہنچنے پر اطلاع فرمادی جائے۔ پوسٹ کارڈ پر اس کا یہ جواب آیا:

(کارڈ پر ٹنڈو اللہ یار ڈاک خانہ کی مہر ۱۳ نومبر ۱۹۶۷ء سمجھ میں آتی ہے)

''السلام علیکم! کتاب پہنچ گئی ہے۔ میں نے کہیں نہیں جانا۔ جب آؤ گے اِن شاء اللہ تعالیٰ یہیں پاؤ گے۔ اب کچھ لکھنے کی ہمت نہیں۔ والسلام ازسیدی حضرت والد صاحب مدظلہ بقلم محمد شریف جالندھری''

ضعف:

اس کے بعد چہارشنبہ ۴ محرم ۱۳۸۸ھ (۳/ اپریل ۱۹۶۸ء) کے عریضہ میں خیریت دریافت کرنے پر اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے: ''سوائے ضعف کے اور کوئی بیماری نہیں، بحمد اللہ''

اور عریضہ جمعرات ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ میں صحت وعافیت کا حال دریافت کرنے پر تحریر فرمایا ہے:

''مجھے ضعف بہت ہوگیا ہے۔ طبیعت کبھی اچھی، کبھی خراب، مختلف حالات ہیں۔ ویسے میں پڑھاتا ہوں۔''

بروز سہ شنبہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ کے عریضہ میں صحت وعافیت کے حال سے مطلع فرمانے کی درخواست پر یہ جواب تحریر فرمایا:

''الحمد للہ! خدا کے فضل وکرم سے صحت کی طرف سے اطمینان ہے۔ البتہ ضعف دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ دوسرے ملتان گرمی کی شدت ہے۔ اس لئے ۳ جولائی کو ایبٹ آباد جارہا ہوں۔''

ایبٹ آباد میں آپریشن:

اغلباً یہی سفر ایبٹ آباد تھا جس میں داہنی طرف آپریشن ہوا تھا، اور تین پتھریاں نکلی تھیں، اور اس سفر سے واپسی پر ملتان ۲ ستمبر ۱۹۶۹ء کو آپریشن ہوا تھا، اور دو پتھریاں بائیں طرف نکلی تھیں۔ اس کا حال اس باب (علالت وسفر آخرت) کے شروع میں آچکا ہے، جہاں احقر نے اپنے ایک محفوظ رکھے ہوئے خط سے اقتباس نقل کیا ہے۔

شعبان ۱۳۸۹ھ میں احقر ٹنڈو اللہ یار سے کراچی منتقل ہوگیا تھا، اور ڈیفنس سوسائٹی کی مسجد طوبیٰ میں خطیب تھا، شاید بقایا سامان لینے کے لئے ٹنڈو اللہ یار گیا ہوا تھا، وہاں کسی نے حضرت والا کا آپریشن کا ذکر کیا تو احقر کراچی آکر چھٹی لے کر ملتان گیا، اور حضرت والا کی ہسپتال میں زیارت کی، وہاں سے واپسی پر کچھ روز بعد حضرت والا کا گرامی نامہ (کارڈ) ملا، جس کی نقل حسب ذیل ہے:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مجھے اب آپریشن سے تو آرام ہے۔ مگر کمر اور اعضاء میں درد کافی ہو رہا ہے۔ کئی ماہ تک اچھا ہوں گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ عزیزم عبدالحق سلمہ ایک ہفتہ سے کراچی گیا ہوا ہے۔ کوئی (اطلاع[1]) نہیں دی۔

والسلام (دستخط) خیر محمد از ملتان ۱۹ شوال ۱۳۸۹ھ''

اس کے بعد احقر نے کراچی ہی سے شب دوشنبہ ۲۶ شوال ۱۳۸۹ھ کے عریضہ میں لکھا ہے:

''آپریشن سے آرام ہونے سے ایک گونہ اطمینان ہوا۔ والحمد للہ۔ کمر اور اعضاء کے درد کی فکر ہے۔''

اس پر تحریر فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ اس سے بھی آرام دے گا۔''

آخری عریضہ جس میں صحت و عافیت کے حال سے مطلع فرمانے کی درخواست کی ہے، پیر ۲۸/۱/۱۳۹۰ھ (۶ راپریل ۱۹۷۰ء) کا ہے، اس میں تحریر فرمایا ہے: ''میری طبیعت پوری اچھی نہیں، بدن میں درد کافی رہتا ہے، خصوصاً صبح کے وقت۔''

آخری دو عریضے اور حضرت والاؒ کے جوابات:

اس کے بعد صرف دو عریضے اور تحریر خدمت والا کیے، جن کے جوابات خود تحریر فرمائے۔ آخری عریضہ ۱۵ رجب ۱۳۹۰ھ (۱۷ ستمبر ۱۹۷۰ء) کا لکھا ہوا ہے۔ یہ آخری تینوں عریضے پاک کالونی کے مکان میں رہائش کے زمانہ کے ہیں۔ سب سے پہلا عریضہ بھی پاک کالونی کے مکان میں رہائش کے زمانہ میں تحریر خدمت کر کے حضرت والاؒ سے اصلاحی تعلق شروع کرنے کی توفیق ہوئی تھی، اور آخری عریضہ بھی وہیں سے لکھا ہے۔

یہ آخری عریضہ حضرت والاؒ کے سفر آخرت سے ۳۵ یوم یعنی ایک ماہ پانچ یوم قبل تحریر خدمت والا کیا گیا تھا۔ کیونکہ تاریخ وفات ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ (مطابق ۲۲ راکتوبر ۱۹۷۰ء) ہے۔

حضرت والاؒ کے آخری سفر کراچی اور آخری بار زیارت کا ذکر تو باب اسفار میں آچکا ہے، اور آخری عریضہ کا ذکر اوپر گزرا۔ آخری عریضہ سے پہلا عریضہ جو ۲۱ جمادی الثانیہ ۱۳۹۰ھ کو تحریر خدمت کیا تھا، اس کا قریبی باعث اور محرک حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہ العالی[2] کا ارشاد گرامی ہوا تھا کہ اپنے شیخ کی خدمت میں خط لکھو۔ چنانچہ عریضہ میں اس کا ذکر بھی کیا ہے، جو حسب ذیل ہے:

''حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ مجاز بیعت از حضرت والا تھانویؒ) جو مدرسہ نیوٹاؤن میں مہمان تھے۔ تقریباً دو ہفتے قبل انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں سلام لکھنے کو فرمایا تھا، ان کا سلام مسنون عرض ہے۔''

---

[1] یہاں کوئی لفظ ''خبر'' یا ''اطلاع'' لکھنے سے رہ گیا ہے۔

[2] پاکستان میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے آخری خلیفہ مجاز بیعت تھے۔ یہ عریضہ لکھنے کے وقت بقید حیات تھے۔ افسوس ۲۳ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ کو رحلت فرما گئے۔ (اللھم اغفر وارحمہ واسعۃ وادخلہ جنات النعیم (آمین) (آ آ)

اس پر حضرت والاؒ نے سلام کا جواب ''وعلیکم السلام'' تحریر فرمایا ہے۔اس کے بعد عرض کیا ہے: ''انہوں نے خادم کو صرف یہ نصیحت فرمائی تھی کہ حضرت والا کی خدمت میں عریضہ لکھوں۔''

حضرت والاؒ کے وصال سے قبل مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ القاء عجیب تھا، جس کی برکت سے قبل وصال دو عریضے تحریر خدمت کرنے کی توفیق ہوگئی، اور سب سے آخری تعلیم وتلقین بھی (جو آخری عریضہ کے جواب کا آخری حصہ ہے) گویا جامع الوصایا اور خیر الوصایا ہے، جو حسب ذیل ہے (آخری سوال بھی عوارف المعارف کے مطالعہ کے سلسلہ میں تھا، جس کا مطالعہ اس سے قبل احقر کے لئے تجویز فرمایا تھا):

''ہم ضعفاء ہیں، ایسوں کے لئے اکمال الشیم معرفت الٰہیہ، التکشف، شریعت وطریقت، ملفوظات وغیرہ کافی ہیں، قدماء کی طویل کتب ہمارے بس کی نہیں ہیں۔ (دستخط) خیر محمد۔''

اس میں یہ تلقین ہوگئی کہ ان کتب سے علم ومعرفت اور عمل کے لئے علم اور جذبہ وہمت حاصل کرتے رہو۔ اور عمل کرتے رہو۔

آخری حالات اور سفرِ آخرت:

جیسا کہ پہلے گزرا، آخری سفر کراچی میں بھی بعض عجیب باتیں دیکھنے میں آئیں، جو اس سے قبل دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔ مثلاً حضرت والاؒ کے ساتھ چلنے کے لئے مدرسہ نیوٹاؤن سے اجازت لینے کو فرمانا۔ احقر کے غریب خانہ پر تشریف لے جانے کا فیصلہ فرمانا، جبکہ وقت تنگ تھا اور جن صاحب کی گاڑی تھی وہ پہلوتہی کر رہے تھے۔ اُستاذی المعظم حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے رُخصت ہوتے ہوئے دوبارہ ملنے کے لئے ان کے دروازہ پر پہنچ کر واپس لوٹنا اور اس کے علاوہ مخدومنا حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو خواب حضرت والاؒ کے بارے میں دیکھا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت والاؒ نے اپنے گھر میں جو تعبیر ذکر فرمائی تھی، اس کا حاصل یہ تھا کہ سفرِ آخرت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت والاؒ نے اپنے لئے قبر کی جگہ بھی حاصل کر لی تھی اور سنا ہے کہ ایسا کچھ فرماتے تھے کہ مجھے بھی تو اپنا گھر بنانے دو۔

حضرت والاؒ کی کراچی سے روانگی سے قبل مولانا احتشام الحق صاحبؒ کے یہاں خادم نے رمضان شریف کی تعطیلات میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، تو اجازت دے دی اور فرمایا کہ تین روز کے لئے آ جانا، خادم تو پورے ماہ کی اجازت لے کر حاضر ہوا کرتا تھا، حیران ہوا کہ تین روز کیوں فرما رہے ہیں۔ استفساراً عرض کیا کہ حضرت کہیں تشریف لے جانے والے ہیں؟ فرمایا کہ نہیں، حیرت تو ہوئی، مگر مزید کھود کرید کرنے کی جرأت نہ تھی۔ خاموش رہا۔ کیا معلوم تھا کہ حضرت والاؒ کے وصال پر تین ہی روز کے لئے حاضری ہوگی۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ملتان جانے کی تیاری میں اس دفعہ کافی دقت پیش آئی، اور دُشوار معلوم ہوا۔ مکان کے کمرہ کی چوکھٹ خراب اور غیر محفوظ تھی، وہ بنوائی، پھر چند روز طبیعت میں سخت گھٹن محسوس ہوئی

اور بھوک بند ہوگئی۔

آخر جمعہ کا دن تھا اور قیامت کا دن بھی جمعہ ہی کا ہوگا۔ نماز جمعہ کے بعد جامع مسجد نیوٹاؤن کے صحن سے باہر حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ[1] ملے۔ فرمایا بہت افسوس ہوا، مولانا کا انتقال ہوگیا۔ میں نے پوچھا کن مولانا کا؟ دوبارہ یہی فرمایا نام نہیں لیا۔ پھر شاید سہ بارہ بھی نام نہیں لیا۔ افسوس کا اظہار کیا۔ میں نے پوچھا مولانا بنوری کا؟ فرمایا نہیں مولانا خیر محمد صاحب کا۔

احقر سکتے کی حالت میں کھڑا رہ گیا۔ آخر مفتی صاحب نے فرمایا: جائیے مسجد میں لوگ ایصالِ ثواب کے لئے تلاوت کر رہے ہیں۔ مسجد میں چلا گیا۔ بمشکل تھوڑی سی تلاوت کر سکا۔ پھر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر دو تین بار اناللہ الخ پڑھا۔ اس سے مقصود احقر کو صبر کی تلقین تھی۔

احقر کو اطلاع جمعہ کو ہوئی۔ حالانکہ وفات پنجشنبہ بوقت چاشت ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۰ء کو ہوئی۔ احقر گھر پہنچا تو ملتان سے ہمشیرہ کا تار وفات کی اطلاع کا پہنچ چکا تھا۔ ملتان غالباً تین ہی روز میں واپس آ گیا۔ افسوس ہے احقر کو اطلاع بھی نہ ہو سکی۔ فون پر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کو اطلاع کی گئی تھی۔ وہ اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی بذریعہ طیارہ لاہور پہنچے (ملتان کی پرواز نہ تھی) وہاں سے بذریعہ کار ملتان آئے، اور جنازہ میں شریک ہوگئے۔ نماز جنازہ حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ نے پڑھائی۔

حضرت سید قمر الدین احمد صاحب مدظلہ نے بہت کہا کہ آفتاب کو اطلاع کر دو۔ فون پر کہا گیا تو قاری احترام الحق صاحب نے کہا کہ ہم اطلاع کر دیں گے، مگر کون اطلاع کرتا ہے۔ کسی نے اطلاع نہیں کی۔

معلوم ہوا کہ ہجوم کی وجہ سے جنازہ کو بانس باندھے گئے، اور نماز جنازہ قلعہ پر ہوئی۔ اندازہ ہے کہ ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ مدرسہ خیر المدارس کے احاطہ میں دارالحدیث کے متصل سپردِ خاک کیا گیا۔

خبر پھیلتے ہی معتقدین و متعلقین دور و نزدیک سے شرکت جنازہ وغیرہ کے لئے روانہ ہونا شروع ہوگئے۔ تعزیت کے خطوط جن سے حضرت والاؒ سے اکابر معاصر علماء و مشائخ اور دیگر معتقدین کی محبت اور عقیدت و عظمت کا اظہار ہوتا ہے، اور حضرت والاؒ کے بعض اخلاق فاضلہ اور صفات کمالیہ پر روشنی پڑتی ہے وہ اسی باب میں آ رہے ہیں۔ یہاں پر صرف حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوریؒ خلیفہ مجاز حضرت والاؒ کے گرامی نامہ کا اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جن سے ان کا آثار خیر الممات و خیر الوفات کے مشاہدہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم لائل پور کے ناظم تھے، افسوس ہے کہ ترتیب سوانح کے وقت وہ بھی رحلت فرما چکے ہیں[2]، اور اس عالم سے منتقل ہو کر ان شاء اللہ

---

[1] استاذی المحترم حضرت مفتی ولی حسن صاحب کئی سال ہوئے وفات پا چکے ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃ وادخلہ جنۃ النعیم (آمین) (آ آ)

[2] رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ (آمین) (آ آ)

تعالٰی اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوگئے ہوں گے۔ان کے خط کا اقتباس حسب ذیل ہے:[1]

''جی ہاں، روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد۔ حضرت والاؒ کی آخری زیارت چہار شنبہ ۷ رجب ۱۳۹۰ھ (۹ ستمبر ۱۹۷۰ء) کو بمقام میاں چنوں ہوئی۔ جب کہ حضرت والاؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت والاؒ کے انتقال کی خبر یہاں لائل پور جمعرات کو دوپہر میں پہنچ گئی تھی۔ مجھے از ان ظہر کے وقت اطلاع ہوئی۔ نماز کے بعد ٹیلی فون سے تصدیق کی۔ شہر میں احباب کو فون سے اور عوام کو بذریعہ لاؤڈ سپیکر دو رکشاؤں پر اطلاع کروائی۔ شام کو بعد مغرب شاہین ایکسپریس سے بمعہ احباب روانہ ہو کر گیارہ بجے شب میں ملتان پہنچے۔ مدرسہ حاضر ہوا۔ چہرہ انور کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مجھے تو چہرہ مبارک پر حیات سے بھی زیادہ تازگی معلوم ہوئی[2]:

پیشانی پر بوس دیا۔ قدموں کو آنکھوں سے ملایا۔ اپنی محرومیوں پر آنسو بہائے۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

دوسرے دن جمعہ کی صبح جنازہ اور پھر تدفین میں شرکت رہی۔ بوقت تدفین وہ شعر یاد آیا جو حضرت اقدس قطب العالم گنگوہی قدس سرہٗ کی تدفین میں کسی نے پڑھا تھا ؎

دباتے ہو کیا سمجھ کر زمیں میں یہ ہم دمو
گنجینہ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

جمعہ پڑھا۔ بعد عشاء تعزیتی اجلاس میں شرکت ہوئی۔ اگلی صبح بعد فجر قبر اطہر کی زیارت کی۔ یونہی معلوم ہوا کہ جیسے اندر کمرے میں بیٹھے ہیں، مدرسہ سے رخصت ہوا اور واپس یہاں آگیا۔

گفت جانم از محباں دور نیست   لیک بیروں آمدن دستور نیست

حضرت کی حیات میں ان کے تصور سے جو حال تھا، الحمد للہ وہی اب بھی ہے۔ دعاء فرماویں، میدانِ محشر میں بھی حضرت کا ساتھ نصیب ہو۔''

اس باب (علالت و سفر آخرت) میں احقر مؤلف کا بیان ختم ہوا۔ اب اس کے بعد حضرت والاؒ کی طویل علالت اور وفات وغیرہ کی جو بعض تفصیلات حضرت صوفی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب مدظلہٗ نے بیان فرمائی ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیے:

---

[1] الحمد للہ یہ حروف مسجد نبوی شریف کے دالان میں تحریر کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جہاں سے قبہ خضراء کا روح پرور اور جانفزا قرۃ العین بنا ہوا ہے۔ والحمد للہ والشکر الوف آلاف مرۃ (آ)

[2] کیوں نہ ہو۔ ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت ست بر جریدہ عالم دوام ما۔
جن کو عشق الٰہی سے حیات قلب جاودانی مل گئی ہو۔ جس نے عقیدہ حیات النبی ﷺ اور اس کی تفاصیل کو واضح کیا ہو اور حضرت نانوتویؒ کے بعد اس عقیدہ کی اتنی خدمت کی ہو تو میت کے چہرہ مبارک پر حیات سے بھی زیادہ تازگی کیوں نہ معلوم ہو۔ پھر یہ روایت بھی حضرت مولانا حاجی عبد السلام صاحبؒ جیسے فہیم اور ثقہ راوی کی ہے۔

طویل علالت

یوں تو حضرت والاؒ تقریباً تین چار سال قبل کمر کے درد میں مبتلا تھے اور اکثر بیمار رہتے تھے، لیکن ۱۹۶۹ء میں موسم گرما بسر کرنے کے لئے ایبٹ آباد تشریف لے گئے تو وہاں گردہ کا درد شدید ہوا۔ حضرت والاؒ نے مولانا حافظ رشید احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ کو تار دے دیا کہ فوراً پہنچو۔ معلوم ہوا کہ حضرت آپریشن سے بہت ڈرتے تھے اور اگرچہ بیماری عرصہ سے تھی، لیکن ہمیشہ حکیم سے علاج کراتے تھے، اور اسی سبب سے تار دیا تھا، لیکن اتفاق سے جس ہوائی جہاز سے مولانا حافظ رشید احمد صاحب روانہ ہوتے وہ جا چکا تھا، اس لئے مجبوراً ٹرین سے سفر کرنا پڑا۔ لیکن تکلیف شدید ہونے کے پیشِ نظر مولانا کے پہنچنے سے قبل ہی آپ کے مریدوں نے ایبٹ آباد میں آپریشن کرالیا۔ اور ہسپتال سے فارغ ہونے پر ۹ راگست ۱۹۶۹ء کو واپس تشریف لائے۔ جیسا کہ مولانا رشید احمد صاحب، ناظم خیرالمدارس نے اپنے مکتوب میں مجھے تحریر فرمایا تھا: ''حضرت والد صاحب ۹ راگست ۱۹۶۹ء بروز شنبہ بذریعہ ہوائی جہاز ایبٹ آباد سے ملتان تشریف لا چکے ہیں۔ اب طبیعت ماشاءاللہ اچھی ہے۔ صرف پیشاب کی کچھ تکلیف ہے۔ وہ بھی ان شاءاللہ رفع ہوجائے گی۔ دعائے صحت جاری رکھیں اور سب خیریت ہے۔'' تحریر ۲۳ راگست ۱۹۶۹ء۔

لیکن پیشاب کی تکلیف باقی رہی۔ اس لئے فوجی ہسپتال ملتان میں دوسرا آپریشن کرایا، جیسا کہ حضرتؒ نے ۱۱ رجب ۱۳۸۹ھ کو خود اپنے مکتوب گرامی میں اس ناکارہ کو تحریر فرمایا تھا:

''ایبٹ آباد سے آنے کے بعد فوجی ہسپتال ملتان میں دوسرا آپریشن کرایا، ایک ماہ سے زائد عرصہ ہوا، ابھی تک فوجی ہسپتال ملتان میں ہوں۔ کچھ تکلیف باقی ہے۔ ہفتہ عشرہ مزید رہوں گا۔''

فوجی ہسپتال ملتان سے واپسی کے بعد پیشاب آپریشن کے ٹانکوں سے آنے لگا، جس سے تکلیف بہت بڑھ گئی، اس لئے میو ہسپتال لاہور لے جایا گیا، لیکن وہاں آپریشن کے لئے کہا گیا تو صاحبزادگان نے مناسب یہی سمجھا کہ نشتر ہسپتال ملتان میں آپریشن کرایا جائے۔ کیونکہ گھر قریب ہونے کی وجہ سے سامان لانے لے جانے میں سہولت رہے گی۔ چنانچہ تیسرا آپریشن نشتر ہسپتال ملتان میں ہوا۔ آپریشن ہوتے ہی آپ کا سارا خون نکل گیا۔ ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ دوسرا خون دلوائے بغیر جان بچنا مشکل ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر کسی کا خون میرے جسم میں ڈالا گیا تو بروز قیامت میں اپنی اولاد اور ڈاکٹروں سے اس کا حساب لوں گا۔ لیکن ڈاکٹروں کے اصرار اور مقامی علماء کے فتویٰ جواز پر اس کو بادلِ نخواستہ منظور فرمالیا۔ چنانچہ آپ کے جسم میں خون ڈالا گیا تو فوراً اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ نشتر ہسپتال ملتان میں حضرتؒ کے قیام کے دوران ۲۷ رمضان ۱۳۸۹ھ کو احقر حاضر ہوا تو حضرتؒ کو نیند کی گولی دی گئی تھی، اس لئے حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ نے احقر سے فرمایا: رات میرے پاس قیام کرو، صبح حضرت سے بات کر کے ہی جانا، آج ہم خود ہی بات نہیں کر رہے۔ الحمدللہ اب حضرت

روبصحت ہیں۔ ایک گردہ جس میں پتھری تھی نکال دیا گیا ہے۔ کل حضرت کو مایوسی ہوگئی تھی، لیکن اب بفضلہٖ تعالیٰ صحت ہونے کی قوی اُمید ہے۔''

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ کو حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ نے احقر کے ہمراہ حضرت کے لئے دودھ بھی روانہ کیا، تا کہ ہسپتال میں دودھ لے جانے کے بہانے داخل ہوسکوں، کیونکہ ہسپتال میں ملاقات کے وقت مقررہ کے علاوہ اندر جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ احقر داخل ہوا تو حضرت نے پانی مانگا، پانی کا گھونٹ پلاتے ہی حضرت کی چیخیں نکل گئیں اور کراہتے ہوئے ''اللہ میریا'' فرمایا۔ انوری صاحب جو پاس بیٹھے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بعد میں حضرت نے پانی پیا۔ احقر اور احقر کی اہلیہ جو ہمراہ تھیں اور انہی کے اصرار پر میں ان کو لے کر گیا تھا، فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ سے میری صحت کے واسطے دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ صحت اور آرام سے رکھے، تکلیف دور فرمائے۔''

حضرتؒ کی اس تکلیف کو دیکھ کر احقر کا دل بھر آیا۔ خود بھی ہر نماز بلکہ ہر وقت دُعا کرتا رہا۔ مساجد میں بھی دُعائیں کرائیں اور مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ، اُستاذ العلماء حضرت مولانا رسول خان صاحبؒ، بقیۃ السلف حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور سہارن پور حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ کو حضرت کی صحت کی دعا کے لئے خطوط لکھے کہ بطور خاص حضرتؒ کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے جو جواب ارسال فرمایا وہ درج ذیل ہے:

''محترم المقام زادمجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون! گرامی نامہ نے ممنون یادآوری فرمایا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی علالت کا سن کر بے حد فکر ہوا، اور قلق ہوا۔ مجھے اس سے پہلے مولانا کی علالت کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ حق تعالیٰ مولانا کو صحت عطا فرمائیں۔ آپ بطور خاص اگر مولانا تک پہنچنا ممکن ہو تو خود تشریف لے جا کر میری طرف سے مزاج پرسی فرمادیں اور اگر یہ دُشوار ہو تو یہ عریضہ اپنے گرامی نامہ کے ساتھ وہاں تک پہنچادیں۔ ہم سب مولانا کے لئے دُعائیں کر رہے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ عطا فرما کر مسلمانوں کے سروں پر قائم رکھے، آمین۔ وقت اس کا تھا کہ میں خود حاضر ہو کر مزاج پرسی کرتا، مگر آنا قبضہ میں نہیں۔ تاہم سعی کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے قبضہ کی بات ہے۔ موقع حاضری میسر فرمائیں۔ یہاں کے حضرات مولانا کی مزاج پُرسی فرما رہے ہیں۔ حضرت مولانا کے متعلقین سے اتنا ضرور فرمادیں کہ مولانا کی صحت کے بارے میں اگر ہفتہ وار کارڈ ڈال دیں تو یہاں ہم لوگوں کو ایک گونہ تسلی رہے گی۔ بواپسی جناب خود یا کسی سے فرمادیں کہ مولانا کی کیفیت سے مطلع فرمادیں۔ ورنہ سخت فکر رہے گا۔ اُمید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام

(حضرت مولانا) محمد طیب از دیوبند ۱۳۸۹/۱/۱۸ھ''

احقر اپنی گھریلو مجبوریوں کے سبب خود تو حضرتؒ کے پاس نہ جاسکا، کیونکہ گھر پر رہنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ کا مکتوب گرامی لفافہ میں توکلاً علی اللہ ارسال کردیا۔ الحمدللہ حضرتؒ تک پہنچ گیا اور حضرت نے یہ جواب تحریر فرمایا، جو میرے لئے زادِ سعادت ہے:

''مکرمی محترمی جناب ماسٹر محمد اقبال صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آپ کے خط مع حضرت قاری صاحب کی تحریر کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ادا کیا۔ اوّل مجھ ناچیز کے لئے احباب سے دُعائیں طلب کرنا، خاص کر حضرت قاری صاحب کو اطلاع دینا اور ان کا ہمدردی سے دریافت حال کرنا، کس زبان سے اس کا شکریہ ادا کروں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزاءِ عظیم دے۔ مجھے اب آپریشنوں کی تکلیف نہیں ہے، صرف کمزوری بے حد ہے اور کمر میں درد رہتا ہے، جو اِنشاء اللہ تعالیٰ چلا جائے گا۔ آپ دُعا کرتے رہیں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کو لکھ دیں کہ تسلی رکھیں۔ میں آج ہی اپنے ہاتھ سے ان کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔ تفصیل اس سے بھی معلوم ہوجائے گی۔ والسلام　　　خیر محمد عفا اللہ عنہ از ملتان

۴ ذی قعد ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۹۷ء''

حضرت کی علالت کی تفصیل اور حضرت قاری صاحب کا خط پہنچانے کی اطلاع احقر نے حضرت قاری صاحبؒ کو دی تو حضرت قاری صاحب نے درج ذیل مکتوب گرامی بنام احقر تحریر فرمایا:

''محترمی ومکرمی زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ مورخہ ۲۸ شوال ۱۳۸۹ھ باعث شرف ہوا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہٗ کی کیفیت مزاج کی اطلاع ہوئی اور اس سے خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا عریضہ مولانا تک پہنچادیا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

مولانا کے بار بار آپریشن ہونے کی اطلاع سے دلی دکھ ہوا۔ لیکن اس سے قدرے تسلی ہوئی کہ خون دیئے جانے سے بدن میں قوت کا احساس ہوا۔ الحمدللہ۔ گو یہ مولانا کے مزاج کے خلاف ہوا اور ظاہر ہے کہ ان کے تقویٰ وطہارت کے پیشِ نظر انہیں یہ چیز گراں ہونی بھی چاہئے تھی۔ مگر الضرورات تبیح المحظورات۔ حق تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور ہم سب کے سروں پر قائم رکھے۔ پاکستان کی طرف دو ہی ہستیوں کی طرف (نظر) ہوتی تھی، ایک حضرت مولانا محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مولانا ممدوح۔ اللہ تعالیٰ انہیں عمر نوح دے اور دین کے سلسلے ان کے دم سے بیش از بیش جاری رہیں۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی لیکن اگر چوتھے پانچویں ایک کارڈ سے مختصر حال لکھ دیا کریں تو ہم دور افتادوں کے لئے باعث تسلی ہوگا۔ مولانا کی خدمت میں بندہ کا سلام عرض فرمادیں اور خط کا مضمون پیش کردیں، اور سب

حضرات کی خدمات میں سلام مسنون۔ یہاں بحمد اللہ خیریت ہے، ہم سے دعائے صحت کر رہے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ انہیں صحت وقوت دے اور ہم سب کے اس دینی سہارے کو تا دیر قائم رکھے، آمین۔ والسلام

(دستخط) محمد طیب از دیو بند ۱۳۸۹/۱۱/۱۰ھ یکشنبہ''

حضرتؒ کی صحت کے لئے کچھ اپنی فکر اور کچھ حضرت قاری صاحبؒ کو اطلاع دینے کے لئے احقر نے حضرتؒ کے صاحبزادہ جناب حافظ رشید احمد صاحب کو خط لکھا تو انہوں نے جواباً تحریر فرمایا کہ ''حضرت والد ماجد مولانا خیر محمد صاحب مدظلہٗ کی طبیعت اب ماشاء اللہ اچھی ہے۔ صبح کو ۹ بجے دن کے مدرسہ کے وسیع احاطہ میں دھوپ کے اندر بیٹھ جاتے ہیں اور ملنے والے حضرات ملاقات کرتے رہتے ہیں۔ کمر میں حضرت کے درد کبھی زیادہ اور کبھی ہلکا ہلکا رہتا ہے۔ کمزوری اور ضعف زیادہ ہے۔ فی الحال اتنی قوت نہیں کہ کوئی کام کر سکیں۔ بس دعائے صحت کرتے رہیں۔ (تحریر ۱۳ جنوری ۱۹۷۰ء)''

احقر نے اس کی اطلاع اور حضرت تک ان کا خط پہنچنے اور جواب آنے کی اطلاع حضرت قاری صاحبؒ کو کی تو انہوں نے جواباً احقر کو والا نامہ ذیل ارسال فرمایا:

''مکرمی محترمی زید مجدکم

سلام مسنون و دعا مقرون! گرامی نامہ باعث تسلی ہوا۔ حضرت خیر العلماء کی خیر و عافیت سے تسلی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو تا دیر زندہ سلامت رکھے۔ آمین۔ اور باقی ماندہ عوارض ہائے درد کمر دور فرمائے۔ آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اطلاع دہی کی تکلیف فرمائی۔ جزاکم اللہ۔ مولانا کا والا نامہ دستی رقم (کردہ) بھی پہنچ گیا۔ میں نے جواباً عرض کیا ہے کہ صاحبزادوں میں سے کوئی بھی ایک کارڈ فی اسبوع بھیج دیا کرے، تاکہ تسلی رہے۔ اُمید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔

والسلام محمد طیب از دیو بند ۱۳۸۹/۱۱/۱۹ھ''

احقر نے غالباً ایک اور مرتبہ خود حضرت علیہ الرحمہ سے صحت کے متعلق دریافت کر کے حضرت قاری صاحبؒ کو اطلاع دی۔ نیز اس امر کی بھی اطلاع دی کہ مجلس اتحاد کمیٹی کی سرپرستی فرماتے ہوئے حضرت مرکزی جمعیت علماء اسلام اور جمعیت العلماء اسلام میں صلح کی کوشش فرما رہے ہیں، تو حضرت قاری صاحبؒ نے درج ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا:[۱]

''محترمی زید مجدکم

سلام مسنون۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ مصالحت کی سعی سے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس سعی حسنہ کو کامیاب اور بار آور فرمائے۔ نتیجہ سے ضرور مطلع فرمایا جائے۔

حضرت مولانا کی مزاج پرسی کے بعد سلام مسنون عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت ممدوح کو جلد از جلد شفائے کامل عطا فرمائے۔

والسلام محمد طیب، مہتمم دار العلوم دیو بند ۱۳۸۹/۱۲/۱۷ھ''

[۱] دار العلوم دیو بند کے لیٹر ہیڈ کی نقل یہاں ایک گرامی نامہ کے ساتھ تبرکاً باقی رکھی ہے۔ (آ آ)

احقر نے یہ کارڈ حضرتؒ کو ارسال کیا (اور نقل رکھ لی، کیونکہ حضرت قاری صاحب کا پہلا موصولہ خط حضرتؒ نے رکھ لیا تھا۔ احقر نے اس کی بھی نقل رکھ لی تھی۔ لیکن اس مرتبہ حضرتؒ نے حضرت قاری صاحب کا یہ کارڈ واپس فرمادیا) تو حضرتؒ نے احقر کو تحریر فرمایا:

حضرت والاؒ کا ایک اور والا نامہ:

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! میں دل سے دعا کرتا ہوں (احقر نے رضائے قربِ الٰہی کی درخواست کی تھی) حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کا ویزہ نہیں بنا، ورنہ وہ ضرور آتے۔ اللہ تعالیٰ خیریت سے (ان کو) رکھے، آمین۔

(دستخط) خیر محمد از ملتان"

دیگر کوائف:

اس کے بعد احقر مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ ۱۹۶۹ء پر حاضر ہوا۔ حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ نے بطور خاص احقر کا تعارف کرایا کہ یہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کو آپ کی علالت کی اطلاع دی تھی۔ حضرتؒ نے نہایت شفقت سے مجھے دیکھا اور کھانے کو پوچھا۔ حالانکہ بوقت عشاء میں پہنچا تھا اور اسی وقت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تشریف لائے تھے۔ حضرتؒ ان کے کھانے کا اہتمام فرمارہے تھے۔ اور دسترخوان خود لائے تھے۔ حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ نے بتلایا کہ حضرتؒ تو بالکل صاحب فراش ہوگئے تھے، اُٹھنے کی اُمید نہ رہی تھی۔ عید الاضحیٰ سے مسجد تک آنے جانے لگے ہیں اور اب ماہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ سے تو بفضل تعالیٰ پڑھانا بھی شروع کردیا ہے۔

حضرت کی صحت اچھی ہوتی گئی یا حضرتؒ خود بتلاتے نہیں[1] تھے اور حق تعالیٰ شانہٗ کی مرضی پر راضی تھے۔ جب کبھی کوئی فون یا بذریعہ خط حال دریافت کرتا تو "الحمد للہ طبیعت اچھی ہے" فرماتے۔

وفات:

۱۹ شعبان ۱۳۹۰ھ کو مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ تشریف لائے اور مدرسہ سے لے جاکر حضرتؒ کو واپس گھر چھوڑ گئے (کیونکہ حضرتؒ کی طبیعت ناساز تھی) بعد میں کسی کام سے مولانا محمد علی صاحب جالندھری حضرتؒ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت آنکھیں بند کیے ہوئے تھے۔ اس لئے مولانا جالندھری یہ سمجھ کر کہ حضرت اب آرام فرمارہے ہیں، واپس چلے گئے۔ حضرتؒ کے جاگنے پر حضرت پیرانی صاحبہ مدظلہٗ نے اس امر کی اطلاع کی تو فرمایا محمد علی کو بلاؤ۔ چنانچہ طالب علم اڈا پر دیکھنے گیا تو مولانا محمد علی صاحب لاری میں سوار ہوکر جاچکے تھے۔ اسی شب حضرتؒ کو دورہ قلب پڑا۔

---

[1] اس بات کا علم مجھے اس وقت ہوا کہ جب میرے سامنے حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ نے چائے کے ساتھ گولی لینے کے بعد پوچھا اس سے کوئی آرام محسوس ہوتا ہے تو فرمایا اس قدر تکلیف ہے جیسے کوئی سوئیاں چبھو رہا ہو۔ باقی ہر ایک کے سامنے اس کا اظہار مناسب ہوگا۔

احقر نے یہ بھی سنا کہ آپ نے مولانا محمد شریف صاحبؒ سے فرمایا کہ اپنے بچے وغیرہ سسرال چھوڑ آؤ۔ چنانچہ ۱۹ شعبان ۱۳۹۰ھ بروز بدھ خود سوار کرا کر آئے اور مغرب وعشاء کی نماز باجماعت پڑھی۔ شب پنجشنبہ بوقت ساڑھے گیارہ بجے دل کا دورہ پڑا۔ ڈاکٹروں کو بلایا گیا۔ انہوں نے دس بارہ ٹیکے لگائے اور کھانے کی دوا بھی دی۔ رات کے اڑھائی بجے تک شدید تکلیف رہی۔ تکلیف کے سبب نماز فجر جماعت سے پڑھنے مسجد نہ آسکے، گھر ہی میں پڑھی۔ ۹ بجے ناشتہ کیا، چائے کی پیالی بھی دی گئی۔ انگور دیئے گئے تو فرمایا کڑوے لگ رہے ہیں۔ چنانچہ انار دیئے گئے۔ اس کے بعد ذکر اللہ میں مشغول ہوگئے۔ اللہ اللہ کر رہے تھے کہ ساڑھے گیارہ بجے دن بروز جمعرات دل کا دوسرا دورہ پڑا اور جاں بحق تسلیم ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ باوجود دینی مدارس کی تعطیلات کے ایک لاکھ سے زائد سوگواروں نے نماز جنازہ پڑھی، جن میں بڑے بڑے مشائخ عظام اور علماء صالحین بھی شامل تھے۔ شمس العلماء والفضلاء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق دارالحدیث خیر المدارس کے پیچھے آپ کے زرخرید قطعۂ زمین میں سپرد خاک کیے گئے۔

مقدور ہوں تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم! تو نے یہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

مٹی میں کیا سمجھ کے چھپاتے ہو دوستو
گنجینہ علوم ہے یہ گنج زر نہیں

پہنچی وہیں یہ خاک جہاں کا خمیر تھا:

حدیث پاک میں ہے انسان اسی مقام پر دفن ہوتا ہے جس مقام کی مٹی سے پیدا کیا گیا ہو۔ ملتان جنت نشان کی مٹی سے حق تعالیٰ شانہٗ نے بکثرت اولیاء پیدا فرمائے۔ حضرت مرشدی علیہ الرحمہ کا وجود بھی دارالحدیث خیر المدارس ملتان کے پشت کی مٹی سے بنا تھا۔ وہیں پہ آپ مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کثیرۃ

مرض وفات میں حقوق العباد کا اہتمام:

حضرت حکیم الامتؒ کا مرض وفات میں یہ معمول تھا اور حقوق العباد کا اتنا خیال تھا کہ خط لکھنے والے کو جواب میں لکھوادیتے اور اپنی بیماری کا اظہار فرماتے اور یہ بھی لکھواتے کہ ضعف اتنا ہے کہ ایک ماہ تک طاقت وقوت آنے کی توقع نہیں، لہٰذا خط واپس ہے۔ حضرتؒ نے بھی مولانا حافظ رشید احمد صاحبؒ کو فرما کر اسی طرح گزشتہ سال اپنی طویل علالت میں خطوط واپس کروادیئے تھے۔ بطور نمونے کے ایک خط میرے پاس موجود ہے جو مولانا رشید احمد صاحب نے ۱۱ نومبر ۱۹۶۹ء کو لکھا تھا کہ ”میرے والد ماجد حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہٗ عرصہ سے بیمار چلے آرہے ہیں۔ اب تین دن سے صحت ہورہی ہے، کمزوری بے حد ہے۔ دعا صحت کرتے رہیں۔ والسلام

(محترم صوفی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زادمجدہٗ کی تحریر ختم ہوئی)

وفات حسرت آیات پر اکابر علماء کے تأثرات

مسافرانِ آخرت:

موت العالِم موت العالَم

حضرت مولانا خیر محمد صاحب، بانی خیر المدارس ملتان کی وفات

علم وعمل کے حلقوں میں صفِ ماتم

تحریر فرمودہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، صدر دار العلوم کراچی

آج ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ بروز جمعرات اس خبر نے تمام مدارس اسلامیہ اور علمی حلقوں میں ایک زلزلہ ڈال دیا، کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بانی خیر المدارس اچانک دل کا دورہ پڑنے سے جاں بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جن کے نام کے ساتھ آج رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ لکھنے پڑ رہے ہیں، پاکستان کے علماء و اولیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھنے والے تھے۔ ایسی جامع علم وعمل باخدا ہستیاں قرنوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد مغربی پاکستان میں علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکزی مدرسہ ملتان شہر میں آپ ہی کے دست مبارک سے بنا۔ اور ان شاء اللہ تا قیامت آپ کی یادگار اور صدقہ جاریہ بن کر جاری رہے گا۔ جہاں سے اس عرصہ میں سینکڑوں علماء، فضلاء، صلحاء، حفاظ وقراء فارغ ہو کر ملک کے مختلف خطوں میں دینی خدمات میں مشغول ہیں۔ پاکستان بننے سے قبل یہ مدرسہ مولانا نے اپنے وطن اصلی جالندھر شہر میں قائم کیا تھا، اور حضرت سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے اس کا نام خیر المدارس تجویز کیا تھا، جو آج اپنی ظاہری اور معنوی حیثیت سے حقیقی طور پر خیر المدارس ثابت ہوا۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میرا ابتدائی تعلق اب سے چوالیس برس پہلے ۱۳۴۶ھ میں اس وقت ہوا جب ہم دونوں خانقاہ امدادیہ میں حضرت حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں تربیت باطنی کے ایک طالب علم کی حیثیت سے جمع ہوئے۔ مولانا کے علمی اور عملی کمالات اور بزرگی کے سامنے یہ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ میں بھی کسی مکتب میں ان کا ہم سبق تھا۔ بجز اس کے کہ ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

اس چوالیس سالہ طویل تعلق وصحبت کے بعد رُخصت ہونے والے خیر رفیق کی رحلت نے آج آنکھوں کے سامنے بے شمار واقعات وحالات کے دفتر کھول دیئے جو اس عرصہ میں ان کی بزرگی اور فضل وکمال، زہد وتقویٰ کے سلسلہ میں

مشاہدہ میں آتے رہے۔ آپ کی بے پناہ شفقت وعنایت کی یاد آج زخم دل وجان بنی ہوئی ہے۔ مگر زبان وقلم دونوں گم ہیں

ز دل می خیزد و بر دل ہمی ریزد سحاب غم
دمید از اندرون کشتی من موج طوفانم

اس غم میں تعزیت کریں تو کس کس کی، مولانا کی وفات سے صرف ان کے صاحبزادے اور اہل وعیال ہی یتیم و بے سہارا نہیں ہوگئے، بلکہ علمی دنیا کے لاکھوں افراد اس غم میں شریک ہیں۔ بس اب اس ذکر کو دعاء پر ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حق تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرماویں۔ اور جنت الفردوس میں مقام عالی عطا فرماویں۔ آپ کے اہل و عیال اور اُمت کو آپ کی خیر وبرکات سے کبھی محروم نہ فرماویں۔ آپ کے صاحبزادگان مولانا محمد شریف، مولانا محمد رشید وغیرہ کو ان کا سچا جانشین بناویں اور ان کی یادگار خیر المدارس کو تمام ظاہری اور باطنی فتنوں سے محفوظ رکھیں۔ **ان فی اللہ عزاء من کل فائت وانما المحروم من حرم الثواب.** دکھے دل سے ایک مادہ تاریخ بھی اتفاقی نکل آیا۔ اس پر دو شعر بھی موزوں ہوگئے۔ وہ لکھتا ہوں، اور یہ بھی اتفاقی اُمر ہے کہ آج ہی احقر کی عمر کے پچھتر سال پورے ہوکر چھترویں منزل شروع ہورہی ہے۔ سابقین اوّلین اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں، اپنا انجام معلوم نہیں۔ اگر باقی لحات زندگی خالص مرضیات الٰہی میں صرف ہوکر گزشتہ کا کفارہ بن جاویں تو بہت بڑی نعمت ہے۔ ورنہ حسرت ہی حسرت، **واللہ المستعان وعلیہ التکلان.**

یہ کیسی ہستی بے مثل کھو گئی تاریخ وفات جس کی ہے بے شک علم وعمل
وفات خیر محمد ہی ہوگئی تاریخ سر الم سے پکارا جو آج ہاتف نے

(ماہنامہ البلاغ، کراچی، رمضان المبارک، ۱۳۹۰ھ)[۱]

تعزیت از مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ:

سیدی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حضرت والاؒ کے وصال کی اطلاع اور آپ کا جواب

(احقر مؤلف نے عشرہ اخیرہ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ آپ کے عریضہ میں یہ اطلاع کی تھی اور حضرتؒ کے جواب سے ۱۹ شوال ۱۳۹۰ھ (۱۹ دسمبر ۱۹۷۰ء) کو مشرف ہوا تھا.)

عرض خادم:

''خادم کے مشفق وکریم مربی شیخ ومرشد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ۲۰ شعبان کو وصال ہوگیا۔ جیسا کہ حضرت کو حضرت والاؒ کے صاحبزادگان کے خط سے معلوم ہوگیا ہوگا۔ (اور وہ عریضہ خادم ہی کے ہاتھ سے لکھوایا گیا تھا)''

جواب سیدی حضرت مولانا محمد مسیح اللہ صاحبؒ:

''جی ہاں، عزیزم مولوی وکیل احمد خاں جو اپنا بھانجا ہے، لاہور جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن، ان کے خط سے بھی معلوم ہوا تھا، ملال ہوا، خاصا ملال ہوا، کہ فیوض وبرکات ہی ہستیاں جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم ورحمت کی نظر سے نوازیں۔''

---

[۱] یہ اداریہ کسی طرح سے پہنچا یا نہیں کہاں سے نقل کیا۔ البتہ اسکے بعض عنوانات ''ذکر و یاد شریف'' سے لئے گئے ہیں۔ (آ آ)

جامع الکمالات شخصیت[1]

بصائر وعبر، اداریہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی، شوال ۱۳۹۰ھ

تحریر فرمودہ: حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

الحمد للّٰہ الذی لہ البقاء وکتب علیٰ غیرہ الفناء والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین وسید الرسل الاتقیاء محمد وآلہ الاصفیاء وصحبہ الاذکیاء مادام تھمی العیون بالبکاء وتسلی القلوب بالعزاء وبعد:

۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ بجے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ بانی خیر المدارس ملتان اس عالم فانی سے رحلت فرمائے عالم آخرت ہوئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. بلاشبہ موت وحیات اس عالم کون وفساد کا خاصہ ہے، یہاں جو آیا وہ رہنے کے لئے نہیں آیا، بلکہ جانے ہی کے لئے آیا۔ آنا اور جانا سنت بنی آدم ہے، اور کل نفس ذائقة الموت حق تعالیٰ کا تکوینی امر ہے جس سے کسی کو مخلص نہیں۔ یہاں صبر وضبط، تسلیم وانقیاد اور رضاء بالقضاء کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئ عندہ باجل مسمی.

تاہم بعض شخصیتیں قافلۂ ہستی کے لئے منارۂ نور ہوتی ہیں۔ ان کے وجود مسعود سے علم ودانش، زہد وتقویٰ اور یقین ومعرفت کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ اور ان کے دم قدم سے علوم نبوت کا وقار قائم رہتا ہے۔ ان کے جانے کے بعد ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے کہ مستقبل میں اس کے پُر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ حضرت مولانا مرحوم کا شمار انہی جامع الکمالات ہستیوں میں تھا۔ وہ نہ صرف اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے، بلکہ بڑے عاقل ومتین اور مدبّر ومنتظم تھے، علم ووقار کا مجسمہ اور خدا ترسی وللّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی موت عقل ودانش، حلم ووقار، تدبر وانتظام اور مکارم اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی۔ ارشاد وتلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح وتربیت کی مجلس آباد اور بارونق تھیں۔ پاکستان کے مرکزی اور تاریخی شہر ملتان میں ان کا مدرسہ خیر المدارس اسم بامسمّٰی تھا، جہاں تعلیم وتدریس کے ساتھ تزکیہ نفوس، اصلاح اخلاق اور تربیت قلوب کی طرف بھی توجہ تھی، صورت اس کے ساتھ روح بھی تھی۔ صفائی معاملات میں خصوصی امتیاز تھا۔ یوں تو حضرت مرحوم کی شخصیت تھانہ بھون اور دیوبند سے تعلق کی وجہ سے شہرہ آفاق تھی، آپ حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کے خلیفہ مجاز اور دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، لیکن حضرت مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع اس وقت ملا جبکہ دینی درسگاہوں کی تنظیم ''وفاق المدارس'' کی بنیاد پڑی اور وفاق المدارس

---

[1] از ذوق جعفر نیبرلی عنوان والعنوان من "ذکر خیر ویاد شریف" "جامع الکمالات" ماخوذة من مقالہ رحمہ اللہ تعالیٰ. (آ)

کے اجتماعات میں ان سے مصاحبت و ہم نشینی کے مواقع میسر آئے۔ انہیں جذبات سے بالاتر اور طیش وغضب سے پاک دیکھا۔ ان کے رگ و ریشہ میں عقل و دانش اور حلم و تدبر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، خفیف الجسم لطیف الروح تھے۔ بڑی قابلِ قدر ہستی تھی۔ حق تعالیٰ ان کو عفو و مغفرت اور رحمت و رضوان کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے، صاحبزادگان گرامی مولانا حافظ رشید احمد، مولانا حافظ محمد شریف اور مولانا حافظ عبدالحق کو حضرت مرحوم کا صحیح جانشین بنائے اور ان کے آثار باقیہ کو قائم و دائم رکھے۔

(ماہنامہ بینات کراچی، شوال ۱۳۹۰ھ)

چند تعزیتی اداریئے اور قرار دادیں

نقش آغاز، ماہنامہ 'الحق' اکوڑہ خٹک، شعبان ۱۳۹۰ھ:

تحریک فرمودہ حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ پاکستان کی سرزمین پچھلے دنوں کئی ایک اکابر علم و فضل سے محروم ہوگئی۔ ۲۲/اکتوبر کو حضرت العلامہ مولانا خیر محمد صاحب جالندھری مرحوم بانی خیر المدارس ملتان کا سانحہ وفات پیش آیا۔ مرحوم کی ساری زندگی دین اور علومِ دین کی خدمت میں گزری۔ سلامت طبع، میانہ روی، معتدل مزاج، نظم و ضبط وغیرہ صفات میں آپ اپنے پیر و مرشد حضرت تھانویؒ کا نمونہ تھے۔ افتراق و انتشار کے اس گھمبیر ماحول میں بھی آپ حتی الوسع فکری تعصب اور گروہی تحزب سے اپنا دامن بچاتے ہوئے علماء حق کے باہمی اتحاد و اتفاق کے لئے کوشاں رہے، وہ ان گنے چنے افراد میں سے تھے جن کی طرف ایسے حالات میں نگاہیں اُٹھتی رہیں۔ تقسیم سے قبل جالندھر اور بعد میں ملتان میں بیٹھ کر انہوں نے خیر المدارس کی شکل میں علوم نبویہ کی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ ان کی وفات سے علمی و دینی حلقوں میں جو خلاء پیدا ہوگیا ہے وہ شاید مدتوں پُر نہ ہو سکے۔

حضرت والاؒ قومی اخبارات کی نظر میں

اداریہ روزنامہ 'کوہستان' ملتان، مورخہ ۲۴/اکتوبر ۱۹۷۰ء:

''آج یہاں ملک کے نامور عالم دین اور مدرسہ خیر المدارس کے مہتمم اور بانی حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم کو ایک لاکھ سے زائد سوگواروں کے ہجوم میں نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ مدرسہ کے احاطہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ مولانا مرحوم کل ساڑھے گیارہ بجے صبح اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کے سبب انتقال کر گئے تھے۔ مولانا کی نماز جنازہ آج صبح ساڑھے آٹھ بجے ابنِ قاسم باغ میں شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور مولانا شمس الحق صاحب افغانی کی امامت میں ادا کی گئی۔ ایک اندازہ کے مطابق نماز جنازہ میں شرکاء کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ ان میں اڑھائی ہزار سے زائد وہ افراد تھے جو مولانا مرحوم کے انتقال کی خبر سُن کر علی الصبح ملتان پہنچے تھے۔ مُلک کے اطراف و اکناف سے آنے والے ان ہزاروں افراد

میں جید علماء کرام، مولانا مرحوم کے تلامذہ کے علاوہ اس کو آگے لے جائیں سنت والجماعت کے افراد بھاری تعداد میں شامل تھے۔ جن علماء کرام نے ملتان کے بیرونی علاقوں سے آ کر مولانا مرحوم کی نماز جنازہ میں شرکت کی، ان میں نمایاں نام یہ ہیں: کراچی سے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، مفتی رشید احمد لدھیانوی، رحیم یار خان سے مولانا عبداللہ درخواستی، لاہور سے مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا عبدالرحمٰن جامعہ اشرفیہ لاہور، جڑانوالہ سے مولانا محمد امین، شجاع آباد سے مولانا عبداللہ بہلوی، مولانا عبدالشکور دین پوری اور لائل پور سے مولانا انیس الرحمٰن، مولانا ضیاء القاسمی وغیرہ۔

مولانا مرحوم علم و فضل اور تقدس و بزرگی کی وجہ سے ایک مرکزی شخصیت کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ اکابر علماء حق کی یادگار تھے۔ آج اگرچہ مولانا دنیا سے رُخصت ہو چکے ہیں لیکن ان کے علمی کارنامے اور عظیم دینی و قومی خدمات ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ انہوں نے علم و عرفان کا جو چشمہ خیرالمدارس کی شکل میں جاری کیا ہے اس سے قیامت تک دنیا فیض یاب ہوتی رہے گی۔ مولانا مرحوم کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ شاید کبھی پُر نہ ہو سکے گا۔ مولانا کی موت ایک تبحر عالم دین اور ایک بطلِ جلیل کی موت نہیں، بلکہ یہ قومی حادثہ علم و عمل اور زُہد و تقویٰ اور نیکی و پارسائی کے ایک پورے دور اور ایک مکمل عہد کی موت کا سانحہ ہے۔ جسے اُمت مسلمہ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اِدارہ روزنامہ 'کوہستان' اس صدمہ جانکاہ میں پوری اُمت مسلمہ اور مولانا مرحوم کے عزیزوں اور عقیدت مندوں کا شریکِ غم ہے اور ان سے ہمدردی و تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے دعاء کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے، اور ان کے پسماندگان خصوصاً مولانا کے صاحبزادگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔"

چند تعزیتی قراردادیں

حضرت والاؒ کے سانحہ ارتحال پر بے شمار تعزیتی قراردادیں پاس ہو کر شائع ہوتی رہیں، بطور نمونہ کچھ قراردادوں کی نقل پیشِ خدمت ہے:

کل پاکستان مرکزی جمعیت علماء اسلام و نظام اسلام پارٹی کا ایک تعزیتی اجلاس جامعہ اشرفیہ لاہور میں زیرِ صدارت مولانا احتشام الحق تھانوی منعقد ہوا، جس میں ایک قرارد کے ذریعہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے مولانا مرحوم کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا، جس میں کہا گیا کہ حضرت مولانا مرحوم نے نصف صدی سے زیادہ کتاب و سنت کی شاندار علمی خدمات انجام دی ہیں، وہ زُہد و تقویٰ اور عبادت و خشیت الٰہی میں خلوص کا مجسمہ تھے۔ ریاکاری اور بناوٹ سے کوسوں دور تھے۔ ان کے تصوف میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے تصوف کا رنگ جھلکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا اتباع ان کی زندگی کا مشن تھا۔ ان کی وفات ملک و ملت کے لئے ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے اور ان کے چشمہ فیض

کو ہمیشہ جاری وساری رکھے۔(بحوالہ ہفت روزہ صوت الاسلام)

جمعیت توحید وسنت پاکستان کا ایک تعزیتی اجلاس مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی زیر صدارت منعقد ہوا، جس میں حضرت مولانا کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا کہ مولانا مرحوم کی زندگی ہمارے لئے مشعلِ راہ تھی اور ایسی ہستیاں اب ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں۔(روزنامہ کوہستان، ملتان)

مندرجہ بالا تعزیتی قراردادو اجلاس کے علاوہ اور بھی تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں، جن میں سے دو کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے(ان کا ماخذ بھی غالباً دفتر خیر المدارس میں واردہ خطوط ہی ہیں):

(۱) قرارداد تعزیت از ناظم مرکزی دفتر جمعیت علماء اسلام سرگودھا ڈویژن

(۲) قرارداد تعزیت از ناظم مرکزی جمعیت علماء اسلام ضلعی آفس میر پور خاص (بقلم مولوی حافظ اشرف علی صاحب زادمجدہٗ

بشاراتِ منامیہ

بعد وصال حضرت والاؒ، مولانا قاری محمود احمد صاحب مدرّس جامعہ خیر المدارس ملتان نے حضرت والاؒ کو خواب میں دیکھا کہ خیر المدارس کے قدیم دارالحدیث کے برآمدہ میں حضرتؒ رونق افروز ہیں اور کسی اونچی چیز پر کھڑے ہیں اور لباس بالکل سفید خوبصورت زیب تن فرمایا ہوا ہے۔اور کالے رنگ کی صدری بھی پہنی ہے جو سفید کپڑوں پر نہایت خوبصورت نظر آ رہی ہے(حضرت والاؒ اپنی زندگی میں بھی ایسی صدری پہنا کرتے تھے۔اس کے بعد حضرت دارالحدیث کے سامنے باہر پلاٹ میں تشریف لائے اور اپنے عزیز بچوں کے ساتھ خوش طبعی کی باتیں فرمانے میں مصروف ہوگئے۔

ف: مقام بلند پر کھڑا ہونا حضرت والاؒ کے علوم مقام پر دلالت کرتا ہے۔ کما قال تعالیٰ ورفعناہ مکاناً علیا. دوسرے لباس سفید موافق حدیث صحیح ورقہ کے علامت جنتی ہونے کی ہے، تیسرے حضرت کی شفقت اور تفریحی گفتگو بچوں کے ساتھ جو کہ انبساط اور حصول اطمینان وسکون پر موقوف ہوتی ہے اس سے لا تخافوا ولا تحزنوا کے مضمون کا ظہور بخوبی عیاں ہے۔

اسی طرح وصال کے نصف گھنٹہ بعد حضرت مولانا خدا بخش صاحب مرحوم مجاز بیعت حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت والاؒ نے ان سے فرمایا کہ میرا حج کا ٹکٹ منظور ہوگیا۔(وصال سے پہلے حضرتؒ نے حج کی درخواست بھی بھیج رکھی تھی)

دیگر بشارت یہ ہے کہ سکھر میں ایک صاحب نے حضرت والاؒ کے وصال سے دو دن پہلے خواب میں دیکھا کہ مسجد نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع کثیر کے ساتھ کسی کا جنازہ پڑھا، صاحب رویا کے دریافت کرنے پر حضور ﷺ

نے فرمایا: ''یہ مولانا خیر محمد صاحب کا جنازہ ہے۔''[1]

ف: سبحان اللہ! کیسا شرف، کیسی سعادت، کیسی بشارت![2]

حضرت قمر الدین شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''زندگی میں حضرت والاؒ کے ساتھ خوب لپٹ کر معانقہ کرنے کی تمنا تھی، لیکن خفا ہونے کے ڈر سے یہ جرأت نہ کرسکا۔ بعد وصال خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت جامع مسجد خیر المدارس تشریف لائے اور خوب پُرزور معانقہ فرمایا، جیسے بالکل زندہ ہوں۔

بیداری کے بعض عجیب واقعات

(۱) ڈاکٹر محسن رضا صاحب کا واقعہ:

اسی طرح[3] کا ایک واقعہ ڈاکٹر محسن رضا خان صاحب کو پیش آیا، جو حضرتؒ کے عقیدت مندوں میں سے ہیں، فرمایا کہ میں حضرت کے وصال کے بعد روزانہ مرقد مبارک پر ایصالِ ثواب کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ میں کھڑا پڑھ رہا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنا عصاء مبارک پکڑے ہوئے میری طرف چلے آ رہے ہیں۔ میں آگے بڑھا تاکہ مصافحہ کروں، لیکن اچانک حضرت غائب تھے۔ ڈاکٹر محسن رضا صاحب فرماتے ہیں کہ اس وقت بالکل بیداری کی حالت میں تھا۔

(۲) حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحبؒ کا مشاہدہ:

دوسرا[1] واقعہ بیداری کا وہ ہے جو بتاریخ ۱۱ شوال ۱۳۹۰ھ کو برادرم الحاج مولوی نصرت علی صدیقی صاحبؒ کے بھائی جناب لطافت علی صاحب ہما صدیقی مدظلہٗ کے مکان واقع ناظم آباد کراچی میں خود صاحبِ واقعہ سکھر والے حضرت حکیم سید محمد ابراہیم صاحبؒ نے احقر مؤلف کو اِملا کرایا تھا، اس کے مشابہ سکھر ہی میں ایک صاحب کے خواب کا واقعہ پہلے گزر چکا۔ چونکہ مندرجہ ذیل واقعہ تو صاحب واقعہ نے خود اِملا کرایا ہے، ہوسکتا ہے کہ اصل واقعہ صرف یہ بیداری ہی کا ہو، اور ہوسکتا ہے کہ خواب کا واقعہ دوسرا ہو اور کسی اور صاحب کا ہو، کیونکہ یہ خواب کا واقعہ دو دن پہلے کا بیان کیا گیا ہے۔ بہر حال اب حکیم صاحب والا واقعہ پیش خدمت ہے، فرماتے ہیں:

''حضرتؒ کا جس روز وصال ہوا ہے، اس روز عصر کی نماز مدرسہ اشرفیہ (سکھر) میں مولوی محمد احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ کے پیچھے پڑھ رہا تھا، میرے بائیں طرف محترم ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہٗ تھے۔ میں نے حالت نماز میں یہ دیکھا کہ مسجد نبوی میں مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ عین محراب کے پیچھے رکھا ہے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز

---

[1] مؤخر الذکر یہ دونوں خواب ''ذکر خیر'' میں جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب ملتانی مرحوم کے مقالہ '' خیر مجسم مولانا محمد جالندھریؒ '' میں ص ۶۵ پر مذکور ہیں۔ (ا۔ا)

[2] آ۔ا۔

[3] واقعہ حضرت قمرالدین شاہ صاحب نے قلم بند فرما کر دیا کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب سے یہ واقعہ خود سنا ہے۔ (احقر قریشی غفرلہ)

جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ مسجد نبوی اس قدر بھری ہوئی ہے کہ باب مجیدی کے باہر بھی آدمی بھرے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان تھے یا فرشتے۔ سلام پھیرنے کے بعد میں نے یہ واقعہ محترمی ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب مدظلہ العالی سے بیان کیا۔ حضرت مسرور ہوئے اور ہم لوگ رات کی گاڑی سے روانہ ہوکر صبح مدرسہ خیر المدارس پہنچے۔ حضرتؒ کی زیارت کی۔ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے جنازہ روانہ ہوا۔ کچے قلعہ کی مسافت کم از کم ڈیڑھ میل طے کرنے کے بعد تقریباً نو بجے نماز جنازہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ العالی نے پڑھائی۔ تمام راستے میں ہزارہا انسان پروانہ وار ٹوٹ رہے تھے۔"

ف: سبحان اللہ! شرف عظیم سعادت کبریٰ و بشارتِ عظمیٰ۔

حضرت والاؒ کے چند محاسن تعزیتی خطوط کی روشنی میں[1]

سُن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا   کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا

یادگار سلف صالحین، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت فیوضہم[2] (مہتمم اعلیٰ دارالعلوم دیوبند):

"آج ہی مولوی محمد رفیع صاحب، مدرّس مدرسہ قاسم العلوم کے کارڈ سے حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحبؒ کی وفات کا علم ہوا۔ اِنّا للّٰہ و انا الیہ راجعون. دل پر صدمہ کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ مجھے چونکہ مولانا سے اور مولانا کو مجھ سے غیر معمولی تعلق تھا، اس لئے صدمہ بھی غیر معمولی ہونا ہی چاہئے تھا۔ یہ صدمہ کسی شخص واحد یا کسی ایک گھرانہ کا نہیں بلکہ مُلک کا ہے اور اہلِ علم کی ساری برادری کا ہے۔ مولانا کا فیضان عام تھا، اس لئے صدمہ بھی عمومی اور ہمہ گیر ہے۔ "موت العالم موت العالم" حق تعالیٰ مولانا کو اعلیٰ مراتب اس جہان کے عطا فرمائے اور ان شاء اللہ وہاں کے مراتب ہیں بھی ایسے ہی حضرات کے لئے" جنہوں نے اپنی عمریں کلامِ خدا و رسول کی تعلیم و ترویج میں کھپا دی تھیں اور دین کا کلمہ ہمیشہ اونچا کیا۔ سنت کی ترویج اور بدعات کے الحاد میں اپنی جانیں کھپا دیں۔ ان کا اجر مالک الملک کے یہاں کیسے ضائع ہو سکتا ہے۔

(مولانا) اہل اللہ میں سے تھے۔ ستمبر ۱۹۷۰ء میں ابھی جو پاکستان حاضری ہوئی تو مولانا اسی ضعف کی حالت میں اس ناکارہ سے ملنے کے لئے لاہور تشریف لائے۔ کیا خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ پاکستان کی حاضری میں جو چیز شوق کو اُٹھانے والی تھی وہ انہی بزرگوں کی زیارت تھی۔ حق تعالیٰ شانہٗ اس کے طفیل ہمیں بھی حسنِ خاتمہ کی نعمت سے نوازے اور صالحین کے ساتھ الحاق فرمائے۔ میری طرف سے گھر میں سب بڑوں چھوٹوں کو تعزیت پہنچا دیجئے۔ بالخصوص والدہ محترمہ کو کہ یہ صدمہ گھریلو زندگی کے لحاظ سے اصلی ان کا صدمہ ہے۔ تاہم آپ حضرات کے لئے اب ان کی جگہ وہی ہیں

---

[1] کالمائتغییر یسیر۔

[2] مخدومنا حضرت قاری طیب صاحبؒ اس وقت بقید حیات تھے اور دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے۔ آگے آنے والے کئی اکابر کے نام کے ساتھ کلمات دعائیہ مدظلہم وغیرہا انکی حیات کے زمانہ کے ہیں اب انمیں سے کئی حضرات رحلت فرما چکے ہیں اکابر کے ناموں کے القاب میں کمی بیشی "اق" کی انکے ساتھ عقیدت اور عقارت سے ملاحظہ ہے جس میں بہت کم ترمیم کی گئی ہے۔ (آ ا)

ان کی اطاعت سے سعادت حاصل فرمایئے اور مدرسہ کے سب بزرگوں کی خدمت میں میرا پیغام تعزیت پہنچا دیجئے۔

والسلام محمد طیب از دیو بند ۹۰/۸/۲۶ ۱۳ھ"

(دوسرا والا نامہ مورخہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ):

''مولانا مرحوم کا خیال دل سے نہیں اُترتا۔ روحانی سلسلوں سے پاکستان کا جانا اب کچھ بے لطف سا ہو گیا ہے۔ یوں بہر حال دنیا کے سارے ہی کام جاری رہتے ہیں۔ مگر بعض حوادث سے دل بستگی اور انفراح قلبی ختم سا ہو جاتا ہے۔ اس نوع کا پہلا صدمہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کی وفات سے ہوا تھا، مگر اس کا تدارک حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی ذاتِ گرامی سے ہو گیا تھا۔ اب ان کے بعد اس سلسلہ کی دل بستگی کا کوئی بھی مرکز میرے لئے باقی نہیں رہا۔ اِنّا للہ وانا الیہ راجعون۔"

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہم خانقاہِ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر:

''مولانا کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کا ستون اور علمی وعملی فیضان کا سرچشمہ بنایا تھا۔ جالندھر کے بعد ملتان میں رہ کر آپ نے مدرسہ خیر المدارس کے ذریعہ دریائے فیضان جاری فرمایا۔ علوم ظاہری و باطنی کو تدریس، مواعظ اور مناظرہ کے ذریعہ سے اُمت کو پہنچایا۔ معتدل مزاجی اور آپ کے اعلیٰ اخلاق، تبسم آمیز چہرہ کا تصور، آپ کا نام مبارک زبان پر اور کان میں آتے ہی نظروں کے سامنے آ جاتا ہے۔

آپ کا قائم کردہ جامعہ اور آپ کے شاگرد اور بے پناہ متوسلین اور مریدین آپ کے بہترین کارنامے ہیں اور بطور باقیات الصالحات اِن شاء اللہ قیامت تک یہ سب آپ کی یادگار رہیں گے۔ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور آپ حضرات اور جملہ متوسلین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آج خانقاہ میں آپ کے ایصالِ ثواب کے لئے[1] ختم کرایا جا رہا ہے اور بعد نماز اور فرداً فرداً بھی ایصالِ ثواب کا سلسلہ جاری ہے۔

آپ کا شریک غم: بندہ ظہور الحسن خادم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون، بقلم نجم الحسن[2] تھانوی، ۳ نومبر ۱۹۷۰ء"

مؤرخ اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی الحسنی الندوی:

''افسوس ہے کہ سلف صالحین اور علماء ربانیین کی ایک نشانی اور دُنیا سے اُٹھ گئی۔ ایک چراغ اور گل ہوا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء واصحاب میں مولانا کا جو مقام تھا وہ مجھ سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علم وصلاح کے علاوہ فہم وفراست، حالاتِ زمانہ سے بے خبری اور ہوشمندی کا بھی حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس لئے حضرت کو ان کی رائے پر بہت اعتماد تھا، مجھے بھی ممدوح کی خدمت میں نیاز حاصل تھا، اور ان کی شفقت سے بہرہ ور تھا۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں

---

1. کلام پاک احقر قریشی غفرلہ
2. صدر کل پاکستان مجلس صیانۃ المسلمین لاہور

جگہ دے۔ میری طرف سے ان کے صاحبزادگان متعلقین اور اہلِ مدرسہ دلی تعزیت قبول فرمائیں۔ والسلام

(مخلص) ابوالحسن علی ندوی ۱۲ ررمضان

حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ (مہتمم جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی):

''حضرت مولانا خیر محمد، آپ کے والد ماجد اور ہم سب کے بزرگ، کی وفات سے بے حد صدمہ ہوا، لیکن سنت الہیہ جاریہ ہے، بجز رضا بالقضاء اور کوئی چارہ کار نہیں۔ حق تعالیٰ مولانا کو جنت الفردوس میں درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں۔ تنہا آپ ہی تعزیت کے مستحق نہیں بلکہ تمام علمی ادارے، اربابِ مدارس، تھانوی حلقے، خانقاہیں اور علمی محفلیں، سب تعزیت کے مستحق ہیں۔ مولانا مرحوم کی وفات، علم و عمل، اخلاق حلم و صبر، اناءت، تدبر و عقل اور حسنِ انتظام کی موت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مرحوم نے زندگی دینی و علمی خدمات میں گزاری۔ حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ان خدمات کو قبول فرمائیں اور اس کا اجر عظیم عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔ **وفی اللّٰہ عزاء من کل ھالک. فرحم اللّٰہ تلک الروح الخفیفہ وذٰلک الجسد اللطیف. ورضی عنہ وارضاہ وجعل الجنۃ متقلبہ ومثواہ.**

العزی والمعتزی: محمد یوسف البنوری عفا اللہ عنہ ۲۲ شعبان ۱۳۹۰ھ

حضرت مولانا محمد میاں صاحب (صدر جمعیت العلماء ہند دہلی):

''حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی وفات ہر ایک علم دوست کے لئے حادثۂ عظیم ہے۔ آپ کے لئے اس کی شدت اور بھی زیادہ۔ لیکن ؎ ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید ز جامِ دہر ے کل من علیہا فان

فلتصبر ولتحتسب فللّٰہ ما اخذ وما اعطی. وکل عندہ باجل مسمّٰی.

والسلام نیازمند محتاجِ دُعا: محمد میاں ۴ ررمضان المبارک ۱۳۹۰ھ''

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھوی مدظلہم (خلیفہ مجاز شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری):

''حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی اطلاع سے بہت ہی رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ جگہ مرحمت فرمادیں۔ سب متعلقین کو صبر عطا کریں۔ احقر نے حضرت کے لئے ایصالِ ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمادیں۔ خانقاہ (رحیمیہ قادریہ رائے پور ضلع سہارن پور) میں سب ہی احباب اس رنج میں آپ کے شریک ہیں۔ دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔

مولوی سعید احمد صاحب (صاحبزادہ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب سرگودھوی):

''ہم سب ایک عالم بزرگ کی سرپرستی سے محروم ہوگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیں، جوارِ خاص میں جگہ دیں۔''

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہم (شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارن پور):

''حادثہ جانکاہ سے بہت ہی کلفت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم نور اللہ مرقدہٗ کی مغفرت فرما کر اپنی جوار رحمت میں جگہ عطاء فرماویں۔'' (حضرت شیخ الحدیث بقلم عبدالرحیم) یکم رمضان ۱۳۹۰ھ

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہم (ناظم) و مولانا مظفر حسین صاحب (نائب ناظم) مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور:

''حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے انتقال کی خبر کلفت اثر معلوم ہو کر افسوس اور رنج ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضرت مولاناؒ ایک گرامی قدر شخصیت اور اجل علماء سے تھے۔ ان کی وفات پر اہلِ مدرسہ آپ کے غم میں شریک ہیں۔

مدرسہ میں مرحوم کے لئے قرآن شریف ختم کرا کر ایصالِ ثواب کرایا گیا ہے اور دعائے مغفرت کی گئی ہے۔''

(گرامی نامہ مورخہ ۶ رمضان ۱۳۹۰ھ مطابق ۷ نومبر ۱۹۷۰ء)

حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ (نائب صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند):

''آپ سب بھائیوں کی خدمت میں دلی رنج و صدمہ کو پہنچا رہا ہوں، جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی وجہ سے مجھ کو پہنچا ہے۔ میں کئی بار خیر المدارس کا امتحان لینے جالندھر گیا ہوں۔ بستی وغیرہ اور آس پاس کی بستیوں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جانا ہوا، ان کا کرم، اخلاق، زہد و تقویٰ میرے قلب میں پیوست ہے۔ لیکن یہ راہ ایسی راہ ہے کہ انبیاء کرام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ حق تعالیٰ حضرت مولاناؒ کے آخرت میں درجات بلند فرمائے، آمین۔ میں اس ماہ صیام میں حضرت مولانا کے لئے ایصالِ ثواب کرتا رہوں گا۔

آپ کا شریکِ غم: فخر الحسن، نائب صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند، یکم رمضان المبارک دوشنبہ''

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ):

''حضرت المخدوم رحمۃ اللہ علیہ کی وفات باعث صدمہ ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون. ایک عجیب معتدل شخصیت تھے۔ حق تعالیٰ جنت الفردوس نصیب فرماویں اور آپ کو ذمہ داریاں پورا کرنے کی خاص توفیق عطا فرمائیں، آمین۔''

(والا نامہ مورخہ ۱۵ رمضان المبارک، ۱۳۹۰ھ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار):

''یکم شعبان کو کراچی میں مرکزی جمعیت کی کانفرنس تھی، اس میں بندہ بھی شریک ہوا تھا اور مولانا خیر محمد صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ چند دعوتوں میں شرکت طعام بھی ہوئی۔ یہ خبر نہ تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دیں اور درجاتِ عالیہ سے نوازیں۔ ان کے انتقال سے بڑا خلاء پیدا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا خلف آپ کو

بنائے۔“

(والا نامہ ۲۶ شعبان ۱۳۹۰ھ)

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ (جامعہ اشرفیہ لاہور):

”حضرتؒ کی وفات سے تو ایک قوم یتیم ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ مدارج عالیہ عطا فرمائیں۔ آپ سب کو صبر و اجر عنایت فرمائیں۔ اس ذمہ داری کا احساس بھی جو حضرت کے بعد آپ پر عائد ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں مدد فرمائیں۔“

مخدوم العلماء والفضلاء حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک):

”والد ماجد حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات سے بندہ کو از حد صدمہ ہوا۔ محترمی ایک طرف اگر آپ حضرات اپنے والد ماجد حقیقی سے محروم ہوگئے تو دوسری جانب مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے روحانی والد سے بکھر گئے، مگر یہ تصور ہے کہ ہم خداوند کریم کے مملوک ہیں، وہی ہمارا مالک ہے، اسی کو تصرف کا حق حاصل ہے، اس کا ہر تصرف حکمت کے مطابق ہے۔ جب تک چاہے اس دنیا میں رکھے اور جب چاہے دنیا سے اُٹھالے۔

حضرت مولانا مرحوم تو خوش قسمت تھے، ان کی تمام زندگی علومِ دینیہ کی خدمت اور عام مسلمانوں کی رُشد و ہدایت میں گزری اور اُمید ہے ان کا یہ سلسلہ فیض و علوم تا قیامت باقی رہے گا۔ بندہ ناچیز اور اس دارالعلوم کے ساتھ حضرت مرحوم جو محبت اور سرپرستی فرمایا کرتے تھے وہ بیان سے باہر ہے، اور انہی اکابر کی توجہات اور تلطفات کی بدولت یہ ادارہ رو بہ ترقی ہے۔ بندہ اس المناک صدمہ میں آپ حضرات کے ساتھ پوری طرح غمزدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے انوار و برکات آپ سب حضرات پر نازل فرمائیں اور خداوند قدوس حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں مراتب عالیہ سے نوازے اور آپ حضرات اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔“ (والا نامہ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۷۰ء)

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوری (چک نمبر ۱۱، چیچہ وطنی):

”آج بابو غلام نبی صاحب نے مجھے مولاناؒ کی وفات کی اطلاع دی۔ کچھ تو پہلے ہی افاقہ نہ تھا۔ اس خبر کے سننے سے طبیعت زیادہ مضمحل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ان دنوں میں کئی اللہ کے بندے یکے بعد دیگرے دنیا سے رحلت فرما گئے، جن کی مثال ملنا محال ہے۔ بڑے حضرات کے بعد یہ چند ہستیاں تھیں جن سے تسلی تھی۔ افسوس یہ لوگ بھی رحلت کر گئے۔

چو رفت از دست خم و جام ساقی　　　بما جز غم نہ ماندہ ہیچ باقی

محترم نصرت علی صدیقی صاحب (مکۃ المکرمہ):

”حضرت والا مخدوم العلماء والصلحاء، عالم ربانی تھے، ہر فعل میں للّٰہیت تھی۔ صبر و شکر، ہمدردی، علم، عمل اور تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ حضرت والاؒ کو دیکھ کر تھانہ بھون کی یاد آتی تھی۔ حضرت قدس سرہ العزیز بفضلہٖ تعالیٰ رضائے مولا اور

لقاء حق کے لذت ومزہ سے سرشار ہو کر حیاتِ طیبہ کے بلند مقام پر فائز المرام ہوں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اللّٰھم اغفرلہ مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ. وارحمہ رحمۃ واسعۃ واجعلہ من عبادک الصالحین۔

حضرت والاؒ میں فنائیت اور عبدیت کے آثار حد درجہ تھے۔ اپنے کو کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیا۔ جس مقام پر حضرت تھے، کسی کو خبر نہ ہو سکی۔ حضرت علومِ ظاہرہ میں کامل ومکمل اور مقاماتِ باطنہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے اجل خلفاء میں ایک ممتاز شخصیت تھے۔ اپنے مرشد کے عاشقِ صادق اور دیوانہ وار جاں نثار تھے۔ حضرت والاؒ اس نعمتِ عظمیٰ کے ذریعہ ہر وقت فکرِ آخرت اور یادِ حق اور رضائے مولا میں مشغول رہتے اور مجلس میں آنے والوں کے متعلق بھی یہی چاہتے کہ ہر شخص ایسا ہی ہو جائے۔ اسی واسطے حضرت کی مجلس میں سوائے آخرت اور رضائے حق کے دوسری بات نہ ہوتی تھی۔ جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کے بعض ملفوظات ومعمولات کی تشریح وتوضیح فرما کر مقامِ فناء وبقاء پر لے جاتے۔

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہٗ　　　هوالمسک ما کرّرتهٗ یتضوع

(تحریر مکتوب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء)

گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل ایم عتیق الرحمٰن صاحب: ڈپٹی کمشنر ملتان (نمبر ڈی او۔۳۵۲، تاریخ ۷۰/۱۱/۷)

محترمہ بیگم صاحبہ

مجھے کہا گیا ہے کہ گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل ایم عتیق الرحمٰن ایچ کیو اے، ایس پی کے، ایم سی کو بہت افسوس ہوا ہے، اچانک یہ سُن کر کہ مولانا خیر محمد دل کے دورہ کے حملہ سے انتقال فرما گئے۔ گورنر اپنی ہمدردی اور صدمہ کا اظہار آپ کے لئے اور دوسرے گھر کے ممبران کے لئے کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی جوارِ رحمت میں ان کو جگہ دیں اور آپ سب کو اس نقصان پر صبرِ جمیل عطا فرمائیں۔　آپ کا مخلص: ہمایوں فیض رسول (سی ایس پی)

دیگر بزرگانِ دین اور حضرت والاؒ سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات کے تعزیتی خطوط یا اقتباسات وغیرہ

اس سے قبل زیرِ عنوان ''حضرت والاؒ کے بعض محاسن تعزیتی خطوط کی روشنی میں'' بزرگانِ دین اور حضرت والاؒ سے تعلق رکھنے والے دیگر حضرات اور بعض اہم شخصیتوں کے تعزیتی خطوط کے اقتباسات گزرے (یہ ان خطوط سے نقل کئے گئے تھے جن کو دفتر خیر المدارس سے مستعار لیا گیا تھا۔ پھر محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زادمجدہٗ سے ان کے مرتبہ اقتباسات مل گئے تو انہی کو لے لیا گیا)

ان خطوط کے علاوہ بھی بزرگانِ دین اور بعض دیگر حضرات کے تعزیتی خطوط وغیرہ احقر کو دفتر خیر المدارس سے ملے تھے، جن میں سے بعض کو کاملاً نقل کر لیا گیا تھا، بعض سے اقتباسات لے لئے گئے تھے اور تعزیتی خطوط لکھنے والے بعض حضرات کے اسماءِ گرامی بطور فہرست درج کر لئے گئے۔ اب ان سب کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (بانی وصدر دارالعلوم کراچی) کے تعزیت نامہ سے اقتباسات:

اسی باب میں اس سے قبل حضرت مفتی صاحبؒ کا ''البلاغ'' میں شائع شدہ مستقل تعزیتی اداریہ گزر چکا ہے۔ یہ اقتباسات حضرتؒ کے ایک نجی تعزیت نامہ مورخہ ۲۳ شعبان ۱۳۹۰ھ سے لئے گئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

''اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مولانا کی وفات کا حادثۂ غم صرف آپ حضرات کے لئے نہیں، پوری جماعت علماء خصوصاً علماءِ دیوبند و تھانہ بھون کے لئے ایک بڑا حادثہ جانکاہ ہے، اور غور کریں تو اُمت کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔''

.....''ہر حال میں مولانا کے وجود کو ہم سب سایۂ رحمت پاتے تھے۔ حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کے بعد مولانا نے بڑی حد تک کمی کو پورا کر دیا تھا۔ مگر آج تو حال یہ ہے کہ:

ذهب الذين يعاش في اكنافهم　　　وبقيت منهم كالبعير الاجرو

''اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو حضرت مولانا کی برکات سے محروم نہ فرماویں، اور ان کے سچے جانشین بناویں۔ اللهم اغفرله مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبا.''

ترجمہ تارِ تعزیت منجانب مخدومی حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ:

اسی باب میں اس سے قبل حضرت مولانا عثمانیؒ کے تعزیت نامہ سے اقتباس گزرا۔ اس کے علاوہ ایک تار بھی ملا، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''مولانا خیر محمد صاحب کی وفات سے صدمہ پہنچا۔ دعاء کرتا ہوں۔''　　ظفر احمد عثمانی

ترجمہ تار تعزیت از مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند):

اسی باب میں اس سے قبل مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے تعزیت ناموں سے اقتباسات گزرے۔ ان کے علاوہ ایک تعزیتی تار بھی ملا۔ جس کا ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

''مولانا کی وفات حسرت آیات سے سخت صدمہ ہوا، ہم اس غم میں آپ کے شریک ہیں۔ خط بھیجا جا رہا ہے۔'' طیب

تعزیت نامہ از حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ):

بخدمت اقدس مولانا محمد شریف صاحب و حافظ رشید احمد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

یہ ناکارہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ میں شریک ہوا۔ اس دن مدرسہ بھی حاضر ہوا۔ حضرت کی آخری زیارت دارالحدیث میں کی۔ لیکن آپ سے تعزیت نہ کر سکا۔ تلاش بھی کیا، مگر آپ ملے نہیں۔ جمعہ کی وجہ سے واپس آنا پڑا۔ جمعرات کو طبیعت میں تکان بے حد تھا، اور اب ضروری کام کے سلسلہ میں لاہور جانا پڑا، ان شاء اللہ وہاں سے واپسی پر حاضر ہوں گا۔

صدمہ شدید ہے، ہم سب اب یتیم ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں خود محتاجِ تعزیت ہوں۔ اور آپ کے صدمے کا اندازہ تو کون کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنا قربِ خاص عطا فرما دیں اور ہم سب کو صبرِ جمیل سے نوازیں۔ قرارِ طبعی کی تو کوئی تدبیر نہیں۔ قرارِ عقلی کی تدبیر حق تعالیٰ کو حاکم اور حکیم سمجھنے کا مراقبہ ہے۔

جناب انوری صاحب کی خدمت میں بھی یہی مضمون عرض ہے۔ محمد شریف (۷۰۹-نواں شہر ملتان)

حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالا و خطیب جامع مسجد گکھڑ):

گکھڑ سے اپنے تعزیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ہمیں داغِ مفارقت دے گئے اور اب ان کے فیض اور شفقت کا وہ مبارک ہاتھ ہمارے سروں سے اُٹھ گیا، جس سے ہم مستفیض ہوتے تھے۔ آہ، اب ہم اپنی علمی تشنگی بجھانے کہاں جائیں گے؟ اور علمی تحقیقات کے جواہر پارے کہاں سے حاصل کریں گے؟''

تعزیت نامہ حضرت علامہ مولانا سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی:

جامعہ مدنیہ کیمبل پور (مغربی پاکستان)، تاریخ ۲۶ شعبان ۱۳۹۰ء

محترم المقام زید مجدکم، سلام مسنون!

اخبارات سے اُستاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال باللہ کا علم ہو کر بے حد صدمہ ہوا۔ اِنا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد : ولکنہ بنیان قوم تھدما

حضرت قدس سرہ العزیز نے جو دین اور علمِ دین کی خدمت کی ہے، وہ لافانی باعث ازدیادِ اَجر ہے۔ خصوصاً عقیدہ حیات النبی ﷺ کی اشاعت اور اس کا تحفظ آپ کا وہ کارنامہ ہے جو ان کی محبوبیت دربارِ رحمتِ دوعالم کے لئے بڑا ذریعہ ہے۔ رحمہ اللّٰہ رحمۃ و اسعۃ. والسلام طالبِ دعاء: قاضی محمد زاہد الحسینی غفرلہٗ

حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی (ساہیوال ضلع سرگودھا):

تعزیت نامہ کے اکثر حصہ کا اقتباس درج ذیل ہے:

''حضرت خیر العلماء مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر انتہائی رنج وصدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں بلند مقام پر فائز فرمائیں اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

حضرت مرحوم نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے فیض کو تقریباً نصف صدی تک جاری رکھا اور اپنی تعلیمی اور تربیتی صلاحیتوں سے ایک عالم کو مستفید کر رکھا تھا اور مرحوم نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور قابلیتوں سے دنیا کو سیراب وفیض یاب کیا ہوا تھا۔ حضرت مرحوم اپنے شیخ مرشد تھانویؒ کے صحیح جانشین اور ان کی مسند کے حقیقی وارث تھے۔ افسوس کہ آج ہم مرحوم کے فیض سے محروم ہو چکے، اور ہمارا سرپرست اُٹھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی مدظلہٗ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی وفات پر اپنے مرثیہ میں ایک شعر فرمایا تھا، وہی میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر نقل کرتا ہوں ؎

کسے وہم تھا کہ نہ ہوں گے وہ کسے تھا گماں کہ رہیں گے ہم
ظفر! آہ کیسے گئے ہیں وہ کہ چراغ دل ہی بجھا گئے

میرے گھر میں اس خبر سے بہت متاثر ہوئیں اور یہ کہا کہ آج میرا باپ فوت ہو گیا۔ حضرت مرحوم میرے والد مرحوم کے بہت گہرے دوست اور صدیق حمیم تھے، اور اس کا حق ادا فرمانے کے لئے احقر نالائق سے بہت ہی گہری محبت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ دومرتبہ ساہیوال بھی تشریف لا کر عزت افزائی فرمائی۔ اعلی اللہ درجاتہ الخ۔

گرمیوں میں احقر نے عریضہ میں حاضری کی اجازت چاہی تو تحریر فرمایا: ''آپ کا تشریف لانا باعث برکت ہے، مگر ایک ماہ تک گرمی شدید ہے، گرمی کم ہو جائے تو مناسب ہے۔'' آہ کس کو خبر تھی کہ یہ حضرت مرحوم کا آخری والا نامہ ثابت ہوگا اور یہ زیارت وحاضری کی حسرت دل میں ہی رہ جائے گی۔ کس اشتیاق وانجذاب کے ساتھ ملتان کا سفر ہوا کرتا تھا، اب یہ کس کے لئے ہوا کرے گا۔''

اسی آخری والا نامہ میں تحریر فرمایا: ''آپ کی یاد سے پرانا زمانہ اور آپ کے والد بزرگوار مرحوم بلکہ تمام بزرگ لطف یاد آ کر اپنی محرومی پر افسوس ہوتا ہے۔'' رحمه الله رحمة واسعة.

ماشاء اللہ حضرت مرحوم سراپا خیر و برکت تھے، آپ کا مدرسہ خیر المدارس اور آپ کی مسجد خیر المساجد ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کی ان باقیات صالحات کا فیض تا دیر دائم وقائم رکھے، آمین۔

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا جمال الدین صاحب مدظلہ العالی: (سابق اُستاذ الحدیث خیر المدارس) (بیکا تحصیل صوابی، ضلع مردان)

''یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم وعمل کے پیکر، محبت وتدبر کا مجسمہ، استقلال، نظم ونسق کے بادشاہ، رُشد وہدایت کا منبع تھے۔ ان کی وفات سے آج علمی دنیا ایک عظیم رہنما، تجربہ کار مشفق شخصیت سے محروم ہے، جس کا بدل بظاہر ناممکن ہے۔ حق تعالیٰ سے بدست بدعاء ہیں کہ مرحوم کو اپنے قرب کا اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔''

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ مجاز مخدومنا حضرت مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ) (مدرسہ عربیہ امداد العلوم لوئر ملک پورہ ایبٹ آباد (ہزارہ):

''حضرت مولانا (خیر محمد) صاحب قدس سرہٗ کے واقعہ انتقال سے دل کو جو صدمہ ہوا وہ قلم وزبان سے نہیں ظاہر ہو سکتا، دل اس حادثہ سے بے حد مغموم ہے.... حضرت والاؒ کے کمالات و برکات شمار میں نہیں آ سکتے۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو برزخ و آخرت میں درجاتِ عالیہ اور جنت الفردوس عطا فرماویں، آمین۔ اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشیں، آمین۔''

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب مدظلہٗ (صاحبزادہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ):

''حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے وفات حسرت آیات کی خبر معلوم ہو کر از حد صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون.

اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور مرضیات سے نوازے اور آپ حضرات کو صبر جمیل اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کے مشن کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اسعد غفرلہ

وارد حال ٹانڈہ ضلع فیض آباد، یو۔ پی''

تعزیت نامہ از حضرت مولانا حافظ قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی، ذیرہ اسماعیل خان) (فاضل دارالعلوم دیوبند و خیرالمدارس جالندھر، تلمیذ سعید حضرت والاؒ):

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا غم بڑا طویل الذیل ہے۔ جلدی میں کہاں بھلایا جا سکتا ہے۔ لیکن جب تک خیرالمدارس (ادامہا اللہ تعالیٰ) قائم ہے اور اولاد امجاد میں آپ جیسے حضرات موجود ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ حضرت زندہ ہیں۔ غم جدائی کے تاثرات ذیل کی تک بندی میں زبان پر آ گئے، ممکن ہے آپ کے لئے بھی تسکین غم کا باعث بنیں۔

آہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ

ارض ملتان تو شہیدوں کی امانت دار ہے ۔۔۔ اور اہل اللہ کے اجساد کا گلزار ہے
آج پھر پہلو میں تیرے آ گیا اک مہ جبیں ۔۔۔ وہ جو میر علم تھا خیر محمد کا امیں
خواب[1] میں دیکھے گئے جن کے جنازہ پر حضورؐ ۔۔۔ عالم ظاہر میں شمس[2] حق بنا جن کا ظہور

اے ندیم بے نوا صبح و مسا کر یہ دُعا
آسماں ان کی لحد پر ہو سدا رحمت کشا

عبدالکریم عفی عنہ کلاچوی (۲۸ شعبان ۱۳۹۰ھ۔ ۳۰-۱۰-۱۹۷۰ء)''

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیروالی بہاولپور ڈویژن:

آپ کے مفصل تعزیت نامہ میں سے حضرت والاؒ کے طریقہ تعلیم کا تذکرہ باب ششم تعلیم و تدریس کے ذیلی عنوان ''انداز تدریس'' کے تحت اور حضرت والاؒ کے بعض اخلاق و اوصاف کا تذکرہ باب ۲۰ بستم اخلاق و عادات میں نقل کیا جا چکا ہے۔ تعزیت نامہ میں سے متعلقہ اقتباسات یہاں دیئے جا رہے ہیں:

''قدوۃ الصلحاء اسوۃ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی و مہتمم مدرسہ عربی خیرالمدارس ملتان کی وفات حسرت آیات اور انتقال پُر ملال کی المناک اور اندوہ گیں خبر اخبارات میں پڑھ کر انتہائی صدمہ و ملال اور رنج و قلق ہوا ...... دنیا نظروں میں تاریک و مظلم نظر آنے لگی۔ حضرت کے ارتحال پُر ملال سے علمی حلقوں اور مذہبی صفوں میں ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جس کا پُر ہونا محال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت اقدس ملک کے چندان چیدہ جید اور درویش صفت علماء ربانی و صلحاء حقانی میں سے تھے جنہوں نے اپنی حیات مستعار کے ہر ہر لمحہ کو دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کے لئے وقف کر رکھا تھا۔

---

[1] حضور ﷺ کو حضرت والاؒ کے جنازہ پر حکیم سید ابراہیم صاحب کا بیداری میں اور ایک صاحب کے خواب میں دیکھنے کے واقعات اسی باب میں گذر چکے ہیں۔ (آ ا)

[2] شمس المشائخ حضرت علامہ شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ (منہ)

حضرت اقدس کے ہزاروں مستفیدین اور لاکھوں معتقدین کی آنکھیں اشکبار اور دل غمزدہ و نگار ہیں۔
۵۰ عدد قرآن مجید پڑھوا کر مرحوم کی روح پر فتوح کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔''

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا محمد متین خطیب صاحب، دار العلوم کراچی:

''دار العلوم پہنچا تو یہ خبر سُنی کہ ہمارے بزرگ معظم قبلہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سب متوسلین کو داغِ مفارقت دے گئے، انا للّٰہ الخ.

یہ حادثہ بڑا جانکاہ ہے۔ حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ قبلہ مرحوم کے مراتب اخروی بلند فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمت و توفیق بخشے، آمین۔''

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا اصغر علی صاحبؒ (سابق مدرّس و ناظم جامعہ خیر المدارس ملتان):

''خط میں پوری درد کی کیفیت لکھی نہیں جاسکتی۔''

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب (پرنسپل جامعہ عربیہ چنیوٹ):

''صرف آپ یتیم نہیں ہوئے، بلکہ ہم تمام متعلقین و متوسلین یتیم ہو گئے ہیں۔ مولانا کی وفات موت العالِم موت العالَم کا صحیح مصداق ہے۔''

اقتباس از تعزیت نامہ محترم و معظم جناب غلام یٰسین صاحب (انجینئر) ۱۳- عامل کالونی حیدر آباد (مرید حضرت مجدد حکیم الامت تھانویؒ):

''خبر ملی کہ حضرت والا قطب اقطاب سرتاج العارفین شیخ المشائخ حضرت مفتی صاحب کل ۲۰ شعبان کو ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ہیں۔ اِنا للّٰہ و انا الیہ راجعون. یہ صرف چند ہی دن کی بات ہے کہ حضرت اقدس ۴ شعبان کو چند گھنٹے کے لئے یعنی ۹ تا ۱۰ بجے سے لے کر ۲ بجے دوپہر تک حیدر آباد غریب خانہ پر رونق افروز رہے، منتسبین کا ملاقات و زیارت کے لئے تانتا بندھا ہوا تھا اور حضرت والاؒ کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔ کیا خبر تھی کہ یہ حضرت والا کا آخری دیدار ہے۔ بہت خوش تھے، سب پرانی کمزوری دور ہو چکی تھی، ایک نور برس رہا تھا۔ دُعا ہے کہ حضرت والاؒ کے اس دینی ادارہ کو حق تعالیٰ پورا پورا فروغ دیں اور یہ ان کا صدقہ جاریہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے۔ آمین۔''

اقتباس از تعزیت نامہ محترمی حضرت صوفی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زاد مجدہٗ:

''حضرت مرشدی کی رحلت کے بعد روز بروز غم میں اضافہ ہو رہا ہے اور کسی صورت چین نہیں آتا، شدت غم سے بخار آنے لگا ہے۔ ایک مشفق، مربی، سرپرست سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں حضرتؒ کو اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔''

اقتباس از تعزیت نامہ محترم مولانا اکرام الحق الخیری صاحب زادمجدہٗ (ڈگری شہر):

آپ کی وفات نہ صرف اقرباء کے لئے اور نہ ملتان والوں کے لئے اور نہ پاکستانیوں کے لئے، بلکہ عالمِ اسلام کے لئے ایک المیہ ہے۔ جن سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے مختلف ممالک واماکن سے حاضر ہو کر اپنی پیاس بجھائی، اس لئے آپ حضرات کے غم میں صرف ایک نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے افراد برابر کے شریک ہیں۔''

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا شمس الدین صاحب، صدر مدرّس (کچی محمد خاں لیاقت پور):

انما الدنیا فناء لیس للدنیا بقاء — انما الدنیا ومافیها کنسج العنکبوت

مات خیرالقوم لکن لم تمت خیراته — انما مات المسمی واسمه ما لا یموت

شیخ الباکستان بل شیخ العالم کی وفات سانحہ عظمیٰ وحادثہ کبریٰ ہے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. اِنَّ للّٰہ ما اخذ وما اعطی وکل عندہ باجل مسمّی.

آہ! مشید کتاب وسنت، مشیع معرفت وحکمت، حاوی الفروع والاصول، جامع المعقول والمنقول، منبع ارشاد و ہدایت، مخزن علم ومعرفت کی جگہ خالی شدہ کون پُر کر سکتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیل محبوبان عظام جنت الفردوس مثویٰ و ماویٰ بنائے اور پسماندگان کو ان کے اور جملہ اسلاف کرام کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین۔''

اقتباس از تعزیت نامہ حضرت مولانا عبدالوحید صاحب، مدرسہ عربیہ قادریہ ڈھڈیاں شریف ضلع سرگودھا:

''حضرت استاذ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال کی وحشت ناک خبر سُنی، شدید صدمہ ہوا۔ اِنَّا للّٰہ الخ. اکابر کے یکے بعد دیگرے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد یہ عالم بالکل سونا سا ہو گیا ہے۔ سارے عالم میں اندھیرا ہی اندھیرا ہو گیا۔''

اقتباس از تعزیت نامہ مولانا فضل اللہ صاحب (ابن حضرت مولانا نیاز محمد صاحب، مہتمم مدرسہ عربیہ دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت ضلع بنوں:

''حضرت اقدس مولانا صاحب مرحوم ایک ایسی ہستی تھی جو کہ ظاہری علوم میں دریا ناپیدا کنار، تفاسیر، احادیث فقہ وتاریخ وغیرہ علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ باطنی علوم میں امام السالکین تھے۔ حضرت کی وفات سے ایسی خلا آئی جس کی ملاءنا[1] تاقیامت مشکل ہے۔ حضرت کے انتقال پُر ملال سے علماء کرام یتیم ہو گئے۔

اقتباس از تعزیت نامہ جناب الحاج مولانا محمد سلیمان طارق صاحب جالندھری، خطیب جامعہ مسجد مرکزیہ ومہتمم مدرسہ عربیہ شمس العلوم گوجرہ ضلع لائل پور (از ڈسٹرکٹ جیل جھنگ صدر):

''حضرت سیدی واستاذی المکرم شیخ المشائخ سلطان العارفین حضرت قبلہ مہتمم صاحب کی خبر سُن کر کہ حضرت والا

[1] یعنی بھرنا۔ ۱۲ م ع۔

ہمیں داغ مفارقت دے کر ہمیشہ کے لئے یتیم بنا گئے، ازحد صدمہ ہوا۔ جمیع اصحاب انجمن آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔''

اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمد یلسین صاحب کشمیری، پونچھ آزاد کشمیر:

''دل و دماغ اس خبر کو قبول نہیں کرتا کہ کیا واقعی وہ شمس ارض جس کی روشنی نے ہزاروں ستاروں کو اپنے نور سے منور کر رکھا تھا اس جہاں سے غروب ہو گیا، کیا ہزاروں ظاہری و باطنی پیاسوں کو سیراب کرنے والا اپنے دریا کو بند کر چکا؟ اے اللہ اب ان تشنگان کو کون سیراب کرے گا؟ اے اللہ! ہماری رہنمائی کے لئے کون ہے؟ باطنی تربیت کے لئے کس کی طرف رجوع کریں؟ کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ کس طرف جائیں؟ آہ! یہ کمی پوری نہیں ہو سکتی، اس غم کو دل برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ہزاروں یتیم کیا کریں گے؟''

اقتباس از تعزیت نامہ محترم جلال الدین صاحب میواتی مدرّس (حال ساکن موضع سلووال تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ:

''میرے والد صاحب کو انتقال کئے ہوئے تقریباً آٹھ سال ہو گئے اور ان کی موت کا مجھے اتنا صدمہ نہیں ہوا تھا جتنا اس اپنے روحانی باپ کی خبر سُن کر ہوا۔ میرے جیسے گنہگار کے لئے حضرت کی ذات سے جو فائدہ پہنچا وہ بہت زیادہ ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ حضرت کی بدولت میرا اور میرے ماں باپ اور بھائیوں کا نقشہ قدرت نے بدل دیا۔''

اقتباس از تعزیت نامہ جناب ظہور احمد قریشی صاحب، اچھرہ، لاہور:

''اعلیٰ حضرت کی وفات کی خبر سُن کر دل کو سخت صدمہ اور افسوس ہوا۔ اعلیٰ حضرت کا شگفتہ اور مسکراتا ہوا رُخِ انور اب بھی میری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔ خدا اس کو دائم رکھے۔''

اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمود احمد ثاقب صاحب (یو.ڈی.سی. پی.ایم.جی آفس پشاور):

''یہاں جب حضرت کی وفات کی خبر مولانا خالد محمود صاحب نے سنائی تو وہ خود بھی رو رہے تھے اور سینکڑوں آدمی بھی سُن کر رو رہے تھے۔''

اقتباس از تعزیت نامہ جناب رحمت علی صاحب، ۱۹ ر مین بازار، محلہ گنج مغلپورہ لاہور:

''اللہ تعالیٰ حضرت کی قائم کردہ دینی درسگاہ کو تا قیامت قائم رکھیں۔ جس سے تشنگانِ علم کی پیاس بجھتی رہے۔ حضرت کے مجھ پر بہت بڑے احسانات ہیں۔ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔''

اقتباس از تعزیت نامہ حکیم ارشاد صاحب، احمد پور شرقیہ:

''حضرت اقدس کی وفات سے ہم سب کے قلوب مغموم ہیں۔ مرنا برحق ہے، مگر ایسی ہستیاں مرتی نہیں، زندۂ جاوید ہوتی ہیں۔ آپ ایک عظیم باپ کے سایہ سے محروم ہو گئے اور ہم سب ایک شفیق اُستاد سے، جن کا نہ مداوا ہے نہ بدل۔

ہمارے والد صاحب کے ساتھی اور ہم عمر تھے، ایک سال کے فرق سے جا ملے۔"

اقتباس از تعزیت نامہ جناب ڈاکٹر مرزا علی اختر صاحب ڈومیلی ضلع جہلم:

"بلند پایہ محدث تھے۔ نیز میں نے بہت سے پیر دیکھے لیکن ان جیسے پیر دیکھنے میں نہیں آئے۔"

تعزیت نامہ بذریعہ تار از جناب مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم (راولپنڈی):

"مولانا صاحب کی وفات پر دلی تعزیت کرتا ہوں۔ بوجہ علالت نقل وحرکت (یعنی سفر) سے معذور ہوں۔"

اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب مرحوم، دفتر دار العلوم تعلیم القرآن، راجہ بازار راولپنڈی:

"بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ آپ کو علم ہے کہ میں گزشتہ دنوں سے بیمار چلا آ رہا ہوں۔ جس بناء پر حاضری سے معذور ہوں، ورنہ ضرور حاضر ہوتا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو بلند مراتب عطا فرمائے۔

اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا محمد زکریا غزنوی صاحب، خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث، صادق گنج ضلع بہاولنگر:

"مولانا صاحب کی اچانک وفات حسرت آیات کی خبر سُن کر نہایت دلی صدمہ ہوا۔ ہاتھ لرزہ براندم ہیں۔ دماغ کی عجیب سی کیفیت ہے۔ تمہارا تو وہ والد تھا، لیکن میرا ان سے رشتہ روحانی تھا، جو کیفیت مجھ پر طاری ہے وہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ انہوں نے دس سال تک ہمارے مدرسہ احیاء الاسلام میں درسِ حدیث دیا تھا۔ مجھے وہ دن یاد آتے ہیں۔"

اقتباس از تعزیت نامہ جناب مولانا فضل الحق صاحب، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہلِ حدیث مغربی پاکستان، حدیث منزل، ۷-ایبک روڈ، انار کلی لاہور:

"آج اخبارات میں آپ کے عظیم والد محترم کی خبر پڑھ کر مجھے سخت صدمہ ہوا۔ مرحوم کی اس پُرفتن دور میں سخت ضرورت تھی۔ ہم مرحوم کے کارہائے نمایاں کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ جو خدمات ان کی ہیں وہ اِن شاء اللہ تا قیامت باقی رہیں گی۔ دُعا ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ میری جماعت آپ کے غم میں برابر کی شریک ہے۔"

اقتباس از تعزیت نامہ جناب محمد عبدالرشید صدیقی صاحب، ناظم جمعیۃ اہلِ حدیث ضلع ملتان:

"ان میں وسعت اخلاق، تحمل، بردباری کے جو اوصاف تھے.... باوجودیکہ وہ انقلاب سے پہلے حنفی اہلِ حدیث کے مابین باہمی اختلافات پر مناظرے بھی کرتے رہے مگر انقلاب کے بعد انہوں نے وہ سلسلہ مسدود کر دیا اور اختلافی مسائل پر گفتگو میں بڑی بردباری اور تحمل کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس نصیب فرمائے۔"

ان کے علاوہ بہت سے اکابر دین وملت اور مشاہیر حضرات نے تعزیت نامے ارسال فرمائے۔ خاص خاص حضرات میں سے بعض کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا سعید احمد خاں صاحب مدظلہ العالی، مسجد نور، باب العوالی، مدینہ منورہ

(۲) علامہ محمد عبدالرحمٰن صاحب، سابق مشیر و ناظم اُمور مذہبیہ، محکمہ اوقاف، مغربی پاکستان

(۳) جناب پروفیسر احمد سعید صاحب، ۳۹ عالمگیر روڈ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور
(۴) جناب حافظ محمد یوسف صاحب، ڈگری (سندھ)
(۵) حضرت مولانا محمد چراغ صاحب، مہتمم مدرسہ عربیہ بیرون کھیالی دروازہ، گوجرانوالہ
(۶) جناب خداداد صاحب، لوئر ملک پورہ، ایبٹ آباد
(۷) جناب حافظ محمد اسماعیل صاحب، پوسٹ بکس نمبر ۱۰۰، لاہور
(۸) جناب رشید احمد صاحب، جامعہ اشرفیہ، فیروز پور روڈ لاہور
(۹) جناب ابن العطامی رضی الدین احمد صاحب، لاہور
(۱۰) جناب غلام محمد صاحب، چک نمبر ۷۷، دھندرہ محلہ طاہر پور، براستہ عباس پور، ضلع لائل پور
(۱۱) جناب قاری قاضی محمد صاحب، مقام وڈاک خانہ معیار، تحصیل وضلع مردان
(۱۲) جناب شیخ عبدالرشید شیخ (اُستاد عربی جامعہ عباسیہ) خالد رشید منزل، ۸۲/۸ (بستی دیوان) ماڈل ٹاؤن بی، بہاولپور
(۱۳) جناب حافظ خلیل محمد صاحب، چک نمبر ۱۶۱، ڈب
(۱۴) لیفٹیننٹ کرنل جناب ڈاکٹر عبدالرشید صاحب، سی.ایم.ایچ، ایبٹ آباد
(۱۵) جناب ڈاکٹر حافظ عبدالحق صاحب (ابن مولوی محمد یعقوب صاحب جالندھری) طائف سعودی عرب
(۱۶) جناب محمد افضل صاحب (ٹی.کیو.اے) قصر لطیف، ۵۳۸/۱۳، گارڈن ایسٹ کراچی نمبر ۵

حرمین شریفین سے حضرت والاؒ کی خدمت میں مرسلہ دو مکتوب

(مکتوب قبل از وفات وموصولہ بعد وفات حضرت والاؒ)

اقتباس از مکتوب گرامی حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب مدظلہ العالی، از مسجد نور مدینہ منورہ،

مورخہ ۱۷ رشعبان ۱۳۹۰ھ:

"حضرت کا شفقت نامہ بہترین دُعاؤں کے انوار سے منور موصول ہو کر باعث از دیادِ ایمان ہوا۔ بندہ ان ہی دعاؤں کا محتاج ہے اور اس ناچیز سے اور زیادہ مسرت ہوئی کہ حضرت والا حج کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔ بندہ اخیر رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ منتقل ہو جاتا ہے اور محرم کے اخیر تک وہیں قیام رہتا ہے۔ اس لئے اگر جہاز کا نام، روانگی کی تاریخ اور مکہ مکرمہ میں قیام کی جگہ معلوم ہو جائے تو ملاقات کا شرف آسانی سے حاصل ہو۔ حضرت کی طرف سے صلوٰۃ وسلام روضہ اقدس پر پہنچاتا رہوں گا۔"

نوٹ: اس گرامی نامہ کے پاکستان پہنچنے پر ڈاک خانہ کی ایک مہر ۳۰ راکتوبر ۱۹۷۰ء کی اور دوسری مہر ۳۱ راکتوبر کی ہے)

اقتباس از مکتوب گرامی المعلم المکرّم عبداللہ امین موذن المحترم (از مکہ معظمہ مورخہ ۲۰ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۱ راکتوبر ۱۹۷۰ء) (جب کہ پاکستان میں ۱۹ شعبان تھی، یعنی ایک یوم قبل از وفات):

"اور آپ کی حج کے لئے آنے کی خبر سے اور خوشی ہوئی...... آپ کو میں اپنے مرحوم والد کی طرح سمجھتا ہوں۔

آپ آنے کی تاریخ اور جہاز کا نام لکھیں۔ ان شاء اللہ آپ کے استقبال کے لئے جدہ حاضر رہوں گا۔"

(نوٹ: اس گرامی نامہ کے پاکستان پہنچنے پر ڈاک خانہ کی مہر ۲۴/اکتوبر ۱۹۷۰ء کی ہے)

قطعات تاریخ وفات وغیرہ[1]

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ

وفات جس کی ہے بے شک وفات علم و عمل
یہ کیسی ہستی بے مثل کھو گئی تاریخ
عالم سے پکارا جو آج ہاتف نے
وفات خیر محمد ہی ہوگئی تاریخ
۱۳۸۹ھ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب تھانویؒ

مولانا الحاج خیر محمد جالندھری نمونہ سلف بود
۱۳۹۰ھ
غفراللہ لہ ابدا ما تقدم
۱۹۷۰ء

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہم

رحلت اُستاذ العلماء مولانا خیر محمد صاحب
۱۳۹۰ھ
اذا کان خیر محمد فی الناس خیر محمد
قل ارخہ متحیّرا اَوَفَاتَ خیرُ محمد
۱۳۹۰ھ

حضرت مولانا قاضی عبیداللہ صاحب نقشبندی مدظلہٗ

(۱) عالم دین حق اُٹھا آج چراغ خیر محمد بجھا آج
۱۳۹۰ھ

(۲) افسوس مولانا جالندھری وفات پاگئے۔
۱۹۷۰ء

---

[1] ق

حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ (مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی[1])

چوں ز تاریخ وصالش خود بہ ہاتف گفتگو	خیر از و خیرالمدارس گفت او
۱۹۷۰

تَنَقَّلَ خَیْرٌ
۱۳۹۰ھ

حضرت مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیارپوری مرحوم نے اپنے گرامی نامہ میں تحریر فرمایا تھا کہ ایک صاحب نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مادہ تاریخ وفات ۱۳۹۰ھ یغفر اللّٰہ لہٗ سے تخریج کیا ہے۔

سنِ وصال حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ (از جناب محترم خیر محمد صاحب بشیر جالندھری، مکان نمبر ۲۹۵، فرید ٹاؤن، ساہیوال):

وائے کہ پیر و مرشد ے ازیں جہان رفت | از خاکداں گذشت و بر آسمان[2] رفت
آں راہنما کہ راہ سعادت مراد نمود | عباد[3] حق، محبوب حق خیرالزمان رفت
| ۱۹۷۰

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے انتقال پر:

از پروفیسر حافظ نثار احمد صاحب، گورنمنٹ ٹریننگ کالج، ملتان

چھپ گیا افسوس وہ علم و عمل کا آفتاب
شرق سے تا غرب جس کے نور کی تھی آب و تاب
بجھ گئی وہ شمع بزم علم و عرفاں بجھ گئی
تھی ضیا پاشی سے جس کی ہر گھڑی روشن بنی
اہلِ ملتاں آج اس کے غم میں ہیں سب سوگوار
جس کے دم سے گلشنِ دیں میں تھی ہر لحظہ بہار
جس کی تربت پر سدا ہے رحمت حق کا نزول
ہوں نثار اس کی لحد پر روز و شب جنت کے پھول

تم الباب

---

[1] حضرت مولانا قاری عبدالکریم صاحب مدظلہ کا یہ شعر جس سے انہوں نے سن عیسوی تاریخ وفات نکالی ہے اور دیگر تعزیتی اشعار ان کے تعزیت نامہ میں اسی باب میں آئے ہیں۔ (آ آ)

[2] ای روحہ (آ آ)

[3] آنمحترم نے (قدعبدہ) تحریر فرمایا تھا۔ لیکن اسکے وزن کی اصلاح کیلئے احقر مؤلف کی درخواست پر استاذ القراء حضرت قاری محمد طاہر ملتانی مدظلہ نے (عباد حق) سے بدل کر اصلاح فرمادی ہے۔ اس کے بھی عدد اتنے ہی ہیں۔ لیکن وزن اب درست ہے۔ (آ آ)

باب بست ودوم (۲۲)

خیرالمقالات

(یعنی چند خصوصی مقالات)

نوٹ: اس باب میں مندرجہ ذیل مقالات ہیں:

(۱) ذکرِ خیر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ از حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

(۲) میرے مشفق ومحسن — حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ

(۳) حضرت والاؒ کے چند کمالات — حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ

(۴) حضرت والاؒ سے متعلق چند یادیں — حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ

(۵) نمونہ اخلاقِ محمدی — محترم جناب منشی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم

سوائے مقالہ نمبرا ''ذکرِ خیر'' کے ان مقالات کو مکرمی ماسٹر محمد اقبال قریشی صاحب زادمجدہٗ نے ترتیب دیا تھا، اس کے علاوہ مقالات ومضامین ان کے ساتھ تھے۔ ان کو دوسرے ابواب کے تحت لیا گیا ہے۔

اس باب میں ''ذکر خیر و یاد شریف'' سے اکابر علماء کے متعدد نہایت قیمتی مقالات نقل کرنے کا ارادہ تھا، لیکن اس کتاب کو 'خیر السوانح' میں شامل کرنا مقصود نہیں، بلکہ ''ذکر خیر و یاد شریف'' کو نظر ثانی کے بعد بار بار مستقل شائع ہونے کی ضرورت ہے۔ البتہ ان مقالات سے بعض اہم اقتباسات باب بستم (اخلاق وعادات) میں لئے گئے ہیں۔

احقر آفتاب احمد عفی عنہ

مدینہ منورہ، لیلۃ الاثنین، ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

مطابق شب ۱۳/۱۲ ستمبر ۱۹۹۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ذکرِ خیر

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

(از شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا کی ذات بابرکات اس زمانہ میں باعث خیر و برکت تھی۔ بڑے قوی النسبت صاحب معرفت وکرامات تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے خلفاء میں امتیازی شان رکھتے تھے۔ بڑے ہنس مکھ، زندہ دل صاحب حضور تھے۔ میری پہلی ملاقات تھانہ بھون میں ہوئی۔ برادرم مولوی شبیر علی (مرحوم) سے بہت بے تکلفی تھی، جب حضرت حکیم الامت گھر تشریف لے جاتے، مولانا خیر محمد صاحب، مولوی شبیر علی کے کمرہ میں رونق افروز ہوتے۔ ایک دفعہ سہارن پور تشریف لائے، اس وقت میں مقامات حریری کا درس دے رہا تھا، ہنس کر فرمایا آپ تو مقامات طے کر رہے اور مقامات طے کرا رہے ہیں۔

مجھ سے مولانا کا خاص تعلق تھا۔ اکثر اپنے اطراف جلسوں میں مدعو کرتے تھے۔ ایک دفعہ جالندھر بھی بلایا۔ اپنے گھر کی سیر کرائی۔ گھر کچا تھا مگر بڑا وسیع اور موجب راحت تھا۔ اس وقت ایک صاحب تشریف لائے اور میرا خط دِکھلایا جس میں ایک موضع کے متعلق جمعہ کا سوال تھا کہ یہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔ میں نے جواب میں لکھا کہ کسی عالم محقق کو اپنا گاؤں دِکھلاؤ، وہ دیکھ کر جو فیصلہ کریں اس پر عمل کرو۔ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ اب تو آپ خود تشریف لے آئے ہیں۔ ان کے گاؤں کو دیکھ کر فیصلہ کر دیجئے۔ مجھے انکار کی گنجائش نہ تھی۔ مولانا کے ہمراہ اس گاؤں میں گیا۔ وہاں بازار بھی تھا جس میں بیس پچیس دُکانیں متصل تھیں اور وہاں غلہ کی بڑی منڈی تھی۔ برتنوں کی بڑی دکان تھی۔ میرا خیال ہوا کہ جوازِ جمعہ کا فتویٰ دے دوں۔ مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ آپ کا خیال تو صحیح ہے مگر یہاں مولانا فقیر محمد صاحب بڑے مفتی ہیں، مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ لوگ ان کے فتاویٰ پر اعتماد کرتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ یہاں جمعہ جائز نہیں۔ اس لئے آپ فتویٰ نہ دیں بلکہ یہ کہہ دیں کہ میں نے دیکھ لیا ہے۔ اب تھانہ بھون حضرت حکیم الامت سے حال عرض کر کے وہاں سے فتویٰ بھیجوں گا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ تھانہ بھون واپس آ کر حضرت سے حال عرض کیا۔ فرمایا جواب لکھ دو کہ ہماری رائے میں یہاں جمعہ جائز ہے، مگر مولانا فقیر محمد صاحب آپ کے مقامی عالم ہیں۔ ان کے فتویٰ کے خلاف فتویٰ دینا پسند نہیں۔ آپ لوگ ان ہی کے فتویٰ پر عمل کریں۔ اس واقعہ سے مولانا خیر محمد صاحب کا اپنے معاصروں کا احترام ظاہر ہے اور حضرت حکیم الامت کی حکمت بھی واضح ہوتی ہے کہ بیرونی عالم کو مقامی عالم سے لوگوں کو برگشتہ کرنا مناسب نہیں۔

ایک بار مولانا خیر محمد صاحب نے مجھے ریاست ٹونک کے جلسۂ سیرت نبویؐ میں مدعو کیا۔ میں نے مولانا کی دعوت منظور کیا اور مولانا کے ہمراہ ٹونک گیا۔ وہاں رئیس نے بڑا اہتمام کیا تھا۔ ہر محلہ کی ٹولی خاص وردی میں ملبوس تھی اور جھنڈا لئے ہوئے سب ٹولیاں صلوٰۃ وسلام پڑھتی اور نعتیہ اشعار پڑھتی ہوئی آ رہی تھیں۔ بڑی شان سے جلسہ ہوا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک ہندو پنڈت مشرف بہ اسلام ہوا، اور اس کی وجہ سے اور بھی کئی ہندو اسلام لے آئے۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ آپ نے تو اسلام کا بول بالا کر دیا اور کفر کا قلعہ مسمار کر دیا۔ یہ پنڈت ہندوؤں میں بڑا پنڈت مانا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا یہ سب آپ کی کرامت ہے۔

جب تحریک پاکستان کے سلسلہ میں بندہ نے پورے برصغیر کا دورہ کیا۔ بہار، پنجاب، سرحد، بمبئی، بنگال کا مسلسل دورہ تھا تو جالندھر بھی جانا ہوا۔ مولانا نے بڑی محبت سے اپنے مدرسہ میں میرے قیام وطعام کا انتظام کیا اور فرمایا یہاں بعضے مقامات پر جماعت ...... کا غلبہ ہے جو پاکستان کے خلاف ہیں۔ ذرا بیانات میں نرمی اختیار کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک جگہ لوگ آمادہ فساد تھے، مگر بیان سُن کر ٹھنڈے ہو گئے اور کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ مولانا اسی مصلحت سے میرے ساتھ سفر نہ کر سکے۔ مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب مرحوم اور غالباً مفتی محمد شفیع صاحب بھی میرے ہمراہ تھے۔

پاکستان بننے کے بعد مولانا نے ملتان میں خیر المدارس کو منتقل کیا اور بہت بڑے متروکہ احاطہ پر حکومت کی اجازت سے (باقاعدہ الاٹ ہونے پر) قبضہ کر کے مدرسہ کا کام شروع کیا[1] جب تک مجھے سفر کی ہمت تھی، اکثر سالانہ جلسہ میں مدعو کرتے تھے۔ نماز جمعہ میں مجھے امام بناتے، پھر تقریر بھی کراتے۔ اور خیر المدارس کی مجلسِ شوریٰ میں بھی نام داخل فرمایا۔ میرے حال پر بڑی محبت وشفقت فرماتے۔ آخر میں مولانا پر فالج کا اثر ہو گیا تھا، اس سے شفا ہوئی تو دل کا دورہ پڑنے لگا۔ انتقال سے دو ہفتہ پہلے کراچی مرکزی جمعیت علماء اسلام کی کانفرنس میں تشریف لائے، اس وقت بالکل تندرست معلوم ہوتے تھے۔ اقبال احمد صاحب ایڈووکیٹ کے مکان پر ہم سب کی دعوت تھی، مولانا میرے پاس ہی تشریف فرما تھے۔ حالاتِ ظاہرہ وباطنہ دریافت کرنے لگے۔ میں نے عرض کیا اس سال میں بہت بیمار ہوا، دو تین دن درس بھی نہ دیا، تو ایک دن بعد فجر مشغول ذکر تھا کہ دل پر القاء ہوا بخاری پڑھاؤ، اچھے ہو جاؤ گے۔ میں نے اس دن طلبہ کو گھر پر بلایا اور گھر پر درس دیا، اگلے دن درس گاہ میں جانے لگا۔ جب بخاری شریف ختم کے قریب ہوگئی تو بعد نماز فجر مشغول ذکر تھا کہ دفعۃً دل پر القا ہوا آپ کا درس بخاری مقبول ہے۔ مولانا خیر محمد صاحب اس کو سُن کر بڑے خوش ہوئے، مبارک باد دی۔ پھر دو ہفتہ بعد خبر آئی کہ مولانا کے دل پر سخت دورہ پڑا اور انتقال ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ کوئی نماز قضا نہیں ہوئی، سب نمازیں باقاعدہ ادا کرتے رہے، رات کو انتقال ہو گیا[2]۔

---

[1] صحیح ہے (اآ)

[2] تمام مشہور روایات سے یہی معلوم ہوا کہ بوقت چاشت (ساڑھے گیارہ بجے دن) انتقال ہوا رات کی خبر صحیح نہیں۔ (اآ)

انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون. یغفراللّٰہ لنا ولہ ویرحمنا وایاہ ویدخلنا وایاہ الجنّۃ جنتہ الفردوس برحمتہ وھو ارحم الراحمین والحمد للّٰہ رب العلمین وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد والہ واصحابہ واتباعہ واولیاءہ اجمعین.

ظفراحمدعثمانی

۲۲ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ

میرے مشفق ومحسن

تحریر: یادگارسلف صالحین حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب نواں شہرملتان
خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا خیرمحمد صاحبؒ اس ناچیز پر بہت ہی زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ میری اہلیہ نے بھی حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اپنی تعلیم وتربیت کا سلسلہ مولانا سے پیدا کرلیا تھا اور حضرت مولاناؒ نے درخواست قبول فرماتے ہوئے ہمارے مکان میانی افغانان ضلع ہوشیار پور میں تشریف لاکر ضروری نصائح سے نوازا تھا فرمایا کرتے تھے ''میں تمہارے گھر کو اپنا گھر سمجھتا ہوں۔''

مولانا بہت ہی بے تکلف تھے۔ ۱۹۳۷ء میں میں اور میری اہلیہ سفر حج سے واپس آئے تو حضرت مولانا خیرمحمد صاحبؒ جالندھری سٹیشن پر تشریف لائے ہوئے تھے، سارے سفر میں میں نے ہار گلے میں نہیں ڈلوایا تھا۔ مولانا کے دست مبارک میں خوشبودار کلیوں کا ہار تھا میں نے سر جھکا دیا اور مولانا نے ہار گلے میں ڈال دیا۔ میں اپنی قسمت پر مسرور تھا۔

مولانا کو جب بھی دردگردہ ہوتا طالب علم بھیج کر مجھے بلاتے فرماتے ''تمہارے آنے سے مجھے راحت ملتی ہے۔''

یہاں بھی کئی بار ہمارے مکان پر تشریف لائے، بلاتکلف فرمادیتے: ''میں چائے پیوں گا۔''

ایک دفعہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی مع اپنی اہلیہ محترمہ کے خیرالمدارس ملتان تشریف لانے والے تھے۔ اتفاق سے مولانا کی بیٹی اس دن سخت بیمار تھی۔ چنانچہ انتقال ہی ہوگیا۔ مولانا نے ایک طالب علم میرے مکان پر بھیجا کہ حضرت قاری صاحب اور ان کے گھر والوں کے کھانے کا انتظام تم کرو۔ ادھر پیغام پہنچنے سے پہلے میرے دل پر تقاضا ہوا کہ قاری صاحب مدظلہم کی دعوت کروں۔ میں خیرالمدارس پہنچ گیا۔ درخواست پیش کی۔ فرمایا: ''کیا میرا پیغام ملا۔'' میں نے عرض کیا: ''نہیں۔'' فرمایا: تمہارا گھر تو میرا اپنا گھر ہے۔ میں نے خود ہی بے تکلف کہلا بھیجا ہے۔''

چھوٹی پیرانی صاحبہ مدظلہا نے جالندھر تشریف لانا تھا۔ حضرت مولاناؒ نے خط سے صرف اتنی اطلاع دی کہ پیرانی

صاحبہ فلاں تاریخ کوتشریف لا رہی ہیں میں اور میری اہلیہ دونوں جالندھر پہنچ گئے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت'' آپ نے یہ تحریر ہی نہیں فرمایا کہ اہلیہ کو ساتھ لے آنا۔ فرمایا مجھے معلوم تھا جب وہ سنیں گی رہ نہ سکیں گی۔ اور اطلاع میں نے اس لئے دی تھی کہ وہ پیرانی صاحبہ کی مزاج شناس ہیں ان کے آنے سے پیرانی صاحبہ کو راحت ملے گی۔''

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی چاہتے تھے کہ ہم دنیوی طور پر بہت آرام سے رہیں۔ جب بھی کوئی بات پوچھی، آسان صورت ہی کو ہمارے لئے پسند فرمایا۔ (مکتوبات اشرفیہ ص ۸۵ تا ۹۰ مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ہارون آباد)

اسی[1] طرح یہ واقعہ حضرتؒ سے سنا کہ ایک بار میں کسی قسم کے لڈو بنا کر لے گیا میری اہلیہ بھی ہمراہ تھیں۔ اگلے سال دوبارہ حاضر ہوا تو مزاحاً فرمایا اس بار لڈو نہیں لائے۔ میں نے سمجھا تھا کہ امسال بھی لڈو لائے ہوں گے۔ چنانچہ اس کے چند روز بعد لڈو بنوا کر لے گیا تو بڑی مسرت سے قبول فرمائے۔

غرض حضرت والاؒ کے ساتھ سیدی حضرت حاجی صاحبؒ کا بڑے بے تکلفانہ اور دوستانہ تعلق تھا۔

حضرت والاؒ کے چند کمالات

تحریر: شمس العلماء والفضلاء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ

تواضع:

حضرت جامع الشریعت والطریقت خلیفہ مجاز حضرت تھانوی، حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات علوم شرعیہ وعقلیہ کے جامع ہونے کے علاوہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے معتمد خلیفہ تھے۔ خدمت اسلام کے سلسلہ میں آپ مدرس، مبلغ، مناظر، مصنف اور اصلاح باطنی میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ حسن لقاء اور محاسن اخلاق کے پیکر تھے۔ ان کمالات کے باوجود تواضع میں یکتا تھے۔ یہاں تک کہ جب احقر کو خیر المدارس بموقع سالانہ اجلاس جانا ہوا تو درس قرآن پر مجبور کرتے تھے اور اساتذہ اور طلبہ خیر المدارس کے ساتھ خود بھی شریک درس ہوتے تھے۔ اس قسم کا تواضع اور تزکیہ نفس بڑے بڑے صوفیوں میں بھی شاذ و نادر کسی کو حاصل ہوگا۔ حالانکہ خود سب علوم میں فائق تھے۔ میں نے بار بار خلوت و جلوت میں عذر کیا کہ میں آپ کی موجودگی میں درس قرآن و تفسیر مناسب نہیں سمجھتا تھا مگر وہ اصرار فرماتے تھے۔

آپ علوم ظاہری و باطنی میں بلند مقام کے باوجود آپ کا شر کا مجلس کے قلب پر اثر پڑتا تھا۔ احقر کو بھی ۱۳۲۹ھ کے وقت حکیم الامتؒ سے تعلق رہا لیکن حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ و حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے قلب نسبتاً زیادہ متاثر ہوتا تھا۔ اللھم اغفرھم وارحمھم وافض علینا من برکاتھم لیکن ہر گئے را رنگ و بوئے دیگر است کے تحت ارباب مجلس اس کو ذوقاً محسوس کرتے تھے۔ (مکتوب بنام احقر قریشی ۱۳۹۸ھ)

---

[1] یہاں سے مکرمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب کا بیان ہے۔ (آ آ)

حضرت والاؒ سے متعلق چند یادیں

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانویؒ
دارالافتاء والارشاد ناظم آباد، کراچی

بندہ کے ساتھ قدرت کی طرف سے تکوینی طور پر کچھ ایسا معاملہ ہے کہ اکابر کے کمالات بیان کرنے پر قدرت نہیں۔ نیز اہل اللہ کے مقامات کی معرفت کیلئے بصیرت درکار ہے۔

ع جو ہم رتبہ ہو تیرا وہ تیرے اوصاف پہنچائے

ہم جیسوں کو اگر کسی بزرگ کے ساتھ خصوصی تعلق اور ان کے کمالات کی معرفت کا دعوی ہے تو اس کی حقیقت صرف اتنی ہے۔

ہر کسے باظن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

لہٰذا چند ایسے واقعات تحریر کرتا ہوں جنہوں نے قلب پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔

حضرت والاؒ کا ایک ہی جملہ ذہنی انقلاب کا سبب بن گیا:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ کی ایک علمی تحریر ملاحظہ فرمائی، بہت مسرور ہوئے۔ خیر المدارس کے کتب خانہ میں تشریف فرما تھے۔ خود اٹھے اور اپنے ہاتھ مبارک سے الماری سے تصوف کی ایک کتاب نکال کر احقر کے سامنے رکھ کر فرمایا: آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل میں بڑا کمال عطا فرمایا ہے مگر ذرا اس طرف بھی توجہ کریں۔ میری حماقت سنئے، میں نے بڑی بے اعتنائی سے جواب دیا کہ ”میں تدریس و افتاء میں اس قدر مشغول ہوں کہ مجھے ان کتابوں کے دیکھنے کی فرصت نہیں“ حماقت کی حد یہ کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بے پناہ شفقت اور الماری سے خود اٹھ کر کتاب نکالنے کی زحمت کے صلہ میں میں نے اتنی رعایت بھی نہ کی کہ مروتاً اس کتاب کے اوپر ہی سے ایک نظر دیکھ لیتا یا کم از کم اس کتاب کا نام ہی معلوم کر لیتا۔ میری اس حرکت کے جواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے عجیب دلسوزی کے ساتھ صرف ایک یہ جملہ فرمایا کہ ”قلب میں اس کی اہمیت نہیں“ فوری طور پر تو اس جملہ نے کوئی خاص اثر نہ کیا مگر جب میں خیر المدارس سے واپس ہوا تو راستہ میں سوچنے لگا کہ آخر مجھے کھانے، پینے، سونے، بول و براز، بیماری میں بستر پر لیٹنے، بچوں کی دیکھ بھال کرنے اور احباب و اقارب سے ملاقات کی فرصت کیسے مل جاتی ہے، بس حضرت رحمۃ اللہ کا جملہ ”قلب میں اس کی اہمیت نہیں“ دل میں اتر گیا۔ بس یہی ایک جملہ میرے ذہنی انقلاب کا سنگ بنیاد بنے اور آج میں اسے ہر فعل و ترک کا معیار اور دنیوی و اخروی صلاح و فلاح کا مدار سمجھتا ہوں یہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے اخلاص، دعا اور توجہ و تصرف کا ثمرہ ہے۔

جامعہ اشرفیہ لاہور میں قیام تھا حضرت قدس سرہ نے نماز تہجد شروع کی۔ بندہ نے موقع غنیمت سمجھ کر اقتداء کر لی۔
زان کے بعد میں نے عرض کیا کہ آج حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کے اتباع کی سعادت حاصل کرنے کی نیت سے
بندہ نے آپ کی اقتداء کی ہے۔ اس پر حضرت قدس سرہ نے اپنی نماز تہجد کے بارے میں کچھ ایسے الفاظ فرمائے جن سے یہ
ہو کہ حضرت ''ولے پیش خورشید پیدا نیم'' کے مقام پر ہیں۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کراچی تشریف لاتے تو بندہ کے پاس ہمیشہ بلا اطلاع اچانک ہی
جلوہ افروز ہو جاتے۔ جس سے بندہ کی مسرت میں غیر معمولی اضافہ ہوتا۔ آخری بار تشریف لائے اور فرمایا کہ حضرت
پھولپوری قدس سرہ کے مزار پر چلیں گے۔ مزار پر پہنچ کے بندہ نے حضرت پر فنائیت اور استحضار موت کی ایسی کیفیت کا مشاہدہ
کیا کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اس وقت خود قبر میں ہیں کچھ افاقہ ہوا تو انتہائی دردناک لہجہ
میں ہارون الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے کے یہ اشعار پڑھے۔

یا صاحبی[1] لا تغترر بتنعم — فالعمر ینفد والنعیم یزول
واذا حملت الی القبور جنازۃ — فاعلم بانک بعدھا المحمول

اشرف المدارس میں واپس تشریف لائے تو بندہ نے نماز پڑھانے کی درخواست کی۔ فرمایا کہ امامت کیا کروں
معلوم نہیں کہ میری اپنی نماز بھی صحیح ہوتی ہے یا نہیں۔ پھر رخصت وداعی مصافحہ کرتے ہوئے فرمایا ''شاید یہ آخری ملاقات
ہے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حضرت قدس سرہ کا جنازہ جا رہا تھا اور میری زبان پر حضرت ہی سے سنے ہوئے یہ اشعار تھے:

یا صاحبی لا تغترر بتنعم — فالعمر ینفد والنعیم یزول
واذا حملت الی القبور جنازۃ — فاعلم بانک بعدھا المحمول

رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ واسعۃ وزقنا اللّٰہ اتباعھم ومحبتھم

انہی کے نقش قدم پر ہویا خدا جینا
ویرحم اللّٰہ عبدا قال امینا

(مکتوب بنام احقر قریشی غفرلہ)

(مورخہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۸ھ)

---

[1] اے دوست نعمتوں پر مغرور نہ ہو کیونکہ عمر گذر رہی ہے اور نعمتیں زائل ہو رہی ہیں اور جب تو جنازہ قبرستان کی طرف اٹھا کر لے جائے تو جان لے کہ ایک دن تجھے بھی اٹھایا جائے گا۔ (احقر قریشی غفرلہ)

نمونہ اخلاق محمدی

محترم منشی عبدالرحمٰن خان صاحب ملتانی مرحوم[1]

میں نے ۱۹۴۲ء میں اپنی روحانی تربیت کیلئے سب سے پہلے ایک مردغازی کا انتخاب کیا جو تین سال تک مجھے فیض یاب فرماتے رہے۔ تین سال زیر تربیت رکھنے کے بعد ایک دن جبکہ وہ غریب خانہ پر تشریف لائے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ اپنا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دے دیں۔ اس پر میں رو پڑا کہ آپ مجھے کیوں دوسرا دروازہ دکھلاتے اور خود سے دور کرتے ہیں۔ فرمانے لگے، یہ بات نہیں۔ میں تمہیں جہاں تک لے جاسکتا تھا لے جاچکا ہوں۔ میری حد ختم ہوچکی ہے۔ اس سے آگے میں نہیں لے جاسکتا۔ ماشاء اللہ آپ حضرت تھانویؒ کے خلفاء سے واقف ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی اور حضرت مولانا عبدالجبار صاحب ابوہری کے ہاں جائیں۔ دس دس دن ہر ایک کے پاس رہیں۔ پھر جس سے طبیعت کو مناسب پیدا ہواس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں۔ جو آپ کو آگے لے جائیں۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ صاحب جمال بزرگ تھے:

میں نے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کے مزاج کے متعلق مولانا محمد علی جالندھریؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے بتلایا کہ اول الذکر صاحب جلال ہیں اور ثانی الذکر صاحب جمال۔

حضرت مولانا موصوف اخلاق محمدی کا کامل نمونہ تھے:

اس سے قبل ملتان چھاؤنی کے صدر بازار کی جامع مسجد کے تنازعہ کے سلسلہ میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس جالندھر بطور ثالث ملتان تشریف لا رہے تھے۔ میں نے یہ خبر پڑھتے ہی حضرت مولاناؒ کو جالندھر خط لکھا کہ میرے ہاں مہمانداری کا اشرفی اصول چلتا ہے کہ مہمان کے آنے پر جو کچھ گھر میں تیار موجود ہوا وہ انہیں پیش کردیا، ورنہ ان سے معلوم کرلیا کہ وہ کیا کھانا پسند کریں گے۔ جو کچھ وہ کہیں وہ پکا کر پیش کردیا جاتا ہے، تاکہ انہیں گھر کی سی راحت حاصل ہو۔ حضرت مولاناؒ کو مہمان ٹھہرانے کے کئی امیدوار تھے۔ میری آپ سے پہلے کوئی شناسائی بھی نہ تھی۔ جس دن آپ نے تشریف لانا تھا میں بھی ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر ایک امیدوار کی طرح موجود تھا۔ جب آپ گاڑی سے اترے تو حاضرین سے پوچھا کہ منشی عبدالرحمٰن صاحب کون ہیں؟ میں فوراً حاضر ہوگیا۔ مسکراتے ہوئے فرمایا آپ ہی نے خط لکھا تھا؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ تو فرمانے لگے سامان اٹھالو۔ بس میری تو عید ہوگئی۔ باقی سب حیران تھے کہ جس سے نہ جان نہ پہچان، ان کے چہروں کے تاثرات سے اندازہ لگا کر محو حیرت

---

[1] حضرت والا کے متعلق محترم منشی صاحب مرحوم کے دو مختصر مقالات ایک سیرت اشرف میں دوسرا "ذکر خیر و یاد شریف" میں بھی آچکے ہیں لیکن یہ مقالہ ان دونوں سے زیادہ مبسوط ہے۔ (آ)

استقبال کنندگان سے فرمایا کہ ''حیران اور پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔آپ میں سے ہر ایک کا متنازعہ سے کوئی نہ کوئی تعلق ہے مگر منشی صاحب کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں۔اس لیے ہم نے ایک غیر جانبدار کے ہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے'' جس پر میں انہیں لے کر خوشی خوشی گھر پہنچ گیا۔آپ نے قریباً تین دن غریب خانہ پر قیام فرمایا۔اس عرصہ میں مجھے آپ کو بہت قریب سے دیکھنے اور جانچنے کا اتفاق ہوا اور میں نے انہیں ہر لحاظ سے اخلاق محمدی کا نمونہ اور عام مولوی صاحبان سے بالکل مختلف، کم بولنا، کھانا، شفقت اور محبت سے پیش آنا، عجز وانکسار سے رہنا، ہر واقف ناواقف کا متبسمانہ استقبال کرنا اور ہر معاملہ میں نہ صرف خود اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے اصولوں پر چلنا بلکہ ان کے معتقدین کا بھی ان جیسا احترام کرنا آپ کا شعار دیکھا ورنہ وہ مجھ جیسے ناواقف کے پاس ہرگز نہ ٹھہرتے اور اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپ کا تعلق علماء حق سے ہے علماء سوء سے نہیں۔

پیکر شفقت والفت:

پھر جب مرد غازی کے حکم سے امرتسر سے (حضرت مولانا مفتی حسن صاحب امرتسری کی خدمت سے) روانہ ہو کر جالندھر پہنچا اور مدرسہ خیر المدارس ریلوے روڈ جالندھر میں حضرت مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ مجھے دیکھتے ہی باغ باغ ہو گئے۔ مصافحہ اور معانقہ کر کے اس طرح خیر وعافیت اور تکلیف سفر وغیرہ کی بابت دریافت کیا۔ جیسے کسی لڑکے کی سفر سے واپسی کے بعد باپ پوچھتا ہے۔ میں ان کے درس میں بیٹھتا جب آپ اس سے فارغ ہو جاتے تو بڑی محبت سے بلا کر اپنے پاس بٹھاتے۔ امرتسر میں تو جلال ہی جلال ہی دیکھا تھا یہاں جمال ہی جمال تھا جس کی وجہ سے حضرت مولاناؒ سے بڑی بے تکلفانہ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات چیت ہوئی۔ جمال کے اثرات دوسرے دن ہویدا ہوئے جب ادب نے غلبہ کیا اور آنکھوں نے ان کے سامنے اوپر اٹھنے سے انکار کر دیا۔

ایک اجنبی کے ساتھ حضرت والاؒ کا خصوصی برتاؤ:

رات کو انہوں نے مجھے اپنے کمرہ خاص میں سلا دیا۔ رات کو تہجد میں نے ان کے مصلیٰ یعنی جائے نماز پر پڑھی۔ صبح کو جب تشریف لائے تو انہوں نے ایک کتاب ''اصول الوصول'' پڑھنے کے لئے دی، جس میں آداب واخلاق کے متعلق تعلیمات درج تھیں۔ جب میں اس فقرہ پر پہنچا کہ مرشد کی جائے نماز پر نماز نہیں پڑھنی چاہیے تو میں نے کتاب بند کر کے آپ کو واپس کر دی، فرمانے لگے بات سمجھ میں آ گئی، میں نے جب اثبات میں جواب دیا تو بہت خوش ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ آپ صاحب کشف بھی ہیں کہ میرے رات کے احوال کا ان کو علم ہو گیا اور میری اصلاح کیلئے انہوں نے جو طریق کار اختیار کیا اس کی کسی اور سے سوائے ڈانٹ ڈپٹ کے اور کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔

حضرت مولانا ان خاصان خاص اہل اللہ میں سے تھے جن کی معرفت مشکل ہوتی ہے:

یہاں بھی دو دن رہا، انہیں آمد کی غرض اور حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے ملاقات وغیرہ کی ساری تفصیل بتلائی۔

جس سے وہ بہت مسرور و محظوظ ہوئے۔ انہوں نے دوسرے عام پیروں کی طرح اس بات کا ملال نہ منایا کہ اگر وہاں جانا ہو تو یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ میں جب بھی کسی سے تعلق قائم کرتا ہوں تو سب سے پہلے اسے ٹھونک بجا کر دیکھتا ہوں کہ یہ کس قماش کا انسان ہے۔ اس ملاقات میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ آپ ان خاصان خاص اہل اللہ میں سے ہیں جن کی معرفت بہت مشکل ہوتی ہے اور جو خدا کے دین کی سربلندی کیلئے دور دراز گوشوں میں بیٹھ کر بلا پبلسٹی یعنی بغیر تشہیر، نہایت خاموشی سے خدمت دین متین اور اصلاح امت کا فریضہ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور کلمہ حق کہنے سے انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی اور نہ کسی کی مخالفت کو خاطر میں لاتے ہیں۔ آپ ان فضائل ومحسن کا مرقع تھے جو اللہ والوں کے زمرہ امتیاز خصوصی کے حامل ہوتے ہیں۔

حضرت مولاناؒ میں شہرت پسندی کا مادہ بالکل نہ تھا:

آپ مفاد پرست، شہرت پسند، خود غرض مولوی کی طرح اپنی دکان چمکانے کے درپے نہیں رہتے تھے اور نہ حق بات قبول کرنے میں تامل کرتے تھے۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد عید کے موقع پر حکام ضلع (ملتان) نے عید ملاپ کی تقریب کا اہتمام کیا تاکہ سب ایک جگہ مل کر ایک دوسرے کو عید مبارک کہہ سکیں۔ میں نے تجویز پیش کی کہ اس مبارک موقع پر کسی عالم دین کو بھی مدعو کرلیا جائے تاکہ افسر لوگ بھی ان کے ارشادات سے مستفید ہوسکیں۔ کہتے ہیں جو بولے وہی کنڈا کھولے، تو یہ ڈیوٹی میرے ذمہ لگی۔ میں حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اجتماع عید میں خطاب کرنے کی درخواست کی تو آپ نے مختلف وجوہات کی بناء پر معذوری ظاہر کی۔ جس پر میں نے عرض کی کہ اگر آپ نہ گئے اور وہ کسی بدعتی مولوی کو پکڑ لائے اور وہ اللہ کی بجائے غیر اللہ کی اہمیت جتا گیا تو اس کا وبال آپ پر ہوگا۔ اس پر آپ جانے کیلئے تیار ہوگئے اور آپ کے خطاب سے وہ لوگ بہت متاثر ہوئے۔

تقسیم ہند کے بعد میری یہ دلی تمنا تھی کہ اپنے اکابرین میں سے کوئی ملتان کا بھی انتخاب کرے۔ چنانچہ یہ قرعہ مولانا کے نام پڑا اور آپ ملتان تشریف لائے۔ میں نے انہیں فوری طور پر حسین آگاہی روڈ پر ایک بلڈنگ اور ایک احاطہ الاٹ کرادیا۔ چنانچہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ مگر مدرسہ کی عظمت کے مطابق آپ یہ بلڈنگ ناکافی تصور فرماتے تھے، جو اللہ کی راہ میں شب و روز مصروف رہتے ہیں اللہ تعالیٰ بھی اپنے دین کے خدمت گاروں کی نیک تمنائیں پوری کرنے میں دیر نہیں فرماتا۔ ابھی ہم کسی بڑی جگہ کے لئے کوشش بھی کرنے نہ پائے تھے کہ ایک روز محکمہ تعلیم کے ایک افسر قاضی عبدالرحمٰن صاحب موجودہ عمارات[1] واحاطہ کی الاٹمنٹ کا آرڈر لے کر از خود آگئے جو کئی بیگھوں پر مشتمل تھا اور مدرسہ کی ضروریات سے کئی گناہ بڑا مولانا مسکرا دیئے فرمانے لگے دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہ خود بخود یہ انتظام کردیا ہمارے علم یا وہم و گمان میں بھی ایسی عمدہ اور وسیع عمارت نہ ہوتی، اس روز مجھے پہلی دفعہ اس بات کا احساس ہوا کہ آپ کا تعلق اہل اللہ کی جماعت سے ہے۔

---

[1] جنفیر یسیر (آ۔آ)

حضرت مولاناؒ کے اخلاق حسنہ کی ایک جھلک:

میں نے انہیں کبھی اونچی آواز سے بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔ جب کبھی کسی سے بات کرتے بڑی متانت اور سنجیدگی سے بات کرتے۔ اجنبی بھی آپ کی شفقت و مہربانی سے آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ کبھی کبھی مسرت بخش ظرافت، حسنِ مزاح اور خوش طبعی سے بھی کام لیتے۔ میں نے ان کے ہاں کوئی فعل خلاف شرع یا خود غرضانہ ہوتے نہیں دیکھا۔ جس کی وجہ سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ آپ کے ہاں دوسرے پیروں کی طرح لین دین کا کوئی سلسلہ نہ تھا۔ اگر کوئی شخص کوئی چیز یا رقم پیش کرتا تو اسے فرماتے کہ یہ دفتر میں جمع کرا کر رسید لے لیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیکھتے دیکھتے مدرسہ کی عظیم مسجد وسیع دار الحدیث، دار القرآن اور دفاتر تعمیر ہو گئے اور اتنی دکانیں تعمیر ہو گئیں کہ مدرسہ کی بہت سی ضروریات از خود پوری ہوتی چلی گئیں۔

حضرت مولانا کے چند اوصاف حمیدہ:

آپ کی عالمانہ شان سے کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اجنبی تک آپ کا پرنور چہرہ متبسمانہ انداز گفتگو حلیم الطبعی دیکھ کر فوراً کہہ اٹھتا کہ یہ کوئی بڑا عالم دین ہے۔ میں نے کبھی کسی کو ان کی طرف انگلی اٹھاتے نہیں دیکھا، بلکہ غیر اور دوسرے عقیدے والے بھی آپ کو بڑی عزت و احترام سے دیکھتے تھے۔ طبعاً مرنجاں مرنج واقع ہوئے تھے۔ اس لئے کبھی کسی سے ان کا گلہ شکوہ سننے میں نہ آیا۔ جب درس دینے بیٹھتے تو علم و حکمت کے دریا بہا دیتے تھے۔ سیاست سے ہمیشہ الگ رہتے۔ الّا یہ کہ تعمیر پاکستان کے دور میں اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی طرح مسلم لیگ کی امداد و اعانت کے لئے اپنے حلقہ اثر میں تلقین کرتے رہے۔ آپ ان بزرگوں میں سے تھے جن کو دیکھتے ہی اللہ یاد آ جاتا تھا۔ حالانکہ اللہ والوں کی شناخت بڑی مشکل ہوتی ہے۔ آپ سے خلاف دین حرکات نہ دیکھی جا سکتی تھیں۔ مگر آپ کا انداز تبلیغ ایسے وقت جارحانہ نہ ہوتا تھا بلکہ بڑا مشفقانہ ہوتا تھا۔ حق بات بلا خوف لومۃ لائم کہہ دیتے تھے اور بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی اس معاملہ میں خاطر میں نہ لاتے تھے۔ دیانت امانت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ اپنے سلسلہ کے بزرگان دین کا بڑا ادب و احترام کرتے اور جب وہ مدرسہ میں تشریف لاتے تو ان کی خاطر داری میں کوئی کمی نہ کرتے[1]۔ فارغ اوقات میں مطالعہ کتب میں منہمک رہتے۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھتے۔ ذہانت و ذکاوت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کی فہم و فراست کے مالک تھے۔ حافظہ تیز اور مطالعہ وسیع تھا۔ مولویانہ طمطراق کے قریب نہ جاتے۔ اگر کسی جماعت یا گروہ میں بیٹھے ہوں تو اپنی سادگی کی بدولت پہچانے نہ جاتے تھے۔ خندہ روئی، شگفتہ مزاجی اور خوش مزاجی میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا۔ تمسخر تو کہاں مزاح کے قریب نہ جاتے تھے۔[2] اپنے تقویٰ اور اخلاص کی وجہ سے کبھی نشانہ تنقید نہ بنے۔ درس بھی بڑے اچھوتے اور دلنشین انداز میں ایسے دیتے جیسے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہوں۔

(تمت المقالة وتم معها الباب)

---

[1] سب ہی اہل حق کے ساتھ ادب و احترام کا معاملہ تھا۔ خواہ وہ کسی سلسلہ کے ہوں۔ بلکہ خواہ اختلاف رائے بھی ہو۔ (آ آ)

[2] یہاں مزاح سے مراد وہ مزاح ہے جس سے کسی کی دل شکنی ہو۔ قبل ازیں جو آپ کے مزاح کا ذکر ہے۔ اس سے ایسا مزاح مراد ہے جس سے مخاطب شگفتہ تو ہو جائے دل شکنی نہ ہو۔ اسلئے تعارض کا شبہ نہ ہونا چاہیے۔ (آ آ)

باب بست وسوم (۲۳)

متفرقات

نوٹ: اس بات میں متعدد موضوعات ہیں جن میں سے بعض مستقل موضوعات ہیں اور بعض ابواب تمات وضائم ہیں۔
ان کی اجمالی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) تحفظ عقیدۂ حیات النبی ﷺ

(۲) بعض افادات علمیہ

(۳) حضرت والاؒ کی بعض وقیع آراء گرامی

(۵) شذرات: (۱) تتمہ باب ۲ خاندانی حالات۔ باب ۳ وطن وطفولیت۔

(۲) متفرق واقعات، حوادثات وغیرہ۔

(۳) خیر الزیارۃ لمدرسہ عربیہ رحیمیہ انوارالھدایہ۔

(۴) تتمہ باب و باب ۲۰۔ میانی افغاناں کی جامع مسجد میں حضرت والاؒ کا بیان اور آپ کے بعض اخلاق۔

(۶) خدمات سیاست اسلامیہ تابع شریعت مقدسہ۔
(یعنی) مساعی (۱) قیام نظام اسلام (۲) وحدت یا اتحاد جمعیت علماء اسلام اور (۳) تائید پاکستان

(۷) حضرت حکیم الامتؒ اور امیر شریعتؒ۔

(۸) ہمارے بزرگان دین کے بعض مجازین کے مختصر حالات۔ (جن کو حضرت والاؒ سے خاص تعلق بیعت تلمذ یا تربیت کا رہا)

(۹) مختصر سوانح مجازین از حضرت والاؒ۔

(۱۰) خاتمہ بالخیر، تاریخ تکمیل خیر السوانح، فہرست مآخذ خیر السوانح

تحفظ عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تمہید

عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت و محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم:

آنحضرت[1] صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کے متعلق اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد روضہ اقدس میں روح مبارک کے تعلق کی وجہ سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روضہ انور پر پڑھے گئے درود وسلام کو بغیر کسی واسطہ کے علی الدوام خود سماعت فرماتے ہیں۔ یہی عقیدہ جملہ اکابرین دیوبند کا ہے۔" ......اجمالی لیکن بقدر ضرورت تفصیلی عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم جو اوپر مذکور ہوا، اہل سنت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں۔ البتہ علم و معرفت اور حقائق سے آگاہی جو اللہ تعالیٰ کا انعام تو ہے، لیکن ان تفصیلات کو جاننے کا ہر عامی شخص مکلف نہیں۔ البتہ جتنا زیادہ معرفت رسول منکشف ہوگی عظمت و محبت رسول میں اتنا ہی اضافہ ہوگا اور اتنا ہی پابندی شریعت اور اتباع سنت کی توفیق زیادہ ہوگی۔ اجمالی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آپ کے اُمتیوں پر یہ تین حق ہیں: عظمت و محبت اور اطاعت۔ جتنی عظمت و محبت میں کمی ہوگی اطاعت اور اتباع سنت میں بھی کمی آئے گی۔ بغیر محبت و عظمت کے نہ اتباع سنت پورے طور پر ہو سکتی ہے نہ پابندی شریعت، بلکہ نفس ایمان بھی نفس معرفت کے بغیر ممکن نہیں۔ کما قال اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ: ام لم یعرفوا رسولھم فھم لہ منکرون. (یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے رسول کو اس وجہ سے ان کے منکر ہیں)

توحید و رسالت اور حق اللہ تعالیٰ و حق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت لازم و ملزوم[2] ہیں۔ خواہ دونوں میں سے کوئی سا بھی لون غالب ہو۔ بلکہ غلبہ حال سے کبھی ایسا محسوس ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے غلبہ سے دوسری محبت کی گنجائش ہی نہیں، جیسا کہ حضرت رابعہ بصریہ کا قول مشہور ہے، لیکن مجدد تھانویؒ نے اس کو غلبہ حال فرمایا ہے۔ اور سید الامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ کی ہر حالت اور ہر مقام سب سے اکمل ہے۔ چنانچہ وہ توحید میں سب سے بڑھ کر کامل اور حب اللہ تعالیٰ اور حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے جامع اور حق رسالت میں سے کسی ایک میں بھی افراط و تفریط

---

[1] اقتباس از الخیر جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ ص ۵۵،۶۵ (نقد و نظر از مولانا از مدیر الخیر و مدرس خیر المدارس) [2] آ آ

[2] مستفاد من الوعظ حکیم الامۃ التھانویؒ

[3] مستفاد من نشر الطیب۔ جہاں اس کا بیان نہایت واضح اور عمدہ ہے۔ اور حضرت مجدد تھانویؒ نے اس کو علم عظیم سے تعبیر فرمایا ہے۔ (آ)

کرنے والوں یعنی توحید میں غلو کرنے والوں یا حب النبی ﷺ میں غلو کرنے والوں اور دونوں میں سے ایک کو (بغیر عذر ظلبہ حال) پس پشت ڈالنے والے دونوں فریقوں کی اصلاح کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ کی سنت قابل اتباع ہے۔ کیا حضرت صدیق اکبرؓ کی سنت سے اہلِ سنت والجماعت میں سے کوئی فرد ابا کر سکتا ہے۔ اگر کرے تو کیا پھر بھی وہ اپنے آپ کو اہل حق اور فرقہ ناجیہ میں سے شمار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

صراطِ مستقیم:

دیوبندی مسلک کے معنی یہی ہیں کہ غلو اور افراط وتفریط سے بچ کر اعتدال والی صراطِ مستقیم پر چلا جائے۔ یعنی حقیقی اور اصلی اہل السنّت والجماعت ہی کے مشرب کا نام دیوبندی مشرب ہے۔ دونوں طرف کے غلو کرنے والے اور توحید رسالت کے حقوق میں افراط وتفریط اور اس پر اصرار کرنے والے جماعت دیوبند سے ناراض ہیں اور طرفین کے اہل غلو اہل حق پر فتاویٰ کفر کے تیر چلاتے رہتے ہیں۔ کوئی صریح کفر کا فتویٰ دیتا ہے، کوئی کفر لازم آنے والے بہتان لگاتا ہے۔ لیکن یاد رکھیں ان سب کو رب العٰلمین کے حضور میں حاضر ہو کر ان افتراءات کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

انکار عقیدہ حیات النبی ﷺ پر حضرت والاؒ کا رد اور علماء دیوبند کے مسلک وموقف کی وضاحت

جیسا کہ پہلے گزرا، حالانکہ اکابر دیوبند کا عقیدہ حیات النبی ﷺ اہل السنّت والجماعت کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے۔ لیکن ''بدقسمتی[1] سے پاکستان میں بعض عالم کہلانے والوں نے علمی اور عوامی حلقوں میں اس اجماعی عقیدہ کے خلاف اظہارِ خیال شروع کیا۔ ان حضرات کی تردید سب سے پہلے عارف ربانی حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ نے کی اور علماء دیوبند کے اصل مسلک وموقف کو بے غبار کر دیا۔'' (اقتباس از ''الخیر'' حوالہ مذکورہ)

حضرت والاؒ کی اہم دینی خدمت:

حضرت والاؒ کی دینی خدمات میں سے ایک اہم دینی خدمت تحفظ عقیدۂ حیات النبی ﷺ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی کے درج ذیل گرامی ناموں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

حضرت علامہ سید قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دام فیضہم سے احقر مؤلف کی مکاتبت:

اس سلسلہ میں علامہ قاضی سید محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی سے احقر مؤلف کی کچھ مکاتبت ہوئی۔ یہ ان کا خاص کرم اور حسنِ تعاون ہے کہ احقر کے ارادہ تالیف ''خیر السوانح'' کی خبر معلوم ہونے پر از خود گرامی نامہ سے مشرف فرمایا، جس کی نقل حسبِ ذیل ہے:

''محترمی زید مجدکم سلام مسنون! اخبارات سے معلوم ہوا کہ آپ خیر اُمہ کے فرد کریم مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی سوانح حیات مرتب فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرما دیں، آمین۔

[1] اقتباس از الخیر حوالہ مذکورہ (آ آ)

حضرت کے چند خطوط متعلق عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہیں۔ اگر ضرورت ہو تو بھیج دوں گا۔
نیز درخواست ہے کہ کتاب میں حضرت کے علمی کارناموں کے تذکرہ میں تحفظ عقیدہ حیات النبیؐ کا ذکر ضرور فرمادیں۔ یہ
حضرت ہی کی دوررس نگاہ تھی کہ اس عقیدہ کا بروقت تحفظ ہوگیا۔ جزاھم اللّٰہ خیر الجزاء.
والسلام طالب دعاء: قاضی محمد زاہد الحسینی غفرلہٗ (دارالارشاد، کیمبل پور) ۱۶/۳/۱۹۷۱ء‘‘

اس کے بعد انہوں نے دوسرا گرامی نامہ بجواب عریضہ احقر مولف تحریر فرمایا جس کی نقل درج ذیل ہے:

’’محترم المقام زید مجدکم سلام مسنون! گرامی نامہ کا شکریہ! میں اس وقت تو اعتکاف میں ہوں، ان شاء اللہ عید الفطر کے بعد سب خطوط عاریۃً بھیج دوں گا۔ پھر آپ نے واپس کرنے ہوں گے۔

حضرت خیر العلماء قدس سرہ العزیز کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے اور سب اُمت پر احسانِ عظیم ہے کہ اس مسئلہ پر گرفت کر کے اس کو مدلّل کروایا۔ ورنہ یہ فتنہ اُمت کے لئے سیل بے پناہ بن جاتا۔ ضرورت ہے کہ اس مسئلہ کو مدلل بھی بیان کیا جائے اور اس کا سارا پس منظر اس طرح بیان کیا جائے کہ عامۃ المسلمین کو فرقہ ضالہ کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے۔ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ ملتان کے جلسہ میں اس پر احتجاج نہ فرماتے تو یہ مسئلہ یوں ہی رہتا۔ ضرورت ہے کہ اس کو ساری اُمت کے سامنے پوری وضاحت سے پیش کیا جائے۔ باقی خیریت ہے، اپنی دعاؤں میں یاد فرمائیں.
والسلام طالبِ دعا: محمد زاہد الحسینی (دارالارشاد کیمبل پور) ۱۶/۱۱/۱۹۷۱ء‘‘

اس کے بعد علامہ سید قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی نے حضرت والاؒ کے دو والا ناموں کی نقل اپنے گرامی نامہ میں احقر مؤلف کو ارسال فرمائی۔ اور اس کے علاوہ حضرت والاؒ کے والا ناموں کی نقل اور مخدومنا حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا ارشاد سامی اور دارالعلوم دیوبند کا ایک فتویٰ اور ایک اعلان جو اکابر علماء کرام کی طرف سے ہوا۔ ان سب کی نقول احقر مؤلف کو ارسال فرمائی تھیں جو ذیل میں نقل کی جاتی ہیں:

حضرت علامہ سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہٗ کا مکتوب گرامی بنام احقر جس میں حضرت والاؒ کے دو مکاتیب گرامی نقل کئے گئے ہیں:

محترمی زید مجدکم وبارک اللہ فی مساعیکم سلام مسنون

حسب وعدہ خیر العلماء قدس سرہ العزیز کے گرامی نامے متعلقہ عقیدہ حیات النبی ﷺ ارسال ہیں۔ یہ سب آپ نے جلدی واپس فرمانے ہیں کہ یہ تبرکات ہیں۔ البتہ دو والا ناموں کی نقل ارسال ہے۔

(۱) آپ کی شنید صحیح ہے۔ آپ کا تاثر میرے قلب کی ترجمانی ہے۔ محررہ ۸ محرم ۱۳۷۷ھ

ف: جب ملتان کے جلسہ میں .... نے حیاۃ النبیؐ پر خلاف اکابر لب کشائی کی تو حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے گرفت فرمائی۔ یہ بات جب مجھے بھی پہنچی تو تصدیق کے لئے عریضہ لکھا تھا۔ اس کا جواب ارشاد فرمایا۔
محمد زاہد الحسینی (حضرت والاؒ کا جواب اوپر گزرا۔ آ ا)

(۲) رحمت کائنات کا پہلا ایڈیشن ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا:

''رسالہ کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا، الحمدللہ رسالہ کا ہر حرف نبی کریم ﷺ کے ساتھ جناب کے عشق ومحبت اور اخلاص کا ترجمان نظر آتا ہے۔ مطالعہ کی برکت سے احقر اپنے قلب میں بھی محبت نبویہ میں ترقی واضافہ محسوس کرتا ہے۔ اللھم زد فزد. ۴ جون ۱۹۵۸ء

والسلام مخلص طالب دعاء: محمد زاہدالحسینی غفرلہٗ (دارالارشاد کیمبل پور) ۲۲/۱/۱۹۷۱ء

حضرت والاؒ کے مکتوب گرامی نمبر ا کی نقل

محترم المقام جناب مولانا صاحب شکراللہ مساعیکم الدینیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

جناب کا گرامی نامہ موجب مسرت ہوا۔ دوسرا لفافہ جوابی بمعہ عریضہ مخدومی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں بمعہ رحمت کائنات والقول الجلی فی حیات النبی پیش کردیا گیا۔ جواب اور مضمون تحریر کرنے کی تاکید کردی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ بوقت فرصت اثناء سفر ہی میں وہ آپ کو جواب تحریر فرمادیں گے۔ نیز توحیدی مفسرین کے مکائد سے آگاہ کردیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ گجرات وراولپنڈی نہیں جائیں گے۔ میرے پاس رحمت کائنات کا یہ آخری نسخہ تھا۔ اگر موجود ہو تو ایک نسخہ ضرور بھیج دیں۔ مسئلہ حیات کے متعلق ایک مختصر تحریر بھی حضرت قاری صاحب سے حاصل کرلی گئی ہے۔ تازہ کوائف سے ممنون فرماتے رہا کریں۔ والسلام دعاگو

حضرت والاؒ کے مکتوب گرامی نمبر ۲ کی نقل

مکرم ومحترم جناب مولانا صاحب زادعنا تیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گرامی نامہ ملا۔ مگر سفر ومعزز مہمانوں کے ورود باجود کی وجہ سے تحریر جواب میں تاخیر ہوگئی۔ خواستگارعفو ہوں۔ مخدومنا حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی تحریر کی نقل اور جناب مفتی مہدی حسن صاحب کے فتویٰ کی نقل بھیج رہا ہوں۔ اس وقت دونوں کے اصل میرے پاس موجود ہیں۔ ثانی کا اصل مولوی محمد یوسف صاحب، مسجد بگڑ والی، خوشاب ضلع سرگودھا کی ملک ہے۔ میں نے عاریۃً ان سے لیا ہے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہٗ آج لاہور میں ہیں۔ کل چہارشنبہ کو ان شاء اللہ تعالیٰ دیوبند کو روانہ ہوں گے۔ آپ کا رسالہ اور خط ان کے پاس ہے۔ کسی وقت فرصت میں جواب تحریر کریں گے۔ بہتر ہے کہ آپ ان کو یاددہانی کرادیں۔ بلکہ مولوی سید ازہر شاہ صاحب کو مسلط کردیں۔

اجتماع کے خیال میں ہنوز توقف مناسب ہے۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ احقاق حق اور ابطال باطل کی مزید ہمت عطا فرمادے، آمین۔

وارث علوم قاسمیہ واقف رموزِ طریقت حضرت علامہ الحاج قاری محمد طیب صاحب مدظلہم مہتمم دار العلوم دیوبند کا ارشاد سامی

نحمدہٗ ونصلی: احقر اور احقر کے مشائخ کا مسلک وہی ہے جو المہند وغیرہ میں بالتفصیل مرقوم ہے۔ یعنی برزخ میں جناب رسول اللہ ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام بجسد عنصری زندہ ہیں۔ جو حضرات اس کے خلاف ہیں وہ اس مسئلہ میں دیوبند کے مسلک سے ہٹے ہوئے ہیں۔ محمد طیب، مدیر دار العلوم دیوبند

(وارد حال ملتان) ۱۳۷۸/۲/۴ھ

نقل فتویٰ اعلیٰ حضرت مفتی دار العلوم دیوبند

استفتاء نمبر ۱۹۲۸ یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روح مبارک علیین میں ہے اور آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا آپ کی قبر پر اگر درود وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب پہنچتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں۔ تو کیا عقیدہ مذکورہ صحیح ہے یا غلط؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں، اور ایسے عقیدے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ اُمید ہے آپ اپنے قلم سے فتویٰ تحریر فرما کر ارسال فرمائیں گے۔

نمبر ۲۲ <u>الجواب:</u> آنحضرت ﷺ اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں۔ آپ کے مزار مبارک کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ہمارے کان نہیں کہ ہم سنیں۔ آپ اپنے مزار میں حیات ہیں۔ مزار مبارک کے ساتھ کا خصوصی تعلق بجسدہٖ وروحہٖ ہے۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے، خراب عقیدے والا ہے۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے۔

حدیث میں ہے: **ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء** (الحدیث)

وعن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی من بعید اعلمتہ. رواہ ابو الشیخ وسندہ جید (القول البدیع، ص ۱۱۶)

عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ ﷺ الانبیاء صلوات اللّٰہ علیھم احیاء فی قبورھم یصلون. رواہ ابن عدی والبیھقی وغیرھما (شفاء السقام، ص ۱۳۴)

دو تین حدیثیں نقل کردی ہیں۔ اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں، جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل سنت والجماعت ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے، اور مزار مبارک کے قریب

پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہ موجود ہیں اور حیات ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ السید مہدی حسن، مفتی دارالعلوم دیوبند (۱۳-۵-۱۳۷۶ھ)

مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اکابر علماء دیوبند کا مسلک

علماءِ دیوبند کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں، اور ان کے ابدانِ مقدسہ بعینہٖ محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔ صرف یہ کہ احکامِ شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضہ اقدس میں جو درود پڑھا جائے بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔

اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مستقل تصنیف حیات انبیاء پر ''آبِ حیات'' کے نام سے موجود ہے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، ان کا رسالہ ''المهند على المفند'' بھی اہلِ انصاف واہلِ بصیرت کے لئے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعویٰ کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔

واللہ يقول الحق وهو يهدى السبيل.

محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ — عبدالحق عفی عنہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک — ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

(مفتی) محمد صادق عفا عنہ (سابق ناظم محکمہ اُمور مذہبیہ بہاول پور) — شمس الحق عفا اللہ عنہ — محمد ادریس کان اللہ لہٗ

محمد حسن (جامعہ اشرفیہ لاہور) — محمد رسول خان عفا اللہ عنہ (جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور) — بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ (دارالعلوم کراچی نمبرا)

(علامہ سید قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب مدظلہ العالی کے ارسال فرمودہ مکتوبات وفتویٰ اور اکابر علماء کے اعلان کی نقول پوری ہوئیں)

اب عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کے بارے میں بعض اقوال اور حضرت والاؒ کے بعض ملفوظات اور دیگر اہم مضامین آگے آرہے ہیں۔

حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہٗ کی رائے اور روایت ملفوظ حضرت والاؒ:

حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت والاؒ مسلک دیوبند کے محافظ تھے۔ اس لئے

منکرینِ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتے تھے کہ ''یہ لوگ اپنے آپ کو دیوبندی کہنا چھوڑ دیں۔ پھر جو چاہیں عقیدہ رکھیں، اس عقیدہ کو دیوبند سے کوئی تعلق نہ چاہیے۔'' اسی لئے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مولانا خیر محمد صاحب اعقل العلماء ہیں۔

دیوبندی کون ہے؟ حضرت والاؒ کا ایک ملفوظ:

ایک مجلس میں فرمایا کہ میرے نزدیک دیوبندی وہ نہیں جو صرف دیوبند سے پڑھ کر آ جائے۔ بلکہ دیوبندی وہ شخص ہے جو اکابرین دیوبند کے مسلک پر چلے۔ فرمایا، میں نے اگرچہ دار العلوم دیوبند میں پڑھا نہیں، مگر الحمد للہ اکابرین واسلاف کے مسلک کا پابند ہوں۔ (خیر الملفوظات، ملفوظ نمبر ۱۱، بروایت مولانا حافظ عبد الشکور صاحب زید مجدہٗ)

عقیدہ حیات النبی ﷺ پر بعض تالیفات:

اس عقیدہ کے بارے میں قدرے تفصیلی بصیرت پیدا کرنے کے لئے حسبِ ذیل مؤلفات کے مطالعہ کی سفارش کی جاتی ہے:

(۱)	رحمت کائنات ﷺ	حضرت علامہ سید قاضی زاہد الحسینی صاحب مدظلہٗ
(۲)	القول النبی فی حیات النبی ﷺ	حضرت مولانا عبد اللہ صاحب بہلویؒ
(۳)	حیات انبیاء کرام علیہم السلام	حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور صاحب ترمذی مدظلہٗ
(۴)	مقامِ حیات	حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہٗ

عقیدہ حیات پر ایک مفصل فتویٰ:

اس عقیدہ کے تحفظ کی خدمت کے سلسلہ میں مزید تصنیف و تالیف کا اور جو کام ہو چکا ہے فی الحال احقر مؤلف اس سے زیادہ واقف نہیں۔ کیونکہ تقریباً بیس سال سے بیرونِ ملک قیام ہے۔ البتہ تقریباً تیس سال قبل دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدرآباد سندھ سے ایک مفصل اور محققانہ فتویٰ مخدومی اُستاذی المعظم حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث) کا تحریر فرمودہ اور مخدومی المعظم، حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مصدقہ صادر ہو چکا ہے۔ وہ قابلِ دید تھا، مگر غالباً شائع نہیں ہوا۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی صاحب مدظلہٗ کے مقالہ ''مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ'' سے اقتباس[۱] درج ذیل ہے۔ اس سے جو حضرت والاؒ کی صلابت رائے اور تحفظ مسلک میں پختگی کے ساتھ عدل واعتدال ظاہر ہو رہا ہے وہ قابلِ دید ہے۔

تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ میں حضرت والاؒ کی صلابت و پختگی مع اعتدال:

حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی صاحب مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں: ''مسلک اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں

[۱] از ذکر خیر و یاد شریف۔ ص ۵۸ تا ص ۶۰

آپ کی صلابت رائے اور تحفظ مسلک کے لئے آپ کی خدمات سب پر روشن ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی نگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ رو رعایت بھی سخت مضرت رساں تھی۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے: مرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شائع ہوا، جس کے اجمال سے دوسرے مسلک والوں کو گنجائش مل سکتی تھی، تو ہمارے ممدوح حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تفصیلی جواب کے لئے ارسال فرمایا۔ اب چونکہ سوال ایک بزرگ عالم کی طرف سے تھا تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلے کی پوری تحقیق بڑی تفصیل اور بسط کے ساتھ لکھی۔ اور مسئلہ حیات النبیؐ کو جمہور اُمت کا مسلک قرار دیا۔ اس تفصیلی فتویٰ کو حضرت مولانا مرحوم نے ماہنامہ ''الصدیق'' ملتان میں اہتمام کے ساتھ شائع فرمایا، جس سے سب اوہام اور شکوک کا ازالہ ہو کر مسلک اکابر دیوبند منقح ہو کر سامنے آ گیا۔

اس سے پہلے راولپنڈی کے ایک خصوصی بڑے اجتماع میں بھی واضح کر دیا گیا تھا کہ ہمارے اکابر علماء دیوبند کے مسلک سے اس جماعت کا مسلک تشدد ہٹا ہوا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم شرح صدر کے ساتھ اکابر علماء دیوبند کے مسلک کو ہی حق سمجھتے تھے اور اس کا واضح اظہار کرتے تھے، مگر پھر بھی مشترکہ توحید کانفرنس (ملتان) میں اس جماعت کے مشہور مقرر کو بلانے کا مشورہ آپ نے دیا۔ بلکہ اس جماعت کے سربراہ کو خود مدرسہ خیر المدارس میں دعوت دے کر اتفاق واختلاف کے حدود کی عملی تعیین فرمادی، کہ بعض مسائل میں اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی مشترک مقاصد میں اشتراکِ عمل ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت مولانا مرحوم کا یہ طرزِ عمل ظاہر بینوں کی نظر میں مسلک اکابر دیوبند میں اشتباہ کا سبب بن سکتا ہے۔ اس لئے اس ناکارہ کے فہم قاصر میں بھی محلِ نظر ہوا اور ایک عریضے میں اس کا اظہار کیا، تو حضرت مولانا مرحوم نے اپنے طرزِ عمل کی وضاحت الفاظِ ذیل کے ساتھ فرمائی:

''اس جماعت کے اکابر و مشاہیر کا مسلک تشدد اکابر دار العلوم دیوبند کے خلاف ہے، اس کا اظہار مقصود تھا، سو وہ ہو چکا، بلکہ ان کو خود بھی اس کا اعتراف ہے۔ اب اس سے آگے **لست علیھم بمصیطر** کے معارض ہے۔ دوسری جماعت مبتدعہ جو ان کے مدِ مقابل ہے چونکہ ان کے نزدیک ہمارے اور ان کے متعلق کوئی امتیاز نہیں۔ اس لئے ہماری تقریرِ واضح سے وہ ناجائز فائدہ اُٹھا کر اشتعال انگیزی اور اضلال کریں گے۔ لہٰذا سکوت اصلح ہے۔ الغرض آپ کی نظر ایک طرف ہے اور اس خادم کی دو طرف۔ رہا میر البعض افراد کو دعوت دینا، اس پر قیاس نہ کیا جائے۔ یہاں آ کر وہ مغلوب رہتے ہوئے حدِ اعتدال پر رہتے ہیں اور دوسری جگہ غالب اور حدود سے متجاوز۔ الغرض غلو فی الدین سے احتیاط کو شعار قرار دیا جائے۔ **اعدلوا ھو اقرب للتقوی** کو ہر حالت میں پیشِ نظر رکھا جائے۔ اور **لا یجرمنکم شنان قوم** کو بھی فراموش نہ کیا جائے۔''

والا نامہ کا لفظ لفظ حضرت مولانا مرحوم کے مسلک اعتدال کی وضاحت کر رہا ہے اور مولانا مرحوم کے عدل اور تقویٰ پر شہادت دے رہا ہے، اور دوسرے مسلک والوں سے اشتراکِ عمل کے لئے اس زرین اصول کا سبق بھی اس سے مل رہا ہے۔ اس کو آج کل عام طور پر نظر انداز کیا جا رہا ہے کہ اس اشتراک سے نہ صرف یہ کہ دوسرے عناصر کو غلبہ حاصل نہ ہونے

پائے۔ بلکہ وہ مغلوب رہتے ہوئے حد اعتدال پر آجائیں۔ اسی لئے ان بعض افراد کی طرف سے خیر المدارس کے اسٹیج کو اپنے خصوصی نظریات کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کرتے دیکھا تو حضرت مولانا مرحوم نے تمام تر عالی حوصلگی اور وسعت ظرفی کے باوجود موقع پر ہی اعلانیہ اس کی تردید فرمائی اور ذمہ داری کے ساتھ مسلک اکابر علماء دیوبندؒ کے تحفظ کا فرض ادا کیا۔ پھر سب نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ کی جو خدمت حضرت مولانا مرحوم اور آپ کے متوسلین کے ذریعے ظہور میں آئی، حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی کتاب ''آبِ حیات'' کے بعد شاید پوری صدی میں اس مسئلہ کی ایسی گرانقدر خدمت کی توفیق کسی جماعت کے حصے میں نہیں آئی۔ خصوصیت سے یہ شرف حضرت مولانا اور آپ کی جماعت کے حصے میں آیا۔ **ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء.**

حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہ کے مقالہ سے اقتباس ختم ہوا۔

جیسا کہ اس سے پیشتر گزرا، حضرت والاؒ نے منکرین حیات کے عقیدہ کی غلطی کو بلا خوف لومۃ لائم اور بلا تردد واضح فرمادیا لیکن عدل واعتدال کا دامن کبھی چھوٹنے نہیں پایا، بلکہ عموماً بغیر کسی کا نام لئے اور مثبت انداز میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور توسل کے بارے میں اہلِ سنت والجماعت کا اجمالی معتدل عقیدہ نیز عظمت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر و بیشتر اپنے مواعظ وغیرہ میں بیان فرماتے رہتے تھے۔ بلکہ ایک وعظ کا تو نام ہی عظمت رسول ہے۔ احقر مؤلف کو جناب پروفیسر احمد سعید صاحب نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۲؍اپریل ۱۹۷۱ء میں اس وعظ کے بارے میں یہ تحریر فرمایا تھا: ''تقریر آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور میں فرمائی تھی۔ تقریر کا عنوان ہے ''عظمتِ رسول ﷺ'' 'فروغ اسلام' جنوری ۱۹۶۱ء کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ بند ہوگیا ہے مگر اس کی کاپیاں پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہیں۔

نیز اس موضوع سے متعلق حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ آگے آرہا ہے، جس کی تصدیق کے ساتھ حضرت والاؒ نے نہایت اہم عبارت کا اضافہ فرمایا تھا، جس سے صحیح عقیدہ اہلِ سنت والجماعت کا تحفظ مقصود ہے۔

اللّٰھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آله وسلم تسلیما.

لیلۃ الجمعہ (۱۵ ؍رمضان المبارک ۱۴۱۴ھ)

تتمہ ''عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بعض تالیفات''

اس عقیدہ کے بارے میں قدرے تفصیلی بصیرت پیدا کرنے کے لئے جن مؤلفات کے مطالعہ کا مشورہ دیا جاتا ہے ان میں سب سے مقدم اور مختصر ہونے کے باوجود اہم تو حضرت والاؒ کے شیخ کامل حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تالیف لطیف ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب'' کی اٹھائیسویں فصل ہے۔ جس میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں دلائل احادیث شریفہ سے دیئے گئے ہیں۔ اور ان احادیث کی بقدر ضرورت شرح بھی فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت حکیم الامتؒ کے بعض مواعظ میں بھی حیات انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قوت حیات کو مدلل بیان فرمایا گیا

ہے۔ مثلاً تسہیل وعظ ''تعظیم الشعائر'' جو حال ہی میں ماہنامہ ''الصیانہ'' کے شمارہ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ میں نظر پڑا۔ اس میں بھی حیات انبیاء علیہم السلام اور اس حیات کی قوت کو مدلل بیان فرمایا ہے۔

علاوہ ازیں مخدومنا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ خلیفہ اجل امام ربانی حضرت گنگوہی قدس اسرار ہما کے رسالہ ''المھند'' اور اس کے اُردو ترجمہ ''عقائد علمائے دیوبند'' میں وضاحت کے ساتھ عالم برزخ میں حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کو بیان فرمایا گیا ہے اور یہ بھی واضح فرما دیا گیا ہے کہ یہ حیات دنیوی حیات کے مشابہ اور اس سے بہت زیادہ قوی ہے حیات ہے۔ ''نشر الطیب'' اور ''مواعظ حضرت تھانویؒ'' کے علاوہ رسالہ ''عقائد علمائے دیوبند'' میں بھی یہ موضوع یعنی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم قابلِ دید ہے۔

هوالحبيب الذى ترجى شفاعتهٗ لكل هول من الاهوال مقتحم
يا رب صلّ وسلم دائماً ابداً على حبيبك خيرالخلق كلهم

﴿ضمیمہ موضوع تحفظ عقیدہ حیات النبی ﷺ﴾

عصر حاضر کے فقیہ الامت سیدی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نور اللہ مرقدہٗ

(حضرت مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ کا ایک فتویٰ اور اس میں حضرت والاؒ کا ضروری اضافہ)

حضرت والاؒ کے ماہر و کامل مفتی اور فقیہ العصر ہونے اور آپ کے تبحر علمی، فہم و تفقہ اور دور رس نگاہ کو سمجھنے کے لئے ایک واقعہ کو مثال کے طور پر (''الخیر'' شعبان و رمضان ۱۴۰۷ھ سے) ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

علمی تبحر اور فقہی ژرف نگاہی:

۱۹۴۹ء میں خیر المدارس میں افتاء کا شعبہ مستقل کر دیا گیا اور اس کے مسئول عنہ عارف کامل حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ مقرر ہوئے، تاہم حضرت مفتی صاحبؒ تمام فتاویٰ بعد از عصر حضرت والاؒ کی خدمت میں پڑھ کر سناتے، آپ کمال توجہ سے سنتے، حسب ضرورت آپؒ کی ترمیم و تصحیح یا تصدیق کے بعد سپرد ڈاک کئے جاتے۔ بعض وجوہات پر حضرت والا مرتبتؒ کچھ اضافہ بھی فرماتے، جو آپؒ کی دقت نظر، تبحر علم، تعمق فکر اور فقہ میں نگاہ دور رس کا شاہکار ہوتے، صرف ایک مثال ملاحظہ ہو۔

ایک دفعہ ہزارہ سے ایک عالم دین نے اس مضمون کا استفتاء بھیجا کہ ''تفسیر بلغۃ الحیران'' کے مختلف مقامات پر آیات کی ایسی تفاسیر کی گئی ہیں جو سلف صالحین اور اہل سنت والجماعت کے عقائد و نظریات کے خلاف ہیں۔ اس کے ثبوت میں مستفتی نے ۶ مقامات با حوالہ بقید صفحہ نقل کر کے پوچھا کہ کیا یہ اہلِ سنت والجماعت کے مسلک سے علیحدگی اور اعتزال کا اظہار تو نہیں؟

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ رحمہ اللہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا جس کے شروع میں آپؒ نے تمہیداً لکھا ''ہمارا مسلک علماءِ دیوبندؒ کے اصول کے مطابق احتیاط پر مبنی ہے، ہم عبارات مشکوکہ ومشتبہہ کی بناء پر تکفیر وتفسیق میں جلدی نہیں کرتے۔افراط وتفریط.... یہی دو ایسے امر ہیں جن کی بناء پر اُمت میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اگر مولانا غلام اللہ خان صاحب اور ان کی جماعت آپ کی نظر میں اکثر مسلمانوں کی تکفیر کرتی ہے (جس کا ہمیں پورا یقین نہیں) تو یہ ایسا ہے جیسا بریلوی، حضرات علماءِ دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں۔لیکن ہمارے اکابر نے اس بارہ میں ہمیشہ احتیاط برتی ہے۔اس لئے ہم بھی تکفیر کے بارے میں ہمیشہ احتیاط کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں کو بھی احتیاط کرنے اور عبارات مشکوکہ کی جب تک اصل عبارات کفر کے معنی کی تصریح نہ کریں، تاویل ہی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے لکھا کہ ''ہم نے آپ کی محولہ عبارات کے بارے میں مولانا غلام اللہ خان صاحب سے تحقیق کی ہے، وہ ان تمام عبارات کی ایسی توجیہ یا تاویل کرتے ہیں جو تکفیر وتفسیق سے مانع ہے، لہٰذا ہمیں قول مالا یرضی بہ القائل لے کر کفریہ احتمال کو ترجیح دینے کی ضرورت نہیں۔اگر یہ لوگ تشدد کرتے ہیں تو ہمیں احتیاط کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔''

بظاہر یہ جواب مکمل تھا، مگر حضرت والاؒ نے اپنی خداداد بصیرت وفراست سے یہ محسوس فرمالیا کہ اس فتویٰ سے بعض اہلِ غرض یہ تاثر بھی دے سکیں گے کہ خیرالمدارس نے ''تفسیر بلغۃ الحیران'' کی من وجہ تائید وتوثیق کردی ہے۔آپؒ نے اس تاثر کے ازالہ کے لئے درج ذیل عبارت کا اضافہ فرمایا جو آپ کی فقہی ژرف نگاہی اور حالات وعواقب پر گہری نظر کا واضح ثبوت ہے:

حضرت العلام حضرت مفتی صاحب دام فیضہٗ نے مصنف بلغۃ الحیران اور جامع کے متعلق جو پہلو احتیاط اور عدم تکفیر کا اختیار فرمایا ہے وہ راجح اور صواب اور احوط ہے، مگر جس کتاب کی عبارات جمہور اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہوں یا عوام کو ان سے ابہام ومغالطہ ہوتا ہو، ایسی کتاب کی اشاعت اور مطالعہ کرنا جائز نہیں، اور اس کے جامع وناشر تاویل یا اعترافِ غلطی کر کے تکفیر وتفسیق سے تو بری ہوسکتے ہیں مگر اس کے ضرر اور اثم سے برات کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ کتاب کی اشاعت کو بند کیا جائے جب تک اس کی اصلاح نہ کی جائے یا غلط مقامات کا اظہار بالتصریح نہ کیا جائے۔

واللہ الموفق از احقر خیر محمد، مہتمم مدرسہ خیرالمدارس ملتان (۹/۶/۱۳۷۰ھ)

مندرجہ بالا اضافہ سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ حضرت والاؒ فتاویٰ کا محض سرسری سماع نہیں فرماتے تھے بلکہ پوری ذمہ داری اور احساسِ مسئولیت کے تحت تصدیقی دستخط ثبت فرماتے تھے۔

المزید من الخیر للاجتناب من الغیر:

جماعت علماء اہلِ سنت والجماعت یعنی علماء دیو بند کے عقائد (جن کے ضمن میں عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہے) سے اختلاف رکھنے والے گروہ میں سے ایک صاحب کی تفسیر "بلغة الحیران" کے متعلق ایک فتویٰ اور اس پر حضرت والاؒ کا اضافہ اوپر گزرا۔ اب اس تفسیر کے اغلاط کے رَد میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی نے جو کتاب "ہدایۃ الحیران" تالیف فرمائی ہے، اس پر حضرت والاؒ کی بصیرت افروز تقریظ ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں اس کتاب پر تقریظ اور اس کی تصدیق کے علاوہ عقائد جمہور اہلِ سنت والجماعت کو مضبوط پکڑنے اور شذوذ و اعتزال (جماعت سے علیحدگی) سے بچنے کی تلقین ہے، جس سے استفادہ کی غرض سے وہ تقریظ و تصدیق ذیل میں نقل کی جاتی ہے:

(نوٹ: اس تصدیق و تقریظ کی نقل حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ العالی نے براہِ کرم خیرالسوانح میں شامل کرنے کے لئے احقر مؤلف کو ارسال فرمائی ہے۔ **فجزاہ اللّٰہ تعالٰی خیر الجزاء .....آ آ**)

تصدیق مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ

(مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان)

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ امابعد

ہر انسان عاقل بالغ پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر دل و جان سے ایمان لانے کے بعد مذہب اہل السنت والجماعت کو خوب مضبوط پکڑے، اور ان کے موافق عقیدہ عمر بھر قائم رکھے، اور اسی پر جیے اور اسی پر مرے، اور اس کی مخالفت اور علیحدگی اور اعتزال سے بچے۔ کیونکہ اہلِ سنت والجماعت ہی فرقہ ناجیہ ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: **وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلھم فی النار الاملة واحدة قالوا من ھی یا رسول اللّٰہ قال ما انا علیہ واصحابی** (ترمذی)

وفی روایة عن معاویةؓ ثنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة، وھی الجماعة (مسند احمد ابوداؤد) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی، سب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ وہ کونسا ہے؟ اے رسولِ خدا، آپ نے فرمایا جس عقیدہ پر میں ہوں اور میرے اصحاب، اور ایک روایت میں ہے بہتر دوزخ میں ہوں گے اور ایک جنت میں اور یہی جماعت ہے **وید اللّٰہ علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار**۔ یعنی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت و جمہور پر ہوتی ہے، جو شخص اس سے علیحدہ ہوا وہ دوزخی ہے (ترمذی) **اتبعوا السواد الاعظم** (ابن ماجہ) فرمایا کہ تم پیروی کرو بزرگ جماعت کی۔ ورنہ شذوذ کا

وہاں دوزخ ہے۔ یہ سب احادیث مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہیں۔ ان نصوص سے جمہور صحابہ والتابعین ومن تبعھم کی اتباع کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔

بندہ گنہگار نے کتاب ''ھدایۃ الحیران'' فی تفسیر جواہر القرآن تالیف منیف مولانا سید عبدالشکور صاحب بن مولانا سید عبدالکریم گمھلوی ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ، مہتمم مدرسہ عربیہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا کو حرفاً حرفاً من اولہ الیٰ آخرہ سنا۔ اہل سنت والجماعت کے موافق پایا، اور مؤلف جواہر القرآن نے اکثر جگہ فرق ضالہ کی موافقت کی اور جمہور اہل سنت والجماعت کی مخالفت کی ہے۔ لہٰذا مؤلف جواہر القرآن جب تک اس اعتزال وشذوذ عقیدے سے رجوع نہ کریں تب تک کسی شخص کو جواہر القرآن کا مطالعہ کرنا جائز نہیں، اور جو مطالعہ کر چکے ہیں ان کو کتاب ''ہدایۃ الحیران'' کا غور سے پڑھنا ضروری ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے اور وہ صحیح عقائد پر قائم ہو جائیں۔ **وما ذٰلک علی اللہ بعزیز.** اور جو حضرات اس عقیدے پر قائم ہیں جو جواہر القرآن میں لکھے ہیں ان کے درس میں شریک ہونا ممنوع ہے۔ **واللہ یھدی السبیل.**

خیر محمد، مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان

۲۵ رجب ۱۳۸۷ھ (از ہدایۃ الحیران فی جواہر القرآن، ص ۷)

بعض افاداتِ علمیہ:

حضرت والاؒ کی حیاتِ طیبہ علمی واصلاحی افادات سے بھرپور ہے۔ یہاں بطور نمونہ آپؒ کے چند علمی افادات نقل کیے جاتے ہیں:

(۱)[۱] الحدیث: **مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ وَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذَاکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ.**

ترجمہ: یعنی ارشاد فرمایا جناب رسول اللہ ﷺ نے، اگر تم میں سے کسی کو کوئی برائی کرتے دیکھے تو اسے چاہئے کہ اسے ہاتھ سے روک دے، اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے روک دے اور اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے برا سمجھے، اور یہ سب سے کمزور ایمان کی دلیل ہے۔

ف: اس حدیث کی شرح میں حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا: ''اس حدیث میں علی الترتیب تغیر منکر مامور بہ ہے نہ صاحبِ منکر سے نفرت کرنا، مراتب فی نفسہٖ کے اعتبار سے ثالث یعنی دل سے منکر کو بُرا سمجھنا، آخری مرتبہ ایمان یعنی اضعف ہے، کیونکہ اس کے بعد تو رضاء بالمنکر کا درجہ ہے جو واقعی خلاف ایمان ہے، جیسے نماز کا آخری مرتبہ اضطجاع وایماء ہے مگر معذور مریض کو ثواب کامل مل جاتا ہے، اسی طرح غیر مستطیع کو ثوابِ کامل ہی ملے گا۔''

(۲) مشکوٰۃ شریف کی مشہور روایت **لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ ولا دین لمن لا عھد لہٗ** (یعنی جو امانت دار نہیں

---

[۱] ۱۳۱ ۳۲۱ اق۔ بروایت مولانا عبدالشکور صاحب زید مجدھم (خادم خاص حضرت والاؒ اور تلمیذ رشید)

وہ ایماندار نہیں اور جو عہد کا پکا نہیں وہ دین دار نہیں) کے ضمن میں فرمایا: ''مناسب یہی ہے کہ دوسروں کے حق میں تو کلمہ لا کو نفی کمال پر محمول کیا جائے، مگر خود اپنے لئے اسی لا کو نفی جنس کے لئے سمجھتا رہے۔ یعنی اگر کسی دوسرے مسلمان کو خیانت کرتا ہوا یا بلا ضرورت شرعی عہد کو توڑتا ہوا دیکھے تو سمجھے کہ وہ مومن تو ہے مگر کامل الایمان نہیں، اور مسلمان تو ہے مگر پکا دین دار نہیں، لیکن خود خیانت اور ناجائز بدعہدی کو یہی سمجھ کر بچتا رہے کہ اگر مجھ سے خیانت یا ناجائز بدعہدی ہوئی تو خدانخواستہ نفسِ ایمان ہی گویا جاتا رہے۔'' (سبحان اللہ! بہت ہی بہتر توجیہ ہے، اس طرح روایت کے لا میں دونوں احتمال علی اختلاف العلم والعمل معمول بہ رہ جاتے ہیں) (ذکر خیر از بینات، کراچی، محرم ۱۳۹۱ھ)

(۳) قیام تعظیم للقادم کی بحث میں فرمایا: ''بڑے کو تو اس کی خواہش قطعاً نہیں کرنی چاہئے کہ لوگ اس کے آنے پر کھڑے رہتے ہیں، لیکن چھوٹوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے اُستاد، باپ اور شیخ کے آنے پر جمے بیٹھے نہ رہیں، کچھ تحرک ان کو ضرور کر لینا چاہئے، ورنہ لاپرواہی کی اس صورت سے آہستہ آہستہ ان کا قلب بھی ادب سے محروم ہو جائے گا۔
(بینات کراچی، محرم ۱۳۹۱ھ)

(۴) مشکوٰۃ شریف میں باب القدر کی روایت محاجہ آدم و موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ پر **افتلو منی علی ان عملت عملا کتبه اللّٰه علی ان اعمله قبل ان یخلقنی باربعین سنة.** یعنی کیا آپ مجھ کو ایسا کام کرنے پر ملامت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال قبل میرے حق میں لکھ دیا تھا۔

یہاں اپنے عمل کا تقدیر پر حوالہ کرنا مقصود نہیں، تاکہ وہم ہو کہ اس طرح تو ہر خاطی اپنی خطا کے متعلق تقدیر کا بہانہ بنا سکتا ہے، بلکہ عمل کے نتیجہ میں جو تکلیف پہنچ گئی اس کے متعلق تقدیر کا حوالہ دیا گیا۔ دیکھئے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق جو الفاظ بیان فرمائے ہیں، وہ یہ ہیں کہ **ثم اهبطت الناس بخطیئتک علی الارض.** یعنی آپ کے عمل کی وجہ سے لوگ جنت کی نعمتوں سے نکل کر زمین کی مشقتوں میں آ گئے، تو شکایت تکلیف میں ڈالنے اور مقام مشقت میں آ جانے کی کی گئی نہ کہ اس عمل پر ملامت فرمائی۔ جو نسیاناً یا تاولاً کیا اور جس کی انابت کے بعد ہر طرح مغفرت وبخشش بھی ہو گئی اور مشقت و مصیبت میں پڑ جانے کا حوالہ تقدیر پر نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مامور بہ بھی ہے۔ **قال تعالیٰ قل لن یصیبنا اِلا ما کتب اللّٰه لنا هو مولٰنا.**

(۵) مردہ[1] جانور کی کھال اُتارنا جائز ہے:

ایک دفعہ دورانِ اسباق میں ایک مسئلہ آیا کہ مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور مردہ جانور گائے، بھینس اگر مر جائے تو اس کی کھال اُتارنا جائز ہے۔ مگر کچی فروخت کرنا جائز نہیں۔ اس پر میں نے سوال کیا کہ کیا ناپاک چیز کو ہاتھ لگانا جائز ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ استنجا بھی تو روزانہ کرتے ہو۔ وہاں بھی ہاتھ لگاتے ہو۔ بہر حال

---

[1] افق بروایت مولانا عبدالشکور صاحب۔ (آ آ)

اس قسم کی علمی باتیں مجلس میں اور اسباق میں ارشاد فرماتے تھے، جس سے فوراً تسلی ہو جاتی تھی۔

ایک طالب علم کے چند سوالات اور حضرت والاؒ کے افادات:

(۱) ایک بار ایک طالب علم نے سوال کیا کہ ''شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے ائمہ کبار کی تعریف کرنے کے بعد امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق ارشاد فرمایا: ''در ہمہ چیز از ہمہ بردہ سبق'' بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علیہ الرحمہ نے امام احمدؒ کو امام اعظمؒ سے بھی بڑھا دیا۔ فرمایا: شعر میں دوسرے ''ہمہ'' سے امام احمدؒ کے ہم زمان لوگ مراد ہیں۔''

(۲) نیز ایک دفعہ یہ سوال کیا کہ ''شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا ''انبیاء و اولیا محتاج او'' تنبیہانہ لہجہ میں فرمایا: احتیاج کتنی قسم ہے، کیا اپنے وجود و خلقت میں بھی انبیاء و اولیاء آپ کے محتاج ہیں''..... پھر تلطفاً ہنس کر فرمایا کہ ''اس سے مراد شانِ نبوت و ولایت ہے کہ یہ دولت آپ کو بلا واسطہ و بالذات عطا ہوئی اور دیگر انبیاء و اولیاء کو بواسطہ و بطفیل حضور کے مرحمت ہوئی۔''

(۳) ایک مرتبہ یہ دریافت کیا کہ بظاہر ''لا یعصون اللّٰہ ما امرھم'' میں عصمت ملائکہ کا بیان مکمل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ''ویفعلون ما یؤمرون'' زیادہ کرنے میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا: ''لازمی اور متعدی کا فرق ہے۔''

حضرت والاؒ اپنے بعض اکابر اور معاصرین کی نظر میں

حضرت والاؒ اپنے پیرو مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کی نظر میں:

ایک مرتبہ حضرت والاؒ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خانقاہ حاضر ہوئے تو حضرت حکیم الامتؒ نے انہیں آتا دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''انجن تو چھوٹا سا ہے مگر گاڑیاں بہت سی کھینچے لا رہا ہے۔'' (سیرت اشرف، ص ۳۸۴)

ف: اس میں حضرت حکیم الامتؒ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ بظاہر تو ان کی جسامت چھوٹی سی ہے مگر باطنی قوت زبردست اسٹیم والے انجن کے مانند ہے۔

اسی طرح حضرت حکیم الامتؒ نے جن گیارہ خلفاء کے خصوصی نام علیحدہ شائع کئے جن سے طالبین کو رجوع کی ہدایت کی گئی تھی اس میں بھی حضرت والاؒ کا نام موجود تھا۔ اسی طرح ''دلائل القرآن علیٰ مسائل النعمان'' کے لئے جن متبحر علماء کو حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا تھا ان میں حضرت والاؒ [1] بھی شامل تھے۔ ان دونوں اُمور سے حضرت حکیم الامتؒ کا حضرت والاؒ سے علمی و عملی اعتماد خصوصی کا اظہار اظہر من الشمس ہے۔

اسی طرح ۱۹۳۸ء میں جب حضرت حکیم الامتؒ دانت بنوانے کے لئے لاہور تشریف لائے تو عارف باللہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ کیا میں مولوی خیر محمد صاحب کو مطلع کر دوں۔ اس پر حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا: ''میں مناع للخیر کیوں بنوں؟''

---

[1] اس پر حضرت والاؒ نے مذکورہ کتاب کے مقدمہ کی ضرورت کا اظہار فرما کر کے قلمبند کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ (اشرف السوانح جلد ۳ ص ۱۹۷ مطبوعہ لاہور)

ف: گویا حضرت والاؒ کو سراپا خیر مجسم فرمایا۔ اسی طرح اُصولِ حدیث میں حضرت والاؒ کا رسالہ ''خیرالاصول فی حدیث الرسول'' خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں داخل نصاب فرما دیا تھا۔ اور اپنی ایک تصنیف کے متعلق تحریر فرمایا: ''مولوی خیرمحمد صاحب نے ''الاقتصاد'' کی تسہیل کا عزم ظاہر کیا۔'' (اشرف السوانح، ج ۳، ص ۲۹۷)

حضرت والاؒ کی بزرگی کی ایک عظیم دلیل:

مخدومنا حضرت مولانا شبیر علی تھانوی صاحبؒ مہتمم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون تحریر فرماتے ہیں: ''حضرتؒ (حکیم الامت) کی وفات کے بعد خواجہ صاحب کو کہیں قرار نہ تھا، آج تھانہ بھون ہیں تو کل لکھنؤ ہیں اور پھر اعظم گڑھ ہیں تو معلوم ہوا کہ سیتاپور پہنچ گئے۔ غرض:

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب
بوئے گل را از کہ جویم جز گلاب

پر پورا عمل تھا (جیسا کہ حضرت خواجہ صاحبؒ نے خود بھی فرمایا تھا:

وہ آستاں ہائے جب سے چھوٹا کوئی میرا مستقر نہیں ہے
قرار سے جس جگہ جم کے بیٹھوں کوئی اب ایسا در نہیں ہے

کہ حضرتؒ کے بعد حضرتؒ کے خلفاء اور خدام خاص کے پاس جا جا کر غم کو ہلکا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ سفر پنجاب بھی اختیار فرمایا تھا (چنانچہ) ۱۶ جولائی ۱۹۴۴ء کو مع دیگر احباب کے جالندھر اور امرتسر کے سفر کے لئے خانقاہ سے روانہ ہوئے تاکہ وہاں اپنے پنجابی پیر بھائیوں سے ملاقات فرمائیں، خصوصاً مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا محمد حسن صاحب دام ظلہم سے۔ کس کو خبر تھی کہ حضرت کا یہ سچا عاشق خانقاہ سے آخری مرتبہ رُخصت ہو رہا ہے۔

(خاتمۃ السوانح، ص ۲۶۱ و ص ۲۶۲)

حضرت حکیم الامتؒ مولانا تھانوی سے تعلق رکھنے والوں سے یہ مخفی نہیں کہ خانقاہ میں حضرت حکیم الامت کے یہاں عارف باللہ حضرت خواجہ صاحبؒ کا کس قدر بلند مقام تھا اور خسرو دربار اشرفی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان کا حضرت والاؒ کی ملاقات کی خاطر جالندھر کا عزم سفر بلکہ اس سلسلہ سفر کا آغاز ان کے قلب میں حضرت والاؒ کی کس قدر محبت و عظمت کی دلیل اور اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت والاؒ حضرت حکیم الامتؒ کے محبوب و اجلہ خلفاء میں سے تھے جن کی ملاقات کی خاطر حضرت خواجہ صاحبؒ نے سفر شروع فرمایا۔ مگر افسوس امرتسر ہی میں بیمار ہو کر واپسی میں جالندھر کی بجائے اپنے وطن اورئی[1] واپس تشریف لے گئے اور اسی مرض میں ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء کو واصل بحق ہوئے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

---

[1] الحمدللہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی مفصل سوانح ذکرِ مجذوبؒ از پروفیسر احمد سعید تھانوی طبع ہو چکی ہے (اق)

حضرت والاؒ کی حضرت حکیم الامتؒ سے از حد عشق و محبت:

حضرت والاؒ کو اپنے پیرو مرشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ سے اس قدر خصوصی تعلق اور بے حد انتہائی محبت تھی جسے عشق سے تعبیر کرنا بجا ہوگا۔ اپنی مبارک مجالس میں آپ حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ حسنہ اور ملفوظات طیبات پڑھوا کر روزانہ باقاعدہ سنا کرتے۔ اپنے احباب، متعلقین اور تلامذہ کو حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ حسنہ زیر مطالعہ رکھنے کی تاکید فرماتے۔

حضرت والاؒ کی حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے غایت محبت و عقیدت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوسکتا ہے کہ ایک بار عارف باللہ حضرت اقدس سیدی حاجی محمد شریف صاحبؒ نے اپنے چند مکاتیب مولانا عبدالسلام صاحبؒ (فیصل آباد) کے پاس بھیجے، جنہیں ''تربیت السالک'' جلد دوم میں نقل کرنا تھا۔ ان میں سے ایک خط پر حضرت حکیم الامتؒ نے اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا تھا کہ اس خط کی اشاعت مناسب نہیں، حضرت حاجی محمد شریف صاحب دامت برکاتہم افادہ عامہ کی مصلحت کی بناء پر وہ خط شائع کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ خط مولانا عبدالسلام صاحب مرحوم نے واپس کر دیا۔ حضرت حاجی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ وہ خط میں نے حضرت والاؒ کو دکھایا کہ اگر حضرت والاؒ اس کی اجازت عطا فرمادیں تو مناسب ہے۔ حضرت حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ خط دیکھتے دیکھتے جب کافی دیر ہوگئی تو وہ خط میں نے حضرت سے واپس لینا چاہا۔ اس پر حضرت والاؒ نے فرمایا: ''مجھے جی بھر کر دیکھ تو لینے دو، ہمارے حضرتؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔'' اس کے بعد فرمایا کہ حضرت نے جب اپنے قلم سے تحریر فرمایا کہ اس کی اشاعت کی اجازت نہیں تو اب دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو اس کی اشاعت کی اجازت دے سکے۔

حضرت والاؒ ہمیشہ حضرت حکیم الامتؒ کے نام سے پہلے قطب الارشاد والتکوین، شیخ المشائخ والکاملین، حکیم الامت فی الدین، مجدد الملۃ بالیقین سیدنا و مرشدنا کے القاب وغیرہ تحریر فرماتے۔ اپنی تصانیف کے آخر میں بطور سند حضرت والاؒ کے کلمات طیبات ضرور نقل فرماتے۔ اپنی مجالس میں حضرت کا تذکرہ بہت محبت سے فرماتے۔

اسی طرح ایک بار اس ناچیز نے دیکھا جب مولانا محمد صدیق صاحب ''سیرت اشرف'' پڑھ رہے تھے، اچانک احقر کی نظر حضرت والاؒ کے چہرۂ انور پر پڑی تو اس وقت حضرت والاؒ کی نگاہیں سرخ ہو رہی تھیں۔ غرض حضرت والاؒ کو حضرت حکیم الامتؒ سے جو محبت تھی وہ بیان سے باہر ہے۔

حضرت والاؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کی نظر میں:

آپ کے ایک مرید نے حضرت موصوف کو لکھا کہ آپ دارالعلوم دیوبند میں ہیں اور ہم پاکستان میں۔ اس لئے صحبت کے فیض سے محروم ہیں۔ تو آپ نے انہیں تحریر فرمایا: ''پاکستان میں حضرت حکیم الامت کے خلیفہ حضرت مولانا خیر محمد

صاحب موجود ہیں، ان سے صحبت اور فیض حاصل کرو[۱]" (مکتوبات شیخ الاسلام)

اسی طرح ایک بار حضرت والاؒ دیوبند تشریف لے گئے ہوئے تھے اور حضرت مدنیؒ کے مہمان تھے۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب ابوہریؒ کا اصرار تھا کہ آپ ایک مرتبہ میری دعوت قبول فرمادیں، تو اس پر حضرت مدنی قدس سرہٗ نے فرمایا "آپ مناع الخیر بنے ہوئے ہیں۔"

حضرت والاؒ مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی نظر میں:

حضرت حاجی عبدالمجید صاحب ریواڑی والے فرماتے ہیں کہ "ایک بار میں حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں جامعہ اشرفیہ لاہور حاضر تھا، اس وقت مدرسہ خیرالمدارس کا سالانہ جلسہ ہو چکا تھا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے دریافت فرمایا کہ کیا حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی جلسہ میں تشریف لائے تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنا نہیں تھا۔ میرے پوچھے بغیر میرا نام اشتہار میں دیا۔ اس پر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ مولانا عبدالمجید صاحب تو ایسا فرما سکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا وہ مقام ہے کہ ہمیں حاضر ہونے کا حکم دیں تو ہم حاضر ہو جائیں[۲]۔"

یہاں ایک بار پھر حضرت مجذوبؒ کا یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

میں بھی اس پر مر مٹا ناصح تو کیا بے جا کیا
اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

حضرت والاؒ کی بعض وقیع آراء گرامی

حضرت والاؒ ایک صاحب رائے جامع شخصیت تھے کہ ہر ایک کے بارے میں ایک مستند رائے رکھتے تھے۔ ذیل میں حضرت والاؒ کی چند آراء جنہیں جمع کرنے کی توفیق ہوگئی، پیش خدمت کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

اپنے شیخ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بارے میں:

تقریظ "سیرت اشرف" میں لکھتے ہیں: "اشرف الاولیاء، قطب الارشاد، شیخ المشائخ، مجدد ملت، حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی چشتی صابری امدادی نوراللہ مرقدہٗ کی حیات طیبہ علمی و عملی کمالات اور ظاہری و باطنی فیوض و برکات کی جامعیت کے اعتبار سے ایک ممتاز اور بے نظیر حیثیت رکھتی تھی۔ جن کا ہر قول و فعل انسانیت کے لئے مشعل راہ تھا، اس لئے خسرو دربار اشرفیہ حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے ؎

---

۱ اق۔ بتغییر یسیر۔ یہ واقعہ باب ۱۵ ارشادو افاضہ باطنی میں بھی آچکا ہے۔ لیکن یہاں دوسری مناسبت سے آیا ہے۔ اس لئے ضرورتاً اس تکرار کو برداشت کرلیا گیا ہے۔ (آ)

۲ اق۔ بتغییر یسیر۔ (آ)

کہیں نہ پایا کہیں نہ دیکھا جمال ایسا کمال ایسا
دکھائے کوئی اگر ہو دعویٰ جمال ایسا کمال ایسا

اسی طرح ''اکمال الشیم فی اتمام النعم'' کی تقریظ میں حضرت حکیم الامتؒ کے اسمِ گرامی کے ساتھ ''آسمانِ تصوف کے نیرِ اعظم'' تحریر فرمایا۔

عارف باللہ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب کو اپنے بزرگ کے القاب سے یاد فرمایا (البلاغ)۔ ایک بار تحریر فرمایا: ''خواجہ صاحب موصوف فطری شاعر ہونے کے علاوہ گریجویٹ، حضرت تھانویؒ کے خلیفہ اعظم اور خادم خاص بھی تھے۔'' (سیرت اشرف، ص ۳۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ کو ''علم کا خزانہ'' فرمایا کرتے۔

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کو عظیم فقیہ، عالم باعمل اور شیخ کامل فرماتے۔ اور فرماتے اگر کسی نے عارف باللہ کو دیکھنا ہو تو وہ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحبؒ کو دیکھے۔''

حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ کو شمس العلماء والفضلاء لکھتے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کو سید المفسرین کے عنوان سے یاد کرتے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں:

(نوٹ: موالید و وفیات کے موضوع پر حضرت والاؒ کی بیاض میں حضرت مولانا مدنیؒ کی وفات کا حال تحریر فرماتے ہوئے ان کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش فرمایا ہے: ''حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ و مورخہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء بروز پنجشنبہ بمقام دارالعلوم دیوبند رحلت فرمائے آخرت ہوئے۔ آپ علومِ ظاہرہ و باطنہ میں بہت بلند ہمت عالم و بزرگ تھے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور خلیفہ مجاز اور قطب العالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت یافتہ عالم باعمل تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے جامعیت ظاہرہ و باطنہ میں آخری شیخ الحدیث تھے۔

ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ اللهم اغفرله مغفرة ظاهرة و باطنة''

تبلیغی[1] جماعت کے بارے میں:

ایک بار مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ نے تبلیغی جماعت کے بارے میں حضرت والاؒ کی رائے دریافت کی، تو تحریر فرمایا: نفس تبلیغ تو متفق علیہ ہے۔ باقی طریق کار اجتہادی ہے، اس لئے اختلاف کی گنجائش ہے۔'' اسی طرح ماسٹر محبوب عالم صاحب اکاؤنٹنٹ مجلس صیانۃ المسلمین ہارون آباد نے لکھا کہ تبلیغی جماعت کے احباب چلہ وغیرہ کے لئے زور دے رہے ہیں تو تحریر فرمایا: ''جماعت میں اتنا جاؤ کہ گھر کی جان و مال کا حرج نہ ہو۔ ان کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہئے، بلکہ خود بھی سوچنا

[1] اق۔

چاہئے۔" اسی طرح ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ کو ماسٹر صاحب موصوف نے لکھا: "تبلیغی جماعت والے کچھ احباب دین کی دعوت اور فکر کے لئے خصوصی گشت کرتے ہیں اور بعض دفعہ اکثر اس خیال سے کہ علی الصبح لوگ مل جائیں گے، یعنی کام پر نہ گئے ہوں گے، درس بھی سننا نہیں پاتے اور کہتے ہیں دین کے لئے چلنا پھرنا ملنا جلنا سب سے اونچا عمل ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ حضرت والاؒ کا جواب: "یہ درست نہیں۔"

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ میں جس زمانہ میں دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار میں افریقی طلباء کو پڑھاتا تھا ایک سفر کے دوران اپنے لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے زبانی استرشاد کیا کہ تبلیغی جماعت کے ساتھ باہر جانا چاہئے؟ فرمایا کہ دنیا کا کام چھوڑا جاتا ہے، دین کا کام نہیں چھوڑا جاتا۔ ایک بار حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ غالباً دارالاہتمام میں تشریف رکھتے تھے۔ کسی سلسلہ گفتگو میں خیرالمدارس کے مدرسین جو تبلیغی جماعت میں جاتے تھے ان کی تحسین فرمائی کہ جمعہ کی تعطیل میں جاتے ہیں اور مدرسہ وقت پر حاضر ہو جاتے ہیں، ناغہ نہیں کرتے۔

(نوٹ) تبلیغی جماعت کے بارے میں ایک معزز مہمان کی تقریر اور حضرت والاؒ کی جوابی تقریر کا ذکر بعنوان حسن انتظام سے متعلق ایک واقعہ دوران تعلیم دیگر مشاغل دینیہ سے یکسوئی کے زیر عنوان باب نمبر ۶ میں گزر چکا ہے۔

مجلس صیانۃ المسلمین:

حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ نے مسلمانوں کی انفرادی اصلاح کے لئے "حیات المسلمین" تحریر فرمائی اور اجتماعی اصلاح کے لئے نظام مجلس صیانۃ المسلمین تجویز فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد جس کا عملی جامہ لاہور[1] میں مخدومنا حضرت مولانا جلیل احمد صاحب علی گڑھیؒ نے مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسری رحمہ اللہ کی زیر سرپرستی پہنایا۔ اسی ضمن میں تعاون کے لئے مولانا وکیل احمد شیروانی مدظلہ نے حضرت والاؒ کو لکھا تو تحریر فرمایا:

"مجلس صیانۃ المسلمین کا سلسلہ ضرور جاری رکھیے۔ اس سے بہت سے اکابر حضرات کی روحوں کو خوشی ہوگی، ان شاء اللہ۔ بندہ بھی حاضر ہوگا، جیسے آپ حضرات حکم فرمائیں گے مگر میرے ضعف پر نظر رہے۔" اس مکتوب سے مجلس صیانۃ المسلمین کے ساتھ حضرت والاؒ کا قلبی تعلق اور لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بارے میں:

فرمایا: "مودودی اور اس کی متبعین کے بعض مسائل[2] خلاف اہل سنت والجماعت کے ہیں۔ سلف صالحین کے اتباع کے منکر ہیں، اس لئے بندہ ان کو ملحد سمجھتا ہے۔" (ترجمان اسلام، ص ۱۴، لاہور، ۱۹ جنوری ۱۹۶۴ء)

---

[1] اب تو بفضل تعالیٰ پاکستان کے متعدد شہروں میں اسکی شاخیں قائم ہو چکی ہیں اس کا نصاب تربیت "اصلاحی نصاب" بھی شائع ہو چکی ہے اللہ تعالیٰ مجلس کو مزید ترقی عطا فرمائیں (آمین)

[2] مسائل بالمعنی الاعم یعنی بشمول اصولی مسائل عقائد وغیرہ نہ کہ محض فروعی مسائل (آ ت)

مودودی جماعت سے کلی احتراز کی تلقین[1]:

حضرت صوفی محمد اقبال صاحب ہوشیار پوری مدظلہ العالی (خلیفہ مجاز بیعت از حضرت شیخ الحدیثؒ) نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہ العالی مدیر ''بینات'' کے ایک مکتوب کو (جو انہوں نے اپنے ایک صالح عزیز کے نام بسلسلہ مودودیت تحریر فرمایا تھا) الگ بصورت رسالہ بعنوان ''تنقید اور حق تنقید'' شائع کیا ہے اور اس کے آخر میں بطور ضمیمہ تین واقعات بعنوان ''چند حقائق'' درج فرمائے ہیں۔ ان میں سے دوسرا واقعہ ہمارے حضرت والاؒ کے متعلق ہے جو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

''حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفہ مجاز حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری مرحوم دینی مسائل میں مودودی صاحب سے اختلاف رکھتے ہوئے پاکستان کی سیاست میں مودودی صاحب کے ہم خیال تھے۔ مگر حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جماعت سے کسی قسم کا تعلق پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ لائل پور کے اسٹیشن پر حاجی صاحب مرحوم حضرت مولانا کو رخصت کرنے جا رہے تھے۔ مجھے بھی زیارت کرانے ساتھ لے گئے۔ حضرتؒ نے حاجی صاحبؒ کو مودودی صاحب سے یکسو رہنے کی تلقین فرمائی اور آخر میں جب گاڑی چلنے لگی تو مصافحہ کرتے وقت قرآن پاک کی آیت لا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار تلاوت فرمائی اور گاڑی چل پڑی۔ بندہ کو حضرتؒ کی یہ آخری زیارت تھی، پھر میری حجاز مقدس کو واپسی ہوگئی اور حضرت کا وصال ہوگیا۔''

---

[1] بروایت حضرت صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم۔ (آ ا)

شذرات

تتمہ باب۲: خاندانی حالات و باب۳ : وطن وطفولیت

حضرت والاؒ کے عم نور محمد صاحب کا چین وولایت کا سفر:

دادا صاحب اور دادی صاحبہ کے فوت ہونے کے بعد نور محمد نے چین کا سفر اختیار کیا اور کرم الدین مرحوم نے موضع چک نمبر ۲۵۵ گ ب مدھو ر ضلع لائل پور تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مولانا مولوی غلام محمد صاحب نمبردار مرحوم کے پاس قیام اختیار کیا، اور حصہ پر کئی سال کاشت کا کام کرتے رہے۔ نور محمد کچھ عرصہ بعد چین سے واپس وطن آیا اور دوبارہ چین جاتے ہوئے برادرم مرحوم علی محمد کو بھی ہمراہ لے گیا۔ پھر وہاں سے تنہا واپس آ کر ولایت چلا گیا اور برادرم مرحوم علی محمد کو چین ہی میں چھوڑ آیا۔ برادرم موصوف کا انتقال چین ہی میں ہوا۔

نور محمد کا لڑکا شیر محمد اپنی طفولیت میں اپنی پھوپھی صاحبہ زیباں کے پاس مدھو ر چک نمبر ۲۵۵ ضلع لائل پور میں رہا اور وہاں ہی تربیت پائی۔ جوان ہونے کے بعد عموی صاحب کرم الدین نے رحمۃ بنت موسیٰ شہریا سکنہ عمروال بلہ سے اس کا نکاح کر دیا۔ تقریباً نکاح سے چوتھے سال بعد اس کے گھر مورخہ ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء مطابق شعبان ۱۳۴۹ھ بروز پنجشنبہ کو پہلا لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام عبدالحفیظ رکھا گیا۔ پھر ایک عرصہ بعد چک نمبر ۴۰ فتح نہر میں عموی صاحب کرم الدین نے شیر محمد کو ایک مربع سرکاری لے دیا۔ جس پر شیر محمد مرحوم کی بیوی اور دو لڑکے عبدالحفیظ اور محمد سلیم ایک مربع زمین پر قابض اور آرام کر رہے ہیں۔

عموی صاحب نور محمد:

پاکستان بننے کے بعد عموی صاحب نور محمد ولایت سے چک نمبر ۴۰ فتح میں آ گئے۔ مگر چند ایام بعد چک نمبر ۲۴۷ گ ب تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ ضلع لائل پور میں اپنی بھانجی فاطمہ بنت زیباں کے پاس جا کر رہے۔ اور پوتوں نے پوری توجہ نہ دی۔ پھر کافی عرصہ کے بعد تخمیناً تین سال سے یہاں ملتان شہر میں میرے پاس آئے ہوئے تھے اور یہاں ہی رہتے تھے۔ اور اچانک ۱۰ شعبان ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۶۲ء کو فوت ہو گئے۔ ان کی موت روٹی کھا کر پانی پیتے ہوئے اچانک ملتان میں ہوئی، اِنَّا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

عموی صاحب کرم الدین:

کرم الدین کی نرینہ اولاد بچپن ہی میں مع بیوی فتی فوت ہو گئی تھی۔ صرف ایک لڑکی اللہ دی تھی، جس کا نکاح تخمیناً ۱۳۲۴ھ میں احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ سے ہوا تھا (اس کی کچھ تفصیل باب ۱۹ را ہل وعیال میں آئی ہے) کرم الدین نے مدھو ر کا قیام چھوڑ کر عمروال بلہ میں دُکان جاری کی۔ حق تعالیٰ نے اس میں برکت کی۔ اسی اثناء میں بشمولیت برادر اکبر خود والدم میاں الٰہی

بخش صاحب مختلف اوقات میں ایک کنواں کی زمین خرید کر کنواں لگوایا۔ ۱۹۲۸ء (۴۷-۱۳۴۶ھ) میں بمعیت میاں الٰہی بخش سابق ریاست بہاولپور میں آبادکاری پر تین مربع زمین لی۔ ایک مربع میاں الٰہی بخش کے نام اور ایک شیر محمد کے نام اور ایک کرم الدین کے نام درج ہوئے۔ سب نے چک نمبر ۴۰ فتح نہر علاقہ چشتیاں میں رہائش اختیار کی۔ ۱۹۳۰ء (۴۹-۱۳۴۸ھ) میں کرم الدین نے اپنی زمین عمروال بلہ اپنی لڑکی اللہ دی کے نام ہبہ کردی، جو اس کے انتقال کے بعد احقر کے تینوں لڑکوں رشید احمد، محمد شریف اور عبدالحق کے نام منتقل ہوگئی۔ پاکستان بننے کے بعد اسی کے عوض میں بستی نو ضلع ملتان میں زمین ملی۔ چک نمبر ۴۰ فتح میں آنے کے بعد کرم الدین کا نکاح ایک لاوارث عورت کریم بی بی سے ہوا۔ جس سے دو اولاد ہوئیں: مختار محمد، حمیدہ۔ اللہ دی پہلے فوت ہوگئی تھی۔ کرم الدین بعد میں فوت ہوا۔ اب اس کی جائیداد کے کریم بی بی بیوہ، مختار محمد اور حمیدہ وارث ہیں۔

شذرات نمبر۲

○ متفرق واقعات ○

ذیل میں بعض حوادث متعلقہ وفات بعض اہلِ خاندان اور بعض قریبی تعلق والوں کے نقشِ حیات سے مع عنوان کے نقل کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض متعلقہ موقع پر بھی مذکور ہو چکے ہیں۔ لیکن یہاں یکجا ہونے کی وجہ سے تکرار کو گوارا کیا گیا ہے۔

حوادثات:

(۱) پاکستان میں پہنچنے کے بعد ہی ۱۵؍اکتوبر ۱۹۴۷ء بروز چہار شنبہ مطابق ۲۹ ذیقعد ۱۳۶۶ھ مسماۃ عائشہ اہلیہ محترمہ مولوی عبداللہ صاحب رائے پوری فوت ہوئی۔

(۲) پھر بستی نو پہنچنے کے بعد چھوٹے بچے سعید احمد اوّل ولد حافظ رشید احمد سلمہ، مسعود احمد ولد حافظ رشید احمد سلمہ، محمد حنیف و نسیم بچے دین محمد کے فوت ہوگئے۔ مسماۃ میمونہ بنت محمد شریف سلمہٗ، یہ سب ۱۹۴۸ء (۶۸-۱۳۶۷ھ) میں فوت ہوگئے۔

(۳) ۱۹؍ذیقعد ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۴۸ء کو دین محمد فوت ہوا۔

(۴) ۶ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۵۱ء بروز یکشنبہ مولوی فضل محمد صاحب دہ نیو کچھرو مورو سندھ میں فوت ہوئے۔

(۵) ۶ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ مطابق ۹؍اکتوبر ۱۹۵۱ء بروز سہ شنبہ ہمشیرہ صاحبہ زینب فوت ہوئیں۔

(۶) ۱۳؍ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۷؍اگست ۱۹۵۱ء بروز جمعہ برخورداری خدیجہ فوت ہوئی۔

(۷) مورخہ ۷ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۸ نومبر ۱۹۵۱ء بروز پنجشنبہ زوجہ ثانیہ اُم فاطمہ فوت ہوئی۔
(اس سے قبل ۱۸ دن سول ہسپتال ملتان میں رہی۔ پھر ایک ہفتہ گھر میں رہ کر فوت ہوئی)

(۸) مورخہ ۲۸ صفر ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۹۵۱ء بروز پنجشنبہ برخورداری زبیدہ فوت ہوئی۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. اللّٰھم اغفرلھم مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ وادخلھم مدخل صدق وجنۃ.

زمانہ جالندھر کے حوادث:

اس سے قبل جالندھر کے زمانہ میں مندرجہ ذیل حوادث پیش آئے، جن کو نقشِ حیات ہی سے نقل کیا جاتا ہے:

''جالندھر کے قیام ہی میں اموات ذیل ہیں[1]:

(الف) مورخہ ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء بوقت گیارہ بجے شب لیلۃ الثلاثاء قطب العالم حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا۔ اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون الخ۔

(ب) مورخہ ۷ صفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۳ فروری ۱۹۴۴ء بوقت دس بجے لیلۃ الخمیس کو حضرت الاستاذ المعظم مولانا محمد یسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بریلی میں انتقال ہوا۔ اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون اھ۔

(ج) مورخہ ۲۷ شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۴۴ء بروز پنجشنبہ حضرت خواجہ عزیز الحسن خان صاحب غوری مجذوبؒ کا وصال ہوا۔ اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون اھ۔

(د) مورخہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۴۴ء بروز دوشنبہ مولوی حافظ مقبول احمد صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا فضل احمد صاحب رائے پوری فوت ہوئے۔ اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون اھ۔

(ہ) مورخہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۳۰ء بروز شنبہ والدہ ماجدہ احقر بمقام چک نمبر ۴۰ فتح علاقہ چشتیاں فوت ہوئیں۔ اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون. اللّٰھم اغفر لھم مغفرۃ ظاھرۃ وباطنۃ.

(و) ۱۳۵۱ھ یا ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۲ء یا ۱۹۳۳ء) میں زوجہ اُم اولیٰ چک نمبر ۴۰ فتح علاقہ چشتیاں میں فوت ہوئی۔ اللّٰھم اغفرلھا

(ز) مورخہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۳۳ء کو والد صاحبؒ بمقام چک نمبر ۴۰ فتح چشتیاں فوت ہوئے۔ اِنّا للّٰہ وانا الیہ راجعون اھ۔

(ح) مورخہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو چچا کرم الدین صاحبؒ بمقام چک نمبر ۴۰ فتح علاقہ چشتیاں فوت ہوئے۔

زمانہ جالندھر کا ایک واقعہ:

مذکورہ حوادث کے علاوہ ایک عام واقعہ بھی ''نقشِ حیات'' ہی سے نقل کیا جاتا ہے:

''جالندھر کے قیام کے زمانہ ہی میں ہمارے مکان عمر وال بلہ میں مسمی سلیمان ولد اللہ دتہ ساکنہ عمر وال بلہ نے مداخلت بے جا کی۔ اس پر زیر دفعہ ۴۵۷، ۴/ اکتوبر ۱۹۴۳ء (۴ شوال ۱۳۶۲ھ) کو مقدمہ دائر کیا گیا، جس کی پہلی تاریخ

[1] ان میں سے اکثر بزرگان دین ہیں اور بعض اہل خاندان وغیرہ ہیں۔ (آ)

۱۱ نومبر ۱۹۴۳ء (۴ ذی قعدہ ۱۳۶۲ھ) مقرر ہوئی تھی۔ آخری فیصلہ ۳ فروری ۱۹۴۴ء (۸ صفر ۱۳۶۳ھ) کو یہ ہوا کہ سلیمان مذکور کو ایک سال کی قید ہوئی۔"

رکنیت ڈسٹرکٹ کونسل:

حضرت والاؒ کی تحریر فرمودہ ایک یادداشت یہ ملی:

"ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کی رکنیت یکم جولائی ۱۹۶۰ء، پھر سوال نامہ کے جواب کے لئے سب کمیٹی مرتب ہوئی۔ اس میں بندہ کو لیا گیا۔ پھر تعلیمی سب کمیٹی بنی۔ اس میں بھی بندہ کو لیا گیا۔"

شذرات نمبر ۳

○ خیر الزیارۃ لمدرسہ عربیہ رحیمیہ انوار الہدایہ ○

مدرسہ عربیہ رحیمیہ انوار الہدایہ، دین پور (عرف جٹو والہ) متصل بہاولنگر میں حضرت والاؒ کا ورود مسعود، بعض بزرگانِ دین کی زیارت، بعض کے مزارات کی زیارت اور حضرت والاؒ کے تاثرات

(نوٹ: حضرت مولانا قاری نیاز احمد صاحب مدظلہٗ ناظم مدرسہ تجوید القرآن سب مسجد خیر پور ٹامیوالی ضلع بہاولپور (جن سے غالباً احقر مؤلف نے دریافت کیا ہوگا، جس پر انہوں نے تحریر فرمایا کہ (خیر المدارس سے) ۱۳۸۰ھ میں فارغ ہوئے اور ۱۳۸۱ھ میں تکمیل پڑھی) انہوں نے تقریباً ۱۳۹۱ھ (مطابق تقریباً ۱۹۷۱ء) میں پانچ صفحات کی ایک تحریر حضرت والاؒ کے بعض اسفار و زیارات مدارس و علماء و صلحاء وغیرہ کے احوال میں احقر کو ارسال فرمائی تھی۔ متعدد اعذار خصوصاً خیر السوانح کی تکمیل کو بے حد تاخیر کے بعد اب جلد از جلد تکمیل کے شدید تقاضے کی وجہ سے اختصار کرتے ہوئے اس کے صرف ایک حصہ کو اور حضرت والاؒ کے ایک مدرسہ کے بارے میں تاثرات اور رائے مبارک کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا جا رہا ہے)

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (۱۰ صفر ۱۳۸۷ھ) ایک حضرت اقدس قبلہ مہتمم صاحبؒ مدرسہ اشرف المدارس ہارون آباد ضلع بہاولنگر کے سالانہ جلسہ پر تشریف لے گئے۔ بندہ بھی دین پور شریف متصل بہاولنگر سے زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ مدرسہ اسلامیہ انوار الہدایہ دین پور شریف (عرف جٹو والہ) متصل بہاولنگر کا سالانہ جلسہ بھی تھا۔ عرض کیا کہ حضور وہاں بھی تشریف لے چلیں، جس پر مولانا سعید احمد صاحب ڈونگوی (ضلع بہاولنگر) اور صوفی حفیظ جالندھری نعت خواں ساہیوال دونوں نے فرمایا کہ پہلے وقت لینا چاہئے تھا۔ حضرت اقدسؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ان کے یہاں میں چلوں گا۔ فرمایا تم چلو اور میں بمعیت مولانا محمد یوسف (مرحوم بہاولنگری) آ جاؤں گا۔ چنانچہ آپ رات ۹ بجے میرے آنے سے قبل تشریف لے آئے۔ رات وہاں قیام فرمایا۔ صبح آیت محمد رسول اللہ والذین معہٗ (الآیۃ) پر آدھ پون گھنٹہ درس قرآن کریم دیا۔ کچھ دیر کے لئے حضرت صاحبزادہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب جانشین حضرت قطب عالم مولانا

الحاج الشاہ اللہ بخش صاحب بہاولنگری (خلیفہ مجاز حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ) کے پاس تشریف لے گئے اور پھر مدرسہ میں تشریف لائے۔ پنڈال کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ (رائے بک لکھی) فرمایا تمہارے لڑکوں کا امتحان لینا چاہئے تھا۔ (مگر جلسہ کی وجہ سے طلبہ کام وکاج میں مشغول تھے) حضرت بہاولنگری کے مزار مقدس پر بھی تشریف لے گئے۔ ۹ بجے کے قریب واپس بہاولنگر تشریف لے گئے۔ راستہ میں تھوڑے سے وقفہ کے لئے بندہ کے گھر بھی تشریف لے گئے۔ دین پور شریف جمعہ ہوتا ہے۔ بندہ نے دریافت کیا کہ جمعہ جائز ہے یا نہ؟ فرمایا: ابھی تک جمعہ یہاں جائز نہیں ہے۔"

حضرت والاؒ کے تاثرات ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین- اما بعد:

حسنِ اتفاق سے اس علاقہ میں آنا ہوا تو زمانہ قدیم یاد آ گیا۔ جب کہ میں منڈی صادق گنج میں خدمت تعلیم ادا کرتا تھا تو اس وقت مخدوم العلماء والصلحاء حضرت مولانا اللہ بخش صاحب خلیفہ قطب الارشاد قدوۃ العارفین حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہما کی بھی زیارت کے لئے آیا کرتا تھا۔ اوران کے فیوض وبرکات سے کچھ حصہ پاتا تھا۔ مگر انقلابِ زمانہ کی وجہ سے مدت دراز تک اس علاقہ سے دور رہا۔ آج تقریباً چالیس پینتالیس سال کے بعد اتفاقاً آنا ہوا۔ جب کہ اکابر واحباب ملک جاوداں میں چل بسے تھے۔ ہم بھی جانے کے لئے تیار ہیں۔ حق تعالیٰ ان مقدسین کے ساتھ ہمارا حشر کرے اوران کا جوار نصیب کرے اور جنت الفردوس ان کو اور ہمیں عطا کرے، آمین۔ اس لئے خیال آیا کہ ان حضرات کے مزاروں کی زیارت کر آئیں۔ سو مدرسہ عربیہ رحیمیہ انوارالھدایہ میں آنا ہوا۔ اور صاحبزادہ حافظ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہٗ کی زیارت بھی کی۔ دل بے شمار خوش ہوا۔ کیونکہ ان میں اوران کے سارے کنبہ میں نیک شعاری اور حسن اطواری پا کر پرانی جھلک محسوس کی۔ مدرسہ کی حالت، طلبہ اور مدرّسین اور تعلیم دین کا انتظام اسی طرح محسوس کر کے دل میں تازگی اور خوشی محسوس کی۔ آخر میں دُعاء کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اہلِ مدرسہ کو شرور وفتن سے محفوظ رکھے اوراس میں دن دونی رات چوگنی ترقی اور برکت دے، آمین ثم آمین۔

(دستخط حضرت مولانا)

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ

مہتمم مدرسہ عربی خیرالمدارس ملتان

۱۱صفر ۱۳۸۷ھ

شذرات نمبر۴ (تتمہ باب ۱۱ و باب ۲۰)

میانی افغاناں کی جامع مسجد میں حضرت والاؒ کا بیان اور آپ کے بعض اخلاق

حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ کی کتاب مکتوبات و ملفوظات اشرفیہ (پانچواں ایڈیشن) کے باب سوم سے حضرت حکیم الامتؒ کی کراماتِ معنویہ" کے زیر عنوان واقعہ نمبر۳ ذیل میں نقل کیا جاتا[1] ہے۔ اس کے اخیر میں ہمارے حضرت والاؒ کی ایک تقریر کا ذکر ہے (اور اس اعتبار سے یہ باب ۱۱ مواعظ حسنہ کا تتمہ ہے) اور اس تقریر اور متعلقہ واقعہ سے حضرت والاؒ کے بعض اوصاف مثلاً عفو و درگزر، صاف گوئی اور بلاغت، سیر چشمی اور استغناء، زہد و قناعت اور تقویٰ و طہارت پر روشنی پڑتی ہے۔ (اس لحاظ سے یہ باب ۲۰/ اخلاق و عادات (خیر الشمائل والخصال کا تتمہ ہے) حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ مجاز بیعت حضرت حکیم الامتؒ) کے الفاظ میں واقعہ درج ذیل ہے:

"مروجہ رسوم میں عدم شرکت کے باعث بعض حضرات ہم سے خوش نہ تھے۔ ایک روز چھٹی ملنے پر سکول سے ہم گزر رہے تھے، بازار میں جگہ جگہ بڑے بڑے پوسٹر چسپاں دیکھے، جس میں حضرات دیوبند بالخصوص حضرت سید اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت تھانویؒ پر کفر کے فتوے تھے۔ سارے شہر میں ایک آگ سی لگ گئی۔ مخالفین نے ایک بڑے جلسے کا انتظام کیا۔ ہمیں معلوم ہوا کہ آنے والے حضرات واعظین کے قیام و طعام کا انتظام قصبہ کے رئیس اعظم میاں محمد کرار خاں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ میاں محمد کرار خاںؒ ہمارے حضرت والاؒ کے محبّ اور معتقد تھے۔ مجھے اور حاجی شیر محمد صاحب کو تعجب گزرا۔ ہم پہنچ گئے، میاں صاحب نے فرمایا:

میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔ ان مولویوں کو تقریر سے پہلے میں ہی سنبھال لوں گا۔ شر پھیلانے کی ان میں ہمت نہ ہوگی، آپ بےفکر رہیں۔

ابھی ہم بیٹھے تھے کہ جلسہ کے چند منتظمین بھی آ گئے اور کہا میاں صاحب! سب کچھ آپ ہی کو کرنا ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا: سب کچھ کروں گا، انہیں کوئی تکلیف ہی نہ ہونے دوں گا۔ لیکن ایک بات سن لو" اشرف علی کی مخالفت کا انجام اچھا نہ ہوگا۔"

جلسہ کا دن آ گیا۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان دیکھی۔ طوفان بادوباراں نے ان کے خیمے اور دیگر انتظامات درہم برہم کر دیئے۔ کئی اصحاب تو پہنچ ہی نہ سکے۔ ایک مولوی صاحب جالندھر سے آ گئے۔ بارش لگاتار ہوتی رہی۔ بلا تقریر واپس ہوئے۔ لاہور کے ایک بڑے مولوی صاحب نے خرچ اتنا زیادہ طلب کیا کہ منتظمین دے نہ سکے۔ ایک پیر صاحب جو راگ سنتے تھے جو میانی افغاناں کے ایک قریبی گاؤں غلزیاں سے کچھ سال پہلے ذلیل و خوار ہو کر نکلے تھے، پہنچ گئے۔ ان کی ذلت کا قصہ یہ ہوا تھا کہ ان کے ایک مرید کی ہمشیرہ بہت حسین تھی۔ مرید کو کہا کہ اپنی بہن سے نکاح کرادو۔ وہ کسی بہانے سے ورغلا کر

---

[1] یہ واقعہ (ق) نے اپنے مسودہ خیر السوانح میں درج فرمایا تھا۔ (آ)

لے آیا۔ رات کو نکاح کیا۔ لڑکی کے گاؤں والوں کو اس فریب کا پتہ چل گیا۔ لاٹھیاں لے کر پہنچ گئے۔ صبح لاٹھیوں کے سایہ میں پیر صاحب نے طلاق دی اور کئی سال روپوش رہے۔ کسی کو اپنا منہ تک نہ دکھا سکے۔

خیر یہ میانی افغاناں پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے جو پہلے مدرسہ خیرالمدارس جالندھر میں پڑھتے تھے۔ پھر مدرسہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ پیر صاحب اور ان کے صاحبزادے خیرالمدارس کے بھگوڑے جامع مسجد میں پہنچ گئے۔ بڑے لڑکے نے تقریر میں کوئی نامناسب بات نہیں کی۔ چھوٹا فارسی میں ایک فقرہ کہہ گیا کہ ان (دیوبندیوں) کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اب پیر صاحب کھڑے ہوئے تو صرف اتنا ارشاد فرما کر بیٹھ گئے کہ میں تقریر رات کو کروں گا اور نور کا مطلب سمجھاؤں گا۔ رات چارپائی پر بیٹھ کر تقریر فرمائی۔ عشاء کی نماز نہیں پڑھی اور تقریر میں ایک فقرہ یہ کہہ گئے کہ اگر یہ دونوں (احقر اور حاجی شیر محمد صاحب) تمہاری مجلسوں میں آئیں تو ان کو جوتے مار کر نکال دو۔ صبح منتظمین نے غالباً چھیاسٹھ روپے پیش کئے تو یہ کہہ کر لے لئے کہ اتنے روپوں پر تو میں پیشاب بھی نہیں کرتا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اتنے روپے ملیں گے تو ہم نہ آتے۔

قصبہ میں ان باتوں کا چرچا ہوا۔ ان کے معتقدین ہی باتیں کرتے پھرتے تھے اور گھر گھر پیر صاحب اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین کے اخلاق اور دین داری کا موازنہ ہو رہا تھا۔ کچھ روز بعد اسی جامع مسجد میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریر فرما رہے تھے۔ مولانا نے فرمایا جتنی گالیاں فلاں پیر صاحب اور ان کے بیٹوں نے ہمارے حضرات کو یا ہمیں آج تک دیں یا آج کل دے رہے ہیں یا اپنی زندگی تک آئندہ دیں گے، سب معاف اور فرمایا: اے اللہ! ہماری وجہ سے ان پر مواخذہ نہ کیجیو۔ اگر کسی کو ہماری وجہ سے سزا بھی ہوگئی تو ہمیں کیا ملا؟ لیکن حضرات اتنی بات تو آپ مجھے بتا دیں کیا غلزیاں والا واقعہ وہ بھول گئے؟ پیر صاحب نے سالہا سال منہ کیوں چھپائے رکھا۔ کیا ہمیں گالیاں دینے کی وجہ سے وہ آپ کے محبوب اور بزرگ بن گئے۔ دوستو! عقلوں کو کیا ہوگیا ہے۔ اس کا بھی تو کچھ جواب دیجئے۔ مسجد میں سناٹا تھا۔ مولانا کی روانگی کے وقت غالباً پچیس روپے مولانا مرحوم کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ مولانا مرحوم نے فرمایا: ''آٹھ آنے آتے ہوئے ریل کا کرایہ لگا، آٹھ آنے واپسی پر لگے گا۔'' ایک روپیہ اٹھایا اور فرمایا: ''میں نے اپنا حق لے لیا۔'' قصبہ میں پیر صاحب اور مولانا موصوف کے اخلاق اور دینداری کا جگہ جگہ موازنہ اور تقابل ہو رہا تھا۔''

خدمات سیاست اسلامیہ تابع شریعت مقدسہ

(یعنی مساعی قیام نظام اسلام و (۲) وحدت یا اتحاد جمعیۃ علماء اسلام، اور (۳) تائید پاکستان)

تمھید

اسلام میں سیاست:

اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں ہدایات دیتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سیاست اسلام سے خارج ہو۔ لیکن یہ بات شرح طلب ہے اور ایسی ہی ہے جیسے مثلاً کہا جائے کہ کتاب وسنت شریعت کے ابتدائی لازمی ماخذ ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو بھی روایت خواہ اس کو غیر ثقہ ہی بیان کرے اور خواہ وہ موضوع ہی ہو وہ بھی شریعت کا ماخذ ہے۔ یا جیسے اسلام میں تصوف ہے یا نہیں؟ تو جو صحیح تصوف کتاب وسنت سے ثابت ہے یعنی تصحیح نیت، اصلاحِ باطن، کثرتِ ذکر اور صفت احسان کو حاصل کرنا بذریعہ اس کے وسائل کے تو بے شک یہ وہ تصوف ہے جو اسلام میں ہے، لیکن یا تو بہت سے زوائد بلکہ خلاف شریعت اسلامیہ جن خرافات کا نام درحقیقت جہلاء نام نہاد صوفیہ نے تصوف رکھ دیا ہے، یا اعداء اسلام و مسلمین نے صوفیہ کی بعض شرح طلب مشکل اصطلاحات کو غلط معانی پہنا کر اور تحریف کر کے تصوف کو کفریہ عقائد سے مرکب ظاہر کیا ہے۔ بلکہ خود اپنے کفریہ عقائد پر پردہ ڈالنے کے لئے صوفیاء کرام کے کلام سے تلبیس و دسیسہ کاری کر کے کفریہ عقائد نکالنے کی مذموم سعی کی ہے۔ اس مصنوعی ''تصوف'' کا اسلام سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

افادات حضرت والاؒ:

اسی طرح احقر مؤلف کو ابتداء میں یہ غلط فہمی تھی کہ سیاست تو دین کا جز ہے۔ پھر اکابر علماءِ دین اور صلحاء کا بڑا طبقہ موجودہ سیاسیات سے کیوں بڑے حد تک یکسو ہے۔ یا کم از کم ایسی گرمجوشی نہیں دکھا رہا جیسا کہ اس زمانہ کے سیاست دان دکھا رہے ہیں؟ یہ سوال دل میں پوشیدہ تھا اور شیخ کی خدمت میں سوال و جواب اور چون و چرا طریق اصلاح میں مانع ہے۔ اور خلاف معمول ہے۔ لیکن ع اے لقائے تو جواب ہر سوال

ایک بار حضرت والاؒ نے احقر کی موجودگی میں خود ہی کسی صاحب سے فرمایا کہ ''اسلام میں سیاست ہے، لیکن یہ (مغربی اور مروّج) سیاست نہیں۔'' تقریباً ایسے ہی الفاظ تھے یا مفہوم یہی تھا۔ اس مختصر اور پُر مغز بات کو سُن کر احقر کے برسوں سے کھٹکنے والے سوال کا جواب مل گیا اور یہ عقدہ ہی حل ہوگیا۔

سیاست اسلام:

سیاست اسلام کی ایک مثال حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب دی ہے کہ اگر مسلمان مجاہد کسی حربی کافر سے دست بدست لڑ رہا ہے اور کافر مغلوب ہو کر قتل ہوا چاہتا ہے، اس حالت میں سر پر تلوار دیکھ کر بظاہر جان بچانے کے

لئے کلمہ پڑھ لے تو اسلامی سیاست کالازمی تقاضا ہے کہ مسلمان مجاہد اسی وقت ہاتھ روک لے۔ اس کو یہ کہنے کا ہرگز حق نہیں کہ تو نے قتل سے بچنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے اور تو مسلمان نہیں۔ ورنہ اس پر حضور ﷺ کا زجر و عتاب منقول ہی ہے، کہ "هلا شققت قلبه؟" (او کما قال ﷺ) حالانکہ اس کو محض کلمہ پڑھتے سن کر چھوڑ دینا دنیوی اور مغربی سیاست کے تو بالکل خلاف ہے۔

افادات حضرت مسیح الامتؒ:

جب احقر مؤلف کے دل میں مغربی سیاست اور اس کا بالکلیہ خلاف دین ہونا اور اس کے مسلمانوں کے حق میں بدترین نتائج دیکھتے دیکھتے سیاست سے شدید نفرت پیدا ہوگئی تو ایک اور واقعہ پیش آیا۔

ایک بار جدہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے ایک قاری صاحب ساتھ تھے جو سیاست کے دلدادہ تھے۔ راستے میں سیاست پر گفتگو ہوئی۔ حرم شریف پہنچے تو وہاں سیدی الامۃ حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی زیارت ہوئی۔ اب یہ یاد نہیں کہ کچھ سوال کیا تھا یا حضرتؒ نے بغیر سوال ہی فرمایا، کیونکہ وہاں بھی یہی بات تھی کہ

ع اے لقائے تو جواب ہر سوال

(اور اس میں کچھ تعجب نہیں، گو ہمارے بزرگوں کو عموماً کشف نہیں ہوتا۔ وہ خود اس کا انکار فرماتے ہیں۔ البتہ یہ القاء یا الہام ہے کہ طالبین کی ہدایت و رہنمائی کے لئے منجانب اللہ تعالیٰ قلب میں ایسے علوم ڈالے جاتے ہیں جو ان کے لئے مفید ہوں اور ان کے سوالات کا جواب من جانب اللہ القاء ہوتا ہے۔ اور حضرت مسیح الامتؒ کے ملفوظات میں بھی یہ بکثرت پایا جاتا تھا کہ حاضرین کے سوالات کا جواب بغیر پوچھے مل جاتا تھا) حضرت مسیح الامۃؒ نے فرمایا: ''وہ دین مکمل نہیں جس میں سیاست نہ ہو اور وہ سیاست نہیں جو شریعت کے تابع نہ ہو۔'' یا اس کے قریب قریب الفاظ تھے۔ بس یہ بھی وہی بات ہوئی جو فقیہ الامت خیر العلماء ہمارے حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ''اسلام میں سیاست ہے، لیکن یہ سیاست نہیں۔''

امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

سیاست اسلام کی ایک اور مثال خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ کسی موقع پر ایک حربی کافر کو قتل کرنے کے لئے اس کے سینہ پر سوار تھے کہ اس نے آپ کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا۔ جس پر حضرت علیؓ نے اس کافر کو چھوڑ دیا۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ اب تو غصہ میں اور بھی جلدی قتل کرتے، یہ کیا ہوا۔ دریافت کرنے پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہم جہاد اللہ کے لئے کرتے ہیں۔ جب تو نے تھوک دیا تو اب تجھ کو قتل کرنا نفس کے لئے ہوتا، اس لئے چھوڑ دیا۔

نتیجہ:

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل بنیادی کام تصحیح نیت، تربیت باطن، للّٰہیت و اخلاص اور اصلاحِ نفس ہے۔ قتال و جہاد جب ہی فی سبیل اللہ ہو سکتا ہے کہ تربیت باطن ہوئی ہو، یعنی سلوک طے کیا ہو۔ ماضی قریب میں اس کی مثال حضرت

حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ کے بزرگوں کا جہاد میں حصہ لینا اور ان سے قبل حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مرشد حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جہاد میں حصہ لینا ہے۔

اصلاحِ اُمت یا صرف اصلاحِ حکومت؟

باب نہم ''خیر المدارس ملتان'' میں ایک مختصر مگر نہایت اہم اور مفید مضمون مندرجہ ذیل عنوان کے تحت گزر چکا ہے:

''اصلاحِ اُمت کے لئے فریضہ اصلاح وتزکیہ اور تعلیم وتبلیغ یا صرف حکومت کی اصلاح۔ کیا زیادہ اہم اور ضروری ہے؟ ایک غلط فہمی کا ازالہ اور اس کی اصلاح۔''

(۱) جائز اور شریعت اسلامیہ کے پوری طرح قدم بقدم تابع رہ کر بھی سیاست اور سیاسی اصلاح میں حصہ لینے۔ اور

(۲) اُمت کی انفرادی واجتماعی اصلاح بذریعہ درس وتدریس اور تعلیم، تزکیہ واصلاحِ نفس اور تبلیغ ودعوت۔

ان دونوں کاموں میں سے اہمیت کے لحاظ سے ترتیب کیا ہونی چاہئے؟ اس کا محققانہ، واضح اور حتمی جواب اس میں دیا گیا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اس کو یہاں مکرر لکھا جائے، وہاں دوبارہ ملاحظہ فرمالیا جائے۔

عبادات اور سیاسی خدمات:

جب صرف حکومت کی اصلاح کے مقابلہ میں تعلیم وتبلیغ اور اصلاح وتزکیہ کی اہمیت زیادہ ہونا معلوم ہوگئی تو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جب تک تعلق باللہ قوی نہ ہو اور اپنی اصلاح کسی درجہ میں نہ کرائی گئی ہو، اس وقت تک خدمت خلق، اصلاحِ اُمت، تزکیہ تعلیم اور دعوت وتبلیغ کا کام بھی صحیح طور پر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اپنی اصلاح نفس فرض عین ہے اور بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا بھی فرض عین ہے۔ اس پر سب سے پہلے توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بلکہ عالم باعمل اور سلوک میں منتہی کو بھی کسی حالت پر پہنچ کر کسی قسم کی عبادت میں کمی نہ آنے دینا چاہئے۔ یہ بات ذیل کے واقعہ سے بخوبی واضح ہوسکتی ہے کہ حضرت والاؒ کے نزدیک اپنی عبادات کی اہمیت سیاسی خدمات کے مقابلہ میں کتنی زیادہ ہے۔

احقر مؤلف کے سامنے کا واقعہ ہے کہ کسی الیکشن میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ حصہ لینے والے تھے اور حضرت والاؒ کو اطلاع ملی کہ الیکشن رمضان شریف کے بعد ہونے والا ہے۔ تو حضرت والاؒ نے چند بار افسوس کے ساتھ فرمایا کہ افسوس رمضان شریف خراب ہو جائے گا۔ یعنی الیکشن کی تیاری میں رمضان شریف میں جو عبادت ہونا متوقع ہوتی ہے وہ نہ ہوسکے گی۔ اگر الیکشن میں علماء کا حصہ لینا حضرت والاؒ کے نزدیک جہاد ہوتا تو یہ نہ فرماتے۔ کیونکہ جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری تو خود عبادت ہے۔

نوٹ: حضرت مجدد تھانوی، حضرت والا اور حضرت مسیح الامۃ رحمۃ اللہ علیہم کے مندرجہ بالا افادات سے سیاست اسلام کی بقدر ضرورت کافی وضاحت ہوگئی ہے۔ لیکن ذیل میں مزید کچھ افادات مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہما اللہ تعالیٰ کے پیش کئے جاتے ہیں، جن سے ایک مبتدی کو مزید تفصیلی طور پر سیاست اسلام سے اور دورِ حاضر کے بعض فتن کی بنیادی اور اصولی خرابیوں سے آگاہی ہو جائے گی۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (ہند) میں

مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا ورود مسعود

احقر مؤلف ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۷ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا طالب علم رہا، اسی دوران میں (شاید ۱۹۴۴ء اور ۱۹۴۶ء کے درمیان) مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نوراللہ مرقدہٗ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تشریف لائے، یونیورسٹی میں جو سڑک پروفیسر ابوبکر احمد حلیم صاحب (جو اس وقت پرو وائس چانسلر تھے) کی کوٹھی کے پاس سے گزرتی تھی اس پر حضرت سید صاحبؒ کے ہمراہ پیدل چلنا یاد ہے۔ اور یہ بھی یاد ہے کہ حضرت سید صاحبؒ ہر ایک دو قدم چلنے پر اللہ اکبر کہتے تھے۔ بہر حال احقر راستہ ہی میں بہت سے سوالات کرتا رہا اور جواب ملتے رہے۔ ان میں سے ایک سوال ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے بارے میں بھی تھا، ان کی تالیفات میں جو باتیں خلاف عقائد اہل سنت والجماعت بعد میں معلوم ہوئیں، اس وقت ان میں سے بعض تو تحریر ہی میں نہ آئی تھیں یا بعض مشہور نہیں ہوئی تھیں۔ احقر اس وقت علم دین سے تقریباً کورا ہی تھا۔ بہر حال ان کی تحریرات کے مطالعہ سے کھٹک ضرور پیدا ہوتی رہتی تھی۔ جو سوالات کئے ہوں گے وہ تو یاد نہیں، لیکن حضرت سید صاحبؒ کے جوابات لوح قلب پر پتھر کی لکیر کی طرح مرتسم ہو گئے، اور اب تک خوب یاد ہیں۔ حضرت سید صاحبؒ کے جوابات ایسے نہیں تھے جن سے ناواقف و جاہل چونک جائے۔ بلکہ ایسے نرم انداز میں تھے جن سے حقیقت بھی واضح ہو جائے اور چونکنے کی نوبت بھی نہ آئے۔ اور جیسا کہ عرض کیا، خلاف اہل سنت والجماعت عقائد کا اس وقت کچھ خیال ہی نہ تھا۔ نہ جواب میں اس طرف اشارہ تھا۔ بلکہ ایسے جوابات تھے جو دین سے ناواقف جدید تعلیم کے ایک طالب علم کی سمجھ میں بھی آجائیں۔ اور ٹھوس متن تھے جن کی شرح خاصی طویل ہو سکتی ہے، لیکن صرف اشارہ کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

(۱) ''پہلا قدم ہے'' انگریزی تعلیم کے ماحول میں الحاد و زندقہ، نیچریت و مرزائیت اور شیعیت (رفض) اور شیوعیت (کمیونزم) وغیرہ کے درمیان ''پہلا قدم'' کہنے سے اس کی تصحیح ہرگز مقصود نہیں، بلکہ یہ مقصود ہے کہ ابھی آگے بھی نظر ڈالو۔ ایک ناواقف کے لئے ایسے نرم انداز میں دعوت فکر دینا بڑے محقق کا کام ہے۔ اس کے معنی یہ بھی سمجھ میں آسکتے ہیں کہ ظلمات کے اندر ''اشد'' سے ''شدید'' کی طرف پہلا قدم ہے۔ رفتہ رفتہ قدم بڑھانے سے ظلمات سے نکلنے کا راستہ مل سکتا ہے۔ نیز فرمایا:

(۲) ''پانچویں امامت ہے'' اس کا مطلب تو واضح ہی ہے۔ بزبان حال ادعائے امامت، غیر مقلدیت، خود رائی اور اتباع سے فرار، بلکہ اہل سنت والجماعت سے خروج وغیرہ کی قباحتوں کی طرف بخوبی اشارہ ہو گیا۔ نیز فرمایا:

(۳) ''صحابہ کرام نے پہلے اپنے جسموں پر اسلام کو نافذ فرمایا تھا، پھر زمین پر نافذ فرمایا۔'' یہ جملہ روایت باللفظ و بالمعنی سے مرکب ہے۔ شاید کوئی لفظ ادل بدل ہو گیا ہو۔ جتنا زمانہ گزرتا گیا، اس جملہ کی قدر دل میں بڑھتی چلی گئی اور نہ صرف ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتابوں کے مطالعہ سے جو ذہنی اُلجھنیں پیدا ہوگئی تھیں وہ بنیادی طور پر تقریباً سلجھ گئیں اور اللہ تعالیٰ

نے بالآخران الجھانے والے فتن اور ضلالتوں سے حفاظت فرمائی بلکہ آئندہ چل کر پاکستان میں پیش آنے والی سیاست کی قباحت بھی خوب واضح ہوگئی، والحمد للہ علی ذٰلک۔

مخدومنا حضرت سید صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے مندرجہ بالا افادات سے راستہ میں چلتے چلتے استفادہ ہوا۔ پھر حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ چلتے چلتے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب (جو اس وقت یونیورسٹی میں صدر شعبہ اُردو تھے) کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر بھی احقر کے سوالات اور حضرت سید صاحبؒ کے افادات کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ حضرت سید صاحبؒ اسی شفقت وعنایت اور اہتمام سے اس جاہل کی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ احقر رُخصت ہوا تو حضرتؒ کھانے پر تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سید صاحبؒ کو اپنے قرب ورضا کے درجات میں لحہ بہ لحہ بے انتہا ترقیاں عطا فرمائے، اللّٰھم ارحمہ رحمۃ واسعۃ وادخلہ جنت النعیم، آمین ثم آمین۔

پاکستان بننے کے بعد احقر کے کراچی آنے پر جب حضرت سید صاحبؒ بھی کراچی تشریف لے آئے تو کئی بار حاضر خدمت ہوا۔ چند بیانات بھی سنے۔ غرضیکہ بارہا زیارت نصیب ہوئی۔ ایک بار کسی مسجد میں زیارت یاد ہے۔ ایک بار کسی اور مسجد میں تبلیغی جماعت کے اجتماع میں بیان سنا۔ ایک دفعہ سیرت کے کسی جلسہ میں پہلے مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا، پھر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ کا، پھر حضرت سید صاحبؒ کا بیان ہوا۔ سیرت کے جلسوں میں ایک بار کراچی ایئرپورٹ کے علاقہ میں اور ایک بار اُردو کالج میں سیرت کا بیان سنا۔ سرکاری ملازمین کے کوارٹروں کے درمیان جمشید روڈ کلفٹن روڈ کے قریب غالباً جامع سلیمانیہ میں حضرت سید صاحبؒ کا درسِ قرآن ہوا کرتا تھا۔ ایک بار اس درس میں بھی شریک ہوا۔ ایک جملہ یاد پڑتا ہے جس کا مفہوم ایسا تھا کہ لیاقت علی (وزیراعظم) کو تو ٹھیک ہونا چاہئے ہی، لیکن اے کلرکو! تمہیں بھی تو ٹھیک ہونے کی ضرورت ہے۔ یعنی بس حکومت میں وزیراعظم اور وزراء وغیرہ درست ہوجائیں، یہی کافی نہیں، بلکہ حکومت کے پورے عملہ کی اصلاح بھی تو ضروری ہے۔ چونکہ مخاطب اکثر سرکاری ملازمین تھے، اس لئے یہ فرمایا، ورنہ یہ فرماتے کہ عامۃ المسلمین کی اصلاح بھی تو ضروری ہے۔ اور یہ وہی بات ہے جیسا کہ حضرت والاؒ کے ارشاد میں گزرا کہ حکومت کی مشینری درست کرنے کی سعی سے بیسیوں گنا زائد خود اپنی اصلاح اور دعوت وتبلیغ اور عوام کی اصلاح کے لئے سعی کی ضرورت ہے۔

مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بیان اور مودودیت کی غلطی واضح ہونا:

پھر ایک مدت دراز گزرنے کے بعد مخدومنا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا ایک بیان مدرسہ خیرالمدارس کے سالانہ اجتماع کے موقع پر سنا۔ اس وقت احقر کا تعلق حضرت والاؒ سے ہوچکا تھا۔ لیکن ابھی ابتدائی دور تھا۔

خدمت اقدس میں اس وقت تک کم ہی رہنا ہوا تھا اور ابھی دینی تعلیم کی ضرورت بھی باقی تھی۔ اسی لئے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کی بظاہر اسلامی نظام کے لئے سعی کو نظرِ استحسان سے دیکھتا تھا۔ اس وقت تک مودودیت کی ایک بنیادی غلطی واضح نہیں ہوئی تھی جو حضرت مفتی صاحبؒ کے بیان سے واضح ہوگئی۔ حضرت مفتی صاحبؒ کا بیان اس موضوع پر تھا کہ لوگ ''رجال'' کے اتباع کے بارے میں افراط وتفریط میں مبتلا ہیں (افراط کا مصداق تو اس زمانہ کے مبتدعین بریلوی وغیرہ جو صرف ''رجال'' کی طرف منسوب روایات وحکایات کو دین کی بنیاد بنائے بیٹھے ہیں اور تفریط میں مبتلا دوسری قسم کے مبتدعین اور غلو میں مبتلا یعنی غیر مقلدین اور مودودی صاحب اور ان کی جماعت والے ہیں جو اتباعِ سلف اور مفسرین، شارحین حدیث اور حضرات فقہاء کرام کے اتباع سے آنکھیں بند کر کے خود اپنی رائے سے کتاب وسنت کو جیسا سمجھیں اس اپنی رائے سے تفسیر اور اپنے سمجھے ہوئے معانی حدیث ہی کو اصل کتاب اور اصل سنت سمجھتے ہیں اور ائمہ اُمت نے جو تفسیر بیان فرمائی یا حدیث کے معانی سمجھے ان کو کتاب وسنت کے خلاف ان کی رائے کہتے ہیں۔ پھر عوام غیر مقلدین اپنے آباء واکابر کی ''تقلید'' میں جو کتاب وسنت سے سلف صالحین کے خلاف خود سمجھتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ کتاب وسنت کو سلف صالحین ائمہ دین نے اپنے راسخ علم، خداداد فہم اور تفقہ فی الدین سے تقویٰ وطہارت کے اعلیٰ معیار پر ہوتے ہوئے جو سمجھا ہے ائمہ کے مقلدین ان کی تقلید ترک کر کے خود ان غیر مقلدوں کی اندھی تقلید کریں، جیسا کہ وہ خود کررہے ہیں۔ اگر عقلِ سلیم، فہم صحیح اور عصبیت و ضد کو ترک کر کے غور کیا جائے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ میں گڑگڑا کر ہدایت کی دعاء کی جائے تو بعد تحقیق ورجوع الی اللہ تو خیر القرون کے ائمہ سلف کی تقلید ہی کتاب وسنت پر عمل کا بہترین طریقہ سمجھ میں آئے گا۔ وباللّٰہ التوفیق وھو المستعان (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حضرت والاؒ کی تالیف لطیف ''خیر التنقید فی سیر التقلید'' جس کے آخر میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی ایک قابلِ دید تحریر ''الکلام فی التزام التقلید'' بھی ہے)

آمدم برسرِ مطلب:

اب اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت والاؒ کا اصل کام تو سنت نبویہ (علیہ اھلھا آلاف الوف سلام و صلوۃ و تحیۃ) کے مطابق تعلیم کتاب وسنت، تزکیۂ نفوس اور دعوت وتبلیغ دین کا کام تھا۔ چنانچہ پاکستان ہجرت فرمانے کے بعد سب سے پہلا اور اہم ترین کام مدرسہ خیر المدارس کی نشاۃِ ثانیہ کا کام تھا۔ اور گو خانقاہ کا نام استعمال نہیں فرمایا، لیکن مدرسہ ہی میں خانقاہ کا کام بھی ہوتا تھا، یعنی تزکیۂ نفوس۔

مندرجہ بالا اہم ترین دینی کام کی بنیاد پڑنے اور کام جاری ہونے کے بعد وہ سیاست جو شریعت مقدسہ ومطہرہ کے تابع اور اس کی خادم ہے، اس کی طرف بھی توجہ فرمائی، اور اس میں اہم ترین خدمات انجام دیں، جن کا تذکرہ ذیل میں آرہا ہے۔ مثلاً پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیلِ نو، وحدت جمعیت علماء اسلام اور قیام نظام اسلام کے لئے مساعی (حضرت والاؒ کا نہایت درجہ اخلاص وللّٰہیت اور بے نفسی ہی اس کا سبب ہوسکتی ہے کہ ان مساعی کو حضرت والاؒ نے بجائے

خدمات کے ''اسفار مہم'' کے پردہ میں بیان فرمادیا ہے، تا کہ بطور ''خدمات'' کے اظہار بھی نہ ہو اور تاریخی واقعات بھی محفوظ ہوجائیں) اس کے علاوہ محترم ماسٹر اقبال قریشی صاحب نے حمایت تحریک پاکستان وغیرہ کے عنوانات کے تحت جو تحریر فرمایا ہے اس کو لیا جارہا ہے اور ان کے علاوہ بھی بعض مضامین آرہے ہیں جو احقر مؤلف نے لئے ہیں۔

اب سب سے پہلے جمعیت علماء اسلام کی تشکیلِ نو کے بارے میں حضرت والاؒ کے ایک قدیم تلمیذ ہمارے ایک بزرگ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ العالی (مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی) نے جو معلومات سے بھرپور تحریر ارسال فرمائی،[1] اس کو بتغییر یسیر یہاں دیا جاتا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیلِ نو سے حضرت الاستاذ مولانا خیر محمدؒ کا تعلق:

''جہاں تک احقر کو یاد ہے پاکستان میں جمعیت علماء اسلام کی تشکیل نو کا کام ۱۹۵۳ء سے پہلے ہوا تھا۔ ملتان مسجد سراجاں (یا مسجد مولانا خدا بخش صاحب ملتانی '' متوسل خاص حضرت مدنیؒ '') میں اجلاس ہوا۔ حضرت خیر العلماءؒ کی ہی غالبًا صدارت تھی۔ مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ نے حضرت مدنی قدس سرہٗ کے متعلقین کو دعوت دی کہ اب مسئلہ نظامِ اسلام نافذ کرانے کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اب مل کر کام کریں۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ نے اس کا مثبت جواب دیا۔ طے پایا کہ کل خیر المدارس میں بعد المغرب میٹنگ ہوگی اور بعد العشاء جلسہ عام۔ یہ میٹنگ حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحبؒ کی زیر صدارت ہوئی۔ کچھ بحث کے بعد کچھ تلخی سی بھی ہوگئی، لیکن بعد نماز عشاء لاؤڈ سپیکر پر اعلان ہوا کہ نماز سے فارغ ہوکر قاضی عبدالکریم، قاضی عبداللطیف صاحب اور مفتی محمود صاحب فلاں کمرہ میں تشریف لے آئیں۔ ہم لوگ وہاں پہنچے تو مولانا احتشام الحق صاحبؒ انتظار کررہے تھے۔ بات چیت کے بعد جمعیت علماء اسلام کے نام سے نظامِ اسلام نافذ کرانے کے لئے مشترک جدوجہد کرنے کا عزم طے ہوا۔ نیز یہ بھی کہ اس کا پہلا اجلاس 'نظام اسلام کانفرنس' کے نام سے ڈیرہ اسمٰعیل خان (صوبہ سرحد) میں منعقد کیا جائے۔ تاریخ طے ہوئی اور یہ بھی کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ اور مولانا احتشام الحق صاحب بحیثیت صدر کانفرنس میں شریک ہوں۔ ضلع ڈیرہ میں غالبًا سب سے پہلے اس جمعیت کی تشکیل ہوئی۔ مولانا مرید احمد شاہ صاحبؒ اس کے صدر مقرر ہوئے اور راقم الحروف عبدالکریم غفرلہٗ ولوالدیہ اس کے ناظم۔

کانفرنس کے صدر استقبالیہ حضرت صاحبزادہ عبدالحلیم صاحب شیرانی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن کی جانب سے خطبہ استقبالیہ بندہ نے پڑھا۔ یہ جلسہ ظہر کو ڈیرہ اسمٰعیل خان میں میدان حافظ جمال صاحبؒ میں ہوا اور اسی اثناء میں کابل ریڈیو کا

---

[1] یہ کام محترمی مولانا عبدالمنان صاحب مدظلہٗ (مہندس المسجد الحرام مبانی قدیمہ ترکیہ) کے حسن تعاون سے انجام پایا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں معلومات عطا فرمانے کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں درخواست کی گئی، جس پر انہوں نے ضروری معلومات بہم پہنچا کر بحسن ذوقی یہ عظیم تعاون فرمایا اور اپنے قیمتی اوقات کو اس اہم کام کے لئے صرف فرمایا۔ فجزاهما الله تعالى خير الجزاء (آ آ)

یہ اعلان سنا گیا کہ پاکستان ڈیرہ اسمٰعیل خان میں 'نظامِ اسلام کانفرنس' مولانا احتشام الحق تھانویؒ کے زیرِ صدارت ہو رہی ہے۔ رات کا اجلاس جامع مسجد کلاں ڈیرہ اسمٰعیل خان میں ہوا۔ جس میں مولانا احتشام الحق تھانویؒ نے خطبہ صدارت پڑھا۔ مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے جمعیت کی اس تشکیلِ نو کے لئے سرحد کے بعض اضلاع کا دورہ کیا اور عین اجلاس ظہر کے وقت بعض رفقاء کے ساتھ واپس ہوئے۔

اس کے بعد ملتان میں میٹنگ ہوئی جس میں ذمہ دار حضرات کا انتخاب ہوا۔ یہ ناکارہ اس میں نہیں گیا۔ بھائی قاضی عبداللطیف صاحب سلمہٗ اور مولانا مفتی محمود صاحبؒ شریک تھے۔ صدارت کے لئے غالبًا حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب ہوا۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں عملی یگانگت نہ ہو سکنے کی وجہ سے یہ اتحاد تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ ما شاء اللّٰہ و الامر بید اللّٰہ تعالیٰ.

۱۹۵۶ء کو پھر حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے مولانا مفتی محمود صاحبؒ نے ایک مراسلہ علماء کے نام جاری فرمایا۔ چنانچہ اسی میں جمعیت کی تشکیل ہوئی۔ اس میں بھی ہم لوگ شامل تھے۔ امیر حضرت لاہوریؒ منتخب ہوئے اور ناظم اعلیٰ مولانا غلام غوث صاحب ہزارویؒ۔ اس میں مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ اور مولانا داؤد غزنویؒ بھی شریک تھے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی معلومات کے مطابق شریک تھے لیکن اکٹھ کا یہ سلسلہ بہرصورت چل نہ سکا۔''

وحدت جمعیت علماء اسلام اور قیامِ نظامِ اسلام کے لئے مساعی[1]

(از ''نقشِ حیات'' حضرت والاؒ کی خودنوشت سرگزشت)

﴿اسفار مہمہ﴾

(۱) وحدت جمعیت علماء اسلام:

''مخدوم العلماء والفضلاء شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے وصال کے بعد جمعیت علماء اسلام کا شیرازہ بکھر گیا۔ بجائے ایک کے کئی جماعتیں بن گئیں۔ جمعیت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، جمعیت مولانا احتشام الحق صاحب، جمعیت مولانا اطہر علی صاحب (مشرقی پاکستان) باہمی متحد العقائد علماء کا یہ اختلاف اہلِ علم ہم مشرب کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ اس لئے حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کی تحریک سے باہمی اتحاد کی صورت پر غور کیا گیا۔ اس سلسلہ میں احقر کے نام پر قرعہ پڑا۔ لہٰذا ۱۶ دسمبر ۱۹۵۴ء (۲۰ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ) لغایۃ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۴ء (۲۴ ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ) بندہ مع جناب مولانا محمد شفیع صاحب مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، کراچی پہنچا۔ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مہتمم دار العلوم کراچی اور

[1] عنوان از احقر مؤلف (آ)

مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کے مشورہ سے یہ طے پایا کہ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور ہر سہ جمعیت علماء اسلام کے ذمہ دار حضرات کو دعوت دے کر کراچی میں جمع کریں۔ پھر آپ لوگ اتحاد کی صورت پیدا کریں۔ چنانچہ اس مرحلہ کے طے ہونے کے بعد حضرت مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی صدر مرکزی جمعیت علماء اسلام کی دعوت پر ۱۸ر فروری ۱۹۵۵ء (۲۵ جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ) لغایۃ یکم مارچ ۱۹۵۵ء (۷ار رجب ۱۳۷۴ھ) بندہ بمعہ مہتمم صاحب مدرسہ قاسم العلوم دوبارہ کراچی گیا اور جمعیاتِ ثلاثہ کے نمائندے بھی وہاں موجود تھے۔ مولانا اطہر علی صاحب، مولانا صلاح الدین صاحب، چودھری اشرف الدین صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عوضی نمائندہ 'مشرقی پاکستان'، مولانا محمد متین صاحب، پیر غلام مجدد صاحب (مرکزی کراچی)، مولانا غازی دلدار علی صاحب عوضی، جناب مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی، احقر خیر محمد عفی عنہ (مغربی پاکستان)۔ کافی بحث تمحیص کے بعد جمعیت ایک تسلیم ہو کر طے ہوا کہ جمعیۃ علماء اسلام کے صدر حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور ناظم مولانا محمد متین صاحب ہوں گے اور سابق تینوں جمعیتیں ختم کردی گئیں، مگر افسوس یہ جمعیت عملی جامہ نہ پہن سکی .... نے مرکزی کو نہ چھوڑا۔ ادھر اہلِ پنجاب نے ایک اجتماع بلا کر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری کو صدر بنا کر نئی جمعیت قائم کرلی۔ کچھ دنوں بعد سرکاری طرف سے جمعیت ہی بند ہوگئی اور قصہ ختم ہوا۔"

حضرت[1] مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کا عظیم کارنامہ:

"ایک عرصہ سے یہ غلط فہمی تھی کہ اسلام میں کوئی دستور مملکت ہی نہیں ہے اور اسلام کے مختلف فرقوں کے علماء کبھی کسی دستور پر متفق ہی نہیں ہوسکتے۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے جناب مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ نے ہر طبقہ کے نمائندہ علماء اہلِ سنت والجماعت دیوبندی، بریلوی، شیعہ، اہلِ حدیث، جماعت اسلامی کو کراچی میں مدعو کیا اور تین چار دن میں بنیادی اصولِ مملکت کے تیار کر کے شائع کئے۔ چنانچہ احقر بھی مدعو کیا گیا۔"

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول:

مورخہ ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ جنوری ۱۹۵۱ء کو ۳۱ علماء نے مندرجہ ذیل ۲۲ر اصول مرتب کئے:

(۱) اصل حاکم تشریعی وتکوینی حیثیت سے اللہ رب العالمین ہے۔

(۲) ملک کا قانون کتاب وسنت پر مبنی ہوگا اور کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا نہ کوئی ایسا انتظامی حکم دیا جاسکے گا جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

(۳) مملکت کسی جغرافیائی، نسلی، لسانی یا کسی اور تصور پر نہیں۔ بلکہ ان اصول ومقاصد پر مبنی ہوگی جن کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطۂ حیات ہے۔

[1] یہ ذیلی عنوان احقر مؤلف کی طرف سے ہے۔ (آآ)

(۴) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ قرآن وسنت کے بتائے ہوئے معروفات کو قائم کرے۔ منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء، اعلاء اور مسلمہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے۔

(۵) اسلامی مملکت کا یہ فرض ہوگا کہ وہ مسلمانان عالم کے رشتۂ اتحاد واخوت کو قوی سے قوی تر کرنے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیہ کی بنیادوں پر نسلی، لسانی، علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے اُبھرنے کی راہیں مسدود کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ واستحکام کا انتظام کرے۔

(۶) مملکت بلا امتیاز مذہب ونسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی لابدی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفیل ہوگی، جو اکتساب رزق کے قابل نہ ہو یا نہ رہے ہوں یا عارضی طور پر بے روزگاری، بیماری یا دوسرے وجوہ سے فی الحال سعی واکتساب پر قادر نہ ہوں۔

(۷) باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں۔ یعنی حدود قانون کے اندر تحفظ جان و مال وآبرو، آزادیٔ مذہب ومسلک، آزادیٔ عبادت، آزادیٔ ذات، آزادیٔ اظہار رائے، آزادیٔ نقل وحرکت، آزادیٔ اجتماع، آزادیٔ اکتسابِ رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی ادارات سے استفادہ کا حق۔

(۸) مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کی سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہ کیا جائے گا۔ اور نہ کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی وفیصلہ عدالت کوئی سزا دی جائے گی۔

(۹) مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے۔ ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذہب کے مطابق ہوں گے۔ اور ایسا انتظام کرنا مناسب ہوگا کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں۔

(۱۰) غیر مسلم باشندگان مملکت کو حدود قانون کے اندر مذہب وعبادت، تہذیب وثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی حاصل ہوگی۔ اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون یا رسم ورواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

(۱۱) غیر مسلم باشندگان مملکت سے حدود شرعیہ کے اندر جو معاہدات کئے گئے ہوں ان کی پابندی لازمی ہوگی اور جن حقوق شہری کا ذکر دفعہ نمبر ۷ میں کیا گیا ہے ان میں غیر مسلم باشندگان ملک اور مسلم باشندگان ملک سب برابر کے شریک ہوں گے۔

(۱۲) رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے۔ جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔

(۱۳) رئیس مملکت ہی نظم مملکت کا اصل ذمہ دار ہوگا۔ البتہ وہ اپنے اختیارات کا کوئی جزو کسی فرد یا جماعت کو تفویض کر سکتا ہے۔

(۱۴) رئیس مملکت کی حکومت مستبدانہ نہیں بلکہ شورائی ہوگی۔ یعنی وہ ارکان حکومت اور منتخب نمائندگان جمہور سے مشورہ لے کر اپنے فرائض انجام دے گا۔

رئیس مملکت کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دستور کو کلاً یا جزواً معطل کر کے شوریٰ کے بغیر حکومت کرنے لگے۔

(۱۵) جو جماعت رئیس مملکت کے انتخاب کی مجاز ہوگی وہی کثرتِ آراء سے اسے معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

(۱۶) رئیس مملکت شہری حقوق میں عامۃ المسلمین کے برابر ہوگا اور قانونی مواخذہ سے بالاتر نہ ہوگا۔

(۱۷) ارکان وعمال حکومت اور عام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون وضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

(۱۸) محکمہ عدلیہ، محکمہ انتظامیہ سے علیحدہ اور آزاد ہوگا تاکہ عدلیہ اپنے فرائض کی انجام وہی میں ہیئت انتظامیہ سے اثر پذیر نہ ہو۔

(۱۹) ایسے افکار ونظریات کی تبلیغ واشاعت ممنوع ہوگی جو مملکت اسلامی کے اساسی اصول ومبادی کے انہدام کا باعث ہوں۔

(۲۰) ملک کے مختلف ولایات واقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے۔ ان کی حیثیت نسلی، لسانی، یا قبائلی واحدہ جات کی نہیں بلکہ محض انتظامی علاقوں کی ہوگی۔ جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیشِ نظر مرکز کی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا۔ مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہ ہوگا۔

(۲۱) دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب وسنت کے خلاف ہو۔

اسماء گرامی شرکاء مجلس بنیادی اصول

۱۔ علامہ سید سلیمان ندوی (صدر مجلس ہٰذا)
۲۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (امیر جماعت اسلامی پاکستان)
۳۔ مولانا شمس الحق افغانی (وزیر معارف ریاست قلات)
۴۔ مولانا محمد بدر عالم (استاذ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار، سندھ)
۵۔ مولانا احتشام الحق تھانوی (مہتمم دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار، سندھ)
۶۔ مولانا محمد عبدالحامد قادری بدایونی (صدر جمعیۃ العلماء پاکستان)
۷۔ مفتی محمد شفیع (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)
۸۔ مولانا محمد ادریس (شیخ الجامعہ عباسیہ بہاول پور)
۹۔ مولانا خیر محمد (مہتمم مدرسہ خیر المدارس ملتان)
۱۰۔ مولانا مفتی محمد حسن (مہتمم مدرسہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور)
۱۱۔ پیر صاحب محمد امین الحسنات (مانکی شریف، سرحد)
۱۲۔ مولانا محمد یوسف بنوری (شیخ التفسیر دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار، سندھ)

۱۳- حاجی خادم الاسلام محمد امین (المجاہد آباد، پشاور، صوبہ سرحد)

۱۴- قاضی عبدالصمد سربازی (قاضی قلات، بلوچستان)

۱۵- مولانا اطہر علی (صدر عاملہ جمیعۃ علماء اسلام، مشرقی پاکستان)

۱۶- مولانا ابوجعفر محمد صالح (امیر جمیعت حزب اللہ، مشرقی پاکستان)

۱۷- مولانا راغب احسن (نائب صدر جمیعت علماء اسلام مشرقی پاکستان)

۱۸- مولانا محمد حبیب الرحمٰن (نائب صدر جمیعت المدرسین سرسینہ شریف، مشرقی پاکستان)

۱۹- مولانا محمد علی جالندھری (مجلس احرار اسلام پاکستان)

۲۰- مولانا داؤد غزنوی (صدر جمیعت اہل حدیث مغربی پاکستان)

۲۱- مفتی جعفر حسین مجتہد (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)

۲۲- مفتی حافظ کفایت حسین مجتہد (ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان لاہور)

۲۳- مولانا محمد اسماعیل (ناظم جمیعۃ اہل حدیث پاکستان، گوجرانوالا)

۲۴- مولانا حبیب اللہ (جامعہ دینیہ دار الہدیٰ، ٹھیڑی خیر پور میرس)

۲۵- مولانا احمد علی (امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور)

۲۶- مولانا محمد صادق (مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی)

۲۷- پروفیسر عبدالخالق (رکن بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)

۲۸- مولانا شمس الحق فرید پوری (صدر مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ڈھاکہ)

۲۹- مفتی محمد صاحب داد (سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی)

۳۰- مولانا محمد ظفر احمد انصاری (سیکرٹری بورڈ آف تعلیمات اسلام مجلس دستور ساز پاکستان)

۳۱- پیر صاحب محمد ہاشم مجددی (ٹنڈو سائیں داد، سندھ)

”بنیادی اصول کے لئے دوبارہ سفر کراچی:

مورخہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ لغایۃ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۲ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۵۳ء لغایۃ ۱۸ جنوری ۱۹۵۳ء بنیادی اصول اسلامی مملکت پر دوبارہ ترمیم و غور کے لئے مذکورہ بالا علماء کرام کا مع دو زائد کے اجتماع کراچی میں ہوا۔[1] پوری بحث و تمحیص اور غور و فکر کے بعد بعض اصول کی تشریح عمل میں آئی، وہ بھی طبع ہو کر ملک میں شائع ہوئی۔“

---

[1] حضرت والاؒ اس اجتماع میں شرکت کے لئے غالباً بروز جمعہ ۲۲ ربیع الثانی ۷۲ھ (۹ جنوری ۵۳ء) کو کراچی تشریف لائے ہوں گے اور بروز سہ شنبہ ۴ جمادی الاولیٰ ۷۲ھ (مطابق ۲۲ جنوری ۵۳ء) شام کو چناب ایکسپریس سے واپس ملتان تشریف لے گئے۔ قیام جیکب لائن میں رہا۔ خادم اس دوران میں حاضر خدمت ہوتا رہا (اس کا ذکر احقر کی مکاتبت والی فائل میں ۲۵ ربیع الثانی ۷۲ھ کے دستی عریضہ پر تحریر ہے۔ (ا ا)

”سرکاری دعوت پر سفر کراچی:

مورخہ ۲۶ صفر ۱۳۷۲ھ لغایۃ ۵ ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۵۲ء لغایۃ ۲۴ نومبر ۱۹۵۲ء سرکاری دعوت پر کراچی جانا ہوا۔

۱۴ نومبر ۱۹۵۲ء (۲۴ صفر ۱۳۷۲ھ) بروز جمعہ شام کو ملتان کے ڈپٹی کمشنر محمد رشید صاحب کی طرف سے بصیغہ راز یہ حکم نامہ ملا کہ آج ہی رات کو مجھے آپ ملیں۔ چنانچہ ملاقات میں انہوں نے فرمایا کہ بعض دستوری مسائل کے متعلق مشورہ کمیٹی علماء میں آپ کو کراچی بلایا ہے۔ یہ دعوت جناب خواجہ ناظم الدین صاحب وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے ہے۔ چنانچہ خود ڈپٹی کمشنر صاحب نے کراچی کی سیٹ ریزرو کرائی اور مجھے حکم دیا کہ آپ کل خیبر میل سے کراچی پہنچ جائیں۔ چنانچہ بندہ دوسرے روز خیبر میل سے سوار ہو کر کراچی پہنچ کر حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کے مکان پر مقیم ہوا۔ غالباً ۲۲-۲۳ نومبر ۱۹۵۲ء کی درمیانی شب میں ملاقات کا وقت مقرر ہوا۔ چنانچہ تمام مدعوین حضرات شب کے ۸ بجے وزیر اعظم صاحب کی کوٹھی پر پہنچے۔ وزیر اعظم صاحب نے کوٹھی سے باہر نکل کر تمام مدعوین کا مخلصانہ استقبال کیا۔ مولانا احتشام الحق صاحب نے سب کا تعارف کرایا۔ تھوڑی دیر بعد کابینہ کے اراکین و وزراء بھی آ گئے۔“

”اسماء مدعوین:

مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کراچی، احقر خیر محمد جالندھری ملتان، مولانا محمد حسن صاحب لاہور، مولانا محمد ادریس صاحب لاہور، مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب ٹنڈو الہ یار سندھ، مولانا اطہر علی صاحب مشرقی پاکستان، مولانا شمس الحق صاحب فرید پوری مشرقی پاکستان، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک اور مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب لاہور۔“

”اسماء کابینہ:

خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم، سردار عبدالرب صاحب نشتر وزیر، مولوی تمیز الدین[1] صاحب وزیر و دیگر بعض وزراء معہ سیکرٹری صاحب چھ افراد کی تعداد میں۔“

پھر ایک خاص کمرہ میں اس طرح نشست ہوئی کہ درمیان میں ایک لمبی میز تھی۔ ایک لائن میں علماء کرام، دوسری لائن میں وزراء عظام۔

میٹنگ کی کارروائی شروع ہوئی، وزیر اعظم نے کتاب وسنت پر مبنی دستور پر بعض اشکالات پیش کئے اور ان کا حل چاہا۔ وزیر اعظم کی طرف سے اکثر سردار عبدالرب نشتر صاحب اور مولوی تمیز الدین ترجمانی فرماتے تھے۔ علماء کی طرف سے جوابات پیش ہوتے رہے۔ ان کی توضیح و ترجمانی کے فرائض اکثر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی ادا فرماتے رہے۔ آخر

---

[1] صدر مجلس قانون ساز (ع-س)

میں علماء کرام نے شرعی دستور کے مرتب کرنے پر بہت زور دیا اور اس کے سیاسی وملی فوائد بیان کیے، جس سے وزراء بہت متاثر ہوئے اور علماء بھی بہت قوی اُمید لے کر فارغ ہوئے۔ آخر میں چائے سے تواضع ہوئی۔ یہ گفتگو تقریباً ساڑھے تین گھنٹے جاری رہی۔''

حضرت والاؒ کی بعض خدمات سیاست دینیہ اسلامیہ

اب محترم اقبال قریشی صاحب کی تحریر ملاحظہ فرمایئے جو حضرت والاؒ کی تائید پاکستان، مساعی متعلقہ دستور اسلامیہ اور سیاست میں کمال اعتدال وغیرہ مختلف موضوعات پر مشتمل ہے۔

تحریک قیام پاکستان کی حمایت:

تحریک قیام پاکستان میں بطور کارکن کے تو آپ نے حصہ نہیں لیا، لیکن اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے اتباع میں ہمیشہ مسلم لیگ اور قیامِ پاکستان کی حمایت فرماتے رہے۔ چنانچہ پروفیسر احمد سعید تھانوی کے نام حضرت والاؒ نے خود اپنے قلم سے ان کے مکتوب ۷/اگست ۱۹۶۷ء کے جواب میں تحریر فرمایا:

''السلام علیکم! میں پاکستان کے حق میں اوّل سے آخر تک رہا ہوں۔ مگر اب یاد نہیں کہ کسی اخبار میں مضمون دیا ہو۔ البتہ ایک کتاب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کی جس کا نام غالباً مسلم لیگ اور کانگریس ہے اس پر میرے دستخط ہیں۔''

ایک اہم واقعہ: (قیام پاکستان کے بعد حضرت والاؒ کی تحریک پاکستان میں حمایت کا اعتراف)

منشی عبدالرحمٰن خان صاحب ملتانی اپنی تصنیف ''سیرت اشرف'' کے صفحہ ۶۴۵ و ۶۴۶ پر تحریر فرماتے ہیں: ''بے سرو سامانی کے عالم میں ملتان پہنچتے ہی آپ[۱] نے بلا تاخیر محض توکلاً علی اللہ وہی چشمہ خیر جاری کر دیا جس سے ہزاروں طالبانِ علم اور تشنگانِ طریقت مستفید و مستفیض ہونے لگے، جس سے ارباب بدعات کے حلقوں میں ایک سراسیمگی سی پھیل گئی اور باطل کی تمام قوتیں اس خیر مجسم کے مقابلہ میں آ گئیں اور اس چشمہ فیض کو بند کرانے کے لئے زور آزمائی کرنے لگیں۔ مگر خیر کے مقابلہ میں شر کب کامیاب ہوا تھا جو اس دفعہ ہو جاتا۔ حاسدین و معاندین نے مدرسہ کو نقصان پہنچانے اور اہلِ مدرسہ کو بدنام کرنے کے لئے یہ مشہور کر دیا کہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کا تعلق جماعت احرار سے ہے جو نظریہ پاکستان کی مخالف تھی اور انہی لوگوں نے مدرسے کی شکل میں یہاں اپنا خفیہ اڈہ قائم کر رکھا ہے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے ہم مشرب و ہم مسلک ارباب مسلم لیگ کی مدد سے مدرسہ کی عمارت خالی کرانے اور مولانا موصوف کو شہر بدر کرانے کی مہم بھی شروع کر دی۔ حالانکہ یہ الزامات قطعاً بے بنیاد تھے۔ مولانا خیر محمد صاحب اپنے شیخ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی طرح کانگریس کے مخالف اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ ۱۳۶۴ھ میں اراکین مجلس دعوۃ الحق بمبئی کے استفتاء کے جواب میں حضرت

---

[۱] یعنی ہمارے حضرت والا نے (آ)

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند نے کانگریس کی مخالفت اور مسلم لیگ میں شرکت کے متعلق جو تاریخی شرعی فتویٰ ''وقایة المسلمین عن ولایة المشرکین'' نامی رسالہ نومبر ۱۹۴۵ء میں شائع کیا تھا اور جو کانگریس کے لئے ایٹم بم ثابت ہوا تھا اس پر علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا جمیل احمد تھانوی، مولانا شبیر علی تھانوی کے علاوہ مولانا خیر محمد جالندھریؒ کی بھی تصدیق ثبت تھی۔ اتفاق سے وہ رسالہ ہماری لائبریری میں محفوظ تھا۔ چنانچہ وہی رسالہ اربابِ اختیار واقتدار کو دکھلا کر ان کے ڈھول کا پول کھول دیا، جس سے ان کی تمام اُمیدوں پر اوس پڑگئی۔ اس کے باوجود وہ مدرسہ کو نقصان پہنچانے سے باز نہ آئے، مگر بفضلہٖ تعالیٰ نتیجہ ہمیشہ ان کے مخالف ہی رہا، جو ثمرہ ہے مولانا خیر محمد صاحب کی للّٰہیت اور خلوص کا۔''

مفتیٔ اعظم پاکستان سیدی ومرشدی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی قدس سرہٗ نے وصال سے چند سال قبل جواہر الفقہ مکمل دو جلدوں میں شائع کرائی تھی جس میں مذکورہ رسالہ من وعن نئے عنوان ''ملکی سیاست میں غیر مسلموں کے ساتھ اشتراکِ عمل کی حدود شرعیہ'' شامل فرمادیا تھا، اس کے صفحہ ۲۴۸ ج ۲ پر حضرت والاؒ کی تصدیق ان الفاظ کے ساتھ درج ہے:

''علامہ مجیب مدفیوضہم کی تحقیقات علمیہ صحیح اور قابلِ تقلید ہیں۔

بندہ خیر محمد عفی عنہ

ناظم مدرسہ عربی خیر المدارس جالندھر (پنجاب)

۲۱ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ''

مساعیٔ متعلقہ دستور اسلامی[۱]:

خطیب ملت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی مساعیٔ جمیلہ سے جب جملہ مکاتب فکر کے علماء جمع ہوئے، جنہوں نے ۲۲ متفقہ بنیادی اصول مرتب کئے، جس کی اساس پر بعد میں ۱۹۵۶ء کا آئین بنا، ان ۳۱ نمائندہ علماء میں حضرت والاؒ بھی حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور حضرت شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی طرح ایک اہم نمائندہ اور رُکن کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے۔ غرض سیاست سے اجتناب کے باوجود ملک کے ہر آڑے وقت میں حضرت والاؒ ایک نمایاں کارنامہ انجام دیتے تھے۔

آئین کمیشن کے سوال نامہ کا جواب[۲]:

اور اسی طرح حضرت والاؒ نے آئین کمیشن پاکستان کے سوال نامہ کا جواب ارسال فرمایا تھا۔ اس میں تحریر فرمایا کہ ''آئندہ پاکستان کے دستور کی بنیاد اسلام کی نظریاتی جمہوریت (شورائیت) پر رکھی جائے۔ جس کو قرآن وسنت کے احکام

[۱، ۲] یہ دونوں ذیلی عنوان از احقر مؤلف (آ ا) [۲] اصل مسودہ میں یہ تحریر اور روایت اُستاذی المحترم حضرت مولانا حافظ محمد شریف صاحب جالندھریؒ کی معلوم ہوتی ہے، جو بواسطہ اق پہنچی۔ (آ ا)

کنٹرول کرتے ہیں۔ دستور میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ حکومت کا مذہب اسلام ہوگا۔ ملک کی ایسی جماعتیں خلاف قانون قرار دی جائیں جو مملکت کے بنیادی نظریہ اور مقصد کے خلاف ہوں۔

سیاست میں کمالِ اعتدال:

حضرت والاؒ کو سیاسی ہنگاموں اور اس کے شور وغوغا سے طبعاً نفرت تھی۔ وہ خیرالمدارس کو ہمیشہ سیاست سے علیحدہ رکھ کر چلاتے رہے۔ آپ کا ارشاد تھا کہ سیاست میں حصہ لینے سے مدرسہ کی تعلیم برباد ہو جاتی ہے اور اس میں وہ باقاعدگی نہیں رہتی، اس لئے دینی مدارس کے مہتمم ومدرّس حضرات کا سیاست میں حصہ لینا طبعاً آپ کو ناپسند تھا۔

تاہم آپ کا ذوق سیاست میں اپنے شیخ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے تابع تھا مگر حضرت والاؒ کا برتاؤ کچھ اس قسم کا تھا کہ سیاسی اختلاف رکھنے والے علماء بھی دل و جان سے حضرت والاؒ کی ادب وتعظیم فرماتے۔ مگر چونکہ حضرت والاؒ کے سیاسی ذوق کا علم تھا اس لئے کبھی بھول کر بھی سیاست کا تذکرہ نہ فرماتے، بلکہ خیرالمدارس میں ہمیشہ صرف علمی ودینی گفتگو ہوتی اور اسی پر مجلس برخواست ہوتی۔ چنانچہ اکثر امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور احرار کے اکثر علماء آپ کی خدمت میں مؤدبانہ حاضر خدمت ہوتے اور حضرت امیر شریعتؒ تو ''میں تمہارا شاگرد ہوں'' کہہ کر شاگردوں کی جگہ بیٹھتے اور باوجود حضرت والاؒ کے ساتھ بیٹھنے کے ارشاد کے ساتھ بیٹھنا خلاف ادب تصور کرتے۔

شدید سیاسی اختلافات کے زمانہ میں ایک بار حضرت والاؒ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کو خیرالمدارس کے سالانہ جلسہ میں مدعو فرمایا تو لوگوں نے آپس میں سرگوشیاں شروع کردیں۔ جب حضرت والاؒ کو اس کا علم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ ''میں نے جمعیت علماء ہند کے صدر کو نہیں بلایا بلکہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کو بلایا ہے'' اور حضرت مدنیؒ کے یہ دونوں عہدے تھے۔ چنانچہ حضرت مدنی قدس سرہٗ نے حضرت والاؒ کے ایماء پر علم کی فضیلت پر بڑا بصیرت افروز وعظ فرمایا اور کسی قسم کی سیاسی تقریر نہیں فرمائی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک کانفرنس کے موقع پر قاسم باغ ملتان میں حضرت والاؒ کا ایک وعظ ہوا جو زیادہ تر غیر مقلدین کے رَد میں تھا، جس میں حضرت والاؒ نے یہ مسئلہ بھی بیان فرمایا تھا کہ بعض ایسی چیزیں ہیں جن سے احناف کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور غیر مقلدین کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الامکان غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور اگر پڑھے تو وضو وغیرہ کی اچھی طرح تحقیق کرلے۔

ظہر سے قبل حضرت والاؒ کا بیان ہوا تھا، بعد ظہر حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کا بیان شروع ہوا۔ ہزاروں افراد کا مجمع تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان اپنے مخصوص مسحور کن انداز میں جاری تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے اور مضبوط سیاسی اتحاد قائم کرنے پر زور دیا۔ اسی دوران یہ بھی فرمایا

کی نماز ہر ایک کے پیچھے ہو جاتی ہے۔ سب مسلمان ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے سحر انگیز بیان سے حضرت والاؒ کی صبح کی تقریر کے بے اثر ہو جانے کا ڈر تھا، کچھ دیر تو حضرت والاؒ سنتے رہے، پھر اجازت لے کر حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ سے مائیک لے کر فرمایا: ''شاہ صاحب دراصل سیاسی ہیں، ہم سیاست میں اگر کچھ کریں گے تو شاہ صاحب سے پوچھ کر کریں گے۔ باقی سیاست میں مصروفیت کی وجہ سے کتابوں پر ان کی زیادہ نظر نہیں۔ ہم چونکہ ہر وقت پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں اس لئے شاہ صاحبؒ کو مسئلہ مسائل میں ہم سے پوچھ کر عمل کرنا چاہئے۔ پھر صبح کی تقریر کے حوالہ سے فرمایا کہ بعض ایسی چیزیں ہیں جن سے احناف کا وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ان چیزوں سے غیر مقلدین کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس لئے غیر مقلدین کی امامت میں اقتداء کرنے سے احتیاط لازم ہے۔

پھر فرمایا کہ شاہ صاحب بھی اس کا اعتراف کریں گے اور حضرت والاؒ کی غایت درجہ دور اندیشی اور تیقظ کی دلیل ہے کہ اسی مجمع میں حضرت شاہ صاحب کی زبان سے بھی کہلوا دیا۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا'' جو حضرت مولانا فرما رہے ہیں وہی صحیح ہے، واقعی مسائل میں ہمیں حضرت مولانا سے پوچھ کر ہی عمل کرنا ضروری ہے۔'' باقی حضرت شاہ صاحبؒ کی زبان مبارک سے کہلوانے میں یہ مصلحت تھی کہ مسائل میں حضرت والاؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ میں کوئی اختلاف نہیں۔ بلکہ حضرت والاؒ پر حضرت شاہ صاحب کو مکمل اعتماد ہے، تا کہ بعد میں عوام الناس پروپیگنڈہ نہ کرسکیں۔

اسی طرح حضرت والاؒ کے وصال سے قبل سوشلزم کے بارے میں تھانوی حضرات اور جمعیت علماء اسلام (ہزاروی گروپ) میں شدید اختلافات ہوئے اور مرکزی جمعیت علماء اسلام کا احیاء ہوا تو حضرت والاؒ نے دونوں فریق کے اتحاد اور صلح کرانے میں باوجود شدید ترین علالت کے سرتوڑ کوشش فرمائی اور خود سیاست سے کنارہ کش رہ کر صلح کروانے کی سعی فرماتے رہے۔ لیکن خود کسی فریق میں شامل نہ ہوئے۔ تاہم حضرت والاؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی بیعت کو صواب پر سمجھتے تھے۔ جیسا کہ خود حضرت والاؒ نے ماسٹر محبوب عالم اکاؤنٹنٹ مجلس صیانت المسلمین ہارون آباد کو ان کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا تھا:

''ہم دونوں فریق میں اتحاد اور صلح کی کوشش کر رہے ہیں، گو میں کسی میں شریک نہیں ہوں۔ مگر تھانوی حضرات کو صواب پر سمجھتا ہوں۔''

التحذير المروى عن النذير من المحظورات الشرعية فى السياسة الدينية

حضرت حکیم الامتؒ کی دعوت پر اکابر علماء کرام کا اجتماع اور تحریکات کے متعلق مشورہ

(از حضرت مولانا نذیر احمد صاحب، شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد)

حضرت اقدس قدس اللہ سرہٗ نے بارہا یہ واقعہ بعض مجالس میں بیان فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ:

حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو شدت سے یہ فکر دامن گیر تھی کہ مسلمانوں اور اسلامی مفادات کے تحفظ کے لئے تمام علماء اور ذمہ داران قوم کو ایک انداز فکر پر جمع کیا جائے۔ اس کے لئے یہ سوچا کہ تمام ذمہ دار حضرات کی ایک مشاورت بلائی جائے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے اخراجات اور ہر صاحب کی آمدورفت کا انٹر کلاس کا کرایہ اپنے ذمہ لیا۔ حضرت کو یہ مشورہ دیا گیا کہ پہلے اپنے حضرات حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہٗ حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمہ اللہ وغیرہ اپنے بزرگوں سے مشورہ ہو جائے۔ اگر اُمید افزاء کیفیت نظر آئے تو بڑی سطح پر یہ کام کیا جائے۔ چنانچہ اپنے چند اکابر کی مشاورت طلب کی گئی، مذاکرہ ہوا، تحریکات جدیدہ کے طرز کار کے متعلق شرعی حیثیت زیر بحث آئی تو سیاست میں تیز حصہ لینے والے حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ یہ صورتیں ناجائز ہیں، لیکن ہم بضرورت انہیں گوارا کرتے ہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ ''یہ آپ ہی کا حوصلہ ہے کہ ناجائز بھی کہیں اور گوارا بھی کریں۔''

حضرت والاؒ کی رائے گرامی بسلسلہ جدوجہد آزادی برصغیر ہندو پاکستان

(نوٹ: یہاں اس پرانے موضوع کو چھیڑنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ اعداء الاسلام والمسلمین پاکستان کو توڑنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں اور پاکستان کے بقاء واستحکام کے لئے سعی اور دعاء کی اس وقت پاکستان کے قیام کی جدوجہد سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ یہاں بوجہ ضرورت اختصار اجمالی اشارات واقتباسات پر اکتفاء کیا جاتا ہے آ ا)

بسلسلہ جدوجہد آزادی برصغیر ہندو پاکستان حضرت والاؒ کی رائے وہی تھی جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی تھی اور حضرت حکیم الامتؒ کی رائے گرامی یہ تھی کہ:

(۱) مسلمانوں کا کانگریس میں شریک ہونا ہندوؤں کی اکثریت کی وجہ سے ان کی متابعت ہے نہ کہ مصالحت، جس میں ان کی مذہبی موت ہے (قدرے تفصیل آگے آتی ہے)

(۲) مسلمانوں کی اپنی علیحدہ تنظیم ضروری ہے، اس کے بغیر ان کی سیاسی موت ہے۔

(۳) کانگریس کا مقصد ہندوستان کے باشندوں کو خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ہندو کلچر اور مذہب میں رنگنا تھا نہ کہ انگریزوں سے مکمل آزادی۔

(۴) شیخ العالم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (شیخ الہندؒ) مکمل آزادی کے عظیم علمبردار تھے، لیکن وہ کسی قیمت پر بھی شریعت کے احکام میں ذرہ برابر مداہنت کو برداشت کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھے، چنانچہ جب کانگریس میں شریک مسلمان لیڈروں نے جوش میں آکر محرمات اور کفریات کا ارتکاب شروع کیا اور انہوں نے اس طوفان بے تمیزی کو روکنے پر قدرت نہ پائی تو ان تحریکات سے یکسوئی اختیار فرمالی۔ ان مباحث کی تفصیل سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتاب ورسائل کی مراجعت کرنے کی سفارش کی جاتی ہے:

(۱) افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ (ترتیب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ)

(۲) تذکرۃ الظفر، سوانح حیات حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (ترتیب حضرت مولانا سید عبدالشکور ترمذی مدظلہ) از ص ۳۴۷ تا ص ۳۶۴)

(۳) سیرت اشرف، تالیف منشی عبدالرحمٰن خان صاحب مرحوم (از ص ۵۴۷ تا ص ۶۱۵)

(۴) اشرف السوانح، حصہ سوم (تالیف حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ) باب ۲۴ بست وچہارم، فواضل (یعنی صفات فاضلہ) موضوع۔ حکایات الشکایات مع درایات الحکایات مع دیباچہ اور تتمات وضمائم اور مضامین متعلقہ مطبوعہ لاہور۔ از ص ۲۹۶ تا ''ختم کلام'' ص ۴۱۰

(۵) مجلہ ''الخیر'' ملتان شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ از ص ۱۰۷ تا ۱۱۵

(۶) ذکر خیر دیاد شریف۔ ص ۱۸ و ص ۱۹/ اور ص ۵۲ و ص ۵۳

(۷) خاتمۃ السوانح (اشرف السوانح کا حصہ چہارم) ص ۵۲ تا ۵۷ (اس میں سیاسیات سے دینی مدارس کے اجتناب کی تاکید کے موضوع پر حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے بعض اہم ومبسوط ملفوظات کا خلاصہ مذکور ہے)

یہاں طویل مباحث کو چھوڑ کر مختصر اشارات اور بعض اقتباسات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

تحریک ترک موالات کے زمانہ میں کانگریس میں شریک بڑے بڑے مسلمان لیڈر جو جذبات کی رو میں بہہ کر اپنے عمل میں حدود شریعت سے تجاوز کر رہے تھے اس وقت حضرت شیخ الہندؒ کی استقامت اور ردِ عمل کا حال ان کے اس زمانہ کے خطبہ صدارت سے ہوگا جو حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے پڑھا گیا تھا۔ خطبہ کی عبارت کے بعض اقتباس درج ذیل ہیں[1]:

''بہت سے خیر خواہ، ہندو مسلم اتفاق کے عواقب اور عوام الناس اور بعض لیڈروں کی ان غلط کاریوں پر متنبہ فرما رہے ہیں جو اس اتفاق کے جوش سے پیدا ہوتی ہیں، مثلاً قربانی گاؤ میں بعض جگہ تشدد و مزاحمت کیا جانا یا قربانی کے جانور کو بجا کر رضا کارانِ خلافت کا گاؤ شالہ میں پہنچانا یا قشقہ لگانا یا ہندوؤں کی ارتھیوں کے ساتھ خصوصاً ''رام رام ست'' کہتے ہوئے جانا، یا یہ کہنا کہ امام مہدی کی جگہ امام گاندھی تشریف لائے ہیں یا یہ کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی

[1] یہ اقتباسات تذکرۃ الظفر از ص ۳۴۷ تا ص ۳۶۵ لئے گئے ہیں۔ (آ)

ہوتے یا قرآن وحدیث میں بسر کی ہوئی عمر نثار بت پرستی کرنا یا یہ دعاء کرنا کہ اگر میں کوئی مذہب تبدیل کروں تو سکھوں کے مذاہب میں داخل ہوں وغیرہ وغیرہ۔ بلاشبہ میں بھی جب اپنی قوم کے سر برآوردہ افراد کو سنتا ہوں کہ وہ اس قسم کے محرکات یا کفریات کے مرتکب ہوئے ہیں اور وہ باتیں زبان سے بے دھڑک نکال دیتے ہیں جن کو سن کر ایک سچے مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو میرا دل پاش پاش ہو جاتا ہے اور قصد کرتا ہوں کہ اس طوفان بے تمیزی کا روکنا جب اپنی قدرت میں نہیں تو ان معاملات سے بالکل یکسوئی بہتر ہے۔

(خطبہ ترک موالات، ص۲۲)

''اس وقت جن حضرات نے ایسے محرمات وکفریات کے ارتکاب کے روکنے پر خود کو قادر نہ پاکر اس طوفان بے تمیزی سے اپنے کو علیحدہ کئے رکھا اور ان غلط کاریوں پر متنبہ فرمایا۔ ان حضرات نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے طرزِ عمل کی ہرگز مخالفت نہیں فرمائی بلکہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے منشا اور مقصد ہی کی تکمیل فرما رہے تھے۔''

''اسی لئے حضرت تھانویؒ ان تحریکات سے خود بھی الگ رہے اور مسلمانوں کو بھی ان سے علیحدگی اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ تحریک خلافت کے طریق کار اور غیر مسلم اکثریت کے ساتھ مل کر کام کرنے سے مسلمانوں کا اصل مقصد اسلامی حکومت کا قیام حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔''

''مولانا عبدالماجد دریا آبادی جو شروع میں سیاسی لحاظ سے حضرت تھانویؒ کے ہم خیال نہ تھے بلکہ کانگریس کی حامی جماعت خلافت کمیٹی سے تعلق رکھتے تھے، اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''ان کے سامنے مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ تمام تر دینی تھا۔ وہ صرف اسلام کی حکومت چاہتے تھے۔ ۱۹۲۸ء میں جب پہلی بار حاضری ہوئی تو اس ملاقات میں حضرت نے دارالاسلام کی اسکیم خاصی تفصیل سے بیان فرمائی تھی کہ جی یوں چاہتا ہے کہ ایک خطہ پر خالص اسلامی حکومت ہو، سارے قوانین، تعزیرات وغیرہ کا اجراء احکامِ شریعت کے مطابق ہو۔ بیت المال، نظامِ زکوٰۃ رائج ہو، شرعی عدالتیں قائم ہوں، وقس علیٰ ھذا۔ دوسری قوموں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہوئے یہ نتائج کہاں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے صرف مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہئے اور اس کو یہ کوشش کرنی چاہئے۔ (سیرت اشرف)''

''صاحب تعمیر پاکستان'' لکھتے ہیں ''پاکستان کے لفظ سے دنیا پہلی مرتبہ ۱۹۳۰ء میں چودھری رحمت علی کی زبانی آشنا ہوئی، جب کہ چند جوانوں کو لندن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شمالی ہند کے ایک حصہ کو ہندوستان سے الگ کیا جائے۔ ہندوستان میں اسلامی سلطنت کے قیام کا خیال علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد میں اپنے خطبہ صدارت کے دوران میں ظاہر کیا۔ بالکل وہی خیال ان سے بہت پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مجلس عام میں کئی بار ظاہر فرما چکے تھے۔'' (ص ۵۰)

''گویا دربار اشرفیہ میں حصول و بقاء پاکستان کا لائحہ عمل اور نظامِ پاکستان کا پورا نقشہ اس وقت پیش ہوا جبکہ پاکستان چاہنے والوں کو ابھی اس کا خواب وخیال بھی نہ تھا۔ (ص ۶۱)''

''پھر حضرت تھانویؒ کے سامنے ۱۸۵۷ء کا تجربہ تھا کہ اس وقت مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کیا تھا مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا، مسلمانوں کو مجرم بنایا اور خود انگریزوں سے مل گئے اور سب نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ہندوستان سے انگریزوں کے پاؤں اُکھڑ جانے کے بعد ان کو ہندوستان میں جمانے والے صرف ہندو لیڈر ہی تھے۔''

حضرت تھانویؒ کے سیاسی مسلک کے بارے میں غلط فہمی بلکہ بدگمانی کا شکار ہونے والوں میں خلافت کمیٹی کے رکن اور مولانا محمد علی جوہر کے اخبار ''ہمدرد'' کے ڈائریکٹر مولانا عبدالماجد دریا آبادی بھی شامل ہیں۔ جس کا اعتراف خود موصوف نے حضرت تھانویؒ سے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ہمراہ اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''۱۹۲۸ء تھا اور مخاطب روز نامہ ''ہمدرد'' کا ڈائریکٹر تھا۔ صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آجانا ناگزیر سا تھا۔ گفتگو آئی، حضرت نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کافور ہو کر رہیں۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال، یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں، پہلے پہل اس قسم کی آواز یہیں کان میں پڑی۔'' (نقوش، ص ۲۳)

مفتی کفایت اللہ صاحب سے گفتگو:

اسی زمانے میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ صدر جمعیۃ علماء ہند (دہلی) حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے مسائل حاضرہ پر گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اس گفتگو سے فارغ ہو کر مولانا کفایت اللہ صاحب نے مولانا ظفر احمد مرحوم سے پوچھا کہ حضرت تھانویؒ جو ہندوؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے کراہت کرتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اپنے ساتھ جہاد میں لیا ہے۔ مولانا مرحوم نے جواب میں کہا کہ کفار و مشرکین کو جہاد میں اس وقت لے سکتے ہیں کہ جھنڈا مسلمانوں کا رہے اور کفار ہمارے حکم کے تحت میں ہوں۔ اس وقت حالت برعکس ہے۔ کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہے اور ان ہی کا حکم غالب ہے۔''

حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت تھا، نہ کہ متابعت، یعنی اس وقت تحریک خلافت نہایت قوت پر تھی، جس سے حضرت مولانا کو قوی اُمید تھی کہ حکم اسلام کا غالب رہے گا اور ہم لوگوں کا خیال قرائن و وجدان سے اس کا عکس تھا، سو یہ اختلاف محض رائے کا اختلاف تھا اور مثل اختلاف حنفی و شافعی کے اجتہادی تھا۔ اس اشتراک میں متابعت کے شائبہ کا وہم بھی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی وقت کسی شعار اسلامی کے ضعف یا کسی شعائر کفری قوت کا اندیشہ ہوتا تھا تو فوراً اس پر نکیر شدید

فرماتے تھے۔‘‘ (بوادرالنوادر، ص۹۶۶)

’’آنے والے حالات نے ثابت کر دیا کہ حضرت تھانویؒ نے جن قرائن و وجدان یا اپنی خداداد بصیرت سے جن خدشات کو محسوس فرمایا تھا وہ حرف بحرف پورے ہو کر رہے اور کانگریس سے اشتراکِ عمل کے نتیجہ میں اسلام غالب نہ آ سکا۔ بلکہ کانگریس میں مسلمانوں کی آواز اور قوت ہندوؤں کی عددی کثرت کے مقابلہ میں بالکل دب کر رہ گئی۔‘‘ (تذکرۃ الظفر، ص۳۶۰)

(کانگریس نے) ’’یہ اصول بنا دیا کہ جو شخص کانگریس میں داخل ہو وہ انفرادی اور شخصی حیثیت سے داخل ہو۔ کسی جماعت کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کانگریس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اس کا منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں کی حیثیت کانگریس میں ایک مستقل قوم اور جماعت کی نہ مانی جائے اور اس طرح مسلم قومیت کو سیاسی حیثیت سے فناء کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔‘‘

’’کانگریس میں بلاشرط انفرادی داخلہ کو علماء اور زعماء کی ایک جماعت نے مسلمانوں کے لئے مذہبی اور سیاسی حیثیت سے مضر سمجھا اور بہت سے ماہرین سیاست مسلمان کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ کانگریس کے اس دوسرے دور میں ہندوؤں کو کانگریس کے سیاسی محاذ سے اپنے خالص ہندووانہ خیالات و تصورات کو بروئے کار لانے اور پورے ہندوستان میں ان کو مسلط کرنے کا خوب موقع مل گیا۔ چنانچہ کانگریسی جھنڈے کو ہندووانہ سلامی اور بندے ماترم کا مشرکانہ ترانہ تو کانگریس کے آئین و شعار میں داخل کر لیا گیا۔‘‘

’’واردھا اسکیم، ودھیا سکیم، دیہات سکیم کے نام سے ایسے قانون پورے ہندوستان کے لئے جاری کئے جن کا سیاست اور آزادی کے مطالبہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ان سب کا مقصد ہندوستان کی ہر قوم مسلم اور غیر مسلم کو ہندووانہ رنگ میں رنگنے اور ہندووانہ طرزِ معاشرت اور مشرکانہ رسم و رواج کا عادی بنانے کے سوا کچھ نہیں۔‘‘

’’مسلمانوں کی سب جماعتوں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا اور پھر دوسری تمام اسلامی جماعتوں کی طرح خود جمعیۃ علماء ہند نے بھی ان اسکیموں کو شعائر اسلام کو مٹانے اور اسلامی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور مسلمانوں کو ہندوؤں میں جذب کرنے کی کوشش قرار دیا۔ لیکن مقامِ حیرت ہے کہ کانگریس پر ان احتجاجات کا کوئی اثر تک نہ ہوا اور اس نے اپنی ان اسکیموں میں ایک شوشہ کی ترمیم بھی گوارا نہ کی۔‘‘

’’کانگریس کے اس دوسرے دور میں تمام تر غلبہ و قوت ہندوؤں کو حاصل تھی اور مسلمانوں کے اختلافات و احتجاج کے باوجود وہ اپنی من مانی کارروائیاں نافذ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔

حضرت مولانا (تھانویؒ) تحریر فرماتے ہیں:

’’بخلاف اس وقت کی حالت کے کہ اب کانگریس کی قوت سے کفر و شرک کا حکم غالب ہے۔ اس کی ہر تجویز سے موافقت و مداہنت کی بو آتی ہے۔ اس وقت کا اشتراک بصورت ادغام بالکل متابعت ہے جو کہ ناجائز ہے۔ مسلمانوں کو اپنی تقویت و تنظیم مستقل لازم ہے۔‘‘ (بوادرالنوادر)

نیز حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''حامیان کانگریس میں سے بعض حضرات اس اشتراک کو اُستاذی حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع سمجھتے ہیں اور بعض اصحاب اس اختلاف کو مثل حنفی وشافعی کے خیال کرتے ہیں۔ سو میرے نزدیک یہ دونوں خیال محض غلط ہیں۔ حضرت مولانا کا اشتراک مصالحت تھا نہ کہ متابعت (بحوالہ بوادر النوادر)''

''واقعی اگر حقیقت کو دیکھا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ تحریک خلافت کے زمانے میں مسلمان کانگریس میں شریک نہیں ہوئے تھے بلکہ کانگریسی ہندو مسلمانوں کے ساتھ تائید وحمایت میں کھڑے ہو گئے تھے اور آزادیٔ ہند کا مطالبہ پیش کرنے کے لئے دونوں قوموں میں مصالحت کی صورت پیدا ہوگئی تھی جو بالکل حدود جواز کے اندر تھی۔ لیکن کانگریس میں ہندوؤں کا غلبہ ہوگیا اور طوعاً یا کرہاً ہندوؤں کی متابعت کرنی لازم ہوگئی اور اگر شعائر کفر کے اظہار اور شعائر اسلام کے مٹانے والی تجاویز کے خلاف زبانی احتجاج کیا بھی جائے تو قطعاً غیر مؤثر ثابت ہو اور اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی جائے تو ایسی صورت میں کانگریس میں بلاشبہ شرکت کرنا ناجائز تھا۔''

''اس تمام تحقیق کے بعد حضرت تھانویؒ نے رسالہ تنظیم المسلمین ارقام فرمایا، جس میں مسلمانوں کو اپنی علیحدہ تنظیم بنانے اور منظم ہو کر رہنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ اگر کانگریس سے منقطع ہو کر مسلمان منتشر اور پراگندہ ہو جاتے تو یہ ان کی سیاسی موت تھی۔''

۱۹۳۹ء میں جمعیت علمائے ہند کے اجلاس دہلی کے موقع پر ناظم اعلیٰ مولانا احمد سعید صاحب کے خط اور دعوت نامہ کے جواب میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''شرعی حیثیت سے صرف اپنی ایک رائے کا اظہار کرتا ہوں جس کے متعلق مولانا کفایت اللہ صاحب سے زبانی گفتگو بھی ہو چکی ہے اور اب تو واقعات نے مجھ کو اس رائے پر بہت ہی پختہ کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خصوصاً حضرات علماء کا کانگریس میں شریک ہونا میرے نزدیک مذہباً مہلک ہے بلکہ کانگریس سے بیزاری کا اعلان کر دینا نہایت ضروری ہے۔ علماء کو خود مسلمانوں کی تنظیم کرنا چاہئے تا کہ ان کی تنظیم خالص دینی اصولوں پر ہو اور مسلمانوں کو کانگریس میں داخل ہونا اور داخل کرنا میرے نزدیک ان کی دینی موت کے مترادف ہے۔'' والسلام

اشرف علی (افادات اشرفیہ، ص ۸۸)

(بحمداللہ یہ موضوع تمام ہوا)

اجتناب اہل المدارس عن السیاسیات

تمہید: اہل مدارس یعنی علماء وطلباء (اساتذہ اور تلامذہ) کے سیاسیات وغیرہ میں شرکت سے اجتناب کے بارے میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے گرامی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے سامنے اس سلسلہ میں مرض الوفات میں جو حضرت تھانویؒ نے تقریر فرمائی تھی اس کا خلاصہ خاتمۃ السوانح میں دیا ہوا ہے۔ (ص۵۲ تا ۵۷ مطبعہ لاہور، ناشر ایم ثناء اللہ خان) حضرت تھانویؒ کی رائے گرامی اور تقریر کے خلاصہ میں سے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔ اگر چہ اس موضوع پر خیرالمدارس کے ابواب میں بقدر ضرورت کافی مضمون آ چکا ہے، لیکن یہاں سیاسیات کے موضوع کی مناسبت سے حضرت تھانویؒ کی تائید وتاکید اس اہم موضوع پر پیش کی جاتی ہے:

نوٹ: حضرت حکیم الامتؒ اور ہمارے حضرت والاؒ کی تائید تحریک پاکستان اور حضرت والاؒ کا وحدت اور اتحاد جمعیت علماء اسلام اور پاکستان میں نظام اسلام قائم کرنے کی مساعی، یہ خدمات دینیہ اس سیاسی سرگرمی میں شامل نہیں۔ عموماً تو طلباء اور اساتذہ کے لئے اس قسم کی مساعی بھی تعلیم میں حارج ہوں گی، لیکن حضرت والاؒ کا ہند و پاکستان کے اکابر علماء میں ہوتے ہوئے دین کا خادم، تابع شریعت، سیاست میں اتنا حصہ لینا تو ناگزیر اور اُمت مسلمہ کے لئے ضروری اور بے حد مفید ہی تھا عام سیاسی سرگرمیوں اور ان دینی خدمات کا فرق ادنیٰ تأمل سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ (آا)

اب خاتمۃ السوانح سے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

(۱) ''حضرت اقدس (تھانویؒ) کی رائے تھی کہ موجودہ سیاسیات کا اشتغال خواہ فی نفسہٖ حق ہو یا باطل، مگر دارالعلوم کے طلباء وعلماء کی اس میں شرکت بہرحال مدرسہ کے مقاصد اصلیہ کو متزلزل کر دینے والی ہے۔ جس کا مشاہدہ وتجربہ بھی عرصہ سے اکثر حضرات کو ہو چکا ہے۔'' (ص۵۲)

(۲) (حضرت تھانویؒ کی) ''یہ تقریر، سراسر تعلیم وتربیت کے زریں اصول اور اصلاحی آئین سے متعلق تھی۔ خلاصہ اس کا یہ تھا کہ میں نے قرآن وسنت اور عمر بھر کے تجربہ، نیز جن بزرگوں کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ان سب کے طرز عمل سے مدرسہ کے بارے میں جو کچھ اصلح سمجھا وہ یہ ہے کہ مدارس اور ان کے متعلقین کو سیاسیاتِ حاضرہ سے بالکل مجتنب رہنا چاہئے اور صرف سیاسیات ہی سے نہیں بلکہ ہر اس کام سے جو تعلیمی کام میں خلل انداز ہو اگر چہ وہ کام فی نفسہٖ کیسا ہی محمود اور مفید کیوں نہ ہو۔ ہمارے بزرگوں نے طلباء کو بیعت کرنے اور سلوک میں مشغول ہونے سے بھی باوجود اس کو اہم سمجھنے کے لئے طالب علمی کے زمانہ میں ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کبھی کسی طالب علم کو فراغت سے پہلے بیعت نہ فرماتے تھے۔ پھر کسی سیاسی اور ملکی تحریک میں شرکت کیسے گوارا کی جا سکتی ہے۔'' (ص۵۳)

(۳) ''مدرسہ دیوبند ایسی چیز نہیں جس کے متعلق میں اپنی مختتم رائے ظاہر کئے بغیر چلا جاؤں وہ مختتم رائے یہ ظاہر فرمائی کہ مدرسہ دیوبند کو سیاسیات سے بالکل الگ رہنا چاہئے اور یہی ہمارے اکابر کا طریق تھا کہ تعلیم کے زمانہ میں کسی

دوسری طرف توجہ کو سخت مضر خیال فرماتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ معلمین کے طرزِ عمل کا طلباء پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے، لہٰذا مدرسہ کے مدرّسین کو بالخصوص طلبہ کی مصلحت سے سیاسیات سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے اور مدرّسین کے دوسری طرف متوجہ ہونے سے تعلیم کا حرج بھی مشاہد ہے، ایک ایسی جماعت کی بھی سخت ضرورت ہے جو محض علم دین کی خدمت کرے۔'' (ص ۵۵)

(۴) ''بہر حال واضح ہوا کہ سیاست و دیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصود اصلی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں۔ بلکہ اس کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں۔ اسی بناء پر میرا خیال یہ ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی رہنی چاہئے جو خالص حفاظت، دیانت اور تعلیم دین میں مشغول رہے اور وہ جماعت اہل مدارس ہی کی ہوسکتی ہے۔ اسی لئے میری پختہ رائے یہ ہے کہ طلبہ کو سیاسیات میں مبتلا نہ کیا جائے۔ طلباء اگر ان قصوں میں پڑ گئے تو وہ تعلیم سے بھی جاتے رہیں گے اور تربیت بھی ان کی نہ ہوگی۔'' (ص ۵۷)

﴿ضمیمہ خدمات سیاست اسلامیہ﴾

حضرت حکیم الامت مجدد الملتؒ اور امیر شریعتؒ

(امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ کی حضرت والاؒ کی معیت میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا تھانویؒ کی زیارت)

(نوٹ: اوائل جمادی الثانیہ ۱۴۱۶ھ (مطابق اواخر اکتوبر ۱۹۹۵ء) میں مکہ مکرمہ حاضری کے موقع پر محترمی مولانا عبد المنان صاحب زادمجدہٗ (انجینئر قدیم ترکی عمارت حرم مکی شریف) سے المسجد الحرام میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے ذیل کا واقعہ احقر کو املا کرایا، جس کو بعد تغییر یسیر درج ذیل کیا جاتا ہے۔ آ ا)

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے کافی عرصہ اصرار فرماتے رہے کہ جب کبھی حکیم الامت کے یہاں آپ کا جانا ہو تو بندہ بھی آپ کی معیت میں حاضری دینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ ان کو فرمایا کرتے تھے کہ حضرت بہت شفیق ہیں، ان کے یہاں جانے کے لئے واسطہ کی ضرورت نہیں۔ آپ کو جب بھی سہولت ہو آپ خود تشریف لے جائیں تو یہ بہتر ہوگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت ہمیں اپنا حال معلوم ہے کہ ہم تو ننگے ہیں، آپ کی اوٹ میں جائیں گے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت والاؒ نے تھانہ بھون جانے کے عزم سے حضرت شاہ صاحبؒ کو مطلع فرمایا تو حضرت شاہ

صاحبؒ نے فرمایا میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ حاضری کی سعادت حاصل کروں گا۔ مقررہ تاریخ پر یہ حضرات روانہ ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت والاؒ سے دریافت فرمایا کہ حضرت حکیم الامت کو ماکولات میں مرغوب کیا چیز ہے؟ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت کے یہاں ہدیہ لینے کے بڑے قیود وضوابط ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرا یہ سوال نہیں، میں نے تو ان کی رغبت کا پوچھا ہے۔ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ حضرت کو سنگترے بہت مرغوب ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک ٹوکری میں سنگترے ساتھ لے لئے۔ جب یہ دونوں حضرات تھانہ بھون پہنچے اُس وقت حکیم الامت اپنے تخلیہ کی جگہ تشریف لے جاچکے تھے اور ان اوقات میں اپنے خاص خدام کو آنے کی اجازت ہوا کرتی تھی۔ حضرت والاؒ اپنی آمد کی اطلاع فرما کر اندر گئے اور شاہ صاحبؒ ان کے متصل اندر داخل ہوئے تو حکیم الامت کو دیکھا کہ چار پائی پر آرام فرمارہے ہیں۔ حضرت والاؒ نے اسی حالت میں ان سے مصافحہ کیا۔ اب شاہ صاحبؒ بڑے شش و پنج میں ہوئے کہ سنگتروں کی ٹوکری پائنتی کی طرف رکھوں یا سرہانے کی طرف، انہوں نے جلدی میں ٹوکری کو جونہی رکھا حضرت حکیم الامتؒ اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ شاہ صاحب یہ کیا کیا؟ رزق کا تو ادب ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے عرض کیا: حضرت ہم آپ کے بچے ہیں۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ اگر یہ بات ہے تو بچے تو اپنے والدین کے سامنے ننگے بھی حاضر ہوجایا کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت! یہ تو میں آپ ہی کے لئے لایا ہوں۔ اُمید ہے قبول فرمائیں گے۔ حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ میرے یہاں تو ہدیہ قبول کرنے کے قواعد وضوابط ہیں کہ پہلی ملاقات (یعنی اوّل مرتبہ آمد) کے موقع پر ہدیہ قبول نہیں کیا کرتا۔ خواہ وہ پہلی ملاقات کتنی ہی ممتد ہو جائے، یعنی خواہ کتنی ہی مدت قیام رہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت! غالباً آپ کے علم میں ہوگا کہ میں سیدزادہ بھی ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اگر آپ ان الفاظ سے کہہ دیں کہ میرا حکم ہے تو قبول کرلوں گا۔ اس پر شاہ صاحبؒ خاموش ہو گئے، لیکن حضرت تھانویؒ نے سیدزادہ ہونے کے احترام کی وجہ سے وہ ہدیہ قبول فرمالیا۔

اس واقعہ کا تتمہ یہ ہے (اور وہ بھی محترمی مولانا عبدالمنان صاحب انجینئر حرم مکی شریف ہی کی روایت ہے۔ مگر ان کا املا کرایا ہوا نہیں۔ فون پر بتایا تھا۔ بعد میں اس کو احقر نے اپنے الفاظ میں لکھ لیا ہے اور وہ یہ ہے:)

حضرت تھانویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت فرمایا کہ مجلسِ احرار کا سالانہ چندہ کتنا ہے؟ عرض کیا کہ ایک روپیہ سالانہ۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں پچیس روپے یہ کہہ کر پیش فرمائے کہ یہ پچیس سال کا چندہ ہے (اس کے بعد دیکھا جائے گا)

(اس واقعہ میں حضرت تھانویؒ کے متوسلین اور مجلس احرار اسلام کے ارکان دونوں طرف کے حضرات کی خدمت میں دست بستہ غور فرمانے کی درخواست ہے۔ آ ا)

﴿ضمیمہ باب ۹ خیر المدارس و باب ۱۵/ افاضہ باطنی﴾

ہمارے بعض بزرگانِ دین کے بعض مجازین کے مختصر حالات

(یعنی حضرت والاؒ کے بعض ان خاص تلامذہ یا مریدین یا زیر تربیت حضرات جن کو ہمارے دوسرے بزرگانِ دین سے اجازتِ بیعت ملی اور یا جن کو خیر المدارس سے خصوصی تعلق بھی رہا، ان کے مختصر حالات)

فاضل اجل حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ

صدر مفتی و اُستاذ درجہ تکمیل جامعہ خیر المدارس ملتان

(نوٹ: اُستاذی المحترم حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی نے احقر سے اپنے بعض حالات بیان فرمائے، احقر نے ان کو خیر السوانح میں لینے کے لئے قلمبند کرنے کی درخواست کی، جو قبول ہوئی، اور حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خودنوشت مختصر سوانح یعنی حق تعالیٰ اور علمِ دین کی طلب صادق اور اخلاص سے بھرپور ایک مختصر داستان محبت وصول ہوئی جو دلچسپ، مفید، سبق آموز اور قابلِ اتباع ہے۔ اس لئے (بحیثیت حضرت والاؒ کے ایک تلمیذ رشید اور مسترشد اور مدرسہ خیر المدارس کے ایک طالب علم، مدرّس، مفتی، اُستاذ الحدیث، شیخ الحدیث، صدر مفتی اور اُستاذ درجہ تکمیل (تخصص فی الفقہ) کے یہ مختصر حالات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ (الحمد للہ احقر مؤلف کو بھی حضرت مفتی صاحب سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا ہے اور احقر نے ایک سال رمضان المبارک کی تعطیلات میں مدرسہ خیر المدارس ہی میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرح العقائد النسفیہ پڑھی ہے۔ نیز احقر کو اس کتاب کے درس میں بھی حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ اُستاذ الحدیث کے ہم سبق ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آ ا)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

بندہ کی پیدائش ۲۶ ر جولائی ۱۹۳۰ء بوقت سحری فیصل آباد کے ایک مضافاتی گاؤں چک نمبر ۲۱۷ تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد میں ہوئی۔ اصل آبائی وطن ضلع جالندھر ہے۔ جب ضلع فیصل آباد کی زمینیں آبادکاری سکیم کے تحت تقسیم کی گئیں اس دوران دادا جان اور پھر ابا جان اس گاؤں میں تشریف لائے اور حاصل شدہ رقبے کو آباد کر کے یہیں پر رہائش پذیر ہو گئے۔

دادی صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور نماز کے ساتھ خصوصی شغف عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ ہمارے گھر میں پرانے زمانے کی طرز کا ایک قرآنی مکتب قائم و جاری تھا۔ محترمہ دادی صاحبہ اس میں معلمہ تھیں۔ تقریباً سارے گاؤں کی

بچیاں اس میں ناظرہ قرآن پاک پڑھتی تھیں۔ الحمدللہ! یہ دینی گھرانہ تھا، لیکن پورے گاؤں میں حفظ قرآن پاک یا تعلیم دین کا کوئی تصور موجود نہ تھا بلکہ بعض جاہل پیروں کی وجہ سے حفاظ اور علمائے دین کے بارے میں ایک کدورت اور انقباض پایا جاتا تھا۔ ایک پیر صاحب کی مجلس میں بچپن کے اندر مجھے بھی شرکت کا موقع ملا تو بار بار ان کی تقریر میں یہ بات دہرائی جا رہی تھی کہ علم دین پڑھنے کے بعد یہ لوگ جو مسائل بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ چیز ناجائز، ایسا کرنا ناجائز یہ دراصل دماغ کی خشکی کے اثرات ہیں۔ دماغ صحیح نہیں رہتا، وغیرہ وغیرہ اور مریدان باصفا بڑے خلوص سے پیر صاحب کی اس تقریر کو سن رہے تھے۔ شاید مجھ ہی کو سنانا مقصود تھا کیونکہ میں قرآن پاک حفظ کر چکا تھا یا کر رہا تھا۔ علم کے علاوہ حج کے بارے میں جاہل پیروں نے ایسے قصے سنا رکھے تھے کہ جتنا حج پر خرچ کرنا ہو اسی قدر رقم کسی آل رسول کو دے دی جائے تو کئی حجوں کا ثواب ہو جاتا ہے۔

گاؤں میں دو تین گھر صحیح العقیدہ اپنے اکابر کے معتقد تھے۔ سنا ہے کہ ایک مولوی صاحب جن کا تعلق غالباً حضرت گنگوہیؒ سے تھا ان کا قیام بھی کچھ عرصہ تک ان گھروں میں رہا جس کی وجہ سے دینداری کا رنگ ان لوگوں پر غالب تھا اور باقی سارا گاؤں ان کا مخالف تھا۔

انہی میں ایک گھر میں ایک نابینا حافظ عمر دینؒ سال میں ایک مرتبہ آیا کرتے تھے۔ چند دن تک ان کا قیام رہتا، دادی صاحبہ کو ان کا قرآن پاک سن کر شوق پیدا ہوا کہ ہم بھی اپنے بچے کو قرآن پاک حفظ کرائیں۔ چنانچہ جب میں نے سکول میں تیسری کا امتحان پاس کر لیا تو محترمہ دادی صاحبہ کو منجانب اللہ اس کے شوق کا ایسا غلبہ ہوا کہ سکول سے نکال کر مجھے ایک قریبی چک نمبر ۲۸۱ میں حفظ قرآن پاک کے لئے داخل کرا دیا۔ یہ پورے علاقے میں ایک نئی بات تھی کہ کھاتے پیتے گھرانے کا بچہ سکول چھوڑ کر قرآن پاک یاد کرنے کے لئے باہر کسی مدرسہ میں چلا جائے۔ بڑی ہمشیرہ صاحبہ کی شادی بھی اسی چک میں ہوئی تھی اس لئے ان کے گھر میں قیام ہوا۔

اس وقت آٹھ نو سال کی عمر ہوگی۔ ایک دو مرتبہ تو ابا جان یا دادی صاحبہ ہمراہ ہوتے اور وہاں چھوڑ آتے، پھر اکیلے آنا جانا ہوتا تھا۔ گھر کو آنا تو سہل اور خوشیوں سے بھرپور ہوتا لیکن جب اکیلے واپسی ہوتی تو بچپن کی وہ اداسیاں اب تک یاد ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی تھی کہ یہ سلسلہ باقی رہ سکا ورنہ جتنے ساتھی تھے ان میں سے شاید کوئی بھی کامیاب نہیں ہوا۔

جمعہ کی شام کو واپسی ہوتی تھی جو شامِ غریباں کا سماں پیش کرتی تھی۔ لوگ گھروں کو آ رہے ہوتے، میں گھر سے جا رہا ہوتا۔ پھر اکیلا، بچپن، کافی مجاہدہ ہوتا۔ یہاں سے ایک دوسرے چک لشارن میں کچھ عرصہ طالب علمی کاٹی۔ بعد ازاں فیض پور میں چند ماہ منزل سناتا رہا۔

غالباً ۱۹۴۵ء میں اپنے گاؤں میں پہلا مصلیٰ قرآن پاک کا تراویح میں سنایا۔ کچھ احباب تھے جو قرآن پاک سننے کا

بہت شوق رکھتے تھے لیکن ایک پیر صاحب کے منفی پروپیگنڈے کی وجہ سے لوگ قرآن پاک سننے سے گریزاں تھے۔ وہابیت کاالزام تھا۔ رمضان اس اعتبار سے بڑے مجاہدے کا ہوتا تھا۔ پیر صاحب کے بہکانے سے فوج طفلاں ﴿لاتسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون﴾ پر عمل کر کے ہمیں پریشان کرتی۔ بعض دفعہ گھر پر مجبوراً احباب کی جماعت زاویح کرانا پڑتی۔ کبھی کسی دوسرے دوست کے مکان پر، کافی تلخی اور حالات کی کشیدگی برپا رہتی۔ ان پیر صاحب کا معمول تھا جوامام تھے کہ رجب، شعبان میں امامت غائب، رمضان سے ایک آدھ دن پہلے مصلے پر قبضہ جما لیتے۔ سال بھر اکثر ترک جماعت ان کا معمول تھا۔ افہام و تفہیم وغیرہ کی ہر کوشش کے باوجود اب تک ان کی یہ خوئے بدنہیں بدلی۔ حفظ قرآن کریم کے لئے جیسے اللہ تعالیٰ نے غیر متوقع طور پر غیب سے اسباب مہیا کر دیئے بالکل اسی طرح آگے تحصیل علومِ دینیہ کے اسباب بھی ظہور پذیر ہوئے ورنہ علم دین پڑھنے پڑھانے کا ہمارے ماحول میں دُور دُور تک وجود نہ تھا۔

ہمارے گھرانے کے پیر صاحب (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمادیں) ان کے صاحبزادہ نے فرمایا کہ تم قرآن کریم کا ترجمہ اور مجموعہ خوانی ہمارے پاس پڑھ لو اور گلستان، بس سارا علم دین یہی ہے، اس سے زیادہ پڑھنا فضول ہے۔ چنانچہ والد صاحب کے فرمان سے جناب پیر عبدالہادی صاحب کے پاس گلستان اور ترجمہ قرآن پاک اور مجموعہ خوانی پڑھی مگر اس کے باجود تعلیم دین حاصل کرنے کا شوق بدستور باقی رہا۔

ایک قریبی گاؤں کے تین طالب علم مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد فیصل آباد میں پڑھتے تھے۔ گاہ گاہ ان میں سے ایک صاحب سے ملاقات ہوتی تو مدرسہ اور پڑھنے پڑھانے کے موضوع پر گفتگو ہوتی۔ حق جل شانہٗ کا خاص انعام ہوا کہ اپنی گمنامی والی طبیعت اور عادات قوم کے بالکل خلاف بندہ نے اسی مدرسہ میں تعلیم دین حاصل کرنے کا عزم صمیم کر لیا۔ خیال ہوا کہ اگر حضرت والد صاحبؒ سے اس کی اجازت طلب کی گئی تو شاید وہ منع فرمادیں کیونکہ ترجمہ اور مجموعہ خوانی تو پڑھ ہی چکا تھا اس لئے پروگرام یہ تجویز ہوا کہ ابتداءً بلا اجازت بامید اجازت چلے جانا چاہئے۔ چنانچہ اللہ کا نام لے کر مورخہ ۳ نومبر ۱۹۴۷ء سحری کے وقت ضروری سامان لے کر فیصل آباد کے لئے روانہ ہو گیا جسکی اطلاع صرف اہلیہ کو تھی اور حضرت والد صاحبؒ کی اطلاع کے لئے ایک عریضہ لکھ کر اپنے کُرتے کی جیب میں چھوڑ دیا جس میں نہایت معذرت کے ساتھ مؤدبانہ اجازت کی بھی درخواست کی گئی تھی اور اپنے شوق کا اظہار کیا گیا تھا۔

جب بندہ حسبِ معمول آٹھ بجے تک مسجد سے نہ آیا تو ادھر ادھر تلاش شروع ہوئی۔ کچھ پریشانی کے بعد بندے کا عریضہ مل جانے سے حقیقت حال کا علم ہوا۔ حضرت والد صاحبؒ نے غضب و رضا کی ملی جلی کیفیت میں فرمایا: ''اچھا! اب گیا ہے تو پڑھ لے، جتنا چاہے پڑھ لے۔،، الحمد للہ! حضرت والد صاحبؒ کی طبیعت بہت ہی حلیم و بردبار تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر مبارک کو باغیچہ جنت بنادیں۔ آمین!

فیصل آباد جانے کے لئے چھ سات میل کا سفر پیدل چل کر سمندری جانا ہوتا ہے۔ سمندری سے فیصل آباد کے لئے بس ملتی تھی، پیدل چلتے ہوئے راستے میں مہاجرین کے لٹے پٹے قافلے بھی ملے۔ اسی سال ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء رمضان کو پاکستان بننے کا اعلان ہوا تھا اور مُلک میں فسادات اور انتقال آبادی کے ہنگامے جاری تھے۔ مہاجرین کی آبادکاری کا کام ہو رہا تھا۔ خیر دوپہر کو مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد میں پہنچ گئے، داخلہ ہوگیا۔ مدرسہ ہذا کے مہتمم حکیم حافظ عبدالمجید صاحب نابینا تھے۔ صدر مدرس حضرت مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل اور دوسرے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب (فیض محمدی والے) اور حضرت مولانا غلام فرید صاحب تھے۔ اللہ پاک ان سب حضرات کی مغفرت فرماویں اور ان کے درجات کو بلند فرماویں۔ بہت شفیق اور مہربان اساتذہ تھے۔

تعلیم شروع ہوگئی۔ گلستان وغیرہ پہلے چونکہ پڑھ چکا تھا اس لئے حضرت مولانا نے سکندرنامہ وغیرہ شروع کرادیا۔ صرف ونحو کے اسباق بھی شروع ہوگئے۔ پڑھنا اور مطالعہ کرنا تو اب تک بھی نہیں آیا۔ بس کتابوں پر عبور شروع ہوگیا۔ حضرات اساتذہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ ایسے کیونکر ہوا۔ بہرحال ہوا یہ کہ پہلے سال کے سالانہ امتحان میں فارسی کے علاوہ فقہ میں کنزالدقائق، نحو میں کافیہ وغیرہ کا امتحان دیا۔ ولی کامل حضرت مولانا محمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے امتحان لیا۔ الحمدللہ! سب کتابوں میں کامیاب ہوا۔ حضرتؒ بھی تعجب فرما رہے تھے کہ یہ کیسا امتحان ہے؟ امتحان کے بعد حضرت اقدس کو واپس گھر سنت پورہ پہنچانے بھی بندہ ہی ساتھ گیا۔ راستے میں بڑی شفقت سے ایسے ہی ارشادات سے شفقت فرماتے رہے۔

یہ ۱۹۴۸ء کا شعبان تھا، اسی سال شوال میں دوسرا تعلیمی سال شروع ہوا تو اس میں شرح جامی، مختصر المعانی، دیوانِ حماسہ، ہدایہ وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔

استاذ مکرم حضرت مولانا غلام فرید صاحبؒ:

آپ خیرالمدارس جالندھر کے اوّلین فضلاء میں سے تھے۔ حضرت اقدس مولانا خیر محمدؒ اور مدرسہ خیرالمدارس کے ساتھ بہت گہرے روابط تھے۔ ہر سال سالانہ جلسہ کے موقعہ پر خیرالمدارس تشریف لاتے اور تین دن تک حافظ رشید احمدؒ کے ساتھ سٹیج پر برائے وصولی چندہ ڈیوٹی دیتے۔ حضرت اقدس مولانا خیر محمدؒ بھی آپ پر خاص مہربان تھے۔

دوسرے تعلیمی سال حضرت مولانا غلام فرید صاحبؒ دورانِ اسباق خیرالمدارس اور رائے پور کے مدرسہ اور ان کے اساتذہ کرام کے تذکرے فرماتے رہتے تھے۔

آئندہ سال کے لئے کہاں تعلیم حاصل کی جائے؟ حضرت الاستاذ نے مشورہ دیا کہ خیرالمدارس تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بہترین مدرسہ ہے۔ آپ کو خیرالمدارس ہی جانا چاہئے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے سخت انتظامی ضوابط وقوانین کا تذکرہ بھی ہوتا رہتا تھا۔ کوئی بے وقت جائے تو ملاقات نہیں ہوسکتی، کوئی بدعنوانی ہوجائے تو

ذات ڈپٹ بلکہ اخراج بھی بعید نہیں۔ نظم وضبط کی پابندی کا بڑا اہتمام وغیر ذالک، اس لئے ڈر بھی لگتا تھا۔ یہ بھی سن رکھا تھا کہ بدون پیشگی اجازت خیر المدارس میں داخلہ نہیں ہوتا۔ دورانِ سال استاذ محترم کے مشورہ سے حضرت اقدس مولانا خیر محمدؒ کی خدمت میں داخلہ کے لئے عریضہ لکھا گیا۔ حضرت اقدسؒ کی طرف سے مختصر جواب موصول ہوا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ! اجملہ طلبہ امیدواران داخلہ ۶ رشوال تک پہنچ جائیں۔ والسلام خیر محمد غفرلہ

رمضان المبارک میں تیاری شروع ہوئی، سخت انتظامی قواعد وضوابط کا تو سن ہی رکھا تھا۔ ۵ رشوال کو گھر سے اسطر روانگی ہوئی کہ ۶ رشوال صبح مدرسہ میں پہنچ سکیں۔ یہ اندیشہ ذہن پر مستولی تھا کہ اگر اس تاریخ سے پہلے پہنچ گئے یا اس تاریخ شام کو پہنچے تو جواب طلبی ہوسکتی ہے حالانکہ دِن کو بھی سفر ہوسکتا تھا لیکن اندیشہ بالا کے پیشِ نظر پوری رات سفر کر کے صبح تقریباً ۸ بجے خیر المدارس میں پہنچ گئے۔ الحمد للہ علی ذالک ناشتہ وغیرہ کیا۔ داخلے کے لئے مستعد ہو کر طلبہ میں آ شامل ہوئے۔ خوف ورجا کی حالت طاری تھی، دیکھیں کیا بنتا ہے اور حضرت اقدس کا انتظار شروع ہوگیا، ابھی تشریف لائیں گے۔

تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ حضرت اقدس پورے وقار کے ساتھ سفید نورانی چہرہ، سرگیں آنکھیں، نحیف پتلا جسم، سر پر عمامہ گھر سے تشریف لا رہے ہیں۔ خداداد رُعب اس قدر کہ نہ صرف طلبہ واساتذہ بلکہ گویا در و دیوار پر سناٹا چھا گیا۔ یہ حضرت اقدسؒ کی پہلی زیارت تھی جو بقول شاعر ؎

محاجبها حب الالى كن قبلها
وحلت مكانا لم يكن حل من قبل
اتانى هواها قبل أن اعرف الهوى
فصادف قلبا خاليا فتمكنا

اللہ والوں کی زیارت کے جو اثرات ہوتے ہیں وہ ہم نے اپنے میں محسوس کئے۔ داخلے کا کام شروع ہوگیا، اسی روز یا دوسرے روز فارم داخلہ پر کر کے حضرت اقدسؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ حضرتؒ نے خود بندہ کا امتحان لیا۔ ہدایہ اولین کتاب الجمعۃ سے سنا اور پھر بعض کتابوں کا امتحان لیا۔ پڑھا پڑھایا تو ایسا ہی تھا، الحمد للہ داخلہ ہوگیا۔ اس زمانے میں مشکوٰۃ وجلالین عموماً ایک ہی سال میں ہوتی تھیں۔ ان کے ساتھ ہدایہ اخیرین، شرح عقائد اور معقولات کے بعض اسباق تجویز ہوئے۔

مشکوٰۃ شریف ہمیشہ حضرت اقدس خود پڑھاتے تھے۔ بعد میں کچھ تغیرات ہوئے، ہماری مشکوٰۃ شریف بھی حضرتؒ کے پاس، جلالین شریف مولانا عبد الشکور صاحب کیمل پوری اور ہدایہ ثالث ولی کامل حضرت اقدس مفتی محمد عبد اللہ صاحب رحمہم اللہ اجمعین کے پاس شروع ہوئی۔

غالباً تعلیم کا آغاز ۱۲ ارشوال کو ہوا تھا۔ آغاز تعلیم سے قبل یا کچھ روز بعد حضرت اقدس مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوری[1] قدس سرہٗ کی سابق شیخ الحدیث وصدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور و حال شیخ الحدیث خیرالمدارس ملتان کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ کا شمار حضرت تھانویؒ کے ممتاز خلفاء میں ہوتا ہے۔ حضرت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ سے آپ کی اصلاحی خط وکتابت جامع، مانع اور مفید تر ہے، اسی لئے اشرف السوانح میں نمونہ کے طور پر اسے اشاعت کے لئے منتخب کیا گیا۔ اہلِ بصیرت کا کہنا ہے کہ ہر خط میں گویا ایک مقام باطنی طے کیا گیا۔

کمالِ علمی کے ساتھ کمالِ عملی حسن سیرت کے ساتھ آپ کو حسن صورت سے قدرت نے نوازا تھا۔ گویا بلا مبالغہ فرشتہ صورت اور فرشتہ سیرت تھے۔ علم وحلم کے کُھلے تھے۔ حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن قدس اللہ اسرارھما بلاشبہ ان اولیاء میں سے تھے جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، نہ صرف یہ بلکہ ان کی زیارت سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا تھا۔

دیہات ہوں یا قصبات وشہر سب سے امانت ودیانت، تقویٰ وطہارت، صدق وصفا کے اوصاف مفقود ہو رہے ہیں۔ جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی، فسق وفجور کا شیوع ہے۔ پوری آبادی میں بہ مشکل ایک آدھ ایسا شخص ملتا ہے، جس کی بات پر اعتماد کیا جا سکے۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ وعدہ کرتے ہیں پھر اس کے خلاف کرتے ہیں امانت میں خیانت ہے۔

انسان کی کمزوری ہے کہ جب تک کسی حقیقت کا مشاہدہ نہ کرے شک وتذبذب سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ الحمدللہ! اللہ ورسول کے ارشاد فرمودہ وعدہ وعید پر ایمان کی دولت حاصل تھی، لیکن چونکہ سچ بولنے والا کوئی دیکھا نہیں تھا اس لئے شیطانی وساوس میں ابتلاء رہتا ہے لیکن جب خیرالمدارس میں حاضری کے بعد ان اکابر کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، مولیٰ تعالیٰ شانہٗ کا لاکھوں لاکھ شکر ہے ایمانیات اور اُمورِ آخرت پر شرح صدر حاصل ہوگیا کہ جو کچھ قرآن وسُنّت میں بیان کیا گیا ہے حق ہے۔

ضمیر کی آواز اور دِل ودماغ کا یہ فیصلہ تھا کہ ان مبارک حضرات کے بارے میں کذب وخیانت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یقیناً یہ سچے لوگ ہیں، جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے چہرہ انور پر نظر پڑتے ہی صمیم قلب سے شہادت دی تھی: ﴿ان هذا الوجه ليس بوجه كذاب﴾ اسی طرح بندہ کے قلب نے بھی شہادت دی کہ یہ حضرات جھوٹے نہیں ہو سکتے۔ استدلال کچھ یوں مرتب ہوا کہ جب یہ حضرات ایسے ہیں جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے ادنیٰ غلام ہیں تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ نے اپنے دعویٰ نبوت یا وحی خداوندی اور جنت ودوزخ کے متعلق العیاذ باللہ کسی قسم کی کذب بیانی یا خیانت کی ہو۔ ہرگز نہیں۔

[1] تلمیذ خاص حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری وشیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی نور اللہ مراقدھم (سوانح فقیہ تمہ ب ۲، ص ۲۰۰)

بہر حال ایمان و یقین اور شرح صدر کی یہ دولت تھی جو ان حضرات کی زیارت سے نصیب ہوئی۔ الحمد للہ نماز باجماعت کا اہتمام اور اطمینان سے اس کی ادائیگی کی توفیق حاصل ہوئی۔

دورانِ سال اسباق بہت اچھے ہوتے رہے۔ مشکوٰۃ شریف کا سبق تو نور علیٰ نور تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک احادیث کے مطالعہ و تکرار کے انوار ایک ولی کامل کی صحبت توجہ وعنایت کے انوار، دُنیا سے فارغ البالی اور یکسوئی کے انوار! یہ سبق مجمع الانوار تھا۔ حکم یہ تھا کہ ہر طالب علم مطالعہ کر کے آئے۔ املائی تقریر ضبط کرے، کسی طالب علم میں امتیازی شان کا اظہار سخت ناپسندیدہ تھا۔ کبر وخود رائی کسی طالب علم و ماتحت کی طرف سے گوارا نہ تھی۔ فنائیت اور اپنے آپ کو مٹا کر رکھنا طالب علم کے لئے پسند فرماتے تھے۔ کسی طالب علم سے ایسا برتاؤ نہیں فرماتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو مطلوب سمجھنے لگ جائے۔ سلیم الطبع محنتی و مستعد طالب علم کی قدر دانی فرماتے تھے۔ گو اسے معلوم نہ ہو کہ حضرت مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

عصر کے بعد حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ملفوظات کی مجلس ہوتی تھی جس میں منتہی طلبہ اور اکثر حضرات اساتذہ شرکت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت اقدس مفتی محمد عبد اللہ قدس سرہٗ کی کلائی پر دستی گھڑی بندھی دیکھ کر فرمایا، کہ اب تو مفتی صاحبان بھی دستی گھڑی باندھنے لگ گئے ہیں۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فوراً گھڑی اتار کر جیب میں ڈال لی۔ اس کے بعد عمر بھر کبھی آپ نے گھڑی نہیں باندھی، بلکہ اسی دستی گھڑی کو جیبی بنالیا۔ ہمیشہ جیب میں رکھتے تھے۔ خود حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بھی جیبی گھڑی استعمال فرماتے تھے۔

غالباً آخر سال کے قریب میں نے حضرتؒ کی خدمت میں اپنی اصلاح کے لئے عریضہ لکھا۔ حضرتؒ نے از راہِ شفقت اپنی غلامی کے لئے قبول فرمالیا۔ اصلاحی خطوط کی تفصیل دستیاب نہیں ہو سکی، البتہ اجمالی طور پر اتنا یاد ہے کہ حضرتؒ کی نظر کرم سے بفضلہٖ تعالیٰ بہت کچھ فائدہ محسوس ہوا۔ نوافل و تلاوت پابندیٔ جماعت وغیرہ کی اس وقت کی حالت یاد آتی ہے تو اب اس کے فقدان پر نہایت افسوس ہوتا ہے۔ دُنیا سے بے رغبتی، طمانیت قلبی اور یکسوئی کی کیفیت بھی حافظہ میں محفوظ ہے۔

رفیق محترم قاضی عبد السلام صاحب نے ایک مرتبہ بندہ سے کثرت وساوس کی شکایت کی، بندہ نے حضرت قدس سرہٗ کی خدمت میں عرض کرنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرتؒ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ عصر کے بعد مجلس میں آکر خاموش بیٹھ جایا کرو۔ چند دِن کے بعد انہوں نے بتلایا کہ الحمد للہ سب وساوس کافور ہو گئے۔ یاد کرنے سے بھی کوئی یاد نہیں آتا۔ کمرے کے ساتھیوں میں مولانا فیض صاحب مکتبہ حقانیہ ملتان بھی شامل تھے۔ دوسرے ساتھی بھی نیک تھے۔ سنا ہے کہ دوسرے طلبہ میں ہمارے کمرے کو صوفیوں کا کمرہ کہا جاتا تھا۔

توحید مقصد اور تقسیم کار کے اصول کے حضرتؒ سختی سے پابند تھے اور تمام اساتذہ سے عموماً اور طلبہ سے خصوصاً اس کے خواہش مند تھے کہ دوران تعلیم وہ کسی سیاسی، غیر سیاسی تنظیموں اور ان کے پروگراموں میں شریک نہ ہوں۔ حصولِ تعلیم کو

نصب العین بنا کر شب و روز اس میں مشغول رہیں۔ایک طالب علم نے ایک سیاسی جماعت کا لٹریچر تقسیم کرنا شروع کر دیا، حضرت کو اس کا اطلاع ہوئی تو جواب طلبی پر اس نے کہا کہ مجھے حق واضح ہو گیا اس لئے یہ کام چھوڑنا مشکل ہے۔حضرتؒ نے فرمایا کہ حق واضح ہونے اور اس تک پہنچنے ہی کے لئے مدارس میں داخلے اور تحصیل علم کی ضرورت ہوتی ہے۔جب آپ پر حق واضح ہو گیا تو آپ کو مزید علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، یہ کہہ کر اس کے عناد وخود رائی کی وجہ سے اسے مدرسہ سے خارج کر دیا گیا۔معلوم ہوا کہ وہ درمیان میں رہ گیا اپنی تعلیم کسی جگہ بھی مکمل نہیں کر سکا۔

اساتذہ اور اللہ والوں سے تکبر وخود رائی سے پیش آنا ناکامی و ہلاکت کا سبب ہے۔بعض ایسے منتہی طلبہ کا یہ عبرتناک انجام دیکھنے میں آیا کہ دورے والے سال رجب کی آخری تاریخوں میں ان کا اخراج ہوا، پہلا سال الحمد للہ خیر وخوبی سے پورا ہوا۔

دوسرے سال بڑی مسرت سے دورۂ حدیث شریف میں داخلے کے لئے خیر المدارس حاضری ہوئی۔چنانچہ داخلہ بھی ہو گیا۔طلبہ کی ایک بڑی جماعت دورۂ حدیث شریف میں داخل ہو چکی تھی کہ ایک وحشت ناک خبر سننے میں آئی کہ اس سال حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوری خیر المدارس سے ٹنڈو الہ یار سندھ تشریف لے جا رہے ہیں اور وہیں تدریسی خدمات انجام دیں گے۔خیر المدارس سے استعفاء کو طلبہ نے بڑی شدت سے محسوس کیا اور ان میں بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔بندہ کو اس سے خاص طور پر صدمہ ہوا، کیونکہ گزشتہ سال سے یہ آرزو تھی کہ حضرت سے کوئی سبق پڑھیں گے لیکن گزشتہ سال اس کی نوبت نہیں آئی تو خیال تھا کہ دوسرے سال تو ضرور اس سعادت سے بہرہ ور ہوں گے کیونکہ دورہ کے ایک دو سبق حضرت کیمل پوری کے پاس ضرور ہوتے تھے، لیکن اس خبر سے ؏

اے بسا آروز کہ خاک شدہ

کا مضمون پیش نظر ہو رہا تھا۔ادھر خیر المدارس سے علیحدگی بھی گوارا نہ تھی۔بہت دنوں اس کشمکش میں مبتلا رہا کہ نئی صورت حال میں دورۂ حدیث شریف خیر المدارس میں پڑھا جائے یا دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ میں، آخر یہی ثانی الذکر خیال غالب آیا اور چند ساتھیوں کے ساتھ ٹنڈو الہ یار میں پہنچ کر داخلہ لے لیا گیا۔

دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار کی بنیاد اکابر علماء کرام و مشائخ عظام کے فیصلہ کے مطابق اس منصوبے کے تحت رکھی گئی تھی کہ دار العلوم دیوبند سے ملکی تقسیم کی وجہ سے انقطاع ہو گیا ہے۔طلباء کے لئے اب وہاں جا کر علم حاصل کرنا مشکل ہو گیا ہے، اس لئے دار العلوم کا بدل پاکستان میں قائم کیا جائے اور اس کا نام دار العلوم الاسلامیہ رکھا جائے۔اس دار العلوم میں عصرِ حاضر کے چوٹی کے علماء و محدثین عظام کو جمع کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ اس کی مرکزیت قائم ہو جائے۔اس کے

---

۱ یعنی حضرت مولانا حافظ فیض احمد صاحب مدظلہ حال بانی ومہتمم مدرسہ امداد العلوم نزد خیر المدارس سابق مہتمم قاسم العلوم واستاذ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان (آ آ)

اہتمام وانصرام کے لئے حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو منتخب کیا گیا۔ اس زمانے میں پورے پاکستان میں حضرت موصوف کا طوطی بولتا تھا اور سرکاری اثر ورسوخ بھی بہت زیادہ تھا۔ ٹنڈوالہ یار میں ایک مخیر سیٹھ حاجی سومارہ صاحب نے ایک مربع اراضی مدرسہ الاسلامیہ کے لئے وقف کر کے موصوف کے حوالہ کر دی جس میں عارضی بنیادوں پر مدرسہ کی عمارت کی تعمیر شروع کر دی گئی۔

غالباً ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ کی کسی تاریخ کو ہم ٹنڈوالہ یار پہنچے، حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی اور دو دوسرے ساتھی بھی ہمراہ تھے۔ نابغہ روزگار شخصیات کو اس دار العلوم میں جمع کر دیا گیا تھا۔ استاذ الکل حضرت کیمل پوریؒ فخر المحدثین والمتکلمین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ، حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی محشی نسائی، تاریخ وتحقیق کے لئے حضرت مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی، فن تجوید وقراءت کے لئے مدرسہ دار الفرقان لکھنو کے صدر مدرس جناب قاری عبد المالک[1] صاحب لکھنویؒ مقرر تھے۔

یہ سال بہت ہی برکات کا سال تھا، شب و روز احادیث مبارکہ کے توسط سے صحبت نبویہ علیٰ صاحبہا الوف التسلیمات کے انوارات وفیوضیات کے انعکاس واستفادہ کے مواقع مہیا تھے۔ دار الحدیث میں کبھی بدر عالم کی تابانی ہوتی، کبھی یوسف ثانی کے حسن صورت وسیرت اور بحر علم سے درافشانی ہوتی اور کبھی استاذ الاساتذہ جامع شریعت وطریقت حضرت کیمل پوری قدس اللہ اسرارہم کی علم وحلم، وقار وتمکنات، دانش وعرفان سے پر تقاریر کی دھیمی دھیمی بارش ہوتی۔ کبھی مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ کی گھن گرج سے دار الحدیث گونج اٹھتا۔

نماز فجر میں طوال مفصل پڑھنا مستحب لکھتے ہیں لیکن عموماً ان میں سے چھوٹی سورتیں پڑھنے کی عادت بن گئی ہے مگر دار العلوم اسلامیہ میں فجر کی نماز میں اکثر بڑی سورتیں پڑھی جاتی تھیں۔ الحمد للہ یہ سال خیر وخوبی سے اختتام پذیر ہوا۔ رمضان المبارک گھر پر گزارا۔ اسی رمضان میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں تکمیل کے لئے خیر المدارس میں داخلے کے لئے عریضہ لکھا، حضرت اقدسؒ نے شفقت فرماتے ہوئے داخلے کی اجازت عنایت فرمائی اور تحریر فرمایا ع

گزشتہ را صلوات آئندہ را احتیاط

اسال قاضی مبارک، شمس بازغہ، عقود رسم المفتی غالباً در مختار، تاسیس النظر وغیرہ اسباق تھے اور دار الافتاء میں حضرت اقدس مفتی محمد عبد اللہ صاحبؒ کی زیر نگرانی نقل فتاویٰ اور اعانت افتاء کا کام بھی تھا۔ بعض وجوہ سے حضرت کی اجازت سے اس سال گھر والوں کو بھی خیر المدارس میں ہمراہ لانا پڑا۔ غالباً پندرہ روپے ماہوار اور ایک من آٹا مدرسہ کی

---

[1] امام القراء حضرت قاری عبد المالک صاحبؒ کے فرزند جناب قاری ذاکر صاحب (مقیم الریاض) سے معلوم ہوا کہ وطن اصلی علی گڑھ تھا (بعد میں قیام لکھنو رہا) (آ ا)

طرف سے وظیفہ نقل افتاء کا مقرر کیا گیا جسے بمجبوری لینا پڑا۔ اچھی طرح یاد ہے کہ جب یہ وظیفہ مقرر ہوا تو علیحدہ کمرے میں بیٹھ کر خوب رویا کہ اے اللہ! علم دین پیسوں اور تنخواہوں کے لئے تو نہیں پڑھا تھا بلکہ تیری رضا کے لئے پڑھا تھا، یہ کیا پیش آ رہا ہے کہ تنخواہ لگ رہی ہے۔ ایک ہی جوڑا ہوتا تھا وہی دھویا اور سوکھا کر پہنا، بہت کہہ سن کر گھر والوں نے دوسرا کرتہ بنوایا اور ہاتھوں سے سلائی کی۔

آخر سال میں بیمار ہوا۔ رجب کی آخری تاریخوں میں امتحان دے کر گھر چلا گیا۔ شعبان کے چند دن گھر پر گزارے۔ علاج کا اللہ تعالیٰ نے یہ نظام فرمایا کہ ماموں جان مجھے ہمراہ لے گئے اور ان کے مکان پر ضلع شیخوپورہ میں علاج ہوتا رہا۔ اللہ پاک خالہ صاحبہ، ماموں جان اور ان سب گھروں کو دین و دُنیا کی نعمتوں سے نوازے۔ انہوں نے بہت ہی محبت کے ساتھ خدمت کی۔ محترمہ والدہ صاحبہؒ بھی بندہ کے ساتھ تھیں۔ ۱۵ر شعبان سے لے کر غالباً ذوالحجہ کے آخر تک وہیں قیام رہا۔ اللہ پاک نے محض اپنے فضل و کرم سے شفاء عنایت فرمائی ورنہ ابتداءً مایوسی کے آثار تھے۔

بحالی صحت کے بعد کچھ عرصہ گھر پر گزارا، پھر حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ (جو بندہ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے) عیادت کے لئے ضلع فیصل آباد گاؤں میں بھی تشریف لے گئے تھے۔ بیماری کے دوران ہدیہ بھی ارسال فرمایا تھا اور اپنے ادارہ نشر و اشاعت اسلامیات میں کام کے لئے بندہ کو ملتان بلا لیا۔ ایک دو سال اس میں کام کیا۔ رہائش خیرالمدارس میں ہی ہوتی تھی۔ ایک دو سبق بھی خیرالمدارس میں پڑھاتا تھا۔ باقی وقت ادارے کے کام میں مشغول تھا۔ ایک دِن بندہ نے حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ بندہ کی خواہش ہے کہ سارا وقت خیرالمدارس میں تدریس یا افتاء کے لئے ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ خیرالمدارس میں تو سفارش کرنا مشکل ہے اگر تم چاہو تو قاسم العلوم میں تقرر ہو سکے گا۔ چنانچہ بندہ کو ہمراہ لے کر حضرت مفتی صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالخالق صاحبؒ صدر مدرس قاسم العلوم کے پاس تشریف لے گئے۔ علیک سلیک کے بعد اپنی آمد کا مقصد ظاہر فرمایا، انہوں نے اسے قبول فرما لیا کہ اس کا انتظام ہو جائے گا۔

خیرالمدارس واپسی ہوئی تو خیال ہوا کہ حضرت الاستاذ مولانا خیر محمد صاحبؒ سے بھی اس سلسلہ میں مشورہ اور اجازت لینا ضروری ہے۔ چنانچہ بندہ نے پوری صورت حال لکھ کر حضرت سے مشورہ طلب کیا۔ جواباً حضرت نے تحریر فرمایا کہ خیرالمدارس سے تمہاری علیحدگی کو تو جی نہیں چاہتا اس لئے تمہارا تقرر خیرالمدارس میں ہی کیا جاتا ہے۔ اندھے کو کیا چاہئے دو آنکھیں۔ بندہ کی دِلی خواہش بھی یہی تھی کہ اپنی مادرِ علمی خیرالمدارس میں حضرات اساتذہ خصوصاً حضرت مفتی صاحب اور حضرت مہتمم صاحب رحمہما اللہ کی زیرِ سرپرستی کام کرنے کی سعادت حاصل ہو۔ قاسم العلوم سے تو کوئی مناسبت اور تعلق نہ تھا اور خیرالمدارس اپنا سب کچھ تھا۔

شوال میں حضرتؒ نے دریافت فرمایا کہ ادارے سے کیا تنخواہ لیتے تھے۔ عرض کیا یکصد، فرمایا بہت اچھا۔ حضرتؒ

نے دس روپیہ اضافہ فرما کر تقرر فرما دیا اور دارالافتاء میں معین مفتی ہونے کے علاوہ کچھ اسباق بھی تجویز فرما دیئے۔

حدیث پاک کے سبق کا شوق ہوتا تھا۔ خیال تھا کہ کبھی اللہ تعالیٰ یہ تمنا پوری کریں گے۔ اس زمانے میں اسباق کے مطالبے کا کوئی تصور نہ تھا۔ بس حضرتؒ کی رائے مبارک پر ہوتا تھا۔ شوال میں تقسیم اسباق کا نقشہ بنتا تھا۔ بس جس استاد کے نام جو سبق تجویز ہوا وہ لکھ دیا گیا۔ اس میں چون و چرا کو بے اَدبی تصور کیا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بندہ کی جہالت و عیوب کے ساتھ اپنی ستاری کا معاملہ فرماتے ہوئے حضرتؒ کے قلب میں القاء فرمایا۔ حضرتؒ نے نہ یہ کہ صرف حدیث پاک بلکہ دورۂ حدیث شریف سے طحاوی شریف کا سبق عنایت فرمایا۔ اس کا کبھی وہم وگمان بھی نہ تھا کہ دارالحدیث میں کبھی یہ سعادت بھی نصیب ہوگی۔ بہر حال اسباق شروع ہوئے۔ محض فضل خداوندی سے الحمدللہ کامیابی کے ساتھ یہ سبق زیر درس رہا۔ طحاوی شریف کے جس نسخہ پر بندہ نے پڑھایا جا بجا اس پر فوائد بھی تحریر کئے جو بحمداللہ بندہ کے بعد میں پڑھانے والے حضرات کے لئے بقول ان کے مفید ثابت ہوئے اور پھر ان فوائد کو ضروری اضافوں کے ساتھ الگ ایک رسالے کی شکل میں منضبط کر لیا گیا۔ دوسرے مدارس کے بعض اساتذہ نے بھی اس سے استفادہ کیا۔ حضرت اقدس مفتی صاحب کے زیرِ نگرانی افتاء کا کام بھی جاری رہا۔

۱۳۸۹ھ میں حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحبؒ سخت علیل ہو گئے۔ ایبٹ آباد بھی علاج ہوتا رہا کیونکہ حضرتؒ دورانِ سفر ہی بیمار ہوئے تھے۔ پھر ایبٹ آباد سے ملتان چھاؤنی فوجی ہسپتال میں حضرت کو علاج کے لئے منتقل کر دیا گیا لیکن افاقہ نہ ہوا، پھر لاہور اسی سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں یہ مشورہ ہوا کہ حضرت کا آپریشن ہوگا۔ نیز تجویز ہوا کہ یہ آپریشن نشتر ہسپتال ملتان میں مناسب ہے۔ چنانچہ ماہ رمضان المبارک میں نشتر میں حضرتؒ کا آپریشن ہوا جو کامیاب ہوا اور آپ صحت یاب ہوئے۔ غالباً عیدالفطر کے روز بھی نشتر ہی میں تھے۔ بندہ تعطیلات رمضان کی وجہ سے گھر گیا ہوا تھا۔ بعد میں احباب سے معلوم ہوا کہ ہسپتال میں ہی حضرتؒ نے اپنے خاص احباب سے نظام مدرسہ کے بارہ میں تین باتیں ارشاد فرمائیں:

میری خواہش ہے کہ حضرت اقدس مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ کا تعلق ہمیشہ خیر المدارس سے قائم رہے۔

۲ اسی سال عبدالستار کو ابوداؤد شریف کا سبق دے دیا جائے۔

۳ تیسری بات یاد نہیں۔

شوال میں جب حاضری ہوئی تو الحمدللہ حضرت کی صحت تقریباً بحال ہو چکی تھی۔ اسباق خود تقسیم فرمائے اور اس میں ابوداؤد شریف کا سبق بندہ کے نام لکھا۔ بے حد مسرت ہوئی کہ حضرت کی طرف سے یہ اعتماد کی گویا ایک سند تھی جو بندہ کو عنایت فرمائی گئی۔ **فالحمدلله علی ذلک حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه** حضرات اساتذہ کی کوئی املائی تقریر سامنے نہ تھی۔ سبق کیسے شروع کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے کچھ مضامین ذہن میں آئے اس کے مطابق سبق شروع کرا دیا گیا۔

اس سال حضرتؒ کے ایک خادم مولوی عبدالشکور صاحب بھی دورۂ حدیث شریف میں شریک تھے۔ وسط یا آخر ذیقعدہ میں انہوں نے بتلایا کہ ابوداؤد شریف کی جو تقریر میں لکھتا ہوں حضرت اسے سنتے رہے ہیں، یکدم سناٹا طاری ہو گیا کہ حضرت سنتے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں! میں نے کہا پھر؟ انہوں نے کہا حضرت نے اسے بہت پسند فرمایا ہے۔ حضرت کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ کسی استاد کو جب نیا سبق دیا جاتا تو حضرت اہتمام کے ساتھ اس سبق کی نگرانی فرماتے تھے اور قابل اصلاح اُمور اور مشکل مقامات پر متنبہ فرماتے تھے۔ الحمدللہ حضرت نے بندہ کو کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ قبول ہوا ہے۔ یہ سبق کئی سال رہا۔

پھر حضرت علامہ کشمیریؒ کی مدرسہ سے علیحدگی کے سال ترمذی شریف کا سبق ملا جو الحمدللہ کامیابی سے چلتا رہا۔ ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف کی املائی تقریر الگ الگ دو ضخیم جلدوں میں محفوظ ہے۔

اس سال عزیزم مفتی محمد عبداللہ صاحب سلمہٗ نے دورہ پڑھا اور املائی تقریر ترمذی کو پوری طرح ضبط کیا۔ اگلے سال حضرت علامہ کشمیری صاحبؒ کا خیرالمدارس سے کلی انقطاع ہو گیا اور بخاری شریف کا سبق جو گزشتہ سال پڑھاتے تھے وہ بھی ترک کر دیا گیا۔ شوال ابتدائے سال میں یہ بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا تو حضرات اراکین شوریٰ اور مہتمم صاحب جناب مولانا محمد شریف صاحبؒ اور مدرسین نے باتفاق اہلِ علم یہ طے فرمایا کہ بخاری شریف کا سبق اس ظلوم جہول ناکارہ کے نام لکھا جائے۔ بندہ اس فیصلے کے وقت خیرالمدارس میں موجود بھی نہ تھا بلکہ حضرت الشیخ عارف کامل مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلویؒ کی خدمت اقدس میں شجاع آباد گیا ہوا تھا۔ وہاں سے واپسی پر علم ہوا کہ بخاری شریف کا سبق آپ کو ملا ہے۔ اس وقت کا تو یاد نہیں اب تعجب ہو رہا ہے کہ ان حضرات نے اس ناکارہ کے لئے یہ فیصلہ کیسے فرمایا؟ غالباً سبق کا افتتاح حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے کرایا۔

اس سال دورۂ حدیث شریف میں عزیزم مولانا محمد ازہر صاحب سلمہ مدیر الخیر بھی شامل تھے۔ انہوں نے بڑی دلچسپی، خلوص و محبت سے بخاری شریف کی املائی تقاریر کو ضبط کیا اور موصوف نے اپنی اس علمی کاوش کو قلمبند کر کے جلد کرا کے ہدیۂ بندہ کو عنایت فرمائی۔ جزاھم اللہ احسن الجزا یہ تقریر کتاب الایمان کے آخری ابواب تک ہے اور پھر جلد ثانی کی تقریر کو ضبط کیا۔

بندہ سے اہلِ مدرسہ اور عزیز طلبہ الحمدللہ سب مطمئن تھے۔ انہیں کسی خلاء کا احساس نہیں ہوا، لیکن مقدرات نہیں ٹلتے۔ بڑے شوق سے یہ سلسلہ جاری تھا کہ اچانک شدید مرض[1] کا بندہ پر حملہ ہوا۔ علاج معالجے کے بعد بھی صحت تدریس کی

---

[1] از سوانح فتحیہ ترمیم (مختصر حالات حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ) ص ۴۱۳، (سوانح فتحیہ: سوانح امام القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی قدس سرہٗ، تالیف: حضرت مولانا قاری محمد طاہر صاحب ملتانی مدظلہٗ حال مقیم مدینہ منورہ) (آ)

مثل نہ ہوسکی تو بالآخر بیماری کی وجہ سے بخاری اوّل کے بجائے بخاری ثانی بندہ کے ذمہ ہوئی۔ بتکلف اس کا سبق ہوتا رہا۔ ایک سال ابن ماجہ شریف اور موطا امام مالک شریف کے بھی اسباق ہوئے۔ تکمیل کی جماعت نے حجۃ اللہ البالغہ، تاسیس النظر، درمختار، عقود رسم المفتی وغیرہ کتب بھی پڑھیں۔

احقر مؤلف[1] نے حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ سے دریافت کیا کہ اب حضرت کے پاس بحیثیت صدر مفتی رئیس دارالافتاء ہونے کی ذمہ داری کے اور فتاویٰ کے کام کے علاوہ کیا بعض اسباق بھی ہیں تو جواب میں تحریر فرمایا، مسلم شریف آخری حصہ کتاب الفضائل سے علاوہ ازیں تاسیس النظر، اصول کرخی، الاشباہ والنظائر، تلخیص البدایہ وغیرہ درجہ تخصص فی للہ کے اسباق بھی ہوتے ہیں۔

صوصی[2] حالات وامتیازی صفات:

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم وعمل، صلاح وتقویٰ اور زہد وعبادت میں سلف کا نمونہ ہیں۔ تقریر کے ساتھ تحریر میں بھی کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ پاکستان کے معروف دینی مجلہ ''الخیر'' میں بالخصوص آپ کے وقیع علمی وتحقیقی مضامین اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان تمام صفات کے ساتھ تواضع اور کسرنفسی آپ کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اپنے چھوٹوں اور شاگردوں بلکہ شاگردوں کے شاگردوں کے ساتھ بھی علمی وعملی وتربیتی واصلاحی نگرانی ورہنمائی کے علاوہ فروتنی اور انکساری کا معاملہ فرماتے ہیں۔ عصر حاضر میں نمود وشہرت اور خودنمائی کے مروجہ حیلوں اور طریقوں سے قطعی ناآشنا ہیں۔

(ماخوذ از ماہنامہ ''الخیر''، ببعض ترمیم)

اصلاح وسلسلہ بیعت وسلوک:

آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب بہلویؒ اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ (چک نمبر ۱۱) سے رہا۔ حضرت صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ اور حضرت مولانا علی مرتضیٰ صاحب مدظلہٗ (ڈیرہ غازیخان) کی طرف سے مجاز بیعت بھی ہیں۔ آپ کے اصلاحی مواعظ ونصائح نہایت مفید ونافع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر اہل علم پر قائم رکھیں۔ آمین! اصلاحی تعلق وخلافت کی پوری روئیداد خود حضرت ہی کی زبان سنیے:

''مشکوٰۃ شریف کے سال خیر المدارس میں شیخینؒ کی زیارت سے بندہ نے اپنے اندر ایک انقلاب محسوس کیا۔ مجلس ملفوظات میں بھی حاضری ہوتی، اسی دوران حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے اصلاحی تعلق قائم ہوا۔ الحمدللہ پہلی زندگی

---

[1] آ

[2] از سوانح فتحیہ تتمہ ب ۴، ص ۱۴۱ (مختصر حالات حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

اور تعلق کے بعد والی زندگی میں بین فرق محسوس ہوتا تھا۔ بعد ازاں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ سے اصلاح کا تعلق ہوا۔ حضرت کی خدمت میں چند دن کے لئے حاضری بھی ہوئی اور اصلاحی مکاتبت بھی جاری رہی۔ غالباً پچیس اصلاحی مکاتیب شریفہ بجواب عریضہ جات بندہ کے نام تحریر فرمائے گئے۔ ایک گرامی نامہ میں کسی حال پر تحریر فرمایا: ''مبارک لاکھ ہو۔،،

حضرت مفتی صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریاؒ) سے رائے ونڈ میں بیعت کا تعلق ہوا لیکن اپنی نااہلی کی وجہ سے کوئی استفادہ نہ کرسکا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ (چک نمبر۱۱، چیچہ وطنی) سے بیعت ہوا اور کوہ نورمل میں ایک رمضان حضرت کی خدمت میں گزارا۔ آخر حضرت اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔''

تین مشائخ سے اجازت وخلافت در ۱۴۰۶ھ

حضرت ڈیروی دامت برکاتہم نے بعد ازاں ایک والا نامہ میں تحریر فرمایا: ''یہ فقیر آپ کو توکلاً علی اللہ اور تبلیغ دین کے لئے اجازت سلاسل اربعہ کی دیتا ہے۔،، اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت صوفی محمد اقبال صاحب دامت برکاتہم نے بھی مبشرات کے ساتھ چاروں سلسلوں میں اجازت عنایت فرمادی اور تحریر فرما: ''اب توکلاً علی اللہ آپ کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنے کی میری طرف سے اجازت ہے۔،، اس سال اواخر ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ میں اچانک استاذ القراء امام وقت سیدی حضرت مولانا قاری مقری فتح محمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کا گرامی نامہ شرف صدور لایا جس میں تحریر فرمایا: ''آپ کو اہلیت کی بناء پر سلسلہ مذکورہ (اشرفیہ) کی اجازت دیتا ہوں۔،،

حضرت والاؒ کی طرف سے مسائل کے بارے میں اعتماد:

مسائل کے بارے میں الحمدللہ اعتماد فرماتے تھے۔ حضرت والاؒ کے فوجی ہسپتال میں آپریشن کے بعد حالت یہ تھی کہ قطرہ ہروقت جاری رہتا تھا جس کی وجہ سے کپڑا اور بستر پاک نہیں رہ سکتا تھا۔ اس حالت میں حضرت والاؒ کو مسئلہ کی طرف التفات نہیں ہوا۔ خیال یہ رہا کہ ایسی حالت میں نماز کیسے پڑھی جاسکتی ہے۔ بندہ سے دریافت کرایا، عرض کیا گیا کہ ایسی حالت میں ہی نماز ادا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اسی حالت میں نماز شروع کردی گئی، جو رہ گئی تھیں بعد میں ان کی قضاء ادا فرمائی۔

حضرت والاؒ کی کمال تواضع:

کمال تواضع اور رعایت حقوق، واقعہ ذیل سے ظاہر ہے کہ حضرت اقدس ایک مرتبہ دارالافتاء میں تشریف لائے، کتاب ہاتھ میں تھی۔ ہم گھبرا گئے کہ خلاف عادت کیسے تشریف آوری ہوئی؟ کتاب کھول کر بندہ کو ارشاد فرمایا کہ عبارت دیکھو، اس کا کیا مطلب ہے؟ ایسے وقت میں پہلا آتا بھی بھول جاتا ہے۔ کوئی جدید عبارت کیا حل ہوتی۔ خیر ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالا تو حضرت کی توجہ سے بفضلہٖ تعالیٰ وہ عبارت بالکل صاف حل ہوگئی۔ مطلب عرض کیا گیا تو حضرت نے

ے قبول فرما کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ عمدۃ القاری کا ایک مقام تھا اس کے حل کے ے اس طرح ارشاد فرمایا الحمد للہ وہ بھی حل ہو گیا۔

حضرت والاؒ کی شرح بخاری پر نظر ثانی:

بخاری کی املائی تقریر حضرت نے بعض دیگر علماء کو بھی دکھلائی تھی کہ کوئی لفظی یا معنوی سقم ہو تو اس کی نشاندہی کر دی جائے۔ حضرت کو اس کا بڑا اہتمام تھا۔ سب سے آخر میں بندہ کو حکم فرمایا کہ اسے دیکھو، کہاں کوئی قابل اصلاح امر ہو مشورہ کر لیا جائے۔ بعض امور میں مشورہ ہوتا رہا۔ صلوٰۃ الخوف کے بیان میں ائمہ اربعہ کے جو مذاہب نقل ہوئے ہیں بندہ نے یہ محسوس کیا کہ ان میں تسامح واقع ہوا ہے جو امام مالکؒ کا مذہب ہے وہ امام شافعیؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جو امام شافعیؒ کا ہے وہ امام مالکؒ کا مذہب ظاہر کیا گیا ہے۔ فیض الباری کی طرف مراجعت کی گئی تو اس میں بھی ایسے ہی تھا۔ غالباً وہیں سے لے کر یہاں پر نقل کیا گیا تھا۔ بندہ کی مشکوٰۃ کی کاپی میں بھی ایسے ہی تھا، لیکن دوسری کتابوں اور بندہ کی دورۂ حدیث والی کاپی میں اس کے خلاف تھا۔ معاملہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا، حضرت نے بڑے جزم سے فرمایا اور دیکھو۔ مزید دیکھنے کے بعد پھر پیشی ہوئی تو پھر یہی فرمایا، پھر آخر میں تسلیم فرما کر کاپی میں اصلاح کا حکم فرمایا۔ اصل تقریر میں شاید اب تک بھی صحیح شدہ دوسرے قلم سے موجود ہو۔

بس اس کے بعد کسی مسئلہ میں اس قسم کی بات ہوتی تو ارشاد فرماتے کہ کتابوں کے مطابق درست کر دیا جائے۔

بخاری شریف کا مشہور باب ﴿قبلة اهل المدينه بين المشرق والمغرب﴾ اس پر ایک مفصل تحریر لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ ایک دوسرے عالم کی تقریر کے بجائے حضرت نے بندہ کی تحریر کو پسند فرمایا۔

اولاد کا دینی فیض:

حق تعالیٰ سبحانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، تین لڑکے حافظ و عالم ہیں اور چوتھے صرف عالم ہیں۔ دونوں بچیاں حافظہ ہیں۔ ان میں سے ایک بچی عالمہ ہے۔ فیصل آباد اپنے گھر مدرسہ قائم کر رکھا ہے جس میں حفظ و ناظرہ ترجمہ قرآن کریم، حدیث شریف اور اُردو و دینیات کی تعلیم کا انتظام ہے۔ ہفتہ وار وعظ کے ذریعہ پورے محلے میں خواتین میں اصلاح ہوتی ہے۔ نماز اور پردے کی پابند ہیں۔ اللہ پاک قبول فرما کر سعادت دارین سے بہرہ ور فرمائیں اور اپنی رضائے عالی سے نوازیں۔

گاؤں میں ایک حافظ بھی نہیں تھا۔ الحمد للہ اس وقت حفاظ بچوں اور بچیوں کی تعداد بیس کے قریب ہو گئی۔

﴿والحمد لله على ذلک، ذلک فضل الله يوتيه من يشاء﴾

۔ ذیلی عنوان از احقر مؤلف

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ العالی

(شیخ الحدیث وصدر مدرس جامعہ خیر المدارس ملتان)

(نوٹ: احقر مؤلف کی درخواست منظور فرماتے ہوئے حضرت مولانا مدظلہ نے (بوجہ تواضع، باوجود خلاف طبع ہونے کے) اپنے مختصر حالات ارسال فرمائے۔ بہر حال اسی مختصر پر اکتفاء کرتے ہوئے ان ہی کے الفاظ میں (بتغییر یسیر) حسب ذیل نقل کیا جاتا ہے:)

''بندہ محمد صدیق عفی عنہ چک نمبر ۲۵۱ گ ب اُگی ٹوبہ ٹیک سنگھ کا رہائش پذیر ہے۔ یہی میرا وطن اصلی ہے۔ بندہ نے ابتدائی تعلیم سکول کی مڈل تک ۱۹۴۰ء میں مکمل کر لی تھی۔ مڈل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم شروع کی۔ دینی تعلیم شروع کرنے کا سبب یہ ہوا کہ میرے والد محترم حاجی نبی بخش صاحب مرحوم کاشت کاری کرتے تھے اور وہ ان ایام میں حضرت مولانا فتح الدین صاحب مرحوم نمبردار اُگی کی مزارعت کرتے تھے۔ حضرت مولانا فتح الدین صاحب موصوف مولانا محمد صاحب انوری مرحوم فیصل آباد والوں کے والد ماجد اور حضرت گنگوہیؒ کے متوسلین میں سے تھے اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب مرحوم اور مفتی فقیر اللہ صاحب رائے پوری مرحوم کے دوست تھے۔

قربانی کے موقع پر مولانا موصوف کے مکان پر بندہ دیوار کے ساتھ کھڑا تھا، جیسے بچے منظر دیکھنے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے ہی قربانی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ حضرت موصوف نے والد صاحب سے فرمایا کہ تمہارا بچہ ہے؟ تو حضرت والد صاحب مرحوم نے فرمایا کہ جی ہاں۔ تو انہوں نے فرمایا اس کو دین پڑھاؤ۔ حضرت والد صاحب مرحوم نے بندہ کو مولانا عبدالمجید صاحب مرحوم خطیب وامام موضع اُگی جو سہارن پور مظاہر العلوم سے فارغ التحصیل تھے، ان کے پڑھنے کے لئے داخل کر دیا۔ بندہ نے فارسی سے لے کر قدوری شریف تک کتابیں ان کے پاس پڑھنی شروع کر دیں۔ سکول میں چونکہ تعلیم میں بندہ کو کچھ نمبر اچھے مل جاتے تھے، اس لئے سکول ماسٹر اور چک کے تعلیم یافتہ لوگوں نے والد صاحب کو کہا کہ اس کو مسجد سے ہٹا کر سکول میں داخل کرا دو۔ والد صاحب یہی جواب دیتے کہ میں نے مولانا کا کہنا نہیں رد کرنا۔ جس کو مسجد ملے اس کو اور کیا چاہئے!

جامعہ خیر المدارس جالندھر میں داخلہ:

اس طرح ہوا کہ گاؤں میں تعلیم باقاعدہ نہ ہوتی تھی۔ کبھی اسباق میں حاضری اور کبھی گھر کے کام۔ اس لئے دونوں حضرات مولانا فتح الدین صاحب مرحوم اور مولانا عبدالمجید صاحب نے رقعہ دے کر خیر المدارس بھیج دیا۔ (داخلہ کی داستان بھی طویل اور عجیب ہے) وہاں جا کر کنز الدقائق، کافیہ، اصول الشاشی، ترجمہ قرآن مجید، مرقات شروع کی۔ چار سال وہاں تعلیم حاصل کی تھی کہ پاکستان بن گیا۔

خیرالمدارس ملتان:

پاکستان بننے کے بعد ملتان خیرالمدارس میں مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ آخرین وغیرہ کی تعلیم مکمل کر کے پاکستان کے دوسرے سال دورہ حدیث شریف کیا اور تعلیم مکمل کی۔ دورہ حدیث مکمل کر لینے کے بعد حضرت نے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا اور کتب کی تدریس کی ذمہ داری سونپی اور ساتھ ساتھ دارالاقامہ، مطبخ اور نظامت تعلیم اور دارالافتاء کی خدمت بھی میرے ذمہ لگی۔

بیعت کا تعلق:

بیعت کا تعلق بھی حضرت سے قائم کیا۔ اصلاح احوال کے لئے خط و کتابت کا سلسلہ بھی قائم ہوا اور ملفوظات کی مجلس میں حاضری کو بھی بندہ نے اپنے اوپر بطور دوام عمل اختیار کئے رکھا۔ اس طرح زندگی کا طویل سفر حضرت کی معیت میں گزرا۔ خدائے عزوجل کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ حضرت والاؒ بندہ سے راضی ہو گئے۔ حضرت کے ساتھ بندہ کو طالب علمی میں ہی محبت ہو گئی تھی اور حضرتؒ کو بندہ پر شفقت۔ الحمدللہ کہ کسی وقت اس کا انقطاع نہیں۔ بندہ سے کوتاہیاں اور حضرت کی جلالی شان کا کئی دفعہ ظہور ہوتا، لیکن نہ میری کوتاہیوں سے حضرت کی شفقت میں کمی ہوئی اور نہ حضرت کی جلالی ڈانٹ سے محبت میں کمی ہوئی۔ بندہ تو اس قابل نہ تھا کہ ایسی مقدس بارگاہ میں اتنی طویل مسافت طے کر سکتا۔ محض حضرت کی شفقت اور اللہ تعالیٰ کی ستاری ہوئی کہ حضرتؒ بندہ سے راضی ہو گئے۔ جزئیات کا استقصاء تو ممکن نہیں۔ طویل زندگی کی طویل داستان ہے۔ واقعات بے شمار ہیں۔ ایک آخری واقعہ جزئیہ عرض کرتا ہوں۔

۱۳ شعبان المعظم ۱۳۹۰ھ کو سالانہ تعطیلات کے موقع پر حضرت نے بندہ کو الوداعی نصائح بیان کرنے کے لئے مامور فرمایا، جس میں بندہ نے طلبہ کو خصوصیت سے کہا کہ حضرتؒ کو راضی کر کے جائیں۔ اور جن طلباء نے جامعہ کے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، معافی مانگ کر جائیں تو حضرتؒ نے میری معروضات کے بعد فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا، آپ لوگ مجھے بھی معاف کر کے جائیں۔ اس کے بعد حضرت مرحوم نے کسی ذاتی کام کے لئے کبیر والا کے علاقہ میں جانا تھا، تو مجھے ساتھ لے گئے۔ راستہ میں جاتے ہوئے ایک آبادی میں عصر کی نماز کے لئے میں نے اذان کہی اور حضرتؒ نے صف بچھائی اور بندہ نے عصر کی نماز پڑھائی۔

مغرب کی نماز ایک کنویں پر پڑھی۔ ہمیں کسی کام کے لئے بھیج دیا۔ ہماری واپسی پر حضرت مغرب کی نماز پڑھ چکے تھے۔ ہم نے دوسری جماعت کرائی۔ اس دوران حضرت سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا کہ جماعت ثانی جائز ہے؟ تو حضرت نے فرمایا: مسجد محلہ میں ناجائز، مسجد طریق میں جائز ہے۔ مسجد طریق وہ ہے جس کے نمازی اور امام متعین نہ ہوں۔

واپسی پر کچھ پیدل سفر تھا۔ بندہ نے آگے آگے چلنا شروع کر دیا۔ فرمایا: اچھا کیا اندھیرے میں آگے چلنا ہی ادب ہے۔ آگے چل کر ایک نالی جس میں پانی تھا عبور کرنے کی ضرورت تھی۔ بندہ نے عرض کیا: میں اُٹھا کر آپ کو پار کراتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں خود عبور کروں گا، چنانچہ عبور نہ کر سکے۔ پاؤں کیچڑ میں دھنس گیا۔ بندہ نے حضرت کا ہاتھ تھام کر نکالا اور جوتا اور پاؤں دھونے کی خدمت سرانجام دی۔ اتنی دیر حضرت میرے کندھے پر سہارا دے کر کھڑے رہے۔ واپسی پر جب جیپ میں سوار ہوئے تو بندہ نے حضرت کی کمر دبانی شروع کر دی۔ اور عرض کیا کہ تھک گئے ہوں گے۔ تو فرمایا کمر کا کیا پوچھتے ہو، ٹوٹی جاتی ہے۔ واپس کبیر والا آ کر کچھ مختصر وقت کے لئے چائے کا وقفہ کیا۔

واپسی پر جامعہ خیر المدارس میں داخل ہو کر مسجد کے جنوبی کونے پر پہنچے تو فرمایا کہ کیا نظام الاوقات ہے۔ میں نے عرض کیا صبح بھکر جانا ہے فرمایا جاؤ اللہ کے حوالے اور خود ہاتھ بڑھا کر مصافحہ کیا۔ بندہ نے عرض کیا کہ عشاء کی نماز اکٹھی پڑھ لیں۔ فرمایا: بہت تھکان ہے، اپنی اپنی پڑھ لیں۔

اگلے روز (۱۹ شعبان) صبح کی نماز کے وقت حضرتؒ کی زیارت کی۔ لیکن چونکہ وداع ہو چکا تھا، دوبارہ مصافحہ نہیں کیا۔ صبح کو بندہ بھکر روانہ ہو گیا۔ بھکر اطلاع ملی کہ حضرت کا وصال ہو گیا۔ باوجود سعی بسیار جنازہ پر نہ پہنچ سکا۔ جب ملتان پہنچا تو حضرت مدفون ہو چکے تھے۔ اِنَّا للہ و انا الیہ راجعون.

حضرت سے بندہ نے جو کتب سبقاً پڑھیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

تہذیب المنطق، سلم العلوم، سبعہ معلقہ، ترجمہ قرآن مجید (علاوہ سورۃ بقرہ)، اصول الشاشی، مشکوٰۃ شریف، بخاری شریف، کچھ حصہ ترمذی شریف، دُرِّ مختار، تاسیس النظر، بیضاوی شریف، عقود رسم المفتی، سراجی۔

زیر نگرانی تدریس:

دورہ حدیث کی کتب موطین، طحاوی شریف اور ابتداء سے لے کر سب کتابیں درسِ نظامی کی حضرتؒ کی نگرانی میں پڑھائیں۔ اور افتاء کی تمرین حضرت اور مفتی محمد عبداللہ صاحب کی نگرانی میں تقریباً آٹھ سال تک کی۔

متفرق خدمات:

مدرسہ کے جملہ کارہائے صفائی، دربانی، طباخی سے لے کر خدمات دار الاقامہ، مطبخ، نظامتِ تعلیم، تحصیل چندہ اور محاسبی تک کی۔ کبھی کبھی حضرتؒ سفر پر جاتے وقت سب کاموں کا ذمہ دار بھی بنا دیتے تھے۔ خلاصہ یہ کہ ہمہ نوع کارہائے مدرسہ میں کوئی کام ہوگا جو بندہ نے نہ کیا ہو۔ آٹا پسوانا، لکڑیاں پھاڑنا، انہیں اُٹھانا، مٹی اُٹھانا۔ بندہ تا حال اسی طرح خدمت سرانجام دے رہا ہے۔

سلوک:

سلوک اور بیعت میں تجدید نہ کی۔ اسی بیعت میں بندہ قائم رہنا چاہتا ہے، تاکہ آخرت میں ان کا ساتھ نصیب ہو۔ المرء مع من احب. حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرت کے خلیفہ مجاز حاجی فتح محمد صاحب نے حضرت کی طرف سے اجازت بیعت[1] فرمائی۔ لیکن اکابر کی موجودگی اور اپنی ہیچ مدانی اور خطا کاری نے حوصلہ نہ دیا کہ کسی کو بیعت کروں۔ کچھ احباب نے کہا بھی، اصرار بھی کیا، لیکن بندہ نے اکابر کی طرف رجوع کرنے کا کہا۔

اللہ تعالیٰ آپ خلفاء کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ اصلاحِ اُمت کا آپ سے زیادہ سے زیادہ کام لیں۔

آپ نے ملفوظات کی مجلس منعقد کرنے کا وارد ذکر کیا ہے وہ میرے حضرت مخدوم مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت کا انعکاس ہے جو آپ پر بطور تجلی ظاہر ہوا۔ آپ کو یہ نسبت علیا مبارک ہو۔ صبح کے درس قرآن پاک میں سید قمرالدین احمد صاحب (حضرتؒ کے خلیفہ) تشریف رکھتے ہیں اور سبقاً ترجمہ قرآن مجید بھی پڑھتے ہیں، تو صبح کی نماز کے بعد درس قرآن مجید کے بعد ملفوظات کی تلاوت میرے ذمہ ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو دوام نصیب فرماویں۔ الحمد للہ کہ آخر سال میں حضرت مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ کو ناظم مقرر کرایا اور سفر حج پر جاتے ہوئے سارے کام میرے حوالہ کر کے گئے۔ وللہ الحمد.

میری زندگی کے دو ہی زاویے رہے۔ مدرسہ اور حضرتؒ کے خاندان کی خدمت ووفاء۔ اللہ سے دُعاء کریں کہ تا دمِ آخریں اس پر قائم رہوں۔ دورہ حدیث شریف کی مختلف کتب زیر تدریس رہنے کے بعد علامہ کشمیریؒ (مرحوم) نے بخاری شریف میرے ذمہ لگائی اور فرمایا کہ یہ حیاً ومیتاً میرا ساتھی ہے۔ وللہ الحمد.

---

[1] بعض بزرگوں کا معمول دیکھا کہ بیعت کرتے وقت تو اصالۃً اپنے شیخ کی طرف سے بیعت کرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن وہ مرید بیعت کرنے والے بزرگ ہی کا ہوتا ہے۔ ان کے شیخ کا مرید نہیں ہوتا۔ یہی حال اجازت بیعت کا ہے۔ (آ)

حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ العالی

(خلیفہ مجاز بیعت حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

سب سے پہلی مرتبہ مولانا کی زیارت حضرت والاؒ کے ساتھ کراچی میں ہوئی جب کہ حضرت والاؒ نے تشریف آوری سے قبل بذریعہ والا نامہ احقر کو مطلع فرمایا۔ نقل والا نامہ حسب ذیل ہے:

محبی مخلصی مولوی آفتاب احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

اطلاعاً تحریر ہے کہ بندہ بمعہ حاجی فتح محمد صاحب وایک حافظ صاحب حیدرآباد سندھ پہنچ چکا ہے۔ ارادہ ہے کہ ۳/اپریل مطابق ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۷ھ بروز پنجشنبہ ۹:۳۰ بجے صبح چناب ایکسپریس سے چھاؤنی کراچی اسٹیشن اُترکر جیکب لائن میں حضرت مولانا احتشام الحق صاحب کے مکان پر قیام پذیر ہوں گے۔ فرصت کے وقت ملاقات کرلینا۔

والسلام دُعاءگو: احقر خیر محمد عفی عنہ

حال وارد حیدرآباد سندھ

۱۱ رمضان المبارک بروز منگل

یہ ''ایک حافظ صاحب'' حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہٗ تھے اور حضرت والاؒ کے ساتھ احقر کے غریب خانہ پر پاک کالونی تشریف لائے تھے۔ تراویح میں حضرت والاؒ کو قرآن پاک سناتے تھے اور حضرت والاؒ کے ساتھ ایک شب غریب خانہ پر قیام بھی رہا تھا۔ اس زمانہ (۱۳۷۷ھ) میں مولانا مدرسہ اشرفیہ حافظ آباد میں مدرّس تھے۔ چنانچہ مولانا مدظلہٗ سے ناچیز کو اسی وقت سے نیاز حاصل ہے۔ اس کے بعد ہم دونوں نے اکٹھے خیر المدارس میں حضرت والاؒ کی خدمت میں رمضان المبارک میں بارہا وقت گزارا ہے۔ احقر کو رمضان المبارک کی تعطیلات میں کئی بار مولانا کا ہم درس ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی سے شرح العقائد للنسفی، حضرت مولانا مفتی محمد اسحٰق صاحب مدظلہ سے مناظرہ میں رشیدیہ اور حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درمختار (جس کا درس پہلے روز خود حضرت والاؒ نے دیا تھا) ان میں مولانا کا ہم درس ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

مولانا کا مزید تعارف مجلّہ ''الخیر'' جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ سے نقل کیا جاتا ہے، وھو ھذا۔

تعارف فضلاء خیر المدارس

حضرت مولانا منظور احمد صاحب زید مجدھم (مدیر کے قلم سے)

جامعہ خیر المدارس کے اُستاذ الحدیث حضرت مولانا منظور احمد زید مجدہم جامعہ کے قدیم فضلاء میں سے ہیں۔ آپ نے قیام پاکستان کے دوسرے سال ''جھوک وینس'' میں جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد امیر صاحبؒ (فاضل دارالعلوم دیوبند) کے پاس درسِ نظامی کی ابتداء کی۔ موقوف علیہ تک تمام درسی کتب بالخصوص فنون کی تکمیل اپنے فاضل اُستاذ کے ہاں کی۔ دورہ حدیث کے لئے ۱۳۷۴ھ میں پاکستان کی معروف دینی درسگاہ جامعہ خیر المدارس میں حاضر ہوئے اور بانی خیر المدارس حضرت اُستاذ العلماء مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ اور ان کے علاوہ دیگر اکابر حضرات کی خوشہ چینی اور قدم بوسی کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ بے نفسی، تواضع اور خاکساری مولانا کی فطرت تھی۔ اس پر ذہانت، فطانت اور لیاقت مستزاد حضرت بانی قدس سرہٗ حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث ساہیوال جیسے فاضل اکابر اساتذہ کے علوم و معارف اور خیر المدارس کا علمی، اصلاحی، دینی ماحول، غرضیکہ مولانا کی صلاحیتوں کو کو بڑھنے اور پھلنے پھولنے کا موقع میسر آیا۔ چنانچہ ۱۳۷۵ھ میں درجہ علیا میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب (سابق مفتی جامعہ قاسم العلوم) حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، معروف خطیب مولانا محمد سلیمان طارق اور مولانا محمد یونس ہزاروی آپ کے رفقاء درس تھے۔ فراغت کے بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے حکم سے مدرسہ اشرفیہ حافظ آباد ضلع گوجرانوالا میں عربی کتب کی تدریس کے لئے تشریف لے گئے۔ پانچ سال تک وہیں مصروف خدمت رہے۔ بعد ازاں ۱۳۸۰ھ میں حضرت بانیؒ ہی کے حکم سے مدرسہ احیاء العلوم ماموں کانجن میں آ گئے۔ ان دونوں مدرسوں کے نظم و نسق، انتظام و انصرام اور اساتذہ کے عزل و نصب کی ذمہ داریاں حضرتؒ کے سپرد تھیں۔ چنانچہ پانچ سال آپ نے احیاء العلوم میں دینی متین کی خدمت میں گزارے۔ اسی دوران خانقاہ سراجیہ کے سجادہ نشین، مخدوم الصلحاء حضرت مولانا خان محمد صاحب کندیاں شریف والوں نے حضرت اُستاذ العلماء سے درخواست کی کہ ''مولوی منظور احمد صاحب خانقاہ میں تدریس کے لئے ہمیں دے دیئے جائیں۔'' مولانا کا معمول تھا کہ رمضان المبارک خیر المدارس میں آ کر گزارتے تھے۔ حسب سابق تشریف لائے تو حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ نے مولانا خان محمد صاحب مدظلہ کے مکتوب گرامی اور ان کی خواہش کا تذکرہ کیا۔ جواباً مولانا نے عرض کیا کہ ''حضرت! اگر وہاں سے ہٹانا ہے تو پھر اپنے پاس ہی بلا لیں۔ حضرتؒ ''بہت اچھا'' فرما کر خاموش ہو گئے۔ اور اگلے ماہ شوال ۱۳۸۵ھ میں عربی مدرس کی حیثیت سے مولانا کا تقرر خیر المدارس میں فرما دیا۔ مدرسہ اشرفیہ اور احیاء العلوم

میں اگرچہ آپ موقوف علیہ تک تقریباً تمام کتب پڑھا چکے تھے، مگر خیرالمدارس میں ابتدائی کتب کی معیاری تعلیم کے لئے ہمیشہ تجربہ کار اساتذہ کے تقرر کا معمول رہا ہے۔ اس لئے بعض نچلے درجوں کے اسباق بھی آپ کو تفویض ہوئے۔ خود حضرت مولانا منظور احمد صاحب کی روایت کے مطابق جب وہ خیرالمدارس میں مدرّس مقرر ہوئے تو حضرت والاؒ نے فرمایا (یعنی احقر مؤلف کو اس کا حاصل یہ یاد ہے کہ) گو اس وقت آپ کو چھوٹی کتابیں پڑھانے کو ملی ہیں لیکن یہاں رہو گے تو بڑی کتابیں بھی پڑھاؤ گے۔ چنانچہ جلد ہی حضرت والاؒ کی بات پوری ہوئی اور اب آپ ماشاءاللہ اُستاذ الحدیث ہیں۔ اپنی خداداد محنت وصلاحیت کی وجہ سے جلد ہی دورہ حدیث کی تدریس تک پہنچ گئے۔ مولانا کا بیان ہے کہ انہیں دنوں مجھے بدرالعلماء حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ وہ میرے مکان کی بنیاد رکھ رہے ہیں۔ کچھ دنوں بعد مجھے حدیث شریف کا پہلا سبق ''طحاوی شریف'' پڑھانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ مولانا بدر عالم صاحبؒ کے خواب کی تعبیر مجسم تھی۔ حضرت مولانا منظور احمد صاحب سے دریافت کرنے پر انہوں نے فرمایا کہ ''اصل بات یہ ہے کہ بندہ کو خواب میں ایک صاحب نسبت بزرگ نے فرمایا کہ تمہارے مکان کی بنیاد حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب مہاجر مدنی قدس سرہٗ رکھیں گے۔ یہ خواب بندہ نے یہاں مدرسہ میں ایک صاحب کو سنایا جنہوں نے طحاوی شریف حضرت موصوف سے ٹنڈوالہ یار میں پڑھی تھی۔ بعدہٗ جب یہاں خیرالمدارس میں بندہ کو طحاوی شریف پڑھانے کے لئے دی گئی تو اس میں بندہ نے بہت کچھ مواد ان استاد صاحب موصوف سے لیا۔ آجکل حضرت نے امسال ۱۴۲۷ھ میں بخاری شریف جلد ثانی کا دَرس دیا ہے۔ مسلم شریف اور جزوی طور پر ترمذی شریف پڑھاتے ہیں۔ مولانا کا اندازِ تعلیم اور اسلوب تدریس وتفہیم منفرد اور جداگانہ ہے۔ ہمیں آج تک ان کے اسباق میں بے جا حشو وتطویل تو کجا، ایک دو جملے بھی زائد از ضرورت سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ عالمانہ متانت ووقار کے ساتھ جچے تلے الفاظ اور موزوں ومناسب آواز میں مسئلہ کی مختصر مگر مدلل اور جامع تقریر مولانا کے درس کی خصوصیت ہے۔ چھوٹے بڑے تمام حضرات سے کمال تواضع اور انکساری آپ کی رفعت مرتبت کی دلیل ہے۔ طلباء کو بھی اکثر ''مولانا یا مولوی صاحب'' کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں، حتیٰ کہ کبھی تادیباً کسی کو ڈانٹ رہے ہوں تو بھی آغاز ''مولانا'' ہی سے ہوتا ہے۔ انجام....... آپ ۱۳۸۵ھ میں خیرالمدارس میں بحیثیت مدرّس تشریف لائے تھے۔ اسی سال حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کی ذمہ داری آپ کو سونپ دی۔ تقریباً تین چار ماہ بعد موصوف نے عرض کی کہ ''حضرت میں اس بھاری ذمہ داری کی کماحقہٗ بجا آوری کا اہل نہیں ہوں۔ براہِ کرم کسی اور بزرگ کو مقرر فرما دیجئے۔'' حضرت نے فرمایا: ''نہیں نماز آپ ہی پڑھائیں گے۔'' اس وقت سے آج تک یہ اہم مگر گراں قدر فضیلت ومنصب مولانا ہی کے سپرد ہے۔ بیعت کا تعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ ان کی وفات کے بعد اصلاحی تعلق حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور بعد ازاں قدوۃ الصلحاء حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ سے رہا۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کو خلعت قبولیت سے نوازیں اور ان کے لئے اور ان

کے اساتذہ کرام اور تلامذہ کے لئے ذریعہ نجات بنائیں، آمین۔

''الخیر'' میں حضرت مولانا کا تعارف ختم ہوا۔ اس میں ۱۴۰۴ھ تک کے واقعات درج ہیں۔ خصوصاً تعلیم وتعلم اور خیرالدارس سے تعلق کے بارے میں۔ درحقیقت حضرت مولانا کی زندگی (زیادہ تر بذریعہ تعلیم اور گاہے تبلیغ ودعوت بذریعہ خطابِ عام خصوصاً جمعہ پڑھانے کے مواقع پر) دین کی خدمت ہی میں گزرتی رہی ہے۔ رضائے حق اور فکرِ آخرت ہی آپ کی زندگی کا حاصل ہے۔ طبیعت مرنجان مرنج ہے۔ ملک میں مغربی سیاست کے شور وشغب اور تحزب وتعصب سے دور ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق رہا۔ یہاں تک کہ اجازت بیعت وتلقین سے بھی مشرف ہوئے۔ اس کا واقعہ خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے:

''حضرت قبلہ مرشدی حاجی صاحبؒ سے احقر نے ایک سنایا کہ ایک خواب مجلس میں حضرت حاجی صاحبؒ اور آپ[1] اور حضرت ڈاکٹر سید عبدالواحد صاحب مقیم مکۃ المکرمہ اور بندہ موجود تھے۔ حلوہ کھایا جارہا ہے۔ دونوں نے حضرت والاؒ کو کہا کہ حضرت اسے یعنی احقر کو بھی عنایت فرمادیں، تو حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنی پلیٹ والا حلوہ جو کہ مقدار میں بہت تھا۔ اُٹھا کر احقر کے منہ میں رکھ دیا۔ اس کی فوری تعبیر تو حضرت حاجی صاحبؒ نے یوں دی کہ ایک ڈبہ شہد کا غیر ملکی احقر کو ہدیہ عنایت فرمایا اور فرمایا کہ آئندہ دیکھا جائے گا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرتؒ نے تحریراً اجازت عنایت فرمائی۔ جس سے بندہ پر خوب گریہ طاری ہوا۔ یہ تحریر قدرے مختصر تھی۔ اس کے چند دن بعد ایک مفصل تحریر کے ذریعہ سے پھر اجازت تحریر فرما کر عنایت فرمائی۔ یہ دونوں تحریریں احقر کے پاس ہیں۔''

حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے بعد اب تعلق بیعت حضرت صوفی اقبال صاحب دام ظلہم العالی خلیفہ مجاز بیعت حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ سے ہے جو مدت دراز سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ غرضیکہ اپنے آپ کو مصلح سے مستغنی کبھی نہیں سمجھا۔ بلکہ برابر تعلق قائم کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت دے (آمین)۔ آپ کو حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مدظلہ العالی سے اجازت بیعت بھی ہے اور حضرت مولانا علی مرتضیٰ صاحب مدظلہ العالی (ڈیرہ غازی خان) سے بھی اجازت بیعت ہے۔

---

[1] یعنی احقر مؤلف آفتاب احمد (آ ا)

حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحب ریواڑی والے رحمۃ اللہ علیہ

(خلیفہ مجاز بیعت مخدومنا حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونیؒ)

مختصر سوانح بقلم مولانا عبدالدیان سلیمی صاحب زادمجدہٗ فرزند حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحبؒ [1]

(نوٹ: ''حضرت والد ماجد کے حالات زندگی کے بارے میں حضرت مولانا آفتاب احمد صاحب نے کئی بار احقر کو خط لکھے۔ اس دفعہ دسمبر ۱۹۹۴ء میں عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی، مدینہ منورہ میں مولانا سے ملاقات ہوئی۔ وعدہ کیا اس دفعہ ضرور کچھ نہ کچھ تحریر کر کے روانہ کروں گا۔ چنانچہ پیش خدمت ہے)

حضرت والد صاحب کی صحیح تاریخ پیدائش تو معلوم نہیں، ہاں اتنا ضرور معلوم ہے کہ میٹرک ۱۹۲۳ء میں پاس کیا۔ چھٹی جماعت سے دہلی میں تعلیم حاصل کی اور وہیں پر حضرت تھانویؒ کی پہلی بار زیارت کی۔ جس کا حال والد صاحب کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں:

''دہلی میں جمعہ کی نماز کے بعد اکثر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید، مولانا محمد اسحاق صاحب کے مواعظ میں جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مدرسہ عبدالرب میں حضرت تھانویؒ کا وعظ تھا۔ میں اس وقت عربک کالج جو پہلے ہائی سکول تھا ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا، میں بھی وعظ سننے کے لئے پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ مذکورہ بالا حضرات حوض پر بیٹھے ہوئے حضرت کا وعظ سن رہے ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ مولانا تھانوی تو بہت بڑے عالم ہیں، کیونکہ میں نے تو ان حضرات کو ممبر پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے اور آج یہ حضرات حوض پر بیٹھ کر وعظ سن رہے ہیں۔ حضرت کا وعظ پوری توجہ سے سنا۔ وعظ کے بعد لوگوں نے مصافحہ شروع کیا۔ حضرت کرسی پر آنکھیں بند کر کے دونوں طرف ہاتھ لٹکا کر بیٹھ گئے۔ لوگ دونوں طرف سے مصافحہ کر رہے تھے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ عجیب طریقہ کا مصافحہ ہے۔ مولانا کو معلوم بھی نہیں، کون ہاتھ لگا رہا ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت کا دایاں ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا اور میں نے حضرت کی طرف دیکھا، میرا دیکھنا تھا کہ حضرت نے بڑے زور سے مجھ پر نظر ڈالی۔ میں ڈر گیا، اس وقت تو معلوم نہ تھا اب سمجھ میں آتا ہے، بقول مجذوب ؎

جس کو ذرا تکا نہیں کب وہ وہیں گرا نہیں
تیری نظر کا تیر بھی جس پہ پڑا بچا نہیں

بس اس وقت سے حضرت کی محبت وعظمت دل میں بیٹھ گئی۔ دوسرے دن مسجد شاہ گل میں وعظ ہونا تھا۔ میں اس میں بھی شریک ہوا۔''

---

[1] جنفیر یسیر از احقر مؤلف (آ)

تھانہ بھون کی پہلی حاضری:

میری ملازمت ۱۹۲۹ء میں شروع ہوئی۔ پہلی تقرری انبالہ میں ہوئی۔ فوراً میرا تبادلہ انبالہ سے گوڑ گاؤں میں ہوا۔ میں انبالہ سے سہارن پور اسٹیشن سے اُتر کر چھوٹی لائن سے گاڑی پر سوار ہو کر تھانہ بھون پہنچا۔ جمعہ کا دن تھا۔ دن کے گیارہ بجے تھے۔ یہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری تھی۔ حضرت والاؒ گھر پر کھانا کھانے گئے ہوئے تھے۔ میں نے سب سے پہلے جو بورڈ جہاں جہاں ہدایات کے آویزاں تھے وہ سب پڑھ لئے۔ نووارد کے لئے مصافحہ کی اجازت تھی۔ حضرت کھانا کھانے کے بعد سہ دری میں آ کر بیٹھے ہی تھے کہ میں نے حاضر ہو کر السلام علیکم کہا اور کہا میں نووارد ہوں، مصافحہ کرنا چاہتا ہوں۔ پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا عبدالمجید نام ہے، ریواڑی کا رہنے والا ہوں۔ حضرت نے پوچھا میرا کوئی خط لائے ہو۔ میں نے کہا نہیں، یہ تھانہ بھون کی پہلی حاضری تھی جو ۱۹۴۳ء تک جاری رہی۔

ڈاکٹر کا لقب:

میری ملازمت محکمہ صحت میں تھی۔ میں اس میں انسپکٹر تھا۔ ایک بار تھانہ بھون حاضری ہوئی تو حضرت مولانا عبدالمجید بچھرایونی نے خانقاہ والوں سے ڈاکٹر کہہ کر تعارف کرایا۔ خانقاہ میں سب حضرات ڈاکٹر کے نام سے ہی احقر سے متعارف تھے۔

ایک دفعہ حضرت والاؒ کو اپنی آمد کے موقع پر اپنا تعارف کرایا 'عبدالمجید ریواڑی والا' تو حضرت نے فرمایا ڈاکٹر صاحب! میں نے کہا جی ہاں۔ مجلس خاص میں پوچھ کر بیٹھنے کی اجازت تھی۔ احقر اجازت لیتا، فرماتے بیٹھ جاویں۔ بعد میں کئی بار سلام کے بعد نام بتانے لگتا تو فرما دیتے: میں نے پہچان لیا۔ الحمد للہ میں اس کو اپنی بڑی سعادت اور کامیابی سمجھتا ہوں۔''

حضرت والد صاحبؒ کا اصلاحی تعلق حضرت تھانویؒ سے مولانا عبدالمجید بچھرایونی نے قائم کرایا اور حضرت تھانویؒ نے بیعت بھی فرمایا تھا۔ حج کے موقع پر والد صاحب سے کسی صاحب نے کوئی بات پوچھی تھی۔ اس کو جو جواب دیا وہ جواب حضرت بچھرایونیؒ نے حضرت تھانویؒ کے سامنے نقل کیا، حضرت تھانویؒ نے اس کو سُن کر فرمایا: ڈاکٹر عبدالمجید نے شیخ طریقت والا جواب دیا۔

حضرت تھانویؒ کی وفات کے بعد حضرت بچھرایونیؒ نے والد صاحب کو خلافت سے نوازا۔ مولانا عبدالمجید صاحبؒ کو جو تعلق حضرت والد صاحب کے ساتھ تھا وہ ایک خط کے جواب سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خط جو والد صاحب نے تحریر فرمایا:

میں اپنے آپ میں اور میاں رشید میں فرق نہیں سمجھتا۔ بلکہ میاں رشید آپ کے بیٹے اور میں غلام ہوں۔ بیٹا کہیں چلا بھی جائے تو اسے اختیار ہے، لیکن غلام کو آقا سے بھاگ جانا بھی زیبا نہیں۔

جواب حضرت بچھرایونیؒ:

عرض کرنے کی بات تو نہ تھی، اب عرض کرنی پڑی۔ واللہ میں آپ کو رشید سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ رشید کو آپ سے کیا نسبت۔ آپ میری روحانی اولاد ہیں اور میری آخرت کا ذخیرہ ہیں۔ میرے طریق کے حامل ہیں۔

حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کا حضرت تھانویؒ کے خلفاء کے ساتھ خصوصی تعلق دیکھا۔ حضرت مولانا عبدالغنی پھول پوریؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ، حضرت ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحبؒ، حضرت مولانا ابرارالحق صاحبؒ اور حضرت مسیح الامتؒ، ان کی تفصیل اگر لکھی جائے تو ایک دفتر چاہیے۔

حضرت مسیح الامتؒ سے والد صاحبؒ نے اپنا تعلق قائم کیا تو حضرت اقدسؒ نے کسی بات کے جواب میں اس کو شانِ قلندری سے تعبیر کیا۔ والد صاحب نے فرمایا: یہی بات ایک خط کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمائی تھی۔

احقر عبدالدیان نے جب سے ہوش سنبھالا اس وقت سے والد صاحب کا حضرت مولانا خیر محمدؒ سے کافی گہرا تعلق تھا اور مولاناؒ بھی حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ خصوصی برتاؤ فرماتے تھے۔

احقر کو خوب اچھی طرح یاد ہے کہ احقر کو جب والد صاحب نے سکول چھڑوایا اور قرآن مجید کے حفظ کے لئے ملتان خیر المدارس میں داخلہ کے لئے گئے تو اس وقت عصر کے قریب کا وقت تھا۔ پرانی بلڈنگ کے دارالاہتمام میں حضرت مولاناؒ نے حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ کو بلایا اور احقر کی بسم اللہ کرائی۔ یہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا والد صاحب کے ساتھ خصوصی تعلق کا نتیجہ تھا، ورنہ داخلہ ویسے بھی ہو سکتا تھا۔

والد صاحب ایک دفعہ جناب سید غلام اویس شاہ صاحب کی دعوت پر فورٹ منرو تشریف لے گئے۔ ٹھنڈا علاقہ ہے۔ احقر کی خواہش ساتھ جانے کی تھی۔ لیکن والد صاحب نے منع کر دیا۔ والد صاحب کے چلے جانے کے بعد احقر شیطانی وسوسے اور چکر میں آ کر مدرسے سے بغیر اجازت چلا گیا۔ والد صاحب بہت ناراض ہوئے اور حضرت تھانویؒ کی تعلیم کے مطابق احقر سے حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں معافی کا خط لکھوایا اور دوبارہ داخلہ کی اجازت کی درخواست جوابی خط تھا۔ حضرت نے فوراً جواب دیا، اور اس جواب میں بھی والد صاحب کا تعلق اور عزت جو حضرت مولانا کے دل میں تھی، ظاہر ہو رہی تھی۔ حضرت مولانا کے الفاظ جو ابھی تک لفظ بلفظ یاد ہیں، حسب ذیل ہیں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا جواب:

''جن کا تم لحاظ نہیں کرتے، میں ان کا لحاظ کر کے تم کو دوبارہ داخلہ کی اجازت دیتا ہوں۔''

حضرت مولانا نور اللہ مرقدہٗ نے والد صاحبؒ کو خیر المدارس کی شوریٰ اور منتظمہ کا رکن منتخب فرمایا اور والد صاحب کے ساتھ مولانا کو اتنا تعلق تھا کہ رمضان المبارک میں تراویح کے بعد والد صاحب کو حکم تھا کہ کچھ نہ کچھ بیان کر دیا کریں جو

والد صاحب اخیر عمر تک کرتے رہے۔

جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد چائے پر خصوصی طور سے والد صاحب کو مدعو فرماتے اور اکثر خواجہ صاحب کے اشعار سنتے، جو والد صاحب کو اکثر یاد تھے۔ اگر کسی جمعہ کو حاضری نہ ہوسکتی تو پوچھتے تھے ڈاکٹر صاحب کہاں ہیں۔

والد صاحب خانیوال سے اپنا مکان چھوڑ کر ملتان تشریف لائے تو اس کی دو وجہیں بیان فرمائیں: (۱) حضرت مولانا خیر محمد نوراللہ مرقدہٗ کا قرب، (۲) احقر کی پڑھائی۔ حضرت والد صاحب نے اپنے احباب کے اصرار پر ڈیرہ غازیخان میں مستقل رہائش کا ارادہ کیا تو اس کے لئے جگہ خریدی اور اس کا نام حضرت کے نام پر خیر آباد رکھا اور حضرت کو لے جا کر مسجد کا سنگِ بنیاد رکھوایا۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد اکثر فرماتے تھے ملتان خالی ہوگیا۔ اور فرماتے تھے حضرت تھانویؒ کے خلفاء اس زمانہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ حضرت نے جو تعلق والد صاحب کے مدرسہ کے ساتھ قائم کیا تھا، اخیر عمر تک اس کو نبھایا اور ہر وقت اسی دھن اور فکر میں رہتے تھے کہ مدرسہ حضرت تھانویؒ کے مسلک کے مطابق کام کرے۔

وفات:

اخیر عمر میں مثانہ میں غدود کا مرض ہوگیا تھا، جس کے آپریشن کے لئے کئی دفعہ کہا، لیکن نہیں مانے۔ ایک دن اچانک خود بخود راضی ہوگئے۔ احقر کو ملتان بلایا۔ دیگر بھائیوں کو بھی میں نے اطلاع کردی۔ آپریشن کا دن مقرر ہوچکا تھا اور یہ ہفتہ کا دن تھا۔ فرماتے تھے یہ دن میں نے اس لئے رکھا ہے تاکہ تمہارے جمعہ کا ناغہ نہ ہو۔ احقر جمعہ پڑھا کر جمعہ کی شام ہی کو بذریعہ ہوائی جہاز ملتان پہنچ گیا۔

ہفتہ مورخہ ۴ ستمبر ۱۹۸۸ء کو صبح دس بجے حاجی انوار الٰہی صاحب کی گاڑی سے ہسپتال پہنچے۔ خون کی ضرورت پیش آئی۔ احقر کا گروپ مل گیا۔ احقر نے والد صاحب کو بتائے بغیر اپنا خون بلڈ بنک میں جمع کرادیا۔ برادرِ عزیز حافظ عبدالخالق نے والد صاحب کو بتادیا۔ والد صاحب پر اس کا بہت اثر ہوا۔ فرمایا چلو پھر مت، آرام کرو۔

احقر کو آپریشن سے پہلے فرمایا کہ آپریشن کے بعد ہسپتال کی چارپائی پر نماز پڑھنی پڑے گی۔ مجھے ان کے بستروں کے پاک ہونے میں شبہ ہے۔ اگر میرا انتقال ہوگیا تو ان نمازوں کا فدیہ دے دینا۔ اگر میں ٹھیک ہوگیا تو پھر ان شاء اللہ العزیز ان نمازوں کو لوٹالوں گا۔ احقر نے یہ وصیت الحمدللہ پوری کردی۔ آپریشن الحمدللہ کامیاب ہوا۔

چوتھے دن اچانک طبیعت خراب ہوگئی۔ دل کا دورہ پڑا۔ لیکن اس حالت میں بھی نماز کا خیال رہا۔ چارپائی سے اُٹھنے کی کوشش کرتے، میں پوچھتا، ابا جی کیا بات ہے؟ فرمانے لگے نماز کے لئے جارہا ہوں۔ میں نے کہا ابھی وقت نہیں ہوا۔ پھر خواجہ صاحب کا شعر ع میرا نقشِ ہستی نہیں مٹنے والا پڑھنے لگے۔ میں نے کہا خواجہ صاحب کا

شعر پڑھ رہے ہو۔فرمایا تم کیا جانو خواجہ صاحب کو،تم کیا جانو۔اور پھر چار پائی سے اُترنے لگے۔احقر نے بڑی مشکل سے روکا۔فرمایا اگر میری نماز قضا ہوگئی تو یہ پہلی نماز قضا ہوگی اور تم ذمہ دار ہو گے۔

جب زوال کا وقت ہوگیا تو احقر نے تیمم کرایا اور سہارا دے کر بٹھایا اور کہا نماز پڑھ لیں۔پوچھا قبلہ کا رُخ درست ہے۔میں نے عرض کیا جی ہاں۔نماز پڑھی اور پھر سکون سے لیٹ گئے۔ہوش وحواس قائم تھے۔مختصر مختصر بات برادرم محمد ہاشم صاحب سے کی۔بڑے بھائی محمد قاسم صاحب جو مکہ مکرمہ میں تھے ان کا پوچھا۔احقر ظہر کی نماز کے بعد ڈاکٹر بخاری صاحب کی طرف گیا،وہ اسی وقت تشریف لے آئے۔

جمعرات کے دن مورخہ ۸ ستمبر تین بجے سانس لینے میں دُشواری ہوئی۔ہسپتال کے عملہ نے پوری کوشش کی،لیکن ساتھ دل کا دورہ پڑا۔ڈاکٹر بخاری صاحب نے مشورہ دیا کہ ان کو فوراً ہسپتال لے کر چلنا چاہئے۔اور کہنے لگے میں پہلے چل کر ضروری انتظام کرتا ہوں۔آپ ان کو لے کر جلدی آئیں۔

ڈاکٹروں نے پوری کوشش کی۔لیکن موت کا وقت متعین ہے۔انتقال کے وقت کمرہ میں اندر بھائی محمد ہاشم صاحب،حافظ محمد ابراہیم صاحب اور احقر موجود تھے۔جمعہ کی رات کو دو بجے یہ شیخ طریقت اپنے خالق حقیقی سے جا ملا،اِنَّا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون. یہی وقت اور یہی دن حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونی کے انتقال کا تھا۔جمعہ کی نماز کے بعد خیرالمدارس میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔حضرت مفتی عبدالستار صاحب نے امامت کے فرائض سرانجام دیئے۔تدفین حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قریب ہوئی۔نماز جنازہ میں لوگوں کی شرکت ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ تھی۔ ہم سب بہن بھائی اور والد صاحب کے بھائی صاحبان بھی پہنچ چکے تھے۔نماز جنازہ جمعہ کے بعد ہونے کی وجہ یہ تھی،میں نے کہا بھی تھا کہ جنازہ قبل از جمعہ ہوجائے۔لیکن بہت سے علماء کرام کی خواہش تھی کہ ہم بھی اپنی اپنی مساجد میں نماز پڑھ کر شرکت کرسکیں گے۔میں نے جب زیادہ مخالفت کی،ہمارے سب سے بڑے بھائی صاحب نے کہا مولانا عبدالمجید صاحب کا جب انتقال ہوا تو جمعہ کا دن تھا۔حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے فرمایا کہ اگر جمعہ کے بعد جنازہ ہو تو ہم بھی شریک ہوسکتے ہیں۔اس لئے جمعہ کے بعد کیا جائے۔اس لئے جمعہ کے بعد نماز جنازہ میں کوئی حرج نہیں۔ایک خاص بات کا ذکر اس جگہ ضروری ہے،وہ یہ کہ والد صاحب نے اپنے کفن اور غسل کا سامان خود پہلے سے تیار کر کے بکس میں رکھا ہوا تھا۔کفن کے لئے پرانی چادریں جو کئی دفعہ حج کے احرام میں استعمال کیں وہ سنبھال کر رکھی ہوئی تھیں۔انہی کا کفن دیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کے مطابق گویا آخری وقت نسبت صدیقیت نصیب ہوئی۔حضرت تھانویؒ سے تعلق اور نسبت آخری وقت تک قائم رہی۔حضرت تھانویؒ کی ٹوپی کا ٹکڑا اپنی کفنی میں سینے کے جانب سینے کا حکم اور وصیت کی تھی،جو پوری کردی گئی۔

ایک خواب:

ڈیرہ غازیخان میں حضرت کے ایک مرید حاجی سکندر دین صاحب تھے، انہوں نے بہت زیادہ عمر پائی۔ وہ فرماتے ہیں میں نے اسی رات یعنی جس رات حضرت کی وفات ہوئی، خواب دیکھا۔ رات کے دو بجے کے قریب حضرت تھانویؒ، مولانا عبدالمجید بچھرایونی اور دیگر نورانی چہرے والے حضرات جن کو میں نہیں جانتا کسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں نے حضرت تھانویؒ سے پوچھا: حضرت! آپ کیوں کھڑے ہیں۔ فرمایا ڈاکٹر عبدالمجید صاحب آ رہے ہیں۔ ان کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ میں فوراً بیدار ہوا۔ فوراً دل میں خیال ہوا کہ ہمارے حضرت کا انتقال ہوگیا۔ میں پریشان تھا، بچوں کو اُٹھاؤں، لیکن خواب کی وجہ سے چپ رہا۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ تہجد کی تیاری میں مصروف تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دل خوف کے مارے ڈوبا جا رہا تھا۔ دروازہ کھولا، سید غلام اویس شاہ صاحب کے آدمی نے اطلاع دی کہ حضرت کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت ڈاکٹر صاحب کی ایک روایت:

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ مجھ سے حضرت ڈاکٹر حاجی عبدالمجید صاحبؒ نے غالباً خیرالمدارس کی جامع مسجد میں ایک بار ایک واقعہ حضرت تھانویؒ کا بیان فرمایا تھا، جو دلچسپ ہونے کے علاوہ افادہ عام کے لئے بھی، جیسا کہ یاد ہے، اپنے الفاظ میں ذکر کیا جاتا ہے:

ایک روز حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ آرام کا وقت ہونے پر اندر تشریف لے جا چکے تھے کہ اس وقت ایک اجنبی نورانی صورت شخص حضرتؒ کی آرام گاہ میں داخل ہوئے اور کچھ دیر میں واپس آ کر کہیں چلے گئے (شاید یہ بھی بتایا تھا کہ پھر وہاں کسی کو نظر نہیں آئے) حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ یہ دیکھ رہے تھے۔ حیرت ہوئی کہ کون تھے جو اس وقت اندر چلے گئے جبکہ ملاقات کا وقت بھی نہیں تھا اور باہر آ کر کہاں غائب ہوگئے۔ حضرت مجذوب صاحبؒ سے نہ رہا گیا۔ حضرت تھانویؒ نے پوچھا کہ حضرت وہ کون صاحب تھے؟ حضرتؒ نے پہلے تو ٹالا کہ آپ کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت؟ لیکن خواجہ صاحب نے لجاجت سے اصرار کیا کہ نہیں حضرت بتا ہی دیجئے۔ بالآخر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ابدال تھے، انہیں کچھ پوچھنا تھا، وہ پوچھ کر چلے گئے۔ اب یہ یاد نہیں رہا کہ حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحبؒ کا یہ چشم دید واقعہ تھا یا حضرت خواجہ صاحبؒ سے سنا تھا۔ زیادہ تر یہی خیال ہے کہ چشم دید واقعہ ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کا دریافت فرمانا اور حضرت تھانویؒ کا بتانا یہ ہوسکتا ہے ان کے سامنے کا نہ ہو بلکہ بعد میں خواجہ صاحب سے سنا ہو۔

(جیسا کہ عرض کیا گیا افادہ عام اس میں یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت مجدد تھانویؒ سے ابدال بھی پوچھتے یا مشورہ لیتے تھے، جس سے حضرتؒ کی مجددیت کی تائید ہوتی ہے۔ خیر ایسے واقعات سے تو صرف تائید ہی ہوتی ہے، ورنہ اس سے

بہت زیادہ قوی ظن غالب تو ان کے ہم عصر بزرگانِ دین کے حضرت تھانویؒ کے بارے میں ان کے اقوال اور معاملات سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ مثلاً مخدومنا حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ جو امام ربانی حضرت گنگوہیؒ کے بڑے خلفاء میں سے تھے۔ ان کا قول جیسا کہ اشرف السوانح میں ہے کہ ہم حضرت گنگوہیؒ کو مجدد سمجھتے تھے، لیکن حضرتؒ کا فیض تو زیادہ تر علماء کو ہوا اور عوام وخواص سب کو فیض حضرت تھانویؒ سے بہت ہوا۔ اس لئے وہ مجدد معلوم ہوتے ہیں۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ تاہم کسی کے لئے مجددیت کا منصب یقینی نہیں بلکہ ظنی ہوتا ہے۔ اور نہ مجدد کو ماننا عقائد میں داخل ہے۔ اس لئے اس پر اصرار نہ کرنا چاہئے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مجدد کو پہچاننے سے اس سے دینی استفادہ واستفاضہ زیادہ ہونا ضرور متوقع اور مظنون ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بروفات حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحبؒ (ریواڑی والے)

تحریر تعزیت بقلم حضرت مولانا نجم الحسن صاحب تھانویؒ کی تلخیص

ہمارے مشفق اور بزرگ حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحب خلیفہ حضرت مولانا مولوی عبدالمجید صاحب بچھرایونی مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۸۸ء بروز جمعہ بوقت دو بجے صبح ملتان میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ إنا لله وانا اليه راجعون. اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں مقام عالی اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

پاکستان بننے کے بعد ان سے اس عاجز کی ملاقات ''مجلس صیانۃ المسلمین'' کے پہلے سالانہ اجتماع کے موقع پر لاہور میں ہوئی۔ ان کی سادگی، بے تکلفی، بے ساختگی، پختگی، بزرگی اور سب سے بڑھ کر شفقت ورحمت اور خصوصی محبت کا نقشہ آج تک دل پر موجود ہے۔ تواضع وانکساری، حلم وبردباری اور قناعت وصبر کا تو وہ گویا پیکر تھے۔ اپنے بزرگوں کے طریق پر چلنے اور دوسروں کو اس پر چلانے کا بے پناہ جذبہ اللہ نے ان میں رکھا تھا۔

مجلس کے ساتھ ان کے دلی تعلق کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ نہ صرف وہ سالانہ اجتماع میں بڑی پابندی، اہتمام اور لگن کے ساتھ تشریف لاتے، بلکہ ہم خدام کی استدعا پر ہمارے ساتھ تبلیغی اسفار میں بھی باوجود ضعف، پیرانہ سالی اور علالت کے نہایت بشاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ ایک بار تو مجھے یاد ہے کہ ایک ایسا ہی سفر سخت گرمی اور لو کے زمانے میں ہوا اور سفر بھی بارہ تیرہ روز کا، اور ریل اور بسوں میں کرنا تھا، جگہ جگہ قیام کرنا، سفر لاہور سے شروع ہوا اور کراچی پر ختم ہوا۔ مگر اس جھلسا دینے والی گرمی اور لو کے تھپیڑوں میں وہ تکالیف کی پرواہ کئے بغیر، خانیوال سے غالباً سکھر تک ہمراہ رہے اور ہر ہر قدم پر رہنمائی اور شفقت ومحبت سے نوازا۔ اس سفر میں ان کے تعلق قلبی کے بے مثال مناظر سامنے آئے۔ اللہ اللہ آج ہمارے قلوب میں جو ان کی بے پناہ محبت وعظمت اور تعلق ہے وہ ایسا لگتا ہے کہ ہمارا کمال نہیں۔ بلکہ انہی

کے تعلق اور محبت کا پرتو ہے، بقول حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ ؎

بھلاتا ہوں پھر بھی وہ یاد آ رہے ہیں
وہی چاہتے ہیں میں کیا چاہتا ہوں

حضرت خواجہ عزیز الحسنؒ کے اشعار ان کو کثرت سے یاد تھے اور بڑے ذوق وشوق اور ترنم سے حضرت خواجہ صاحبؒ کے انداز میں سناتے، جس سے سننے والے بہت محظوظ اور متاثر ہوتے۔ ایک مرتبہ اس احقر کو حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک قطعہ مع اس کے ''شانِ ورود'' کے سنایا، جو احقر نے پہلی بار سنا۔ فرمایا کہ جناب وصل بلگرامی مرحوم (جو اپنی آخری عمر میں حضرت تھانویؒ کے متوسلین میں ایسے شامل ہوئے کہ بس خانقاہ ہی کے ہو رہے اور تھانہ بھون ہی میں وفات پائی اور خانقاہ کے قبرستان میں مدفون ہیں۔ تھے تو لکھنؤ کے، مگر بس حضرت قدس سرہٗ کے گرویدہ ہو کر سب کچھ تج دیا) جو بولا بہت کرتے تھے اور حضرت قدس سرہٗ نے ازراہِ تربیت، ان کو ہدایت فرمائی کہ بولنے میں کمی کرو۔ مگر وہ غالباً اس پر قادر نہ ہو سکے۔ ہدایت شیخ کے باوجود ان کے بولنے میں کوئی کمی نہ آئی۔ ایک روز خواجہ صاحبؒ ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حسب معمول اپنے اشعار وغیرہ سنا رہے تھے کہ وصل صاحب بھی آئے اور خواجہ صاحب کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ معاً خواجہ صاحب نے سر اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ؎

تعلّی سے علو حاصل نہ ہوگا ۔۔۔ نرے دعووں سے تو کامل نہ ہوگا
زباں کو روک! حسبِ حکم مرشد ۔۔۔ کہ یوں اے وصل! تو واصل نہ ہوگا

حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی ان مجلسوں اور صحبتوں کے دس سال کا عرصہ اس طرح گزر گیا کہ آج یہ طویل عرصہ ایک خواب وخیال معلوم ہوتا ہے۔ ان کی جدائی کا صدمہ ناقابلِ بیان ہے۔ وہ ہمارے بزرگوں کی نشانیوں میں سے تھے۔ ان کے پاس بیٹھ کر بزرگوں کے تذکرے سے بزرگوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی ؎

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈھے نہ پائیں گے یہ لوگ

اپنے بچپن اور پھر جوانی کے وقت کو یاد کرتا ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ یہ دنیا عارفین وصلحاء وعلماء سے بھری ہوئی تھی جو اب ایک ایک کر کے رُخصت ہو گئے۔ اب دنیا باوجود اپنی رونقوں کے خالی لگتی ہے۔

ہم بھری دنیا میں تنہا ہو گئے

حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ ؎

قدم مجذوب کے ہٹتے نہیں بڑھتے ہی جاتے ہیں
رفیق اک اک جدا منزل بمنزل ہوتا جاتا ہے

افسوس صد افسوس! کہ ایک چراغ اور بجھ گیا اور ہم اس کی روشنی سے محروم ہو گئے۔ اب ان کی باتیں اور یادیں باقی ہیں اور ہم ہیں۔ بقول حضرت خواجہ صاحبؒ ؎

کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ ہوجائے

☆☆ —— ☆☆☆ —— ☆☆

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

(نوٹ: کئی سال قبل احقر مؤلف کی درخواست پر محترمی الحاج مولوی نصرت علی صاحبؒ نے اپنے مختصر سوانح ارسال فرمائے تھے۔ اب اس میں سے انتخاب اور ایڈٹ کرنے کی توفیق ہوئی اور باوجود تغییر یسیر کے اکثر حصہ انہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ اسی دوران ان کی وفات بھی ہوگئی اور خیرالسوانح مکمل ہو کر طبع ہونے پر ان کی خدمت میں پیش کرنے کا امکان نہ رہا۔ آ۱)

''نصرت علی بن حشمت علی صدیقی'' تاریخ پیدائش: ۳/۷/۱۹۱۸ء

ہمارے اجداد سہارن پور کے رہنے والے تھے۔ غدر کے زمانے میں للت پور ضلع جھانسی ہجرت کر کے آ گئے۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں احقر کراچی پاکستان ہجرت کر کے آ گیا۔ قرآن شریف اور بہشتی زیور ہماری بڑی پھوپھی اماں اور ہماری خالہ صاحبہ نے پڑھایا۔ ۱۹۳۷ء میں ہائی سکول پاس کیا اور سرکاری ملازمت اختیار کی۔ احقر کی پہلی شادی جناب قاضی عبدالرزاق صاحبؒ ڈپٹی کمشنر کی صاحبزادی سے ہوئی، جو تہجد گزار اور بڑی صالحہ تھیں (احقر کے علم میں) ساری عمر کبھی کسی کو ان سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ ۱۹۴۶ء میں ان کی وفات ہوگئی۔ ان سے احقر کا ایک لڑکا پیدا ہوا جو شیر خواری کے زمانے میں انتقال کر گیا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، جو اپنی تربیت اور اخلاق میں مشہور ہے۔ اس کی شادی حضرت محمد عثمان خاں صاحبؒ کے صاحبزادے سے ہوئی، جو حافظ قرآن پاک اور بڑے خلیق ہیں۔ ان کے دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔

احقر کی دوسری شادی حضرت محمد عثمان خان صاحبؒ کی صاحبزادی سے ہوئی جو بڑی دیندار ہیں۔ اپنے معاملات، عقائد کی پختگی اور مہمان نوازی میں بہت مشہور ہیں۔ مکہ مکرمہ کے قیام میں حجاج کرام کی بڑی خدمت کی ہے۔ ان سے احقر کا ایک لڑکا ہے جو سعودی عرب میں لبریزول کمپنی میں منیجر ہے اور ایک لڑکی ہے جس کی تربیت دینی ماحول میں ہوئی۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب فرماتے ہیں یہ تو شہزادی ہے۔ بڑی نیک اور خدمت گزار ہے۔ اس کی شادی احقر کے بھانجے سے ہوئی، جو بہت ملنسار اور خوش عقیدہ ہیں۔ اس کا ایک لڑکا اور چار لڑکیاں ہیں۔ احقر کی ان دونوں لڑکیوں اور لڑکے کی شادی کراچی میں ہوئی۔ لڑکے کی شادی احقر کی بڑی سالی صاحبہ جو ایک بڑے بزرگ اور شیخ کامل کی بیٹی اور ایک مشہور عالم کی

بوی ہیں اور بڑی نیک ہیں، ان کی صاحبزادی سے ہوئی، جو پردہ کی پابند ہے، دیندارا ہے اور بڑی خدمت گزار ہے۔

احقر ۱۹۴۷ء میں ہی پورٹ ٹرسٹ میں ملازم ہوگیا اور فروری ۱۹۵۶ء میں سعودی عرب راستورہ میں ارامکو کمپنی میں بطور محاسب ملازم ہوا اور ۱۹۶۲ء میں جدہ میں فاضل عرب کمپنی میں کمپنی اور سفارت خانہ کے درمیان رابطہ آفیسر ہوگیا۔ ۱۹۶۹ء سے ۱۹۸۴ء تک مکہ مکرمہ میں شرکتہ کہرباء میں بطور انچارج ٹائپ سیکشن کام انجام دیتا رہا۔ حضرت مجدد وقت اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے سلسلہ کی برکت سے بڑے بڑے حکام احقر کی عزت کرتے۔ کسی کے بارے میں اگر کچھ معلوم کرنا ہوتا احقر سے بھی دریافت کرتے۔ احقر کو ہمیشہ دیانت دار، محنتی، ایمان دار اور امین کہا کرتے تھے۔ احقر کی دیانت داری کی وجہ سے بعض وقت افسر اعلیٰ بھی احقر سے کہہ دیتے کہ ان ہدایات کے بموجب بڑے بڑے انجینئروں سے افسر اعلیٰ کی طرف سے ہدایت دے کر کام کرالیا کرو، انجینئر بھی اسی کے بموجب کام کر دیا کرتے تھے۔

جدہ کے قیام سے ہی حجاج کرام کی خدمت کا موقع ملتا رہا۔ مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں ۱۴ سال خوب حجاج کرام کی خدمت ہوتی رہی۔ ہند و پاک سے جامع المجددین، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے خلفاء، حضرات اور اکابرین نے احقر کے یہاں قیام فرمانا شروع کر دیا۔ ایک بار یا دو بار حضرت مولوی ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم نے احقر کے یہاں قیام فرمایا۔ پھر حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب قبلہ دام ظلہم العالی بارہ تیرہ سال سے ہر سال احقر کے یہاں قیام فرماتے۔ پھر کچھ سال بعد سے حضرت عارف باللہ ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم اور حکیم سید محدم ابراہیم رزمی صاحبؒ ہر سال قیام فرماتے اور ہم سب ساتھ ساتھ ارکانِ حج ادا کرتے۔ تقریباً تیں مرتبہ یہ سعادت سعودی عرب کے قیام کے زمانہ میں حاصل ہوئی اور ہر بار یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلی بار حج کر رہے ہیں۔ بفضلہٖ تعالیٰ مدینہ منورہ کی حاضری تو بار بار نصیب ہوتی رہتی اور بعض وقت ہفتہ میں دو بار زیارت نصیب ہوتی۔

احقر کو جامع المجددین، حکیم الامت، شیخ کامل محی السنّت، سراج الملت، رأس المحققین، نبراس المدققین، جامع شریعت وطریقت، حافظ وقاری، محدث مفکر مفسر مفتی حضرت مولانا مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کے مسلک، آپ کی تعلیمات اور آپ کی ذات مبارکہ سے بے حد تعلق ہے۔

احقر کی اصلاح کا تعلق سیدی و مولائی وملجائی عالم باعمل، حافظ وقاری شیخ لاثانی (جن کو احقر مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا مکمل جانشین سمجھتا ہے) حضرت مولانا مولوی حبیب اللہ نور اللہ مرقدہٗ سے تھا جن پر مجدد وقت کے سارے تعلق کے زمانہ میں ایک مرتبہ بھی معمولی سا بھی عتاب یا تنبیہ نہیں ہوئی اور جن کا حال ہمیشہ یہ رہا

برلب خندہ و در دل پارہ پارہ

بڑے بڑے علماء کرام اور مشائخ کے سوالات اور اشکالات کے جوابات برجستہ فرمادیا کرتے تھے۔ ہمارے

خاندان سے آپ کا تعلق برسوں رہا اور پاکستان ہجرت کرنے کے بعد بھی یہ تعلقات ہمیشہ رہے۔ فرمایا کرتے تھے ایسا دیندار خاندان اور معاملات کا صاف دور دور تک نہیں دکھائی دیتا۔ مگر اب یہ حالت نہیں رہی۔ اگر حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ باحیات ہوتے تو غالباً اب اپنے ان خیالات کے اظہار میں ترمیم فرما لیتے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سارے خاندان میں پھر سے پہلے جیسی دینداری قائم فرمادیں، آمین ثم آمین۔ ہمارے خاندان کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی تھی کہ کبھی بھی بچپن سے ہی سگے بھائی بہنوں تک کو تنہائی میں اُٹھنے بیٹھنے نہیں دیتے۔ اگر کوئی لڑکا لڑکیوں میں جا کر کھیلنا چاہتا یا ان کے پاس بیٹھنا چاہتا تو لڑکیاں یہ کہہ کر خود اُٹھا دیتیں کہ تم لڑکے ہو کر لڑکیوں میں آ کر بیٹھتے ہو۔ اس عمل سے خاندان میں آپس میں بہت محبت رہتی اور اخلاق بڑے پاکیزہ رہتے۔ ساری بستی میں ہمارے خاندان کی مثال ہمیشہ دی جاتی تھی۔ کاش اب بھی سارے عالم کے مسلمان گھرانوں میں یہ بات ہو جائے۔ اگر خاندان کی مستورات کو کسی خاص ضرورت سے باہر جانا ہوتا تو پردہ کا خاص اہتمام رہتا۔ اگر لڑکی یا لڑکیوں کو مکان میں چھوڑنا ہوتا تو نگرانی کے لئے ایک بڑی بوڑھی ضرور گھر میں رہتی۔

حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی وفات مبارکہ کے بعد عرصہ تک احقر کی عجیب کیفیت رہی۔ احقر کا رجحان ہمیشہ علماء کرام کی طرف رہا۔ جب دل میں یہ تقاضا زیادہ ہوا تو احقر نے جامع شریعت وطریقت، شیخ کامل، عالم باعمل حضرت مولانا مولوی خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے اپنی اصلاح کا تعلق قائم کرلیا۔ حضرت والاؒ احقر پر بڑی شفقت فرماتے۔ اگرچہ احقر کو حضرت والا قدس سرہ العزیز کی صرف دو تین بار زیارت نصیب ہوئی، مگر ہر بار ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سراپا نور ہی نور ہیں۔ سر سے پاؤں تک نور ہی نور نظر آتا تھا۔

احقر نے سعودی عرب کے قیام کے دوران حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کو عریضہ لکھا کہ احقر چند رفقاء کے ساتھ حج بیت اللہ اور زیارت کو موٹر ٹرک سے جا رہا ہے (اس زمانہ میں ہوائی جہاز میں جگہ ملنا تقریباً ناممکن تھا، لہٰذا موٹر ٹرک سے ہی سفر اختیار کیا) حضرت والاؒ نے ہم سب کی سلامتی، حج مبرور اور زیارت مقبول کے لئے دعائیں فرمادیں اور منیٰ میں ملنے کے لئے اپنے معلم کا پتہ بھی تحریر فرمایا۔ ہم سب ۳ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۸ مئی ۱۹۶۱ء کو راستورہ سے بذریعہ موٹر ٹرک روانہ ہوئے۔ گرمیوں کا موسم تھا، ساری رات سفر کیا۔ ریاض پہنچے، کچھ دیر آرام کیا، پھر سفر شروع کردیا۔ ریاض سے روانہ ہوتے ہی لق دق ریتلے میدان میں ڈرائیور راستہ بھول گیا۔ اس کا علم ہم سب کو کئی گھنٹوں بعد ہوا، ہم سب ایک بہت بڑے میدان میں گھر چکے تھے۔ جس کے چاروں طرف ریت کا انبار تھا۔ ڈرائیور ہر امکانی تدبیر اس میدان سے باہر نکلنے کی کر رہا تھا۔ بیسیوں چکر اس میدان سے باہر نکلنے کے لئے لگا چکا تھا، مگر صبح سے ظہر کے بعد تک بھی اس بیابان میدان سے باہر نہیں نکل سکے۔ اب جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا ہم سب کو اپنی ہلاکت سامنے نظر آ رہی تھی۔ عصر کے بعد تک سب بچے، عورتیں اور مرد خاموش تھے۔ خوب توبہ استغفار کر رہے تھے، دُعائیں مانگ رہے تھے، آنسوؤں کی لڑی آنکھوں سے جاری تھی۔ ہم سب کی اگرچہ مختلف

زبانیں تھیں اُردو، پنجابی، سندھی، گجراتی، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب ہم زبان ہیں اور دل کی گہرائیوں سے دُعاؤں میں مصروف تھے۔ نمازوں کے وقت ہم سب ٹرک سے اُتر کر تیمم کرتے، فرض ادا کرتے، پھر ٹرک پر بڑی حسرت سے سوار ہوجاتے اور ٹرک چلنے لگتا۔ آفتاب غروب ہونے لگا تھا، ہم سب کی عجیب حالت تھی، اس میدان کے بے شمار چکر لگا چکے تھے کہ یکا یک ایک خیمہ کالے کمبلوں کا بنا ہوا زمین سے بہت کم اونچا نظر پڑا۔ ڈرائیور نے فوراً اس طرف ٹرک بڑھا دیا۔ خیمہ سے ایک بدوعورت بڑا سا ڈنڈا لئے نکلی اور ڈرائیور کو للکارا۔ ہم سب مرد عورتوں اور بچوں پر بھی نظر تھی۔ ڈرائیور نے بڑی لجاجت اور انکساری سے مختصراً ہمارا حال زار بیان کیا۔ پینے کو پانی مانگا۔ اس نے دو بڑے کٹوروں میں پانی دیا۔ ہم سب نے اپنی شدید پیاس بجھائی۔ پھر اس بدوعورت نے کہا اب اسی میں خیر ہے کہ تم سب یہاں سے فوراً چلے جاؤ ورنہ تمہیں خیمہ کے پاس دیکھ کر ہمارے مرد تمہیں ختم ہی نہ کردیں۔ ڈرائیور نے بڑی لجاجت سے اس میدان سے باہر نکلنے کا راستہ پوچھا۔ اس عورت نے کڑک کر جواب دیا ہمیں معلوم نہیں۔ ہاں ہمارے مرد اس طرف کو جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خیمہ کے اندر ہوگئی۔ ڈرائیور اس سمت پر ٹرک لے گیا۔ آفتاب غروب ہونے ہی کو تھا کہ پندرہ بیس منٹ میں ہم سب ایک بستی کے قریب پہنچ گئے اور ایک کنویں کے پاس آبادی سے باہر ٹھہر گئے۔ پولیس والوں کو ڈرائیور نے ہماری ساری داستان سنائی۔ ہم لوگوں کو رات بسر کرنے کی اجازت مل گئی۔ ہم سب نے منہ ہاتھ دھوئے، اطمینان سے وضو کیا۔ مغرب کی نماز اور شکرانے کی نماز پڑھی۔ جب اس بستی والوں کو ہمارا علم ہوا، بہترین کھانے پھل اور قہوہ لے کر آئے۔ ہم سب نے خوب کھایا۔ بستی والوں کے اصرار پر ان کا زادِ راہ بھی ہم سب نے قبول کرلیا۔ بستی والوں نے ڈرائیور کو راستہ سمجھایا اور پوری طرح ذہن نشین کرادیا۔ عشاء کی نماز پڑھی۔ ہم سب مع ڈرائیور کے اس قدر نڈھال ہوچکے تھے کہ رات کو سفر کرنے کی بجائے ہم سب سوگئے۔ صبح سویرے ہی اُٹھے، ضروریات سے فارغ ہوکر نماز فجر ادا کی۔ ناشتہ کیا اور سفر شروع کردیا۔ اب پانچ ذی الحجہ ہوچکی تھی۔ سب کو فکر تھی، اب وقت کے اندر کیسے مکہ مکرمہ پہنچ سکیں گے۔ حج ہوبھی سکے گا یا عمرہ کر کے لوٹنا ہوگا۔ احقر میر قافلہ تھا، اب تک سب کے حوصلے بڑھاتا رہا تھا۔ حج کے مسائل بیان کررہا تھا کہ نو اور دس کی درمیانی شب میں صبح صادق سے پہلے پہلے بھی عرفات میں داخل ہوگئے تو ہمارا حج ادا ہوجائے گا۔ اب تو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہمارا ڈرائیور موٹر ٹرک کو ہوا پر اڑائے لئے جا رہا تھا۔ تاحدِ نظر جہاں بھی کوئی پک اپ یا ٹرک دکھائی دیتا اس سے آگے نکل جاتا۔ مختصراً ہم سب محض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے معجزانہ طور پر قرن المنازل سات ذی الحجہ کو مغرب سے ذرا پہلے پہنچ گئے۔ سب نے حج قران کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ کو روانہ ہوگئے۔ جب مکہ معظمہ کی بستی دکھائی دینے لگی اور حدود حرم آگیا وہ بھی عجیب منظر تھا۔ سب شکرگزار بنے روئے، روتے ہوئے لبیک پڑھتے ہوئے، ننگے پیر حرم شروع کی حدود مبارکہ میں داخل ہوئے اور صبح صادق سے پہلے حرم شریف میں داخل ہوگئے اور عمرہ کا طواف اور سعی سے فجر کی نماز سے پہلے فارغ ہوگئے۔ فجر کی نماز لاکھوں حجاج کرام کے

ساتھ حرم شریف میں ادا کی۔ پھر طواف قدوم اور حج کی سعی کی۔ اب سورج طلوع ہونے کے بعد ہم سب بھی دیگر حجاج کرام کی طرح آٹھ ذی الحجہ کو منیٰ کے لئے روانہ ہوئے اور بفضلہٖ تعالیٰ سب ارکان حج ادا کئے۔ منیٰ میں حضرت والاؒ سے بتائے ہوئے پتہ پر پہنچ کر ملے۔ خوب گلے لگے، آنسو جاری ہوگئے اور اپنا سارا حال سنانے لگے۔ اپنا حال شروع ہی کیا تھا کہ حضرت والاؒ نے سننے سے پہلے ہی بڑی شفقت اور محبت بھرے انداز سے فرمایا کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تم سب صحیح وسالم اور بخیر وعافیت تو آگئے۔ ۲۸ سال کے بعد اب بھی حضرت والاؒ کا شفقت اور محبت بھرا فرمانا اور منیٰ کی وہ جگہ اب تک دل ودماغ پر چھائی ہے۔ بارہ ذی الحجہ کو ہی ہم سب نے طواف وداع کرلیا اور مدینہ منورہ کو روانہ ہوگئے۔ بفضلہٖ تعالیٰ دن بھر کے لئے مدینہ منورہ کا والہانہ قیام بھی نصیب ہوگیا۔ اس سے قبل راستو رہ کے قیام کے زمانہ میں ہی ۱۳۷۵ھ میں احقر حج کو گیا۔ مدینہ منورہ میں حضرت مولانا مولوی محمد موسیٰ صاحب سرحدی نوراللہ مرقدہٗ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت والاؒ رات کو سوتے نہیں تھے اور نہ پاؤں پھیلا کر لیٹتے تھے۔ فرماتے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمارہے ہیں۔ لہٰذا رات کو سونے اور پاؤں پھیلانے کی ہمت نہیں ہوتی۔

حضرت والاؒ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا کہ نور سارے جسم میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ نور ساتھ چل رہا ہے۔ احقر پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ احقر کو بھی بیعت وتلقین کی اجازت مرحمت فرمائی۔ کسی دوسری حاضری پر احقر نے دبے الفاظ سے بڑے ادب واحترام سے عرض کیا کہ حضرت بعض ناواقف لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ آپ خلافت بڑی آسانی سے جسے چاہا دے دیتے ہیں۔ فرمایا یہ بات نہیں، میں ہر ایک کو یوں ہی اجازت نہیں دیتا، جب تک کچھ نہ کچھ دیکھ نہیں لیتا۔ اگر میں کسی نااہل کو اجازت دے دیتا ہوں تو یہ میری ذمہ داری ہے، اس کا گناہ مجھ پر ہوگا اور اگر مجھ سے کسی مستحق کو اجازت مل جاتی ہے تو اس شخص کی دینداری سے دوسروں کی بھی اصلاح ہوگی۔ جس سے ہمارے حضرت کے درجات اور بلند ہوں گے۔[۱]

حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہ العزیز کی وفات مبارکہ کے بعد احقر کا اصلاحی تعلق شیخ لاثانی اور تکوینی معاملات کے بزرگ حضرت مولانا مولوی فقیر محمد صاحب دام ظلہم العالی خوف وخشیت کے حامل سے ہوگیا۔ آپ کے اصلاحی طریقے اور تکوینی مقامات اظہر من الشمس ہیں۔ حضور والا دام ظلہم العالی احقر پر بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ احقر اور احقر کے متعلقین کے لئے خوب دعائیں فرماتے ہیں، جس سے بڑی ڈھارس آج کل کے پُرآشوب حالات میں بندھی رہتی ہے۔ سعودی عرب کے قیام کے زمانہ میں جب بھی چھٹی پر آنا ہوا، کثرت سے عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب

---

۱ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یوں سمجھ میں آتا ہے کہ یہ مخدوم ومعظم حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب کا ایک خاص حال تھا، جس کا اتباع دوسرے مشائخ کے لئے مناسب نہیں۔ کیونکہ حضرت والا (یعنی صاحب سوانح اور احقر مؤلف کے شیخ) نے ایک بار فرمایا تھا کہ یہ بات (یعنی بآسانی خلافت دیدینے کی خبر جب حضرت تھانوی کو پہنچی تو انہوں نے اس کو پسند نہیں فرمایا تھا۔ احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ یہ روایت اس لئے نقل کرنے کی ضرورت پڑی اور حضرت والا نے بھی اسی سے فرمایا ہوگا کہ حضرت مولانا کی اس بات کا اتباع نہ کیا جائے۔ (آ)

نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں حاضری دیتا۔ حضرت والاؒ بے انتہا شفقت فرماتے۔ اور اکثر جگہ احقر کو اپنے ہمراہ لے جاتے۔ راستہ میں عجیب وغریب واقعات سناتے رہتے۔ اپنے دولت کدہ پر بھی بلوا لیتے۔ احقر کے بعض حالات وغیرہ کے بارے میں حضرت والاؒ نے احقر سے کئی بار فرمایا کہ ان کو لکھ کر محفوظ کرلو۔ جس میں سے بعض ماہنامہ ''البلاغ'' کی خصوصی اشاعت حضرت عارفی نمبر میں چھپ گئے ہیں۔'' (ان میں سے بعض حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ سے متعلق بھی ہیں، ذیل میں ان میں سے بعض کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ آ ا)

''حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے: ہر برے کام کو چھوڑنے میں اوّل اوّل بہت دشواری ہوتی ہے۔ مگر ہمت اور اختیار سے برابر کام لیتا رہے تو رفتہ رفتہ دُشواری مبدل بسہولت ہو جاتی ہے اور گناہوں سے بچنے کی عادت پڑجاتی ہے۔''

ایک بار احقر سے فرمایا: ''آج کل حالات تیزی سے بگڑ رہے ہیں۔ حضرت کے ملفوظات پڑھا کرو۔ عشاء کے بعد نشر الطیب بھی روزانہ پابندی سے پڑھا کرو۔ امن میں رہوگے، ہم بھی روزانہ پڑھتے ہیں۔''

''احقر زادہ عظمت علی صدیقی جو سعودی عرب میں ایک امریکن کمپنی میں منیجر ہیں، ان پر اس قدر شفقت اور محبت تھی کہ خطوط اور تحریروں میں نور چشم راحت جان طول عمرہ وغیرہ تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت والاؒ نے ایک بار احقر زادہ کو نصیحت فرمائی کہ اپنی اہلیہ اور بچوں کا بہت خیال رکھا کرو۔ عورت کی مثال کانچ جیسی ہے۔ بہت احتیاط اور محبت کا برتاؤ کرنا چاہئے، اور عورت بھی خیال رکھے کہ اگر کانچ میں بال پڑ جائے تو بیکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا عورت کو گھر کے کاموں میں گہری دلچسپی لینی چاہئے۔ بچوں کی تربیت اور دینداری اور تعلیم کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔''

''حضرت والاؒ کی توجہ کا ایک اثر یہ بھی ہے کہ یہ جب بھی کسی ڈنر وغیرہ میں شریک ہوتے ہیں تو اسلامی شعار کو قائم رکھتے ہیں۔ مثلاً داہنے ہاتھ سے ہی کانٹا اور داہنے ہاتھ سے ہی کھانا۔''

''حضرت والاؒ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ کوئی حضرت کے متعلقین میں سے حج کو جاتا تو احقر کے نام خط تحریر فرماتے۔ اور اس شخص سے فرماتے 'نصرت سے ملنا تم کو صحیح رہبری، سہولت اور آرام ملے گا۔' جب حضرت کے متعلقین عمرہ یا حج کو جاتے تو واپسی پر دریافت فرماتے نصرت سے ملے تھے۔ اگر کوئی صاحب احقر سے نہیں مل پاتے تو فرماتے: 'تعجب ہے تم نصرت سے نہیں ملے۔'

ایک مرتبہ احقر سے فرمایا تم اپنے مبشرات اور خواب لکھ کر مجھے دو، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

بشارتِ نعمتِ عظمٰی

شرف قبولیت

اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

محب صادق جناب نصرت علی صاحب صدیقی مقیم مکۃ المکرمہ نے حسب ذیل بشارت نامہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیؒ صاحب مدظلہٗ کو مدینہ طیبہ سے تحریر فرمایا ہے:

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو احقر نے حضور والا کی کتاب اُسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف میں پیش کی۔ احقر نے دیکھا کہ آنقبلہ خود بہ نفس نفیس اپنی کتاب پیش کر رہے ہیں۔ آنقبلہ اس وقت سراپا نور نظر آ رہے تھے۔ چہرہ انور پر بشاشت تھی، سکون واطمینان تھا، قدرے مسکراہٹ تھی جیسا کہ آنقبلہ کے چہرہ انور پر رہتی ہے۔ ہر طرف نور ہی نور تھا۔ عجب منظر تھا، صرف آنقبلہ اچھی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ احقر کو محسوس ہوتا تھا کہ حضورِ پُر نور علیہ السلام شفقت فرما رہے ہیں اور آنقبلہ پوری طرح متوجہ ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت والاؒ نے فرمایا: ’’لاکھوں بشارتوں کا انعام عظیم ہے، اس پر شکر ادا کرنا بھی ناممکن ہے۔ مگر پھر بھی شکر ہی ادا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ مزید انعامات و بشارتوں سے ہمیشہ سرفراز فرماتے رہیں اور ان کی اہلیت وقابلیت عطا فرماویں۔‘‘

’’احقر کی دلی آرزو تھی کہ جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز کو دیکھ لے۔ احقر نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ عجیب ہی منظر ہے۔ بہت دبیز بہترین سبزہ دور دور تک ہے، اس پر ایک بہت ہی خوبصورت عالی شان ٹم ٹم چل رہی ہے، جس میں کئی گھوڑے جتے ہیں۔ یہ ٹم ٹم اس سبزہ پر چل رہی ہے اور جامع المجددین حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نہایت ہی بھولے پن سے سوار ہیں۔ چہرہ انور نورانی ہے، عجیب کیفیت ہے۔ سر مبارک کے بال کانوں تک ہیں۔ سفید کپڑے کی ٹوپی پہنے ہیں۔ یہ ٹم ٹم نہایت خوبصورت عالی شان نورانی محل کے کونے پر پہنچی جو دودھ سے سے زیادہ سفید ہے۔ جس کی تعریف کرنا ممکن نہیں۔ اس محل میں جامع المجددین حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ العزیز داخل ہو گئے۔ احقر بھی ساتھ تھا۔ اس پر حضرت والاؒ نے یہ ارشاد فرمایا: ’’ماشاء اللہ بڑا مبارک مقدر ہے۔ الحمد للہ بشارت

ہے۔ حضرتؒ کے ساتھ قلبی تعلق اور فیوض و برکات روحانی کے جاری ہونے کے لئے۔‘‘

احقر جب سب سے پہلے حج کو گیا تو احقر طواف کر رہا تھا اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے جسم سے ملائے ہوئے تھے تاکہ احقر کا کسی کو دھکا نہ لگے۔ حجر اسود کے قریب احقر نے سنا، پیچھے سے آواز آ رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھ جو جسم سے ملے ہیں یہ شخص معذور ہے یا مریض ہے۔ پھر آواز آئی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بزرگ ہے۔ احقر آواز سن تو رہا تھا مگر التفات نہیں تھا۔ احقر کا سارا دھیان طواف میں تھا۔ جب احقر حجر اسود سے حطیم کے قریب پہنچا جہاں ہجوم کم تھا، احقر کو دو لڑکے پندرہ سولہ سال کے نہایت حسین و جمیل دکھائی دیتے جو احرام باندھے تھے اور احقر کی طرح ہاتھ جسم سے ملائے ہوئے تھے۔ ایک لمحہ احقر کو خیال ہوا کہ بچے بھی نقل کر رہے ہیں اور احقر ان کے بالکل ہی قریب پہنچ گیا۔ پھر وہ دونوں لڑکے ایک دم غائب ہوگئے۔ یہ واقعہ بیداری میں طواف کرتے وقت ہوا۔ فرمایا: ’’معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس ادب کے معاملہ کو فرشتوں کے ذریعہ سے پسند فرمانا ظاہر فرمایا۔ مبارک ہو۔‘‘

ایک مرتبہ احقر مدینہ منورہ گیا، سلام پڑھتے مواجہ شریف پہنچا، بائیں ہاتھ کی کلائی میں شدید درد تھا۔ سلام پڑھنے سے آواز بہت بلند ہو جاتی تھی۔ اور درد شدت سے تھا۔ احقر کو خیال آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا فرمانے کے لئے عرض کروں۔ فوراً ہی خیال آیا کہ اگر درد اچھا ہو گیا تو احقر کا عقیدہ عرش پر پہنچ جائے گا اور اگر درد اچھا نہ ہوا تو کہیں عقیدہ پر اثر نہ پڑے۔ ابھی پورا خیال تک بھی نہیں آیا تھا کہ اس کی جگہ فوراً تیسرا خیال آ گیا کہ احقر کی حقیقت ہی کیا ہے۔ یہ دربار تو سب سے بڑا ہے۔ اگر احقر کو نکال بھی دیا جائے تو یہ احقر کی خرابی ہے۔ دربار کی شان تو بہت عالی ہے جو سمجھ سے بھی بالاتر ہے۔ درد کی بے چینی میں زبان سے خود بخود نکل گیا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں آپ کو سلام عرض کرنا چاہتا ہوں اور احقر کے ہاتھ میں درد شدید ہے، اسی وقت درد ختم ہو گیا۔ احقر نے مزید دو یوم اور قیام کیا۔ مگر درد کا خیال تک نہیں آیا۔ تقریباً پندرہ سولہ سال ہو گئے۔ بفضلہٖ تعالیٰ پھر کبھی درد نہیں ہوا۔ یہ سب بھی بیداری میں ہوا۔‘‘

فرمایا: ’’بڑی قبولیت کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی عظیم فضل ہے اور قابلِ صد مبارک باد ہے، اللّٰھم زِد فزد۔‘‘

’’حضرت والاؒ نے ایک بار احقر سے فرمایا کہ دعاء خوب بیان کر کے مانگا کرو۔ یا اللہ میں فلاں چیز چاہتا ہوں۔ میں تو اس کا اہل نہیں مگر آپ قادرِ مطلق ہیں، آپ کی بڑی شان ہے۔ مجھے اس کا اہل بنا کر مجھے یہ چیز عطا ہی فرما دیں۔ میں فلاں پریشانی میں مبتلا ہوں۔ اپنی پریشانی خوب بیان کرے، پھر رو رو کر عرض کرے کہ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں۔ آپ ہی اسے دور فرما دیں۔ مزید فرمایا اس کا ہمیشہ خیال رکھنا، جب دعاء قبول ہو جائے تو دل و جان سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا شکر ادا کرنا۔ شکر ادا کرنے سے نعمت میں زوال نہیں ہوتا۔‘‘

اجازت بیعت وتلقین:

اس سے قبل محترمی مولوی نصرت علی صاحب صدیقیؒ نے مخدومنا حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحب (خلیفہ مجاز بیعت از حضرت حکیم الامت تھانویؒ) سے اجازت کا ذکر اپنی مختصر سوانح میں فرمادیا ہے۔اب حضرت تھانویؒ کے دو اور خلفاء سے اجازت ناموں کی نقول درج کی جاتی ہیں:

نقل اجازت نامہ بیعت وتلقین از مخدومنا حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۸ جمادی الثانیہ ۱۳۷۸ھ ، ۲۰ دسمبر ۱۹۵۸ء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اس سے پہلے کئی مرتبہ خیال ہوا کہ تمہیں تلقین وبیعت کی اجازت دوں۔کل گفتگو میرے اور ڈاکٹر حفیظ اللہ کے درمیان ہورہی تھی کہ اس تقاضا کا پھر اعادہ ہوگیا۔لہٰذا توکلاً علی اللہ اب تم کو پختگی کے ساتھ ارادہ ظاہر کرتا ہوں کہ جیسے مجھ کو اپنے شیخ سے اجازت ملی ہے وہ امانت تم کو سپرد کرتا ہوں۔اللہ تعالیٰ مدد فرماویں اور سلسلے کے بزرگوں کی برکات عطا کریں، آمین۔نیز فیضان جاری رکھیں، ثم آمین۔

یہ خط اپنے خیر خواہوں، دوستوں کو دکھلا دینا یا اطلاع دے دینا۔ دستخط حبیب اللہ عفی عنہ

مبارک باد از حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم

راقم حفیظ اللہ کی طرف سے مبارک کروڑ کروڑ ہو اور دعاء ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے کماحقہٗ اس امانت کے ادا کرنے کی توفیق مرحمت فرماویں۔اِن شاء اللہ سلسلہ کی کڑی سے نجات باحسن طریق متوقع ہوجاوے گی۔ والسلام

احقر حفیظ اللہ از سکھر

نقل اجازت نامہ بیعت وتلقین از مخدومنا حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سرحدیؒ

مکۃ المکرمہ ، التاریخ ۷-۱۱-۱۳۹۱ھ الموافق ۲۴-۱۲-۱۹۷۱ء

یہ القاء بیعت وتلقین کی اجازت کے لئے خاص مکۃ المکرمہ میں من جانب اللہ ہے۔اِن شاء اللہ ہم دونوں کے لئے نفع ہوگا۔ از فقیر محمد سرحدی عفی عنہ، مجاز بیعت حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پتہ: معرفت خواجہ صفدر علی محمد صاحب بقصہ خوانی بازار پشاور، مشفقی نصرت علی صدیقی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس سے پہلے کئی مرتبہ خیال ہوا کہ آپ کو تلقین وبیعت کی اجازت دوں۔آج اس تقاضا کا پھر اعادہ ہوگیا۔لہٰذا توکلاً علی اللہ اب آپ کو تلقین وبیعت کی اجازت دیتا ہوں۔اگر کوئی درخواست اصلاح وبیعت کی کرے تو انکار نہ کرنا۔اِن شاء اللہ جانبین میں نفع ہوگا۔ یہ خط اپنے دوستوں کو دکھلا دینا یا اطلاع دے دینا۔ (دستخط) فقیر محمد

احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ اس طرح علاوہ حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحبؒ کے حضرت تھانویؒ کے دو اور خلفاء سے بھی اجازت بیعت وتلقین کے جامع ہوئے۔ ایک ضاحک یعنی حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ دوسرے باکی یعنی حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ۔ احقر کی پہلی ملاقات جدہ میں فاضل عرب کمپنی کے دفتر میں ہوئی، جب ۱۹٦٦ء میں احقر پہلی بار حج کرکے واپس جارہا تھا۔ پھر ۱۹٦۹ء میں دو بڑی ہمشیرگان کے ساتھ حج سے واپسی پر ایک روز حاجی کیمپ جدہ میں نماز کے بعد مسجد سے نکلتے ہوئے بھائی مولوی نصرت ملے اور اپنے گھر باب مکہ لے جاکر دعوت کی۔ اور ٹیکسی سے واپسی کا بھی خود ہی انتظام کیا۔ پھر ۱۹۷۲ء میں حج کے موقع پر ملاقاتیں ہوتی رہیں اور ۱۹۷۵ء میں احقر کے جدہ منتقل ہونے پر تقریباً ہر جمعہ کو کبھی تنہا کبھی مع اہل کے مکہ مکرمہ جاتا تو ان کے گھر بے تکلف حاضری، کھانا اور آرام ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ تقریباً آٹھ دس سال جاری رہا اور بھائی مولوی نصرت علی صاحبؒ کی مہمان نوازی اور اخلاق کا مشاہدہ ہوتا رہا۔ ۱۹۸۴ء میں ان کے عقد ملازمت میں بوجہ عمر رسیدگی مزید توسیع نہ ہوسکی اور واپس کراچی اپنے مکان میں رہائش اختیار کی۔ کراچی جانا ہوا تو دو تین بار ان سے ملاقاتیں رہیں۔ کبھی کبھی خط وکتابت بھی ہوتی اور خوب دعائیں ملتی تھیں۔

حرم شریف مکہ مکرمہ میں ایک روز مولانا عبدالمنان صاحب انجینئر حرم مکی شریف نے بھائی الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقیؒ اور ان کی اہلیہ کی وفات کی خبر دی۔ مدینہ منورہ میں واپس آکر عزیز عظمت علی صدیقی صاحب سلمہ کو تعزیت نامہ لکھا۔ ان کے جواب سے معلوم ہوا کہ مولوی نصرت صاحبؒ کی وفات ۲۴ جولائی ۱۹۹۴ء کو ہوئی اور اس سے قبل ۲۲ جون ۱۹۹۴ء کو ان کی اہلیہ کی وفات ہوئی تھی ؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ان دونوں کی نماز جنازہ مخدومنا عارف باللہ حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی۔ دونوں بار حضرت ڈاکٹر صاحب بمشیت اللہ کراچی تشریف فرما تھے۔ **اللھم اغفرلنا وارحمھما رحمةً واسعة وادخلھما جنت النعیم. آمین یا رب العلمین یا ارحم الراحمین بوسیلة رحمة للعالمین ﷺ.**

تصنیف وتالیف:

حضرت الحاج مولوی نصرت علی صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے راستورہ سے طویل سفر کرکے پھر جدہ آکر وہاں سے اور پھر مکہ مکرمہ ہی میں مقیم ہوکر وہیں سے سالہا سال، بہت سے حج اور عمرے کئے۔ اس طرح ان کو سفر حج کا تجربہ اور مسائل حج وعمرہ کی بہت اچھی واقفیت اور معلومات ہوگئی تھیں، مطالعۂ کتب اور علماء کرام سے تحقیق بھی کرتے رہتے تھے۔ اس طرح مسائل حج کا علم اور سفر حج، ادائیگی حج وعمرہ وزیارت میں سہولتوں کا بھی خوب تجربہ تھا، جس کے بعد انہوں نے پہلے ایک نہایت مفید ومقبول کتاب ''حج عمرہ اور زیارت'' کے نام سے تالیف فرمائی اور مسائل واحکام کی تصدیق حضرات علماء سے کرائی۔ پھر یہ کتاب بعض ترمیمات کے ساتھ مخدومنا حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت برکاتہم کی اعانت سے بعض علماء

کرام اور مفتی حضرات سے پوری کتاب پر نظر ثانی اور تصدیق کے بعد ''نصرت الحجاج'' کے نام سے شائع ہوئی۔ اور یہ مولوی نصرت صاحب کی بے نفسی اور اخلاص تھا کہ پہلی بار حضرت حافظ ریاض الحق صاحب کلیانویؒ کے ذریعہ شائع کرائی جس میں صحت کتابت کا اعلیٰ درجہ کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد الابقاء والے محترم عبدالسنان صاحبؒ نے شائع کی۔ اخیر میں ترمیمات اور حذف و اضافہ کے بعد شائع کرنے کے لئے دارالعلوم کراچی کے حوالہ کی، جنہوں نے نصرت الحجاج کے نام سے کتاب کو شائع کیا۔ اس کے علاوہ ایک مختصر جیبی کتابچہ ''آسان حج وعمرہ'' کے نام سے تالیف فرمایا جس کو محترم عبدالسنان صاحبؒ ہی نے اپنے مکتبہ تھانوی سے شائع کیا۔ الحاج مولوی نصرت علی صاحبؒ کی ان دونوں کتابوں سے احقر مؤلف نے بھی خوب استفادہ کیا اور جیبی کتابچہ تو عمرہ یا حج کے سفر میں ساتھ ہی رہتا ہے۔ **فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ خیر الجزاء.**

حضرت صوفی محمد اقبال قریشی صاحب ہارون آبادی زادمجدہٗ

(مرید حضرت والاؒ اور مجاز بیعت وتلقین از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ وحضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ)

(نوٹ: محترمی اقبال قریشی صاحب کے مختصر حالات ملے۔ ان میں سے کچھ تو ''البلاغ'' مفتی اعظم نمبر میں شائع ہوئے تھے جن کو محترم کرنل قاری فیوض الرحمٰن صاحب ایم۔اے نے مرتب فرمایا تھا۔ ان کے علاوہ خود محترم اقبال قریشی صاحب نے کچھ حالات کا اضافہ فرمایا۔ تقریباً ان سب کو یہاں پیش کیا جارہا ہے۔ آ ا)

محترم کرنل قاری فیوض الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں: ''آپ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ''جالنہ'' ضلع اورنگ آباد حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب قریشی اور ہاشمی اور والدہ صاحبہ صدیقی خاندان سے تھیں۔ آپ کے والد صاحب نے ۱۹۵۲ء میں پاکستان کی طرف ہجرت کی اور آپ والدہ صاحبہ کے ساتھ ۱۹۵۴ء میں پاکستان آئے۔ والدہ چھ ماہ بعد ہی انتقال کر گئیں اور کوٹلہ شیخاں علاقہ اوچ شریف بہاولپور میں دفن ہوئیں، کیونکہ آپ کے والد صاحب بسلسلہ ملازمت ان دنوں وہاں تھے اور والد صاحب نے ۱۰/ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو اس جہانِ فانی کو چھوڑا۔ آپ نے باقاعدہ کسی دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ آپ جس علاقہ میں مقیم ہیں وہاں کے اکثر لوگ اگرچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ساتھ اصلاحی تعلق نہیں رکھتے۔ مگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرف مائل کر دیا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ آپ نے ''الابقاء'' کراچی سے جاری کرایا۔ اس میں حضرت تھانویؒ کے مواعظ پڑھ کر دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ حضرت تھانویؒ کی کئی ایک تصانیف زیر مطالعہ رہیں۔

صوفیانہ مسلک:

۱۳ مئی ۱۹۶۶ء کو آپ حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی طرف رجوع کیا۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ کو بیعت عثمانی میں داخل فرمایا۔ اور یکم مئی ۱۹۷۵ء کو لاہور میں دست بدست بیعت کی توفیق ملی۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ء کو چاروں سلسلوں میں بیعت وتلقین کی اجازت

عطا فرمائی۔ اب آپ اس سلسلہ کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

تصنیفی خدمات:

آپ کے مضامین ملک کے موقر مجلات میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ کئی ایک مستقل تصانیف بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) معارف نانوتویؒ: اس میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی مختصر سوانح کے ساتھ ان کے معارف وحکم کا بیان ہے جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ، ملفوظات اور تصانیف سے جمع کئے گئے ہیں۔ دارالاشاعت کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

(۲) معارف گنگوہیؒ: قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حکیمانہ ارشادات وفرمودات کا انمول ذخیرہ ہے۔ دوسری بار اضافہ کے ساتھ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور سے شائع ہوئی۔

(۳) معارف امدادیہ: حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے کلمات حکمت اور عارفانہ ارشادات کا ایک ضخیم تذکرہ، جو مکتبہ رشیدیہ شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے شائع ہوچکی ہے۔

(۴) جواہرات یعقوبی: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ ابن مولانا مملوک علیؒ کے عارفانہ وعالمانہ ارشادات کا مجموعہ حصہ اوّل ودوم۔

(۵) اشرف البیان: حضرت تھانویؒ کے ملفوظات کا مجموعہ۔

(۶) اشرف الکلام، (۷) معارف گنجینہ اشرفیہ، (۸) جواہر الحسن، (۹) اشرف اللطائف، (۱۰) اشرف الامثال، (۱۱) اشرف الآداب، (۱۲) تذکرہ حسن، (۱۳) احکام الازدواج، (۱۴) معارف شیخ الہندؒ، (۱۵) معارف تھانویؒ، (۱۶) معارف گنج مرادآبادی۔ ان کے علاوہ چند اور کتب بھی زیر ترتیب ہیں۔

(محترم اقبال قریشی صاحب نے یہاں چند کتب کا مزید تذکرہ فرمایا ہے: (۱) اسلام کی تعلیمات اعتدال، (۲) سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، (۳) محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، (۴) اشرف الاحکام وغیرہ)

''مجلس صیانۃ المسلمین ہارون آباد اور ادارہ تالیفات اشرفیہ آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔''

اس کے بعد محترم اقبال قریشی صاحب نے اپنے بعض حسب ذیل حالات کا اضافہ فرمایا ہے:

''اولاد میں سات لڑکیاں اور دو بیٹے ہیں۔ جن میں دو لڑکیوں کی شادی ہوچکی ہے۔ بڑا بیٹا دارالعلوم کراچی میں زیر تعلیم ہے۔ حضرت مفتی اعظم قدس سرہٗ کے بعد عارف باللہ حضرت حاجی محمد شریف صاحب قدس سرہٗ سے تعلق اصلاح ہوا۔ انہوں نے بھی اجازت بیعت وتلقین سے نوازا۔ اس کے بعد حضرت قمر الدین احمد شاہ صاحب مدظلہٗ ناظم جائیداد خیر المدارس

ملتان سے تعلق ہے اور خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے سابق مہتمم سراج الامت مولانا سراج احمد صاحب قدس سرہٗ کے مجاز عبدالواحد صاحب مدظلہٗ نے اپنی طرف سے ازخود اجازت بیعت وتلقین عطا فرمائی۔"

''۴جون ۱۹۶۳ء سے محکمہ تعلیم میں مدرّس ہوں۔آج کل گورنمنٹ ہائی سکول ہارون آباد میں اسلامیات اور عربی وغیرہ پڑھاتا ہوں۔"

''اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اکابر کے علوم وفیوض عوام الناس تک پہنچانے کے لئے غیب سے اسباب مہیا فرمائے۔اور تقریباً ۱۶ سال مسجد تقویٰ شہ نور پورہ مدرسہ تجوید القرآن ہارون آباد میں خطابت کی خدمت سرانجام دی۔عشاء کے بعد سلسلہ درس جاری رہا۔گزشتہ سال شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آفتاب تھانہ بھون کے علوم و معارف تبلیغی صورت میں پھیلانے کے لئے شہر کی مرکزی جامع مسجد تھانے والی ہارون آباد میں امامت وخطابت کے غیب سے اسباب مہیا فرمادیئے۔الحمدللہ جمعہ کے علاوہ بعد عصر اپنے اکابر کی طرح مجلس کا سلسلہ شروع کیا ہے۔بعد فجر و بعد عشاء درس ہوتا ہے۔حق تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں اور قبولیت سے نوازیں اور زیادہ سے زیادہ اپنے ذکر کی توفیق عطا فرمائیں، (آمین)

محترم اقبال قریشی صاحب کو ان دونوں اکابر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ سے جو اجازت بیعت وتلقین ملی ہے، اب ان دونوں کے اجازت ناموں کی نقل یہاں دی جاتی ہے:

نقل اجازت نامہ از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، بانی وصدر دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

عزیزم محمد اقبال صاحب قریشی سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

لاہور سے واپس آکر آپ کا ملفوف ملا جس میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب کی مکاتبت تھی، اس کو دیکھا۔آج آپ کا دوسرا لفافہ ملا۔جس کا جواب بھی اس کے ساتھ ہی بھیج رہا ہوں۔اسی وقت دل میں آیا کہ بنام اللہ تعالیٰ میں آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دے دوں۔آپ اس کام کو اپنی اصلاح کی نیت سے شروع کریں۔کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ دوسروں کی اصلاح کی فکر سے خود اپنی اصلاح آسان ہوجاتی ہے۔اس کام کے لئے تربیت السالک، تعلیم الدین، تبلیغ دین وغیرہ کے مطالعہ سے کام لیں اور اپنے خاص احباب سے اس اجازت کا تذکرہ بھی کردیں۔

والسلام بندہ محمد شفیع (۲۷ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ)

نقل اجازت نامہ از حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ

۷۸۶

عزیزم محمد اقبال قریشی سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا مجاز بیعت ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں کہ ان کی اجازت کے بعد میری اجازت کا کچھ بھی وزن نہیں۔ لیکن بے اختیار قلب پر تقاضا ہے کہ توکلاً علی اللہ تعالیٰ میں بھی آپ کو اجازت دوں۔ کہ اگر کوئی طالب حق آپ سے بیعت اور تلقین کی درخواست کرے تو قبول فرمائیں۔ اگر میری پیشکش قبول ہو تو مجھے مطلع فرمادیں تاکہ آپ کے نام کی مہر بنوا کر مجازین بیعت کی فہرست میں ثبت کردی جائے۔ احباب کو اس اجازت کی اطلاع کردی جائے۔

احقر محمد شریف عفی عنہ

۷۰۹ نواں شہر ملتان (۹ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ)

نوٹ: اب اس کے بعد ''مختصر تعارف حضرات مجازین از حضرت والاؒ'' ملاحظہ فرمایئے۔

مختصر سوانح حضرات مجازین از حضرت والاؒ

بارہ (۱۲) حضرات مجازین بیعت میں سے یہاں صرف آٹھ کا مختصر تعارف دیا کا رہا ہے باقی حضرات کے حالات دستیاب نہیں ہو سکے۔ ان سوانح میں بعض بہت مختصر ہیں بعض قدرے مفصل۔ اس کی وجہ ان کے حالات کا مختصر یا مفصل دستیاب ہونا ہے۔ اس میں کسی کی ترجیح کا سوال نہیں اور ترتیب حضرت والاؒ کی فہرست مجازین کی ترتیب کے مطابق ہے۔ ان حضرات کی سوانح کو بقدر ضرورت ایڈٹ بھی کیا ہے یعنی تغیر یسیر حذف و اضافہ وغیرہ۔ نیز اطلاعاً عرض ہے کہ حضرت حاجی عبدالسلام صاحبؒ حضرت صوفی بشیر صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا حافظ عبدالوحید صاحب شہیدؒ تینوں حضرات ہوشیار پور کے رہنے والے ایک ہی برادری کے اور آپس میں رشتہ دار تھے۔ (آا)

حضرت[۱] مولانا حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیار پوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ ہوشیار پور میں ۱۰ مئی ۱۹۱۰ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام جان محمد تھا جو تحصیلدار تھے آپ نے سکول کی تعلیم جماعت نہم تک حاصل کی تھی۔ درسیات (علوم دینیہ) کو بھی نہیں پڑھا تھا بلکہ علم دین حضرات علماء کی صحبت سے حاصل ہوا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں آپ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں پہلی بار تشریف لے گئے تھے جہاں ایک یا دو شب قیام فرما کر واپس ہو گئے تھے۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے انہی ایام میں سلسلہ مکاتیب شروع کیا تھا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے ارشاد کے مطابق طریق سے مناسبت کے حصول کے لئے سو عدد مواعظ اشرفیہ کا مطالعہ بھی کر لیا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت حکیم الامتؒ نے طالبین سے دست کشی فرمائی اور حضرات مجازین کی طرف رجوع کرنے کے لئے مطبوعہ پرچہ ارسال فرما دیا۔ اس پر آپ نے حضرت حکیم محمد مصطفٰے صاحب بجنوریؒ سے رجوع کیا مگر ان کی علالت کے سبب بقدر ضرورت اصلاحی مکاتیب کی تکمیل نہ ہو سکی۔ حضرت حکیم مصطفٰے صاحب بجنوری قدس سرہ کے وصال کے بعد کشمکش میں تھے کہ خود حضرت حکیم الامتؒ کی طرف سے تنبیہ موصول ہونے کے بعد حضرت والاؒ سے رجوع کیا اور ملتان کی ایک حاضری میں دست بدست تجدید بیعت کا شرف بھی حاصل کیا۔ وصال سے سترہ اٹھارہ سال قبل حضرت والا سراپا خیر و برکت نے آپ کو سلسلۂ اشرفیہ میں اجازت بیعت و تلقین بھی عطا فرما دی تھی اور حضرت والاؒ نے اپنے وصال کے تقریباً دو سال قبل تبویب تربیت السالک جلد دوم کا کام بھی آپ کے سپرد فرمایا تھا۔ احقر[۲] مؤلف عرض کرتا ہے کہ احقر کو حضرت حاجی عبدالسلامؒ کی زیارت مدرسہ خیر المدارس میں ایک دو بار ہوئی ہے وہ احقر کے نام اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۵-۶-۱۹۷۲ء میں تحریر فرماتے ہیں "تربیت السالک کا حضرت نے جو کام سپرد کیا تھا وہ الحمدللہ مکمل ہو گیا ایک تہائی حصہ کے قریب کتابت ہو چکی ہے۔" وہ مدرسہ عربیہ اشاعت العلوم جامع مسجد لائلپور

---

۱ ابلغم ا ق۔ جنھیم یسیر آا۔ ۲ آا

(حال فیصل آباد کے ناظم تھے۔ حضرت والاؒ سے ان کو اجازت بیعت کی تاریخ[1] ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۵۲ء ہے۔

حضرت[2] مولانا عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم

مہتمم مدرسہ اشاعت العلوم منڈی چشتیاں

آپ چک نمبر ۲۵۱۔گ ب قصبہ اوگی تحصیل ٹوبہ ضلع فیصل آباد میں ۱۲ اپریل ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی اسماعیل تھا جو حضرت مولانا حافظ محمد صالح صاحبؒ خلیفہ حضرت گنگوہیؒ سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے۔ والد صاحب پابند صوم وصلوٰۃ اور تہجد وغیرہ کے بڑے پابند تھے۔ نماز فجر کے بعد کافی دیر تک تلاوت فرماتے۔ پھر کام کاج شروع فرماتے۔ مولانا نے تیسری جماعت تک اسی چک ۲۵۱ گ ب میں تعلیم حاصل فرمائی۔ پھر چک نمبر ۴۴ فتح تحصیل چشتیاں ضلع بہاولنگر میں آباد ہوئے۔ اس لئے مولانا نے پانچویں جماعت تک تعلیم قریبی چک نمبر ۴۳ نہر فتح میں پائی اس کے بعد ابتدائی فارسی عربی تعلیم کے لئے مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیروالی ضلع بہاولنگر تشریف لے گئے لیکن کم عمری کے سبب مولانا کا دل نہ لگا اور ایک ماہ بعد ہی واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد قریبی چک نمبر ۹۸ فتح میں مولانا برکت اللہ صاحب فاضل دیوبند سے ابتدائی فارسی کریما' گلستان' بوستان' سکندر نامہ وغیرہ تک پڑھی۔ لیکن مولانا برکت اللہ صاحب اپنی دیگر مصروفیات کے سبب کما حقہ تعلیم نہ دے سکتے تھے اس لئے مولانا کے مشورہ سے تقریباً گیارہ بارہ برس کی عمر میں مولانا کے والد ماجد انہیں مدرسہ رائے پور گوجراں ضلع جالندھر چھوڑ آئے وہاں کافیہ قدوری تک کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مدرسہ خیرالمدارس جالندھر میں داخلہ لیا اور یہاں شرح جامی' کنزالدقائق، شرح تہذیب اور ترجمہ قرآن مجید پڑھا۔ مولانا رمضان کی تعطیلات بسر کرنے کے لئے اپنا سامان خیرالمدارس جالندھر میں ہی چھوڑ کر گھر آئے تھے کہ ۱۹۴۷ء کا انقلاب آگیا اور مولانا واپس نہ جا سکے۔ دو تین ماہ اسی طرح گڑبڑ میں گزرے تھے پھر مدرسہ خیرپور ٹامیوالی ضلع بہاولپور میں داخلہ لیا مگر ابھی ایک ماہ ہی گزرا تھا کہ خیرالمدارس ملتان کے قیام کا مژدہ سنا اس لئے مولانا فوراً ملتان تشریف لے گئے اور تین سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۶۹ھ میں خیرالمدارس سے دورہ حدیث مکمل فرمالیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا خیرمحمد صاحب جالندھریؒ سے مولانا جمیل الدین صاحب انسپکٹر مدارس عالیہ کے نام سفارشی خط لکھوا کر سکول کی ملازمت اختیار کر لی اور تین چار سال بعد اسی اثنا میں جامعہ عباسیہ بہاولپور سے علامہ کی ڈگری حاصل فرمالی۔

اصلاح باطن:

دورہ حدیث مکمل فرمانے کے بعد اصلاح باطن کا داعیہ قلب میں پیدا ہوا اور مولانا نے حضرت والاؒ سے ۱۳۶۹ھ میں اصلاحی تعلق قائم کیا اور حضرت والاؒ نے آپ کو اجازت بیعت وتلقین بھی فرمادی۔

---

[1] یہ تاریخ ان کے گرامی نامہ نیز نقش حیات سے معلوم ہوئی (آ ا) [2] بقلم اق

حفظ قرآن پاک:

اسی اثنا میں حفظ کلام پاک کا شوق قلب میں موجزن ہوا۔ دوران ملازمت اور دیگر مصروفیات کے باوجود حفظ کرنا شروع فرمادیا۔ ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں بفضلہٖ تعالیٰ قرآن پاک حفظ کرلیا۔

حج بیت اللہ شریف:

مولانا نے بفضلہٖ تعالیٰ تین بار[1] حج بیت اللہ کی سعادت حاصل فرمائی ہے۔

امامت وخطابت:

مولانا قاری محمد ابراہیم صاحب مرحوم خطیب جامع مسجد منڈی چشتیاں شریف کی وفات بعد حضرت والاؒ ہی کے حکم سے جامع مسجد منڈی چشتیاں میں امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی اور ساتھ ہی مدرسہ اشاعت العلوم کا سلسلہ شروع فرمایا۔ بفضلہٖ تعالیٰ تھوڑے ہی عرصہ میں مولانا کے اخلاص' جدوجہد اور محنت کی بدولت مدرسہ بہت مقبول ہو چکا ہے اور آج کل بہاولپور ڈویژن کے دینی مدارس میں ایک نمایاں مقام حاصل کرچکا ہے اور شب وروز ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ دل سے دعا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اسے تاقیامت بایں فیوض وبرکات سرسبز وشاداب رکھے آمین۔

اجازت حضرت مولانا افغانی نوراللہ مرقدہ:

مولانا نے حضرت والاؒ کے وصال کے بعد حضرت شمس العلماء والفضلاء مولانا شمس الحق افغانی صاحبؒ سے رجوع کیا اور انہوں نے اجازت بیعت سے نوازا۔ حال ہی میں حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ نے بھی مولانا کو اپنی طرف سے اجازت دی ہے۔

علمی مشاغل:

مولانا کا زیادہ وقت درس وتدریس اور اہتمام مدرسہ میں صرف ہوتا ہے۔ مولانا کا وعظ بھی نہایت سادہ مگر مؤثر ہوتا ہے بالخصوص مروجہ رسومات کے خلاف تو خوب بولتے ہیں۔ مولانا شائقین کی فرمائش پر درس قرآن بھی دیتے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ دوبار پورے کلام پاک کا ترجمہ وتفسیر بیان فرماچکے ہیں اور انہیں اب اس سے مناسبت بھی ہوگئی ہے۔ اصلاح وتربیت کے علاوہ گاہ گاہ تعویذ بھی لکھ دیتے ہیں۔ خطوط کا جواب باقاعدگی سے عنایت فرماتے ہیں۔ اس کے علاوہ علاقہ بہاولنگر بالخصوص چشتیاں کے لئے دائمی جنتری بھی تحریر فرماچکے ہیں جس میں نماز پنجگانہ' طلوع وغروب آفتاب' زوال وغیرہ کے وقت تفصیل سے سارے سال کے لئے درج فرمائے ہیں' جس سے علاقہ بہاولنگر والوں کو بڑی سہولت ہوگئی ہے۔ آخر میں نماز نہ پڑھنے والوں کے لئے وعیدیں بھی مستند ماخذ سے تحریر فرمادی ہیں۔ اس کے علاوہ اس ناچیز کی درخواست کو شرف قبولیت عطا فرماکر "میرے شیخ کامل" کے عنوان سے مفصل مضمون تحریر فرمادیا ہے جو سوانح ھذا میں شامل ہے۔ احقر نے

---

[1] یہ وقت تحریر تک کی معلومات ہیں۔ اس سے اس کے بعد زائد کی نفی نہیں ہوتی لیکن اس کا علم بھی نہیں۔ (آ۔آ)

حضرت مولانا محمد صدیق صاحب شیخ الحدیث جامعہ خیر المدارس ملتان سے مولانا کے بارے میں سنا ہے کہ حضرت والاؒ کی ان پر خصوصی شفقت و عنایت تھی۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت والاؒ کی نسبت کا زیادہ ظہور مولانا میں ہوا ہے۔[۱] چنانچہ مدرسہ اشاعت العلوم رجسٹرڈ جامع مسجد منڈی چشتیاں کی روز افزوں ترقی اس پر شاہد ہے۔

نوٹ: حضرت والاؒ سے آپ کو ''اجازت بیعت وتلقین'' کی نقل آپ کے مقالہ ''میرے شیخ کامل'' میں گزر چکی ہے۔ آ)

حضرت مولوی حاجی فتح محمد صاحب جالندھری آبادپوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت والاؒ کے ان خلفاء میں سے تھے جنہوں نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی زیارت کی ہے۔ انہوں نے احقر مؤلف سے اس زیارت کا ذکر کیا تھا۔ اس کی جتنی تفصیل یاد ہے اس کو اپنے الفاظ میں ذکر کرتا ہوں۔ وہ حضرت والاؒ کو قبلہ عالم کہا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں قبلہ عالم کے سوا کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔ حضرت والاؒ کے ساتھ پہلی بار حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرتؒ کے یہاں قاعدہ تھا یا یہ ہدایت فرمائی ہوگی کہ آتے ہی یہ خط دکھا دینا۔ چنانچہ حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہی مصافحہ کے لئے بھی ہاتھ بڑھایا اور والا نامہ بھی پیش کر دیا۔ حضرت تھانویؒ نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ یہ خط پکڑوں یا مصافحہ کروں اور باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ کہتے تھے کہ میں باہر نکل کر مسجد میں بیٹھ گیا۔ اور مجھے عبرت ہوئی کہ یا اللہ میں تیرے ایک بندے کے دربار میں حاضری کے لائق نہیں۔ تیرے دربار کی حاضری کے لائق کیسے ہو سکتا ہوں۔ کہتے ہیں یہ سوچ کر خوب گریہ ہوا۔

ایک دوسرا واقعہ انہوں نے اپنا اور بیان فرمایا۔ وہ بھی احقر مؤلف کے اپنے الفاظ میں عرض ہے۔ وہ یہ کہ ان کے کسی دوست (معتقد یا مرید وغیرہ) نے ان کے گھر میں پانی کا دستی نلکا (ہینڈ پمپ) لگوانے کو کہا تھا' لیکن پھر لگوایا نہیں۔ پانی کی تکلیف تھی۔ گھر والوں نے کہا بھی کہ جن صاحب نے نلکا لگوانے کو کہا تھا ان سے کہا جائے۔ لیکن حاجی صاحب نے کہا کہ میں تو کسی سے نہیں کہوں گا۔ اس کے بعد خواب میں حضورﷺ کی زیارت ہوئی۔ اور آپﷺ نے بشارت دی کہ تمہارے گھر میں تمہاری چارپائی کے نیچے بند کنواں ہے۔ چنانچہ خواب سے بیدار ہوئے۔ اور وہ جگہ کھدوائی تو کنواں نکلا۔

حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم کا ذکر بھی احقر سے غالباً سب سے پہلے انہوں نے ہی فرمایا تھا اور ان کی تعریف بھی کی تھی۔ انہیں سے ان کی اپنی ایک اور روایت بھی سنی جو احقر کے الفاظ میں مذکور ہے۔ چونکہ نفع سے خالی نہیں بلکہ دینی فائدہ سے بھرپور ہے، اس لئے عرض ہے کہ علماء کرام کے سیاسی اختلاف کے دور میں انہوں نے حضرت والاؒ سے عرض کیا کہ حضرات علماء کا اختلاف کبھی رحمت ہوتا تھا' اب زحمت بن گیا ہے۔ حضرت والاؒ نے جواب میں جو ارشاد فرمایا وہ بہت اہم' یاد رکھنے اور پلے باندھنے والی نصیحت ہے۔ حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا کہ علماء کے اختلاف میں ان کی بدگوئی (غیبت) سے بچنا یہ زبان کی عبادت ہے۔ اور بدگمانی سے بچنا یہ دل کی عبادت ہے۔ (یہ سب روایت بالمعنی احقر کے الفاظ

---

[۱] یعنی خصوصاً باعتبار اہتمام مدرسہ، تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ (آ)

میں ہے۔ مفہوم یاد رہا الفاظ بعینہ یاد نہیں رہے)

آپ کے بہت مختصر سے حالات حضرت مولانا محمد صدیق صاحب مدظلہ العالی (شیخ الحدیث وصدر مدرس جامعہ خیر المدارس) نے تحریر فرمائے ہیں۔ جن کا اکثر حصہ بغیر تغیر یسیر ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد صدیق صاحب تحریر فرماتے ہیں: "بندہ کو صرف اتنا یاد ہے کہ جالندھر کی اضافی بستی آباد پورہ میں رہائش تھی۔ اور مدرسہ خیر المدارس ریلوے روڈ کے قریب حجام کی حیثیت سے دکان بنا رکھی تھی۔ خود فرماتے تھے کہ میں پتلون کوٹ پہنتا تھا۔ ایک دن حضرت نے حجامت کیلئے بلایا تو بندہ کو اُنس پیدا ہوا۔ آہستہ آہستہ وہ انس محبت سے تبدیل ہو کر میری غلامی کا سبب بنا۔" (یہاں تک کہ بالآخر حضرت والاؒ نے ان کو اجازت بیعت عطا فرمائی۔ آ ا)

"جب تک صحت رہی طلبہ کی حجامت بنانے کو اپنے سلوک طے کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور مدرسہ کی طرف سے شہر ملتان میں سفیر کی حیثیت سے مدرسہ کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔"

(بعض اسفار میں بھی حضرت والاؒ کی خدمت میں ساتھ رہتے اور بیرون ملتان بھی بحیثیت سفیر مدرسہ خدمت انجام دیتے تھے۔ آ ا)

"آخر طویل علالت کے بعد بروز منگل سہ پہر ۶ محرم ۱۳۹۷ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۶ء کو ان کا وصال ہوا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔"[1]

(اور حضرت سائیں طور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اللهم اغفرله مغفرة ظاهرة و باطنة و ادخله جنة النعيم (آمین) (آ ا)

حضرت حاجی فتح محمد صاحبؒ نے ایک مکتب یا مدرسہ "دعوۃ الحق" بھی قائم فرمایا تھا۔ اور سلور کے کارخانے کے قریب اس کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے غالباً حضرت والاؒ سے درخواست کی ہوگی۔ حضرت والاؒ نے احقر اور ایک یا دو اور حضرات کو اس کام کے لئے مامور فرمایا۔ اور ان حضرات اور احقر سے سنگ بنیاد رکھوایا گیا۔

احقر کے ایک خط کے جواب میں حاجی فتح محمد صاحبؒ نے جو شفقت نامہ ارسال فرمایا تھا اس کی نقل حسب ذیل ہے:

۸۷۶ ملتان ۴ ربیع الثانی ۹۵ھ ۱۷ اپریل ۱۹۷۵ء

مخدومی و معظمی دام ظلکم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خیرت نامہ ملا۔ پڑھ کر نہایت مسرت ہوئی۔ بھائی جان تین سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ میں بیمار ہوں۔ پورے جسم پر رعشے کی مرض طاری ہے۔ آپ بارگاہ الہی میں دعا کریں، مجھے اللہ تعالیٰ صحت بخشے تو میں خود آپ کی زیارت

---

1. احقر مولف نے یہ تاریخ اور دفن کی جگہ حضرت والاؒ کی بیاض متعلقہ المواليد والوفیات کی نقل سے دیکھ کر لکھی ہے۔ اس میں حضرت والاؒ کے بعد ان کے خلف رشید حضرت مولانا محمد شریف صاحبؒ نے اضافے فرمائے تھے۔ (آ ا)

کے لئے حاضر خدمت ہوسکوں۔ پہلے سے طبیعت قدرے ٹھیک ہے۔ ملاپ اسی وقت ہوتا ہے جب خدا کو منظور ہوتا ہے۔ خدا وند قدوس کبھی تو ہمیں ملنے کی توفیق دے گا۔ خط کو اس لئے دیر ہوئی کہ میں خود تو پڑھ لکھ نہیں سکتا۔ جس نے خط لکھنا تھا وہ باہر گیا ہوا تھا۔ وہ آیا ہے تو اب جواب دے رہا ہوں۔ باقی دعاء کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول کریمؐ کے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرماوے (آمین) حاجی فتح محمد، خیر بیکری

محلہ کمنگراں حسین آگاہی ملتان شہر

حضرت سید قمر الدین احمد صاحب دامت برکاتہم

نوٹ : احقر مؤلف نے بتاکید درخواست کی کہ براہ کرم ضرور اپنے سوانح ارسال فرمایئے۔ بحمد اللہ غالباً تاکیدی درخواست کی وجہ سے اور احقر کی تطییب خاطر کے لئے درخواست قبول فرمائی اور تواضع حائل ہو کر مانع نہیں بنی۔ چنانچہ اپنے مختصر سوانح تحریر فرمائے۔ جی بہت خوش ہوا۔ مزید اس لئے بھی جی زیادہ خوش ہوا کہ حسب درخواست فائل میں لگانے کے لئے مناسب سائز پر دونوں طرف فوٹو سٹیٹ کرا کر ارسال فرمائے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء۔ اب اس کو ایڈٹ کرنا بالکل آسان ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کے خود نوشت سوانح درج ذیل ہیں:

نام:

پیدائشی نام چمن پیر شاہ ولدیت گل حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے جالندھر اصلاح کے لئے تعلق کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت منشی عبدالرحمٰن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت والاؒ کی منظوری سے نام قمر الدین احمد تبدیل فرما دیا۔ میں نے اخبار میں اشتہار کے بعد کاغذات سرکاری میں نام تبدیل کروا دیا۔ اور اخبار میں شائع کرایا کہ آئندہ مجھے چمن پیر شاہ کے نام سے کوئی نہ پکارے۔ قمر الدین احمد کے نام سے پکارا جاوے۔ تو اب نام قمر الدین احمد ولد گل حسین شاہ ہوا۔

ولادت:

بمقام کرولی پیران ضلع چکوال ہے۔ پہلے ضلع جہلم تھا، اب چکوال کو جو پہلے تحصیل تھی، ضلع بنا دیا گیا ہے۔ سرکاری کاغذات میں تاریخ ولادت ۴ نومبر ۱۹۲۶ء درج ہے۔ میری والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ تمہاری ولادت ۱۹۲۷ء میں ہوئی تھی، واللہ اعلم۔

وجہ تسمیہ موضع کرولی پیران:

ایک بزرگ ولی اللہ حضرت مولانا غوث بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے محمد حسین شاہ نامی اس پہاڑی علاقہ میں تشریف لائے (یہ گاؤں پہاڑوں کے درمیان میں واقع ہے) پانی کی وہاں سخت قلت تھی۔ ان سے درخواست کی گئی کہ پانی کیلئے دعا فرما دیں۔ انہوں نے دعاء فرمائی اور اپنا عصا مبارک ایک پتھر پر دے مارا، تو اس پتھر میں

سے دودھ کا چشمہ جاری ہوا۔ کہا گیا کہ حضرت لوگ یہاں دودھ کیلئے لڑیں گے۔ انہوں نے منہ میں کلی کر کے دودھ کے چشمہ میں ڈال دی۔ وہ چشمہ پانی سے تبدیل ہوگیا۔ کیونکہ ہمارے جہلم والے پہاڑی علاقہ میں کلی کو کرولی بولتے ہیں۔ تو اس دودھ کی کلی کی وجہ سے اس بستی کا نام کرولی پڑ گیا۔ چونکہ یہ بزرگ پیر تھے اور قریشی ہاشمی خاندان سے تھے اور یہاں ہی آباد ہوگئے تھے اور پھر اس بستی میں ان کی ہی اولاد آباد ہوتی گئی تو اس بستی کا نام کرولی پیرانوالی مشہور ہوا۔ ہمارا سارا خاندان انہیں کی اولاد سے ہے۔ سب اس گاؤں میں آباد ہیں۔ بمقابلہ دوسری اقوام کے بالکل قلیل سے لوگ ہیں۔ وطن اصلی کرولی ہے۔ مندرجہ بالا واقعہ اسی طرح اپنے بزرگوں سے سنا ہے، واللہ اعلم۔

موضع کرولی پیران سے ڈیرہ غازیخان:

والدہ مرحومہ فرماتی تھیں کہ ۱۹۲۷ء میں تمہارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ملازمت ڈیرہ غازیخان اختیار کر لی تو ڈیرہ غازیخان آنا پڑا۔ یہاں حضرت مولانا قاضی عبیداللہ صاحب رحمۃ اللہ کے مکان کے ساتھ مکان تھا۔ اسی قریبی محلہ کے پرائمری سکول کی تعلیم حاصل کی۔ پرائمری کے بعد گورنمنٹ انڈسٹریل سکول ڈیرہ غازیخان میں ہی داخلہ لیا۔ دل میں بچپن سے ہی بحمد اللہ ایک شوق تھا کہ ''رزق حلال کا ذریعہ اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے'' اس لئے کارپنٹری کا کام اس دستکاری سکول میں سیکھا جو کہ بحمد اللہ مورخہ مارچ ۱۹۴۲ء اپنے سکول میں اعلیٰ نمبروں پر اور کلاس میں فسٹ پوزیشن میں کامیابی ہوئی۔ پھر اسی سکول میں مزدوری پر کارپنٹری کا کام شروع کر دیا۔ مزدوری کی رقم لیتا رہا۔ تھوڑے عرصہ بعد سپرنٹنڈنٹ اولڈ سنٹرل جیل، ملتان سے ایک چٹھی ہیڈ ماسٹر صاحب کو موصول ہوئی کہ ہمیں ایک کارپنٹر ماسٹر کی ضرورت ہے۔ چونکہ اسی سال فارغ ہوا تھا، بفضلہ تعالیٰ فرسٹ پوزیشن تھی اور وہاں ہی کام کر رہا تھا۔ بغیر کسی سفارش کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے مجھے اپنی طرف سے اولڈ سنٹرل جیل بھیج دیا۔ بعد امتحان کارپنٹری مورخہ ۴ اگست ۱۹۴۲ء کو میری تعیناتی ہوئی۔ اس وقت ڈاکٹر مظہر حسین سپرنٹنڈنٹ جیل تھے۔ حق پسند اور اعلیٰ درجہ کے منتظم تھے۔ دوسری جیلوں سے ایسے قیدی ہندو سکھ مسلمانوں میں سے جو بدمعاش قسم کے ان جیلوں میں قابو نہیں آتے تھے۔ یہاں اصلاح کے لئے ان کے پاس ملتان بھیجے جاتے تھے۔

شیخ کی تلاش:

میں یہ کہا کرتا تھا کہ پیر ہو کامل ہو۔ دیکھ بھال کر سوچ سمجھ کر شیخ بنائیں گے۔ ایسے نہیں۔ ہمارے ساتھ ایک ماسٹر سلطان احمد صاحب ایس۔ وی۔ ٹیچر تعینات تھے۔ ان سے ایک روز باتوں باتوں میں یہی ذکر کیا ''مجھے شیخ کامل کی تلاش ہے۔'' انہوں نے فرمایا ایک بزرگ غازی ثناء اللہ خاں نمبر ۲۶ ریلوے روڈ لاہور رہتے ہیں۔ ان کے کئی عجیب وغریب واقعات سنائے۔ میں نے انہیں عریضہ تحریر کر دیا۔ انہوں نے میرے عریضہ کا جواب حضرت منشی عبدالرحمٰن خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معرفت جو یہاں چہلیک ملتان میں رہتے تھے، ان سے دلوایا۔ انہوں نے تحریر فرمایا کہ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۴۶ء کی علی الصبح مجھے میرے مکان پر ملیں، اور اسے لاہور والے خط کا جواب سمجھیں۔ اس خط کا ملنا تھا، میری خوشی عجیب تھی۔ اور یہ

سوچ تھی کہ لفظ علی الصبح تحریر ہے۔ اس لئے صبح ہوتے ہی وہاں پہنچنا چاہئے۔ خیر رات کس شوق وانتظار میں گزری۔ میں صبح سے کچھ پہلے ہی سائیکل پر نکل کھڑا ہوا۔ صبح کی اذانیں شروع ہوئیں تو حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ کے دردولت پر جا پہنچا۔

مجھے عجیب حیرت ہوئی کہ میں جب پہنچا تو حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اتنے سویرے سخت سردی میں دروازہ پر کھڑے میرا انتظار کررہے تھے۔ انہوں نے کہا آپ جیل سے آئے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کہ بھائی صاحب مجھے یہاں کھڑا کر گئے کہ آپ آئیں تو آپ کو مردانہ بیٹھک میں بٹھلا دوں۔ تھوڑی ہی دیر بعد حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ میں نے کہا حق تعالیٰ کی رضا اور پیر کامل کی تلاش۔ فرمایا اور کوئی مقصد۔ میں نے کہا کچھ بھی نہیں۔ میں چند اشیاء بطور ہدیہ لے گیا تھا۔ پیش خدمت کی۔ خلاف معمول قبول فرمالیا اور باتوں باتوں میں اس اجہل کو آداب ہدیہ فرما گئے۔

مجھے فرمایا آپ بے فکر ہو جائیں۔ کچھ پڑھنے کے لئے فرمایا اور چند کتب مطالعہ کے لئے عنایت فرمائیں۔ میں نے حسب ارشاد عمل شروع کردیا۔

صحیح سلسلہ کے برکات:

حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مل کر دل میں بفضلہٖ تعالیٰ یہ خود بخود آنے لگا کہ یہ سچے، صحیح اور مخلص لوگ ہیں۔ نیک اعمال کی توفیق شروع ہوگئی۔

حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا خیر محمد رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جالندھر خط لکھا جس میں میرے نام کی تبدیلی اور اجازت خط وکتابت (اصلاحی) کی منظوری لی۔ پھر مجھے ایک چٹ پر پتہ تحریر فرمادیا کہ اس پتہ پر جالندھر خط وکتابت کیا کروں۔

پہلا خط: جو کہ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جالندھر تحریر کیا، جس کا جواب حضرت والاؒ کی طرف سے ۲۸ صفر ۱۳۶۲ھ کو تحریر ہوا (اس کی نقل اس خود نوشت مختصر سوانح کے ختم پر اجازت بیعت وتلقین کی نقل کے بعد دی جارہی ہے۔ آ)

حضرت والاؒ نے اس پہلے والا نامہ میں ہی اس ناکارہ کو تبلیغ دین پڑھ کر اصلاح اخلاق کی طرف میرا رخ موڑ دیا۔ میں نے حسب ارشاد عمل شروع کردیا۔ پھر کیا تھا بے نمازی، پکا نمازی بن گیا۔ بے ڈاڑھی ڈاڑھی والا اور قضا نمازوں کی ادائیگی اور روز بروز فکر آخرت، دنیا سے نفرت، نیک لوگوں سے محبت، اپنے عیوب نمایاں، حضرت والا کی محبت، زندگی کی قدر، وقت کی قیمت، ایک پستی، اور گناہوں پر ندامت۔ یوں معلوم ہونے لگا کہ پچھلی عمر رائیگاں گئی۔ کیا تھا اک فضل ربی اور اپنے پیر ومرشد کی دعاؤں اور توجہ سے میں حیرت اور ہمت سے جرأت سے دین کی طرف بھاگنے لگا۔ اور اپنے اندر عیوب ہی عیوب دیکھنے لگا۔ اور ہر مومن کی فراست سے دوڑنے لگا اور اسے اپنے سے بہتر سمجھنے لگا۔ بس یوں سمجھئے کہ ایک ڈبہ تھا جسے گاڑی کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ بس ایک رفتار کے ساتھ تیزی سے سوڑتا جارہا ہے۔ اس ہمت اور حیرت سے نہ انجن کو دیکھا نہ

ڈبوں کو۔ حق تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ انہوں نے میرا یہ تکبر توڑا کہ ''پیر دیکھ بھال کر کروں گا اور سوچ سمجھ کر'' اور اپنے فضل سے یہ ظاہر فرمایا کہ بن دیکھے منوا سکتے ہیں۔

پہلی زیارت:

۱۹۴۷ء میں حضرت والاؒ جالندھر سے معہ بچوں کے ملتان تشریف لے آئے۔ حضرت منشی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اطلاع کی کہ حضرت مسجد سراجاں حسین آگاہی میں تشریف لے آئے ہیں، وہاں جا کر مل لو۔ میں وہاں گیا عصر کی اذان ہو چکی تھی۔ حضرت والاؒ اپنے رومال مبارک سے نمازیوں کے لئے مسجد میں صفیں جھاڑ رہے تھے۔ بلا تعارف جی میں آیا کہ پیرومرشد یہی ہیں۔ کوئی دائیں بائیں سے دوڑ کر رومال پکڑ کر خود اس خدمت کے لئے نہیں بھاگا (بمع میرے) حضرت والاؒ کے اہل وعیال مسجد کی چھت پر کپڑا تانے پردہ کئے ہوئے مقیم تھے۔

پہلی مجلس:

بعد نماز عصر دائیں طرف مسجد کے حجرہ میں حضرت والاؒ اور حضرت مولانا فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری ساہیوال والے چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ چند لوگ بیٹھے تھے۔ میں بھی ان کی طرح دوزانو ہو کر نیچے بیٹھ گیا۔

پہلا ملفوظ:

حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرما رہے تھے کہ طالب علم کو زبان بن کر رہنا چاہئے اور مرید کو کان بن کر۔ جاہل تو تھا ہی، اور اب بھی ہوں، بس کان بن گیا۔ بغیر تعارف کرائے واپس اپنے گھر آ گیا۔

حضرت منشی صاحب نے فرمایا کہ آپ حضرت والاؒ کو ملے نہیں۔ اب سینما کے سامنے والی عمارت میں مدرسہ ہے، وہاں جا کر ملاقات کرو۔ میں وہاں گیا۔ حضرت مولانا عبداللہ صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ درس دے کر فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ حضرت والاؒ اوپر کی منزل سے تشریف لے آئے۔ الحمدللہ مصافحہ ہوا، میں نے تعارف کرایا۔ چند اشیاء بطور ہدیہ لے گیا تھا۔ بخوشی قبول فرمائیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد مدرسہ موجودہ گیان استقل اور نگ زیب روڈ ملتان منتقل ہو گیا۔ بات تو پہلے خط اور اصلاح کی ہو رہی تھی، میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

خیر میں نے حضرت والاؒ کے ارشاد کے مطابق اخلاق رذیلہ اور حمیدہ کی فہرست بنائی اور اخلاق رذیلہ کے اصلاح کی ترکیب اور حمیدہ کے تحصیل کا طریق دریافت کر کے عمل شروع کر دیا۔ اور دونوں فہرستیں حضرت والاؒ کو جالندھر میں بھیج دیں۔ حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا ''دونوں دیکھ لیں، اب آپ اخلاق رذیلہ کی فہرست میں سے جس کو زیادہ ضروری سمجھیں پہلے اس کا علاج دریافت کریں۔ مگر یہ بھی ساتھ لکھیں کہ اس مرض کی حقیقت آپ کیا سمجھے۔ یہ اختیاری ہے یا غیر اختیاری۔''

الحمدللہ توفیق ہوئی۔ میں نے ایک عریضہ میں تحریر کیا۔ مرض دنیا کی محبت کا علاج ارشاد فرمادیں جو کہ غیر اختیاری ہے۔ حقیقت اس کی یہ ہے کہ جب کوئی خوبصورت چیز دیکھ لوں جی خوش ہوتا ہے، دل سے محبت ٹپکتی ہے۔ ارشاد فرمایا: ''یہ حب

دنیا نہیں۔ حب دنیا یہ ہے کہ ایسی چیز سے محبت کر لی جاوے جس میں حظ نفس ہو اور آخرت میں اس کا کوئی نیک ثمرہ مرتب نہ ہو۔ یہ غیر اختیاری امور قابل علاج نہیں ہوا کرتے۔ قصد السبیل رسالہ کا بغور مطالعہ کیا جاوے۔"

گناہوں کا علاج:

ایک عریضہ میں میں نے تحریر کیا میں گنہگار انسان ہوں۔ جب چھوٹے چھوٹے گناہ (بول چال وغیرہ) بعض اوقات منہ سے نکل جاتے ہیں تو بعد میں سخت افسوس ہوتا ہے، استغفار کرتا ہوں۔ لیکن پہلے نہیں سنبھل سکتا۔ آپ برائے مہربانی ایسا علاج ارشاد فرماویں جو کہ میں مولا پاک کے حکم پر عمل کرتا رہوں اور گناہ سے پہلے ہی سنبھل جاؤں۔ ارشاد فرمایا: "جوں جوں مشق ذکر اللہ کی بڑھتی جائے گی یہ درجہ حاصل ہوتا جائے گا۔ جیسے دھوپ کے بڑھنے سے سایہ گھٹتا جایا کرتا ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور نہ جلدی کرنے کی۔"

زُہد:

زہد کے بارے میں عریضہ میں نے تحریر کیا اور عرض کی کہ زہد کی تعریف میرے ذہن ناقص میں تو یہ ہے کہ جن اشیاء کے نہ ہونے سے دین کے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو اور دنیا کی طرف بضرورت حاجت رغبت بہت کم کرنا اور دین کی طرف بہت زیادہ راغب ہونا اس قلیل دنیا کی طرف بھی دین کے لئے ہی راغب ہونا اور فالتو وفضول اشیاء کے درپے نہ ہونا۔ دنیا کے فانی اور آخرت کے باقی ہونے کا خیال اکثر اوقات رہنا اور دنیا کے پاس نہ ہونے سے گھبراہٹ بہت زیادہ پریشانی کا نہ ہونا۔ ہر حال میں راضی رہنا۔ اصلاح سے مشکور فرماویں۔ پہلا خط سہولت کے لئے ارسال خدمت ہے۔

فقط والسلام قمر الدین احمد (۴۹-۱۲-۳)

جواب ارشاد فرمایا: "زہد یہ ہے کہ دنیا کو فانی اور آخرت کو باقی خیال کرتے ہوئے بقدر ضرورت دنیا پر کفایت کرنا۔ اور دل کو دنیوی اشیاء کی محبت سے محفوظ رکھنا۔ جو مال حلال ملے اس کو خدا کی نعمت سمجھ کر شکر ادا کرنا اور اس کا حق ادا کرنا۔"

"اس کی تحصیل کا طریق یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی نعمتیں جو جنت میں اہل ایمان کو ملیں گی اس کا استحضار۔ اور دنیوی اشیاء کے فنا کا استحضار رکھا جاوے۔ کسی وقت مقرر پر چند منٹ مراقبہ اس کا کر لیا جایا کرے۔"

اخلاص کے بارے میں درخواست اصلاح کی تو حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا "اخلاص جس کی حقیقت یہ ہے اپنی طاعت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا قصد رکھنا اور مخلوق کی رضامندی اور خواہش نفسانی کو مقصود نہ ٹھہرانا۔" "طریق تحصیل یہ ہے کہ ایک دفعہ رضا الٰہی کا قصد کر کے خوب کام کرتے رہنا اور وساوس و اوہام کی طرف التفات نہ کرنا۔"

الحمد للہ کہ حضرت والاؒ سے اصلاحی خط و کتابت ہوتی رہی کہ اچانک ایک عریضہ کے جواب میں حضرت والاؒ کی طرف سے اجازت بیعت کا والا نامہ موصول ہوا ایک بار خدمت خلق کا اور بہت بڑا بوجھ اس نااہل کے سر پر رکھ دیا گیا۔

(اجازت بیعت کی نقل اس خود نوشت مختصر سوانح کے ختم پر دی جارہی ہے آ)

اجازت بیعت قبل از بیعت:

والا نامہ ملنے سے حیرت زدہ رہ گیا۔ ندامت میں ڈوب ڈوب گیا، جو حالت ہوئی سو ہوئی۔ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ کیسے عرض کروں کہ میں تو ابھی تک آپ سے بیعت بھی نہیں ہوا۔ جب حق تعالیٰ اپنا فضل وکرم فرماتے ہیں اور توفیق عمل ارشاد مرشد عنایت فرماتے ہیں تو رات دن اپنی زندگی میں تغیر اور کرامات و برکات پیر دل میں موجزن رہتے ہیں۔ اور انسان ایسی پستی میں غرق ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ میں کیسے جرأت کروں اور درخواست کروں۔ اور کیسے یہ ناپاک ہاتھ پاک ہاتھوں میں دوں۔ بس اسی الجھن میں دبا اور متاثر رہتا ہے بس میں نے حضرت والاؒ کی خدمت میں تحریر کیا کہ حضرت ابھی تک تو میں حضرت والاؒ سے بیعت بھی نہیں ہوا۔ جرأت اور ہمت نہیں ہوتی درخواست کی، حضرت والاؒ نے میرے ۵۰-۲-۱۹ کے عریضہ پر جس پر حضرت والاؒ کی تاریخ مورخہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ درج ہے، تحریر فرمایا کہ ''آئندہ اتوار کو بعد نماز ظہر کے یہ رقعہ مجھے مدرسہ میں دے دیا جاوے اور خود وہاں موجود رہا جاوے۔''

الحمد للہ یہ سعادت نصیب ہوئی۔ حضرت والاؒ کی خدمت میں نیو سنٹرل جیل سے اصلاح کی غرض سے ہفتہ میں جو ایک رخصت ہوتی تھی حاضری بحمد اللہ ہوتی رہی۔ بعد عصر ملفوظات کی مجلس کے بعد گھر جاتا۔

تبدیلی راولپنڈی سنٹرل جیل:

۱۹۵۵ء میں میری تبدیلی سنٹرل جیل لاہور ہوئی۔ وہاں پہنچا تو انہوں نے کہا کہ پہلے آرڈر منسوخ ہو کر اب راولپنڈی کے آرڈر ہو گئے ہیں، وہاں حاضری دو۔

ملتان سے روانگی:

سخت گراں تھی۔ حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنی بے اطمینانی اور تبدیلی کے افسوس کا اظہار کیا۔ حضرت والاؒ نے دل جوئی فرمائی۔ میں نے درخواست کی کہ حضرت لاہور میں اپنے سلسلہ کے جو بزرگ ہوں ان کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے حاضر ہو جایا کروں گا۔ حضرت والاؒ نے ایک والا نامہ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے نام تحریر فرما دیا کہ ''اصلاح کی غرض سے مجلس میں حاضری کی اسے اجازت مرحمت فرمادیں۔''

مجذوب: حضرت سائیں طور شاہ صاحب مجذوب مدرسہ میں حضرت والاؒ کی خدمت میں قیام پذیر تھے۔ ملتان سے روانگی سے پیشتر انکی خدمت میں حاضری ہوئی۔ سخت غمگین تھا۔ ان حضرات کی جدائی کا صدمہ تھا۔ دل اور زبان نے تو خوب صبر و ضبط کیا، لیکن آنکھوں نے اظہار غم کر ہی دیا۔ فوراً فرمایا کیوں غم کرتے ہو۔ ماہ دو ماہ چار ماہ سال، پھر آجاؤ گے۔ اطمینان ہو گیا۔ راولپنڈی پہنچتے ہی مجذوب صاحب کے ارشاد کے مطابق ٹھیک ایک ماہ بعد یہ کھیل شروع ہو گیا کہ تبدیلی خلاف قانون ہے۔ اس کی پوسٹ نیو سنٹرل جیل ملتان ہی کے لئے منظور ہے، اسے واپس ملتان بھیجا جاوے۔ تنخواہ منی آرڈر سے ملتان سے

راولپنڈی آنے لگی۔ خط و کتابت ہوتی رہی۔ ٹھیک ایک سال بعد میں واپس ملتان پہنچ گیا۔ جیسے حضرت مجذوب صاحب نے سال پر بریک لگائی تھی۔ مجذوب صاحبان جو حکم اور اطلاع حق تعالیٰ کی طرف سے موصول فرماتے ہیں وہ سنا دیتے ہیں۔ اس میں کمی بیشی ان کے اختیار میں نہیں جیسے ٹیلی گرام

میں نے راولپنڈی پہنچ کر حضرت والاؒ کی خدمت میں وہی درخواست کی کہ حضرت یہاں راولپنڈی میں اپنے سلسلہ کے بزرگ ہوں تو ان کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے حاضر ہو جایا کروں۔ حضرت والاؒ نے ارشاد فرمایا: ''راولپنڈی میں حضرت مولانا ولی محمد صاحب بٹالوی مہتمم مدرسہ آثار الولی صدر راولپنڈی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے محبوب خلیفہ مجاز ہیں۔ ان سے ملا کیجئے۔ اگر لاہور والا خط پاس ہو تو تعارف کے لئے وہی خط دکھا دیجئے اور میرا سلام بھی کہہ دیجئے۔''

حضرت والاؒ کے ارشاد کے مطابق میں راولپنڈی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے حاضر ہونے لگا۔ بہت شفقت فرماتے۔ میں اپنے امراض باطنی عرض کرتا اور شافی علاج پاتا۔ ایک روز میں نے اپنا ایک مرض عرض کیا۔ ارشاد فرمایا اس کا یہ بھی علاج ہے، یہ بھی علاج ہے، یہ بھی علاج ہے۔ کئی علاج اور نسخے عجیب و غریب اس مرض کے ارشاد فرمائے گئے۔ میں حیرت زدہ رہ گیا۔ ان لوگوں کو الفاظ بنانے نہیں پڑتے، بلکہ بنے بنائے الفاظ حق تعالیٰ سے عنایت ہوتے ہیں جو کہ عین زخمی دل پر مرہم سے زیادہ مؤثر ہوتے ہیں۔ ان حضرات کے ارشادات بجلی کی طرح دل پر اثر کرتے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ بد دل انسان کو صاحب دل اور علیل سے علیل انسان کو قلیل سے قلیل وقت میں جمیل و جلیل کا صحیح بندہ بنا دیتے ہیں۔

الحمد للہ ٹھیک ایک سال بعد واپس ملتان نیو سنٹرل جیل اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔ حضرت والاؒ سے باقاعدگی کے ساتھ اصلاح کی غرض سے مدرسہ میں حاضری اور خط و کتابت رہی۔ اور ۱۹۲۸ء میں حضرت حافظ رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک مکان کرائے کا مدرسہ کا خالی ہوا ہے۔ کرایہ پر دینا ہے۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا، کیونکہ بچے سائیکل پر نیو سنٹرل جیل سے پڑھنے آیا کرتے تھے۔ وہاں سے یہاں مدرسہ میں منتقل ہو گیا۔ دو سال تقریباً حضرت والاؒ کی خدمت میں یہ حاضری نصیب ہوئی الحمد للہ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہوا۔ اب تک بفضلہٖ تعالیٰ جب کہ میری عمر ۷۰ سال سے تجاوز کر رہی ہے۔ ان بزرگوں کی جوتیوں میں یہاں مدرسہ میں پڑا ہوں۔ جو صاحب بھی اسے پڑھیں ان کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے درخواست ہے کہ میرے لئے دعا مغفرت اور حسن خاتمہ کے لئے دعاء خیر فرما دیں اور اگر کسی قسم کا مالی حق میرے ذمہ رہ گیا ہو جسے میں بھول گیا ہوں تو برائے کرم وہ مجھے یاد دلا دیں۔ اگر مجھے یاد آ گیا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کر دوں گا۔

رہے غیر مالی حقوق۔ مثلاً کسی کو ناحق کچھ کہہ لیا ہو، کسی کی دل شکنی کی ہو، خواہ روبرو یا پس پشت، خواہ ابتداً ایسا کیا ہو یا انتقام میں جائز حقوق سے تجاوز ہو گیا ہو، یا کسی کو ناحق بدنی ایذا پہنچائی ہو (اس قسم کے حقوق کا احتمال زیادہ ہے) ان سب

اہل حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے معاوضہ لے لیں، بشرطیکہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جائے، خواہ حسبۃً اللہ فرماویں۔ میں دونوں حالتوں میں ان کا شکر گزار رہوں گا کہ مجھ کو آخرت کے محاسبہ سے بری فرمایا اور معافی کی صورت میں دعا کرتا رہوں گا کہ کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دیں۔ قمرالدین احمد ۱۲ اربیع الاول ۱۴۱۶ھ (۹۵۔۸۔۱۰)

اجازت بیعت وتلقین:

حضرت والاؒ نے حضرت سید قمرالدین احمد صاحب کو انکے عریضہ مورخہ ۲۱/۴/۶۹ ۱۳ھ مطابق ۱۱ فروری ۱۹۵۰ء کے جواب میں اجازت بیعت وتلقین عطا فرمائی۔ اجازت نامہ کی نقل حسب ذیل ہے (جو حضرت والاؒ کے اجازت نامہ کی فوٹو کاپی سے نقل کی گئی ہے)

السلام علیکم بفضلہ تعالیٰ حالات خوش کن ہیں۔ قلب میں آثار محبت الٰہی موجزن ہیں۔ فنا و بقا کی شان جس کا انتظار تھا بحمد اللہ حاصل ہو چکی ہے۔ لہٰذا توکلاً علی اللہ آپ کو اصلاح باطن اور تلقین ذکر اور بیعت کی اجازت دیتا ہوں۔ خدا کی نعمت سمجھ کر خدمت خلق کرتے رہیں اور اپنے دوستوں سے اس کا اظہار کردیں۔ و اللہ الموفق و ھو نعم المولیٰ و نعم النصیر۔

خیر محمد عفی عنہ جالندھری چشتی اشرفی

خیرالمدارس ملتان (۲۱ ربیع الثانی ۶۹ ۱۳ھ)

پہلے عریضہ کا جواب:

اب پہلے عریضہ کے جواب میں حضرت والاؒ کے ارشادات ملاحظہ فرمایئے (یہ بھی حضرت والاؒ کے ارشادات کی فوٹو اسٹیٹ کاپی سے نقل کئے جارہے ہیں) (آ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! میں نے آپ کا خط حرفاً پڑھا۔ شوق اصلاح، فکر آخرت، خوف خدا معلوم کر کے جی خوش ہوا اور دل سے دعائیں نکلیں۔ آپ رسالہ تبلیغ دین مطالعہ کر کے جو اخلاق سیئہ اپنے اندر معلوم کریں ان کی فہرست بنالیں۔ اسی طرح جن اخلاق حسنہ کی کمی محسوس کریں ان کی بھی فہرست بنالیں۔ پھر مجھے اطلاع دیں۔ اور تہجد کی نماز کے بعد دوازدہ تسبیح پڑھنی شروع کردیں۔ ترکیب اس کی یہ ہے: پہلے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ دو سو مرتبہ۔ پھر اِلَّا اللّٰہ چار سو مرتبہ۔ پھر اَللّٰہُ چھ سو مرتبہ۔ اول و آخر تین تین مرتبہ درود شریف۔

دعاء گو (دستخط) خیر محمد عفی عنہ از جالندھر شہر

۲۸۔۲۔۶۶

ایک اور عریضہ مع ارشادات

اب ایک اور عریضہ اور حضرت والاؒ کے ارشادات کی نقل ملاحظہ فرمائیے (آ)

ارشاد: السلام علیکم مکرمی ومحترمی دام فیضہ ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ

عرض حال: السلام علیکم! حضرت میری حالت بہت خراب ہے۔ ہیچ در ہیچ ہوں۔ بالکل جاہل اور قطعاً نااہل ہوں۔ میں یہ تواضع سے نہیں عرض کر رہا، واللہ صحیح عرض کر رہا ہوں۔ یقین سے کہہ رہا ہوں۔ توجہ و اصلاح فرماویں۔

ارشاد: یہ حالت نہایت حسن ہے۔

عرض حال: ساتھ ہی مولا پاک کا لاکھ لاکھ شکر بجالاتا ہوں کہ دین کی تڑپ تو اک دل میں پیدا کر دی، جو یہ پیاس بجھائے بجھ نہیں رہی بلکہ زیادہ ہو رہی ہے۔

ارشاد: یہ بہت بڑی نعمت ہے جو قابل صد شکر ہے۔

عرض حال: اطمینان جس کا نام ہے وہ نہیں۔

ارشاد: یہ تو اہل جنت کو جنت ہی میں نصیب ہوگا۔

عرض حال: ہاں مولا پاک کا شکر ہے کہ پریشانی وکسی قسم کا شکوک شبہات قطعاً نہیں۔

ارشاد: مبارک ہو۔

عرض حال: ذکر و مذکور سے بالکل غفلت سی رہتی ہے۔ کس طرح خیال رکھا کروں۔

ارشاد: قصد مذکور پر نظر قلبی اور ذکر قلبی ایک مرتبہ کر لیا۔ جب تک اس کی ضد یعنی نفی دل میں نہ آئے وہ ذکر ہی میں شمار ہوگا۔

عرض حال: اصلاح فرماویں۔ کیا کیا مرض بیان کروں۔ آپ کی دعاء و دوا کی اشد ضرورت ہے۔

ارشاد: دل سے دعاء کرتا ہوں۔ محتاج دعا: قمرالدین احمد (مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۵۳ء)

احقر مؤلف کی رائے میں بحیثیت مرشد و مصلح ہونے کے حضرت والاؒ کے تزکیہ نفوس یعنی سلوک و تصوف سے متعلق نسبت کا زیادہ ظہور حضرت قمرالدین احمد صاحب دامت برکاتہم کے ذریعہ ہوا ہے۔ جس قدر خلوص کے ساتھ وہ تواضع اور فنائیت اختیار کرتے ہیں اتنا ہی دلوں میں ان کی طرف کشش، محبت اور احترام بڑھتا ہے۔ چنانچہ اب محترمی اقبال قریشی صاحب کا اصلاحی تعلق بھی آپ ہی سے ہے۔ حالانکہ وہ خود مخدومنا حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مخدومنا حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز بیعت ہیں۔

جہاں تک یاد ہے احقر کو پہلی بار اس وقت آپ کی زیارت ہوئی جبکہ وہ حضرت مولانا حافظ عبدالحق صاحبؒ کے سابق مکان میں جو چوبارہ پر تھا کچھ کام کرنے تشریف لائے تھے۔ حضرت والاؒ وہیں تشریف رکھتے تھے اور خادم کچھ دیر پہلے

ہی کراچی سے حاضر ہوا تھا۔ اس وقت حضرت والاؒ خادم کو چائے وغیرہ پلا رہے تھے۔

آج کل حضرت سید قمرالدین احمد صاحب مدظلہ العالی جامعہ خیرالمدارس کے ناظم جائیداد ہیں۔ اور قیام خیرالمدارس ہی کے مکان میں مدرسہ کے احاطہ کے اندر ہے۔

ان کے بارے میں محترمی ماسٹر اقبال قریشی صاحب زید مجدہ نے جو تحریر فرمایا اب اس میں سے اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

''مدرسہ کی ترقی کے لئے شب و روز کوشاں رہتے ہیں۔ نہایت مخلص بزرگ ہیں۔ قلب ان کی سادگی سے خود بخود متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ناچیز کو چند بار ان کی زیارت کا موقع ملا ہے۔ سچ عرض کرتا ہوں دل یہی چاہتا ہے کہ مدرسہ کے کام سے متعلق ناظم صاحب یا کسی اور سے ہی کیوں بات نہ کرتے رہیں۔ خواہ مجھے مخاطب بھی نہ کریں مگر دل چاہتا ہے سارا دن ان کے پاس بیٹھا رہوں اور خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا رہوں۔ عجیب قلبی کشش محسوس ہوتی ہے۔''

(اختصاراً اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ آ ا)

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہید حرم مکی رحمۃ اللہ علیہ

ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ والد صاحب شیخ عبداللطیف مرحوم کراچی کے بڑے تاجر اور صنعت کار تھے۔ پہلے قائداعظم مرحوم کے مقبرہ کے سامنے کراچی میں رہائش تھی۔ پھر وہ راولپنڈی منتقل ہوگئے۔ احقر مؤلف سے ان کی ملاقات چند بار کراچی میں ہوئی اور ایک بار جب احقر راولپنڈی جانے والا تھا تو مولانا عبدالوحید صاحبؒ کے فرمانے سے پنڈی جا کر بھی ان سے ملا تھا۔

مولانا محمد عبدالوحید صاحبؒ کی ننھیال میں دینی رجحان غالب تھا۔ ان کے ماموں جناب شیخ محبوب الرحمٰن صاحب مرحوم حضرت حکیم الامتؒ کے مرید تھے۔ چنانچہ مرحوم نے کچھ ابتدائی دینی تعلیم اپنی والدہ مرحومہ سے حاصل کی۔

ابتدائی ملاقات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تقریباً ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ جبکہ مرحوم اور احقر مؤلف حضرت مفتی عبداللطیف صاحب مرحوم کے درس تفسیر میں مسلم یونیورسٹی کی جامع مسجد میں حاضر ہوتے تھے جو بعد نماز عصر ہوتا تھا۔ اور یونیورسٹی کی مجلس اسلامیات میں ملاقات ہوتی تھی۔ ایک بار حاضرین مجلس کو ایک دوسرے سے رابطہ رکھنے کے لئے دو دو افراد کے گروہ بنا دیئے تھے۔ اور بفضلہٖ تعالیٰ احقر مؤلف اور مولانا مرحوم کو ایک گروپ بنا دیا گیا۔ پھر ایک بار مختار صاحب جن سے غالباً مجلس اسلامیات میں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ اور بعد میں وہ مخدومنا حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ عبدالوحید صاحب سے حضرت تھانویؒ کے مواعظ لے کر پڑھا کروں۔ اللہ تعالیٰ مختار

صاحب کو جزائے خیر دے۔ انہوں نے بھی راستہ پر لگانے کے لئے صحیح کام بتا دیا۔ چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مواعظ مولانا مرحوم سے لے کر پڑھتا رہا۔ یہ گویا حضرت حکیم الامتؒ سے عقیدت اور حضرت والاؒ سے تعلق کی تمہید ہوئی۔

شروع ہی سے مولانا عبدالوحید صاحب کی طبیعت بہت سیمابی تھی۔ بس یوں سمجھئے کہ بقول شاعر:

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نہ سیماب　　　مگر وہ ہیں کہ سدا اضطراب رکھتے ہیں

انٹر میں پڑھتے تھے۔ لیکن امتحان پاس نہیں کیا۔ بلکہ علی گڑھ ہی میں ایک بخاری عالم سے عربی پڑھنا شروع کر دی۔ پہلے انگلش ہاؤس میں رہتے تھے۔ (یہ یونیورسٹی کا ایک ہاسٹل تھا جہاں نوابزادے اور رئیس زادے رہتے تھے) پھر وہاں کی رہائش ترک کر کے شہر میں رہنے لگے اور اپنی والدہ مرحومہ کو بھی لے آئے تھے۔ انگلش ہاؤس کی چھوٹی سی مسجد کے امام جن کو ہم لوگ ''قاری صاحب'' کہتے تھے غالباً دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور حضرت تھانویؒ کے سلسلہ میں تھے۔ ایک دفعہ ان سے سنا تھا کہ حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ کبھی کبھی ننگے پاؤں چلتے تھے (شاید ان کے اتباع سنت کا تذکرہ تھا)

اس سے قبل کبھی اپنے والد صاحب کے ساتھ برطانیہ میں بھی ایک دو سال قیام کر چکے تھے۔ چنانچہ ان کے رسمی تعلیم کے مقابلہ میں انگریزی زبان کی استعداد کافی بہتر تھی۔

غالباً ۱۹۴۴ء میں جب احقر مؤلف انٹر (سال اول) کے امتحان سے فارغ ہو گیا تو ہم دونوں کو موسم گرما کی تعطیلات میں تجارت کی سوجھی اور مراد آباد سے مراد آبادی برتن چائے کے سیٹ وغیرہ خریدے اور نجیب آباد اور اس کے قریب چھوٹی سی ریاست ساہن پور کا چکر لگایا۔ مجھے پیچش ہو گئی، تو میں اپنے گھر چاند پور (ضلع بجنور) واپس آ گیا۔ مولانا عبدالوحید صاحبؒ چند روز بعد چاند پور پہنچے تو معلوم ہوا کہ جس سوٹ کیس میں برتن وغیرہ تھے کسی کے پاس امانت رکھوایا، لیکن بعد میں وہ مکر گیا اور واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ مجبور ہو گئے۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ مولانا مرحوم معاف کرنے کی بات کر رہے تھے۔ میں اس کے خلاف تھا کہ ایسے مجرم کو معاف کیا جائے۔ چاند پور میں حضرت علامہ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ تشریف فرما تھے۔ ان کے سامنے یہ معاملہ پیش کر کے انہوں نے پوچھا کہ ایسے شخص کو معاف کرنے پر ثواب ملے گا۔ انہوں نے فرمایا کہ ثواب ملے گا۔ غرضیکہ مجھے اس بارے میں قائل کر دیا۔ مولانا عبدالوحید صاحبؒ کا معمول ظلم کرنے والے کو معاف کرنے کا بارہا دیکھا۔ یہ بڑی اعلیٰ درجہ کی صفت اور اعلیٰ درجہ کا خلق ان کو عطا کیا گیا تھا۔ احقر کے والد صاحب نے ان کے یہ معاملات دیکھ کر فرمایا تھا کہ ولی اور کیسے ہوتے ہیں، بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔

پاکستان آ کر مولوی فاضل کا نصاب پڑھا اور علوم اسلامیہ میں بہت اچھی استعداد ہو گئی۔ پھر دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈو اللہ یار جا کر داخلہ لیا۔ پہلے متوسط درجہ کی کتابوں میں داخلہ ملا۔ پھر اسی بے تابانہ طبیعت کی بناء پر دورۂ حدیث میں شریک کر لئے گئے۔ قیام حاجی خمیسا بلڈنگ (نزد مردانہ میونسپل ہسپتال) کی اوپر والی منزل میں تھا۔ (جس کی نچلی منزل کے ایک مکان میں احقر نے بھی دارالعلوم سے تعلق کے زمانہ میں چند سال قیام کیا تھا) اور اسی مکان میں حضرت مولانا عبدالرشید

صاحب نعمانی اور مولانا قمر الحسن صاحب تھانوی جو اس وقت وہاں مدرس تھے قیام فرماتے۔ اس زمانہ میں دار العلوم میں ان کے اساتذہ کرام مخدومنا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ، مخدومی حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ اور حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ تھے۔ احقر ان دنوں جبکہ اردو کالج میں ایم۔ اے میں پڑھتا تھا، ایک روز کے لئے ٹنڈوالہ یار گیا تھا اور ان اکابر کے درس کے سماع سے مستفید ہوا تھا۔

وہ ایک سال قیام کے بعد ٹنڈوالہ یار سے واپس کراچی تشریف لے آئے۔ اور وقتاً فوقتاً ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ایک سال رمضان شریف میں چند روز مسجد طیب شکار پور کالونی میں ان کے ساتھ احقر نے بھی اعتکاف کیا تھا۔ ان کی صحبت سے احقر کو بہت فائدہ ہوا۔ انہوں نے احقر کو نصیحت کا حق ادا کر دیا۔ بالآخر انہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ شیخ کامل صاحب خیر السوانح سے تعلق نصیب ہوا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ یہ احقر پر ان کا ایسا احسان ہے جو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی مکافات وجزائے خیر اللہ تعالیٰ ہی عطا فرمائیں، (آمین)

جب اوائل ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۲ء میں پہلی بار احقر حضرت والاؒ کی خدمت میں خیر المدارس ملتان حاضر ہوا تو مولانا عبدالوحید صاحبؒ بھی حضرت والاؒ کی خدمت میں پہلے سے موجود تھے۔

جب احقر سندھ مدرسۃ الاسلام سیکنڈری سکول سرائے روڈ کراچی میں ٹیچر تھا اور وہیں کی جامع مسجد میں امام و خطیب بھی تھا اور وہیں مقیم تھا۔ ان دنوں احقر کے مکان پر مولانا عبدالوحید صاحبؒ کافی عرصہ صاحب فراش رہے۔ دق و سل کا مرض تھا۔ پھر لاہور گلاب دیوی ہسپتال میں داخل ہوئے۔ آپریشن ہو کر رفتہ رفتہ صحت بحال ہوئی۔ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ لاہور میں ان کا قیام رہا۔ ان دنوں ان کے حالات میں تغیر بھی رہا۔ لیکن پھر شیخ کامل کا تعلق کام آیا۔ اور رجوع الی اللہ ایسا نصیب ہوا کہ پھر تو حضرت والاؒ کے مجاز بیعت وتلقین ہوئے۔

احقر نے ایک بار ملتان سے آتے ہوئے ان کے ماموں صاحب کے یہاں ۳۲۔ ڈنگری گراں بہاولپور میں تھی ان سے ملاقات کی تھی۔ اور وہ احقر کو اسٹیشن پہنچانے آئے تھے۔ احقر کا تعلق اس وقت دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار سے تھا اور اسی سال ایس ایم آرٹس کالج ٹنڈوالہ یار میں بھی بطور لیکچرار عربی (وغیرہ) ملازمت کر لی تھی۔ اس کالج میں رات کی شفٹ میں تعلیم ہوتی تھی۔

پھر موصوف اپنے والد صاحب کی لطیف کاٹن فیکٹری رینالہ خورد میں محاسب (اکاؤنٹنٹ) وغیرہ رہے۔ لیکن ان کی آزاد طبع اس کی متحمل کہاں ہو سکتی تھی۔ آخر رینالہ خورد کی ایک غیر آباد مسجد میں آئے اور وہیں بیٹھ رہنے کا ارادہ کیا۔ فرماتے تھے کہ میں اس ارادہ سے گیا ہی تھا کہ نماز کے بعد مجھے نمازیوں نے گھیر لیا کہ آپ اس مسجد کو آباد کریں۔ چنانچہ مسجد کی مرمت کرائی اور وہاں مدرسہ امداد العلوم شروع کیا۔ لیکن ایک نئے مدرسے کی تاسیس اور اہتمام خصوصاً جبکہ پوری للّٰہیت اور خلوص سے ہو۔ یہ بڑے قوی توکل اور عزیمت کو مقتضی ہے۔ حضرت والاؒ سے مدرسہ چلانے کی مشکلات کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ اہتمام کا تو

مادہ ہی ھم (فکر) ہے۔ بہر حال کافی عرصہ نباہا، اور مدرسہ کا ایک تبلیغی اجتماع یا ایک سے زائد اجتماعات بھی کیے، لیکن بعد میں مدرسہ کے بجائے خانقاہ جاری فرمائی اور ”خانقاہ وحید“ نام رکھا۔ قرآن مجید بھی حفظ کر لیا تھا۔ شاید رسالہ خورد قیام کے زمانہ ہی میں حفظ کیا ہوگا۔

پھر کراچی میں ملاقات ہوئی۔ اپنے خالو حفیظ ہوشیار پوری مرحوم کے یہاں انٹیلی جنس سکول کے سرکاری مکانات میں قیام تھا۔ انکی والدہ محترمہ کی وفات بھی اسی زمانہ میں ہوئی اور احقر کو فون سے اطلاع کی۔ چنانچہ ان کے یہاں جا کر تعزیت کی، اللھم اغفرلھا۔ اس کے بعد پی ای سی ایچ سوسائٹی میں ملاقات ہوئی۔ اس وقت احقر مؤلف سعودی عرب آنے کی فکر و کوشش میں تھا۔ اور مرحوم کو بھی حج کی خوب تاکید کی۔ کیونکہ خود بھی حرمین شریفین کی حاضری کا شوق تھا۔ احقر کے سعودی عرب آنے کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی مکہ معظمہ پہنچا دیا۔ وہاں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ کچھ عرصہ بعد پاکستان واپس آ گئے، لیکن دوبارہ شرق اوسط کے بعض بلاد کی سیاحت و زیارت کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ قیام حرم شریف ہی میں رہتا تھا، کچھ عرصہ جیاد کی طرف ایک مختصر سا مکان کرایہ پر لے کر رہے، لیکن پھر ترک کر دیا اور اس کے بعد حرم شریف ہی میں قیام رہا۔

حرمین شریفین میں آب زمزم شریف کے جو کولر نظر آتے ہیں سب سے پہلے مولانا محمد عبدالوحید صاحبؒ نے اپنے پیسوں سے ایسا اور اتنا بڑا کولر حرم مکی شریف میں باب العمرہ کی طرف رکھوایا تھا۔

حرم شریف میں خوب عبادت کرتے تھے۔ نوافل میں کئی کئی پارے تلاوت کرتے تھے۔ اور طالبین اصلاح کی تربیت بھی خوب کرتے تھے۔ اپنے مسلک میں پختہ تھے۔ یعنی حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور حضرت والاؒ کے نہایت درجہ معتقد و محب اور ہم مسلک تھے، اور پاکستان کے زبردست حامی اور محب تھے۔ لیکن جس طرح سوشلزم کے خلاف تھے اسی طرح اسلام کی ہدایات سے منحرف ہر نظام کے خلاف تھے۔ خواہ وہ مغربی جمہوریت ہو یا کچھ اور۔ خصوصاً مغربی جمہوریت اور الیکشن وغیرہ کی خرابیوں پر اور خالص اسلامی شورائی نظام جس کے قائل تھے اس پر بعض رسائل بھی تالیف کیے اور بعض اکابر علماء سے ان کی تائید بھی حاصل کی تھی۔ اور اس کے متعلق حضرت والاؒ کا ارشاد نقل کرتے تھے کہ فرمایا: ”تم (حق بات) کہتے جاؤ، کوئی سنے یا نہ سنے۔“ اور اس اعتبار سے نہایت وسیع القلب تھے کہ سب بزرگوں کا پورا احترام اور ان کی کماحقہ تعظیم کرتے تھے۔ چنانچہ ان سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقد اور محب حضرات اور تبلیغی جماعت والے حضرات سب ہی استفادہ و استفاضہ فرماتے تھے۔ اور ان کے احباب و مریدین عموماً ان کو ”میاں صاحب“ کہا کرتے تھے۔

حضرت المکرم ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب دامت فیوضہٗ (خلیفہ مجاز بیعت سیدی مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب و مخدومی حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہما) ان کے علم کے بھی معتقد ہیں، اور جس ستون کے آگے ان کی نشست ہوتی تھی اس کو اسطوانہ حافظ عبدالوحید کے نام سے موسوم کیا کرتے ہیں۔ یہ اسطوانہ باب عمرہ سے

میزابِ رحمت کی جانب قدیم ترکی عمارت حرم میں مطاف کے کنارے والے سرخ ستون کے عقب بڑا ضخیم استوانہ ہے جو باب المدینۃ المنورہ سے داخل ہو کر سیدھے مطاف کو آنے والوں کے داہنے ہاتھ کو واقع ہے۔

نگاہ بہت کمزور تھی۔ خصوصاً رات کو بہت کم نظر آتا تھا۔ دق وسل کے مرض کے زمانہ میں تیز دواؤں کے انجکشن لگتے رہے۔ چنانچہ ثقل سماعت کی شکایت بھی ہوگئی تھی۔ اس کے باوجود ان سے طالبین کو بہت نفع ہوا۔

نماز باجماعت کے سختی سے پابند تھے۔ سفر میں بھی اس کا اہتمام کرتے تھے۔ بہت مجاہدانہ مزاج تھا۔ لیکن اس کے ساتھ طبیعت میں بہت اعتدال اور اتباع سنت کا ذکر بہت ذوق وشوق سے کرتے تھے اور ذکر کے وقت عموماً یہ شعر پڑھتے تھے:

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے
بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

غرضیکہ مرحوم بہت سے صفات محمودہ کے جامع تھے۔ یہ کتاب تو ان کے شیخ کامل کی سوانح ہے۔ یہاں ان کے مختصر تذکرہ میں ان کے اخلاق و کمالات کی تفصیل کا موقع نہیں۔ بس مختصر یہ کہ باوجود آزادی طبع اور جوش کے اعتدال اور حفظ حدود ان کی نمایاں خصوصیت تھی۔

یکم محرم ۱۴۰۰ھ کو باغیوں نے مسجد حرام میں جو فساد عظیم برپا کیا تھا اس کے بعد ان کے کسی معتقد نے جو پاکستان جا رہے تھے بیان کیا کہ لوگ مسعیٰ (صفا مروہ) کی طرف کسی راستہ سے اوپر بڑھ کر جالیوں وغیرہ میں سے باہر نکل رہے تھے۔ کیونکہ دروازے وغیرہ راستے سب بند کر دیئے گئے تھے۔ نکلنے والوں سے مولانا عبدالوحید صاحبؒ نے پوچھا کہ حرم شریف کے اندر امن ہے یا باہر؟ خود کہا یا ان سے کہا گیا کہ امن کی جگہ تو حرم شریف ہی ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ اور حرم شریف کے اندر ہی واپس ہو گئے۔ کسی نے اس کے بعد ان کا کوئی حال نہیں بیان کیا۔ ظاہر ہے کہ باغیوں کے حملہ میں جبکہ فائرنگ ہو رہی تھی، کسی گولی کا شکار ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ان کے ماموں محترمی شیخ محبوب الرحمٰن صاحبؒ نے ملتان میں احقر سے بیان کیا تھا کہ مولانا عبدالوحید صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی خالہ نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ آکر کہہ رہے ہیں ''میں زندہ ہوں! میں زندہ ہوں!''

وَلَاتَقُولُوا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ۔ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ o

سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعاء فرمائی شہادت کی اور مدینہ میں منورہ ہی وفات کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء قبول فرمائی۔ مجدد فاروقی یعنی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے سلسلہ میں ایک صاحب سلسلہ صاحب خیر السوانح کے خلیفہ مجاز بیعت حضرت مولانا عبدالوحید صاحبؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے فاروقی سنت کا حصہ حرم مکی شریف میں

شہادت کے ذریعہ عطا فرمادیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَشَآءُ ۔

سر بوقت ذبح اپنا ان کے زیر پائے ہے
یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اس طرح محبوب حقیقی کے گھر کی چوکھٹ کے پاس اپنی جان کی قربانی پیش کردی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر مغفرت فرمائیں اور درجات بلند فرمائیں (آمین ثم آمین)

تتمہ: ایک گرامی نامہ

احقر مؤلف کے نام حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک گرامی نامہ ان کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا احقر مؤلف کے پاس موجود ہے یہاں اس کی نقل کر کے محفوظ کرنے کو جی چاہا۔ چنانچہ درج کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

از رینالہ خورد ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۸۴ھ (۵ ستمبر ۱۹۶۴ء)

صدیقی اللبیب و النجیب دام اقبالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کچھ دن ہوئے آپ کا خط ملا۔ خیریت معلوم ہو کر از حد مسرت و تسلی نصیب ہوئی۔ مسجد قریب التکمیل ہے۔ مکان اور کمرے معہ بجلی اور نلکا تیار ہیں۔ دس بارہ روز سے مخدومہ والدہ ماجدہ مدظلہا العالی تمام سامان سمیت مستقلاً یہاں تشریف لے آئی ہیں۔ وہ راضی ہوگئی ہیں۔ اور میں کوشاں ہوں کہ اس سال وہ اور میں حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہو جاویں، آپ بھی دعاء فرماویں۔

روزانہ درس قرآن مجید اور تبلیغ و تلقین کا سلسلہ جاری ہے برکت و قبولیت کی دعاء فرماویں۔

عزیز رشیدہ سلمہا اللہ تعالیٰ کے حفظ قرآن اور تعلیم و تربیت کا معلوم ہو کر از حد مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرماویں اور عمر دراز و نعمت دارین سے نوازیں۔ آمین ثم آمین۔

زہے نصیب! حضور والا مدظلہم العالی کی شرح بخاری شریف کی نقل نصیب ہوئی۔ جی ہاں [1] یہی تحریر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ آپ کا معیار بہت بلند ہے، ورنہ عربی ایسی خراب بھی نہیں۔ اور پھر مقصود تحصیل ہے نہ کہ عربی ادب۔ بے شک سوانح ضروری ہے (الخ) (یہ عبارت عرض مؤلف میں نقل ہو چکی ہے۔ آا)

''انسان اور خواہش'' کی طباعت کا انتظام نہ ہو سکا، سرمایہ نہیں۔ ویسے بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

---

[1] احقر مؤلف نے غالباً حضرت والاؒ سے ان کی تحریر فرمودہ شرح بخاری شریف طبع کرانے کی درخواست کی تھی، جس پر حضرت والاؒ نے اپنی عربی صحیح نہ ہونے کا عذر فرمایا تھا۔ غالباً اس سلسلہ میں مشورہ کے جواب میں یہ تحریر فرمایا۔ (آا)

اس طرف بھی بارش بہت ہوئی۔

دل وجان سے دعاء کرتا ہوں، والسلام نعم الختام۔ احقر محمد عبدالوحید عفی عنہ

حضرت مولوی عبداللہ صاحب مرحوم

آپ کا تعلق بیعت حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے تھا۔ پندرہ سال تک حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے اصلاحی خط وکتابت فرمائی، جس کے بعد حضرت حکیم الامتؒ نے تحریر فرمایا کہ میں نے آپ کو زمرہ بیعت میں داخل کرلیا ہے۔ اس کے بعد آپ تھانہ بھون تشریف لے گئے اور تقریباً چالیس دن حضرت حکیم الامتؒ کے پاس قیام کیا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے وصال کے بعد آپ نے حضرت والاؒ سے اصلاحی تعلق قائم فرمایا اور ایک بار ملتان حاضر ہو کر حضرت والاؒ کی زیارت وملاقات سے مشرف ہوئے۔ ورنہ چونکہ اکثر تقریباً ہر سال حضرت والاؒ مدرسہ حنفیہ جہلم کے سالانہ جلسہ پر تشریف لاتے تھے۔ مولوی صاحب وہیں حاضر ہو کر بوجہ پیرانہ سالی حضرت والاؒ سے شرف ملاقات حاصل کر لیتے تھے۔ نہایت متقی، پرہیز گار اور تہجد گزار تھے۔ سوائے سخت مجبوری کے آپ کی تہجد قضا نہ ہوتی۔ اگر چہ گاؤں کے امام تھے، لیکن امامت صرف تبلیغ اور دینی خدمت کے جذبہ سے کرتے تھے۔ اور اکل حلال کی خاطر نجاری کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ اور فارغ اوقات میں یہی کام کرتے تھے۔ والد ماجد کا اسم گرامی مولوی محمد عالم صاحب تھا۔ آپ نے قرآن پاک ناظرہ اپنے والد ہی سے پڑھا تھا۔ اور ترجمہ قرآن پاک اور مشکوٰۃ شریف مولانا ولی محمد صاحب فاضل دیوبند ٹیچر اسلامیہ ہائی سکول جہلم سے پڑھا تھا۔

حضرت والاؒ کی حیات مبارکہ ہی میں آپ کا انتقال نومبر ۱۹۶۵ء میں ہو گیا تھا۔ ان کے انتقال سے چھ ماہ قبل حضرت والاؒ نے ان کو اجازت بیعت وتلقین بھی عطا فرمادی تھی۔ اللھم اغفرلہ رحمۃً واسعۃً (آمین)

حضرت صوفی بشیر احمد ہوشیار پوری مدظلہ العالی کچہری روڈ ملتان

نوٹ: حضرت صوفی بشیر صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں پروفیسر احمد سعید صاحب مدظلہ نے اپنے گرامی نامہ مورخہ ۵ جون ۱۹۷۰ء میں درخواست فرمائی کہ اپنے سوانح ارسال فرمائیے۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے اس گرامی نامہ کا جو جواب دیا اس کو نقل کرنے کو جی چاہا۔ نیز اپنے سوانح بھی تحریر فرمائے۔ چنانچہ یہ دونوں نقل کئے جا رہے ہیں۔ انہوں نے احقر مؤلف کو اپنے سوانح کی جو فوٹو کاپی عطا فرمائی اس میں بہت سے الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔ لیکن اب صوفی صاحب مدظلہ کے صاحب فراش ہونے کی وجہ سے ان الفاظ کی تکمیل کے لئے ان سے عرض کرنا تکلیف مالا یطاق کی درخواست ہوگی۔ اس لئے مجبوراً خود ہی تغییر یسیر (جیسے کچھ حذف یا اضافہ) سے کام لے کر اور کہیں اس طرح نقطے لگا کر (۰۰۰۰) یا سوالیہ نشان (؟) بنا کر چھوڑتے ہوئے باقی کی اندازاً تکمیل کر کے درج ذیل کیا جا رہا ہے (آ)

گرامی نامہ حضرت صوفی صاحب مدظلہ بجواب گرامی نامہ جناب پروفیسر احمد سعید صاحب مدظلہ

مخدومی ومحترمی جناب احمد سعید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

والا نامہ شرف صدور لایا اور جی خوش ہوا اور بہت خوش ہوا کہ آپ نے ایک ایسے کام کا بیڑا اٹھایا ہے جو بہت اہم تھا۔ لیکن کم حضرات کو اس کی طرف توجہ تھی۔ کیونکہ حضرت تھانویؒ کے انوار کی فراوانی میں ان روشن چراغوں کی لو مدھم دکھائی دیتی تھی۔ اور خود ان حضرات میں فنا کی وہ شان تھی کہ اپنے پر کوئی نظر ہی نہ تھی۔ اور نہ اپنے حالات کو قلم بند کئے جانے کو درخور اعتناء سمجھتے تھے۔ اس لئے اس طرف آج تک کوئی قدم نہ اٹھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے اس جانب توجہ فرمائی۔ بقول حضرت مجذوب ان میں اکثر حضرات پر یہ قول صادق آتا ہے:

مجھے دیکھ آئینہ یار ہوں میں   جلا کردۂ دست دلدار ہوں میں

ان حضرات کو قریب سے دیکھنے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ وہ شریعت مطہرہ کی زندہ تصویر تھے۔ ان کے افعال واقوال سے اسلام کی شان جھلکتی تھی۔ علم وعمل کا لطیف امتزاج ان کی حالت سے نمایاں تھا۔ وہ باہمہ دانی ہیچمدانی کا مرقع تھے۔ وہ بوریہ نشینی میں مصروف بادیہ پیمائی تھے۔ وہ اسلام کا افراط وتفریط سے مبرا ایک دلکش پیکر تھے۔ ان حضرات کا اس دور پرفتن میں نظروں سے اوجھل رہ جانا باعث صد محرومی تھا۔ اب نگاہیں دیکھیں گی کہ اس طوفانی دور میں بھی ایسی ہستیاں موجود ہیں جو دنیا اور دین کو ساتھ ساتھ لئے جاتے ہیں اور دونوں میں تصادم کے وقت دین کو دنیا پر غالب کر دیتے ہیں۔ جب ان حضرات نے یہ کر کے دکھا دیا تو دوسروں کے لئے دین ودنیا کے مشعل راہ ثابت ہوں گے۔ ان حضرات کے ذکر خیر کے ساتھ اپنا تذکرہ چراغ مردہ کجا کا مصداق ہے۔ لیکن ان حضرات کے جوتوں میں جگہ مل جانا سریر شاہی سے کم نہیں۔ میخانہ تھانوی کے سرشاروں کے ساتھ ایک درد آشام کا منسلک ہونا اس کی انتہائی خوش نصیبی ہے۔

ع   بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

اس لئے حضرت کے دریافت فرمودہ ارشادات کا جواب درج ذیل ہے:

خود نوشت سوانح حضرت صوفی صاحب مدظلہ

نام: بشیر احمد

والد کا نام: عالمگیر

مقام پیدائش: ہوشیار پور شہر، محلہ مسجد سنہری

تاریخ پیدائش: ۱۶ اگست ۱۹۰۲ء مطابق ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۲۰ھ

تعلیم: میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول ہوشیار پور سے ۱۹۱۹ء میں پاس کیا۔

۱۹۲۴ء میں منشی فاضل اور ۱۹۲۶ء میں پرائیویٹ بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ منشی فاضل کے امتحان کی تیاری کے لئے مولوی عزیز الدین احمد صاحب عظامی تلمیذ مولانا گرامی شاعر خاص نظام دکن کی صحبت نصیب ہوئی۔ وہ دیوبند سے فارغ التحصیل تھے۔ طبیعت میں محبت وانکساری تھی۔۔۔۔ بے لوث خدمت احباب کے خوگر تھے۔ چنانچہ مجھے بھی منشی فاضل کا امتحان بغیر کسی معاوضہ کے پاس کرادیا۔ دینی تعلیم کا کوئی موقع نہیں ملا۔ صرف اہل علم حضرات کی خدمت میں رہنے سے دین کی قدرے عظمت ومحبت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمادی۔

حضرتؒ سے تعلق کیسے پیدا ہوا؟ کس سن میں بیعت ہوئے :

حضرتؒ کی تصانیف دیکھ کر سب باتیں دل کو بھانے لگیں۔ ۱۹۲۶ء میں بی اے کا امتحان پاس کر کے حضرت والا سے اصلاح کے لئے خط وکتابت شروع کی۔ کچھ عرصہ بعد حضرت والاؒ نے اصلاح کے لئے حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے سپرد فرمایا۔ اور حضرت ہی کی سفارش پر تھانہ بھون میں غالباً ۱۹۲۹ء میں بیعت ہوا۔ یہ احقر کی تھانہ بھون میں دوسری حاضری تھی۔

حضرت کی زندگی کے کس پہلو نے سب سے زیادہ متاثر کیا :

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

بندہ آج تک اندازہ نہیں کرسکا کہ حضرت والاؒ کی کونسی ادا سب سے زیادہ بھائی۔ جس زاویہ نگاہ سے بھی ان کو دیکھا ہر پہلو سے وہ دل وجاں کے لئے موجب جذب وکشش ہی ہوئے۔ البتہ حضرتؒ میں فنا کی شان ان اوصاف خداداد سے تو ام عجیب دلکشی رکھتی تھی۔ ایک مجلس میں احقر قریب ہی بیٹھا تھا، چہرۂ انور پر آثار غم قدرے نمایاں تھے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور ایک آہ بھر کر فرمایا کہ اب تو یہی فکر لگا رہتا ہے کہ اللہ ایمان پر خاتمہ فرمادیں۔

حضرت سے پہلی ملاقات کب ہوئی:

حضرت والا کی خدمت میں پہلی حاضری غالباً ۱۹۲۸ء میں ہوئی۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے ہمراہ وہاں اجازت حاصل کر کے جانا ہوتا تھا، وہاں کی کیفیت کو مجذوب صاحب کیسے پیارے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :

مستیاں ہر سو برستی تھیں در و دیوار سے اور وہ کیفیتیں سو خم کے پیمانے میں تھیں

قیام تھانہ بھون کا کوئی واقعہ:

بقول حضرت مجذوب:

نہ بزم قیل و قال و گفتگوے کہ ایں بزم ست بزم دید روے

میری حاضری اکثر حضرت والاؒ کی دید کے لئے ہوا کرتی تھی۔ بشرط عدم مخاطبت ومکاتبت۔ مجھ جیسے کم استطاعت کو مخاطبت ومکاتبت کا کیا یارا تھا۔ کبھی جب حضرت مصروف ہوتے جمال جہاں آرا کی سیر ہوتی اور پھر پاؤں کو دیکھتا

رہتا کہ ان کو کیا استقامت عطا ہوئی ہے۔ ایک دن حضرت کے سامنے ہی بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ حضرت نے بہت ہنسایا۔ میں نے دل میں کہا کہ اے اللہ! آپ کا کس قدر احسان ہے کہ اگر ہم نے خرافات کی شمولیت ترک کی تو ایسے دربار میں پہنچا دیا جہاں اعلیٰ درجہ کا روحانی حظ میسر ہے۔ حضرت والاؒ نے تھوڑی دیر بعد مسکرا کر فرمایا کہ لوگ ناحق سینما وغیرہ میں جاتے ہیں۔ میرے پاس آجایا کریں، میں کوئی کم ہنساتا ہوں۔

کتنی مرتبہ حضرت سے ملاقات ہوئی :

۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۳ء تک تقریباً ہر سال تین چار مرتبہ سالانہ حاضری نصیب ہوتی رہی۔ دو تین مرتبہ تو ایک ایک ماہ کے قریب قیام رہا۔ باقی تقریباً ہفتہ عشرہ ٹھہرنا نصیب ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نے علیحدگی میں فرمایا: ''بشیر تم بڑے خوش قسمت ہو۔ تم نے حضرت والاؒ کو جی بھر کر دیکھ لیا۔'' میں نے عرض کیا کہ میں اس کو حق تعالیٰ کے انعامات میں سے سب سے بڑا انعام تصور کرتا ہوں۔ ورنہ یہ آنکھیں کہاں اس دولت کے لائق تھیں۔

چوبیس سال کی عمر میں حضرت والاؒ سے تعلق پیدا کیا۔ بہت سی امنگیں بی۔ اے پاس کر کے دل میں سمائی ہوئی تھیں۔ الحمدللہ سادہ وضع اختیار کر لی۔ داڑھی رکھ لی۔ اور سادگی میں امیری کے لطف حاصل ہوتے رہے۔ غیر مشروع تقریبوں میں شمولیت ترک کر دی۔ جس سے قلیل آمدنی میں بھی حق تعالیٰ نے کسی کا دست نگر نہیں فرمایا اور تمام امور میں ان کی امداد شامل رہی۔ کچہری کی ملازمت میں لوگ کوئی ناجائز خدمت کر جاتے تھے، جس پر ندامت ہوتی تھی۔ حضرت والاؒ کی خدمت میں پہلی حاضری کی برکت سے اس سے پرہیز کی توفیق نصیب ہوئی۔ بطور کلرک ملازمت شروع کی تھی اور بطور سپرنٹنڈنٹ دفتر ڈپٹی کمشنر ۱۹۵۷ء میں پنشن پائی۔ حضرت کے تعلق کے باعث افسران بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اور ملازمت میں بھی کسی سے تعلقات نہیں بڑھائے۔ اور کام سے غرض رکھی۔ اور حدود سے تجاوز نہ کرنے کی فکر دامن گیر رہی۔ اور کوتاہیوں پر استغفار کرتا رہا۔ ۳۸ سال کی ملازمت اللہ تعالیٰ نے عزت و آبرو سے پوری کرا دی۔ اور اب پنشن مل رہی ہے۔ اور بقول مجذوب: ''وہ اپنے گدھوں کو خشکہ کھلا رہے ہیں''

برادری کے اکثر لوگ رسومات کے پابند تھے۔ احقر کی عدم شمولیت پر برادری والوں نے خردہ گیری کچھ عرصہ کے بعد ترک کر دی۔ اور برادری کی تقاریب میں عدم شمولیت بہت سے گناہوں اور اخراجات سے بچنے کا سبب بنتی رہی ہے۔ اور یہ سب حضرت والاؒ کے ارشادات پر قدرے عمل کی برکت ہے۔

متفرقات :

احقر شہر ہوشیار پور کی ککے زئی برادری سے تعلق رکھتا ہے۔ والد صاحب ڈی سی کے دفتر میں ملازم تھے۔ مہتمم خزانہ کے رشتہ دار تھے۔ ۱۹۱۶ء میں دفعۃً انتقال فرما گئے اور چھ بچے چھوڑ گئے۔ بندہ اس وقت آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اور

سب بچوں سے بڑا تھا۔ آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ والدہ محترمہ نے بہت محنت سے یہ بار برداشت کیا۔ میٹرک کرنے پر ۱۹۱۹ء میں اللہ تعالیٰ نے ڈی سی کے دفتر میں ملازمت کا سامان فرما دیا۔ پھر ملازمت کے دوران پرائیویٹ بی۔ اے کر لیا۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے بطور سپرنٹنڈنٹ پنشن ہوئی۔ ہوشیار پور کے قریب ہی شہر جالندھر تھا۔ وہاں حضرت مولانا خیر محمد صاحب مد ظلہ العالی خیر المدارس کے مہتمم تھے۔ ان کی خدمت میں حاضری ہوتی رہی۔ اور ان ہی کی سفارش سے حضرت والاؒ نے بیعت فرما لیا۔ اور تعلیم حضرت موصوف کے سپرد فرما دی۔ پھر چند مرتبہ حضرت کے ہمرکاب تھانہ بھون کی حاضری نصیب ہوتی رہی۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا بہت سے خادموں کے ساتھ تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت والاؒ اس وقت خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ آنے والوں کی تعداد کو دیکھ کر مزاحاً فرمایا کہ انجن تو چھوٹا ہے لیکن گاڑی بہت لمبی ہے۔

علم و عمل تو کچھ تھا ہی نہیں۔ صرف حضرت والاؒ کی زیارت کے شوق میں جب رخصت بن پڑتی وہاں چلا جاتا۔ مجلس عام میں حاضری کے بعد حضرت والاؒ کے خلفاء سے لپٹا رہتا۔ خصوصاً حضرت مجذوب صاحب، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب، حضرت مولانا محمد حسن صاحب، حکیم عبدالخالق صاحب، حضرت مولانا خیر محمد صاحب، حضرت مولانا محمد شریف صاحب، حضرت مولانا شیر محمد صاحب۔ ان حضرات کی خدمت میں حاضری دیگر اوقات میں حضرت کی خدمت میں حاضری کے قائم مقام ہوتی تھی۔ پہلے پہلے جب کبھی قیام قلیل ہوتا تھا تو حضرت مجلس خاص میں حاضری کی اجازت دے دیا کرتے تھے جو عموماً صبح نو بجے سے گیارہ بجے تک ہوتی تھی۔ پہلے حضرت پانچوں وقت کی جماعت خود کرایا کرتے تھے۔ اور دن بھر زیارت کا جام وقف عام تھا۔

ابتداء میں احقر نے ہدیہ بھیجنے کی اجازت چاہی تو تحریر فرمایا کہ شناسائی قبول ہدیہ کی شرائط میں ہے، جو پائی نہیں جاتی۔ احقر نے عرض کیا کہ اصلاح کا تعلق تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب سے ہے۔ حضرت والاؒ سے شناسائی کیسے ہو؟ فرمایا کہ کیا دریافت خیریت اور طلب دعاء کے لئے ۰۰۰۰ خط نہیں لکھ سکتے۔ جس سے شناسائی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ سال سوا سال تک پھر آٹھویں دسویں دن عریضہ لکھتا تھا۔ پھر دریافت پر فرمایا کہ اب شناسائی ہو گئی ہے۔ اور ہدیہ حسب اجازت بھیجنے کی اجازت فرمائی۔

ہدیہ میں سال بھر کی دعائیں حاصل ہوئیں۔ یہ تھا دربارِ دُربار اشرفی۔ پھر اس کے بعد جو تھانہ بھون حاضری ہوئی تو بعد ظہر مصافحہ کے وقت فرمایا کہ نماز کے بعد (یا نماز کے وقت) دیکھا تھا پہچان لیا تھا۔ اس پر جو مسرت ہوئی اس پر سو جان سے نثار۔[1]

نگاہ مست او بیگانہ وار است مگر دزدیدہ نگاہی ے گسار است

مئی ۱۹۳۸ء میں حضرت والاؒ دانت بنوانے کے لئے لاہور تشریف لائے۔ بندہ اس وقت کچہری صدر ہوشیار پور

---

[1] اس شعر کا دوسرا مصرعہ اندازاً وزن صحیح کر کے لکھ دیا ہے، پورا شعر صحیح یاد نہیں۔ اور گفتہ مجذوب اور خیر السوانح حصہ دوم کی ورق گردانی کرنے کے باوجود نہیں مل سکا۔ (آ)

میں تعینات تھا۔لاہور میں حضرت والاؒ کی تشریف ارزانی بے حد موجب انبساط ہوئی کہ اب تو انہوں نے خود پنجاب میں قدم رنجہ فرمایا ہے۔اب شرف قدم بوسی کیوں حاصل نہ کی جائے۔ساتھ ہی پتہ چلا کہ ملاقات کی بندش ہے۔رخصت لے کر اس امید پر پہلے لاہور چلا گیا کہ جمعہ کو مسجد میں تو آئیں گے ہی، وہاں زیارت ہو جائے گی۔الحمد للہ جمعہ میں زیارت کا موقع مل گیا۔بعد نماز جمعہ قیام گاہ پر حاضر ہوا تو حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب نے مژدہ دیا کہ آپ کو ملاقات کی اجازت ہے۔ جب حاضری ہوئی تو مولانا مرتضیٰ حسن صاحب جو پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے کہ یہ تو اکثر خانقاہ میں آیا کرتا ہے۔ فرمانے لگے تب ہی اجازت دے دی ہے۔پھر تو تین چار روز صبح شام اور دوپہر حضرت کی خدمت میں ایسے پاس بیٹھنے کا موقع ملتا رہا کہ گویا حضرت والا گھر آئے ہوئے ہیں۔وہاں سے حضرت والاؒ کے ہمراہ امرتسر گئے اور رات کا کھانا حضرت مولانا محمد حسن صاحب کے در دولت پر حضرت کی معیت میں کھایا۔حضرت مولانا محمد حسن صاحب اس مکان کو لاہور میں الاٹ شدہ بڑے مکان پر ترجیح دیا کرتے تھے کہ وہاں میرے شیخ کے قدم مبارک آئے ہوئے ہیں۔لاہور سے واپسی پر حضرت والاؒ نے ایک رات جالندھر حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے مدرسہ میں قیام فرمایا۔ہوشیار پور وہاں سے ۲۵ میل ہی تو تھا۔احقر کی اہلیہ اور چند دیگر مستورات نے اصرار کیا کہ حضرت کی ایک نظر بھر زیارت ہو جائے۔میں ان کو اس شرط پر جالندھر لے آیا کہ حضرت امرتسر کی گاڑی سے اتریں اسٹیشن پر زیارت کر لینا۔لیکن جالندھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت تو پہلی گاڑی سے تشریف لا چکے ہیں۔چنانچہ مجبوراً حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، جہاں حضرت والاؒ فروکش تھے۔حضرت والاؒ اس وقت حضرت مولانا خیر محمد صاحب کے مکان پر بالائی صحن میں تشریف فرما تھے، اور حضرت کی مستورات جوبارہ میں چک کے پیچھے بیٹھی تھیں۔حضرت مولانا نے میرے ساتھ آنے والی مستورات کو چوبارہ میں چلے جانے کی اجازت عطا فرما دی۔جب وہ پاس سے گزریں تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب نے حضرت والاؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ مستورات ہوشیار پور سے زیارت کے لئے آئی ہیں۔حضرت والاؒ اس کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وہاں تشریف فرما رہے۔ جب وہاں سے اٹھے تو فرمایا کہ جو مستورات ہوشیار پور سے آئی ہیں ان کو میرا اسلام کہہ دیں۔یہ سن کر ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔یہ ہیں وہ حضرت تھانوی جن کو ناواقف سخت کہہ دیتے ہیں۔حضرت مولانا محمد حسن صاحب نے ایک مجلس میں فرمایا کہ میں نے خانقاہ کے دروازہ پر جلی حروف میں یہ لکھا ہوا خواب میں دیکھا کہ ''یہاں دل جوئی بھی ہوتی ہے اور دل شوئی بھی۔''

جالندھر میں حضرت والاؒ کی تشریف آوری کی خبر بجلی کی طرح اردگرد پھیل گئی۔اور چاروں طرف سے مشتاقان دید کا ہجوم ہو گیا۔میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر محمد نواز صاحب نکودر تحصیل جالندھر میں بطور انچارج ویٹرنری ہسپتال تعینات تھے۔ وہ بھی حضرت کی روانگی کے وقت اسٹیشن جالندھر پر زیارت سے شاد کام ہوئے۔احقر کی دو ہمشیرگان بذریعہ خط و کتابت حضرت سے بیعت ہوئیں۔جس زمانہ میں حضرت خواجہ صاحب نے ''اشرف السوانح'' تالیف فرمائی اور بندہ جلد دوئم کا مطالعہ کر رہا تھا تو ایک سرکاری کام سے انبالہ جانے کا اتفاق ہوا۔احقر نے حضرت والاؒ کو لکھا کہ آجکل اشرف السوانح جلد

دوئم زیر مطالعہ ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ اڑ کر قدموں میں جا پہنچوں۔ اب تو انبالہ سرکاری کام پر آرہا ہوں۔ جی نہیں چاہتا کہ اتنا قریب آکر بلا زیارت لوٹ جاؤں۔ چار یوم کی حاضری کی اجازت عطا فرمائی جائے۔ جواباً تحریر فرمایا: بسم اللہ آجایئے (یا فرمایا آجائیں)۔ جن دنوں حضرت مرض الموت میں علیل تھے، دریافت خیریت کے لئے نیاز نامہ بھیجتا رہتا تھا۔ آخری گرامی نامہ میں تحریر تھا "دعا کرتا ہوں، خیریت سے ہوں۔" اس کے نیچے خط کھینچ کر تحریر تھا کہ "اس کے بعد حضرت انتقال فرما گئے۔"

حضرت کے وصال کے بعد ایک مرتبہ قبر مبارک پر حاضری کا موقع ملا۔ وہاں کی حاضری کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ کبھی محبت کے جذبات موجزن ہو جاتے، کبھی ہیبت طاری ہو جاتی۔ دیر تک اکیلا بیٹھا رہا اور یوں سرشار ہو کر اٹھا گویا حضرت کی مجلس سے اٹھ رہا ہوں۔

حضرت کے وصال کے بعد دو چار سال تک بڑی کثرت سے خواب میں زیارت نصیب ہوتی رہی۔ پھر تدریجاً کم ہو گئی۔ اب بھی بحمد اللہ مہینہ دو مہینہ میں یہ دولت نصیب ہو جاتی ہے۔ پانچ سال کے قریب کا ذکر ہے کہ ایک رات خواب میں تشریف لائے اور احقر کو بالکل قریب کھڑا کر کے کندھے پر دست مبارک رکھا اور فرمایا کہ مجھے ہوشیار پور والے کا انتظار تھا۔ اس کے چار پانچ روز بعد حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہم العالی نے اس ناکارہ سراپا تقصیر کو اپنے مجازین میں داخل فرمایا۔ جس کے بعد احقر نے خواب کا ذکر حضرت مولانا سے کیا۔

میری غفلتیں اور کوتاہیاں اس درجہ کی ہیں کہ میں ہرگز اس زمرہ میں شمار ہونے کے اہل نہیں۔ اللہ ہی ہیں جو میری ڈوبتی نیا کو کنارہ لگادیں۔ وما ذلك على الله بعزيز.

حضرت والاؒ کے بعد حضرت والاؒ کے مندرجہ ذیل خلفاء کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی، اور ان کی دعائیں اللہ نے نصیب فرمائیں اور خصوصی توجہات سے نوازتے رہے۔

۱۔ حضرت مجذوب صاحبؒ:

خانقاہ میں خصوصی توجہات اور لطف کی نگاہیں ڈالتے رہے۔ حضرت کے وصال کے بعد جالندھر تشریف لائے تو وہاں بھی ہمرا کابی نصیب ہوتی رہی۔ اور امرتسر ساتھ گیا۔ محبوب کی جدائی میں بے قراری قابل دید تھی۔ روتے تھے اور رلاتے تھے۔ اور خانقاہ میں حاضر ہونے والوں کو کس لطف و پیار سے دیکھتے تھے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۲۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحبؒ:

خانقاہ میں حاضری کے ایام میں شناسائی ہوئی۔ حضرت کے وصال کے بعد تو بہت توجہ اور محبت فرمانے لگے میں دو ہفتہ کے قیام کے لئے امرتسر حاضر ہوا تو فرمایا کہ جو حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، بھلا میں ان کو کس برتہ پر

اپنے پاس ٹھیراؤں، اگر آپ آنے کے لئے اجازت مانگتے میں اجازت نہ دیتا اب آپ بلا اجازت آگئے ہیں آپ کی مرضی۔ خیر المدارس کے جلسہ میں ملتان تشریف لائے تو احقر کے مکان پر بھی قدم رنجہ فرمایا اور احقر کی اہلیہ کو شرف بیعت بخشا۔ جب کبھی لاہور آتا تو حضرت کی خدمت میں حاضری کا اشتیاق پورا کرتا۔ اور وہاں پہنچ کر تھانہ بھون کی مجلس کا نقشہ اور رنگ آنکھوں میں پھر جاتا۔ آپ کو حضرت والا سے والہانہ وہ محبت تھی کہ سننے والے سرشار ہو جاتے تھے۔

۳۔ حضرت مولانا عبدالمجید صاحب بچھرایونیؒ :

خانقاہ اشرفیہ میں حاضری کے ایام میں واقفیت ہوئی۔ آپ کبھی کبھی خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ تھانہ بھون کے اسٹیشن پر احقر کو مخاطب فرما کر ایک شعر فرمایا جو آج تک یاد ہے:

محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی
کسی سے دل کو تو اپنے لگا آہستہ آہستہ

۱۹۵۰ء میں جب احقر حج کے لئے گیا تو وہاں ایک واقف معلم کو خصوصی توجہ کی سفارشی چٹھی لکھی۔ جس کی وجہ سے خاصی راحت حاصل ہوئی۔ پاکستان بننے پر حضرت خانیوال تشریف لے آئے تھے، جو ضلع ملتان کی ایک تحصیل ہے۔ احقر ان دنوں کلکٹر کے دفتر میں ایچ۔ وی۔ سی تھا۔ اور دورہ پر اکثر خانیوال جانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ اور حضرت کی ملاقات اور خصوصی توجہات نصیب ہوتی تھی۔ وصال سے ایک روز قبل حضرت مولانا خیر محمد صاحب اور احقر کو یاد فرمایا۔ بندہ حضرت کے ساتھ خانیوال گیا اور اس منتظر پیام یار سے آخری کلام ہوا۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

۴۔ حضرت مولانا خیر محمد صاحب مدظلہ العالی :

حضرت کے لطف و احسان کوئی کیسے بیان کرے۔ حضرت والاؒ کے دربار میں رسائی آپ کے قدموں کا صدقہ ہے، بیعت میں قبولیت ان کی سفارش کی مرہون منت، تھانہ بھون کی پہلی حاضری ان کی ہمرکابی کی رہین احسان، وہاں کے اکابرین کا تعارف اور توجہ ان کے طفیل۔ حضرت مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے در دولت پر وہ ساتھ لے گئے تھے۔ انکی محبت بھری چائے حضرت کی بدولت نصیب ہوئی۔ حضرت مہتمم قاری محمد طیب صاحب کی مہمانی میں شمولیت حضرت کے دم قدم سے میسر ہوئی۔ مدرسہ میں آمد و رفت سے جو بے شمار حضرات کی زیارتیں اور ملاقاتیں حصہ میں آئیں وہ سب حضرت کی برکت سے تھیں۔ ان کی عنایتیں اور اپنی غفلتیں اور جہالتیں جب خیال میں آتی ہیں تو گردن خجالت اور ندامت سے جھک جاتی ہے۔ دل سے دعائیں نکلتی ہیں کہ اے اللہ ہمیں بھی ان کی غلامی کے قابل بنانا۔ اور دنیا اور آخرت میں ان کی رفاقت ارزانی فرمانا اور حضرت کو تادیر خادموں کے سروں پر قائم رکھنا کہ تھانہ بھون کی ضیا پاشیوں کی یادگار پیش نظر رہے۔[۱] پانچ سال کے قریب

---

[۱] یہ تحریر پروفیسر احمد سعید صاحب کے گرامی نامہ مورخہ ۵ جون ۱۹۷۰ء کے جواب میں اور حضرت والاؒ کے وصال سے قبل کی ہے، یعنی جون و اکتوبر ۱۹۷۰ء کے درمیان کی ہے۔ (آ)

ہوئے کہ حضرت نے اپنے مجازین کی فہرست میں اس ناکارہ کو داخل فرمالیا۔ اللہ ہی میری شرم رکھیں اور میری ڈانواں ڈول نیا کو کنارے لگادیں۔ ورنہ

میں بدی میں آپ ہوں اپنی مثال بدعمل بد نفس بد خو بد خصال

۵۔ حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند:

حضرت کے مواعظ حسنہ سے اکثر مستفیض ہونے کا موقع ملا۔ تھانہ بھون جب تشریف لاتے تو جی بھر کے زیارت نصیب ہوجاتی۔ مدرسہ خیرالمدارس جالندھر اور ملتان میں عموماً شمولیت فرما کر وعظ اور قرات سے محظوظ ہونے کا شرف بخشتے رہتے۔ احقر ۱۹۵۵ء لغایت ۱۹۵۷ء ڈیرہ غازیخان دفتر ڈی سی میں سپرنٹنڈنٹ تعینات تھا اور حضرت کے داماد وہاں گورنمنٹ ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ جن سے بہت مراسم تھے۔ حضرت سال میں ایک مرتبہ وہاں تشریف لاتے۔ وہاں حضرت سے طویل ملاقاتیں ہوتیں۔ ایک دن مع اہلیہ محترمہ غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر مشکور و مسرور فرمایا۔ یہ تمام رعایت حضرت والاؒ سے تعلق کی بنا پر تھی۔ ملتان میں نواب زادہ افتخار احمد خاں ڈپٹی کمشنر نے حضرت کو چائے کی دعوت دی۔ یہ احقر بھی ہمرکاب تھا۔ دوران گفتگو ڈی سی صاحب نے دیوبندی اور بریلوی تنازعات کے متعلق یہ کہا کہ تالی تو دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ حضرت نے اپنا ایک ہاتھ تو اپنی جگہ برقرار رکھا۔ اور دوسرے ہاتھ کو دور سے لا کر اس کے ساتھ ٹکرا دیا۔ اور فرمایا کہ ایسی صورت میں بھی تالی تو بج ہی جاتی ہے۔ تو ایک ہاتھ مجتنب ہی رہے۔ ڈی سی صاحب اس پر بہت خوش ہوئے۔ اب بھی جب کبھی پاکستان میں رونق افروز ہوتے ہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی ہیں۔ حق تعالیٰ آپ کو تادیر سلامت بکرامت رکھے۔

۶۔ حضرت مولانا شیر محمد صاحب و حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحب:

یہ حضرات تو اپنے ضلع کے ہیں۔ اور احقر کے ساتھ دوستانہ مراسم رکھتے ہیں۔ یہ حضرات سراپا علم و عمل ہیں۔ اور احقر سراپا قال۔ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل اس قال کو مبدل فرمادیں۔ پاکستان بننے پر یہ حضرات (گوجرہ؟ ضلع ملتان تشریف لے آئے۔ اور اکثر ان کی ملاقات اور زیارت نصیب ہوتی رہی۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیوض کو تادیر قائم رکھیں۔ احقر بھی چند مرتبہ ان حضرات کے ہمراہ تھانہ بھون گیا۔ اور اب بھی ان کی ملاقات ہوجاتی ہے تو وہاں کی کیفیتوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

چاہتا ہے دل وہی کیف آفریں ماحول پھر وہ بہاریں اب کہاں جو ہائے میخانے میں تھیں
مستیاں ہر سو برستی تھیں در و دیوار سے اور وہ کیفیتیں سو خم کے پیمانے میں تھیں

(افسوس ہے خیرالسوانح کی تکمیل کے وقت حضرت صوفی بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما چکے ہیں۔ شعبان ۱۴۱۷ھ میں وفات ہوئی۔ اللھم اغفر لہ و ارحمہ رحمۃ واسعۃ و ادخلہ جنۃ النعیم (آمین ثم آمین)

احقر آفتاب احمد عفی عنہ

(ترجمۃ المؤلف بھی یہی ہے[1])

(انبالہ شہر سے مدینہ منورہ تک ....اب جنت البقیع کا انتظار ہے)

نوٹ: عرض ہے کہ احقر مؤلف مؤرخ نہیں ہے کہ کسی کے سوانح لکھے تو روشن و تاریک پہلو سامنے لائے۔ اس کے برعکس شریعت مطہرہ تو جہر بالسوء کو منع کرتی ہے۔ اور یہ بات طبیعت کے بھی خلاف ہے کہ اپنے عیوب سامنے لائے جائیں۔ پھر تاریک پہلو سامنے لانے اور عیوب ظاہر کرنے کے لئے کیا شے باعث ہوسکتی ہے۔ اس لئے یہی قصد ہے کہ اپنا کوئی عیب ظاہر نہ ہونے دیا جائے بلکہ صرف روشن پہلو سامنے لائے جائیں۔ کیونکہ اگر کوئی خوبی پائی بھی گئی تو وہ ہرگز اپنا کمال یا اپنی خوبی نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اس لئے اس میں ذرہ برابر بھی فخر یا ناز کی بات نہیں، البتہ شکر جتنا کیا جائے کم ہے۔ البتہ کوئی غلطی کوتاہی تقصیر اس لئے بیان میں آجائے کہ اس سے احتیاط رکھنے کا خیال پیدا ہو۔ تو وہ اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لئے مفید ہوسکتا ہے۔ یہ اور بات ہے اور ایک معروض بھی ہے کہ اگر بندہ کی کسی بات سے حسن ظن پیدا ہو تو یہ دعاء فرمادی جائے تو احسان ہوگا کہ جیسا ہمارا نیک گمان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس سے بھی بہتر بنادے اور اپنا مقبول بندہ بنالے۔ اور مغفرت و رحمت اور کرم و احسان کا معاملہ اپنے فضل سے فرمائے (آمین ثم آمین)

اب اپنے مختصر حالات پیش خدمت کئے جاتے ہیں۔

نام: آفتاب احمد ہے۔ پہلے منصور احمد نام رکھا گیا تھا۔ بروایت ہمشیرہ وسطیٰ معلوم ہوا کہ بڑے بھائی عثمان احمد صاحب مرحوم کے مشورہ سے نام تبدیل کیا گیا۔

ددھیال: آفتاب احمد بن حافظ اقبال احمد بن نبی بخش بن الٰہی بخش بن محمد مہتاب بن دوست محمد

نھیال: آفتاب احمد بن شبیر النساء بنت کریم بخش

تاریخ ولادت: ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۴ء (مطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ) بروز دوشنبہ ساڑھے گیارہ بجے دن۔

جائے ولادت: انبالہ شہر مشرقی پنجاب

آبائی وطن: چاند پور سیاؤ ضلع بجنور، یو۔ پی (ہندوستان)

خاندانی حالات

دادا صاحب مرحوم: دادا نبی بخش مرحوم جیل کے داروغہ تھے اور سنا ہے قیدیوں کے ساتھ ان کا سلوک رحمدلانہ تھا۔ والدہ مرحومہ سے سنا تھا کہ بعض دفعہ وہ گھر سے عمدہ کھانا پکوا کر قیدیوں کو کھلاتے تھے۔

[1] یعنی مختصر سوانح بحیثیت یکے از متعلقین حضرت والاؒ اور بحیثیت مؤلف خیرالسوانح (آآ)

والد صاحب حافظ اقبال احمد مرحوم: آبائی وطن چاند پور تھا۔ لیکن وطن چھوڑ کر انبالہ شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ پھر جب احقر چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا تو انبالہ شہر چھوڑ کر واپس چلے گئے اور احقر کو بورڈنگ ہاؤس میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ (کیونکہ احقر کو اپنا اسکول چھوڑنا گوارا نہ تھا)۔ حافظ قرآن تھے اور اردو کے اچھے منشی تھے۔ مختلف وکلاء کے پاس کام کیا۔ اردو میں قانون کی کتابیں بھی رکھتے تھے۔ اور قانون سے کافی واقفیت ہو گئی تھی۔ علماء اور بزرگان دین کا احترام کرتے تھے۔ اور ادب کی تاکید کرتے تھے۔ اگرچہ بریلوی علماء متبدعین سے ملتے تھے۔ لیکن چاند پور میں حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں احقر کو ساتھ لے گئے تھے۔ اور ایک بار حضرت والاؒ نے والد صاحب مرحوم کو دار العلوم کراچی (نزد کورنگی) میں شرف زیارت بخشا تھا۔ (اس کی کچھ تفصیل باب ۱۲ اسفار کے ذیلی عنوان سفر حج اول کے تحت آ چکی ہے۔) بریلوی علماء کو دیکھ کر کہتے تھے کہ عالم ہونا اور بات ہے، اللہ والا ہونا اور بات ہے۔ (احقر کا غالب گمان ہے کہ ہمارے علماء ربانیین کی زیارت بہت کم کی۔ اگر بکثرت ان کی زیارت کرتے تو اس سے مختلف رائے ہوتی) ان کی بیاض میں ایک پرچہ ملا جس میں والد صاحب نے حضرت تھانویؒ کی کسی تالیف اور حضرت میاں اصغر حسین صاحب کے مفید الوارثین کے تالیف فرمانے کا ذکر اچھے انداز میں کیا ہے۔

انبالہ میں حضرت سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمت و مغفرت سے مالا مال فرمائے (آمین ثم آمین) پاکستان آ گئے تھے۔ کراچی میں بڑے بھائی عرفان احمد صاحب کے گھر ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء ۹ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۷ھ بروز سہ شنبہ وفات ہوئی اور ائیر پورٹ کے قریب جہاں سے ڈرگ کالونی کو سڑک جاتی ہے وہاں لب سڑک قبرستان میں دفن کیا گیا۔ قبر کی کوئی نشانی پہچان کے لئے نہیں ہے۔

دادی صاحبہ مرحومہ اور دادا صاحب کی اولاد، احقر کے تائے اور پھوپھیاں:

دادی صاحبہ افضل النساء خانم مرحومہ مغلیہ شاہی خاندان سے تھیں اور جنگ آزادی ۵۸۔۱۸۵۷ء میں انہوں نے لال قلعہ دہلی سے بھاگ کر اپنے بڑوں کے ساتھ چاند پور میں کہیں پناہ لی ہوئی تھی۔ دادا صاحب مرحوم کی وہ دوسری اہلیہ تھیں۔ ان کی اولاد یعنی احقر کے تائے اور پھوپھیوں کا مختصر حال حسب ذیل ہے:

سب سے بڑے تایا محمد جعفر تھے۔ ان کا انتقال انبالہ شہر محلہ بندھا میں ہوا۔ اس وقت (یعنی ۳۷۔۱۹۳۶ء میں) احقر چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ ان سے چھوٹے تایا محمد صادق جو دہلی میں تھے ان کا انتقال اس کے بہت بعد ہوا۔ ان کو تقریباً ۴۱ء دیکھا ہے جب احقر آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اور تائی مرحومہ کے انتقال پر والد صاحب دہلی گئے تو میں بھی گیا تھا۔ ان سے چھوٹے تایا مقبول احمد مرحوم تھے۔ ان کے انتقال کی خبر تایا زاد بھائی احمد حسین صاحب نے لاہور سے دی۔ جبکہ احقر گولیمار کراچی میں مقیم تھا۔ یہ تقریباً ۴۸ء اور ۵۰ء کے درمیان کی بات ہے۔ ہماری پھوپھیاں دو ہی یاد ہیں، عائشہ اور بسم اللہ۔ ان دونوں کو صرف ایک بار عرفان بھائی کی شادی میں چاند پور میں دیکھا تھا۔ یہ تقریباً ۴۲ء کی بات ہے۔ ان میں ایک یا

دونوں ہی لکھنؤ رہتی تھیں۔ والد صاحب مرحوم کی بیاض میں دو اور پھوپھیوں کبیر النساء اور مبارک النساء کے نام بھی ان کے لکھے ہوئے شجرہ میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے، آمین ثم آمین۔

ناناصاحب مرحوم : ہمارے نانا کریم بخش صاحب مرحوم تھانیدار تھے۔ ان کے حالات کچھ زیادہ معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، آمین۔

نانی صاحبہ مرحومہ : اجداد وجدات میں صرف نانی صاحبہ مرحومہ کو احقر نے بچپن میں دیکھا، جبکہ وہ ہمارے گھر انبالہ شہر میں آئی تھیں۔ اس کے بعد بھی بارہا دیکھا۔ واجد ماموں مرحوم کے گھر بھی اور ماموں وخسر حامد حسن صاحب مرحوم کے گھر بھی ان کا انتقال احقر کے نکاح کے بعد تقریباً ۱۹۴۵ء میں ہوا۔ اللھم اغفرلھا (آمین)۔

والدہ صاحبہ مرحومہ : اردو پڑھ لیتی تھیں، اور اردو میں دینی کتب شوق سے پڑھتی تھیں۔ جب تک صاحب فراش نہیں ہوئیں نماز وغیرہ کے علاوہ سورۂ یٰسین وغیرہ تلاوت کرنے کی بھی عادت تھی۔

۱۵ نومبر ۱۹۵۰ء بروز چہارشنبہ بمطابق ۴ صفر ۱۳۷۰ھ کو احقر کے مکان پاک کالونی کراچی میں وفات ہوئی۔ اور انجمن مسلمانان پنجاب کے قبرستان واقع ریکسر میں دفن ہوئیں (یعنی لارنس روڈ، (نشتر روڈ) پر پاکستانی کوارٹرز کے پاس سے گزرتی ہوئی سڑک جو نالے میں سے جاتی تھی۔ اس نالہ کے پار کچھ علاقہ ریکسر کہلاتا ہے، وہاں بائیں ہاتھ کو یہ قبرستان ہے، وہاں دفن ہوئیں) اللھم اغفرلھا مغفرۃ ظاھرۃ و باطنۃ لا تغادر ذنبا وارحمھا رحمۃ واسعۃ (آمین ثم آمین)

ناناصاحب مرحوم کی باقی اولاد، ماموں اور خالائیں : ان کی اولاد میں والدہ صاحبہ مرحومہ کے علاوہ دو خالائیں یاد ہیں۔ ایک خالہ محمودہ یا محمودن مرحومہ جن کو مودی خالہ کہتے تھے۔ دوسری رشیدن خالہ مرحومہ جو تائی بھی تھیں اور تایا مقبول احمد مرحوم کے نکاح میں تھیں، ماموں چار تھے۔ سب سے بڑے حامد حسن مرحوم (جو احقر مولف کے خسر بھی تھے) دوسرے عابد حسن مرحوم، تیسرے زاہد حسین مرحوم اور سب سے چھوٹے واجد حسین مرحوم تھے، اللھم اغفرلھم (آمین)

بھائی بہنیں : احقر کے بھائی عثمان احمد صاحب مرحوم ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر تھے۔ ان کا انتقال میرے جدہ میں سفارت خانہ کی ملازمت کے دوران ہو گیا تھا، ۱۹۷۵ء میں جدہ آیا۔ اس کے دو سال بعد پاکستان گیا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی طبیعت میں جہاد کا جذبہ بہت تھا۔ بظاہر اس کا صلہ یہ ملا کہ پشاور میں (جہاں ان کے داماد ائیر فورس کی سیکرٹریٹ میں تھے) ائیر فورس کے مجاہدین کے قبرستان میں غالباً شہداء کی قبروں کے پاس دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت ورحمت سے مالا مال فرمائے (آمین ثم آمین)۔ ان کے بعد سب سے بڑے بھائی عرفان احمد صاحب کراچی میں ریٹائرڈ زندگی ضعیف العمری کی حالت میں گزار رہے ہیں۔ سب بھائی بہنوں میں ان کی دینی حالت بہت غنیمت ہے۔ ان کے بعد اوصاف احمد صاحب پاکستان نیوی کے ریٹائرڈ کیپٹن لندن میں رہتے ہیں۔ دو بہنیں عرفان بھائی اور اوصاف بھائی کے درمیان ہیں۔ وہ دونوں ریٹائرڈ اسکول ٹیچر ہیں۔ پی ای سی ایچ سوسائٹی کراچی میں رہتی ہیں۔ تیسری مجھ سے بڑی اور اوصاف بھائی سے چھوٹی پہلے

پاکستان میں اسکول ٹیچر تھیں، پھر لندن میں پاکستانی سفارت خانہ میں ملازمت کی۔اب کبھی لندن اور کبھی سان ڈایگو کیلی فورنیا امریکہ میں بیٹے کے پاس رہتی ہیں۔کئی حج اور بہت عمرے کئے۔خصوصاً مدینہ منورہ کی زیارت کا بہت شوق ہے سب بھی بہنوں کے احقر پر بہت احسانات ہیں، مگر وہ ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر دے اور سب کو ہدایت دے اور عافیت وصلاح وفلاح دارین نصیب فرمائے (آمین ثم آمین)

طفولیت اور ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم:

اردو کا قاعدہ غالباً گھر پر ہی والدین سے پڑھا ہوگا۔اور گھر پر چند مختصر سورتیں بھی پارۂ عم کی پڑھی ہوں گی۔اس کے بعد مسلم ہائی سکول انبالہ شہر کے شعبہ پرائمری کی پہلی پکی جماعت میں داخل ہوا۔اندازاً یہ ۱۹۲۳ء ہوگا۔

اردو کا قاعدہ اور پہلا سبق:

پہلی جماعت کے اردو کے قاعدہ کے سرورق پر شاہ برطانیہ جارج پنجم کی تصویر تھی۔تاکہ شروع ہی سے انگریزوں کی غلامی ذہن نشین ہوجائے۔دوسرے جو سبق ان دنوں ہو رہا تھا اس میں شروع ہی میں تھا "بھڑ کو نہ مارو"۔یعنی انگریزی تعلیم کے اسکولوں میں شروع ہی سے یہ تعلیم تھی کہ موذی کو نہ مارو۔(اور لاکھوں انسانوں کو ایٹم بم، یا ہائیڈرجن بم اور زہریلی گیس سے ہلاک کردو جن میں عورتیں، بوڑھے اور معصوم بچے بھی ہوں)۔اس کے مقابلہ میں تعلیم الاسلام کا قاعدہ تالیف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ تو مشہور ہے لیکن اس سے قبل پڑھانے کے لئے احقر نے "تعلیم الاسلام کا قاعدہ" (مولفہ حضرت مفتی صاحبؒ) بھی دیکھا ہے (جو تاج کمپنی نے شائع کیا تھا) وہ قاعدہ یا بہشتی زیور حصہ اول کے شروع میں جب بچہ اردو کے جملے پڑھنا سیکھتا ہے، اس کے لئے جو جملے ان میں دیئے گئے ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ شروع ہی سے بچے کے اخلاق وعادات اور عقائد کے لئے کیا تعلیم دی جارہی ہے۔کاش! اس طرف ماہرین تعلیم جدید بھی کچھ توجہ فرمائیں۔

نصاب تعلیم:

البتہ اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں بھی (جب احقر کی طفولیت کا زمانہ تھا اور پرائمری سکول میں پڑھتا تھا، اس وقت) دوسری جماعت کے نصاب میں ایک کتاب "دبستان اخلاق" بھی تھی۔جس میں تمام تر مسلمانوں کی اصلاحی، اخلاقی حکایات وغیرہ تھیں۔ہوسکتا ہے کہ یہ کتاب خصوصاً مسلم ہائی سکول کے بچوں کے لئے مقرر کی گئی ہو، کیونکہ یہ اسکول انجمن اسلامیہ کے زیر انتظام تھا۔اور احقر جب چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا یعنی تقریباً ۳۷-۱۹۳۶ء میں، اس وقت بھی اردو درسی کتاب کا تقریباً نصف اول حصہ دینی مضامین پر مشتمل تھا۔اس میں کچھ سیرت رسول اکرم ﷺ کا حصہ تھا۔اور ائمہ اربعہ (فقہاء مجتہدین) کا بھی ذکر تھا۔اور تقریباً ہمیشہ اردو کتاب حمد باری تعالیٰ اور اس

کے بعد نعت نبی ﷺ سے شروع ہوتی تھی۔ دراصل گو حکومت انگریزی تھی، لیکن مسلمانوں میں دینی شعور اس وقت تک اتنا بیدار تھا کہ نصاب تعلیم میں اگر ایک طرف انگریزی تعلیم کے ذریعہ بگاڑنے کا سامان تھا تو دوسری طرف دین سے واقفیت کا بھی حصہ تھا۔ افسوس ہے سیاسی آزادی ملنے اور پاکستان بننے کے بعد ہمارا نصاب تعلیم غلامی کے دور سے بھی زیادہ دین و عقائد صحیحہ اور اخلاق فاضلہ کی تعلیم سے دور کرنے والا ہے۔ کاش ذمہ دار ماہرین تعلیم حضرات میں سے دین کا کچھ درد رکھنے والے اس طرف بھی کچھ توجہ فرمائیں۔

مغلوشاہ:

کوئی سن رسیدہ سفید ریش بزرگ تھے، جو ہمارے گھر کبھی کبھی آتے تھے۔ کوئی بیمار ہوتا تو وہ کچھ دعاء وغیرہ پڑھ کر دم کر دیتے تھے اللہ تعالیٰ شفاعطا فرماتا تھا۔

تیلیوں والی مسجد:

محلہ چاہ باروانبالہ شہر کے مکان میں ہوش سنبھالا۔ گھر کے سامنے ہی مسجد تھی جس کو تیلیوں والی مسجد کہتے تھے۔ اس مسجد کے امام حافظ خوشی محمد صاحب احقر کے بڑے بھائی عرفان احمد صاحب کے ملنے والے تھے۔ ہمارا مکان ٹاہن ہاؤس کے متصل تھا۔

بچپن میں دینی مطالعہ:

بچپن میں جب غالباً چوتھی جماعت میں تھا اور اردو پڑھ لیتا تھا، والد صاحب کسی صاحب سے عاریتاً اردو ترجمہ حدیث شریف کی بعض کتب لے آئے تھے۔ جن کو والدہ صاحبہ بھی پڑھا کرتی تھیں اور میں بھی پڑھا کرتا تھا۔ ان کتب میں سے ایک میں احوال واہوال قیامت کا بھی تذکرہ تھا۔

بچپن میں ایک خواب:

شاید کبھی اسی زمانہ میں بچپن میں خواب میں چاند دیکھا، اور اپنے ہاتھوں پر دھبے دیکھے۔ اور یہ سمجھا کہ چاند نبی کریم ﷺ ہیں اور آپ کی برکت سے ہاتھوں کے دھبے (جن کو گناہ سمجھا تھا) دھل رہے ہیں۔

چوتھی جماعت:

اسکول کے شعبہ پرائمری میں چوتھی جماعت کے ماسٹر ایک بوڑھے آدمی مسمی غلام عباس تھے۔ شعبہ پرائمری کی شاخ نمبر۲ کا نہ معلوم کیسے پتہ چلا ہوگا، وہاں پرائمری کے ہیڈ ماسٹر محمد حسین صاحب مرحوم کے دفتر میں ایک بورڈ لگا ہوا دیکھا، جس میں پرائمری کے مقابلہ کے امتحان میں ممتاز کامیابی حاصل کرنے والے ان طلباء کے نام لکھے تھے جن کو وظیفہ ملا تھا۔ غرضیکہ از خود پرائمری شاخ نمبر۲ میں جانا شروع کر دیا۔ پھر والد صاحب نے باقاعدہ وہاں نام درج کرا دیا۔ چوتھی جماعت

ے پہلے سال میں آبائی وطن چاند پور جا کر چند ماہ رہنا ہوا۔ جس سے پڑھائی کا حرج ہوا۔ اور اس سال وظیفہ کے لئے مقابلہ کا سرکاری امتحان نہیں دیا۔ ایک سال اور چوتھی جماعت میں لگایا اور وظیفہ ملا جو چار روپے ماہانہ آٹھویں جماعت تک ملتا رہا۔

حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کا مزار اور مسجد:

شاخ نمبر۲ پرائمری اسکول سے حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کا مزار اور مسجد قریب تھی۔ چوتھی جماعت میں پڑھنے کے دوران اسکول کے اوقات میں ظہر اور عصر کی نماز اکثر اس مسجد میں پڑھتا اور کبھی جمعہ بھی وہاں پڑھتا۔ اور وہاں قرآن مجید کا مکتب بھی تھا۔ وہاں جا کر پارہ عم کی مختصر سورتیں بھی پڑھنے لگا۔ وہاں جو قاری صاحب تھے انہوں نے تجوید سے سورتیں صحیح پڑھائیں، اور ایک بار سپارہ گھٹنے پر رکھا تو انہوں نے منع فرمایا۔ اور کچھ ایسا بھی فرمایا کہ اسکول میں پڑھنے کی وجہ سے میں نے ایسا کیا (یعنی اسکول میں عموماً ادب نہیں سکھایا جاتا) جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء، اللھم اغفرلہ وارحمہ (آمین) یہ بھی یاد ہے کہ اس دوران سورۂ مزمل بھی حفظ کر لی تھی۔

حضرت سائیں توکل شاہ صاحبؒ کی والد صاحب مرحوم نے زیارت کی ہے اور حضرت تھانویؒ سے حضرت سائیں صاحبؒ کی ملاقات کا ذکر اشرف السوانح میں ہے۔

پانچویں جماعت:

پرائمری پاس کر کے پانچویں جماعت میں داخلہ ہوا، جہاں ہائی اسکول کی عمارت میں تعلیم ہوتی تھی۔ اور ڈیسکوں پر نشست ہوتی تھی، اور انگریزی کی ابتداء تھی، اس سے قبل میں کہتا تھا کہ انگریزی نہیں پڑھوں گا، اس سلسلہ میں مجھے سمجھایا گیا اور عرفان بھائی کے ایک جاننے والے نیاز صاحب بھی سمجھانے والوں میں تھے۔ (ہمارے گھر اور مسجد کے قریب ان کی لکڑی کی ٹال تھی) انہوں نے سمجھاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ کیا مولانا محمد متین صاحب نے انگریزی نہیں پڑھی۔ (حضرت مولانا متین خطیب مرحوم دارالعلوم کراچی میں بہت عرصہ ناظم یا نائب ناظم رہے، اور حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ (تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ) کے فرزند تھے۔ حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ اسکول کے متصل جامع مسجد میں انجمن اسلامیہ کی طرف سے امام و خطیب مقرر تھے۔ اور حضرت مولانا محمد متین صاحبؒ بھی کبھی ان کی جگہ تقریر کرتے تھے۔ وہ خود غالباً انبالہ چھاؤنی کی کسی مسجد میں امام و خطیب تھے)۔

بورڈنگ ہاؤس میں داخلہ:

جب میں پانچویں سے چھٹی جماعت میں آیا تو والدین انبالہ سے چاند پور منتقل ہو گئے تھے، اور مجھے بورڈنگ ہاؤس میں داخل کر دیا گیا۔ اس وقت میری عمر تقریباً تیرہ چودہ سال ہوگی۔ یہ بورڈنگ ہاؤس جو سکول کے متصل تھا اور اسکا نام غالباً مسلم بورڈنگ ہاؤس تھا، اس کے علاوہ ایک اور بورڈنگ مسلم راجپوت بورڈنگ ہاؤس بھی تھا جو ذرا فاصلے پر تھا۔ اور اس میں بھائی عبدالوہاب صاحب مرکز تبلیغ رائیونڈ والے رہتے تھے، جو اس وقت سکول میں پڑھتے تھے۔ وہ احقر کے بڑے بھائی

اوصاف احمد صاحب کوخوب جانتے ہیں،شاید ان کے ہم جماعت رہے ہوں گے۔ ہمارے بورڈنگ ہاؤس کے سپرنٹنڈنٹ (وارڈن) چوتھی جماعت کے ماسٹرغلام عباس صاحب تھے۔ پھر ماسٹر فتح محمد صاحب ہوگئے (جنہوں نے ہمیں پانچویں اور چھٹی جماعت میں انگریزی پڑھائی تھی) ان کے زمانہ میں انتظام بہت بہتر ہوگیا۔ (شروع میں ایک دوسرے فرقہ کے ماسٹر بھی سپرنٹنڈنٹ رہے جولڑکوں کی سخت پٹائی معمولی شکایت پر کرتے تھے) میٹرک کرنے تک ماسٹر فتح محمد صاحب ہی سپرنٹنڈنٹ رہے۔ اللھم اغفر لہ۔

لڑکپن میں شاعری کا شوق:

کبھی کبھی تک بندی بھی سوجھتی تھی۔ جونظم،غزل پسند آتی وہ ایک کاپی میں نقل کی جاتی۔ یہ سلسلہ کم وبیش انٹر میڈیٹ تک جاری رہا۔ پہلے مختلف شعراء پھر اقبال، پھر جگر مرادآبادی وغیرہ کے اشعار سے دلچسپی رہی۔اب تک یاد ہے کہ اقبال مرحوم کی وفات پر سخت صدمہ ہوا تھا۔ ۱۹۳۸ء کی بات ہے جبکہ احقر کی عمر تقریباً ۱۴ سال کی تھی۔

لڑکپن کا ایک شعر:

شاید ساتویں یا آٹھویں جماعت میں تھا جب یہ شعر کہا تھا (بتغیر یسیر)

یاں ہے ظلم وستم واں ہے لطف وکرم ہے بفضل دعائے شفیع الامم

حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ:

مسلم ہائی سکول کی بعض عمارات اور ایک ہال جو غالباً انجمن اسلامیہ کا تھا،ان کے متصل ایک وسیع جامع مسجد تھی جہاں اسکول کے اوقات کے دوران ظہر کی نماز اور جب شام کو طلباء کھیل کے لئے اسکول کے میدانوں میں آئے ہوئے ہوتے تھے،ان کے اس سے فارغ ہونے پر مغرب کی نماز مولانا متین صاحب خطیب مرحوم کے والد ماجد حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ پڑھاتے تھے۔ جمعہ کے روز وعظ،خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ کی امامت بھی انہی کے ذمہ تھی۔ احقر مولف کو بچپن سے دینی سوالات پوچھنے کی عادت تھی۔ (پھر جب حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ پڑھے تو ان میں ایک وعظ کا نام "شِفَاءُ الْعِيِّ" بھی تھا۔ جو اس حدیث شریف کے مضمون پر تھا "اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ" یہ وعظ انبالہ میں ہوا تھا۔ جو احقر کی جائے ولادت تھا۔ واللہ اعلم یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس وعظ کا کوئی باطنی تکوینی اثر ہوا ہو جس سے احقر کی فطرت میں دینی سوالات پوچھنے کی عادت ہوگئی) چنانچہ نماز ظہر یا مغرب کے بعد بکثرت حضرت مولانا مبین صاحبؒ سے مسائل پوچھا کرتا تھا۔

فقہ کی اہمیت:

ایک روز انگریزی تعلیم کے ماحول سے متاثر ہونے کی وجہ سے شاید کچھ ایسا سوال پوچھا ہوگا کہ فلاں مسئلہ کے بارے میں قرآن شریف میں کیا حکم ہے؟ جس کے جواب میں حضرت مولانا مبین صاحبؒ نے ایسا آسان، محققانہ، جامع اور مفید ترین جواب دیا جس سے علم دین کی ایک بہت بڑی اصل مآخذ شریعت ہی کی صحیح بنیادی تعلیم ہوگئی۔ فرمایا کہ "قرآن کی

شرح حدیث ہے اور حدیث کی شرح فقہ ہے۔'' سبحان اللہ۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ رحمت و مغفرت سے مالا مال فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے (آمین ثم آمین) الحمد للہ بفضلہ تعالیٰ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ لڑکپن ہی سے حدیث وفقہ پر اعتماد دلنشین ہوگیا۔ اور درحقیقت یہ اعتماد ہی ایمان کی بنیاد اور علم دین کا دروازہ ہے۔

مزید: ایک بار تو ان سے یہ علمی و دینی استفادہ اور ان کے افادات اتنی دیر جاری رہے کہ چلتے چلتے ان کے مستقر پر پہنچ گیا، جو ایک دفتر یا کتب خانہ سا ہونا یاد ہے۔ شاید اسی روز یا کسی اور دفعہ راستے میں بعض حضرات کو حضرت مولاناؒ نے احقر کے بارے میں ایسا جملہ فرمایا جس پر جتنا شکر کیا جائے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے حسن ظن کو پورا فرماویں، آمین ثم آمین۔ انہوں نے فرمایا کہ ''ان شاء اللہ تعالیٰ یہ لڑکا اپنے سارے خاندان کو بخشوائے گا'' (یہ روایت بالمعنی ہے، تقریباً ایسے ہی الفاظ فرمائے) اللہ تعالیٰ شیخ العالم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی (شیخ الہند) قدس سرہٗ کے اس تلمیذ رشید کی زبان سے نکلے ہوئے جملہ کی لاج رکھتے ہوئے احقر مولف کے ساتھ اپنے لطف و کرم کا معاملہ فرمائیں، خطائیں معاف فرمائیں اور گناہوں کو بخش دیں۔ اپنی ستاری و غفاری اور شان کریمی کا معاملہ فرمائیں (آمین ثم آمین) اللھم اغفر له و ارحمه رحمة واسعة وادخله جنة الفردوس (آمین)۔ زمانہ حال میں چند ہی سال ہوئے، یعنی ۱۴۱۳ھ (۱۹۹۳ء) میں دارالعلوم کراچی جانا ہوا۔ ابھی تک حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب نور اللہ مرقدہ کی قبر کی زیارت نہیں کی تھی۔ اس لئے دارالعلوم کے قبرستان گیا۔ تو وہاں حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کی قبر کے علاوہ حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ کی قبر کی زیارت بھی کی۔

حضرت مولانا مبین صاحبؒ کی زیارت پاکستان آنے کے بعد صرف ایک مرتبہ کراچی میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے دولت خانہ واقعہ برنس روڈ پر ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب کے ادب کی وجہ سے احقر کو جرات نہ ہوئی کہاں سے اس وقت گفتگو کرتا۔ اب افسوس ہوتا ہے کہ ان سے تعارف تو کراتا کہ احقر وہی ہے جو لڑکپن میں بہت سوالات کیا کرتا تھا، اور اب اسی طرح کراچی میں قیام کے دوران حضرت مفتی صاحبؒ سے بکثرت مسائل پوچھنے کی عادت تھی۔ یہاں تک کہ جب احقر سندھ مدرسۃ الاسلام کی جامع مسجد میں امام و خطیب تھا، اور اس مسجد میں پہلے کسی فرقہ کے مفتی صاحب امام و خطیب تھے تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ایک بار ایسا کچھ فرمایا تھا کہ تمہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ان (مفتی صاحب) سے مسائل معلوم ہو جائیں گے۔

اصلاح معاشرت سے متعلق ایک بات:

حضرت مولانا محمد مبین صاحبؒ کی اصلاح معاشرت سے متعلق ایک مفید بات یاد آئی۔ بعض اوقات مثلاً نماز سے فارغ ہو کر احقر صف میں نمازیوں کے درمیان کھڑے یا بیٹھے جہاں بھی ہوسکا، مسئلہ پوچھنے لگتا تھا تو حضرت مولاناؒ نمازیوں سے علیحدہ صف سے پیچھے ہو جاتے تھے اور وہاں احقر کو مسئلہ بتاتے تھے۔ تاکہ نمازیوں کے پاس کھڑے ہو کر مسئلہ پوچھنے اور بتانے سے نمازیوں کو نماز میں تشویش نہ ہو۔ ان کی یہ تربیت اب یاد آتی ہے تو اس کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ حرم

شریف میں بکثرت یہ دیکھا جاتا ہے کہ مختلف قومیتوں کے لوگ نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو اپنے ملنے والوں سے سلام، دعاء اور مزاج پرسی نمازیوں کے سروں کے پاس کھڑے ہو کر بلند آواز سے کرتے ہیں۔ اور بار بار مزاج پرسی کی یہ رسم دیر تک جاری رہتی ہے۔ جس سے نمازیوں کو سخت تشویش ہوتی ہے اور نماز پوری کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور سلام پھیرنے کے بعد باقی نماز مجبوراً کہیں اور جگہ تلاش کر کے پوری کرنا پڑتی ہے۔ اصلاح معاشرت دین کے اہم اجزاء میں سے ہے۔ اور اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اس کی طرف توجہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

میٹرک:

۱۹۴۳ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دیا اور بفضلہ تعالیٰ فرسٹ ڈویژن میں کامیابی ہوئی، والحمدللہ۔ اختیاری مضامین عربی و سائنس تھے۔ مڈل کی جماعتوں میں ریاضی کے استاد ماسٹر کریم الدین صاحب باجماعت نماز کے پابند تھے۔ اللھم اغفرلہ (آمین) مولانا محمد زکریا صاحب غالباً بہار کے تھے۔ ان سے دینیات اور عربی پڑھی۔ میٹرک کی تیاری کے لئے ان کے گھر میں اور ایک طالب علم جا کر عربی کی نصاب کی کتاب پڑھتے تھے۔ جس میں آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ بھی تھیں۔ سورۂ فرقان کے آخری رکوع کی آیات پڑھنے سے قرآن مجید کی عظمت کا احساس شروع ہوا تھا۔ اور بعض احادیث کا مضمون اب بھی یاد ہے۔ پانچویں سے آٹھویں تک تعلیم الاسلام کے چاروں حصے تھے، جو بہت مفید نصاب تھا۔ ان ہی سے پڑھا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ (آمین) نویں دسویں میں سائنس ماسٹر مشتاق صاحب تھے۔ انہی سے آٹھویں اور نویں میں انگریزی پڑھی۔ میٹرک میں انگریزی خود ہیڈ ماسٹر غلام محی الدین صاحب مرحوم پڑھاتے تھے۔ اللھم اغفرلھم۔ میٹرک کرنے کے بعد انبالہ کی رہائش ترک ہوگئی اور چاند پور آ گیا۔ انبالہ مسلم ہائی سکول پاکستان بننے کے بعد سرگودھا میں قائم ہوا۔ اس میں میرے ایک خاص ہم جماعت عبدالشکور صاحب مرحوم اسکول ٹیچر اور دفتر کے انچارج رہے۔ آخری بار ان سے اور ایک اور ہم جماعت حافظ محمد اقبال صاحب سے جنوری ۱۹۷۸ء میں سرگودھا میں ملاقات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو رحمت و مغفرت سے مالا مال فرمائے (آمین ثم آمین)

دہلی میں مسلم لیگ کا شاندار جلسہ:

اسی سال ۱۹۴۳ء میں یہ تاریخی جلسہ ہوا، جس میں قائداعظم اور نوابزادہ لیاقت علی خان کی تقریریں ہوئیں۔ اسی جلسہ میں غالباً حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی بھی مختصر تقریر تھی۔ میں دہلی جا کر اس جلسہ میں شریک ہوا تھا۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی:

میٹرک کر کے موسم گرما کی تعطیلات میں پٹیالہ وغیرہ کی سیر کر کے باقی اکثر اوقات چاند پور میں گزارے۔ ماسٹر مشتاق صاحب نے انبالہ سے رخصت ہوتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ اخبار پڑھا کروں۔ اس سے سیاست میں قدرے دلچسپی پیدا ہوئی۔ لیکن جلد ہی نتیجہ سمجھ میں آ گیا کہ دین سے دوری ہی ہر نقصان اور تباہی کا سبب ہے۔ غرضیکہ تعطیلات کے بعد

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخلہ لیا۔ انٹر میں اختیاری مضامین عربی، شہریت اور منطق لئے۔ لیکن جلدی ہی بجائے عربی کے فارسی لے لی۔ عربی ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب مرحوم پڑھاتے تھے۔ جو بعد میں کراچی یونیورسٹی میں صدر شعبہ عربی ہوئے۔ فارسی میں کیمیائے سعادت میں سے کچھ انتخاب تھا، جو امام غزالیؒ کی تلقین و موعظت سے بھرپور تھا۔ حصہ نظم میں حافظ شیرازیؒ کی غزلیں بھی تھیں۔ اسلامیات میں حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی رحمت عالم سیرت میں اور عقائد وفقہ میں مالابدمنہ مؤلفہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کا اردو ترجمہ تھا۔ یہ ترجمہ کسی بنگالی صاحب کا تھا۔ کالج اور یونیورسٹی میں دینی نصاب میں جو کتاب مقرر کی جائے اس کی زبان، کتابت، طباعت سب عمدہ ہونا ضروری ہے۔ یہ بات ماہرین تعلیم خوب سمجھ سکتے ہیں۔

حکام جامعہ:

ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب وائس چانسلر اور پروفیسر اے۔ بی۔ اے حلیم پرووائس چانسلر تھے۔ بعد میں غالباً ڈاکٹر ضیاء الدین کی وفات کے بعد وائس چانسلر نواب اسمٰعیل خان صاحب ہو گئے تھے۔ احقر کی بی۔ اے کی ڈگری پر انہی کے دستخط ہیں۔

دینی سرگرمیاں:

بعد عصر یونیورسٹی کی جامع مسجد میں درس تفسیر ہوتا تھا، جو حضرت مفتی عبداللطیف صاحب حیدرآبادی مرحوم دیتے تھے۔ مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب سے ملاقات کی ابتداء غالباً وہیں ہوئی۔ تجوید کلاس بعد مغرب ہوتی تھی۔ وہ بھی مسجد کے ملحقہ ایک کمرے میں ہوتی تھی اور حضرت قاری ضیاء الدین صاحبؒ استاد تھے۔ پھر ان کے بیٹے قاری اعتصام صاحب، پھر ایک اور قاری صاحب مقرر ہو گئے تھے۔ مجلس اسلامیات کا اجتماع ہفتہ میں ایک بار ہوتا تھا۔ مولانا وحید صاحب کے علاوہ مختار صاحب، میر معظم علی صاحب علوی اور پروفیسر جلیل الدین احمد خاں صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، اسٹریچی ہال میں ایک بار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تقریر ہوئی تھی۔ اور ایک تقریر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی یونین ہال میں ہوئی تھی۔ ایک بار کئی اکابر علماء جیسے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ حضرات بھی تشریف لائے تھے اور ان کی مجلس میں کافی دیر بیٹھا تھا۔ ایک بار یونیورسٹی کے علاقہ میں ایک جگہ جس کو غالباً سول لائنز کہتے ہیں، لب سڑک جلسہ میں سیرت پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان خاصا مبسوط ہوا تھا اور حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم کی بھی تقریر سیرت پر ہوئی تھی۔ حضرت مولانا مدنیؒ کو بس یہی ایک بار دیکھا ہے، اور ان کے پاس بیٹھ کر ان کے دستخط ایک نوٹ بک میں لئے تھے، جیسا کہ مشاہیر کے دستخط لینے کا رواج ہے۔ یہ تبرکاً آج تک بحمد اللہ احقر کے پاس موجود ہے۔ مولانا سیوہاروی مرحوم کے دستخط بھی لئے تھے۔

انٹر میں اساتذہ:

فارسی کے استاد ڈاکٹر سرور صاحب اور حاذق صاحب تھے۔ شہریت ڈاکٹر عزیز صاحب وغیرہ پڑھاتے تھے۔

دینیات مولانا راغب صاحب، انگریزی کے استاد جمیل صاحب، بخاری صاحب وغیرہ تھے۔ منطق اور نفسیات نامی صاحب پڑھاتے تھے۔

بی.اے میں اساتذہ:

بی.اے میں اختیاری مضامین عربی اور جغرافیہ لئے۔ دینیات کے استاد جامع مسجد کے امام صاحب تھے (نام یاد نہیں رہا)۔ عربی مولوی اسلام صاحب پڑھاتے تھے۔ انگریزی کے اساتذہ بی.اے خاں، محمود صاحب اور ایک دو اور تھے۔ محمود صاحب شکسپیئر پڑھاتے تھے اور ان کے لہجہ کی وجہ سے طلباء ان کو شرارتاً قاری محمود صاحب کہتے تھے۔ جغرافیہ علوی صاحب اور صدر شعبہ ڈاکٹر طاہر رضوی صاحب پڑھاتے تھے۔ رضوی صاحب نے چند لیکچر صرف ایران پر دیئے (ایشیا کے جغرافیہ میں سے) اور وہی امتحان میں آیا۔

طلباء کی یونین اور ہوسٹل:

سال اول میں داخلہ ہوا تو ممتاز ہوسٹل میں ٹھہرا، لیکن پھر الاٹمنٹ ممتاز انیکسی میں ملا۔ پھر دوسرے سال اصل ممتاز ہوسٹل میں الاٹمنٹ ہوگیا۔ طلباء کی یونین کے اجتماعات رامپور حامد ہال میں ہوتے تھے۔ ایک سال یونین کے نائب صدر جناب نوابزادہ عشرت علی خان صاحب قیصر منتخب ہوئے۔ جو بعد میں ماشاءاللہ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ اور حضرت تھانویؒ کے بعض دیگر خلفاء سے مجاز بیعت وتلقین ہوئے۔

یونین کی ایک قرارداد:

پاکستان بننے سے قبل تقریباً ۴۷-۱۹۴۶ء میں یونیورسٹی کی تعطیلات کے دوران از خود پروفیسر جلیل صاحب، میر معظم علی علوی اور احقر کے علاوہ دو تین طالب علم اور ہوں گے، جن میں سے میر معظم علی تو یونین کے کچھ عہدہ دار رکن وغیرہ بھی تھے۔ ہم نے مل کر ایک میٹنگ کرلی۔ اور ایک قرارداد پاس کی جس میں مطالبہ تھا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان ایک گزرگاہ (corridor) ضرور ہونا چاہیئے۔ یہ قرارداد پاس کرکے اس کا مضمون وائسرائے (گورنر جنرل ہندوستان) کو بذریعہ تار بھیج دیا گیا۔

نکاح:

انٹر میں پڑھنے کے دوران ماموں حامد حسن صاحب کی بیٹی سعیدہ اختر سے بتاریخ ۵ شوال ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۳ء مراد آباد میں نکاح ہوا۔ انٹر کے بعد ممتاز ہوسٹل چھوڑ دیا۔ اور بی اے کے پہلے سال بطور شہری طالب علم (Day Scholar) رسل گنج میں مکان لے کر اہلیہ کے ساتھ رہنے لگا۔ اور دوسرے سال یونیورسٹی کے احاطہ میں ایک آبادی ''دودھ پور'' میں مکان کرایہ پر لے کر بطور ملحق مقیم دارالاقامہ رہائش اختیار کی اور ٹیوشن پڑھا کر گزارہ ہوتا تھا۔ اس سے قبل جب انٹر میں تھا تو اہلیہ والدین کے یہاں چاند پور رہتی تھیں۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی آگیا۔ اہلیہ بھائی وارث کے ساتھ جہلم، پھر پنڈی

چلی گئیں۔ وہاں سے اپنے چھوٹے بھائی ناظر حسن صاحب کے ساتھ کراچی آ کر میرے ساتھ رہنے لگیں۔ پہلے روشن آپا کے مارٹن روڈ کے کوارٹر کے برآمدہ میں رہائش رہی۔ پھر مارٹن روڈ ہی کے ایک مکان میں بطور کرایہ دار شرکت میں رہے۔ پھر گولیمار رہے۔ وہاں والدہ مرحومہ بھی آ گئیں۔ والدہ صاحبہ بھی اوصاف بھائی کے یہاں اور بعد میں میرے گھر رہیں اور اے ۴۲؍۴ پاک کالونی کے مکان ان کا انتقال ہوا۔ اہلیہ نے ان کی خدمت کی۔ بعد میں جب والد صاحب پاکستان آئے وہ بھی کچھ عرصہ عرفان بھائی کے گھر، کچھ عرصہ میرے اسی مکان میں رہے۔ اور اہلیہ نے ان کی بھی خدمت کی۔ گو وہ ہمیشہ میری شاکی ہی رہیں، تاہم خدمت بھی کی خیرالسوانح کی تالیف کے دوران بھی بعض متفرق کام کیئے۔ جیسے لفافے فائلیں بنانا، کاغذ چپکا دینا وغیرہ۔ بہرحال جزاھا اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران دینی مطالعہ اور ذہنی تبدیلی:

یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران امام غزالیؒ کی تالیف منہاج العابدین اردو ترجمہ سراج السالکین اور احیاء علوم الدین کے ترجمہ مذاق العارفین میں سے غالباً دو جلدوں کا مطالعہ کیا۔ نیز حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے فارسی رسالہ قیامت نامہ کا اردو ترجمہ علامات قیامت بھی پڑھا۔ اور بھی بعض دینی کتب کا مطالعہ کیا۔ حضرت تھانوی کے مواعظ بھی پڑھے۔ ان سب کے مطالعہ اور حالات کے مشاہدہ سے ذہنی تبدیلی پیدا ہونی شروع ہوئی۔ الحمد للہ اسبال ازار و ثوب سے تو لڑکپن ہی سے پرہیز کی عادت ہو گئی تھی۔ اور یہ حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ کے وعظ کا اثر تھا جس میں انہوں نے صحیح احادیث کا حوالہ بھی دیا تھا۔ انٹر میں پڑھتا تھا۔ جب تعطیلات میں گھر آیا تو داڑھی بھی رکھ لی۔ مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہیدؒ سے بھی ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ ان کے صحیح دینی خیالات کا بھی اچھا اثر ہوا۔ ایک بار علی گڑھ شہر میں تبلیغی جماعت کے ساتھ گشت میں حصہ لیا تھا۔ اس سے بھی وقتی تاثر بہت ہوا تھا۔

پاکستان بن گیا:

۱۹۴۷ء میں رمضان شریف میں ہمشیرہ صغریٰ (روشن آپا) کے گھر دہلی آیا ہوا تھا۔ وہ پاکستان (کراچی) کے لئے روانہ ہو گئیں اور غالباً ۱۴ اگست کی رات واپس چاند پور جاتے ہوئے راستہ میں اسٹیشنوں پر جشن آزادی ہند کے باجے گاجے نظر آئے۔ واپس چاند پور آ کر پاکستان جانے کا پروگرام بننے لگا۔

ہجرت پاکستان:

فوجیوں کی اسپیشل گاڑیاں پاکستان جا رہی تھیں۔ اہلیہ تو اپنے بھائی وارث صاحب کے ساتھ پہلے پاکستان روانہ ہو کر جہلم اور راولپنڈی رہیں۔ میں ہمشیرہ وسطیٰ (آپا شاہجہاں) کے ساتھ ۱۷ نومبر ۱۹۴۷ء کو مراد آباد سے پاکستان روانہ ہوا۔ ہم دونوں ۲۴۔۲۵ نومبر کو کراچی پہنچے۔ میں روشن آپا کے پاس ۳؍۱۴ مارٹن روڈ ٹھہرا۔ ہمشیرہ عرفان بھائی کے یہاں ایئرپورٹ ٹھہریں۔ بڑی ہمشیرہ آپا نور جہاں بھی شملہ سے سفر کر کے کیمپوں میں ٹھہرتے ہوئے کراچی پہنچ گئیں۔ میری اہلیہ بھی کچھ روز

بعد اپنے چھوٹے بھائی ناظر حسن صاحب کے ساتھ کراچی آ گئیں۔

ملازمت تاج آفس بک ڈپو:

کیونکہ تجارت خصوصاً کتب خانہ کا شوق تھا۔ اس کتب خانہ پر ملازمت کی درخواست کی۔ شیخ نذیر مرحوم (برادر تاج کمپنی والے شیخ عنایت اللہ مرحوم) مالک کتب خانہ نے ایک سو روپے ماہانہ پر ملازم رکھ لیا۔ یہ کتب خانہ جونا مارکیٹ کے قریب وپیئر روڈ پر تھا۔ پھر شیخ نذیر مرحوم نے بندر روڈ ریڈیو پاکستان کے سامنے نالہ والی سڑک پر لکشمی پریس خرید کر اس کا نام نذیر پریس رکھا۔ مجھے اس میں لگایا۔ شیخ نذیر صاحب ہوائی جہاز سے بمبئی کے لئے روانہ ہوئے، لیکن ہوائی حادثہ میں ہلاک ہو گئے۔ اللھم اغفرلہ۔ اس لئے وہاں بہت کم عرصہ کام کیا۔

کراچی پورٹ ٹرسٹ:

کیاڑی برتھ نمبر ۲ پر مکینکل سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں بطور کلرک اوصاف بھائی نے ملازمت دلوائی۔ وہاں تقریباً چھ ماہ کام کیا۔

محمدی اسٹیم شپ کمپنی:

پھر اوصاف بھائی نے اس کمپنی میں بطور پرچیزر (جہاز کی ضروریات کی خریداری کے لئے) ملازمت دلوائی۔ پھر ایک ذیلی کمپنی کو خریداری کا کام دے دیا گیا اس میں تبادلہ ہو گیا۔ اس کے انچارج مسٹر چاندو تھے، کمپنی کا نام شاید ابراہیم اسمٰعیل کمپنی تھا۔

محمدی انجینئرنگ ورکس:

پھر اس ورکشاپ کے دفتر میں تبادلہ بطور پرچیزر ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد خزانچی بنایا گیا۔ لیکن اس میں حسابات لیجر میں لکھے جاتے تھے۔ جن میں سود کا حساب بھی شامل تھا۔ اس لئے روزانہ اخراجات کے سوا حساب کی کتابوں (لیجر) میں اندراج نہیں کئے۔ اس لئے مجبوراً اسٹورز میں لگایا اور پھر ٹول اسٹور کیپر بنایا۔ وہاں کے اوقات صبح ۷ بجے سے تھے۔ اکثر لوگ ۸ بجے کے بعد آتے تھے۔ میں بھی پاک کالونی سے کئی میل کا سفر بسوں میں یا سائیکل پر طے کر کے دیر سے پہنچتا اور صحیح وقت لکھتا تھا۔ (اور دیر سے پہنچنے والے سات بجے ہی کا وقت لکھتے تھے)۔ چنانچہ بالآخر نوٹس دے دیا گیا اور ملازمت ختم ہو گئی۔

رہائش:

پہلے ہمشیرہ کے ساتھ ۱۴/۳ امارٹن روڈ پر، پھر شرکت میں کرایہ پر ۱۸۱/۳ امارٹن روڈ۔ پھر اوصاف بھائی نے صدر میں ایک مکان الاٹ کرایا تھا، اس میں عارضی رہائش رہی، پھر ۱۶/۴ اپیر آباد گولیمار) میں، پھر ۱۹۵۰ء سے پاک کالونی میں مکان خریدا۔ مکان کا نمبر اے ۴/۴ تھا۔ رفتہ رفتہ قریب ہی خالی جگہ میں چٹائی بچھا کر اذان دینا اور نماز پڑھنا شروع کیا۔ پھر وہاں

پرانے تختوں کی کچی مسجد بن گئی۔ پھر پختہ جامع مسجد تعمیر ہوگئی۔

داخلہ ایم۔اے:

اردو کالج میں ایم۔اے (سال اول) میں داخلہ لیا۔۵۲۔۱۹۵۱ء میں سال اول کا امتحان تیاری نہ ہوسکنے کی وجہ سے نہیں دیا۔۵۳۔۱۹۵۲ء میں ایم۔اے سال اول اور ۵۴۔۱۹۵۳ء میں ایم۔اے (عربی) فسٹ کلاس میں پاس کیا۔اور عربی میں ایم۔اے کرنے والوں میں یونیورسٹی مین اول پوزیشن حاصل ہوئی۔(والحمد لله علی ذلك) مولانا سید منتخب الحق صاحب مرحوم صدر شعبہ تھے۔ زیادہ تر انہی سے پڑھا۔ اور گھر پر ان سے ہدایۃ النحو، فصول اکبری، نورالایضاح بھی پڑھیں۔دوسرے اساتذہ مولانا مظہر علی اور قمرالدین صاحب تھے۔

سندھ مدرسۃ الاسلام:

سرائے روڈ پر سندھ مدرسۃ الاسلام سیکنڈری اسکول میں بطور ان ٹرینڈ ٹیچر تقرر رہا۔۵۲ء تا ۱۹۵۶ء کام کیا۔ زائدہ عرصہ عربی اور دینیات پڑھائی۔ اس کے علاوہ اردو، انگریزی، جغرافیہ وغیرہ بھی۔اس عرصہ میں سندھ مدرسہ کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کی وجہ سے مکان ملا اور وہاں قیام کیا۔ پھر سندھ مدرسہ کی ملازمت ختم ہونے کے بعد مکان بھی خالی کردیا اور واپس پاک کالونی میں آگئے۔

تولد دختر:

۱۵ محرم ۷۴ھ (۱۴ ستمبر ۵۴ء) کو مولجر بازار کے میٹرنٹی ہوم مستشفی ولادت) میں بچی کی ولادت ہوئی۔جس کا نام حضرت والاؒ کا تحریر فرمودہ "رشیدہ بیگم" رکھا گیا۔

اردو کالج میں بطور لیکچرار:

درمیان سال ۵۶ء میں چند روز کی تعطیلات کے بعد سے شعبہ عربی واسلامیات میں بطور لیکچرار تقرر رہا۔اگلے سال رات کی کلاسیں بھی تھیں۔دوسرے سال کے اختتام پر ملازمت ختم ہوگئی (۵۶ء تا ۵۸ء)۔

دارالعلوم کورنگی:

اردو کالج میں ملازمت کے دوران پاک کالونی سے منتقل ہوکر تقریباً دو ماہ دارالعلوم کورنگی کے مکان میں رہائش اختیار کی۔بالآخر واپس پاک کالونی آگئے۔

حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ:

نے دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار میں ایسٹ افریقی طلباء کو بواسطہ انگریزی تعلیم عربی کیلئے پیشکش کی۔اور ساتھ ساتھ اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی موقع دیا۔جس کو فوراً ہی منظور کرلیا۔انہوں نے فوراً حضرت والاؒ کو فون کرکے احقر سے بھی بات کرادی۔حضرت والاؒ نے اس کو پسند فرمایا۔چنانچہ ۵۸ء کے رمضان شریف میں ٹنڈوالٰہ یار منتقل ہونے کی تیاری

شروع ہوگئی۔

دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار:

شوال (۵۸ھ) میں افریقی طلبہ کے ساتھ ٹنڈوالٰہ یار کا سفر کر کے دارالعلوم میں قیام کیا۔ اور اہل وعیال کے ساتھ قیام کے لئے کرایہ پر مکان لینے کے لئے کوشش کی۔

منتقلی مع اہل وعیال:

بقرعید کی تعطیلات میں جا کر سب سامان اور اہل وعیال کے ساتھ ٹنڈوالٰہ یار کا سفر کر کے ایک کچے مکان واقع شیدی پاڑا میں چندے قیام کیا۔ پھر ایک پختہ مکان حاجی خیسا بلڈنگ میں مل گیا۔ اسی عمارت میں ہمارے پڑوسی حافظ اشفاق صاحب تھے جو دارالعلوم میں قرآن شریف پڑھاتے تھے اور ان کے داماد حافظ مکرم صاحب قریب کی مسجد کے کمرے میں قرآن پڑھاتے تھے۔ اس مسجد کے امام حافظ اشفاق صاحب ہی تھے۔ استاذی حضرت مولانا حافظ محمد مالک صاحبؒ کا مکان بھی دور نہیں تھا، اور وہ بھی کبھی کبھی اس مسجد میں نماز پڑھاتے تھے۔ حافظ اشفاق صاحب مرحوم ہی کے مکان پر عزیزہ رشیدہ نے قرآن پاک حفظ کیا۔ والحمد للہ۔

سندھ مسلم آرٹس کالج:

ٹنڈوالٰہ یار میں ایک سال کالج میں بطور لیکچرر کام کیا۔ کالج میں رات کو تعلیم ہوتی تھی۔

کراچی میں اور دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالٰہ یار میں تحصیل علم:

دارالعلوم میں چھ گھنٹے تعلیم ہوتی تھی۔ اس میں سے عموماً چار گھنٹے تدریس کے اور عموماً دو گھنٹے میری اپنی تعلیم کے ہوتے تھے۔ ٹنڈوالٰہ یار آنے سے قبل کراچی میں جب سندھ مدرسہ میں تھا تو حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ کے درس جلالین میں بیٹھنے لگا تھا۔ اور حضرت مولانا فضل محمد سواتی مدظلہ کے درس دیوان متنبی میں بھی کچھ دن بیٹھا۔ پھر ناظم دارالعلوم اور حضرت مفتی صاحب کے داماد مولانا نور محمد صاحب اکیابی مرحوم کے مشورہ سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب (سابقاً مولانا زیارت گل صاحب) سواتی مدظلہ سے نورالانوار پڑھنی شروع کی۔ حضرت مولانا قاری محمد اسحٰق صاحب مدظلہ (حال امام وخطیب جامع مسجد معمور کمرشل ایریا، پی۔ ای۔ سی۔ ایچ سوسائٹی کراچی) جو اس وقت سٹی پوسٹ آفس کی مسجد میں امام تھے ان سے اول چھ پارے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھا۔ پھر حضرت مولانا مفتی صابر علی صاحب امروہویؒ (خلیفہ حضرت تھانویؒ ونائب مفتی دارالعلوم کراچی) باقی قرآن شریف کا ترجمہ قدوری وغیرہ پڑھی۔ اور نورالانوار کا بھی کچھ حصہ پڑھا۔ اور سراجی بھی ان سے پڑھی۔ ان کو فرائض سے زیادہ مناسبت تھی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب دارالعلوم کراچی نانک واڑہ میں تھا۔ پھر ٹنڈو الٰہ یار آ کر حضرت مولانا جمشید صاحب مدظلہ سے خارج میں نورالانوار پوری کی، زادالطالبین پڑھی اور اس میں ترکیب نحوی کی مشق کی۔ دارالعلوم کے اوقات میں مولانا قاضی عبدالسلام صاحب سے ہدایہ جلد اول کتاب الطہارت تک پڑھی۔ پھر وہ

بقر عید کی تعطیلات کے بعد واپس تشریف نہیں لائے۔ وہ غالباً سوات کی طرف ریاست دیر کے تھے۔ ہدایہ اول باقی پوری کتاب حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ سے پڑھی۔ حضرت مولانا عثمانیؒ کے درس تفسیر بیضاوی شریف اور مثنوی مولانا رومؒ کے درس میں بیٹھا ہوں۔ اور دورہ حدیث شریف کی کتب صحیح بخاری شریف و مسلم شریف بھی پڑھی ہیں۔ علاوہ بریں شمائل ترمذی شریف، نخبۃ الفکر، حجۃ اللہ البالغہ اور مقدمہ اعلاء السنن بھی مولانا عثمانیؒ سے پڑھیں۔ حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ سے مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف پڑھیں۔ نسائی شریف، ابن ماجہ اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ سے پڑھیں۔ اور حدیث مسلسل کی اجازت بھی حضرت مدظلہ ہی سے ملی۔ مؤطا امام مالکؒ و موطا امام محمدؒ شاید حضرت مالانا عثمانیؒ سے پڑھیں اور طحاوی شریف بھی انہیں سے پڑھی۔

مخدومی استاذی حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی کے درس سے احقر کو سب سے زیادہ مناسبت ہوئی۔ اور خصوصاً حضرت مدظلہ کا اور حضرت مولانا عثمانیؒ کا درس بہت مفید ہوتا تھا۔

ہدایہ جلد ثانی غالباً حضرت مولانا جمشید صاحب مدظلہ سے ثالث اور رابع میں سے ایک حضرت مولانا حضرت محبوب الٰہی صاحبؒ سے دوسرا حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ سے پڑھیں۔ مختصر معانی اور شامی بھی حجرت مولانا محبوب الٰہی صاحبؒ سے پڑھیں۔ ہدیہ سعیدیہ حضرت مولانا جمشید صاحب سے خارج میں پڑھا۔ غرضیکہ حضرت مولانا جمشید علی صاحب مدظلہ سے خارج میں زیادہ سے زیادہ استفادہ ہوا اور کئی کتب پڑھیں۔ حضرت مولانا جمشید صاحبؒ کے میبذی کے درس میں بھی بیٹھا ہوں۔ اور شرح عقائد للنسفی ''عذاب القبر'' سے ان سے پڑھی۔ (اس کے بعد رمضان شریف میں خیرالمدارس ملتان میں استاذی حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شرح عقائد شروع سے عذاب القبر تک پڑھی) استاذی حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب سے رمضان میں خیرالمدارس میں مناظرہ کی کتاب رشیدیہ پڑھی۔ اس میں حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب مدظلہ احقر کے ہم درس تھے۔ رمضان شریف کی تعطیلات میں ملتان خیرالمدارس میں خارج میں حضرت والاؒ سے، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ سے حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحبؒ وغیرہم حضرات اساتذہ سے جو کتب پڑھیں ان میں سے اکثر کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ باب ششم تعلیم وتدریس میں اور بعض دوسری جگہ آچکا ہے۔

دورۂ حدیث شریف کی کتابیں ایک ایک دو دو کر کے دو تین سال میں ختم کیں۔ جو ۱۹۶۳ء میں پوری ہوگئیں تھیں۔ اور ۱۹۶۴ء میں سند الفراغ بھی دارالعلوم سے مل گئی۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عثمانیؒ نے اپنی خاص سند عطا فرمائی۔ حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی نے اپنی خاص سند حدیث مسلسل کی عطا فرمائی، اور حضرت مولانا محمد مالک صاحب کاندھلویؒ نے بھی اپنی خاص سند عطا فرمائی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

احقر نے دارالعلوم الاسلامیہ میں بارہ تعلیمی سال شوال ۷۷ھ/۱۳۱ھ (اپریل ۱۹۵۸ء) تا شعبان ۱۳۸۹ھ (نومبر ۱۹۶۹ء)

تدریس عربی واسلامیات میں گزارے۔ جس میں سے تقریباً ۱۹۶۳ء میں دورۂ حدیث شریف ختم کرنے تک اپنی تعلیم میں بھی مشغولیت رہی۔ والحمد للہ۔

دارالعلوم الاسلامیہ میں تدریس، ایسٹ افریقی ودیگر طلباء :

پہلے چند طلباء کینیا کے اور شاید ٹانگانیکا کے تھے، جن کو بذریعہ انگریزی دینیات کی تعلیم شروع کی۔ دوسرے سال جب استاذی حضرت مولانا محمد مالک صاحبؒ ناظم بنے تو انہوں نے مخدومی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی سیرت خاتم الانبیاء اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی کتاب عقائدالاسلام انگریزی میں ترجمہ کر کے افریقی طلباء کو لکھوانے کی ہدایت فرمائی، جس پر عمل کیا گیا۔ نیز تاج کمپنی سے عبدالماجد صاحب دریا آبادی مرحوم کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید کے نسخے منگوائے اور قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھانا شروع کیا۔ پھر ایک گروپ یوگنڈا کے طلباء کا آیا۔ یہ انگریزی بہت کم سمجھتے تھے۔ لیکن کچھ عربی پڑھے ہوئے تھے۔ ان کی تعلیم کے لئے عربی ہی ذریعہ تعلیم بنی۔ ان کو رسالہ زادالطالبین مؤلفہ مولانا عاشق الٰہی صاحب برنی پڑھایا اور حفظ کرایا۔ زیادہ تر اس میں آسان اور مختصر احادیث ہیں۔ ترجمہ قرآن مجید میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر حضرت مولانا اورادریس صاحب کاندھلویؒ کی تفسیر معارف القرآن سے عربی میں ترجمہ املا کرایا۔ اور عربی سے عربی میں ترجمہ قرآن مجید مع مختصر شرح تفسیر جلالین کو سامنے رکھ کر پڑھایا۔ ہدایہ جلد اول بھی ختم کرائی۔ ان طلباء میں حسین، رجب، سلیمان اور مرشدی یاد ہیں۔ ان کے علاوہ ایک منتہی طالب علم عبدالرزاق تھے، جو اچھی طرح عربی بول لیتے تھے۔ ان کے شاید ایک یا دو ساتھی اور تھے۔ انہوں نے تفسیر جلالین وغیرہ بعض کتب بذریعہ عربی غالباً حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب سے پڑھیں۔ پھر شیخ عبدالرزاق بخاری شریف میں میرے ہم سبق ہوئے۔ اور کچھ دن مجھ سے حیٰوۃ المسلمین پڑھی۔ ان کا مقصد اردو سیکھنا تھا۔ وہ یوگنڈا جا کر جامع مسجد میں خطبہ دیتے، تقریر کرتے، اور اس وقت یوگنڈا کے صدر عبدی امین ان کی تقریر سنتے اور متاثر ہوتے تھے۔ عبدی کے ہی عہد حکومت میں شیخ عبدالرزاق یوگنڈا کے چیف قاضی بھی رہے۔ افریقی طلباء کے جانے کے بعد دیگر اردو دان طلباء کو بھی تعلیم دی۔ چند بار نورالایضاح پڑھائی۔ ایک ایک سال قدوری، علم الصیغہ، شرح وقایہ، ہدایۃ النحو اور فصول اکبری بھی پڑھائیں۔ اور سات آٹھ سال نفحۃ العرب پڑھائی۔ اور ایک ایک سال مقامات حریری، تاریخ الخلفاء بھی پڑھائیں۔ یوگنڈا کے طلباء نے کچھ عرصہ اردو زبان بھی پڑھی۔ احقر کے تلامذہ میں سے ایک مولوی عمر محمد صاحب جنہوں نے مجھ سے فصول اکبری پڑھی تھی، دارالعلوم ہی میں کچھ عرصہ مدرس رہے۔ اور پھر مکہ مکرمہ مسجد الحرام میں ملے۔ پہلے وہ حرم شریف میں (مراقب نظافۃ) تھے۔ پھر دلہ کمپنی میں (اور اب بن لادن میں) کمپنی کے رہائشی مکانات کی مسجد میں امامت اور درس قرآن وغیرہ کے لئے مقرر ہیں۔

سندھ مسلم آرٹس کالج ٹنڈو اللہ یار:

تقریباً ۱۹۶۱ء سے اس کالج میں بطور لیکچرار عربی وغیرہ تقریباً ایک سال کام کیا۔

رہائش:

اس کے بعد خیسا بلڈنگ کے مکان سے منتقل ہو کر دارالعلوم کے مکان میں رہائش کے لئے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی ؒ نے بلالیا۔ اور ان کے مکان کے متصل جس مکان میں استاذی حضرت مولانا محبوب الٰہی صاحب ؒ کی رہائش تھی اس میں رہائش ہوئی۔ پھر ٦٦ء میں پہلے حج کے بعد مہتمم صاحب کے حکم سے یہ مکان خالی کرنا پڑا۔ اور کچھ دن اس کے متصل کچے مکان میں رہنے کے بعد پھر شہر میں رہائش رہی۔ ڈاکٹر عبدالجبار صاحب مرحوم نے اپنے مکان کے ایک طرف ایک کمرہ رہائش کے لئے دیا۔ (اللھم اغفرلہ) پھر حاجی پاڑہ میں عبدلکریم صاحب کا مکان کرایہ پر لیا۔ پھر اس کے سامنے ایک نیم پختہ سا مکان کرایہ پر ملا۔ پھر ایک اور اچھا مکان وکیل صاحب کا کرایہ پر مل گیا۔ ٹنڈو اللہ یار میں سب سے اخیر میں اس مکان میں رہائش رہی۔ پھر نومبر ١٩٦٩ء میں کراچی منتقل ہونے پر ڈیفنس سوسائٹی کی جامع مسجد، مسجد طوبٰی کے امام، خطیب اور منتظم ہونے کی حیثیت سے مسجد کے احاطہ میں بہت عمدہ اور وسیع مکان ملا۔ پھر وہاں سے سکونت ترک ہونے پر پاکستان (کراچی) میں اخیر تک پاک کالونی کے مکان میں رہائش رہی۔

مسجد طوبٰی۔ ڈیفنس سوسائٹی کی جامع مسجد میں امام، خطیب اور منتظم :

اس پوری مسجد کی چھت ایک بڑا گنبد ہے۔ جس کے نیچے تقریباً ٤۔٥ ہزار آدمی بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ نومبر ٦٩ء تا فروری ٧٠ء وہاں ملازمت کی۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن:

اسی دوران حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن (حال جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن) میں انگریزی وحساب کی تعلیم کے لئے بلوایا۔ ان کی طرف سے استاذی حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ؒ اور ایک اور عالم غالباً حضرت مولانا عبدالسنان صاحب دہلوی ؒ (شاعر نعت نبی ﷺ) نے خود تشریف لا کر احقر کو شرف ملاقات بخشا۔ چنانچہ دو سال اس مدرسہ میں کام کیا۔ دوسرے سال ایک سبق ترجمہ قرآن مجید کا بھی مل گیا تھا۔ وہ اس وقت درجہ تخصص فقہ میں تھے یا فارغ ہو چکے تھے۔ دو سال کے بعد یہ شعبہ تعلیم حساب وانگریزی کا ختم کر دیا گیا۔ اور احقر وہاں سے فارغ ہو گیا۔ اور کچھ عرصہ فارغ رہا۔

دارالتصنیف لمیٹڈ کراچی اور پندرہ روزہ ''یقین'' انٹرنیشنل :

یہاں زیادہ تر دو کام کئے۔ قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ۔ یہ کام بہت تحقیق سے شروع ہوا۔ لیکن پھر بند ہو گیا۔ اور انگریزی پندرہ روزہ ''یقین'' کی ایڈیٹری کا کام کیا۔ پریس کے منیجر اظہار احمد صاحب تھے۔ اور صدیقی صاحب بھی ترجمہ قرآن مجید کے کام میں شریک تھے۔ مولوی طفیل صاحب مرحوم اس ادارہ کے سربراہ تھے۔ ادارہ کا پریس شاہراہ لیاقت پر سیکرٹریٹ کے قریب تھا۔ اور ہیڈ آفس مجاہد آباد (شیر شاہ سے آگے گڈانی کے راستہ میں بلوچستان جانے والی شاہراہ پر) تھا۔

۷۳-۱۹۷۲ء سے واپس آنے پر ایک ماہ کا نوٹس مل کر یہ ملازمت ختم ہوگئی۔ پھر کچھ عرصہ فارغ رہا (۱۵ دسمبر۷۱ء تا ۳۱ مئی ۱۹۷۳ء)

پاکستان سے حج:

پہلا حج ۱۳۸۵ھ (۳۰/اپریل ۱۹۶۶ء) کو کیا۔ اوصاف بھائی کے ذریعہ حاجیوں کے ویلفیئر آفیسر کی حیثیت سے ''سفینۂ عرب'' پر ملازمت ملی۔ جو کراچی سے چاٹگام گیا۔ وہاں مشرقی پاکستان کے حاجیوں کو لے کر جہاز کولمبو رکا، جہاں سے حاجی لئے، عدن بھی ٹھہرا۔ واپسی میں بھی چاٹگام جا کر کراچی واپسی ہوئی۔ چاٹگام کے علاوہ پہاڑی علاقہ رانگامتی بھی دیکھا۔ اور کولمبو اور عدن بھی دیکھا۔ اس سفر میں چھوٹی ہمشیرہ روشن آپا لندن سے جدہ آگئی تھیں۔ وہاں سے حج اور دوبارہ زیارت مدینہ منورہ میں ان کا ساتھ رہا۔ دوسرا حج ۱۳۸۸ھ (۱۹۶۹ء) میں کیا۔ دونوں بڑی ہمشیرگان ساتھ تھیں۔ چھوٹی ہمشیرہ اس حج میں بھی مکہ مکرمہ ملیں جو پہلے پہنچ چکی تھیں۔ تیسرا حج ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۲ء) میں کیا۔ مدینہ منورہ میں حج سے قبل جناب حاجی ڈاکٹر عبدالمجید صاحب سے ملاقات ہوگئی تھی، جن کے ساتھ کئی رفقاء سفر تھے۔ جن میں جناب سید غلام اویس صاحب مدظلہ، حاجی فضل الرحمٰن خان صاحب مرحوم اور حاجی مظہر قیوم صاحب مرحوم بھی تھے۔ حج کے بعد سعودی عرب میں ملازمت کی سعی کی اور مکہ مکرمہ سے جدہ کے تقریباً دس چکر لگائے۔

حضرت حاجی انوار الٰہی صاحبؒ سے تعلق:

بعض لوگ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں لیکن اپنی خوشگوار یادیں ہمیشہ کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ ان ہی لوگوں میں سے ایک ہمارے عزیز حضرت حاجی انوار الٰہی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ جن سے پہلے کبھی کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن احقر کے شیخ و مربی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ کے تعلق کی نسبت سے حضرت حاجی صاحب سے تعلقات اُستوار ہوگئے۔ حضرت حاجی انوار الٰہی صاحبؒ کو حضرت والاؒ سے بے پناہ عشق و محبت اور عقیدت تھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت والاؒ سے میرا والہانہ تعلق اس حد تک تھا کہ جب حضرتؒ کھانستے بھی تھے تو مجھ پر ایک عجیب وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ حضرت حاجی صاحبؒ کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ حضرت والاؒ کا دیدار کرتا رہوں اور حضرتؒ کو میری آمد کا علم بھی نہ ہو۔ حضرت والاؒ سے حاجی صاحبؒ کی محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ جب بھی کوئی کاروبار شروع کرتے تو اس میں ''خیر'' کا نام ضرور لاتے تھے۔ احقر نے جب ان کے کاروبار کے لئے ''خیر التجارت'' کا نام تجویز کیا تو انہوں نے بہت پسند فرمایا۔ اسی طرح اپنی ایک دوسری کمپنی کا نام ''خیر انٹر پرائزز'' رکھا۔

احقر کو کئی مرتبہ حضرت حاجی انوار الٰہی صاحبؒ کے ساتھ خیر المدارس کی جامع مسجد میں اعتکاف کرنے کا موقع ملا۔ وہ بھی خصوصاً رمضان کا زیادہ تر وقت خیر المدارس میں حضرت والاؒ کی خدمت میں گزارتے تھے اور اعتکاف فرماتے تھے۔ وہ اکثر معتکف حضرات کی دعوت کی سعادت حاصل کرتے تھے۔ ان کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ معتکف حضرات کی زیادہ سے زیادہ ضیافت کا خاص اہتمام کیا جائے۔ احقر کا حاجی انوار الٰہی صاحبؒ سے پہلا رابطہ حضرت والاؒ کے توسط سے

جامعہ خیر المدارس میں ہی ہوا۔

شادی عزیزہ حافظہ رشیدہ سلمہا:

حضرت حاجی انوار الٰہی صاحبؒ نے مجھ سے اس بات کی خواہش کا اظہار کیا کہ کیوں نہ ہمارا دینی محبت کا تعلق رشتہ داری میں تبدیل کر دیا جائے۔ چنانچہ کافی عرصہ تک بات چیت چلتی رہی۔ آخر احقر کی اکلوتی بیٹی عزیزہ حافظہ رشیدہ سلمہا کا نکاح حاجی صاحب مرحوم کے صاحبزادے عزیز حاجی ذیشان الٰہی سلمہٗ سے ہو گیا۔ اس طرح حضرت حاجی صاحبؒ سے محبت کا رشتہ مزید بڑھا۔

نوٹ: حاجی انوار الٰہی صاحبؒ 26 ستمبر 1998ء کو اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حاجی صاحبؒ کی اہلیہ محترمہ اُن کی وفات سے گیارہ دن قبل 15 ستمبر 1998ء کو رحلت فرما گئیں۔ **اللهم اغفرلهم مغفرة ظاهرة وباطنة وادخلهم مدخل صدق وجنة.** چونکہ میری نرینہ اولاد نہیں ہے۔ اس لئے میری نسل میری بیٹی حافظہ رشیدہ بیگم سلمہا سے چلی ہے۔ اس وقت الحمد للہ میرے چار نواسے (محمد سلمان، محمد حسان، محمد صادق، محمد رضوان) اور دو نواسیاں حمیرا خاتون اور سمیرا خاتون ہیں۔ حمیرا خاتون کی شادی ڈاکٹر محمد طارق سے 23 جون 2000ء بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ وہ اس وقت یو.کے (U.K) میں مقیم ہے۔

انجمن اشاعت قرآن عظیم :

یکم ستمبر ۱۹۷۳ء سے بطور مترجم ملازمت مل گئی۔ کوریا کے نومسلم طلباء کو تعلیم کا کام بھی تھا۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۷۴ء تک یہاں کام کیا، پھر سعودی عرب جانے کے لئے سعی کرنے میں دلچسپی بڑھ گئی۔ اور یہاں کی ملازمت سے فارغ ہو گیا۔

سفارت خانہ پاکستان جدہ :

یہاں ملازمت کے لئے روشن آپا نے کوشش کی۔ چنانچہ بطور مترجم ملازمت کیلئے درخواست بھیجی۔ جس کے جواب میں ملازمت کی پیشکش اس شرط پر ہوئی کہ مراسلہ کی تاریخ سے تیس یوم کے اندر حاضر ہونا ہوگا، ورنہ یہ پیشکش کالعدم ہوگی۔

سعودی عرب کا ویزا :

چانچہ وزارت خارجہ پاکستان (کراچی) سے سعودی قونصلیٹ کے نام مراسلہ لے جا کر ویزا کے لئے سعی کی۔ روشن آپا نے بہت بھاگ دوڑ کی۔ بہت طویل کاروائی کے بعد بالآخر ویزا مل گیا۔

جدہ:

بالآخر آخری تاریخ ۲۴ اگست ۱۹۷۵ء کی صبح تک جدہ پہنچ گیا۔ ریٹائرڈ ایڈمرل لودھی صاحب کے گھر روشن آپا کے حوالہ سے ٹھہرا، اور دو تین روز میں فندق الوفار (جو پہلے ہوٹل تھا اس) کے ایک حصہ میں شرکت میں مکان کرایہ پر مل گیا۔ ۲۴ اگست ہی کو سفارتخانہ گیا لیکن اس روز آرام کرنے کو کہا گیا، اس لئے دوسرے روز ۲۵ اگست سے شعبہ عربی ترجمہ میں کام کرنا شروع کر دیا۔

رہائش:

تقریباً تین ماہ بعد اہلیہ کے پاکستان سے آنے پر فندق الوفار کے مکان سے منتقل ہو کر کیلو ۶ طریق مکہ کے ایک نیم پختہ مکان میں رہنا شروع کیا۔ تقریباً دو سال کے بعد کیلو ۶ ہی پر دوسرا مکان مل گیا۔

عزیزہ حافظہ رشیدہ و عزیزہ ذیشان سلمہما اور ہمشیرگان کے ساتھ حج:

۱۹۷۶ء میں تینوں ہمشیرگان اور رشیدہ و ذیشان مع دو گود کے بچوں کے حج کو آئے۔ اور عزیز سلمان سلمہ جو گود میں تھا۔ اس وقت سے حاجی کہلانے لگا۔ کیونکہ گود کے بچے کو احرام میں دیکھ کر بعض حاجیوں کے بچوں نے اس کو حاجی حاجی کہنا شروع کر دیا تھا۔

دو ماہ کی رخصت میں سفر پاکستان، نکاح اور اہلیہ ثانیہ :

اواخر ۷۷ء میں سفارت خانہ سے دو ماہ کی رخصت لی۔ اور کراچی سے ملتان جا کر لاہور اور سرگودھا کا سفر بھی کیا۔ ملتان واپسی پر حضرت مفتی عبداللہ صاحب کے برادر خورد مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم کی بیوہ، محترمی شیخ احسان الٰہی صاحب مرحوم کی چھوٹی بیٹی سے سفر ۱۳۹۸ھ (جنوری ۱۹۷۸ء) کو نکاح ہوا۔ خطبہ نکاح حضرت مفتی عبداللہ صاحبؒ نے پڑھا۔ اور ایجاب و قبول غالباً حضرت ڈاکٹر حاجی عبدالمجید صاحبؒ نے کرایا تھا۔

ختم ملازمت سفارت خانہ:

نئے سفیر شہاب الثاقب صاحب نے مصر سے اپنے سابق مترجم کو بلالیا، اور احقر کی ملازمت اواخر فروری ۱۹۸۰ء سے ختم ہوگئی۔

تحلیۃ المیاہ میں ملازمت:

تحلیۃ المیاہ ایک سرکاری کارپوریشن ہے۔ جس کے ذمہ سعودی عرب کے مشرقی و مغربی ساحلوں پر پلانٹ لگا کر سمندر کے پانی کو پینے کے قابل بنانا ہے۔ جدہ میں جو اس کے محطات (پلانٹس) ہیں، ان کے مدیر عام شیخ عبدالعزیز نصیف کو بطور مترجم ملازمت کے لئے درخواست دی۔ مکرمی حافظ سلیمان لالہ صاحب ساتھ لے گئے تھے اور مدیر عام سے ملوایا تھا۔ محمد بغدادی صاحب جو اس وقت مدیر تشغیل تھے انہوں نے عربی ترجمہ کا امتحان لیا اور پاس کر دیا۔ غرضیکہ تقرر ہونا طے ہو گیا، لیکن سفارت خانہ کے اقامہ پر نقل کفالہ نہ ہو سکی۔ اور پاکستان جا کر تحلیہ کا ویزا لانا پڑا۔ اسلام آباد سے ویزا مل گیا، اور ۱۰ جمادی الثانیہ ۱۴۰۰ھ (۲۵ اپریل ۱۹۸۰ء) سے تحلیہ کی سرکاری سعودی ملازمت شروع ہوگئی۔

ریاض کو تبادلہ:

اپریل ۸۰ء تا ۸۵ء جدہ میں کام کیا۔ پھر ہیڈ آفس ریاض کا تبادلہ ہو گیا۔

نوٹس : ترجمہ کا کام کم ہونے اور مشتریات کا کام بڑھنے کی وجہ سے مشتریات کا کام بھی کرنے لگا، بلکہ مدیر التموین (سپلائی منیجر) اسامہ باصبرین نے اپنے محکمہ میں داخلی طور پر رئیس مشتریات خارجیہ بھی بنا دیا۔ لیکن رفتہ رفتہ ملازمین کو نوٹس ملتے

رہے۔ آدمی کم ہوتے اور کام بڑھتا گیا۔ مجھے بھی ساٹھ سال کی عمر ہونے پر نوٹس مل گیا۔

حافظ طیب صاحب کا مشورہ اور نوٹس کی منسوخی :

مولانا سید آفتاب احمد صاحب مدظلہ (ابن حضرت مولانا سید بدر عالم صاحبؒ) کے داماد حافظ طیب صاحب نے مشورہ دیا کہ ریاض جا کر ڈپٹی گورنر حسین صاحب سے ملوں۔ چنانچہ ریاض گیا۔ سید خالد عمر صاحب نے ان سے ملوایا۔ گفتگو ہوئی۔ ڈپٹی گورنر صاحب نے نوٹس منسوخ کر دیا۔ لیکن ریاض کا تبادلہ حتمی فیصلہ تھا۔ چنانچہ مرکز رئیسی ریاض میں تبادلہ کے بعد تین سال تحلیۃ المیاہ میں ملازمت کی۔ آخر کار کافی کوششوں کے بعد حکومت کی ملازمت سے پرائیویٹ ملازمت کے لئے تحلیۃ المیاہ سے عزیزم فضیلۃ الشیخ مولوی عبدالوحید صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مالک مطابع الرشید مدینہ منورہ کے نام نقل کفالۃ ہوگئی۔

رہائش مدینہ منورہ :

۲۳ شعبان ۱۴۰۸ھ سے ۱۴ صفر ۱۴۱۱ھ تک رہائش محترم عبدالرحمٰن عباسی صاحب مرحوم (ابن حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسیؒ) کے ورثہ کی عمارت (واقع میدان الاجابۃ، نزد مسجد اجابۃ) میں دور ارضی (نچلی منزل) پر رہی۔ اس کے بعد وسط صفر ۱۴۱۱ھ سے موجودہ مکان میں آگئے، جو شارع مطار محطۃ البرج کے پاس مسجد زغیبی سے قریب عمارت کی دوسری منزل پر ایک شقۃ (فلیٹ) ہے۔ ابھی تک اسی میں قیام ہے اور آخیر سال (۱۴۱۷ھ) تک کرایہ دیا جا چکا ہے۔

مدینہ منورہ آنے کے کچھ مدت بعد مطابع الرشید میں بطور مترجم کام کرنا بھی شروع کر دیا، والحمد للہ۔

عزیزہ حافظہ رشیدہ بیگم سلمہا اور عزیز حاجی ذیشان الٰہی سلمہ کا حج اور عمرہ و زیارت مع اولاد :

۱۹۷۶ء میں تاشیرہ زیارہ پر عزیزہ حافظہ رشیدہ و ذیشان مع دو بچوں عزیزہ حمیرا سلمہا اور حاجی سلمان سلمہ کے آئے۔ اور دونوں بڑی ہمشیرگان اور لندن سے چھوٹی ہمشیرہ بھی آئی تھیں۔ ان سب کے ساتھ احقر نے حج کیا۔ اس وقت میں جدہ میں تھا اور پاکستان سفارت خانہ میں ملازم تھا۔ اور مدینہ منورہ آنے کے بعد ۱۴۰۹ھ میں عزیزہ رشیدہ و عزیز ذیشان سلمہما مع چاروں بیٹوں اور دونوں بچیوں کے عمرہ و زیارت کے لئے آئے۔ اور ۱۴۱۱ھ میں محترم حاجی انوار الٰہی صاحب مدظلہ العالی مع اپنی بعض اولاد اور اولاد کی اولاد کے حج کے لئے تشریف لائے۔ ان کے ساتھ حاجی ذیشان الٰہی اور ان کے دو بچے عزیزان حمیرا و حاجی و سلمان سلمہما اللہ بھی تھے۔

سلوک و تصوف:

امام السلوک شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے نصائح کا پہلا جملہ یہ ہے ”اول مسائل ضروری و عقائد اہل سنت والجماعت حاصل کرے[1]“ اسی طرح حیوۃ المسلمین میں بھی روح اول اسلام و ایمان کے بیان میں ہے۔ اس کے بعد روح دوم تحصیل و تعلیم دین کے بارے میں ہے۔ معلوم ہوا کہ دینی ضروریات میں سب سے اول کام تصحیح

[1] نماز حنفی

عقائد اور بقدر ضرورت طلب علم دین ہے۔

احقر کو اس کا کچھ تھوڑا سا حصہ اسکول کے زمانہ میں تعلیم الاسلام کے چاروں حصے پڑھنے سے حاصل ہو گیا تھا۔ بعد میں بہشتی زیور حصہ اول سے بقدر ضرورت عقائد معلوم ہوئے۔ حضرت تھانویؒ کے مواعظ سے بھی بہت کچھ اصلاح خیال وتصحیح عقائد کا حصہ حاصل ہوا۔ پاکستان آنے کے بعد کراچی میں مارٹن روڈ کوارٹرز میں حضرت العلامہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا سیرت نبویؐ پر ایک وعظ سنا۔ اس سے فائدہ ہوا۔ حضرت مولانا سید مرتضی حسن صاحب چاند پوریؒ سے سوالات پوچھا کرتا تھا۔ بریلویوں کے بعض رسائل دیکھنے سے جو الجھنیں پیدا ہوگئی تھیں ان کا تشفی بخش علاج اور شرح صدر ان کے جوابات سے ہو جاتا تھا۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی صابر علی صاحبؒ سے جو سوالات کرتا تھا، ان سے تشفی ہوتی اور عقائد بھی درست ہوتے تھے۔ حضرت والاؒ نے حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ کی کتب علم الکلام اور عقائد الاسلام کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی ان میں عقائد کا بیان مع الدلائل خوب بسط کے ساتھ ہے۔

جب علی گڑھ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تو تصوف کا لفظ نظر سے گزر چکا تھا یا کان میں پڑ چکا تھا۔ بہر حال اس کو سمجھنے کی جستجو ہوئی۔ اس موضوع پر لائبریری سے کوئی کتاب لے کر بھی پڑھ ڈالی۔ نہ کتاب کا نام یاد رہا نہ اس کی کوئی بات یاد رہی۔ کچھ اس کا خلاصہ حاصل سمجھ میں بھی نہ آیا تھا۔ اسی زمانہ میں حضرت امام غزالیؒ کی کتاب سراج السالکین کے اردو ترجمہ کا مطالعہ کیا، اور مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم الدین کی دو جلدیں بھی پڑھیں۔ فی الجملہ ان سے دین کی طلب پیدا ہونا تو ضروری امر ہے، مگر تصوف کی حقیقت کے بارے میں بآسانی اور واضح طور پر حضرت تھانویؒ کے مواعظ وملفوظات اور بعض رسائل مثل قصد السبیل اور تعلیم الدین وغیرہ ہی سے پتہ چلا۔ اور تربیت السالک تو عملی اصلاح کے عجیب تشخیص امراض باطن و ان کے علاج کے نسخوں کے خزانوں سے بھرپور کتاب ہے۔

حضرت والاؒ سے اصلاحی مکاتیب ۱۳۷۱ھ میں شروع ہوئی۔ جیسا کہ بجواب عریضہ احقر حضرت والاؒ کے والا نامہ کی تاریخ ۳/۴/۷۱ھ سے معلوم ہوا۔ اور پہلے اور آخری عریضہ اور ان کے جواب میں ہدایت ناموں کا تذکرہ باب ۱۵ (ارشاد وافاضہ باطنی) میں آچکا ہے، پہلی اور آخری بار حضرت والاؒ کی زیارت کراچی میں ہوئی اور اس کا ذکر باب ۱۲ (اسفار) اور باب ۱۵ (ارشاد وافاضہ باطنی) میں گذر چکا ہے۔ اور پہلی بار ملتان حاضری کا ذکر بھی باب ۱۵ ہی میں آیا ہے۔ یہ حاضری سندھ مدرسہ اسکول میں ملازمت کے دوران تعطیلات موسم سرما (ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ، دسمبر ۱۹۵۲ء) میں ہوئی۔ سندھ مدرسہ اور اردو کالج کی ملازمت کے دوران تعطیلات میں ملتان حاضری ہوتی رہی۔ پھر دار العلوم ٹنڈو اللہ یار آنے پر رمضان شریف میں حاضری ہوتی رہی۔ سوائے ایک رمضان شریف کے جبکہ حضرت والاؒ خود حیدرآباد وغیرہ تشریف لائے تھے۔ ٹنڈو اللہ یار کے سکونت کے دوران تقریباً دس سال ملتان حاضری ہوئی۔ اور ۶ شوال ۱۳۸۳ھ کو (جنوری ۱۹۶۴ء) (جبکہ خیر المدارس کی جامع مسجد کی محراب کی جانب والے مکان میں اہلیہ اولیٰ اور بچی کے ساتھ قیام تھا) حضرت والاؒ نے احقر کو اجازت بیعت وتلقین سے نواز دیا۔

رمضان المبارک میں قیام خیرالمدارس کے دوران استاذی المحترم حضرت مولانا محمد شریف صاحب جالندھریؒ احقر سے مدرسہ کے امتحانات کے نتائج رجسٹر میں درج کرانے کا شرف عطا فرماتے تھے۔ایک سال رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ میں حضرت والاؒ نے کتب خانہ مدرسہ کی فہرست کا نیا رجسٹر خادم سے لکھوانے کا شرف بخشا۔اس سے اگلے سال غالباً رمضان ۱۳۸۳ھ میں شرح بخاری شریف (الخیر الساری یا خیر الباری علیٰ شرح البخاری) حضرت والاؒ نے تحریر فرمانا شروع کی اور خادم کو اس کے نقل کرنے کا شرف بخشا۔یہ شرح نو قلمی جلدوں میں نقل ہوئی۔(اس کا تعارف باب ۱۷ ''تصنیف وتالیف'' میں گزر چکا ہے)

اس کی نقل کے دوران دو باتیں پیش آئیں۔ایک ان ایام میں سے بعض میں مسرت کی ایسی کیفیت محسوس ہوئی جس کی مثل زندگی میں یاد نہیں۔(گو پہلی بار مواجہ شریف کی حاضری اور مدینہ منورہ میں قیام کے لئے داخلہ کا وقت بھی زندگی میں بے مثل اوقات اور حاصل زندگی تھے) دوسرے اس مبارک تالیف کو نقل کرنے کے دوران قریب کی نظر قدرے کمزور ہو گئی (دور کی نظر کیلئے تو عینک پہلے سے استعمال میں تھی ہی) لیکن اس سے بجائے افسوس کے بہت مسرت ہوئی کہ الحمدللہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ ان آنکھوں کو حدیث رسول پاک ﷺ کی شرح نقل کرنے میں استعمال کرنا نصیب ہوا۔زہے قسمت۔والحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ ملء السمٰوات والارض۔

لقائے بزرگاں:

جن بزرگان کی زیارت ہوئی، بغیر کسی خاص ترتیب کے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ان کے علاوہ بھی بزرگوں کی زیارت ہوئی ہوگی، جن سے زیادہ اعتقاد ہوا اور یاد آئے ان کے اسمائے گرامی لکھ دیئے ہیں۔آ ا)

(۱) حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب تلمیذ شیخ العالم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب (شیخ الہند) قدس سرہ

(۲) حضرت مولانا سید مرتضیٰ صاحب چاند پوریؒ

(۳) حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ

(۴) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

(۵) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

(۶) حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

(۷) حضرت مولانا محمد صادق صاحبؒ (مدرسہ کھڈہ کراچی)

(۸) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ

(۹) حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ

(۱۰) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

(۱۱) حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ

(۱۲) حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوریؒ

(۱۳) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ

(۱۴) حضرت مولانا مفتی اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلویؒ

(۱۵) سیدی ومولائی ومرشدی حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نوراللہ مرقدہ (صاحب سوانح ہذا)

(۱۶) سیدی ومولائی ومرشدی حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب شروانی نوراللہ مرقدہ

(۱۷) حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (۱۸) حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ (شیخ الحدیث)

(۱۹) حضرت حافظ ریاض الحق صاحب کلیانویؒ (۲۰) حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ

(۲۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ (امیر جماعت تبلیغ نظام الدین دہلی)

(۲۲) حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ (۲۳) حضرت سائیں طور شاہ صاحب جالندھریؒ

(۲۴) حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ (استاذ محترم حضرت والاؒ)

(۲۵) حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحبؒ (۲۶) حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ

(۲۷) حضرت حاجی ماسٹر محمد شریف صاحبؒ

(۲۸) حضرت مولانا حبیب اللہ صاحبؒ

(سولجر بازار کراچی میں جناب بٹ صاحب کے مکان پر حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کی مجلس میں ایک بار زیارت ہونا یاد ہے)

(۲۹) حضرت مولانا سید ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم (۳۰) حضرت ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب دامت فیوضہم

(۳۱) حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ (۳۲) حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ

(۳۳) حضرت مولانا جلیل احمد صاحب شیروانی علی گڑھیؒ (۳۴) حضرت حاجی عثمان خان صاحبؒ (الابقا والے)

(۳۵) حضرت مولانا محمود الغنی صاحبؒ سہارنپوری (حیدرآباد دکن)

(۳۶) حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ

(ایک بار دار العلوم ٹنڈو اللہ یار میں حضرت العلامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کے ساتھ زیارت ہونا یاد ہے)

(۳۷) حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ (۳۸) حضرت مولانا مفتی صابر علی صاحب امروہویؒ

(۳۹) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ (میاں جنوں) (۴۰) حضرت نجم احسن صاحبؒ

(۴۱) حضرت حافظ عرفان احمد صاحب سہارنپوریؒ (۴۲) حضرت شیخ محمد حسن صاحبؒ (انوار بک ڈپو)

(۴۳) حضرت حاجی ظفر احمد صاحب تھانویؒ (انجینئر) (۴۴) حضرت قریشی شفیع محمد صاحبؒ (پروفیسر عربی)

(۴۵) حضرت مولانا دین محمد صاحبؒ (مولف شریعت و طریقت، حیدرآباد سندھ میں حضرت والاؒ کی خدمت میں ان کی زیارت ہونا یاد پڑتا ہے)

(۴۶) حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحبؒ (ملتانی) (خیر المدارس و قاسم العلوم وغیرہ کئی مدارس سے تعلق رہا، ملتان میں وفات ہوئی)

(۴۷) حضرت مولانا عبدالغفور صاحب عباسی ہزاروی ثم مدنیؒ (۴۸) حضرت پیر عبدالمالک صاحبؒ

(۴۹) حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانویؒ (۵۰) حضرت ڈاکٹر عبدالمجید صاحبؒ (ریواڑی والے)

(۵۱) استاذی حضرت مولانا سید محبوب الٰہی صاحبؒ (۵۲) استاذی حضرت مولانا محمد وجیہ صاحب مدظلہ العالی

(۵۳) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ

(۵۴) حضرت مولانا اطہر علی صاحبؒ (ضلع میمن سنگھ سابق مشرقی پاکستان) (۵۵) حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ

حضرت والاؒ کے طرز تربیت کی ایک خصوصیت

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوریؒ کے والا نامہ سے اقتباس:

جیسا کہ باب ۱۵ ارشاد وافاضہ باطنی میں گذرا، حضرت والا کے طرز تربیت کی ایک خصوصیت ظاہری استغناء اور زیر تربیت طالب پر اپنے خاص ولی تعلق کا اظہار نہ ہونے دینا تھا، تا کہ ناز کا وقت نہ آنے پائے۔ مثلاً احقر مولف اپنے کو حضرت والاؒ کے ادنیٰ غلاموں میں ہی شمار کرتا تھا۔ لیکن یہ معلوم کر کے حیرت ہوتی تھی کہ بعض حضرات احقر کو اپنے حسن ظن کی بناء پر حضرت والاؒ کے خاص لوگوں میں ہی شمار کرتے تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب رائے پوریؒ (حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحبؒ کے فرزند اور حضرت والاؒ کے خاص تلمیذ رشید) نے احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا: ''جناب والا کو میں اچھی طرح جانتا پہچانتا ہوں۔ آپ حضرت مولانا قدس سرہ کے خاص لوگوں میں سے ہیں۔ ماشاء اللہ بہت خوشی ہوئی کہ آپ حضرت قدس سرہ کے سوانح مرتب فرما رہے ہیں۔ فجزاك الله احسن الجزاء۔

بعض خواب:

خاص مبشرات کے علاوہ ہمارے بزرگوں کے نزدیک خواب کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ تاہم احقر مؤلف کو خواب میں حضرت والاؒ کی کبھی کبھی زیارت ہوتی رہی ہے۔ اور دو تین خواب ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے۔ دو خواب تو حضرت والاؒ کے وصال کے بعد قریب ہی زمانہ میں دیکھے۔

(۱) (شروع رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ) عصر سے پہلے ذرا آنکھ لگ گئی۔ خواب میں حضرت والاؒ کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ میں حاضر ہوا اور ایک شخص اور حاضر ہوا۔ اس نے کچھ درخواست کی یا پرچہ دیا۔ حضرت والاؒ نے اوپر کو نظر فرمائی اور کچھ عمل سا پڑھنا شروع کیا۔ ان کلمات کے معانی سمجھ میں نہیں آئے۔ معلوم ہوا کہ جنات کا عمل پڑھ رہے ہیں۔ اور حضرت والاؒ کا چہرہ مبارک صحت سے بھرپور اور سرخ اور بہت جلال والا نظر آیا۔ اور پھر ایسا روشن ہوا کہ یاد پڑتا ہے نظر جمانا مشکل محسوس ہوتا تھا۔

(۲) (محرم ۱۳۹۱ھ) صبح کے وقت جاگنے کے بعد دوبارہ آنکھ لگ گئی تو حضرت والاؒ کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ ایک طالب علم کو کوئی کتاب پڑھا رہے ہیں۔ وہ فارغ ہوا تو خادم قریب آنے کے لئے اٹھا۔ دیکھا کہ دوسرے طالب علم نے شروع کر دیا تو میں بیٹھ گیا۔ حضرت والاؒ نے ہاتھ کے اشارہ سے بلایا۔ احقر حاضر ہو کر بیٹھ گیا۔ پھر مصافحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ حضرت والاؒ نے مصافحہ تو نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ لاؤ دو کیا دیتے ہو۔ تم تو دیا کرتے ہو۔ خادم اس پر مسرور سا ہے اور ہنس رہا ہے۔ (اس سے خادم نے سمجھا کہ ایصال ثواب کرنا چاہیئے۔ احقر کو ہر نماز کے بعد سورۂ اخلاص تین بار پڑھ کر سب کو ایصال ثواب کرنے کی عادت تو ہے)۔ پھر فرمایا: تم (بہت) میٹھے ہو۔ تم کتنے میٹھے ہو! یہ سن کر خادم شرمندگی سے چپ رہ

گیا۔(اس سے واللہ اعلم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان حوصلہ افزائی کے کلمات پر شرمندہ ہو کر اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنا چاہئے)

(۳) مدینہ منورہ قیام ہی کے زمانہ میں دو چار سال قبل خواب دیکھا کہ حضرت والاؒ نے خادم کو بہت کم ہدیہ یعنی صرف پچیس روپے میں بیان القرآن کی دو جلدیں خوشنما سبز رنگ کی جلد والی عطا فرمائیں۔اس کے بعد سے احقر کے خیال میں چند سال سے قرآن مجید پہلے کی نسبت زیادہ سمجھ میں آنے لگا ہے۔اور بعض اوقات اپنے بارے میں تفسیر یا بعض آیات کریمہ سے کچھ نکات سمجھنے کی مناسبت ہونے کا گمان ہوتا ہے۔واللہ اعلم۔(لیکن احقر کو جو معنی و مفہوم بعض آیات کا سمجھ میں آتا ہے، اس کے صحیح و درست ہونے کے بارے میں اپنی رائے سے فیصلہ کرنے کا قطعاً حق نہیں سمجھتا، جب تک کہ محقق علماء کرام اس کی تصدیق و توثیق نہ فرمادیں)(شب جمعہ ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ)

مرید یا مجاز:

اب تک احقر کا کوئی مرید نہیں۔البتہ اگر کوئی اصلاحی مشورہ لینا چاہتا ہے تو مشورہ دے دیتا ہوں۔ایک بار جدہ سے مدینہ منورہ زیارت کے لئے آیا ہوا تھا، تو ایک صاحب امریکہ وغیرہ کسی بیرونی ملک سے آئے ہوئے تھے، انہوں نے کچھ سوالات کئے اور پھر بیعت ہونے کی درخواست کی۔احقر نے مشورہ دیا کہ بیعت ہونے میں جلدی نہیں چاہیئے۔پہلے آپ واپس جا کر خط لکھیں۔لیکن ان کا کوئی خط نہیں آیا۔

احقر کے ایک خاص دوست اور بزرگ حضرت ڈاکٹر سید محمد عبدالواحد صاحب دامت برکاتہم پہلے حضرت مولانا حافظ محمد عبدالوحید صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی مشورے وغیرہ لیتے تھے۔ان کے بعد احقر سے اس قسم کی گفتگو ہوتی تھی۔احقر نے مشورہ دیا کہ اس وقت بڑے حضرات (حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء) موجود ہیں، ان سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہیے۔وہ اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے کوئی غیبی اشارہ چاہتے تھے۔چنانچہ ایک بار جب احقر ملتان میں تھا، انہوں نے اپنا ایک خواب لکھا۔احقر نے وہ خط حضرت حاجی محمد شریف صاحبؒ کو دکھایا، کیونکہ خواب میں ان کا بھی ذکر تھا۔حاجی صاحبؒ نے خود براہ راست اس خط کا جواب تحریر فرمایا۔اس کے بعد انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ سے اپنا اصلاحی تعلق کر لیا۔جلد ہی انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اجازت بیعت بھی عطا فرما دی۔ان کے بعد انہوں نے سیدی مرشدی حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحبؒ سے اصلاحی تعلق کر لیا۔ان کے وصال سے قبل ان سے بھی مجاز بیعت ہو گئے۔جب احقر سے دینی گفتگو کرتے تھے، اس وقت احقر کو کئی بار تقاضا ہوا کہ ان کو اجازت بیعت دے دی جائے۔لیکن یہ خیال ہوتا تھا کہ ان کے احسانات کی وجہ سے ان سے محبت ہو گئی ہے۔اس سے اہلیت کا تو علم نہیں ہوتا۔لیکن حضرت حاجی صاحبؒ سے اجازت ملنے پر اہلیت کا گمان قوی ہو گیا۔اس وقت میں نے ظاہر کیا کہ مجھے جو اجازت دینے کا تقاضا ہوتا تھا وہ صحیح تھا۔لیکن اب تو حضرت حاجی صاحبؒ سے اجازت کے بعد میری اجازت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن انہوں نے تواضعاً کہا کہ نہیں، آپ اجازت دیدیں۔چنانچہ یہ اجازت مفضول کی طرف سے افضل کو اجازت کے معنی میں ہے۔اور اس کی مثال حضرت تھانویؒ

نے دی ہے، کہ مرغی اپنے انڈوں کے علاوہ کبھی بطخ کے انڈے بھی سیتی ہے۔ اس میں سے بچے نکلتے ہیں، وہ پانی میں تیر نے لگتے ہیں اور مرغی کنارے کھڑے دیکھتی رہتی ہے۔ کیونکہ وہ تو تیرنا نہیں جانتی۔ بلکہ یہ مثال بھی پوری طرح منطبق نہیں، کیونکہ مرغی تو انڈے سیتی ہے۔ یہاں تو سب کام بزرگوں کا کیا ہوا ہے۔ یا بزرگوں کی دعائیں ہیں، اور خود بتوفیقہ تعالیٰ ان کا نصیب ہے کہ غیر مکتسب اخلاق محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کی دین ہے۔ بہر حال احقر نے ان کو اجازت بیعت لکھ دی، جو خود احقر کے لئے باعث شرف ہے۔ ان کے لئے ہمارے حضرت والاؒ کا فیض برکت کا احقر زیادہ سے زیادہ واسطہ کا درجہ رکھتا ہے جیسا کہ بے جان و بے حس نلکے سے پانی پہنچتا ہے۔

(ترجمۃ المؤلف ختم ہوا)

خاتمہ بالخیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ علیٰ مَنِّہٖ وَ کَرَمِہٖ وَ اِحْسَانِہٖ خیرالسوانح بالآخر مدینہ منورہ میں اختتام پذیر ہورہی ہے۔ اور علاوہ مقدمہ اور اس خاتمہ کے تیئس (۲۳) ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ عدد (۲۳) سید الموجودات ﷺ کی مدنی حیات طیبہ کے عدد سنوات سے مطابقت کے لئے تیمناً وتبرکاً اختیار کیا گیا ہے۔

اب احقر کی عمر سن ہجری اسلامی کے حساب سے ۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ کو ۷۴ سال اور سن عیسوی کے حساب سے ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو ۷۲ سال ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ باقی عمر عافیت دارین اور اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق کے ساتھ گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ خاتمہ علی الایمان اور مدینہ میں حسن خاتمہ سے نوازیں، جنت البقیع میں دفن ہونا نصیب فرمائیں، اور مغفرت ورحمت سے مالا مال فرمائیں (آمین ثم آمین)

معذرت، تمنا، درخواست ووصیت اور دعاء:

چونکہ یہ کتاب ضعیف العمری اور عوارض کی حالت میں پوری ہورہی ہے۔ اس لئے کم از کم اغلاط باقی نہ رہ جانے کی تمنا تو شاید پوری نہ ہو سکے گی، البتہ اہل حق کی دینی تالیف میں اغلاط کتابت کی کثرت اور بعض شدید اغلاط کی مضرت کے اندیشہ سے دل بہت کڑھتا ہے۔ اگر خود احقر اس کتاب کی کماحقہ تصحیح نہ کر سکا تو ناشر حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ براہ کرم ضرور اس کتاب کی تصحیح کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا جائے، اور طباعت وغیرہ عمدہ ہونا بھی قابل مسرت امر ہے۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس تمنا کو پورا فرمائیں اور اس کتاب میں جو بزرگان دین کی باتیں نقل کرنے کی توفیق عطا ہوئی ہے، اس کو مقبول ومفید بنائیں اور اپنی طرف سے جو ہرزہ سرائی کی ہے اس کو معاف فرمائیں (آمین ثم آمین)

معافی نامہ:

احقر کو اپنا سفرِ آخرت بھی قریب ہی نظر آتا ہے۔ اس لئے ایک گزارش اور اعلان[1] ہے۔ وہ یہ کہ جو صاحب بھی اسے پڑھیں، ان کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے درخواست ہے کہ میرے لئے دعاءِ مغفرت اور حسنِ خاتمہ کیلئے دعاء فرمادیں، اور اگر کسی کا مالی حق میرے ذمہ رہ گیا ہو، جسے میں بھول گیا ہوں تو براہِ کرم وہ مجھے یاد دلادیں۔ اگر مجھے یاد آ گیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی کردوں گا۔

رہے غیر مالی حقوق۔ مثلاً کسی کو ناحق کچھ کہہ لیا ہو، کسی کی دل شکنی کی ہو، خواہ روبرو یا پس پشت، خواہ ابتداءً ایسا کیا ہو یا انتقام میں جائز حدود سے تجاوز ہو گیا ہو، یا کسی کو ناحق بدنی ایذاء پہنچائی ہو۔ (اس قسم کے حقوق کا احتمال زیادہ ہے)۔ ان سب اہلِ حقوق کی خدمت میں دست بستہ نہایت لجاجت سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ ان حقوق کا خواہ مجھ سے معاوضہ لے لیں۔ بشرطیکہ مدعی کا صدق میرے دل کو لگ جائے۔ خواہ حسبۃً للہ معاف فرمادیں۔ میں دونوں حالتوں میں ان کا شکرگزار ہوں گا کہ مجھ کو آخرت کے محاسبہ سے بری فرمایا۔ اور معافی کی صورت میں دعاء کرتا رہوں گا کہ میرے ساتھ مزید احسان فرمایا۔ حق تعالیٰ جزائے خیر دیں۔ احقر آفتاب احمد (شب یکشنبہ ۲ شوال ۱۴۱۷ھ/ ۹ فروری ۱۹۹۷ء)

تاریخ تکمیل خیرالسوانح:

الحمد للہ سبحانہ وتعالیٰ علیٰ منّہ و کرمہ و احسانہ کہ بالآخر آج یوم پنجشنبہ ۶ شوال[2] ۱۴۱۷ھ (مطابق ۱۳ فروری ۱۹۹۷ء) کو "خیرالسوانح" مکمل ہوئی۔ اور یہ اختتامی کلمات بعد نماز فجر مسجد نبوی شریف میں لکھنے کی توفیق ہو رہی ہے۔ جیسا کہ ابتدائی کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ شریف میں لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائے اور نافع بنائے، (آمین ثم آمین)۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْم۔ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ اَوَّلًا وآخراً۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ بِنِعْمَتِه تَتِمُّ الصَّالِحَات۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم۔ رَحْمَةٍ لِّلْعَالَمِيْنَ مَحْبُوْبِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا وَ حَبِيْبِنَا وَ شَفِيْعِنَا مُحَمَّدٍ وَ آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

---

1. احقر نے اس اعلان کی عبارت حضرت سید قمرالدین احمد صاحب دامت برکاتہم سے نقل کی ہے۔ انہوں نے یہ عبارت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے وصیت نامہ سے نقل کی تھی۔ اور انہوں نے ایسا اعلان حضرت تھانوی کے اتباع میں کیا تھا۔ کیونکہ یہ عمل قابلِ اتباع پایا اور اس کی عبارت مختصر ہونے کے ساتھ جامع نظر آئی۔ احقر نے بھی اسی کو اختیار کر لیا۔ (آ۔ا)

2. احقر کو حضرت والا سے اجازت بیعت ہونے کی تاریخ ۶ شوال ۱۳۸۳ھ ہے۔ اسی تاریخ کو چونتیس ۳۴ سال کے بعد "خیرالسوانح" مکمل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ والحمد للہ سبحانہ وتعالیٰ (آ۔ا)

فہرست مآخذ خیرالسوانح

(۱) قرآن مجید

(۲) حدیث نبوی شریف: مشکوۃ المصابیح

(۳) حدیث نبوی شریف: رسالہ شیم الحبیب (از نشرالطیب وازازلۃ الوسن بالف من السنن (انتخاب ازمشکوۃ شریف)

(۴) نقش حیات خیرمحمد (خودنوشت قلمی سوانح حضرت والاؒ)

(۵) مسودہ خیرالسوانح (ترتیب جناب ماسٹر صوفی محمد اقبال قریشی صاحب ہارون آبادی زادمجدہم)

(۶) شریعت وتصوف (تالیف سیدی مسیح الامۃ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب شروانی نوراللہ مرقدہ)

(۷) ذکرخیرویادشریف

(۸) آثارخیر (مجموعہ بعض تالیفات حضرت والاؒ)

(۹) بعض اکابر کی تحریرات جیسے استاذی المعظم حضرت العلامہ مولانا ظفراحمد عثمانیؒ کا مقالہ ''ذکرخیر''

(۱۰) مکاتیب تعزیت بزرگان دین ودیگرحضرات

(۱۱) ماہنامہ ''الخیر'' شعبان ورمضان ۱۴۰۷ھ

(۱۲) تعارف وتاریخ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

(۱۳) نقول مکاتیب حضرت والاؒ بنام حضرت العلامہ مولانا سید قاضی زاہدالحسینی صاحب مدظلہ
بابت عقیدہ حیات النبی ﷺ مع نقول فتویٰ دارالعلوم دیوبند،
تحریرحضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور اکابرعلماء دیوبند کا متفقہ اعلان بابت عقیدہ حیات۔

(۱۴) تسہیل المواعظ وبعض دیگرمواعظ حضرت حکیم الامت تھانویؒ

(۱۵) اشرف السوانح مع خاتمۃ السوانح، حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ

(۱۶) سیرت اشرف جناب منشی عبدالرحمٰن خان صاحب مرحوم

(۱۷) بوادرالنوادر۔حضرت تھانویؒ

(۱۸) حضرت حکیم الامت تھانویؒ اکابراورمعاصرین کی نظرمیں۔تالیف حضرت سیدمحمودحسن صاحبؒ

(۱۹) مکتوبات وملفوظات اشرفیہ۔تالیف حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(۲۰) تذکرۃ الظفر (سوانح حضرت مولانا ظفراحمد عثمانیؒ) تالیف حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی مدظلہ

(۲۱) مشاہدات احقرمولف

(۲۲) مکتوبات حضرت والاؒ بنام احقر مؤلف

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ کا مقام اور اخلاقِ حسنہ بزرگانِ دین کی نظر میں

مفکرِ ربانی مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ علماء و اولیاء کی صف میں ایک بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ایسی جامع علم و عمل ہستیاں قرنوں میں کہیں پیدا ہوتی ہیں۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد مغربی پاکستان میں علوم اسلامیہ کا سب سے بڑا مرکزی مدرسہ ملتان شہر میں آپ ہی کے دست مبارک سے بنا۔ اور ان شاء اللہ تاقیامت آپ کی یادگار اور صدقہ جاریہ بن کر جاری رہے گا۔

سید المفسرین حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ تو جامع کمالات تھے۔ ان کے اوصاف و کمالات کا ذکر کس انداز میں کیا جائے۔ ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ علم دین کی خدمت میں گزرا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ایک ایسا چشمۂ علم جاری فرما گئے ہیں جو ان کی نجات کے لئے کافی ہے۔ باقی کمالات علمی و روحانی الگ ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جید عالم دین اور شیخ العصر تھے۔ قدیم بزرگوں کی سادگی کا پیکر، تواضع و انکساری کا مجسمہ، خوش اخلاق اور اسلاف کی یادگار تھے۔ رُشد و ہدایت اور دینی فیضان کا منبع و سرچشمہ تھے۔ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے اجل خلفاء میں ایک ممتاز شخصیت و حیثیت کے مالک تھے۔ اپنے حسنِ اخلاق اور حسنِ تدبر ہی سے آپ نے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی زیرِ سرپرستی ایک دینی مدرسہ جالندھر میں قائم کیا...... اور در اصل حضرت مولانا مرحوم کا حسنِ اخلاق، عمقِ علم اور اس پر حسنِ نیت و اخلاص اس مدرسہ کی اساس ہے۔

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی نظر میں:

حضرت مولانا مرحوم اپنے دور کے جید اور ممتاز عالم تھے، بلکہ بڑے عاقل و متین اور مدبر و منتظم تھے علم و وقار کا مجسمہ اور خدا ترسی و للّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے۔ ان کی موت عقل و دانش، حلم و وقار، تدبر و انتظام اور مکارمِ اخلاق کی موت ہے، ان کے وجود سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا، خانقاہ کی عظمت باقی تھی۔ ارشاد و تلقین کی شمعیں روشن تھیں اور اصلاح و تربیت کی محفلیں آباد اور بارونق تھیں۔

شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کی نظر میں:

حضرت مولانا جالندھری رحمۃ اللہ علیہ اپنے کمالاتِ علمی اور روحانی کے اعتبار سے علم و عرفان کے ایک روشن چراغ تھے۔ اور علومِ ظاہرہ میں کامل و مکمل اور مقاماتِ باطنیہ میں بہت بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ معقولات و منقولات کے اس وقت امام تھے، اور علومِ دینیہ کے خزانہ تھے۔

خطیبِ پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانویؒ کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی آنکھ کیا بند ہوئی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ خیر کا ایک چشمہ تھا جو یک لخت سوکھ گیا۔ آپ عالمِ اسلام کی ان گنی چنی شخصیات میں سے ایک تھے جو ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ ناز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ جیسی جامع علم و عمل ہستی کی کمی آئندہ آنے والے زمانوں میں شاید صدیوں تک محسوس کی جاتی رہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحبؒ کی نظر میں:

اُستاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ برصغیر پاک و ہند کے چند ممتاز و جید علماء میں سے تھے۔ ان کی وفات سے علم و عرفان کا چراغ بجھ گیا ہے...... حضرت مولانا جس طرح اپنے اخلاقِ باطنہ میں بلند مقام کے مالک تھے اسی طرح علومِ ظاہرہ تفسیر و حدیث، فقہ و کلام اور منطق و فلسفہ کے بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اور وہ جامع علم و عمل اور تصوف و سلوک کے کامل شیخ تھے۔ آپ جیسے مخلص، پاک باز اور اہلِ دل بزرگ کہیں قرنوں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ وہ خلوص و للّٰہیت کا بہترین نمونہ اور زہد و تقویٰ کا مجسمہ تھے۔

حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستیؒ کی نظر میں:

حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ایک جید عالم دین، عظیم محدث، محقق، مدبر اور شیخ کامل تھے۔ وہ علماء سلف کی زندگی کا بہترین نمونہ تھے۔ مولانا مرحوم کی ساری زندگی تبلیغ دین، درس و تدریس اور تربیت و اصلاح میں صرف ہوئی۔ پاکستان بھر کے علماء میں بلند مقام رکھتے تھے۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے وہ مشکل ہی سے پُر ہوگا۔